رجسٹرڈ ایل نمبر ۳۰۳

آؤ لوگو کہ یہیں نورِ خدا پاؤ گے ✤ لو تمہیں طور تسلی کا بتایا ہم نے

ریویو آف ریلیجنز

یعنی

دنیا کے مذاہب پر ناظر

جلد ۴ بابت ماہ جنوری ۱۹۰۵ء نمبر ۱

فہرست مضامین

چندہ سالانہ .... عہ

آؤ لوگو کہ یہیں نورِ خدا پاؤ گے ✤ لو تمہیں طورِ تسلّی کا بتایا ہم نے

ریویو آف ریلیجنز

یعنی

مذاہبِ عالم پر نظر

جلد ۴

از جنوری ۱۹۰۵ء لغایت دسمبر ۱۹۰۵ء

ایڈیٹر.............محمد علی

مقام اشاعت - دارالامان قادیان ضلع گورداسپور

قیمت عہ - باہتمام چودھری اللہ داد میگزین پریس مینیجر میگزین کیلئے طبع ہوا

فہرست مضامین ریویو آف ریلیجنز جلد ۴

متفرق مضامین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ ونصلّی علیٰ رسولہ الکریم

پردہ

اسلامی پردہ کے حدود

پردہ کا سوال اس وقت ہر طرف پوچھا جا رہا ہے لیکن جہانتک ہم نے غور کیا ہے اِس مضمون پر باوجود کثرت مباحثات کے پوری روشنی نہیں ڈالی گئی ہے۔ اور نہ ہی مذہبی پہلو سے اس پر سیر کن بحث ابتک ہوئی ہے۔ جیساکہ ہم نے گذشتہ نمبر میں ذکر کیا تھا ہندوستان میں ایک طرف تو وہ مسلمان موجود ہیں جو خیال کرتے ہیں۔ کہ مسلمانوں کی دُنیوی ترقی اُنکی عورتوں کی بے پردگی کے ساتھ بطور لازم ملزوم کے وابستہ ہے۔ لیکن ہم ابھی تک اس تعلق کے ثبوت کے منتظر ہیں۔ اور وہ دلائل سننا چاہتے ہیں جن پر یہ دعوٰے مبنی ہے۔ دوسری طرف اہل اسلام کا وہ فریق ہے جن کے خیال میں ہندوستان کا مروجہ پردہ صحیح اور اسلامی پردہ ہے۔ اور اُن کے نزدیک ایک سرمو کے برابر بھی اس سے انحراف کرنا دائرہ اسلام سے خارج ہونا ہے گویا فریق اول تو اسی امر پر مصر ہے۔ کہ جس آزادی اور بیقیدی سے یوروپ کی عورتیں غیر محرم مردوں کے سامنے آتی جاتی اور اُن سے ملتی جلتی ہیں ویسی ہی آزادی ہندوستان میں مسلمان عورتوں کو بھی دینی چاہئے اور فریق ثانی اس بات کا خواہاں ہے۔ کہ عملی طور پر عورتوں کو باہر نکلنے سے یا کاروبار کرنے سے قطعاً ممانعت ہونی چاہئے۔ سچی بات یہ ہے کہ عورتوں کی تعلیم اور ترقی کو اُن کے غیر محرموں کے ساتھ میل جول رکھنے اور بیقیدی سے باہر پھرنے سے کوئی تعلق نہیں ہے انگلستان اور یورپ کے بہت سارے دوسرے ملکوں میں عورتیں کبھی مستور نہیں رہیں لیکن اس کا یہ نتیجہ نہیں ہوا کہ ابتدا سے ہی ان ممالک کی عورتوں نے علوم میں ترقی حاصل کر لی ہو۔ بلکہ اُن کے درمیان تعلیم کا رواج بہت تھوڑے عرصہ سے شروع ہوا ہے اگر ہندوستان کی مسلمان اقوام کو ہی دیکھا جاوے تو اُن میں ۸۰ فیصدی ایسے لوگ ہونگے جو پردہ کے پابند نہیں لیکن کیا یہ سچ ہے کہ ان قوموں نے جن میں پردہ کا رواج نہیں پردہ کی پابند اقوام کی

نسبت علوم اور تہذیب میں بڑھ کر ترقی حاصل کر لی ہے یہ ہرگز نہیں بلکہ برخلاف اس کے ہم دیکھتے ہیں۔ کہ اگر
کچھ ترقی ہندوستان کے مسلمانوں نے کی ہے تو صرف اُنہیں لوگوں نے جو پردہ کے پابند ہیں۔ اصل
بات یہ ہے۔ کہ پردہ کا رواج مسلمانان ہند کے اعلےٰ طبقات میں ہی پایا جاتا ہے۔ اور یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے
نئی تہذیب اور تعلیم کی روشنی سے زیادہ فائدہ اُٹھایا ہے۔ پردہ کی منسوخی کے مجوزوں کے دلائل اُس وقت
دلکش معلوم ہو سکتے تھے جبکہ ہندوستان کے اندر موجودہ حالت سے برعکس حالت نظر آتی یعنی پردہ کی پابند
اقوام تنزل کی حالت میں ہوتیں۔ اور وہ جنمیں پردہ کا رواج نہیں تہذیب اور تعلیم میں ان سے فوقیت لیجاتیں
موجودہ صورت میں اگر کوئی نتیجہ پیدا ہو سکتا ہے تو وہ یہی ہوگا کہ جبتک اُن اقوام کو جن میں پردہ کا رواج نہیں ہے
اُسی قسم کے تحت پردے کے نیچے نہ لایا جاویگا جیسا کہ اعلےٰ طبقہ کے مسلمانوں میں مروج ہے وہ کوئی ترقی
نہیں کر سکینگی لیکن ان واقعات سے ایسا نتیجہ نکالنا ایسی ہی حماقت ہے جیسا کہ بعض آزاد خیال مسلمانوں
کا اقوام یوروپ کو دیکھ کر یہ خیال دل میں جما لینا کہ ہم اس ترقی کے معراج پر کبھی نہیں پہنچ سکتے جہاں یوروپ
پہنچا ہؤا ہے جبتک کہ اپنی مستورات کو یوروپ کی عورتوں کی طرز پر بیقیدی اور بے پردگی کی راہوں میں
نہ چلاوینگے ہماری سمجھ میں یہ دونوں نتیجے ایک ہی غلطی کا نتیجہ ہیں۔ اگرچہ اس میں شک نہیں کہ اول الذکر
نتیجہ اس لحاظ سے زیادہ قابل وقعت ہے کہ اسمیں ایک ہی ملک کے رہنے والے اور ایک ہی مذہب کے پیرو
دو ایسے فریقوں کا مقابلہ ہے جن میں صرف رواج پردہ کے لحاظ سے ہی بڑا بھاری اختلاف ہے۔
اور باقی حالات قریباً یکساں ہیں۔ اور دوسرے نتیجہ میں جو ہمارے آزاد خیال دوستوں کی جودت طبع کا نتیجہ
ہے ایسی دو اقوام کا مقابلہ ہے جن میں رواج پردہ کا اختلاف بمقابل دوسرے اختلافات کے۔ جو
مُلکی حالات وغیرہ سے پیدا ہوتے ہیں بہت چھوٹی سی چیز ہے۔ پھر اگر اُن اقوام کی حالت پر غور کیا جاوے
جو مسلمانوں کے ساتھ اسی مُلک ہند میں رہتی ہیں تو یہ اور بھی صفائی سے نظر آتا ہے۔ کہ مسلمانوں کا اعلےٰ
تعلیم میں پیچھے رہ جانا کسی صورت میں رواج پردہ کی طرف منسوب نہیں کیا جا سکتا۔ ہمارا یہ مطلب نہیں کہ وہ
پردہ جو ہندوستان میں مروج ہے اس قابل ہے کہ ہم اُسکی ہر پہلو سے تائید کریں۔ اور اُسی کو دیگر ممالک میں
بطور ایک مفید اور ضروری قانون کے پیش کریں۔ کیونکہ قرآن شریف پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ
ہندوستان میں پردہ کے معاملہ میں حد سے بڑھ کر سختی ہو رہی ہے۔ اور جہانتک اسلام کا منشاء پردہ سے
ہے اس سے مسلمانان ہندوستان بہت آگے بڑھے ہوئے ہیں۔ ہاں اس میں شک نہیں کہ منسوخی پردہ
کے مجوز دلائل سے بالکل خالی ہاتھ ہیں۔ اور اسلامی پردہ کو زوال کا باعث قرار دینے میں صرف
یوروپ کے رُعب سے متاثر ہو رہے ہیں نہ حق اور حقیقت سے۔ اس صورت میں جبکہ پردہ کا سوال

ہرطرف چھڑ گیا ہے۔ یہ ازحد ضروری ہے کہ اہل اسلام اس امر پر غور کریں کہ اسلامی پردہ کیا ہے۔ اور اسی پر کاربند ہوں اور جھوٹھی قومی غیرتوں کو چھوڑ کر اس راہ پر چلیں جو اسلام نے سکھائی ہے۔ اور جو حقیقی تہذیب اور شائستگی کی راہ ہے +

سب سے پہلا سوال یہ ہے کہ پردہ کی حد کہاں تک ہے۔ اور اس کے متعلق ہم قرآن کریم کی وہ آیات پیش کرتے ہیں۔ جن میں پردہ کا حکم نازل ہوا ہے۔ سورہ نور میں خداوند تعالےٰ فرماتا ہے۔ قل للمؤمنین یغضوا من ابصارھم و یحفظوا فروجھم ذلک ازکی لھم و قل للمؤمنٰت یغضضن من ابصارھن و یحفظن فروجھن ولا یبدین زینتھن الا ما ظھر منھا ولیضربن بخمرھن علیٰ جیوبھن ولا یبدین زینتھن الا لبعولتھن او اٰبائھن او اٰباء بعولتھن او ابنائھن او ابناء بعولتھن او اخوانھن او بنی اخوانھن او بنی اخواتھن او نسائھن او ما ملکت ایمانھن او التابعین غیر اولی الاربة من الرجال او الطفل الذین لم یظھروا علیٰ عورٰت النساء ولا یضربن بارجلھن لیعلم ما یخفین من زینتھن و توبوا الی اللہ جمیعًا ایہ المؤمنون لعلکم تفلحون۔ (النور ۳۰-۳۱) ان آیات کا ترجمہ ذیل میں درج ہے "مسلمان مردوں کو کہدو کہ وہ اپنی آنکھیں نیچے رکھیں۔ اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں۔ یہ اصول اُن کے لئے بہت پاکیزہ ہے اور جو کچھ وہ کرتے ہیں اللہ اس سے خوب خبردار ہے۔ اور مسلمان عورتوں کو کہدے کہ وہ اپنی آنکھیں نیچے رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں اور اپنی زینت لوگوں کو نہ دکھاویں مگر وہ حصہ جو (عادتًا اور ضرورتًا) اس میں سے ظاہر رہے۔ اور چاہئے کہ وہ اپنی اوڑھنیاں اپنے گریبانوں پر ڈال لیں۔ اور اپنی زینت کو ظاہر نہ کریں مگر واسطے اپنے خاوندوں کے یا اپنے باپوں کے یا اپنے خاوندوں کے باپوں کے یا اپنے بیٹوں کے یا اپنے خاوندوں کے بیٹوں کے یا اپنے بھائیوں کے یا اپنے بھائیوں کے بیٹوں کے یا اپنی بہنوں کے بیٹوں کے یا اپنی عورتوں کے یا جن کے مالک ہوئے داہنے ہاتھ اُن کے یا مردوں میں سے ایسے لوگ جو ساتھ رہتے ہیں۔ اور عورتوں کی حاجت نہیں رکھتے یا لڑکوں کے جو عورتوں کی چھپی باتوں پر واقف نہیں۔ اور چاہئے کہ (راستوں میں چلتے وقت) اپنے پاؤں کو زمین پر ایسے طور سے نہ ماریں کہ اُن کی چھپی ہوئی زینت ظاہر ہو جاوے۔ اور مسلمانو تم سب کے سب اللہ کی طرف توبہ کرو تاکہ تم خوشحالی کو پالو" +

یہ ہیں کلام آلہی کے الفاظ پردہ کے متعلق اور انھیں آیات میں مسلمانوں کے لئے پردہ کا حکم فرمایا گیا ہے،

اس جگہ ایک تو یہ امتیاز کیا گیا ہے۔ کہ غیر محرم مردوں کے سامنے عورتیں اور طرح پر نکلا کریں۔ اور اپنے کنبہ کے لوگوں اور قریبی رشتہ داروں کے سامنے جن کی تفصیل آیات ممدوحہ بالا میں دیگئی ہے بے تکلفی سے پھر لیا کریں۔ پھر اسی پردہ کے متعلق دو الگ الگ حکم موجود ہیں یعنی ایک تو آنکھوں یعنی نگاہوں کو نیچے رکھنے کا حکم جس میں مرد اور عورت دونوں شامل ہیں۔ اور دوسرے زینت کو ایک محدود دائرے سے باہر چھپانے کا حکم جو صرف عورتوں سے مخصوص ہے سب سے پہلے ہمیں لفظ زینت کے معنے دیکھنے ضروری ہیں زینت ہر ایک ایسی شے کا نام ہے جس سے زیبائش یا آرائش کیجاوے یا جو خوبصورتی کو نمایاں کرنیوالی ہو۔ زینت کے مفہوم کے متعلق دو مذہب ہیں۔ اول یہ کہ زینت میں خلقت یعنی جسم کی خوبصورتی بھی شامل ہے دوسرے یہ کہ زینت میں خلقت شامل نہیں ہے۔ جو مفسرین دوسرے پہلو کی طرف گئے ہیں۔ اُن کے نزدیک زینت تین قسم کی ہے۔ ۱ اول اصباغ۔ جیسے مہندی لگانا یا آنکھوں میں سرمہ لگانا ۲ زیورات سونا چاندی جواہرات کی قسم سے ۳۔ لباس تیسرے معنوں میں اور جگہ بھی یہ لفظ زینت قرآن کریم میں استعمال ہوا ہے جیسا کہ خذوا زینتکم عند کل مسجد سے ظاہر ہے جہاں زینت سے صریح لباس مراد ہے۔ یہ تقسیم تفاسیر سے معلوم ہوتی ہے۔ اور جو شخص دیکھنا چاہے تفسیر کبیر اور ابن جریر کی تفسیر کو دیکھ سکتا ہے۔ اب عورتوں کے پردہ کے متعلق جو حکم یہاں وارد ہوا ہے وہ صرف اس قدر ہے کہ لا یبدین زینتھن الا ما ظھر منھا۔ یعنی عورتوں کو اپنی زینت ظاہر نہ کرنی چاہئے سوائے ایسی زینت کے جو خود ظاہر ہی ہوتی ہے پس یہاں دو قسم کی زینت کا ذکر ہے۔ جیسا کہ مفسرین کا اتفاق ہے۔ ما خفی و ما ظھر۔ یعنی ایک وہ زینت جو چھپائی جا سکتی ہے۔ اور جس کے چھپانے کا حکم ہے اور دوسری وہ زینت ہے جو ظاہر ہے۔ اور جو چھپائی نہیں جا سکتی پس قرآن کریم جس پردہ کا حکم دیتا ہے وہ یہ ہے۔ کہ عورتیں اُس زینت کو جو چھپائی جا سکتی ہے اجنبی مردوں یعنی غیر محرموں کے سامنے ظاہر نہ کریں۔ کیونکہ اس کا اظہار نہ تو معمولی حالات کے ماتحت ضروری ہی ہے۔ اور نہ ہی کسی صورت میں پسندیدہ ہے +

اس قدر بحث کے بعد اب اصل سوال ایک مختصر سی صورت اختیار کر لیتا ہے کیونکہ اب بحث طلب امر صرف یہ باقی رہ جاتا ہے۔ کہ وہ کونسی خاص قسم زینت کی ہے جس کی عورت کو چھپانے کی ضرورت نہیں خواہ اُسے اجنبیوں کے سامنے یا باہر ہی نکلنا پڑے جیسا کہ آیت شریفہ سے جو اوپر نقل کیگئی ہے ظاہر ہے یہ زینت الا ما ظھر منھا میں آتی ہے۔ اسلئے ان الفاظ کے معنوں پر غور کرنا ضروری ہے مفسرین نے عموماً اس کے معنے وہی لئے ہیں جو قفال ان الفاظ میں بیان کرتا ہے۔ ای ما یظھرہ

الانسان فی العادۃ الجاریۃ وذلک فی النساء الوجہ والکفین یعنی ماظھر منہا سے مراد
یہ ہے۔ کہ جسے انسان عادت جاریہ میں ظاہر کرتا ہے۔ اور عورتوں میں یہ چہرہ اور دونوں ہاتھ ہیں
عام مفسرین کے نزدیک یہی رائے مقبول ہے۔ کہ چہرہ اور ہاتھ عورت اپنی ضروریات کے لئے کھلے
رکھ سکتی ہے۔ مثلاً جب اُسے باہر نکلنا پڑے لیکن شریعت اسلام کے رو سے ان کے سوا جسم کا اور کوئی
حصہ وہ کھلا نہیں رکھ سکتی۔ اور نہ ہی اپنی زینت کو خواہ از قسم زیورات ہو۔ اور خواہ لباس ہو ظاہر کرسکتی ہے
پس شریعت اسلام صرف اسی قدر چاہتی ہے۔ کہ چہرہ اور ہاتھوں کے سوا باقی تمام جسم مستور رہے۔ یہ بات یاد
رکھنی چاہئیے۔ کہ چہرہ سے ہماری مراد صرف چہرہ کا وہ حصہ ہے جس کا کھلا رکھنا معمولی حالات کے نیچے ضروری
معلوم ہوتا ہے۔ اور جس میں آنکھیں ناک اور مُنہ شامل ہیں۔ کیونکہ ان کے کھلا رکھنے کے بغیر انسان آزادی سے نہ دیکھ
سکتا ہے۔ نہ سانس لے سکتا ہے اور نہ بول سکتا ہے لیکن اس سے زیادہ کی قرآن شریف اجازت نہیں دیتا
یہ صرف ان حصوں کے کھلا رکھنے کی اجازت دیتا ہے جن کا کھلا رکھنا زندگی کے روزمرہ حالات کے نیچے
انسان کے لئے ضروری ہوتا ہے۔ اور جس کے بغیر معمولی کاروبار کے کرنے میں وقت پیش آتی ہے۔ سر کا
کپڑا ایسے طور پر اوڑھا جاسکتا ہے کہ جس سے پیشانی کا کچھ حصہ اور آنکھیں اور ناک اور مُنہ کھلے رہیں
اور باقی حصہ چہرہ کا چھُپا رہے۔ اس مضمون میں ہماری مراد چہرہ سے چہرہ کا صرف اسی قدر حصہ ہوگی پاؤں
کے کھلا رکھنے کے متعلق اختلاف ہے لیکن ہمارے نزدیک پاؤں کا کھلا رکھنا یا نہ رکھنا انسان کے ذرائع
پر منحصر ہے۔ آواز کو بالاتفاق سب نے پردے سے باہر رکھا ہے۔ اس قسم کی زینتیں جیسے انگوٹھیاں یا حنا یا
سُرمہ ضرورتاً ظاہر رہینگی جبکہ ہاتھ اور چہرہ کھلے ہونگے۔ اور اس لئے یہ تمام چیزیں اسی استثنا میں آتی
ہیں۔ جس کو قرآن شریف نے لفظ الا ماظھر منہا میں بیان فرمایا ہے۔ خود لفظ عورت سے بھی یہی شہادت
ملتی ہے۔ کہ عورت کا چہرہ اور ہاتھ ان اجزا میں داخل نہیں جن کا چھپانا ضروری ہے۔ چنانچہ لفظ عورت کا
ترجمہ عربی لغتوں میں اس طرح پر دیا ہے عورت جسم کا وہ حصہ یا حصے ہیں جن کا کھلا رکھنا ناشائستہ سمجھا جاتا
ہے۔ اور مردوں میں اس سے مراد ناف اور زانوں کے درمیان کا حصہ ہے۔ اور آزاد عورتوں میں تمام جسم
سوائے چہرے کے اور ہاتھوں کے۔ اور پاؤں کے متعلق اختلاف ہے لونڈیوں میں وہی حصہ عورت میں
داخل ہے جو مردوں میں ہے۔ اور ان کے جسم کے وہ حصے جو خدمت کے وقت کھلے رہتے ہیں۔ جیسے سر
اور گردن وغیرہ۔ یہ عورت میں شامل نہیں یہی تشریح امام رازی نے بھی لفظ عورت کی کی ہے۔ اور پھر
وہ پردہ کی ضرورت کو اور اس کے حدود کو ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں۔ فامروا بستر مالا تودی
الضرورۃ الی کشفہ ورخص لھم فی کشف ما اعتید کشفہ وادت الضرورۃ الی اظہارہ

اذ کانت شرائع الاسلام حنیفیۃ سہلۃ سمحۃ ولما کان ظہور الوجہ والکفین کالضروری لاجرم اتفقوا علی انہما لیسا بعورۃ - ترجمہ پس حکم دیا گیا ہے چھپانے کا ان چیزوں کے جن کے کھلا رکھنے کی ضرورت پیش نہیں آتی - اور اجازت دی گئی ہے اُن چیزوں کے کھلا رکھنے کی جو عادتاً کھلی رہتی ہیں اور جن کے اظہار کی ضرورت پڑتی ہے - کیونکہ شریعت اسلام انسان پر بوجھ نہیں ڈالتی بلکہ آسان شریعت ہے - اور چونکہ چہرہ اور ہاتھوں کا کھلا رکھنا ضروری ہوتا ہے - اس لئے اس امر پر اتفاق ہے - کہ یہ دونوں چیزیں عورت میں داخل نہیں +

تفسیر ابن جریر اور تفسیر کبیر میں وہ تمام روائتیں جمع کی گئی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے - کہ زینت ظاہر سے جس کے کھلا رکھنے کی عورتوں کو اجازت ہے چہرہ اور ہاتھ مراد ہیں - چنانچہ ابن عباس - سعید ابن جبیر - عطا - اوزاعی ضحاک - حسن وغیرہ کے اقوال بہ تفسیر الا ما ظہر منہا نقل کئے گئے ہیں کہ ان الفاظ سے مراد چہرہ اور ہاتھ ہیں - ایسا ہی قتادہ کی روائت پر یہ حدیث بھی بیان کی گئی ہے - ان المرأۃ اذا بلغت المحیض لم یصلح ان یری منہا الا وجہہا ویداہا - یعنی عورت جب بالغ ہو جائے تو پھر جائز نہیں - کہ اس کے جسم کا کوئی حصہ سوائے چہرہ اور ہاتھوں کے دیکھا جاسکے - یہ امر بھی مسلم ہے - کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں عورتیں مسجدوں میں جماعت کے ساتھ جہاں مرد بھی موجود ہوتے تھے اسی شکل میں نمازیں ادا کیا کرتی تھیں - کیونکہ چہرہ اور ہاتھ کھلے ہوتے تھے - مروجہ پردہ کے حامی یہ کہتے ہیں - کہ نمازوں میں اس طرح حاضر ہونے کی خاص اجازت تھی - لیکن یہ خالی دعوے ہے جس کی کوئی دلیل نہیں - قیاس نہیں کیا جاسکتا کہ نمازوں میں تو عورتوں کو چہرہ اور ہاتھ کھلا رکھ کر حاضر ہونے کی اجازت ہو - اور اپنے کاروبار یا ضرورتوں کے وقت ان کو یہ ممانعت ہو کہ وہ کھلے چہرہ یا ہاتھوں سے باہر نکلیں - جب دونوں صورتوں میں بات ایک ہی تھی یعنی غیر محرم مردوں کے سامنے نکلنا پڑتا تھا - تو کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی کہ نماز میں اور نماز سے باہر ایسا امتیاز رکھا جاتا اور یہ بات خود ظاہر ہے - کہ جب مسجد میں وہ چہرہ اور ہاتھ کھلے رکھ سکتی تھیں - تو گھروں سے مسجد کو جاتے ہوئے - اور مسجد سے واپس جاتے ہوئے بھی اسی طرح جاتی ہوں - کیونکہ یہ بات بہت بعید از قیاس معلوم ہوتی ہے - کہ مسجد کو آتے یا مسجد سے جاتے وقت تو ان کو یہ حکم ہو کہ وہ چہرہ کو بالکل چھپا کر چلیں اور مسجد میں داخل ہوکر چہرہ کو کھول دیں - حالانکہ کوئی نئی ضرورت اس امر کی مسجد میں داخل ہو جانے سے پیش نہیں آتی تھی - اس سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ باہر آنے جانے کے لئے عورتوں کو چہرہ اور ہاتھ کھلا رکھنے کی اجازت تھی +

یہانتک ہم نے صرف الفاظ الا ما ظہر منہا کے معنوں پر غور کیا ہے۔ اور انہیں الفاظ سے پردے کے حدود کو قائم کیا ہے۔ درحقیقت اس سے تو کسی کو انکار نہیں۔ کہ ان الفاظ میں چہرہ کا کھلا رکھنا آجاتا ہے ہاں یہ کہا جاتا ہے۔ کہ یہ استثنا صرف نماز کے لئے تھی۔ لیکن اس کا کوئی ثبوت نہیں۔ اور ہم نے اوپر یہ دکھا بھی دیا ہے۔ کہ نماز اور غیر نماز میں ایسی تفریق کا ہونا صحیح معلوم نہیں ہوتا۔ اب جب ہم قرآن کریم کے الفاظ پر غور کرتے ہیں۔ تو اس سے بھی اسی نتیجہ پر پہنچتے ہیں۔ کہ چہرہ اور ہاتھ مستور نہیں کئے جاتے تھے۔ چنانچہ جس جگہ قرآن شریف نے عورتوں کو یہ حکم دیا ہے۔ کہ وہ اپنی زینت کو ظاہر نہ کریں تو ساتھ ہی وہ مردوں اور عورتوں کو ایک اَور حکم بھی دیتا ہے۔ اور وہ یہ ہے۔ کہ وہ اپنی نگاہوں کو نیچے رکھیں۔ اب صاف سمجھ میں آتا ہے۔ کہ مردوں کو یہ حکم دینے سے کہ اپنی نگاہوں کو نیچے رکھیں یہ مطلب تو ہو نہیں سکتا تھا۔ کہ وہ دوسرے آدمیوں کی طرف نہ دیکھیں۔ یا جب اپنے کاروبار میں مشغول ہوں۔ تو کسی چیز کی طرف نظر اُٹھا کر نہ دیکھیں۔ اس حکم کی ضرورت صرف اسی صورت میں ہو سکتی تھی۔ جبکہ اُن کی آنکھوں کے سامنے کوئی ایسا نظارہ ہو جس کی طرف دیکھنے سے ان کو روکنا ضروری ہو۔ پس اگر پردے سے یہ سمجھ لیا جائے کہ عورتوں کو گھر سے باہر نکلنے کی اجازت نہ تھی یا اگر شاذ و نادر کوئی ضرورتاً باہر نکلے تو وہ سر سے پاؤں تک کپڑے میں لپٹی ہوئی ہو۔ اور کوئی حصہ اسکے جسم کا ظاہر نہ ہو۔ تو آدمیوں کو یہ حکم دینا۔ کہ اپنی نگاہوں کو نیچی رکھیں بالکل بےمعنی اور فضول ہو جاتا ہے کیونکہ پھر تو کوئی ایسی چیز ہی نہیں رہتی جس کی طرف وہ دیکھ سکتے تھے۔ خالی راستوں میں جہاں عورت ہی نظر نہ آتی ہو۔ یا اگر کوئی عورت ہو تو وہ سر سے پاؤں تک کپڑوں میں لپٹی ہوئی ہو نظر اُٹھا کر دیکھنے سے روکنا یا اس کو جرم قرار دینا ایسا ہی ہے جیسا سفید کپڑوں یا دوسری اشیاء کی طرف دیکھنے سے روکنا یا اس قسم کی نظر کو جرم قرار دینا۔ کیا خدا تعالےٰ مردوں کو اس بات سے منع کرتا ہے کہ جب آنکھ سفید کپڑے حرکت کرتے ہوئے نظر آویں۔ تو وہ اُن کی طرف نظر اُٹھا کر نہ دیکھیں؟ یہ کیسی تعجب کی بات ہے۔ کہ اس قدر پرزور الفاظ میں ممانعت کی جاوے۔ حالانکہ کوئی ایسی چیز ہی موجود نہیں جس کی طرف نظر اٹھا کر مرد کچھ دیکھ بھی سکے۔ پس غض بصر کا یہ حکم جو مردوں کو دیا گیا ہے قطعی اور یقینی شہادت اس امر کی ہے۔ کہ کپڑوں کے علاوہ کوئی حصہ عورت کا ایسا ضرور نظر آسکتا تھا جسکی طرف نظر اٹھا کر دیکھنے کو قرآن شریف نے خلاف تقوےٰ سمجھا۔ اور اُس سے روکا ہے۔ یہ کونسی چیز تھی جس کی طرف نظر اٹھا کر دیکھنے سے قرآن کریم نے منع کیا ہے۔ یہ خود عورت تھی یا یوں کہو کہ عورت کا چہرہ۔ اور اُسکی طرف نظر اُٹھا کر دیکھنے سے خدا تعالےٰ کی حکیم کتاب نے اسلئے منع کیا تاکہ انسان

کامل تقوے کی راہ پر چل کر ہر ایک لغزش سے بچ سکے۔ اور کسی فتنہ میں نہ پڑے ✦

غض بصر کے اس حکم کو جس سے صریح شہادت عورت کے چہرہ کے کھلا رہنے کی ملتی ہے۔ ان لوگوں نے جو پردہ کو شریعت کے اصل منشاء سے زیادہ سخت کر کے پیش کرتے ہیں کئی طرح سے ٹالنے کی کوشش کی ہے۔ لیکن وہ کوئی توجیہ ایسی بیان نہیں کر سکتے جس سے یہ ثابت ہو جاوے کہ عورتوں کے چہرہ کے چھپا رہنے کی صورت میں مردوں کو غض بصر کا یعنی نگاہ کے نیچے رکھنے کا حکم دینے کی کوئی ضرورت باقی تھی۔ اگر پردہ کے حکم کے بعد عورت بالکل غائب ہو جاتی یعنی یا تو وہ قطعاً باہر ہی نہ نکلتی یا باہر نکلتی تو ایسی صورت میں کہ وہ نظر ہی نہ آسکتی۔ تو مردوں کو یہ حکم دینا کہ وہ اپنی نگاہوں کو نیچی رکھیں بالکل فضول تھا بعض نے یہ بھی کہا ہے۔ کہ غض بصر کا حکم اُن صورتوں کے لئے تھا جب مرد کو عورت کی طرف دیکھنے کی کوئی جائز ضرورت پیش آئے۔ مثلاً شادی کے لئے یا معالجہ کے لئے۔ ہم کہتے ہیں کہ اگر ان جائز ضرورتوں کے وقت غض بصر کا حکم ہے۔ تو پھر یہ ضرورتیں پوری کیونکر ہونگی۔ یہ تو خود اپنے قول کی آپ تردید کرنا ہے۔ کہ ایک طرف تو ایک امر کو جائز ضرورت قرار دیکر عورت کی طرف دیکھنے کی اجازت دیجاوے اور پھر ساتھ ہی غض بصر کا حکم دیا جاوے۔ جس کے یہ معنے ہوے کہ دیکھ بھی لو اور دیکھو بھی نہیں۔ علاوہ ازیں مختلف روایتوں سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے۔ کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مردوں کو یہ حکم دیا کہ راستہ کے کنارے پر مجلس لگا کر نہ بیٹھا کریں۔ اور اگر یہ لابد ہی ہو تو ضروری ہے کہ سلام کا جواب دیں۔ اور نگاہوں کو نیچی رکھیں جیسا کہ ابن عباس کی اس حدیث سے ظاہر ہے قال لا تجلسوا فی المجالس فان کنتم لابد فاعلین فردوا السلام وغضوا الابصار الخ اور ایسا ہی ایک اور حدیث میں ہے۔ کہ راستہ کے کنارے پر بیٹھو تو حق الطریق ادا کرو۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ حق الطریق کیا ہے۔ فرمایا۔ غض البصر وکف الاذیٰ الخ۔ اس سے بھی معلوم ہوتا ہے۔ کہ عورتیں راستوں میں کھلے مُنہ گذرتی تھیں جس کی وجہ سے یہ حکم ضروری ہُوا کہ اول تو مرد راستہ پر مجلس لگا کر نہ بیٹھیں۔ اور اگر کوئی ضرورت ہو تو پھر غض بصر اختیار کریں۔ یعنی راہ چلتی عورتوں کی طرف نظر اُٹھا کر نہ دیکھیں ✦

پس قرآن کریم کے یہ دو حکم یعنی عورتوں کو یہ حکم کہ وہ اپنی زینت کو ظاہر نہ کریں سوائے اس حصہ کے جو ضرورتاً اور عادتاً ظاہر رہتا ہے۔ اور مردوں کو یہ حکم کہ وہ عورتوں کی طرف نظر اُٹھا کر نہ دیکھا کریں شرعی پردہ کے صحیح حدود کو قائم کرتے ہیں۔ اور ان دونوں احکام کے ایک ہی ساتھ نازل فرمانے سے یہ قطعی اور یقینی شہادت پیدا ہوتی ہے۔ کہ عورتیں اپنی ضرورتوں کے لئے باہر نکلتی تھیں

لیکن اس صورت میں کہ اُن کا کُل جسم اور کل لباس اور ہر ایک زینت کا مقام سوائے چہرہ اور ہاتھوں کے ایک کپڑے سے ڈھکا ہوا ہوتا تھا۔ اور یہ ایک ایسا معقول اور پسندیدہ حکم ہے۔ کہ ہم نہیں سمجھتے کہ کوئی سمجھ دار آدمی اس کو کسی سوسائٹی کے لئے پسند نہ کریگا یا ضروری نہ سمجھیگا۔ کیونکہ اسمیں عورتوں کو باہر نکلنے یا کاروبار کرنے سے منع نہیں کیا گیا ہے۔ بلکہ صرف یہی حکم دیا گیا ہے۔ کہ وہ اپنی زینت کو ایک سادہ لباس سے چھپالیویں۔ اور دوسری طرف فتنوں کے روکنے کیلئے مردوں کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ وہ بغیر کسی جائز ضرورت کے کسی عورت کی طرف نظر اُٹھا کر نہ دیکھیں۔ بعض دوسری حدیثوں سے اور بھی شہادت اس امر کی پیدا ہوتی ہے۔ چنانچہ صحابہ نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نظر الفجاءۃ کے متعلق سوال کیا ہے۔ اور منجملہ اُن کے حضرت علی بھی ہیں۔ اب ایسا سوال ہرگز پیدا نہیں ہو سکتا تھا جبتک کہ عورتیں کھلے چہروں سے باہر نہ جاتی ہوں۔ کیونکہ سوال یہ تھا۔ کہ ہمیں تو حکم یہ ہے۔ کہ کسی عورت کے چہرہ کی طرف نہ دیکھیں لیکن جب بغیر ارادے کے اور اچانک کسی عورت کے چہرہ پر نظر جا پڑے تو پھر ہم کیا کریں۔ اب ظاہر ہے کہ یہ صورت واقع نہ ہو سکتی تھی۔ جبتک عورتیں کھلے چہرہ سے باہر نہ نکلتی ہوں۔ اور پھر سوال کا رنگ ایسا ہے۔ کہ وہ ایک ایسے واقع کو بیان کرتا ہے جو اکثر پیش آتا تھا۔ کیونکہ سوال میں عمومیت کا رنگ ہے۔ کہ ایسے اوقات میں جب اچانک نظر جا پڑے تو ہم کیا کریں۔ اور اس کا جواب جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے دیا وہ بھی قابل غور ہے۔ اس کا جواب یہ نہیں دیا کہ پھر عورتیں باہر ہی نہ نکلیں یا یہ کہ باہر نکلیں تو چہروں کو بالکل چھپا کر نکلیں۔ بلکہ یہی فرمایا کہ ایسی نظر جو بغیر ارادے کے اور اچانک جا پڑے وہ معاف ہے۔ ہاں پھر دوسری دفعہ اور ارادتاً نظر اُٹھا کر دیکھنا گناہ میں داخل ہے +

زینت کا ہر ایک مقام ڈھانکنے کا حکم دینے کے بعد قرآن شریف نے خود ہی بیان فرما دیا ہے کہ کسطرح سے زینت چھپانی چاہئے۔ اس پر آیت ولیضربن بخمرھن علی جیوبھن شاہد ہے یعنی چاہئے کہ عورتیں اپنے سروں کی اوڑھنیاں ایسے طور پر اوڑھیں کہ وہ اُن کے گریبانوں کو بھی ڈھانک لیں۔ چنانچہ تفسیر کبیر میں اس موقع پر لکھا ہے۔ قال المفسرون ان نساء الجاھلیۃ کن یشددن خمرھن من خلفھن وان جیوبھن کانت من قدام فکان ینکشف نحورھن وقلائدھن فامرن ان یضربن مقانعھن علی الجیوب لیتغطی بذلک اعناقھن ونحورھن وما یحیط بہ من شعر وزینۃ من الحلی فی الاذن والنحر وموضع العقدۃ منہا۔ یعنی مفسر کہتے ہیں۔ کہ ایام جاہلیت میں عورتیں اپنی اوڑھنیاں پچھلی طرف یعنی پیٹھ کی طرف ڈال لیا کرتی

تھیں۔ اور اُن کے گریبان اگلی طرف ہوتے تھے۔ اس وجہ سے اُنکے سینے اور قلائد نظر آتے تھے اسلئے یہ حکم دیا گیا کہ وہ اپنی اوڑھنیوں کو اپنے گریبانوں پر ڈالا کریں۔ تاکہ اس طرح سے اُنکی گردنیں اور سینے اور بال اور زینت از قسم زیورات جو کانوں میں یا سینوں پر ہوں۔ اور گھنڈی کا موقع یہ سب اوڑھنی کے نیچے چھپ جاویں"۔ اور ابن جریر انہی الفاظ کی تفسیر میں لکھتا ہے۔ لیسترن بذلک شعورھن واعناقھن وقرطھن یعنی تاکہ اس طرح سے اُن کے بال اور گردنیں اور بالیاں چھپ جاویں۔ پس ان شہادتوں سے بھی وہی بات ثابت ہوتی ہے جو ہم نے اوپر بیان کی ہے۔ اور پردہ کے وہی حدود قائم ہوتے ہیں یعنی سارا چہرہ چھپایا نہ جاتا تھا۔ اگر مفسرین کی رائے کو قطعی ثبوت نہ بھی کہا جائے۔ تو بھی خود الفاظ سے سوائے اس کے اور کچھ مطلب نہیں نکلتا جو مفسرین نے بیان کیا ہے۔ اور خود قرآن شریف کا حکم غض بصر کا اسبات کا قطعی فیصلہ کرتا ہے۔ کہ چہرے کا ایک ایسا حصہ ضرور کھلا رہتا تھا جس کی طرف دیکھ کر مرد ابتلا میں پڑ سکتا تھا۔ اور اس لئے غض بصر کا حکم دیا گیا +

اسی مضمون کے متعلق ایک اور آیت سورۂ احزاب میں ہے۔ یاایھا النبی قل لازواجک وبناتک ونساء المؤمنین یدنین علیھن من جلابیبھن ذلک ادنی ان یعرفن ولا یوذین۔ اے نبی اپنی عورتوں کو اور اپنی بیٹیوں کو اور مومنوں کی عورتوں کو کہدو کہ وہ اپنی چادریں اپنے اوپر اوڑھ لیں۔ اس سے یہ پہچان لیجاوینگی۔ اور کوئی اُن کو ایذا نہ دیگا۔ اس آیت کو بعض وقت اس امر کی تائید میں پیش کیا جاتا ہے۔ کہ پردے کیلئے ضروری ہے کہ تمام جسم کو معہ چہرے کے ڈھانپ لیا جاوے۔ خود آیت میں کوئی ایسا لفظ نہیں جس سے معلوم ہو کہ آیا کوئی حصہ کھلا بھی چھوڑا جاسکتا ہے یا نہیں۔ لیکن یہ ظاہر ہے کہ اگر سارے چہرے کو ہی چھپایا جاوے تو اس حالت میں عورت کے لئے باہر نکلنا ناممکن ہے۔ کیونکہ اس سے آنکھیں بھی بند ہو جاوینگی۔ حالانکہ آیت کا مفہوم صاف بتا رہا ہے۔ کہ عورتیں اپنی ضرورتوں کے لئے باہر نکلا کریں۔ یعنی یہ حکم نہیں دیا گیا کہ اگر لوگ ایذا پہنچائیں تو عورتیں باہر نکلنے سے قطعی طور پر رُک جاویں۔ بلکہ یہ کہا گیا ہے۔ کہ باہر نکلا تو کریں مگر اوڑھنی اوڑھ لیا کریں تاکہ وہ پہچان لیجاویں اصل مُدعا صرف اس قدر تھا۔ کہ شریف عورتوں اور لونڈیوں میں تمیز ہو۔ یعنی اُن کا لباس ہی ایسا ہو جس سے معلوم ہو جاوے۔ کہ وہ شریف عورتیں ہیں۔ تا وہ اس طرح ایذا سے بچ جاویں۔ اور ظاہر ہے کہ اس مُدعا کے حصول کے لئے سارے چہرے کو چھپانے کی کوئی خاص ضرورت نہیں تھی۔ علاوہ ازیں سورۂ نور میں جو پردہ کا حکم آیا ہے۔ وہ اس کے بعد کا ہے۔ کیونکہ سورۂ نور سورۂ

احزاب سے بعد نازل ہوئی ہے۔ اور اس حکم میں ساتھ ہی مردوں کو یہ ارشاد فرما کر کہ وہ عورتوں کی طرف نگاہ اٹھا کر نہ دیکھا کریں۔ اور اسی طرح الاما ظہر منھا کا استثنا بیان فرما کر یہ کھولکر بیان کردیا ہے کہ عورتوں کو سارا چہرہ چھپانا لازمی نہیں ہے۔ اگر سورہ احزاب کی اس آیت کے مطابق عورتوں کیلئے یہ ضروری ہو جاتا کہ وہ سارے چہرہ کو چھپا کر باہر نکلیں تو سورہ نور میں مردوں کو یہ حکم دینے کی ضرورت باقی نہ رہتی۔ کہ اگر غیر عورت سامنے آجائے تو وہ غض بصر اختیار کریں پس غض بصر کا حکم جہاں ایک طرف سوسائٹی میں سے سخت نقصان دہ بدیوں کے دور کرنیکا ذریعہ ہے دوسری طرف اس امر پر دلالت کرتا ہے۔ کہ عورتیں جب اپنی ضرورتوں کے لئے باہر نکلیں تو ان کو سارے چہرہ کے چھپانے کی ضرورت نہیں غرض اس آیت میں "یدنین علیھن من جلابیبھن" سے وہی مراد ہے۔ جو سورہ نور کے الفاظ "ولیضربن بخمرھن علےٰ جیوبھن" کا مفہوم ہے۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ بعض لوگ اس طرف بھی گئے ہیں۔ کہ جلباب کو اس طرح پر اوڑھنا ضروری ہے۔ کہ سوائے ایک آنکھ کے اور کوئی حصہ کھلا نہ ہے۔ لیکن جیسا کہ اوپر دکھلایا گیا ہے۔ اس سے غض بصر کا حکم عبث ٹھیرتا ہے۔ علاوہ ازیں شریعت اسلام کا یہ منشاء نہیں کہ انسانوں پر ان کی طاقت سے بڑھ کر بوجھ ڈالے بلکہ جہاں اس کا مقصود اصلاح ہے وہاں یہ بھی مدنظر رکھ لیا گیا ہے۔ کہ اس کے احکام عام انسانوں کی برداشت کے قابل ہوں۔ اب ظاہر ہے کہ عوام الناس کی حالت میں عورت مجبور ہے۔ کہ اپنی ضروریات کے لئے ہاتھوں اور چہرہ کو کھلا رکھے۔ یہ قرین قیاس نہیں کہ صحابہ کی عورتیں جو اپنے خاوندوں کے کاروبار میں اُن کی ہر طرح سے مدد کرتی تھیں یہانتک کہ زراعت وغیرہ میں بھی مدد دیتی تھیں۔ اور اپنی ضروریات کے لئے باہر نکلتی تھیں۔ یہ سب کام وہ اس صورت میں کرسکتی ہوں جبکہ ان کے ہاتھ اور چہرہ وغیرہ سب کچھ کپڑوں میں لپٹے ہوئے ہوں۔

پھر ایک اور آیت سورہ احزاب کی پیش کی جاتی ہے۔ وقرن فے بیوتکن ولا تبرجن تبرج الجاھلیۃ الاولیٰ"۔ اور اپنے گھروں میں ٹھیری رہو۔ اور اگلے زمانہ جاہلیت کے سے بناؤ سنگار دکھلاتی نہ پھرو۔ یہ ایک حکم ہے جو اولاً آنحضرت صلعم کی ازواج مطہرات کو دیا گیا ہے لیکن ہم اس کو انہی تک محدود نہیں سمجھتے۔ کیونکہ قرآن شریف میں بہت سارے ایسے احکام ہیں جنمیں مخاطب صرف آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم ہیں۔ لیکن وہ حکم تمام مسلمانوں کے لئے ہیں۔ .... ایسا ہی اس جگہ ایک حکم آنحضرت صلعم کی بیویوں کو دیا گیا ہے جو مسلمان عورتوں کے لئے بطور ایک نمونہ کے ہیں۔ اور اس لئے اس حکم میں تمام مومن

عورتیں شامل ہیں۔ لیکن اس آیت سے یہ معنے نکالنا کہ عورتیں کبھی اپنے گھر سے باہر نہ نکلیں صریح غلطی ہے اس آیت کا یہ منشا کبھی نہیں ہو سکتا۔ بلکہ انہی معنوں کو خود قرآن کریم دوسرے الفاظ میں یوں ظاہر کرتا ہے کہ زمانہ جاہلیت کی طرح اپنے بناؤ سنگار ست دکھاتی پھرو۔ یہی مطلب "قرن فی بیوتکن" سے ہے۔ اور اسی مفہوم کو سورہ نور میں " لا یبدین زینتھن" سے ظاہر کیا ہے۔ اگر گھروں میں ٹھیرنے کا حکم دینے سے قرآن شریف کا یہی منشاء ہوتا کہ عورتیں واقعی کبھی اپنے گھروں سے باہر نہ نکلیں تو پھر یہ دوسرا حکم دینا کہ ولا تبرجن تبرج الجاھلیۃ الاولی۔ بالکل مہمل ہو جاتا ہے کیونکہ اگر وہ گھروں سے باہر ہی نہ نکل سکتی تھیں۔ تو پھر یہ کہنے کی کوئی ضرورت باقی نہ رہتی تھی کہ وہ اپنا بناؤ سنگار لوگوں کو نہ دکھلاتی پھریں۔ اصل بات یہ ہے۔ کہ زمانہ جاہلیت میں جیسا کہ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے عورتیں بلا ضرورت بناؤ سنگار کر کے گھروں سے باہر پھرا کرتی تھیں جس کی غرض سوائے اس کے کچھ نہ تھی کہ وہ اپنے عمدہ لباس اور زینتیں لوگوں کو دکھلائیں۔ اور غیر مردوں کا غیر عورتوں کے ساتھ کھلا میل جول ہوتا تھا۔ یہ حالت ایسی تھی کہ اس کے ہوتے ہوئے سچی پاکیزگی اور طہارت دلوں میں پیدا نہ ہو سکتی تھی۔ اور اسلام کی اصل غرض یہی تھی کہ ان برائیوں کو دور کیا جاوے۔ نہ یہ کہ عورتوں کو کام کاج کرنے سے روکا جاوے۔ یا اُن کو گھروں کی چار دیواری کے اندر بند کیا جاوے۔ اور اگر اس حکم کا ایسا ہی سخت منشاء ہوتا تو کم از کم آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی بیویاں جو اولاً مخاطب تھیں آپ کی زندگی میں اور آپ کی وفات کے بعد اس پر ضرور عمل کرتیں۔ مگر تاریخ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم جنگوں میں اور حج میں اپنی بیویوں کو ساتھ لیجاتے تھے۔ جس سے معلوم ہوا کہ آپ نے اس حکم کے یہ معنے نہیں سمجھے کہ عورتوں کو قطعی طور پر گھر سے نہیں نکلنا چاہئیے۔ علاوہ ازیں آپ کی وفات کے بعد حضرت عائشہ باہر نکلتی رہیں۔ جیسا کہ تاریخ سے معلوم ہوتا ہے۔ اور بعض لڑائیوں میں خود جا کر لڑیں۔ کیا اُن کو یہ حکم معلوم نہیں تھا یا کیا کوئی مسلمان کہہ سکتا ہے۔ کہ اُنہوں نے ..... قرآن کریم کے حکم کی خلاف ورزی کی +

پس قرآن شریف کی کوئی آیت پردہ کے متعلق ایسی نہیں جو سورہ نور کی مذکورہ بالا آیات سے بڑھ کر پردہ کا حکم دیتی ہو۔ اور پردہ کا مضمون مفصل انہی آیات میں مذکور ہے۔ اب جیسا کہ ہم نے پہلے توجہ دلائی تھی۔ ان آیات میں دو علیحدہ علیحدہ حکم دیئے گئے ہیں۔ یعنے پہلا حکم غض بصر کے متعلق ہے جسمیں عورتیں اور مرد دونوں شامل ہیں۔ اور دوسرا حکم زینت کے چھپانے کے متعلق ہے جس میں صرف عورتیں مخاطب ہیں۔ اس لئے کامل پردہ یہی چاہتا ہے۔ کہ ان دونوں احکام کی

تعمیل کی جائے نہ صرف ایک کی۔ قرآن شریف کا منشاء ایک بدی کو دور کرنے کا تھا۔ اور اس کے لئے وہ ایک دوسرا علاج تجویز کرتا ہے۔ عورت کو تو یہ حکم دیتا ہے۔ کہ وہ اپنی زینت کے مقامات کو چھپا کر نکلے تاکہ بلا ضرورت مردوں کی نظریں اُس کی طرف نہ اُٹھیں۔ اور ساتھ ہی مردوں کو یہ حکم دیتا ہے۔ کہ وہ بھی اپنی نگاہوں کو نیچی رکھیں۔ اور عورتوں کی طرف نہ دیکھیں۔ اگر سارا بوجھ ایک ہی فریق پر ڈالا جاتا مثلاً جیساکہ کہا جاتا ہے۔ عورتوں کو واقعی یہ حکم دیا جاتا کہ وہ کبھی بھی مردوں کے سامنے نہ نکلیں تو یہ ناانصافی ہوتی۔ مگر قرآن کریم اس ناانصافی کا مرتکب نہیں۔ وہ دونوں فریقوں کو برابر رکھتا ہے۔ اور دونوں سے یہ چاہتا ہے۔ کہ وہ ایسی طرز اختیار کریں جس سے ایک بڑی بھاری بدی اُن کے درمیان سے دور ہو جاوے ..... عورت کو یہ چاہئیے کہ وہ مردوں کے سامنے دلربائی کا کوئی سامان ظاہر نہ کرے۔ اور ایک سیدھا سادہ لباس اوڑھ کر اور زینت کے مقامات کو ڈھانک کر باہر نکلے۔ یہ گویا عورت کا فرض ہے اور ساتھ اس کے مردوں پر یہ لازم کیا گیا ہے۔ کہ جب عورتوں کو ضرورتاً اُن کے سامنے باہر نکلنا پڑے تو وہ اپنی نگاہوں کو نیچی رکھیں۔ اور ان کی طرف مت دیکھیں۔ یہ کیسا سیدھا سادہ اور معقول حکم ہے اور ہر ایک قسم کے حالات کے ماتحت اس پر کیسی آسانی سے عملدرآمد ہو سکتا ہے۔ یہی وہ دوسرا علاج ہے جو قرآن شریف نے بتلایا ہے۔ اور جو لوگ اس قسم کے پردہ کے خواہاں ہیں جس میں عورت کا چہرہ اور ہاتھ بھی ظاہر نہ ہوں وہ گویا غض بصر کے حکم کو جس کی تعمیل ان پر فرض ہے ٹالنا چاہتے ہیں ایسا ہی عورتوں کو بھی یہ حکم ہے۔ کہ وہ بھی جب غیر مردوں کے سامنے باہر نکلیں تو غض بصر کا طریق اختیار کریں۔ اسلامی پردہ عورتوں کو یا مردوں کو کام کرنے سے نہیں روکتا۔ اور صرف اسی قدر اُن سے چاہتا ہے جو اُن کی طاقت کے اندر ہے۔ یعنی یہ کہ عورتیں اپنی زینت ظاہر نہ کریں۔ اور دونوں فریق غض بصر کا طریق اختیار کریں +

انہی آیات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے۔ کہ اپنے گھروں کے اندر عورتیں کیا طرز اختیار کریں۔ بعض قریبی رشتہ دار یا کنبہ کے لوگ تو ایسے قرار دیئے گئے ہیں جن کے سامنے عورت اپنی زینت بھی ظاہر کر سکتی ہے لیکن اُن کے علاوہ باقی تمام لوگ جن میں رشتہ داروں کی بھی ایک بڑی جماعت شامل ہے ایک ہی حکم کے نیچے رکھے ہیں۔ یعنی یہ کہ اُن کے سامنے عورت اپنی زینت ظاہر نہیں کر سکتی۔ لیکن جیساکہ باہر نکلنے کے لئے عورت کو اجازت ہے۔ کہ وہ اپنے چہرہ اور ہاتھوں کو کھلا رکھے۔ ایسا ہی ان لوگوں کے سامنے بھی اسی حالت میں ظاہر ہو سکتی ہے۔ ابن عباسؓ کا ایک قول اس پر شاہد ہے۔ "الزینۃ الظاهرۃ الوجه وكحل العين وخضاب الكف والخاتم فهذا تظهر في بيتها لمن دخل من الناس عليها"۔

یعنے زینت ظاہر سے مراد چہرہ اور آنکھوں کا سرمہ اور ہاتھوں کی مہندی اور انگھوٹھی ہے پس یہ چیزیں ایسی ہیں۔ کہ عورت اپنے گھر میں اُن لوگوں کے لئے جو گھر میں آویں ظاہر کرسکتی ہے۔ بچّوں کے لئے جو بلوغت تک نہ پہنچے ہوں۔ ایسا ہی اُن لوگوں کے لئے جو عورتوں کی حاجت نہ رکھتے ہوں وہی حکم ہے۔ جو باپ اور قریبی رشتہ داروں کے لئے ہے جن کا ذکر آیت شریف مذکورہ بالا میں ہے غلاموں کے لئے خواہ وہ مرد ہوں یا عورتیں۔ یہی حکم ہے۔ یعنی ان سے زینت کو چھپانے کی ضرورت نہیں لیکن ان تمام حالات میں یہ ضروری ہے۔ کہ عورت کے جسم کا کوئی حصہ سوائے چہرہ اور ہاتھوں اور شاید پاؤں کے ننگا نہ ہو + ایک امر قابل غور یہ بھی ہے۔ کہ آیا عورت غیر محرم مرد سے بول سکتی ہے؟ کیونکہ ہندوستان میں جو پردہ مُرَوّج ہے وہ بعض صورتوں میں ایسی سختی کی حد تک پہنچا ہؤا ہے۔ کہ عورت کی آواز کا غیر محرم مرد کے کان میں پہنچنا معیوب سمجھا جاتا ہے۔ قرآن شریف ایسی تعلیم ہرگز نہیں دیتا۔ ہاں آواز کے متعلق یہ آیت قرآن کریم میں ہے۔ یا نساء النبی لستن کاحد من النساء ان اتقیتن فلا تخضعن بالقول فیطمع الذی فے قلبہ مرض وقلن قولا معروفا۔ جس کا ترجمہ یہ ہے کہ اے پیغمبر کی بیویو تم عام عورتوں کی طرح نہیں ہو سو پرہیزگاری کا طریق یہی ہے کہ دبی زبان سے کسی کے ساتھ بات نہ کیا کرو کیونکہ ایسا کروگی تو جس کے دل میں کسی قسم کا کھوٹ ہے وہ (شاید) طمع کرے۔ پس یہی ٹھیک ہے کہ بات کرو تو معروف طور پر بات کرو (یعنی دبی آواز سے بات نہ کرو بلکہ مردانہ طور پر بات منہ سے نکالو) اس آیت میں آنحضرت صلعم کی ازواج مطہرات کو اجنبی مردوں سے بات کرنے سے منع نہیں کیا گیا۔ اور خود تاریخ سے بھی معلوم ہوتا ہے۔ کہ آپ کی بیویاں ضرورت کے وقت غیر مردوں سے گفتگو کرنے سے پرہیز نہ کرتی تھیں اور ایسا ہی صحابہ کی بیویاں بھی۔ اب اگر حدیث کے سلسلہ روایت پر غور کیا جاوے تو معلوم ہوگا کہ بہت سی حدیثیں ایسی ہیں جن میں مرد عورتوں سے اور عورتیں مردوں سے روایت لیتے ہیں۔ حالانکہ پردہ کے لحاظ سے ایسے مرد اور عورتیں بالکل اجنبی ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ ابتدائی اسلامی سوسائٹی میں عورتوں کی کیا پوزیشن تھی۔ اگر آج کل کا سا پردہ اس وقت بھی مروج ہوتا تو بہت ساری حدیثیں جن کے سلسلہ روایت میں کہیں نہ کہیں کوئی عورت راوی آگئی ہے بالکل مفقود ہوجاتیں۔ امام بخاری کے چار بڑے شاگردوں میں بھی ایک عورت ہے جس کی نسبت یہ امر مسلم ہے۔ کہ بڑے بڑے عالم اور فاضل اس سے حدیث کی روایت کو لیتے ہیں۔ اور وہ بڑے بڑے مجمعوں میں حدیثیں بیان کرتی تھیں۔ غرض کہ یہ ایک بڑی بھاری غلط فہمی ہے۔ کہ پردہ اختیار کرنے سے عورت کالعدم ہوجاتی ہے لوگ انسانی کاروبار میں اُس کا کوئی حصہ نہیں رہتا۔ اور اس غلط فہمی کا الزام خود مسلمانوں پر ہی ہے۔

جنھوں نے پردہ میں اس قدر تشدد کیا کہ اس کو کچھ کا کچھ بنا دیا +

انہی بے اعتدالیوں کی وجہ سے پردہ بجائے اس کے کہ ایک دلکش اور پسندیدہ چیز معلوم ہوتی بعض لوگوں کو ڈراونا معلوم ہوتا ہے۔ اس تشدد سے اور ان بے اعتدالیوں سے ابتدائی اسلامی سوسائٹی بالکل بری تھی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں اور آپ کی وفات کے بعد آپ کے مقدس جانشینوں کے زمانے میں عورتیں لڑائیوں میں ساتھ جایا کرتی تھیں۔ اور نہ صرف اسی قدر بلکہ تمام معتبر تاریخ کی کتابوں سے جیسے ابن ہشام وغیرہ یہ صاف معلوم ہوتا ہے۔ کہ جنگوں میں عورتوں کا یہ فرض تھا کہ وہ زخمیوں کے مونہوں میں پانی ڈالتی تھیں۔ اور اُن کے زخموں پر مرہم پٹی کرتی تھیں۔ کیا یہ خیال کیا جاسکتا ہے۔ کہ جس قسم کا پردہ اس زمانے میں ہندوستان کے مسلمان شرفاء کے گھروں میں پایا جاتا ہے۔ اس طرح کے پردہ سے ایسے فرائض بھی پورے ہو سکتے تھے۔ پھر یہ امر بھی تاریخ کے مطالعہ کرنے والے پر پوشیدہ نہیں کہ صحابہ کی عورتیں زراعت وغیرہ کے کاموں میں اپنے خاوندوں کو مدد دیتی اور اُنکی محنتوں میں شریک ہوتی تھیں۔ جنگ کے میدان میں اُن کے الگ فرائض تھے جن کو وہ پوری مستعدی سے ادا کرتی تھیں۔ پھر جب مرد لڑائیوں میں جاتے تھے تو پیچھے عورتوں اور بچوں کی حفاظت کے لئے چند آدمی مقرر ہوا کرتے تھے۔ اور ظاہر ہے کہ خاوندوں کی غیر حاضری میں انہیں آدمیوں سے عورتوں کو واسطہ پڑتا تھا ایسی صورتوں میں ہرگز ممکن نہیں کہ اسی قسم کے سخت پردہ کی پابندی ہوسکتی ہو جو آجکل اس ملک میں مروج ہے۔ پھر یہ امر بھی حدیثوں سے ثابت ہے۔ کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں جہاں سینکڑوں مرد ہوتے تھے عورتیں آتی تھیں۔ اور مسائل دریافت کرتی تھیں۔ اور بعض وقت اپنے ہی خاوندوں یا والدین کے خلاف استغاثے دائر کرتی تھیں۔ پھر یہ امر بھی ثابت ہے۔ کہ عورتیں لکھنا اور پڑھنا بھی سیکھتی تھیں اور جانتی تھیں پھر سلسلہ روایت حدیث میں جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے ایک مرد کسی عورت سے اور ایک عورت کسی مرد سے روایت کرتی ہے۔ ان تمام امور سے یہی نتیجہ پیدا ہوتا ہے کہ اسلامی پردہ عورت کو بے دست و پا کرنے والا نہ تھا +

علاوہ ان تمام امور کے قیاس یہ چاہتا ہے۔ کہ پردہ میں تشدد اسلام کے غلبہ کے ساتھ پیدا ہوا ہے۔ ابتدائی حالت مسلمانوں کی غریبانہ اور سادگی کی حالت تھی۔ اور اکثر ان میں ایسے تھے جو خود محنتیں کر کے معاش حاصل کرتے تھے لیکن جوں جوں اسلام قوت و شوکت میں ترقی کرتا گیا اور روپیہ کی کثرت ہوتی گئی سوسائٹی کا نقشہ بھی بتدریج بدلتا گیا۔ اب منجملہ اور اغراض کے پردہ کی ایک یہ بھی غرض تھی۔ کہ اس سے شریف یعنی آزاد عورتوں اور لونڈیوں میں ایک امتیاز ہو۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جو گھرانے صاحب دولت و

ثروت ہوتے گئے اُن میں پردہ بھی بتدریج تشدد کی طرف ترقی کرتا گیا۔ اُدھر دولت کے بڑھنے سے عورتوں کے کاروبار میں مدد دینے کی ضرورت کم ہوتی گئی۔ اور اس لئے اُن کا باہر نکلنا بھی آہستہ آہستہ کم ہوتا گیا۔ کیونکہ ہر قسم کی ضرورتیں روپیہ کی کثرت کی وجہ سے گھروں میں ہی پوری ہونے لگ گئیں۔ ان نئے حالات زندگی کا تقاضا یہ ہؤا کہ پردہ میں تدریجاً ترقی ہوتی گئی یعنی سختی بڑھتی گئی۔ اور پردہ کا تشدد وجاہت اور حیثیت کا معیار ہونے لگا۔ ہندوستان میں بھی چونکہ مسلمان بطور ایک فاتح قوم کے آئے اور ہر قسم کے امیرانہ سامان ان کے ساتھ تھے اس لئے مسلمان سوسائٹی کے اعلےٰ طبقوں میں پردہ کا تشدد اور بھی ترقی کرکے ایک ایسی حالت میں مروج ہوگیا جو آجکل دیکھا جاتا ہے +

اس مضمون پر اس قدر بحث کے بعد اب ہم یہ کہہ سکتے ہیں۔ کہ اسلامی پردہ کیا چاہتا ہے۔ اور اس کے حدود کیا ہیں شریعت اسلام عورتوں کو یہ حکم دیتی ہے۔ کہ وہ بلا ضرورت اپنے گھروں سے باہر نہ نکلیں اور غیر محرم مردوں سے کھلا میل جول نہ کریں۔ اور نہ صرف اپنا بناؤ سنگار دکھانے کے لئے باہر پھریں۔ اور ضرورت کے لئے نکلنے کے وقت بھی اپنی ہر ایک زینت کو سوائے چہرہ اور ہاتھوں کے چھپالیں۔ اور اپنے عمدہ لباسوں کو بھی ایک سادہ کپڑے سے چھپا کر نکلیں۔ مگر پردہ کا یہ مفہوم ہرگز نہیں ہے کہ عورتیں اپنے کاروبار کے لئے باہر نہ نکلیں یا علوم وفنون میں ترقی نہ کریں۔ یا اپنے گھر کے اندر کے فرائض کو ادا نہ کریں یا قیام صحت کے لئے ہوا خوری کے لئے باہر نہ نکلیں۔ نہ پردہ اسباب سے عورتوں کو روکتا ہے۔ کہ وہ اپنے لئے کوئی جائداد یا روپیہ یا کوئی سبیل معاش پیدا کریں۔ غرضیکہ جس چیز کا نام آزادی ہے۔ اس سے پردہ عورت کو ہرگز نہیں روکتا۔ ہاں ان باتوں سے روکتا ہے جن سے کسی قسم کی بدی یا ضرر کے پیدا ہونیکا اندیشہ ہے۔ اور اصل غرض پردہ کی بھی صرف یہی ہے جیسا کہ اوپر ثابت کیا جاچکا ہے۔ یہ ہم بخوبی جانتے ہیں۔ کہ پردہ کے معاملہ میں جو اس وقت دو فریق ہو رہے ہیں۔ وہ دونوں اپنی اپنی باتوں پر قائم رہ کر ہماری اس تحقیقات سے خوش نہیں ہوسکتے لیکن طالبان حق اس سے ضرور فائدہ اُٹھا سکتے ہیں۔ ہم نے اس سوال کے دونو پہلوؤں پر غور کیا ہے۔ اور ہم اسی نتیجہ پر پہنچے ہیں۔ کہ نہ تو قرآن کریم کا یہ منشاء ہے۔ اور نہ ہی انسانوں کی حالت برداشت کرسکتی ہے۔ کہ جو سخت پردہ ہندوستان کے اعلےٰ طبقے کے مسلمانوں میں مُروّج ہے وہی پردہ ساری دنیا کے لئے ضروری ہے۔ ایک آدمی جس کے پاس سامان زندگی بافراغت موجود ہیں اسباب کی ضرورت نہ سمجھے تو نہ سمجھے کہ عورتوں کو باہر نکلنے کی بھی ضرورت پڑتی ہے بشرطیکہ اُس کو اپنی عورت کی صحت کی بھی کچھ پرواہ نہ ہو۔ لیکن دُنیا کا کثیر حصہ ایسا نہیں جو اس ضرورت کو محسوس نہ کرے۔ ہر ایک سوسائٹی میں ۷۵ فیصدی یا اس سے بھی زیادہ آبادی ایسی ہوتی ہے

جنہیں محنت سے کما کر گذارہ کرنا پڑتا ہے۔ اور یہ تمام آبادی مطلقاً ایسے پردہ کی برداشت نہیں کر سکتی جیسا کہ آج کل مروج ہے۔ کثرت سے لوگ ایسے ہی ہیں جن کے لئے یہ محض ناممکن ہے۔ کہ وہ عورتوں کو گھروں سے باہر نہ نکلنے دیں۔ اور پھر اکثر اوقات عورتوں کو ایسے ہی فرائض ادا کرنے پڑتے ہیں جن کیلئے چہرہ کا اور ہاتھوں کا کھلا رہنا ضروری ہوتا ہے۔ اگر اعلیٰ طبقہ کے پردہ کو عام سوسائٹی میں جبراً رواج بھی دیا جائے تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا۔ کہ وہ لوگ بھوکے مرنے لگیں گے۔ اور خود عورتوں کی صحت کی حالت آخر کار خراب ہو جائیگی۔ دوسری طرف جن عورتوں کو کاروبار سے سبکدوشی حاصل ہے۔ ان کو بھی گاہے گاہے قیام صحت کے لئے یہ ضرورت ضرور محسوس ہوتی ہے کہ وہ باہر کی کھلی ہوا میں نکلیں۔ اور جبتک وہ چہرہ کو بالکل بند رکھنے پر مجبور رہیں۔ ان کے لئے باہر کی ہوا بھی کوئی فائدہ نہیں دے سکتی۔ چونکہ اسلام کی شریعت چند امیر آدمیوں کے لئے نہیں ہے بلکہ غربا کی حالت کو بھی مدنظر رکھتی ہے اسلئے اسلام کا منشاء یہ ہرگز نہیں ہو سکتا کہ پردہ میں وہ تشدد کیا جاوے۔ جو آجکل کے مروجہ پردے میں کیا جاتا ہے +

مزید احتیاط کے لئے یہ سوال امام الزمان حضرت **مسیح موعود** علیہ السلام کی خدمت میں بھی پیش کیا گیا جس کا تحریری جواب حسب ذیل آپ کی طرف سے پہنچا۔ جو بعینہٖ درج کیا جاتا ہے: "شرعی پردہ یہ ہے کہ چادر کو حلقہ کے طور پر کر کے اپنے سر کے بالوں کو کچھ حصہ پیشانی اور زنخدان کے ساتھ بالکل ڈھانک لیں۔ اور ہر ایک زینت کا مقام ڈھانک لیں مثلاً منہ پر اردگرد اس طرح پر چادر ہو (اس جگہ انسان کے چہرہ کی شکل دکھا کر جن مقامات پر پردہ نہیں ہے اُن کو کھلا رکھ کر باقی پردہ کے نیچے دکھایا گیا ہے) اس قسم کے پردہ کو انگلستان کی عورتیں آسانی سے برداشت کر سکتی ہیں۔ اور اس طرح پر سیر کرنے میں کچھ حرج نہیں آنکھیں کھلی رہتی ہیں" +

اب یہ مسئلہ ہمارے احمدی بھائیوں کے لئے تو کم از کم حل ہو گیا ہے۔ اور امید ہے کہ دوسرے لوگ بھی آہستہ آہستہ دیکھ لیں گے کہ یہی پردہ سچا اسلامی پردہ ہے۔ اور اس کے اختیار کرنے سے دنیا بہت سی بدیوں سے نجات پا سکتی ہے +

۲۔ پردہ پر بعض اعتراضوں کا جواب

شرعی پردہ کے حدود کو بیان کرنے کے بعد یہ ضروری معلوم ہوتا ہے۔ کہ بعض اُن اعتراضوں کی تردید

کی جاوے جو پردہ کے خلاف کئے جاتے ہیں۔ انہیں سب سے اول وہ اعتراض غور طلب ہے۔ جو خود حامیان پردہ کی طرف سے ہی ہوگا۔ کہ اس قسم کا پردہ جیسا ہم نے بیان کیا ہے عورت کو یہ آزادی دیتا ہے کہ وہ ضرورت کے لئے چہرہ کا کچھ حصہ کھُلا رکھ کر باہر نکل سکتی ہے۔ اور اس سے بعض مضرات کا احتمال ہے۔ اس کا جواب تو ہماری طرف سے پہلے گذر چکا ہے۔ کیونکہ ہم بیان کر چکے ہیں کہ قرآن شریف نے ان مضرات کا جن کا احتمال مروجہ پردہ کے حامیان کو اندیشہ میں ڈالتا ہے صرف ایک ہی علاج تجویز نہیں کیا۔ کہ عورت اپنی زینت کو چھپا کر نکلے بلکہ دوسرا علاج بھی خود ہی تجویز فرمادیا ہے۔ کہ مرد اور عورت دونوں غض بصر کا طریق اختیار کریں۔ اور کتنا ہی سوچ کر دیکھ لو۔ ان سے بہتر علاج اُن مضرات کا دُنیا میں اور کوئی تجویز ہی نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ یہ پُر حکمت علاج اُس کی طرف سے ہے جس نے فطرت انسان کو بنایا ہے۔ اسلئے ایسے اعتراض کا پیدا ہونا سوائے اس کے کوئی اور وجہ نہیں رکھتا کہ قرآن کریم کے پُر حکمت احکام پر غور نہیں کیا جاتا۔ ہاں اس کے بعد اب ایک دوسرا سوال یہ پیدا ہوتا ہے۔ کہ غض بصر کا حکم مرد اور عورتیں آسانی سے توڑ سکتے ہیں۔ اور اس لئے ایسے حکم کی بجائے کیوں یہ حکم نہ دیا گیا کہ عورتیں باہر ہی نہ نکلیں یا مجبوراً نکلنا پڑے تو کوئی حصہ اُن کے کپڑوں کا یا جسم کا کھلا نہ رہے۔ ایسا اعتراض انسانی تمدنی ضروریات سے ناواقفیت کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے۔ کیونکہ عملی طور پر یہ ممکن ہی نہیں کہ دُنیا کے کثیر حصہ کی عورتیں یا کسی قوم کی عورتوں کا بڑا حصہ اس پردہ کا پابند ہوسکے۔ یہ فرض کر کہ ہم نے اپنا دل تو اتنی بات سے خوش کر لیا کہ اسلام ایک ایسے پردہ کا حکم دیتا ہے جس میں اس قسم کا نظارہ ہی نہیں جو موجب ابتلا ہوسکے۔ اگرچہ ہم آگے چل کر دکھا دینگے۔ کہ انسانی سوسائٹی میں ایسا ہونا ممکن ہی نہیں۔ پر اب سوال یہ ہے کہ اس پر عمل کون کریگا۔ کیا یہ حکم ان انسانوں کی حالتوں کے مطابق ہوگا جو دُنیا میں چلتے پھرتے اور اپنی روزی کماتے ہیں۔ اسلام تو اپنے قوانین عام لوگوں کی حالتوں کے مطابق تجویز کرتا ہے۔ نہ دو یا چار منتخب آدمیوں کے لئے جو خوش قسمتی سے اس قدر روپیہ کے مالک ہیں۔ کہ گھر بیٹھے اپنی تمام ضروریات کو پورا کر سکتے ہیں۔ ہم کہتے ہیں کہ عملی طور پر دیکھ لو۔ اور پھر غور کر کے دیکھ لو کہ ہر قوم میں ۸۰ فیصدی یا اس سے بھی زیادہ آبادی ایسی ہی ہوتی ہے۔ جو کسی صورت میں اس قاعدہ کی پابند ہی نہیں ہوسکتی۔ کہ اُن کی عورتیں اپنے کاموں کے لئے باہر نہ نکلیں۔ کیا یہ سب لوگ دائرہ انسانیت سے خارج ہیں۔ یا کہ انسانوں کے لئے ایسے قواعد تجویز کئے جاتے ہیں جن کے وہ پابند ہی نہیں ہوسکتے۔ یا اگر دائرہ انسانیت سے باہر نہیں تو کیا اُن کو دائرہ اسلام سے خارج کر دوگے۔ کہ اسلام کا ایک اصول ایسا تجویز کرتے ہو جو اُن کی حالتوں کے بالکل مخالف

پڑا ہوا ہے۔ اس درمیانی طبقہ کے لوگوں میں اور اُس اعلےٰ طبقے میں جو اپنے آپ کو ان سے برتر سمجھتا ہے اور تو کوئی فرق نہیں سوائے اس کے کہ ان کے پاس روپیہ زیادہ ہے۔ اور یہ لوگ صرف اسی پر گذارہ کرتے ہیں جو اپنی محنتوں سے کماتے ہیں۔ کیا اسی فرق کے سبب سے یہ لوگ اسلام سے خارج ہو جاوینگے۔ حالانکہ اُن کے درمیان احکام الٰہی کے زیادہ پابند اور شریعت اسلام کی بہت تابعداری کرنے والے اور نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے زیادہ محبت رکھنے والے موجود ہیں۔ کیا اسلام امیروں کے لئے بنا تھا جو اس پر عمل ہی نہیں کرتے اِلّا شاذ و نادر یا عام لوگوں کے لئے۔ ہاں اعلےٰ طبقہ کے لوگ یہ تو کہہ سکتے ہیں۔ کہ اسلام نے یہ اصول عام لوگوں کی حالتوں کے مطابق تجویز کیا ہے اور ہم اپنے لئے اس سے بہتر اصول تجویز کر سکتے ہیں۔ لیکن یہ کہنا اُن کا حق نہیں ہے۔ کہ مذہب اسلام کا یہ اصول خاص ہمارے لئے بنا تھا جو پانچ یا دس فیصدی آدمی ہیں۔ اور جو باقی احکام اسلام کی پیروی نہیں کرتے ...... اور جو لوگ باقی احکام پر عمل کرتے ہیں وہ مجبور ہیں۔ کہ اسلام کے اس اصول کی خلاف ورزی کریں پس ہم کہتے ہیں کہ اصول وہ تجویز کرنا چاہئے جو عام لوگوں کی حالتوں کے مطابق ہو۔ نہ کہ معدودے چند زیادہ روپیہ والے لوگوں کے لئے۔ اسلام تو غربا کے لئے ہی آیا ہے۔ اور اُس کے اصول بھی انہیں کی حالتوں کو مدنظر رکھ کر تجویز کئے گئے ہیں۔ پس جو شخص دل کا غریب ہے اور مسلمان کہلاتا ہے اُسے نہیں چاہئے کہ محض زیادہ روپیہ رکھنے کی وجہ سے اس تکبّر کو دل میں جگہ دے کہ اسلام میرے لئے ہی بنا ہے اور دوسرے لوگ محض وحشی اور جاہل ہیں۔ اُن کی حالتیں ہی خدا نے ایسی بنائی ہیں۔ کہ وہ اس پر چل نہیں سکتے۔ بعض لوگوں نے اس موقعہ پر یہ بھی جواب دیا ہے۔ کہ عام لوگوں کی یہ حالت اضطراری ہے۔ کہ اُنکی عورتوں کو کام کرنے کے لئے باہر نکلنا پڑتا ہے۔ مگر ہم کہتے ہیں کہ یہی اضطراری حالت صحابہ میں بھی موجود تھی رضی اللہ عنہم۔ اور یہی اضطراری حالت ہر زمانہ میں ہر قوم میں نوّے فیصدی لوگوں میں موجود رہتی ہے۔ پس کیا اسلام نے ایسا اصول تجویز کر دیا ہے جو نہ تو اول زمانہ کے لوگوں کی حالتوں کے مطابق تھا اور نہ بعد میں ہی۔ اور سب کے سب کو مضطر ہو کر اُس اصول کو توڑنا پڑا۔ کیا کوئی اور ایسا اصول بھی اسلام نے تجویز کیا ہے جسے مضطر ہو کر قریباً تمام دُنیا کو توڑنا پڑے +

یہ تو ایک پہلو ہُوا اب دوسرے پہلو پر غور کرتے ہیں۔ تو وہ بھی خالی از مشکلات نظر نہیں آتا۔ جب ہم اس بات کو تجویز کر چکے کہ پردہ واقعی ایسا ہی سخت ہونا چاہئے جیسا آجکل مروج ہے۔ تو اب سوال

یہ ہے کہ اس پردہ کی سختی سوائے ان لوگوں کے جن کے نام قرآن شریف میں لئے گئے ہیں سب سے یکساں ہونی چاہئے۔ اب ان لوگوں میں جن سے پردہ ہے خاوند کے تمام رشتہ دار سوائے باپ اور بیٹوں کے اور عورت کے اپنے بعض رشتہ دار جیسے انکے چچوں اور پھوپھیوں کے بیٹے وغیرہ بھی شامل ہیں پس موجب حکم قرآن ان تمام سے اسی قسم کا پردہ ہونا چاہئے جیسا اجنبیوں سے مگر سوائے شاذ و نادر مستثنے حالتوں کے ایک بھی گھر ایسا نہیں جہاں اس اصول کو مد نظر رکھا جاتا ہو اور بہت سارے رشتہ دار جن کو قرآن کریم نے غیر محرموں میں رکھا ہے محرموں کی طرح گھروں میں آتے جاتے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہے کہ بجائے اس کے کہ عورتیں شرعی پردہ کرکے ان لوگوں کے سامنے آویں وہ بغیر اپنی زینتوں کو چھپانے کے اُن کے سامنے آتی جاتی ہیں۔ اور اس طرح پر قرآن شریف کے حکم کی صریح خلاف ورزی کی جاتی ہے۔ اب نئے قاعدوں کا تجویز کرلینا تو آسان ہے۔ مگر اُن پر عملدرآمد نہیں جس سے یہ معلوم ہوا کہ انسانی حالات کے مطابق وہ نہیں۔ یہ چھوٹی سی بات نہیں ہر ایک شخص بجائے خود غور کرے کہ آیا اس قسم کے پردہ کی برداشت جیسا الفاظ میں تجویز کیا جاتا ہے تمدنی انسانوں کی طاقت کے اندر ہے۔ اگر پردہ کے معاملہ میں اعتدال کو مد نظر رکھا جاتا تو قرآن شریف کے احکام کی پوری فرمانبرداری ہوسکتی تھی۔ الغرض وہ لوگ جو اپنی عورتوں کے مطلق باہر نکلنے کو یا ایسی صورت میں باہر نکلنے کو کہ اُن کے چہرہ کا کوئی حصہ یا اُن کے ہاتھ ظاہر ہوں اپنے لئے ذلت سمجھتے ہیں وہی لوگ اس بات سے کچھ مضائقہ نہیں کرتے کہ اُن کی عورتیں ہر طرح کی زینت کے ساتھ ایسے لوگوں کے سامنے نکلیں بلکہ بے تکلفی کے ساتھ اُن سے ملیں جُلیں جنہیں قرآن شریف پردہ کے معاملہ میں ایسے ہی اجنبی سمجھتا ہے جیسے دوسرے لوگوں کو جن کا تعلق رشتہ داری وغیرہ کا کوئی نہیں۔ ان تمام واقعات سے ہم ایک ہی نتیجہ پر پہنچتے ہیں۔ یعنی یہ کہ اُن مختلف حالات کے نیچے جو تمدنی زندگی میں انسانوں کو پیش آتے ہیں یہ ممکن نہیں کہ اس قدر سخت پردہ کی پابندی ہوسکے جیسا بعض لوگ تجویز کرتے ہیں +

پھر ایک تیسرا پہلو اس سوال کا یہ ہے۔ کہ اس طریق سے بھی فتنہ کا دروازہ بند تو نہیں ہوتا کیونکہ آخر عورتوں کو مجبوراً باہر نکلنا ہی پڑیگا پس اگر اُن کے چہرے بالکل بند بھی کردیئے جاویں تو آنکھیں تو بند نہیں کی جاسکتیں۔ پس کم از کم اُن کو تو یہ موقعہ حاصل ہے کہ وہ مردوں کو بخوبی دیکھ سکیں۔ نہ اسلئے کہ اسلام نے واقعی اُن کو ایسی اجازت دی ہے۔ بلکہ اسلئے کہ غض بصر کا طریق جو قرآن کریم نے پیش کیا ہے ناکافی سمجھا جاتا ہے۔ اسلئے اسی طریق پر چلنے سے یہ بھی ضروری ہوگا

کہ مردوں کے چہرے بھی چھپائے جاویں۔ کیونکہ اس کے بغیر فتنہ کا دروازہ تو بہرحال کھلا ہی رہا پھر ایک اور مشکل یہ ہوگی۔ کہ امرد کے لئے کیا حکم ہوگا کیا اُن کے لئے بھی یہ ضروری ہوگا کہ عورتوں کی طرح چہرہ چھپا کر باہر نکلیں۔ کیونکہ جیسا عورت کے چہرہ کی طرف دیکھ کر ایک مرد فتنہ میں پڑ سکتا ہے ایسا ہی امرد کے چہرہ کی طرف بھی دیکھ کر فتنہ میں پڑ سکتا ہے۔ اب دیکھنا چاہئے کہ امرد کے لئے فقہاء نے کیا تجویز کیا ہے۔ کیونکہ جس رنگ میں انسان اُس کے فتنہ سے بچ سکتا ہے۔ اسی رنگ میں دوسرے فتنہ سے بھی بچ سکتا ہے۔ اس جگہ فقہاء نے بالاتفاق تسلیم کیا ہے۔ کہ امرد کیلئے چہرے کو چھپانا ضروری نہیں بلکہ غض بصر کے طریق کو اختیار کرنا چاہئے۔ پس کسی پہلو پر غور کرو۔ یہی معلوم ہوگا کہ سوائے اس کے کہ قرآن کریم کے حکیمانہ اصول غض بصر کو مدنظر رکھا جاے انسانوں کا تجویز کردہ کوئی قاعدہ چل نہیں سکتا اور نہ ہی مشکلات اور مضرات کو دور کر سکتا ہے +

دوسرا اعتراض پردہ پر یہ کیا جاتا ہے۔ کہ پردہ سے جہالت پیدا ہوتی اور علوم کی ترقی رُکتی ہے اس اعتراض کی جڑ شرعی پردہ کی غلط فہمی ہے۔ اور اسلام کے دامن پر یہ اعتراض کسی صورت میں عاید نہیں ہوتا۔ کہ جس پردہ کی تعلیم اس نے دی ہے۔ وہ عورتوں کی ضروری تعلیم کو روکتا ہے۔ مسلمانوں کی موجودہ گری ہوئی حالت سے یہ نتیجہ نکالنا کہ اُسکی وجہ عورتوں کو پردہ میں رکھنا ہے بالکل بے بنیاد امر اور بلا دلیل دعوے ہے۔ ہم پہلے بھی کہہ چکے ہیں۔ کہ انگلستان میں پردہ کبھی مروج نہیں ہُوا۔ تاہم جیسا کہ انسکلوپیڈیا کی نئی جلدوں میں تسلیم کیا گیا ہے۔ ملکہ وکٹوریہ کی تخت نشینی سے پہلے انگلستان کی عورتوں میں باقاعدہ تعلیم کبھی مروج نہیں ہوئی۔ دوسری طرف مسلمانوں کے درمیان باوجود پردہ کے اعلےٰ درجہ کی عالم اور فاضل عورتیں گذری ہیں۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو ہزاروں شعر عربی یاد تھے۔ اور معانی الفاظ کے اختلاف کے وقت وہ سند میں شعر پیش کیا کرتی تھیں۔ اور اُن کا عالم و فاضل ہونا سب کے نزدیک مسلّم ہے۔ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا بھی پڑھی ہوئی تھیں۔ اور کتابت بھی جانتی تھیں جیسا کہ اصابہ سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ اُنہوں نے فن کتابت بھی سیکھا تھا۔ ایسا ہی صحابہ میں بہت ساری عورتیں تھیں جو علم اور فضل کے سبب سے شہرت رکھتی تھیں۔ چنانچہ شفا بنت عبد اللہ کی بہت ساری تعریف کرکے اصابہ میں لکھا ہے۔ وکان عمر یقدمھا فی الرای ویرعاھا ویفضلھا وربما ولاھا شیئا من امر السوق یعنی حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ اُن کی رائے کو مقدم رکھتے تھے (جس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ اُن سے اہم معاملات میں مشورہ بھی لیا جاتا تھا) اور اُن کی رعایت

کرتے تھے۔ اور انہیں فضیلت دیتے تھے۔ اور اکثر اوقات سوق کے معاملات میں سے بعض معاملے اُن کے سپرد کرتے تھے۔ اسی طرح اسلام کی تاریخ سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ مسلمانوں میں کئی عورتیں عالم و فاضل اور ادیب اور شاعر گذری ہیں۔ اس امر کو زیادہ طول دینا ضروری نہیں کیونکہ یہ واقعات ایسے ہیں جن سے کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ بعض لوگ ایک وضعی حدیث کو اس بات کی تائید میں پیش کیا کرتے ہیں۔ کہ عورت کو کتابت سکھانا جائز نہیں۔ مگر واقعات مندرجہ بالا کے سامنے اس حدیث کا جھوٹا ہونا اظہرمن الشمس ہے غرضیکہ پردہ اس الزام سے بری ہے۔ کہ اس سے عورتوں کی تعلیم میں نقص واقع ہوتا ہے۔ بلکہ برعکس اس کے پردہ ایسی چیز ہے۔ کہ اس سے عورت کو تعلیم کا زیادہ موقع ملتا ہے۔ مثلاً ایک ایسی سوسائٹی میں جہاں پردہ نہیں ہے عورتوں کا بہت سارا وقت اس طرح پر ضائع ہوتا ہے۔ کہ وہ طرح طرح کے لباس پہن کر اور آرائشیں کر کے لوگوں کو دکھانے کے لئے اور لوگوں کی توجہ کھینچنے کے لئے باہر نکلتی ہیں۔ اور یہ ایک ایسا امر ہے جس کو انگلستان کی مصنف عورتوں نے تسلیم کیا ہے۔ اور اس طرح پر وہ قیمتی وقت جو علمی ترقی میں یا گھر کا کاروبار کرنے میں صرف ہو سکتا ہے فضول باتوں میں ضائع کیا جاتا ہے۔ لیکن پردہ چونکہ ایسی باتوں کی اجازت نہیں دیتا۔ اسلئے وہ عورتوں کے قیمتی اوقات کو بچا کر مفید کاموں میں لگا سکتا ہے۔ اور ضرورت کے وقت عورت باہر بھی نکل سکتی ہے۔ مسلمانوں کی موجودہ حالت سے عورتوں کے متعلق کوئی نتیجہ نکالنا۔ اور پردہ کو ان کے لئے باعث زوال قرار دینا محض حماقت ہے۔

پھر ایک اور پہلو سے اس سوال پر غور ہو سکتا ہے۔ یعنی یہ غور کیا جائے کہ عام طور پر اسلام نے عورت کے ساتھ کیا سلوک کیا ہے۔ اگر باقی امور میں بھی اسلام نے عورت کے ساتھ سختی کی ہے۔ تو یہ ایک وجہ یقین کرنے کی ہوگی۔ کہ پردہ کو رواج دینے سے بھی اسلام کا منشاء یہی تھا کہ عورتکی قدرتی آزادی قطعی طور پر روک دی جاوے اور ان کو کام کرنے کے بالکل ناقابل کر دیا جاوے۔ اور حصول علوم میں اُنکی راہ میں روک ڈال دی جاوے۔ لیکن اگر یہ ثابت ہو کہ اسلام کا سارا سلوک عورت کے ساتھ پرلے درجہ کی نرمی کا ہے اور اسلام نے عورت کو وہ حقوق دیئے ہیں جو بار بار کے مطالبوں کے باوجود بھی تہذیب یافتہ یورپ نے پورے طور پر اسکو نہیں دیئے۔ تو پھر یہ یقین کرنیکے لئے ایک معقول وجہ ہوگی کہ پردہ کا حکم بھی عورت کی اور سوسائٹی کی بہتری کے لئے ہی دیا گیا ہے۔ اور اس کا منشاء سوسائٹی میں سے بعض بدیوں کا دور کرنا ہے سب سے پہلے یہ امر قابل غور ہے کہ اسلام نے عورت کی راہ میں محض جنس عورت ہونے کی وجہ سے کوئی روک نہیں ڈالی۔ اسلام یہ نہیں کہتا کہ فلاں کام کرنا یا فلاں پیشہ میں دسترس حاصل کرنا عورتوں کو منع کیا جاتا ہے۔ ہمارا اس سے یہ مقصود نہیں کہ عورت عورت ہو کر یعنی وہ مقام اختیار کر کے جو قدرت نے

مرد و عورت کے تعلق میں اُس کے لئے تجویز کیا ہے ہر ایک کام کر سکتی ہے یا ہر ایک پیشہ میں دسترسی حاصل کر سکتی ہے۔ ہمارا منشاء یہ ہے۔ کہ اگر عورت کے اپنے حالات اس کو کسی کام کے کرنے کی اجازت دیں اور اس میں اُس کام کے کرنے کی قابلیت بھی ہو تو اسلام اس کو یہ نہیں کہتا کہ میں تمہیں اس کام کے کرنے کی اجازت نہیں دیتا۔ اس طرح پر خالی جنسیت کی روک کو دور کر کے اسلام نے عورت کی ترقی کی راہ سے ایک بڑی رُکاوٹ کو دُور کر دیا ہے۔ جس کی پوری قدر وہی لوگ کر سکتے ہیں جنہوں نے یورپ میں عورت کی تدریجی ترقی کو مطالعہ کیا ہے۔ کہ کن کن مصیبتوں سے ایک ایک روک اس کی راہ سے دُور ہوئی ہے۔ اور کس طرح پر صدیوں تک عورتوں کی راہ میں وہ رکاوٹیں پڑی رہی ہیں۔ جو مسلمان عورتوں نے کبھی سنی بھی نہیں۔ اسلامی شریعت کے ماتحت عورت کو ابتدا سے یہ حق حاصل رہا ہے۔ کہ فوجداری یا دیوانی میں وہ مدعی یا مدعا علیہ بنے۔ حدیثوں کے پڑھنے سے بہت سارے ایسے واقعات معلوم ہوتے ہیں۔ کہ عورتیں خود رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عدالت میں حاضر ہوتیں۔ اور اپنے استغاثے پیش کرتیں جو بعض اوقات اُن کے اپنے خاوندوں یا باپوں کے خلاف ہوتے۔ یہی حال آنحضرت صلعم کے خلیفوں کے زمانے میں بھی رہا۔ اس سے بڑھ کر اور کونسی مثال ہو سکتی ہے جس کی وجہ سے اسلام میں ایک بڑا بھاری فرقہ شیعہ مذہب کا پیدا ہو گیا جو آج تک چلا جاتا ہے۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا خود حضرت ابوبکر خلیفہ اول کے سامنے تشریف لے گئیں۔ حالانکہ حضرت علی بھی موجود تھے جو اُن کی طرف سے یہ استغاثہ پیش کر سکتے تھے۔ اور حضرت صدیق کے انصاف کو بھی دیکھئے کہ کس طرح بغیر رو رعایت کے بنت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے خلاف فیصلہ کرنا کچھ دشوار نہ سمجھا اور جو حق سمجھا وہی کیا۔ غرضیکہ حضرت فاطمہ کا یہ استغاثہ مضبوط شہادت اس امر کی ہے کہ اسلام نے عورت کی راہ میں عورت ہونے کی وجہ سے کوئی روک نہیں رکھی۔ اسی طرح پر اسلام مانع نہیں ہوا کہ کوئی عورت کسی ذمہ واری کے عہدہ پر ہو یا اہم معاملات میں مشورہ دے سکے۔ شفاء بنت عبداللہ کا ذکر ہم پہلے کر چکے ہیں۔ کہ کیونکر حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسے عظیم الشان مُدبّر بھی اُس سے مشورہ لیا کرتے اور اُسکی رائے کو وقعت کی نگاہ سے دیکھا کرتے تھے۔ اور پھر اُسی دانشمند عورت کو وہ بڑے بڑے ذمہ واری کے عہدوں پر ممتاز فرماتے رہے۔ شاید اس امر کے تسلیم کرنے سے کسی کو انکار نہ ہو گا کہ سب سے زیادہ مشکل عورت کے لئے جنگوں میں حصہ لینا ہے۔ مگر اسلام تو اس نظیر سے بھی خالی نہیں رہا۔ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا جیسی مُقدس اور راستباز عورت اور اس پایہ کی عورت علاوہ علمی مشاغل کے جنگوں میں بھی حصہ لیتی رہیں۔ یہانتک کہ خود فوج میں شامل ہو کر میدان جنگ میں لڑیں۔ یہ واقعات ہیں اور

ہم نہیں سمجھتے کہ ان لوگوں کے پاس جنہوں نے اسبات کا بیڑا اٹھا رکھا ہے کہ اسلام کی خوبیوں کو بھی بُرا ہی کر کے دکھادیں۔ ان واقعات کا کیا جواب ہے۔ علاوہ ازیں جائداد کے حاصل کرنے میں اسلام نے مرد اور عورت کو برابر حقوق دئیے ہیں ہر ایک عورت خواہ بیاہی ہوئی ہو یا بن بیاہی صاحب جائداد ہوسکتی ہے۔ اور جائداد منقولہ یا غیر منقولہ کی مالک ہوسکتی ہے۔ پھر ایسی جائداد کے متعلق تمام قسم کے حقوق اور ذمہ واریاں پیدا کر سکتی ہے اور قرضہ وغیرہ لے سکتی ہے۔ پھر اُس کو جائداد کے انتقال یا ہبہ یا وصیت کے وہی حقوق حاصل ہیں جو مرد کو حاصل ہیں۔ پھر بہ موجودگی مرد وارثوں کے اُن کے ساتھ وارث جائداد ہوسکتی ہے۔ غرضیکہ ان تمام معاملات میں عورت پر کوئی روک نہیں ڈالی گئی۔ ان لوگوں کی جہالت پر سخت افسوس آتا ہے۔ جو ان تمام فواید کو کالعدم سمجھتے ہیں۔ صرف اس وجہ سے کہ اسلام نے پردہ کا حکم کیوں دیا۔ ہمارے خیال میں تو ایسا آدمی مجہول مطلق ہے جو اسلامی پردہ کو اس قدر مضرت رساں سمجھتا ہے۔ کہ یہ تمام فواید اس کے مقابل اس کو ہیچ نظر آتے ہیں۔ کیا وہ اس موٹی بات کو نہیں سمجھ سکتے کہ جب بعینہ مردوں کی طرح وسیع حقوق عورتوں کو جایداد پیدا کرنے کے لئے اسلام نے دئیے ہیں۔ تو پھر وہ اس امر سے کیونکر مانع ہوسکتا ہے کہ پیدا کردہ جایداد کو عورتیں ترقی دیں۔ اور اس لئے اُن تمام وسائل اور ذرائع کو اختیار کریں جن سے جائدادیں بڑھ سکتی ہیں۔ جس طرح پر حصول جائداد کے معاملہ میں اسلام نے جنسیت عورت کو روک نہیں بنایا۔ اسی طرح حصول علم میں بھی وہ عورت کو منع نہیں کرتا۔ اور نہ اُس کی راہ میں کوئی خاص روک ڈالتا ہے۔ بلکہ جس طرح پر اسلام مردوں کو علوم کے حاصل کرنے کی ترغیب دیتا ہے ویسے ہی عورتوں کو بھی ترغیب دیتا ہے اور خود قیاس بھی اس خیال کو دھکے دیتا ہے۔ کہ ایک مذہب جو عورت کی اس قدر رعایت کرتا ہے اس کے لئے حصول علم سے مانع ہو۔ اور اسلامی تاریخ بڑے زور سے اس خیال کی تردید کرتی ہے غرضیکہ پردہ عورتوں کی تعلیم میں کوئی روک نہیں جیسا کہ بے پردگی بطور خود اُن کے لئے حصول علوم کی ترغیب دینے والی نہیں +

اس سوال پر بحث کرتے ہوئے کہ پردہ عورت کو علم حاصل کرنے سے مانع نہیں ہم نے یہ بھی ثابت کر دیا ہے۔ کہ پردہ عورت کو کسی قسم کا ضروری کاروبار کرنے سے مانع نہیں ہے۔ اب ایک اور اعتراض پر ہم بحث کرتے ہیں۔ جس کے اول پیش کرنے والے پادری صاحبان ہیں۔ یہ کہا جاتا ہے۔ کہ پردہ اسبات کی شہادت ہے کہ مسلمانوں کو ایک دوسرے پر بھروسہ نہیں۔ اور عورتوں کو باہر نکلنے سے اس لئے روکا جاتا ہے۔ کہ اُن کی نیک چلنی پر پورا پورا اعتبار نہیں کیا جاتا۔ سب سے

پہلے تو یہ ایک غلط بیانی ہے۔ کہ اسلام عورتوں کو باہر نکلنے سے قطعی طور پر روکتا ہے۔ ہاں اسلام اس امر سے
قطعی طور پر روکتا ہے۔ اور اس امر سے منع کرتا ہے۔ کہ بلا ضرورت عورتیں باہر پھرا کریں۔ اور
بناؤ سنگار کر کے اسلئے پھریں کہ لوگوں کی توجہ اُن کی زینتوں کی طرف ہو۔ لیکن اس جواب کے بعد یہ سوال
کیا جاویگا۔ کہ اسلام اتنی بات سے بھی کیوں عورتوں کو روکتا ہے۔ کیوں وہ اس امر کو پسند نہیں کرتا کہ عورتیں
اپنے بناؤ سنگار غیر مردوں کو دکھاتی پھریں۔ کیا اس کا یہی سبب ہے کہ اسلام کو عورتوں کی پاکدامنی پر
بھروسہ نہیں؟ ہماری سمجھ میں پادری صاحبان نے بھروسہ کا لفظ ایک مہمل سا لفظ چن لیا ہے ہم پوچھتے
ہیں کہ کیا عورت کی پاکدامنی پر بھروسہ کرنے کے یہی معنے ہیں۔ کہ اُسے ہر ایک خطرہ کی راہ میں ڈالا جاوے
اور ہر ایک لغزش کی جگہ پر جہاں پاؤں پھسلنے کا احتمال ہے اُسے چلایا جاوے۔ کیا بغیر اس کے
جو خود ہم عورت کی پاکدامنی کو خطرہ کی حالت میں ڈالیں ہم اس پر بھروسہ کرنے والے نہیں ہو سکتے۔
اس بھروسہ کے تو یہ معنے ہوئے کہ اپنے ہاتھوں سے گڑھا کھود کر اس میں عورت کو دھکیلا جاوے
اور پھر کہا جاوے۔ کہ یہ ہم اس لئے کرتے ہیں کہ ہمیں عورت کی طاقت پر بھروسہ ہے۔ یہ معنے بھروسہ
کے عیسائی صاحبان کے نزدیک صحیح ہونگے۔ کیونکہ اُن کے نزدیک خدا کے رحم پر بھروسہ بھی تب ہی ہوتا ہے
جب انسان صرف اس امر کو مان لے کہ اس کے گناہوں کے لئے خدا کا بیٹا کفارہ ہو گیا۔ اور خود اُسکے
رحم کا جاذب بننے کے لئے اپنے تزکیہ نفس کی کوئی کوشش نہ کرے۔ اسلام اور رنگ کا بھروسہ سکھاتا
ہے۔ اس کی تعلیم یہ ہے۔ ع برتوکل زانوئے اُشتر بہ بند۔ یعنی جہانتک خود طاقت ہے۔ ایک کام کو
کرو۔ اور پھر نتیجہ کے لئے خدا پر بھروسہ کرو۔ جن معنوں میں اسلام خدا پر بھروسہ کرنے کی تعلیم دیتا ہے
انہیں عام فہم معنوں میں دوسرے انسانوں پر بھروسہ کرنا سکھاتا ہے۔ خدائے تعالےٰ کی حکیم کتاب
قرآن کریم پہلے وہ تمام راہیں بتاتی ہے جن پر چلنے سے عورتوں اور مردوں کی پاکدامنی محفوظ رہ سکتی
ہے۔ اور انسان کو ان طریقوں پر عمل کرنا سکھانے کے بعد یہ تعلیم دیتی ہے۔ کہ وہ ایک دوسرے
کی پاکدامنی پر بھروسہ کریں۔ لیکن اسلام اس قسم کا بھروسہ ہمیں نہیں سکھاتا جیسا ہمارے عیسائی دوست
تجویز کرتے ہیں۔ کہ غیر محرم مردوں اور عورتوں کو کھلے چھوڑ دیا جاوے۔ اور ہر ایک موقعہ ان کو پاکدامنی کے
دور کرنے کا دیا جاوے۔ اور ہر ایک مقام پر جہاں اُن کا قدم پھسل سکتا ہے اُن کو چلایا جاوے۔ اور یہ سب
باتیں اس لئے کی جاویں تا یہ ثابت ہو کہ ہم اپنے ہمجنسوں پر بھروسہ کرتے ہیں۔ ہاں اگر ایک شخص یہ
کہنے کا حق رکھتا ہے۔ کہ پردہ سے بھروسہ کا نہ ہونا ثابت ہوتا ہے۔ تو دوسرا شخص یہ بھی کہہ سکتا ہے کہ
اپنے مال و دولت کی حفاظت کرنے سے بھی بھروسہ کا نہ ہونا ثابت ہوتا ہے۔ گویا جب ہم اپنے مال کی

حفاظت کرتے ہیں۔ تو دوسرے لوگوں کی دیانتداری پر ہمیں کوئی بھروسہ نہیں ہوتا۔ حالانکہ ایسا خیال کرنا محض حماقت ہے۔ جب یہ لوگ اپنے گھروں میں نقدی کے صندوقوں کو متقفل کر کے اُن کی کنجیاں بڑی حفاظت سے اپنے پاس رکھتے ہیں تو کیوں اُس وقت اُن کو یہ خیال نہیں آتا کہ اس طرح پر مقفل کرنے سے وہ اپنی عورتوں پر یا دوستوں پر بھروسہ نہ کرنے کے جرم کے مرتکب ہیں۔ نہ ہی کسی پادری صاحب کے نزدیک ایسا فعل قابل اعتراض ہے۔ کیونکہ حقیقت یہ ہے کہ اگر ایک شخص محض اپنے دوستوں پر بھروسہ جتانے کے لئے اپنے روپیہ کو کھلا چھوڑتا ہے۔ تو نتیجہ یہ ہوگا کہ بالآخر اُسے اُن لوگوں کی دیانت پر شبہ کرنا پڑیگا جو واقعی دیانتدار ہیں۔ کیا گورنمنٹ اپنے خزانوں کی حفاظت اسلیئے کرتی ہے۔ کہ اسے رعایا میں سے کسی فرد کی دیانت پر بھی بھروسہ نہیں؟ بلکہ اس لئے کہ بد دیانتوں سے تو کوئی قوم خالی نہیں۔ پس کیوں اپنے مال کی حفاظت نہ کی جاوے۔ لیکن اگر اس پہلو کو چھوڑ کر اُس بھروسہ پر غور کریں جس کا عیسائی صاحبان کو ناز ہے تو اور بھی اس کی حقیقت کھلتی ہے۔ کیا یہ سچ نہیں کہ دوستی کے رنگ میں کیسی کیسی بڑی بے ایمانیاں کی جاتی ہیں۔ گذشتہ جنگ ٹرنسوال کے بعد جب فوج میدان جنگ سے واپس آئی تو بہت سارے مقدمات طلاق کے ایسے ہوئے جنمیں ظاہرا دوستوں کی غداری ثابت ہوئی۔ اور ججوں نے بہت افسوس سے اس امر کا اظہار کیا کہ کس طرح اُن لوگوں سے جو ملک اور قوم کی خاطر اپنی جانیں دے رہے تھے خود اُن لوگوں نے ہی بیوفائی کی جو دوستی کا دم بھرتے تھے۔ اور اُن کی غیر حاضری میں اُن کی عورتوں سے ناجائز تعلق پیدا کئے۔ اور پھر یہ جو سینکڑوں مقدمات طلاق کے زنا کاری کی بنا پر انگلستان میں ہوتے ہیں۔ کیا ان میں وہی لوگ مجرم ثابت نہیں ہوتے جن پر بھروسہ کر کے اپنی عورتوں کی عزت اور عفت اُن کی سپرد کر دی جاتی ہے۔ کیا ان تمام واقعات کا باعث یہ ہے۔ کہ انگریزی سوسائٹی میں اور سوسائٹیوں کی نسبت زیادہ بدکار موجود ہیں۔ ہرگز نہیں۔ بلکہ اس کا سبب یہی ہے کہ بدکاری کے مواقع زیادہ ہوتے ہیں۔ اور غیر محرم مردوں اور عورتوں کو ناجائز آزادی دے کر خود یہ موقع دیا جاتا ہے۔ کہ وہ بدیوں میں مبتلا ہوں۔ یہ عجیب بھروسہ ہے کہ دو غیر محرم جوان ایک امرد اور عورت جو جذبات جوانی کے نیچے دبے ہوئے ہیں جہاں جی چاہے چلے جاویں۔ اور اُن کے والدین مطمئن رہیں۔ کہ کوئی ناپاک خیال اُن کے دلوں کے پاس پھٹک نہیں سکتا۔ کیا کوئی عیسائی ہے جو سچے دل سے اس بات کا قائل ہے۔ کہ اس قسم کے واقعات سے بدکاری اور زنا کاری کی تحریک نہیں ہوتی۔ کیا ایک بڑے عیسائی عہدہ دار کے الفاظ میں اس طرح پر نوجوانوں اور ناتجربہ کاروں کے سامنے کھلے کھلے بدکاری کے سامان پیش نہیں کیئے جاتے۔ پھر جب اسی کا علاج اسلام پیش کرتا ہے تو شور

مچایا جاتا ہے۔ کہ عورتوں کی پاکدامنی پر بھروسہ نہیں کیا جاتا۔ اسلام کی غرض اور اس کا مقصد تو صرف یہی ہے۔ کہ انسانوں کے دلوں کو ہر قسم کی بدی اور بدی کے خیالات سے پاک کرے۔ اور کوئی آدمی جو صرف بحث میں جیت ہار مقصود نہیں اس امر سے انکار نہیں کرسکتا کہ غیر محرم مردوں اور عورتوں کا بناؤ سنگار کرکے کھلے طور پر ملنا۔ اور پھر دونا محرمونکا جو جذبات سے خالی نہیں تخلیہ اختیار کرنا ایسے امور ہیں جن سے بدخیالات کو دل کے اندر داخل ہونے کی ایک راہ ملتی ہے۔ تعلیم نہ اس کا انسداد کرسکی اور نہ کرسکتی ہے علمی پہلو میں بڑے بڑے فاضل آدمی ایسے ہی ٹھوکر کھاسکتے ہیں جیسے جاہل۔ کیونکہ کسی شخص کے کسی زبان میں یا علم کی کسی شاخ میں مہارت حاصل کرلینے سے یہ نتیجہ نہیں نکلتا۔ کہ وہ نفسانی جذبات یا اخلاقی کمزوریوں سے خالی ہوگیا ہے۔ ہاں کوئی راہ ایسی ہونی چاہئے۔ کہ ٹھوکر کا احتمال کم ہوجاوے اور بدکاری کے سامان حتے الوسع دُور کئے جاویں۔ اور یہی قرآن شریف کے حکم پردہ کا منشاء ہے کیونکہ اول تو قرآن شریف عورت کو یہ حکم دیتا ہے۔ کہ وہ اپنی ہر ایک قسم کی زینت کو چھپا کر رکھے۔ اور پھر مردوں اور عورتوں کے آزادانہ میل جول سے منع کرتا ہے۔ اور بلا ضرورت عورتوں کو باہر پھرنے سے روکتا ہے اور پھر سب سے آخر یہ تجویز کرتا ہے۔ کہ جب عورت غیر محرم مرد کے سامنے آجاوے۔ تو دونوں کو لازم ہے کہ آنکھیں نیچی کرلیویں۔ اس جگہ یہ امر بھی قابل ذکر ہے۔ کہ عورت کو یہ حکم دینے سے کہ وہ اپنی زینت کو ظاہر نہ کرے۔ یہ نتیجہ نہیں نکلتا کہ عورت پر بھروسہ نہیں کیا گیا۔ بلکہ زینت کے چھپانے کی اصل غرض اُن لوگوں کو ٹھوکر سے بچانا ہے جن کے سامنے عورت کو نکلنا پڑتا ہے۔ اور اس طرح پر بھروسہ بھی انہیں لوگوں پر نہیں کیا گیا کیونکہ اُنمیں ہر قسم کے آدمی شامل ہوتے ہیں۔ اور احتیاط کرنا عین انسانیت اور عقلمندی ہے۔ ممکن ہے کہ عورت بناؤ سنگار کرکے باہر نکلنے سے کسی مرد کے دل میں شہوانی خیالات کے اُبھارنے کا باعث ہوجاوے۔ حالانکہ خُود اُسے علم بھی نہ ہو کہ وہ کسی کے لئے ٹھوکر کا باعث ہوگئی ہے۔ عورت کی عفت اور پاکدامنی پر بھروسہ کرنے کے یہ معنے نہیں ہوسکتے۔ کہ اُن تمام لوگوں پر بھی جن میں ہر قسم کے آدمی شامل ہوتے ہیں بھروسہ کرکے یہ سمجھ لیا جاوے۔ کہ وہ بھی سب پاک دل کے ہیں۔ اور نفسانی جذبات سے خالی ہیں۔ اسی لئے عورت کو یہ حکم دیا گیا ہے۔ کہ جب اُسے ضرورتاً غیر مردوں کے سامنے باہر نکلنا پڑے۔ تو جس قدر ممکن ہو ان چیزوں کو چھپا کر نکلے۔ جو مرد کے لئے باعث کشش ہوسکتی ہیں تاکہ وہ لوگ جو دل کے کمزور ہیں۔ اور جن میں نفسانی جذبات ٹھنڈے نہیں ہوچکے (اور ہر ایک شخص شہادت دے سکتا ہے۔ کہ دُنیا میں اکثر لوگوں کی یہی حالت ہے) ان کے سامنے ٹھوکر یا ابتلا کا سامان پیش نہ ہو +

شاید یہ کہا جاوے۔ کہ اگرچہ پردہ نے تو عورتوں کو تعلیم اور ترقی سے نہیں روکا لیکن اسلام کے دائرہ کے اندر مشہور عورتوں کا بہت تھوڑی تعداد میں ہونا اسبات کی دلیل ہے۔ کہ پردہ کا نتیجہ یہ ہوا۔ خواہ اُس کا منشاء یہ ہو یا نہ ہو کہ مسلمان عورتیں عموماً تعلیم سے دُور رہ گئیں۔ ہم کہتے ہیں کہ یہ بات بھی صحیح نہیں اور اس کے کئی وجوہات ہیں۔ اولاً اگر ابتدائی زمانہ کی مسلمان عورتوں کا اُسی زمانہ کی دیگر اقوام کی عورتوں سے مقابلہ کیا جاوے یا اُس سے پہلے کی کسی مہذب قوم کی عورتوں سے مقابلہ کیا جاوے تو صاف معلوم ہوتا ہے۔ کہ مسلمان عورتیں دیگر تمام اقوام کی عورتوں پر بہت فوقیت رکھتی ہیں پھر یہ بھی یاد رکھنا چاہئیے۔ کہ پردہ دار عورت غیر پردہ دار عورت کی طرح خواہ مخواہ لوگوں کی توجہ کو اپنی طرف کھینچنا نہیں چاہتی۔ اور نہ ہی یہ چاہتی ہے۔ کہ لوگ اُس کی تعریفیں کریں۔ اس لئے یہ قدرتی حیا اس امر کا مانع ہے۔ کہ خواہ کوئی عورت کیسی ہی قابل قدر ہو اس کی شہرت بھی عام ہو جاوے سوائے ایسی صورتوں کے جب کوئی عورت علوم میں اعلےٰ درجہ کی ترقی کر کے بحیثیت ایک عالم و فاضل ہونے کے خود بخود بلا اپنی خواہش کے شہرت پا جاوے۔ اور اس بات کے ماننے سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا۔ کہ عورت کی فضیلت خالی اس امر میں نہیں کہ وہ بڑے بڑے ناول لکھ سکے۔ بلکہ اُس کی بزرگی اُن امور کے احسن طریق پر نباہنے میں ہے۔ جن کا علم سوائے چند ایک متعلقین کے اور کسی کو نہیں ہو سکتا۔ تیسرا یہ امر ہے۔ کہ تعلیم کے جو ذرائع اور وسائل آجکل پیدا ہو گئے ہیں۔ اُن کا اُس زمانہ میں تو کہیں نام و نشان بھی نہ تھا۔ اور اُس وقت تو مردوں میں بھی کسی شخص کا علم و فضیلت میں شہرت پا جانا بہت کم ہوتا تھا چہ جائیکہ عورتیں اپنے خانگی فرائض اور قدرتی فرائض کی ادائیگی کے ساتھ عام طور پر ایسی شہرت کے حاصل کرنے کا کوئی موقعہ رکھتیں۔ اور اسلئے عورتوں کی اُس حالت کا اس حالت سے مقابلہ کرنا جب تعلیم کے وسائل ایسے وسیع ہو گئے ہیں۔ کہ خواہ مخواہ ہر گھر میں تعلیم کو پہنچا رہے ہیں ٹھیک نہیں۔ چوتھا یہ بھی یاد رکھنا چاہئیے کہ اس زمانہ کی مہذب عورتیں اُن خانگی فرائض کو تصور میں بھی نہیں لا سکتیں جو گذشتہ زمانہ میں عورت کی اصل فضیلت کا باعث تھے۔ کیونکہ آجکل کسی قدر تو طرح طرح کی کلوں نے عورتوں کو اُن کے فرائض کے ایک حصہ سے سبکدوش کر دیا ہے۔ اور جو کچھ فرائض اب بھی باقی ہیں۔ اُن کی پروا نہیں کی جاتی۔ درحقیقت گھروں کے اندر بہت سے چھوٹے چھوٹے ایسے کام ہیں۔ جن کی طرف توجہ کر کے اور جنہیں پورا کر کے عورت گھر کو ایک جنت بنا سکتی ہے۔ اگرچہ اُن فرائض کی ادائیگی سے وہ ان لوگوں کے دائرے میں شہرت نہیں پا سکتی جو بڑے کہلاتے ہیں۔ اصل سوال تو یہ ہے کہ عملی طور پر عورت کن کاموں کو کر کے اپنے وجود کو نافع اور مفید ثابت کر سکتی ہے۔ ہمارے خیال میں تو یہ اس کے گھر کے اندر کے فرائض ہیں۔ وہ

فرائض جو گھر کے اندر تو اہم سے اہم فرائض ہیں۔ جن سے کسی گھرانے کی خوشحالی وابستہ ہے۔ لیکن باہر کے لوگوں کی نظر میں اُنکی وقعت ایسی نہیں ہوسکتی۔ اگر یہ نہ سمجھ لیا جاوے کہ سوسائٹی گھروں سے ہی بنتی ہے۔ اور اسلئے گھر کی خوشحالی ہی سوسائٹی کی خوشحالی کی بُنیاد ہے +

اِسموقعہ پر پہنچکر ایک اَور اعتراض پر غور کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ جو پردہ کے برخلاف کیا جاتا ہے اور جس پر سب سے زیادہ مسٹر دلاور حسین نے زور دیا ہے۔ جنکے نزدیک لفظ پردہ سے عورتوں کے مستور ہونے کا مفہوم کافی طور پر ادا نہیں ہوتا بلکہ اس کی رائے میں سب سے بڑا نقص عورتوں کے مستور رکھنے میں یہ ہے "کہ اس سے دونوں جنسیں یعنی مرد اور عورتیں ایک بڑی خوشی سے محروم رہ جاتی ہیں۔ اور عورتیں تبادل خیالات سے اور مردوں کے علوم میں حصہ لینے سے محروم رہتی ہیں"۔ یہ لفظ ایک ایسے انسان کے مُنہ سے نکلے ہوئے ہیں۔ جس کو مغربی طریق تمدن سے نہ صرف پر جوش محبت ہی ہے۔ بلکہ اندھا تعصب بھی ہے۔ اور اس کے نزدیک پردہ پر یہ دو اعتراض ایسے ہیں جن سے پردہ کی جڑ کٹ جاتی ہے۔ یعنی پردہ سے ایک تو وہ خوشی جاتی رہتی ہے۔ جو مردوں کو غیر عورتوں سے مل کر اور اُن سے باتیں کرکے حاصل ہوتی ہے جس حال میں دونوں فریق ایک دوسرے کے شہوانی خیالات کو اُبھارنیکے لئے پوری کوشش کر رہے ہوں۔ اور دوسرا عورتیں مردوں کے علوم میں حصہ لینے سے محروم رہجاتی ہیں۔ مسٹر دلاور حسین پر مبالغہ ختم ہے۔ اگر پردہ کا سخت سے سخت حامی بھی اُس کے ریمارکوں کو پڑھیگا تو وہ حیران ہوگا۔ کہ آیا وہ کسی خیالی سوسائٹی کا نقشہ کھینچ رہے ہیں۔ جس کا وجود اُن کے ذہن سے باہر ہے ہی نہیں۔ یا واقعی دنیا میں کوئی ایسے انسان بھی ہیں جن کے حالات مسٹر دلاور حسین کے سوا اور کسی کو معلوم نہیں۔ اور یا اگر ان دونوں باتوں میں سے کوئی بھی ٹھیک نہیں تو پھر یہ معلوم ہوگا کہ وہ اپنے بیانات کی تائید واقعات سے نہیں کرسکتے۔ بلکہ اس کے لئے اُن کو مبالغہ اور غیر حقیقی امور بیان کرنے کی ضرورت پڑتی ہے۔ اعتراض کرتے وقت وہ ایک ایسی سوسائٹی کا نقشہ کھینچتے ہیں۔ جس میں کسی مرد کو کسی عورت سے بھی کوئی تعلق نہیں۔ گویا نہ باپ کو بیٹی سے کوئی تعلق ہے۔ نہ خاوند کو عورت سے نہ بیٹے کو ماں سے۔ اور نہ بھائی کو بہن سے۔ چنانچہ وہ کہتے ہیں: "ہر ایک ہندوستانی گھر کے اندر مرد اور عورت بالکل الگ الگ رہتے ہیں۔ الگ الگ بیٹھتے ہیں۔ الگ الگ باتیں کرتے ہیں۔ الگ الگ کام کرتے ہیں۔ الگ الگ کھانا کھاتے ہیں۔ الگ الگ ملاقاتیں کرتے ہیں"۔ یہ کس قدر کھلا جھوٹ ہے۔ پردہ کا حکم تو گھر سے باہر کے لوگوں کے متعلق ہے۔ نہ گھر کے اندر کے لوگوں کیلئے۔ گھر کے اندر جو مرد اور عورتیں ہیں وہ اکٹھے رہتے ہیں۔ اکٹھے بیٹھتے ہیں۔ اکٹھے باتیں کرتے ہیں۔ اکٹھے کھانا کھاتے ہیں۔ ہاں

کام بیشک الگ کرتے ہیں۔ پردہ تو صرف اُن لوگوں سے ہے جو گھر کے اندر نہیں یعنی اجنبیوں سے اور غیر محرموں سے جن کا عورت سے رشتہ داری کا تعلق دور کا تعلق ہے۔ پس مسٹر دلاور حسین کا بیان ہندوستان کے سخت سے سخت پردہ پر بھی صادق نہیں آتا۔ بلکہ ایسا بیان صرف پردہ کو بُرا کر کے دکھانے کے لئے کیا گیا ہے۔ پردہ مردوں کو عورتوں سے الگ نہیں کرتا۔ بلکہ اُس دائرے کو خاص حدود کے اندر رکھتا ہے جس دائرے کے اندر مرد اور عورتیں مل جل سکتے ہیں۔ پس اگر مسٹر دلاور حسین کی کوئی خواہش ہے تو وہ صرف یہ ہے۔ کہ جب ایک مرد اپنی عورت کی صحبت اور گفتگو سے خوش نہ ہو سکے تو اُسے یہ آزادی حاصل ہونی چاہئے۔ کہ اَور عورتوں کی صحبت اور گفتگو سے لطف حاصل کر سکے۔ اس لطف کے حاصل کرنے کو کس حد تک وہ محدود رکھنا چاہتے ہیں۔ یہ مسٹر دلاور حسین نے بیان نہیں کیا۔ ایسا ہی وہ یہ بھی چاہتے ہیں۔ کہ جب ایک عورت کو اپنے خاوند سے خوشی حاصل نہ ہو سکے تو وہ اور نوجوانوں کے ساتھ مل جل کر لطف حاصل کر لیا کرے۔ یہ ہم تسلیم کرتے ہیں۔ کہ اسلام اس آزادی کی اجازت نہیں دیتا۔ لطف اور خوشی حاصل کرنے کے تو دنیا میں بہت سارے ذریعے ہیں۔ لیکن ہر حالت میں سوال یہ ہوگا۔ کہ اس طرح پر خوشی یا لطف کا حاصل کرنا جائز ہے۔ اسلئے اہم سوال یہ نہیں کہ لطف اور خوشی کیونکر حاصل کر سکتے ہیں۔ بلکہ سوال یہ ہے کہ انسان کے لئے جائز ذریعے لطف اور خوشی حاصل کرنے کے کونسے ہیں۔ ایک شخص جو دوسرے کی عورت سے زنا کرتا ہے۔ یا جو کسی عورت کو نکال لیجاتا ہے وہ بھی تو یہی عذر کرتا ہے کہ میں نے لطف اُٹھانے یا خوشی حاصل کرنے کے لئے ایسا کیا۔ پس اُسکو مسٹر دلاور حسین کیا جواب دینگے۔ جو لطف اور خوشی وہ اجنبی عورتوں کی صحبت سے حاصل کرنے کا عذر پیش کر کے پردہ کو منسوخ کرنا چاہتے ہیں۔ یہی عذر تو ہر ایک زانی بھی کر سکتا ہے۔ ایسا ہی چور اور ڈاکو بھی یہی عذر کر سکتے ہیں کہ ہم نے مال کے حصول سے خوشی اُٹھانے کے لئے چوری کی یا ڈاکہ مارا۔ کیا مسٹر دلاور حسین نے یہ غور کر لیا ہے۔ کہ یہ سب عذر صحیح ہیں۔ اور ان سے بھی انسانوں کو خوشی حاصل ہوتی ہے۔ اگر یہ عذرات صحیح نہیں تو وہ اپنی پوزیشن پر پھر غور کریں۔ اور سوچیں کہ کسی ذریعہ سے لطف اور خوشی حاصل کرنا اسی وقت تک صحیح ہوگا جب وہی کسی دوسرے کے دُکھ اور رنج کا ذریعہ نہ بن جاوے۔ یا ایسا بننا ممکن نہ ہووے یہ اصول ہر ایک سوسائٹی میں مسلم ہے۔ ہاں جو چیز ہماری اپنی ہے اُس کے متعلق ہمیں پورا حق حاصل ہے۔ کہ اُس سے پوری پوری خوشی حاصل کریں۔ اب مسٹر دلاور حسین وہ درمیانی خط کھینچ کر دکھاویں۔ کہ کس حد تک ہمیں غیروں کی چیزوں سے لطف اور خوشی حاصل کرنے کا حق حاصل ہے۔ شاید وہ آسانی سے یہی جواب دینگے کہ اسلام نے جو حدود قائم کئے ہیں۔ وہ بہت تنگ ہیں

اور اُن کو اُس حد تک وسیع کرنا چاہئیے جس حد تک مغربی لوگوں نے وسیع کیا ہے۔ یہ اس لئے نہیں کہ وہ کوئی وجوہات ایسے بیان کرسکتے ہیں جن کی بنا پر ایسی توسیع ضروری ہو بلکہ اس لئے کہ اُن کو اسلام کے ہر ایک قائم کردہ اصول سے نفرت اور مغربی تہذیب کے ہر ایک اصول سے پیار ہے لیکن اُن کو یاد نہیں ہوئے کہ یورپ کے لوگ اس ناجائز آزادی کے نقصان کو خود محسوس کرنے لگے ہیں بہت دن کہ کیکسٹن ہال میں ایک جلسہ میں جس میں پردہ کے مضمون پر بحث ہو رہی تھی میجر جنرل ڈکسن نے بیان کیا۔ کہ کسی قدر ترمیم کے ساتھ مَیں مشرقی پردہ کو اچھا سمجھتا ہوں۔ اور مسز تھیوڈور بیک نے (جو مسٹر بیک پرنسپل علیگڈھ کالج کی بیوہ ہے) اس بات پر زور دیا۔ کہ وہ پرلے درجہ کی آزادی جیسے ساتھ مغربی عورتیں نامحرم مردوں کے ساتھ میل جول کرسکتی ہیں بہت ناپسندیدہ ہے (دیکھو اخبار سول اینڈ ملٹری گزٹ)۔

ہمارے ہندوستانی دوست جو پردہ کے موہوم مضرات کے خلاف شور مچا رہے ہیں ایک لمحہ کیلئے اس ناجائز آزادی پر غور نہیں کرتے جو مغرب میں عورتوں کے میل جول میں برتی جاتی ہے۔ وہ خوشی جو مردوں کو مختلف قسم کی عورتوں کے ساتھ ملنے جلنے اور بات چیت کرنے سے حاصل ہوسکتی ہے وہ حاصل ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو لیکن اس میں شک نہیں کہ اس کے بدنتائج یورپ ضرور بھگت رہا ہے۔ اور اس ناجائز میل جول نے بہت سے گھروں کی سچی خوشی پر پانی پھیر دیا ہے۔ یہ کبھی غور نہیں کیا جاتا کہ وہ کونسی بات ہے جس نے بہت سارے گھرانوں کی خوشی کو تباہ کردیا ہے۔ اور جہاں خوشی ہی خوشی ہونی چاہئیے تھی وہاں ماتم کا لباس پہنا دیا ہے۔ ان تمام ضرروں کا منبع ایک ہی ہے۔ یعنی عورتوں کے غیر محرم مردوں کے ساتھ کھلے تعلقات۔ یہ ضرر انسانی تمدن میں ایسا خلل انداز ہے۔ کہ اگر ایک عورت یا خاوند ناجائز تعلقات پیدا کرکے گھر کی خوشی اور امن میں خلل ہؤا ہے۔ تو جو فائدہ ہزاروں آدمیوں کو ایسے مرد یا عورت کی صحبت اور گفتگو سے حاصل ہوا ہو وہ اس نقصان کے مقابل میں ہیچ ہے۔ اگر ایک امیر آدمی کو لوٹ کر دس ہزار بھوکوں کو کھانا کھلایا جاوے تو کوئی مدنی انسان اس فعل کو جائز نہیں سمجھیگا۔ خاوند کی محبت عورت کی ملکیت ہے۔ اور عورت کی محبت خاوند کی ملکیت۔ اور وہ قوم بہت ہی بدقسمت ہے جو انسانوں کے پیسوں کی تو حفاظت کرتی ہے۔ لیکن اس محبت کی حفاظت کے لئے کچھ نہیں کرتی۔ اگر ہم یہ مان بھی لیں کہ ہر ایک محبت جو ایسے دو اشخاص میں پیدا ہوتی ہے وہ ناجائز نہیں۔ تاہم جب ایک دفعہ حد کو توڑ ڈالا جاویگا تو پھر اس حد کا قائم کرنا مشکل ہوگا۔ کیا اس ناجائز آزادی کا کہ عورت یا خاوند میں سے کوئی کسی تیسرے سے

تعلق پیدا کر سکتا ہے۔ یہ لازمی نتیجہ نہیں ہوگا کہ جب ایک عورت اپنے خاوند کو کسی وجہ سے خوش کرنے کے قابل نہیں رہیگی تو وہ اُور کسی جگہ تعلق پیدا کریگا۔ اور ایسا ہی جب عورت مرد سے خوش نہ ہوگی۔ تو وہ بھی ناجائز تعلقات پیدا کرنے کی کوشش کریگی۔ یہ محض ایک دعوےٰ ہی نہیں۔ بلکہ امر واقع ہے کہ ان ممالک میں جہاں ایسی آزادیاں ہیں اس قسم کے واقعات بکثرت پیدا ہوتے رہتے ہیں۔ اور جو شخص اطمینان کرنا چاہے وہ محکمہ طلاق کی کارروائیوں کو پڑھ کر دیکھ لے۔ ہاں اسی بدی کا علاج اسلام پردہ سے کرتا ہے۔ کیونکہ ان ناجائز اور کھُلے تعلقات کو بند کر کے وہ بدکاری کے سامان یا ٹھوکر کھانے کے ذرائع کو کم کرتا ہے +

ہم پھر پردہ کی منسوخی کے مجوزوں کو توجہ دلاتے ہیں۔ کہ یہ نہایت ضروری ہے کہ وہ امتیازی خط کھینچا جاوے۔ جہاں غیر محرم مردوں اور عورتوں کے تعلقات ختم ہونے چاہئیں۔ کیونکہ ہم خیال نہیں کرتے کہ کسی مہذب انسان کا یہ خیال ہو کہ جس حد تک اور جس قسم کا تعلق کوئی مرد چاہے کسی ایسی عورت سے پیدا کر سکتا ہے جو اُس کی بیوی نہیں ہے۔ اس میں شک نہیں کہ اب یوروپ کے اکثر ملکوں میں زنا جیسی بدکاری قانونی جرم نہیں رہی۔ اور اس سیاہ کاری کو سوسائٹی کے امن میں مخل نہیں سمجھا جاتا۔ تاہم ابھی یہاں تک نوبت تو نہیں پہنچی کہ اسے اخلاقی جرم بھی نہ سمجھا جاوے۔ ہم لوگ تو مغربی تہذیب کے اصول سے ناواقف ہیں۔ اور اس لئے ہمیں یہ تحقیق کرنے کی ضرورت نہیں کہ کیوں ان ممالک میں ایک شلنگ کے چرانے کو تو جرم سمجھا جاتا ہے۔ حالانکہ ایسی خفیف حرکت سے سوسائٹی کے امن میں کوئی ایسا بڑا خلل بھی نہیں آتا۔ اور نہ ہی اُس فرد کی خوشی کو کوئی عظیم الشان صدمہ اس سے پہنچتا ہے لیکن اُس آدمی کے فعل کو مجرمانہ نہیں سمجھا جاتا جو ایک آدمی کی عورت سے زنا کر کے یا اُسکی لڑکی کو نکال کر سارے گھر پر تباہی لاتا اور انکی ساری خوشی کو خاک میں ملاتا ہے۔ ممکن ہے کہ ہماری مشرقی سمجھیں ابھی اس عقدہ کو سمجھنے کے قابل نہ ہوئی ہوں۔ مگر اس قدر تو معلوم ہوتا ہے کہ مشرق یا مغرب کی کسی مہذب قوم نے اب تک زنا کو جائز فعل یا حمیدہ فعل نہیں سمجھا۔ اس کے بعد دوسرا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ زنا کے علاوہ دوسرے افعال جو مرد اور عورت کے ناجائز تعلقات سے پیدا ہوتے ہیں۔ اُن کی نسبت کیا فیصلہ ہے۔ اس معاملہ میں بیشک اختلاف رائے ہے مسلمانوں میں جو عصمت اور اخلاق کے معنے سمجھے جاتے ہیں۔ اُن کی رو سے تو غیر عورت کی طرف دیکھنا بھی درست نہیں۔ اور پھر نظر بد سے دیکھنا آنکھ کا زنا کہلاتا ہے۔ اور ایسا ہی شہوانی خیالات سے اس کے ساتھ گفتگو کرنا یا اُسکی طرف چل کر جانا یا اُسے ہاتھ لگانا یہ سب باتیں ایک طرح پر زنا ہی سمجھی جاتی ہیں۔ اور ان امور کو مبادی زنا

مانا گیا ہے۔ لیکن مغربی تہذیب میں اِن باتوں کو ایسا بُرا نہیں سمجھا گیا۔ حالانکہ اسلام میں وہ زنا کی طرح ہی خطرناک بدیاں سمجھی گئی ہیں۔ اور ان سب باتوں سے ویسا ہی بچنا چاہئیے جیسا زنا سے۔ انہیں امور کی روک کے لئے پردہ کا حکم بھی دیا گیا ہے۔ تا ابتدا میں ہی ان باتوں کی جڑ کٹ جاوے۔ اور وہ امور ہی پیدا نہ ہوں جیسے غیر محرم مرد اور عورت کا تخلیہ یا عورت کا زیب وزینت کرکے غیر محرم مردوں کے سامنے نکلنا وغیرہ جن سے زنا کی ابتدا شروع ہوتی ہے۔ اور اگر ان تمام امور سے بچنے کی تجاویز کرنا مسٹر دلاور حسین کے نزدیک بے سود ہے تو اُسے قایل کرنا ہمارے لئے مشکل ہے۔ اُن لوگوں کے درمیان جن میں زنا یا عورت کو نکال کرلے جانا جرائم نہیں سمجھے جاتے۔ یا کم از کم سخت جرائم نہیں سمجھے جاتے ایسے امور کو جن سے زنا وغیرہ کی ابتدا ہوتی ہے سخت نفرت کی نگاہ سے نہیں دیکھا جاویگا۔ لیکن ایک مسلمان کے نزدیک ایسے سب افعال سخت درجہ کی سیہ کاری میں داخل ہیں۔ پس ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ اگر زناکاری یا اغوا ایسے بُرے افعال سمجھے جاویں جن سے ہر ایک انسان کو نفرت کرنی چاہئیے اور کوسوں بھاگنا چاہئیے تو پھر یہ ضروری ہوگا۔ کہ ان تمام افعال کے جو غیر مردوں اور عورتوں کے تعلقات کا نتیجہ ہیں انسداد کی تدبیر کرنا ضروری سمجھا جاوے اور وہ تمام افعال جو خواہ زنا یا اغوا کی حد تک تو نہ پہنچیں لیکن ان بدیوں کے محرک ہوں اور انسان کو اس طرف لے جانے والے ہوں سخت نفرت کی نگاہ سے دیکھے جانے چاہئیں اور یہ صاف ظاہر ہے کہ ان کا انسداد ہرگز نہیں ہوسکتا جب تک غیر محرم مردوں اور عورتوں کا کھلا میل جول جائز سمجھا جاویگا۔ اور جوان مردوں اور عورتوں کو جو ایک دوسرے کے محرم نہیں تنہائی میں اکٹھے ہونیکا موقعہ دیا جاویگا۔ پس اصل انسداد ان دونوں باتوں کا چاہئیے اور یہی پردہ کرتا ہے۔ اسلام کا مقدس مذہب اس ناقص اخلاقی حالت پر خوش نہیں ہوتا جس میں زنا اور اُس کے مبادی کو خطرناک جرائم اور ڈراونی چیزیں نہیں سمجھا جاتا۔ اور چاہتا ہے کہ انسان کا دل ایسا پاکیزہ ہو جس کے اندر کوئی بدخیال داخل نہ ہوسکے مغربی قوموں کی پرلے درجہ کی بیقیدی اور آزادی کے ساتھ دل کی ایسی پاکیزگی جیسی اسلام چاہتا ہے جمع نہیں ہوسکتی۔ اور مسٹر دلاور حسین کو اختیار ہے۔ کہ ان دونوں میں سے جس کو چاہے اپنے لئے بطور نمونہ پسند کرے +

الغرض اس اعتراض کو غور کی نظر سے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ یہ محض دھوکا ہے معترض کا یہ خیال ہے۔ کہ عورتوں کو غیر محرم مردوں کی صحبت سے دور رکھ کر اسلام بہت ساری انسانی خوشی کے ضائع کرنیکا موجب ہے۔ مگر یہ ٹھیک نہیں پردہ انسانی خوشی کو ضائع نہیں کرتا۔ بلکہ اس کا محافظ ہے۔ اور ان راہوں کو بند کرتا ہے جن راہوں سے سچی انسانی خوشحالی دُور ہوسکتی ہے۔ انسان کو سچی خوشی غیر عورتوں

کے ساتھ ملنے جلنے سے پیدا نہیں ہوتی۔ بلکہ سچی خوشی کا ذریعہ مرد و عورت کا جائز تعلق ہے۔ اور اسی سچی خوشی کا جو انسان کو اپنے گھر میں حاصل ہوتی ہے پردہ محافظ ہے۔ وہ جھوٹی خوشی جس کی مسٹر دلاور حسین خواہش ظاہر کرتے ہیں سچی انسانی خوشی کی دشمن ہے۔ اور سوسائٹی میں بجائے خوشی کے غم اور رنج کو لاتی ہے۔ جو لوگ کسی امر میں قوم کے مصلح بن بیٹھتے ہیں ان کا یہ فرض ہے۔ کہ وہ ہر ایک امر کے دونوں پہلوؤں پر غور کر لیں جسے وہ انسانوں کی بہتری کے لئے تجویز کرنا چاہتے ہیں انسانوں کا سچا ہمدرد وہی ہے جو کسی ظاہری کشش کا ایسا دلدادہ نہیں ہو جاتا کہ ایک اصول کے نقصانوں اور مضرتوں کو بالکل فراموش کر دے۔ مسٹر دلاور حسین پر ہمیں بار بار یہ تعجب آتا ہے۔ کہ ایک طرف تو وہ یہ کہتے ہوئے بھی نہیں جھجھکتے کہ دوسری عورت سے نکاح کرنے کا نتیجہ یہ ہوتا ہے۔ کہ انسان کے دل کے سارے خیالات شہوانی جذبات کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں۔ اور دوسری طرف اس امر پر زور دے رہے ہیں۔ کہ عورتوں کو زیب و زینت کر کے غیر محرم مردوں کے ساتھ کھلے طور پر ملنا جلنا چاہئیے اور ایک دوسرے کی صحبت سے لطف حاصل کرنا چاہئیے۔ کیا عجیب بات ہے۔ شہوانی جذبات بھی عجیب قسم کے جذبات ہیں۔ کہ مرد و عورت کے جائز تعلق سے تو پیدا ہو جاتے ہیں۔ لیکن جہاں ناجائز طور پر مرد و عورت کا اجتماع ہو وہاں پیدا نہیں ہوتے۔ اصل میں یہ سوال بہت پیچیدہ نہیں۔ اور ایک ہی بات سے اس کا آسانی سے فیصلہ ہو سکتا ہے۔ اگر پردہ عورتوں کی تعلیم میں مخل نہیں اور اُن کو کاروبار کرنے سے نہیں روکتا۔ اور ہم اوپر دکھا چکے ہیں کہ وہ ان دونوں باتوں سے منع نہیں کرتا۔ تو پردہ کے دور کرنے سے سوائے نقصان کے اور کچھ حاصل نہیں۔ اور بے پردگی سوائے گھروں کے سچی خوشی کے دُور کرنے اور غم اور رنج پیدا کرنے کے اور کچھ نہیں کر سکتی بعض وقت یہ کہا جاتا ہے کہ پردہ کی بجائے تعلیم کو مروج کرنا چاہئیے۔ گویا پردہ اور تعلیم کوئی دو متضاد امور ہیں حالانکہ یہ صحیح نہیں اور پردہ میں رہ کر بھی عمدہ سے عمدہ تعلیم حاصل ہو سکتی ہے۔ اور پھر اس امر پر غور نہیں کیا جاتا کہ اکیلی تعلیم تو یہ نتیجہ حاصل کرنے میں ناکام ثابت ہوئی ہے۔ اگر خالی تعلیم سے کوئی ایسا نتیجہ پیدا ہوا ہے تو اُسے پیش کیوں نہیں کیا جاتا۔ کیوں اس سیدھے طریق کو اختیار نہیں کیا جاتا کہ جس قدر تعلیم سے نقص رفع ہو سکتے ہیں۔ اور جو کچھ اس سے انسان کے چال چلن اور سمجھ میں مضبوطی پیدا ہو سکتی ہے وہ بھی ہونے دیجاوے۔ اور یوں تعلیم کا فائدہ اُٹھایا جاوے۔ اور پھر ساتھ اس کے باقی نقصوں کو دور کرنے کیلئے جن کیلئے تعلیم ہرگز روک نہیں ہو سکتی۔ اور نہ اب تک ہوئی ہے۔ پردہ کے مفید اصول کو قائم کر کے دُنیا سے ایک بھاری بدی کو دور کیا جاوے۔

یہ امر طے ہو جانے کے بعد کہ جو خوشی غیر محرم عورتوں کی صحبت سے حاصل ہو سکتی ہے وہ بھی انسانی خوشحالی کے تباہ کرنے کا موجب ہے۔ اب ہم مسٹر دلاور حسین کے دوسرے اعتراض پر غور کرتے ہیں جس کا ماحصل یہ ہے کہ جس صورت میں غیر محرم مرد اور عورتیں اکٹھے مل جل کر بیٹھ نہیں سکتے اور گفتگو کر نہیں سکتے تو نتیجہ یہ ہوگا کہ خیالات کے تبادل سے عورتیں محروم رہ جاویں گی۔ اور جو علوم مردوں کے ذریعہ دُنیا میں آوینگے اُن میں وہ شریک نہیں ہو سکینگی۔ اور اُن سے کوئی فائدہ نہیں اُٹھا سکینگی۔ پردہ کی منسوخی کے مجوز اور سخت مروجہ پردہ کے حامی دونوں ایک ہی غلطی کے مرتکب ہیں۔ وہ عام لوگوں کی حالت پر غور نہیں کرتے اور اور انسانوں کی بڑی بھاری تعداد کے فواید کو چھوڑ کر اور صرف چند لوگوں کو مد نظر رکھ کر وہ نتائج پیدا کرتے ہیں جن کا اثر کل انسانوں پر پڑتا ہے حالانکہ ایسے قواعد تجویز کرنے کے لئے ضروری یہ ہے کہ بڑے حصہ کی حالت کو دیکھا جاوے۔ اور جو چند کس ان عوام سے الگ ہیں اُن کو بطور مستثنےٰ کے سمجھا جاوے۔ اصل سوال اس جگہ یہ پیدا ہوتا ہے کہ عورت کے کام کا اصل دائرہ کیا ہے۔ عورت سے مراد ہماری وہ عورتیں نہیں۔ جو علمی اشغال رکھتی ہیں۔ کیونکہ وہ تو شاذ و نادر کے طور پر پائی جاتی ہیں بلکہ عورت سے مراد کام کرنیوالی عورتیں ہیں۔ اور اسی جماعت میں دُنیا کی بڑی کثیر تعداد آتی ہے پس دیکھنا یہ ہے کہ عورت عملی طور پر کس حالت میں مفید ہو سکتی ہے۔ اور اسی سوال سے ساری بات طے ہو جاتی ہے۔ اگر ہم کوئی ایسی سوسائٹی فرض کرلیں جس میں عورتوں کو سوائے علمی اشغال کے اَور کوئی شغل نہ رہے یا کم از کم علمی اشغال ہی ان کے سب سے بڑھ کر ضروری اور اہم اشغال ہوں۔ تو بیشک مسٹر دلاور حسین کے اعتراض کو وقعت کی نظر سے دیکھنا ضروری ہوگا لیکن کیا ایسی حالت کا فی الواقع ہونا بھی ممکن ہے۔ کیا یہ امید کی جا سکتی ہے کہ وہ وقت بھی آجاویگا جب انسانوں کی ایک کثیر تعداد ہر ایک قسم کی محنت اور کاروبار سے فارغ ہو جاویگی۔ اور علمی مشاغل کے سوائے اور کوئی مشغلہ اُن کا نہ رہ جاویگا بظاہر ایک بھی ایسا واقعہ نہیں جو اس کی تائید کرتا ہو۔ مغربی تہذیب کے پھیلنے کا اگر دنیا میں کوئی اثر ہُوا ہے تو یہ ہوا ہے کہ کاروبار کے مشغلے اور بھی بڑھ گئے ہیں۔ اگرچہ اس میں شک نہیں کہ بہت ساری سہولتیں بھی پیدا ہو گئی ہیں۔ مگر تاہم اس سے انسانی محنت اور کاروبار میں کسی قسم کی تخفیف نہیں ہوئی۔ بلکہ بہت سارے نئے نئے میدان انسانی محنت کے لئے پیدا ہو گئے ہیں اس لئے جہانتک ہمارے موجودہ ذرائع علم کے ہیں ہم اسی نتیجہ پر پہنچ سکتے ہیں کہ آدمیوں اور عورتوں کی کثیر تعداد کاروبار اور محنت سے کبھی فارغ نہیں ہو سکتی۔ اور علمی مشاغل ایک تنگ دائرہ تک ہی محدود رہ سکتے ہیں۔ اصل غلطی جو پردہ کے متعلق ہر دو فریق کر رہے ہیں۔ وہ یہی ہے کہ وہ عوام کی حالت پر غور نہیں کرتے۔ بلکہ چند ایک ممتاز انسانوں کو سامنے رکھ کر نتیجہ وہ نکالتے ہیں جس کا اثر عوام پر پڑتا ہے

اور اس لئے ہر دو کے نتائج غلط وجوہات پر مبنی ہیں +

جو لوگ اپنے آپ کو عورتوں کا ہمدرد ظاہر کرتے ہیں وہ شاید یہ سُن کر خوش نہ ہوں کہ عام انسانوں کی حالت پر وسیع نظر کر کے یہی معلوم ہوتا ہے۔ کہ عورت کے اصلی اور اہم فرائض گھر کے اندر کے فرائض ہیں۔ کیونکہ عورت کی اصلی حیثیت زوجہ اور ماں ہونیکی حیثیت ہے۔ اور اس حیثیت سے ہم اُس وقت تک عورت کو الگ نہیں کرسکتے جبتک کہ دنیا کا اور اُس کے ساتھ تمام تہذیبوں کا خاتمہ فرض نہ کرلیں پس کوئی تہذیب بھی اس قانون قدرت کو ٹال نہیں سکتی جس کے روسے قدرت نے بچے جننے اور اُن کی پرورش کرنے کا بوجھ عورت کے ذمے ڈالا ہے اور نہ ہی کسی مہذب قوم کی عورتوں نے اب تک اس بوجھ سے آزادی حاصل کرلی ہے۔ ہاں اگر ہمارے مسلمان بھائیوں پر یہ ثابت ہوجاتا کہ بچہ جننے کا بوجھ مغربی تہذیب نے عورت سے ہٹا دیا ہے۔ تو البتہ عورتوں کے ساتھ اُن کی ہمدردی کا اُس وقت یہ تقاضا تھا کہ وہ کہتے کہ ہماری عورتیں بھی اس بوجھ سے آزاد ہونی چاہئیں۔ مگر جس صورت میں ابھی تک تہذیب اس سے قاصر ہے۔ اور آئندہ بھی کوئی صورت اس قانون قدرت کے ٹل جانے کی نظر نہیں آتی تو ضرور ہے۔ کہ ہر ایک سوسائٹی میں عورت کے خانگی فرائض اور گھر کے اندر کے کاروبار کو اُس کے اصلی فرائض قرار دیا جاوے۔ لفظ کہدینا تو آسان بات ہے جیسے مسٹر دلاور حسین کہتے ہیں کہ عورت زمین پر اپنی اُس آسمانی اور فرشتوں والی خصلت کو ظاہر کرنے کیلئے پیدا ہوئی ہے جو محبت سے پیدا ہوتی ہے۔ مگر اُنھوں نے یہ نہیں سوچا کہ عورت کی یہ خصلت کیونکر کب اور کہاں ظاہر ہوسکتی ہے۔ کیا اس کا ظہور بڑے بڑے علمی لکچروں کے سننے یا پولیٹیکل جھگڑوں میں وقت ضائع کرنے یا عام مجمعوں میں مباحثات کرنے سے ہوگا۔ یا اُن چھوٹے چھوٹے کاموں کے ذریعہ سے عورت کی یہ محبت ظاہر ہوتی ہے جو غیروں کی نظر میں تو چھوٹے چھوٹے ہیں مگر جو درحقیقت بڑے مفید اور قیمتی کام ہیں گھر کے اندر کے کام جیسے خاوند کے ساتھ اعلےٰ درجہ کی محبت اور نیکی کا سلوک اور خاوند بیٹوں اور بھائیوں کے ساتھ اس محبت کا اظہار اور اُنکی خدمت گذاری بچوں کی پرورش اور نیک تربیت اپنے گھر میں بوڑھوں اور کمزوروں اور بیماروں کی خبرگیری میں اَن تھک محنت اور صبر اور استقلال سے کام لینا اور یا سخاوت اور فیاضی کے وہ کام جنمیں عام انسانوں کی ہمدردی پائی جاوے۔ کیا یہ سچ نہیں کہ یہی موخرالذکر کام ہی وہ کام ہیں جنمیں عورت کی سچی محبت کا اظہار ہوسکتا ہے مسٹر دلاور حسین کو اختیار ہے کہ وہ یہ سمجھ لیں کہ عورت کی یہ خصلت جس کا اظہار اُنکو ایسا پسندیدہ معلوم ہوتا ہے۔ وہ لکچروں کے سُننے اور ملکی امور میں جھگڑے کرنے سے ہی ظاہر ہوسکتی ہے۔ ممکن ہے کہ گھر کے اندر اُن کو ایسے اظہار کے دیکھنے کا موقعہ نہ ملا ہو۔ مگر دنیا نہ یہ سمجھتی ہے اور نہ ہی سمجھ سکتی ہے۔ کیونکہ تمام دُنیا کے نزدیک عورت کے اعلےٰ درجے کے صفات

گھر کے اندر ہی ظاہر ہوتے ہیں۔ اور جس اعلےٰ سے اعلےٰ درجہ کے کام کے لئے اُس کو قدرت نے بنایا ہے وہ گھر کے اندر کا ہی کام ہے۔ مگر صرف ذہنی قوے کی تیزی سے عورت کے ان صفات کے اظہار میں کچھ مدد نہیں ملتی۔ اور اس لئے عورت کے لئے سب سے زیادہ ضروری چیز وہ نہیں جس پر مسٹر دلاوین زور دیتے ہیں۔ کہ اُسکی گفتگو کے دائرے کو وسیع کیا جاوے اور اُسے موقع دیا جاوے کہ ہر روز ایک نئے اجنبیوں کے دائرے میں فضول باتیں کر کے اُن کو خوش کر آیا کرے یا اُن سے خوش ہو آیا کرے۔ ہر ایک ضروری اور کام کی گفتگو کے لئے اُسے اپنے گھر کے اندر بھی بہت سارا موقعہ ملتا ہے۔ بلکہ یہی محبت کی گفتگو جو عورت کو گھر کے اندر نصیب ہوتی ہے وہ گفتگو ہے جو انسان کی خوشی کو بڑھاتی ہے اور اُس کے لئے تسکین کا موجب ہوتی ہے ❊

اس اعتراض میں ایک اور غلط فہمی بھی ہے جس کا ازالہ ضروری ہے۔ کسی شخص کے علوم سے فائدہ اُٹھانے کے لئے اُس سے مل کر گفتگو کرنا لازمی نہیں ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو ہر ایک بڑے آدمی کے علم سے کُل کی کُل دُنیا سوائے اُن معدودے چند اشخاص کے جنکو اُس کے ساتھ گفتگو کا موقعہ ملتا بالکل محروم رہ جاتی اور یوں علم کے سارے ذخیرے ہمیشہ کے لئے برباد جاتے۔ بلکہ خدائے تعالےٰ نے ایسے سامان پیدا کر دئیے ہیں۔ کہ تنہائی کے گوشہ میں بیٹھ کر بھی ہم ہر ایک زمانے کے بڑے بڑے آدمیوں کی باتوں کو سن سکتے ہیں۔ اور ان کے علوم سے فائدہ اُٹھا سکتے ہیں۔ باقی رہا یہ امر کہ آج کل جو گفتگو کا جنون ہو رہا ہے۔ اس میں عورتوں کو بھی شامل کیا جاوے۔ یہ ہماری سمجھ میں بالکل فضول بلکہ نقصان دہ امر ہے۔ ان گفتگوؤں کا ماحصل کیا ہوتا ہے؟ سوائے اس کے کچھ نہیں کہ ہر ایک شخص یہ چاہتا ہے۔ کہ مَیں کچھ باتیں کر کے اور لوگوں کی توجہ کو اپنی طرف پھیر کر بڑا آدمی بن جاؤں۔ اور گفتگو کسی غرض سے نہیں کی جاتی سوائے اس کے کہ اُسوقت سامعین پر اس کا اثر پیدا ہو اور وہ گفتگو کرنے والے کو بڑا آدمی سمجھ لیں۔ یہ بیماری اس وقت مغربی سوسائٹی کو لگی ہوئی ہے۔ اور بجائے اس کے کہ ان کی گفتگوئیں قدرتی طور پر ہوں۔ اور اخلاص کی باتوں سے اصل غرض کسی کو فائدہ پہنچانا ہو ہر جگہ یہ مقابلہ لگا ہوا ہے کہ ہر ایک شخص یہی چاہتا ہے کہ مَیں ہی چند باتیں کر کے بڑا آدمی بن جاؤں۔ اور وہ باتیں صرف موقعہ کے لحاظ سے کی جاتی ہیں نہ نتیجہ کے لحاظ سے۔ پس سچی اور حقیقی طور پر مفید گفتگو وہی ہے جو یا تو سچے اور مخلص دوستوں کے درمیان ہو سکتی ہے اور یا گھر کے اندر۔ مگر جہاں ہر ایک شخص کا یہی خیال ہو کہ میں ہی گفتگو کر کے سامعین کے اندر شہرت پا جاؤں۔ ایسی گفتگو سے احتراز ہی لازم ہے۔ اور ہر ایک انسانوں کے بہی خواہ کا فرض ہے۔ کہ وہ اس قسم کی جھوٹی اور بناوٹی گفتگوؤں سے جن کی غرض نہ کسی امر کا احقاق ہوتی ہے۔ اور نہ ہی کوئی واقعی اور حقیقی فائدہ۔ خود بچے اور دوسروں کو بھی اس سے

بچانیکی کوشش کرے کیسی سوسائٹی کی اندھا دھند تقلید کرنے سے انسان کامیاب نہیں ہوسکتا ہاں اگر کوئی حکمت کی بات ہمیں مغربی سوسائٹی میں بھی نظر آجاوے تو ہمارا فرض ہے کہ اُسکو حاصل کرنیکی کوشش کریں +

(باقی آیندہ)

نوٹ اور ریویو

نیوگ: نیوگ کے مسئلہ پر جیسے آریہ سماج میں اسکی تعلیم دیجاتی ہے کئی دفعہ ہم اسی رسالے میں بحث کرچکے ہیں۔ کچھ عرصہ ہوا کہ آریہ سماج کو یہ توجہ دلائی گئی تھی۔ کہ اگر وہ واقعی نیوگ کو ثواب کا کام سمجھتے ہیں اور اُسے اخلاق فاضلہ سے گرا ہوا خیال نہیں کرتے تو وہ ایسے مردوں اور عورتوں کی صحیح صحیح فہرست شائع کریں جنہوں نے واقعی نیوگ کیا اور کرایا اور پھر ایسے تعلقات سے جو اولاد پیدا ہوئی ہو اُسکی بھی فہرست شائع کریں۔ تاکہ پبلک کو یہ یقین آجاوے کہ واقعی سماج اس اصول پر جسکی تعلیم خود سماج کے بانی نے دی ہے کاربند ہے۔ اور ایک ایسے فعل کے کرنے میں سماج کو کچھ عار نہیں جو تمام دنیا کے نزدیک شنیع سمجھا گیا ہے۔ افسوس ہے کہ آریہ سماج اس قدر اخلاقی جرات نہ دکھا سکا کہ اس درخواست کے مطابق وہ ایک فہرست شائع کر دیتا لیکن اب ہمیں اس کے پورا ہونیکی کسی قدر امید معلوم ہوتی ہے۔ کیونکہ ایک طرف تو آریہ سماج کے بڑے معزز اور مقتدر ممبروں نے پبلک میں نیوگ کی حمایت کا بیڑا اُٹھایا ہے۔ اور ہم امید کرتے ہیں کہ آریہ اخبارات عام پبلک کے سامنے اس تعلیم کے فلسفہ کو پیش کرکے ضرور اُن کا اطمینان کرنے کی کوشش کرینگے۔ اور فہرستوں والے مطالبہ کو بھی پورا کئے بغیر نہ چھوڑینگے۔ کیونکہ مباحثہ میں صحت نیت شرط ہے۔ اور اس کے لئے ضروری ہے کہ ہر ایک جائز مطالبہ کو پورا کیا جاوے۔ دوسری طرف ہم دیکھتے ہیں۔ کہ اس مباحثہ کا فریق ثانی یعنی برھمو سماج بھی یہی مطالبہ آریہ سماج سے کر رہا ہے۔ چنانچہ برھمو سماج کا انگریزی اخبار یونیٹی اینڈ منسٹر جو کلکتہ سے نکلتا ہے۔ لکھتا ہے "**آریہ سماج کے اصول اخلاق** جب ہم یہ دیکھتے ہیں۔ کہ آریہ سماج ایک طرف تو دیگر معاملات میں تہذیب یافتہ ہے۔ اور ملک کی حالت کو بہتر کرنے کی کوشش میں لگا ہوا ہے۔ اور دوسری طرف اخلاق کے پہلے اصول کو بھی نہیں سمجھ سکتا تو یہی سمجھ آتا ہے کہ انسانی فطرت کے اندر ہی ایسا تضاد موجود ہے ہم اس جوش کو دیکھ کر حیران ہیں۔ جس جوش سے یہ لوگ نیوگ (جس کا لفظی ترجمہ اُس لحاظ سے جو یہ لفظ یہاں لکھا گیا ہے خلاف مناکحت ہے) کی تائید اور اس پر عمل کرتے ہیں۔ جس سے مراد یہ ہے کہ اپنی زوجہ کے سوا دوسری عورت سے تعلق پیدا کرنا اس غرض سے کہ اولاد پیدا کی جاوے۔ ایک آریہ سماج کے لیڈر نے ایک لکچر کے اثنا میں جو

اُس نے ایک سماج کے جلسہ میں دیا۔ اس بدکاری کی رسم کی جس کی کسی طرح پر حمایت نہیں کی جا سکتی تائید اور حمایت میں بہت کچھ کہا۔ ایک آریہ اخبار نے اس خطرناک سیکاری کو تمام بدیوں کا تریاق بیان کیا ہے۔ اور وہ کہتا ہے کہ جن لوگوں کے اخلاقی معیار میں یہ بد رسم ہے وہ قابل رحم لوگ ہیں جن کی قسمت میں جہالت کے اندر غرق رہ کر تباہ ہونا لکھا ہے۔ کیا کوئی انسان ایسا اندھا بھی ہو سکتا ہے۔ لیکن جب مذہبی تعصب اور طرفداری کسی شخص کو اندھا کر دیتی ہے تو اُسے اُسکی غلطی کا قائل کرنا قریباً ایک محال امر ہو جاتا ہے۔ اگر سچ سچ کہا جاوے تو تھوڑے نرم الفاظ میں ہم یہ کہینگے کہ یہ رسم ساتویں حکم کی خلاف ورزی ہے (یعنی توریت کے دس احکام میں سے ساتویں حکم کی) کیا ہمارے آریہ دوست ان اشخاص کی ایک فہرست شائع کر سکتے ہیں یعنی اُن مردوں اور عورتوں کی فہرست اُن کے صحیح صحیح نام اور مفصل پتے دے کر جنہوں نے درحقیقت اس قسم کے تعلقات پیدا کئے ہیں"

اخبار مذکور کے اخیری الفاظ کو ہم اس جگہ نقل نہیں کرتے کیونکہ اخبار آریہ پترکا اُن کی سختی کا شاکی ہے لیکن افسوس ہے کہ اس سختی کے بہانے سے اس معقول درخواست کا جواب دینے سے ہی انکار کر دیا گیا ہے۔ اگر کوئی سختی اخبار مذکور نے کی بھی ہو تو یہ اس کا قصور نہیں بلکہ خود نیوگ کی تعلیم ہی انسان کے اخلاقی احساسات کو اس قدر صدمہ پہنچانیوالی ہے کہ حقیقت نیوگ کو کھولکر دکھانا ان لوگوں کیلئے جن کے مذہب کی روح رواں ہی نیوگ ہے اشتعال اور رنج کا باعث ہوجاتا ہے بلکہ یہ تو ایک الگ امر ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ جب کبھی کوئی انسان کسی عقیدہ کو غلط یقین کر کے یا کسی رسم کو نقصان دہ سمجھ کر اس پر حملہ کرتا ہے تو اُس کو لازماً ایسے لفظ استعمال کرنے پڑتے ہیں جو کسی قدر دُرشت ہوتے ہیں کیونکہ اس کے بغیر احقاق حق اور ابطال باطل نہیں ہوسکتا۔ مگر یہ نیوگ کا مسئلہ ایک ایسا مسئلہ ہے۔ کہ اس کو نہایت نرم الفاظ میں بیان کرنا بلکہ اُن الفاظ مین بیان کرنا جن الفاظ میں آریوں کی کتاب مقدس یعنی ستیارتھ پرکاش میں یہ بیان کیا گیا ہے مباحثہ کی تہذیب پر کسی قدر اثر ضرور ڈالتا ہے۔ ہاں جب ایک شخص کو مجبوراً حق اور باطل میں فرق کر کے دکھانا پڑتا ہے۔ تو اس کو یہ ناگوار کام بھی کرنا پڑتا ہے یعنی اصول نیوگ کو بیان کرنا پڑتا ہے۔ پس مخالف مباحث اُس وقت تک بالکل معذور ہے جب تک وہ کسی مذہب کے اصول پر موافق یا مخالف لکھتا ہے۔ ہاں اگر وہ ذاتیات پر حملہ کرے تو بیشک قابل مواخذہ ہے لیکن اگر ناپاک رسموں کو مذہبی عقاید میں داخل کر دیا جاوے تو پھر کسی منقد کا اس میں کیا قصور ہے۔ اسی وجہ ہم مسٹر ہر دیال ایم۔ اے کو بھی اس ریزولیوشن کی تحریک کرنے میں حق پر سمجھتے ہیں۔ کہ "لاہور کے باشندوں کا یہ جلسہ یہ ریزولیوشن پاس کرتا ہے۔ کہ نیوگ کا اثر ہماری سوسائٹی کی اخلاقی حالت کے لئے سخت خطرناک اور نقصان رساں ہے"۔ اگر آریہ سماج یہ بات چاہتا ہے کہ نیوگ کو بھی

دوسرے مذہبی اعتقادوں کی طرح پبلک کو یہ اطمینان دلاوے کہ اس رسم میں واقعی کوئی بات خلاف تہذیب نہیں اور یہ بھی ثابت کرے کہ آریہ اخباروں میں اس قسم کے اشتہارات کا نکلنا کہ فلاں شخص نیوگ کے لئے تیار ہے پس جو عورت نیوگ کرانے کی خواہشمند ہے۔ وہ اُس سے نیوگ کرا دے فحش کی حد تک نہیں پہنچتا +

وہ کیا چیز ہے جو عیسائیوں کو اسلام میں نظر نہیں آتی

:۔ ایک لکچر میں جو بمقام برسٹل کلیسیا کے ایک مجمع میں "عیسائیت اور دوسرے مذاہب" پر دیا گیا۔ پادری ایچ جی گرے نے جو اس سے پہلے پنجاب میں پادری رہ چکے ہیں اور اب وکلف ہال اکسفورڈ کے پرنسپل ہیں مذہب عیسوی کا اسلام کے ساتھ مقابلہ کرتے ہوئے بیان کیا کہ اسلام کی پاک کتاب یعنی قرآن شریف "گناہ کی حقیقت بیان کرنے یا گناہ سے...... چھڑانے کے لئے کوئی نئی چیز نہیں لایا جو معمولی قانون قدرت سے باہر ہو۔ اور اس میں مسیح مصلوب یا مسیح مبعوث .... جیسی کوئی چیز نہیں ہے"۔ یہ ایک ایسا واقعہ ہے جو ہر ایک مسلمان فخر سے بیان کر سکتا ہے کہ اسلام کا پاک مذہب واقعی کوئی ایسی بیہودگی جیسے کفارہ یا تثلیث نہیں سکھاتا بلکہ وہ طریق بتاتا ہے جو عقل اور قانون قدرت کے مطابق ہے۔ جیسا کہ یہ امر یقینی ہے کہ خدا موجود ہے جس نے دنیا کو پیدا کیا اور پھر جیسا کہ یہ امر یقینی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو وہ طریق سکھایا ہے جس پر چل کر وہ گناہوں سے نجات پا سکتے ہیں۔ ایسی ہی قطعی اور یقینی یہ بات ہے کہ کفارہ انسانوں کا اپنا اختراع ہے۔ اور گناہ کا تریاق نہیں بلکہ ایک زہر ہے جو چنگے بھلوں کو ہلاک کر دینے والا ہے۔ کیا عیسائیوں کو کبھی یہ خیال نہیں آتا حالانکہ وہ توریت اور دیگر صحف انبیاء کے الہامی ہونے پر یقین رکھنے کا دعوےٰ کرتے ہیں۔ کہ ہزارہا سال تک خدا تعالیٰ گناہ سے نجات کا ایک طریقہ بذریعہ وحی کے اپنے خاص بندوں کی معرفت بتاتا رہا حالانکہ بموجب اعتقاد عیسائیوں کے وہ غلط طریقہ تھا گویا خدا خود ہی اپنے کلام سے انسانوں کو غلطی میں ڈالتا رہا۔ اگر وہ طریق جو اسلام گناہ سے نجات کے لئے پیش کرتا ہے صحیح نہیں ہے تو عیسائیوں کو یہ ماننا پڑیگا کہ اللہ تعالیٰ نے خود ہی ہزارہا انسانی نسلوں کو یہ طریقہ سکھا کر غلطی میں مبتلا کیا۔ کیونکہ یہی وہ طریقہ ہے جو انبیاء بنی اسرائیل کو سکھایا گیا جو بموجب اعتقاد عیسائی صاحبان سچے نبی اور خدا کی طرف سے تھے۔ کیا اس سے بڑھ کر بھی اندھیر ہو سکتا ہے۔ اور پھر تعجب پر تعجب یہ کہ یہ علاج جو ہزارہا سال کے بعد خدا کو بموجب اعتقاد عیسائیاں سوجھا وہ ایسا نکما نکلا کہ سترہ یا اٹھارہ سو سال کے عرصہ کے اندر اندر اس کا پول ظاہر ہو کر تمام عقلمند انسانوں کو اس سے برگشتہ ہونا پڑا۔ اور عیسائی کہلا کر بھی یہ اعتقاد چھوڑنا پڑا بلکہ حقیقت تو یہ ہے۔ کہ اس وقت کل عیسائی دُنیا باستثنائے اُن لوگوں کے جن کو تعصب حق

جو سمجھا جاوے اُس کا فرض ہے

دیکھنے نہیں دیتا اس کفارہ کے عقیدہ سے بیزار ہو چکی ہے۔ اور اس امر کو تسلیم کر چکی ہے کہ کفارہ گناہ کا علاج نہیں اور مسیح کا جی اُٹھنا ایک کہانی ہے۔ بلکہ کلیسیا کے بڑے بڑے عہدہ دار سب اسی بات پر متفق ہیں۔ اور انسکلوپیڈیا ببلیکا اس پر شاہد ہے۔ کہ مسیح کے صلیب کے واقعات جو انجیلوں میں مذکور ہیں۔ ان میں نہایت صریح متضاد بیانات پائے جاتے ہیں۔ گویا انہیں ناقابل اعتبار اور ردی بیانات کی بنا پر جو ایکدوسرے کو جھٹلا رہے ہیں۔ یہ کہا جاتا ہے کہ عیسائی مذہب میں مسیح مصلوب گناہوں کا کفارہ ہو گیا۔ حالانکہ ایک بھی قابل اعتبار گواہ صلیب پر مرنے اور جی اُٹھنے کا نہیں ہے۔ اس لئے آج کل کے عیسائی لیڈروں کی نظروں میں مسیح مصلوب اور دوبارہ جی اُٹھا ہوا مسیح بالکل بے حقیقت اور محض لغو باتیں ہیں۔ اور اس کے ذریعہ سے گناہ سے نجات پا جانا ایک دھوکا تھا جو اٹھارہ سو سال عیسائی دنیا کو لگا رہا۔ اور اس قدر عرصہ کے گذرنے کے بعد اب اُس کی حقیقت بھی طشت از بام ہو گئی ہے۔ پس اگر عیسائی صاحبان کے ہاتھ میں کوئی قطعی اور یقینی ثبوت ان واقعات کا ہے۔ تو انکو سوائے اسکے اور کچھ کہنے کا حق حاصل نہیں کہ اسلام کو وہ ایک بڑی بیہودگی کا پایا دیکھتے ہیں۔ کیونکہ اس سے بڑھ کر بیہودگی کیا ہو سکتی ہے۔ کہ ایک آدمی مر گیا جو اُس کے ساتھ ہی کل دُنیا یا کل عیسائی دنیا میں سے خدا کی نافرمانی کی روح ہی مر گئی۔ حالانکہ یہ نافرمانی کی روح عیسائی دُنیا کے اندر پرورش پا کر ایسی موٹی تازی ہو رہی ہے۔ کہ جس کی نظیر اور کہیں تلاش کرنا عبث ہے۔ لیکن اگر اتنی بات کا کہ مسیح مصلوب ہوا اور جی اُٹھا عیسائیوں کے ہاتھ میں کچھ بھی ثبوت نہیں تو پھر اُن کو چاہیئے کہ بہت جلدی اس دھوکے سے باہر نکلنے کی کوشش کریں جس میں وہ پھنسے ہوئے ہیں۔ ہم مانتے ہیں۔ کہ اسلام گناہوں سے نجات کا وہ طریق سکھاتا ہے جو عقل کے مطابق ہے۔ اور جس کا موید خدا کا قانون قدرت بھی ہے۔ اور جو عیسائیوں کے عقائد کے بموجب خود خدا تعالےٰ نے بذریعہ اپنی وحی کے سینکڑوں انسانی نسلوں کو سکھایا۔ عجیب بات یہ ہے کہ ذوی العقول کہلا کر پھر اُس طریق پر حملہ کیا جاوے جو عقل کے مطابق ہے +

یہودیوں میں دہریت: جس پختگی اور مضبوطی سے یہودی لوگ باوجود مختلف ممالک میں تتر بتر ہونے کے اپنی مذہبی رسوم اور عقاید پر جمے رہے ہیں اُس کی نظیر کم دیکھی جاویگی۔ مگر زمانے میں دہریت کی ہوا اس قدر زیر چل رہی ہے۔ کہ نیویارک ایسٹ سائڈ میں دس ہزار یہودیوں نے کھلے طور پر دہریت کو اختیار کر لیا ہے۔ اور بیان کیا جاتا ہے کہ کئی ہزار یہودی دل میں مذہبی عقاید سے بیزار ہیں لیکن بظاہر اُن کو خانگی جھگڑاوں کی وجہ سے یا نوکری کے کھوئے جانے کے اندیشہ

سے نہیں چھوڑتے۔ کیا پہلے بھی کسی زمانہ میں دہریت کی ہوا اس قدر تیز ہوئی ہے جبکہ آسمان سے کوئی مصلح پیدا نہ ہوا ہو۔ پھر اس وقت سے بڑھ کر اور کونسا ضرورت کا وقت ہوگا جبکہ خدا تعالےٰ خود آسمان سے انسانوں کی دستگیری فرماوے۔ اور اپنے کسی مرسل کے ہاتھ پر آسمانی نشان ظاہر فرماکر دوبارہ ایمان کو دلوں میں قائم کرے لیکن عیسائی صاحبان باوجود ہستی باریتعالےٰ کے انکار کی ان تیز و تند ہواؤں کے یہی کہے چلے جاتے ہیں۔ کہ حضرت مسیح اور ان کے حواریوں کے زمانے کے بعد آسمانی نشانوں کی ضرورت ہی نہیں۔ اس زمانہ سے بڑھ کر اور کونسا زمانہ اس امر کا محتاج ہے کہ ایک شخص خدا تعالےٰ کی طرف سے مبعوث ہو اور اس کی ہستی کے طاقتور نشان ظاہر کرکے دلوں میں یقین اور عرفان کی قوت پیدا کرے۔ ہاں عین اسی وقت پر خدا تعالےٰ نے اپنے وعدہ کے مطابق اپنے بندے **مرزا غلام احمد** کو مسیح کے رنگ میں ظاہر کیا۔ پس جن لوگوں کے دلوں میں اللہ تعالےٰ کی ہستی کے متعلق شکوک اور شبہات پیدا ہو رہے ہیں۔ ان کو چاہیئے کہ وہ اس کے پاس آویں اور اپنے ایمان کو مضبوط کریں۔ گذشتہ نشانات کے قصص اس وقت کام نہیں دے سکتے۔ بلکہ ایمان اور یقین کے پیدا ہونے کے لئے خدا تعالےٰ کی وحی کے تازہ پانی کی ضرورت ہے +

چند روزہ نکاحوں کی تجویز: یہ کس قدر تعجب کی بات ہے کہ عیسائی ممالک آہستہ آہستہ تمام اسلامی اصولوں کی طرف چلے آتے ہیں۔ اور با اینہمہ یہ کہہ رہے ہیں کہ اسلام مغرب کی تہذیب یافتہ قوموں کے مناسب حال نہیں۔ عیسائیوں کے نزدیک نکاح کا فسخ کرنا قریباً قریباً ہمیشہ محالات سے سمجھا جاتا رہا ہے۔ لیکن عملی طور پر یہ تجویز سوسائٹی کے امن میں سخت مخل ثابت ہوئی ہے۔ جیسا کہ اخبار ٹرو ٹھ سلیک لکھتا ہے "کہ ہزارہا مرد و عورت کے جوڑے جو اس عیسائی خیال کے منکر ہیں اور نکاح کو انسانی انتظام سمجھتے ہیں یعنی ایسا انتظام جو ضرورت کے وقت توڑا جا سکتا ہے وہ تو موت کے وقت تک خوشی سے اکٹھے رہتے ہیں۔ اور ایسے ہی ہزارہا جوڑے جو نکاح کے معاہدہ کو ناقابل انفساخ سمجھتے ہیں وہ تمام امور میں سوائے کھانے اور سونے کے اور بعض اوقات ان امور میں بھی الگ الگ رہتے ہیں۔ اور ایسی زندگیاں بسر کرتے ہیں جو دنیا میں وحشی اور حیوانات بسر کرتے ہیں"۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عیسائی عقاید کو آخر کار کیسی ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ وہ انسانی حالات اور تقاضاے فطرت انسانی کے مطابق نہیں ہیں +

مسٹر جارج میریڈیتھ ولایت کا مشہور ناولسٹ نکاح میں ایک ترمیم کی تجویز پیش کرتا ہے۔ اور وہ

کہتا ہے کہ نکاح کچھ عرصہ کے بعد مثلاً دس سال کے بعد خود بخود فسخ ہو جانا چاہیئے۔ تاکہ فریقین از سرِ نو زیادہ خوشحالی کا انتظام کر سکیں۔ ایسی ایسی تجویزیں جو آئے دن ہوتی رہتی ہیں۔ اس بات پر شاہد ہیں کہ عیسائیت کے قایم کردہ رواجوں پر لوگ بالکل غیر مطمئن ہو رہے ہیں۔ اگر اس تجویز کی اصل غرض کو ٹٹولا جاوے۔ تو وہ صرف اسیقدر معلوم ہوگی کہ نکاح زیادہ آسانی سے فسخ ہونیکے قابل ہونا چاہیئے کیونکہ انسانی فطرت عیسائی تشدد کی برداشت نہیں کر سکتی۔ اسلئے اگر طلاق کے معاملہ میں عدالتوں کا دخل نہ رہے۔ تو وہی مطلب زیادہ آسانی سے حاصل ہو سکتا ہے۔ اور سوسائٹی اس صورت میں عارضی نکاحوں کے نقصانوں سے بچ رہیگی۔ اگر طلاق کے معاملہ میں عیسائی دنیا صرف اسلامی عقیدہ پر قایم ہو جاوے تو اسکی ساری مشکلات حل ہو سکتی ہیں۔ لیکن اگر خود بخود وہ ان پاک اصولوں کو اختیار نہ کرینگے۔ تو زمانہ مجبوراً اُن کو انہی اصولوں کی طرف لاویگا اور عیسائی اصولوں کے تشدد کے خلاف اس قسم کی تجویزوں کا پیش ہونا صحیح علامت اس بات کی ہے کہ وہ دن قریب ہے۔ جب اسلامی مسٔلے عیسائی دنیا میں عام طور پر مقبول ہو جاوینگے +

ماسٹر عبدالرحمٰن صاحب مدرس تعلیم الاسلام ہائی سکول قادیان نے جنھوں نے کچھ عرصہ ہوا مذہب اسلام کو قبول کیا تھا۔ ایک کتاب بنام اختیار الاسلام تین حصوں میں لکھی ہے۔ جس میں آریہ سماج کے اعتقادات پر مفصل بحث کی گئی ہے اور نیز یہ دکھایا گیا ہے کہ باوا نانک اصل میں سچے مسلمان تھے۔ کتاب واقعی عمدہ ہے اور طالبانِ حق کے لئے انشاء اللہ تعالےٰ مفید ثابت ہوگی۔ تینوں حصے کوئی چار سو صفحے کے قریب ہیں اور قیمت...... ۱۲؍ رکھی گئی ہے مصنف سے ملسکتی ہے +

اسلامیہ کالج ماہوار میگزین زبان انگریزی میں اسلامیہ کالج لاہور کی طرف سے نکلنا شروع ہُوا ہے۔ اس کے ایڈیٹر کالج کے پرنسپل مسٹر عبدالغنی صاحب بی۔ اے ہیں۔ امید کیجاتی ہے کہ اُن سوالوں پر روشنی ڈالکر جو آج کل تعلیم یافتہ مسلمانوں کے دلوں میں کھٹک رہے ہیں۔ اس میگزین کو طلباء کے لئے مفید بنایا جاویگا۔ اس کا حجم ۱۸ صفحے ہے اور چندہ سالانہ ۲؍ طلباء سے ۱؍

ضیاء الاسلام ایک ہفتہ وار اسلامی مذہبی پرچہ ہے جو امرتسر سے شایع ہوتا ہے۔ بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کے اندرونی جھگڑوں کے لئے یہ اخبار علیٰحدہ رکھا گیا ہے چندہ سالانہ...

صرف ۱۲ آنہ ہے +

اگرچہ گھر کے اندر تو بائیبل کی اب کوئی قدر نہیں رہی۔ لیکن دنیا میں اب بھی اس کا بہت شور ہے بائیبل ان دی ورلڈ (یعنی دنیا میں بائیبل) ایک نیا ماہوار میگزین ہے۔ جو بائیبل سوسائٹی لنڈن کی طرف سے نکلنا شروع ہوا ہے۔ اور جس کے یہ اغراض بیان کئے گئے ہیں کہ "یہ رسالہ ماہ بماہ بائیبل سوسائٹی کی کارروائیوں کی اطلاع دیتا رہیگا۔ جیسا جیسا کہ سوسائٹی بغیر کسی تشریح یا نوٹ کے خدا کی کتاب کو تمام قوموں اور تمام زبانوں میں شایع کرتی جاتی ہے"۔ اسمیں شک نہیں کہ بائیبل سوسائٹی کے پاس اس قسم کے رسالوں کے چلانے کے کافی ذرایع موجود ہیں۔ لیکن دو سوال ہیں جن کا جواب امید ہے سوسائٹی کا کوئی نہ کوئی ممبر ضرور دیگا۔ پہلا سوال تو یہ ہے کہ کیا کلیسیا کے بڑے بڑے عہدہ دار اور عیسائیوں میں سے بڑے بڑے لوگ بائیبل کو خدا کی کتاب سمجھتے ہیں۔ اگر تنقید کے اصولوں پر چلکر عیسائی صاحبان نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ بائیبل انسانوں کی تصنیف ہے۔ اُن صاحب وحی انسانوں کی نہیں جن کی طرف وہ منسوب ہے۔ بلکہ اُس سے پچھلے زمانہ کے آنیوالے دوسرے لوگوں کی اور اگر اس کے مضامین میں اصلی اور تاریخی واقعات کی نسبت قصہ کہانیوں کی زیادہ آمیزش ہے۔ تو کیا دوسرے لوگوں کو یہ کہنا کہ بائیبل خدا کی کلام ہے صریح دھوکہ نہیں ہے۔ بائیبل کو خدا کا کلام ثابت کرنے کے لئے بائیبل سوسائٹی نے کونسا کام کیا ہے اگر بائیبل سوسائٹی کا وہی اعتقاد ہے جو آج کل کے بڑے بڑے عیسائی فاضلوں اور پروفیسروں کا اعتقاد ہے یعنی یہ کہ بائیبل غلطیوں سے پُر ہے۔ تو بائیبل سوسائٹی کو سوچنا چاہیئے کہ ان غلطیوں کو وہ دوسرے ملکوں میں کیوں پھیلا رہی ہے اور اگر ضروری ہی ہے تو پھر اسکا فرض ہے کہ پہلے مسیحیوں کو غلطیوں سے الگ کرے اور صرف صداقتوں کی اشاعت کرے اور غلطیوں سے دنیا کو ہلاک نہ کرے۔ دوسرا سوال یہ ہے کہ یہ جو کہا جاتا ہے کہ ہم بائیبل پر کوئی حاشیہ یا نوٹ نہیں چڑھاتے اس کا کیا فائدہ۔ اصل الہامی کلام تو بائیبل سوسائٹی کے ہاتھ میں نہیں اور جو کچھ وہ شایع کر رہی ہے وہ صرف مترجموں کا خیال ہے نہ خدا کے الفاظ۔ کیا بائیبل سوسائٹی کے سینکڑوں بائیبلوں میں کوئی بائیبل ایسی بھی ہے جو خدا کا کلام کہلانے کی مستحق ہو؟ +

عظیم الشان خوشخبری	حضرت مرزا صاحب کی اپیل منظور ہو کر مقدمات کا خاتمہ اُس پیش گوئی کے مطابق ہو گیا جو جولائی سنہ ۱۹۰۳ء کے رسالہ میں شایع

نقل فیصلہ عدالت اپیل بمقدمہ حضرت مرزا غلام احمد صاحب

مجسٹریٹ صاحب نے واقعات مقدمہ بخوبی طور پر اپنے فیصلہ مین ظاہر کئے ہین اور ان کے مکرر بیان کرنے کی ضرورت نہین ہے۔ انہون نے مرزا غلام احمد ملزم پر اثبات جرم زیر دفعہ ۵۰۰ و حکیم فضلدین ملزم پر زیر دفعات ۵۰۱ و ۵۰۲ تعزیرات ہند قایم کیا ہے۔ انہون نے علیحدہ علیحدہ اپیل نمبر ۴۲۶ و نمبر ۴۲۵ داخل کی ہین اور ان کا فیصلہ یکجا ہو سکتا ہے۔ ہم تسلیم کرتے ہین کہ صفحات نمبر ۱۲۹ و ۱۳۰ کتاب مواہب الرحمان کے جسکو ملزم نمبر ا نے تصنیف کیا اور ملزم نمبر ۲ نے شایع کیا فی نفسہ مزیل حیثیت عرفی ہین اور ہم اس امر کو بھی تسلیم کرتے ہین کہ الفاظ لئیم اور بہتان اور کذاب جن کی بابت استغاثہ کیا گیا ہے برے معنون مین استعمال کئے گئے ہین اور ان سے بڑی .... بھاری اخلاقی کمزوری ظاہر ہوتی ہے۔ ساتھ ہی ہم یہ خیال کرتے ہین کہ ملزمان مستحق بریت کے تھے۔ ملزمان کا اہم عذر یہ تھا کہ مستغیث ان ملامت آمیز الفاظ کا بوجہ مضمون مندرجہ سراج الاخبار مورخہ ۶ و ۱۳۔ اکتوبر کے مستحق تھا۔ مجسٹریٹ صاحب نے یہ ثابت کرنے کے لیے بہت کوشش کی ہے کہ ہتک آمیز مضمون کا ان آرٹیکلو نسے کوئی تعلق نہین۔ اِس بارہ مین ہم مجسٹریٹ صاحب کے نتیجہ کو تسلیم کرنے کی کوئی وجہ نہین دیکھتے۔ مستغیث نے بیان کیا ہے کہ اس کی ازالہ حیثیت عرفی کی گئی ہے۔ ملزمان کے پاس ایسی شہادت موجود ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مستغیث کی کوئی ایسی حیثیت نہین ہے جسکا ازالہ ہوا۔ ہمکو اس شہادت کا رد کرنا بالکل ناممکن معلوم ہوتا ہے جیسا کہ مجسٹریٹ صاحب نے کیا ہے کیونکہ بظاہر اس سے جرم بہت خفیف ہو جاتا ہے خواہ ملزمان یہ ثابت نہ کر سکتے کہ انہون نے یہ کارروائی نیک نیتی سے کی یا کہ اتہام افادۂ عام کے واسطے لگایا گیا تھا۔ ہم یہانتک بھی کہنے کو تیار ہین کہ اگر ملزمان کو اس وقت جبکہ انہون نے اتہام لگایا اس ثبوت کا علم نہ بھی ہو تا کہ وہ اتہام صحیح تھا اور بعد از آن ان کو اُس امر کا علم ہوا ہو تو بھی وہ اپنے جرم کو خفیف بنانے کے واسطے اُس ثبوت کو پیش کرنے کے مجاز تھے۔ مقدمہ ہذا مین ہم نہین کہہ سکتے کہ سراج الاخبار کے مضمون کا

ملزمان کی کتاب سے کوئی تعلق نہین ہے۔ کتاب مذکور کے صفحات نمبر ۱۲۹ و ۱۳۰ پر کسی جگہ کوئی ایسا نہین ہے کہ مستغیث بوجہ دروغ گو اور بہتان باندھنے والا اور کمینہ شخص ہے۔ کہ اس نے فوجداری استغاثہ کیا یا وہ کرے گا۔ بلکہ یہ مذکور ہے کہ ایک کمینہ شخص اور بہتان باندھنے والے شخص کے وجود کی بذریعہ الہام اطلاع ہوئی ہے اور کہ وہ چاہتا ہے وغیرہ وغیرہ۔ اگر مستغیث محض نالش فوجداری کرنے کی وجہ سے کمینہ وغیرہ خیال کیا گیا ہوتا تو الفاظ مثلاً جھوٹے استغاثہ کرنے والا۔ اپنی قسم کو توڑنیوالا یا جھوٹے گواہان پیش کرنیوالا کی ہر ایک کو توقع ہو سکتی تھی اور جو صرف متعلق جوڈیشل کارروائی کے سمجھے جا سکتے بے شک اگر ملزمان نے ایسے الفاظ استعمال کئے ہوتے تو ان کی طرف سے اپنے طریق عمل کے جواز کے لیے دیگر اقسام کی اخلاقی لغزشون کا پیش کرنا کافی نہ ہوتا مگر چونکہ صفحات نمبر ۱۲۹ و ۱۳۰ پر الفاظ محض عام معنون مین استعمال کئے گئے ہین اسواسطے ملزمان کا پورا پورا حق ہے کہ ان الفاظ کی تشریح کے لیئے وہ مضمون سراج الاخبار کیطرف توجہ دلائین اسمین کچھ شک نہین کہ فوجداری نالش ہونے کی وجہ سے ملزمان کو اپنا دبا ہوا غصہ مستغیث پر نکالنے کا موقع ملا۔ تاہم یہ ضروری نہین ہے کہ ملامت آمیز الفاظ آرٹیکلو نکے باقاعدہ جواب مین استعمال کئے جانے چاہیئے تھے بلکہ یہی کافی ہے اگر عدالت مین گھسیٹے جانے پر ہر دو ملزمان کو اپنا غصہ نکالنے کے وقت پر اپنے حریف کو ان ہتک آمیز الفاظ سے جو کہ استعمال کئے گئے ہین نامزد کرنے کی کافی وجہ تھی۔ ہماری دانست مین اس پر یقین کرنا ناممکن تھا کہ ملزم نمبر ا کو مستغیث کا عمل جو کہ سخت ردّ و بدل سے ظاہر ہوا مدنظر نہ تھا۔ خطوط جو تین ماہ یا کچھ عرصہ پیشتر شائع کئے گئے جنسے مرزا کے دعاوی کا مضحکہ اُڑایا گیا۔ ایک نہایت ہی رنج دہ اور شدید حملہ تھے جو کبھی مستغیث کی طرف سے پہلے نہین ہوا تھا اور چونکہ آرٹیکلو ن کی تردید نہین کی گئی ہے اور وہ مستغیث کے نام بھیجے اسلیئے عوام الناس اور ہر دو ملزمان نے طبعاً مستغیث کے آرٹیکل خیال کیئے۔ پس ہم مجسٹریٹ صاحب سے بالکل اختلاف کرتے ہین اور قرار دیتے ہین کہ ہر دو ملزمان ان الفاظ کے جواز ثابت کرنے کیلئے جو ان کی کتاب کے صفحات نمبر ۱۲۹ و نمبر ۱۳۰ پر استعمال کئے گئے ہین ۶-۹ و ۱۳۔ اکتوبر سنہ ۱۹۰۲ء کے آرٹیکلو نکے حوالہ دینے کے سراسر مستحق ہین۔ آرٹیکلو نکی بابت یہ کہدینا کافی ہے کہ اُن سے ایک دانستہ منصوبہ چال بازی اور خلاف بیانی اور جعلسازی

کا ظاہر ہوتا ہے جن پر بے حیائی سے ایک عام اخبار کی سطرون مین دُنیا کے سامنے فخر
کیا گیا ہے - ہم خیال نہین کرتے ہین کہ ان آرٹیکلونکا نویسندہ عدالتون سے کسی مدد
حاصل کرنے کا مستحق ہے اگر ان اشخاص نے جنکا ان خطوط سے مضحکہ اڑایا گیا
رنج اور غصہ مین الفاظ لئیم (کمینہ) یا بہتان یا کذاب (بڑا دروغگو) استعمال کئے ہین ہم
اس بات کے سمجھنے سے قاصر ہین کہ کس طرح صاحب مجسٹریٹ نے یہ قرار دینے کے
بعد کہ مستغیث نے ہی یہ آرٹیکل لکھے اور فی الواقعہ اسی بنا پر اسپر ایک اور مقدمہ مین
اثبات جرم قایم کیا - آرٹیکلون کی طرز تحریر پر غور نہین کی جسنے بہت ادنے درجہ
کے اخلاق ظاہر ہوتے ہین - خواہ ملزمان اسوقت باقاعدہ طور پر آرٹیکلونکا جواب دے
رہے تھے یا نہ دے رہے تھے تاہم حیثیت مستغیث کا موازنہ کرنے مین آرٹیکلونکو نظر انداز کرنا
ناممکن ہے اور ہمارے خیال مین ہتک آمیز الفاظ کا استعمال یہانتک درست تھا کہ ہم
مستغیث کی مدد نہ کرتے اگر الفاظ مذکور کسی قدر اس سے بڑھکر بھی ہوتے - جبکہ بقول
صاحب مجسٹریٹ فریقین ایکدوسرے کے جانی دشمن تھے تو اس صورت مین الفاظ
کی باریک کمی بیشی کے درپے نہین ہونا چاہئے - دوسرا امر یہ ہے کہ کیا مستغیث نے
آرٹیکل لکھے - مجسٹریٹ صاحب نے قرار دیا ہے کہ اسی نے لکھے تھے - مستغیث پر اثبات
جرم آرٹیکل لکھنے کی بنا پر قایم کیا گیا ہے اور اُسنے ابتک اثبات جرم کی تنسیخ کے
لئے (جسکو قریبًا سہ ماہ گذر چکے ہین) کوئی کارروائی نہین کی - آرٹیکلو نپر ملزم کا نام
بطور نویسندہ درج ہے - اُسنے تسلیم کیا ہے کہ مین اکثر اوقات سراج الاخبار مین
نامہ نگاری کرتا رہا ہون - آرٹیکل ایڈیٹر نے شایع کئے تھے اور اُسنے اُنکو مستغیث کے
آرٹیکل باور کئے تھے - مستغیث نے انکی تردید کے بارہ مین یا انکے نویسندہ ہونیسے انکار
کرنیکی بابت کبھی کوئی تحریر اخبار مین نہین بھیجی - اندرونی شہادت سے دلالت
ہوتی ہے کہ سوائے مستغیث کے کسی اور نے ان آرٹیکلونکو تحریر نہین کیا - بیشک
مرزا کا کوئی مرید ایسا کام نہین کر سکتا - نویسندہ اپنی چالاکی پر نہایت خوش معلوم
ہوتا ہے اور غالبًا اس کارروائی کی عزت کسی اور کو دینا پسند نہین کرتا - مستغیث نے
اس تحریر کو جو اسکی بیان کیجاتی ہے شناخت کرنے مین اسقدر ٹال مٹول کیا ہے
کہ ہم اسپر کوئی اعتبار نہین رکھ سکتے - وہ ۱۶ - جولائی سنہ ۱۹۰۳ء کو رائے چندو لعل

کے روبرو یقیناً بیان نہین کرسکا کہ آیا آرٹیکل مورخہ ۶۔ اکتوبر سنہ ۱۹۰۲ء اس نے لکھا تھا اور دیگر دستاویزات کی بابت بھی یہی بیا نکیا۔ سوالات جرح مین اس نے ۱۲۔ نومبر سنہ ۱۹۰۳ء کو تسلیم کیا تھا کہ فضلدین نے اس سے کتب مانگی تھین اور اس نے اسکے کہنے کی تعمیل کردی تھی اور وہ اسکے قبضہ مین تھین۔ فی الحقیقت اس امر پر شک کرنا قریباً ناممکن ہے کہ واقعات مندرجہ آرٹیکل مورخہ ۶ و ۱۳۔ اکتوبر سنہ ۱۹۰۲ء سے مستغیث کا تعلق ظاہر ہوتا ہے۔ اسواسطے ہمارا اتفاق دیگر عدالتہائے کی رائے سے ہے کہ مستغیث ہی ۶ و ۱۳۔ اکتوبر سنہ ۱۹۰۲ء کے آرٹیکلون مندرجہ سراج الاخبار کا نویسندہ ہے ہمارے خیال مین آخیر پر اسمین کچھ شک نہین ہو سکتا کہ یہ قرار دیا جاوے کہ ملزمان نے نیک نیتی سے کارروائی کی + مرزا کے مذہبی دعاوی کا سوال ایک پبلک دلچسپی کا سوال تھا۔ ہر ایک شخص کو مرزا کی حیثیت کا اندازہ مرزا کے اپنے خیال کے مطابق لگانا چاہیئے۔ بیشک وہ اپنے آپ کو ایک طرح سے ملہم باور کرتا ہے اور اپنے مریدون اور عوام الناس کے واسطے وہ ان اتہامات کی تردید کرنا جو خود اسکے اور اس کی مذہبی حیثیت اور اعتقادات کے برخلاف لگائے جاوین اپنا فرض سمجھتا ہے۔ اگر کسی شخص کو ایسے مذہبی مباحثون مین بہت کم دلچسپی ہو تو بھی ہر ایک کو خیال کرنا چاہیئے کہ ان اشخاص کے نیزے جوان اصولونکے پیرو ہین۔ وہ بہت وقعت رکھتے ہین۔ ہم قرار دیتے ہین کہ ملزم نمبر ا جہانتک اس معاملہ کا اس کی ذات سے تعلق تھا اسکے جواب مین اس امر کا بالکل مستحق تھا کہ وہ مستغیث پر ایسا اتہام لگاتا جسکو ہم نے فی الواقعہ راست قرار دیتے ہین اور جو کہ مستغیث کے خود اپنے عمل سے بھی ایسا ہی ظاہر ہوتا ہے تاکہ عوام الناس اس امر کا اندازہ لگا سکین کہ مستغیث کے فعل اور قول کی کیا وقعت ہونی چاہیئے۔ اگر ملزم مستغیث کے سراج الاخبار کے مضامین کو تسلیم کر لیتا تو اس کی مذہبی حیثیت خطرہ مین پڑجاتی اور اگرچہ جہلم مین مقدمات قانونی ہونیکے موقعہ پر مستغیث پر حملہ کرنیکی نسبت کوئی اور بہتر اور زیادہ تر معقول طریق مضامین کی تردید کرنیکا ملزم کو ملسکتا تھا مگر پھر بھی ملزم کسی خاص طریقہ یا وقت یا جگہ کا پابند نہین کیا جا سکتا۔ اور بیشک وہ علانیہ بمقام جہلم حملہ کرنہین جسجگہ کھلے طور پر اسکا مضحکہ اڑایا گیا تھا درستی پر تھا۔ یہ دیکھکر کہ کس طرح سے...... عدالتہائے نے بالاتفاق قرار دیا ہے کہ مستغیث نے ہی وہ آرٹیکل لکھے تھے۔ یہ اغلب نہین ہے کہ

فی الحقیقت ملزمان کو اس معاملہ کی بابت علم نہ ہوا ہو خواہ کبھی تھوڑے عرصہ کیواسطے کوئی شک انکے دل مین پیدا بھی ہوا ہو۔ پس ہم قرار دیتے ہین کہ ملزمان کی حفاظت استثناء

نمبر ا و نیز استثنار نمبر ۶ دفعہ ۴۹۹ تعزیرات ہند سے ہوتی ہے بہت ہی افسوس ہے کہ ایسے مقدمہ مین جو کارروائی

کے ابتدائی مرحلہ پر ہی خارج کیا جانا چاہیئے تھا۔ اسقدر وقت ضائع کیا گیا ہے۔ لہذا ہر دو ملزمان مرزا غلام احمد و حکیم فضلدین بری کئے جاتے ہین۔ انکا جرمانہ واپس دیا جاویگا۔

...... المرقوم ۷۔ جنوری سنہ ۱۹۰۵ء۔ دستخط مسٹر اے۔ ای۔ ہری صاحب بہادر سیشن جج قسمت امرتسر بحروف انگریزی +

حضرت اقدسؑ کا مبارک ارشاد

حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس رسالہ میگزین کی کثرت اشاعت کی یہانتک تاکید فرمائی تھی کہ اس کی رو سے کوئی اہل جماعت احمدیہ کا بھائی خواہ خواندہ ہو یا ناخواندہ اور خواہ کسی حیثیت کا ہو اس کی خریداری سے محروم نہ رہتا۔ چنانچہ حضرت اقدس کے مبارک ارشاد کے بجنسہ تاکیدی الفاظ یہ تھے "میں **پورے** زور کے ساتھ اپنی جماعت کے مخلص جوانمردوں کو اس طرف توجہ دلاتا ہوں کہ وہ اس **رسالہ** کی اعانت مالی امداد میں جہانتک ان سے ممکن ہے اپنی ہمت دکھلاویں اور اس خدمت میں **جان توڑ کوشش کریں**"۔ اس پر ہی اکتفا نہیں فرمائی۔ بلکہ ساتھ ہی ظاہر فرمایا کہ "اگر بیعت کرنے والے اپنی **بیعت کی حقیقت** پر قائم رہ کر اس بارہ میں کوشش کریں تو **دس ہزار** خریدار کا پیدا ہونا کوئی بڑی بات نہیں ہے بلکہ جماعت موجودہ کے لحاظ سے یہ تعداد خریداری بہت کم ہے"۔ اور واقعی بات بھی بہت صاف تھی۔ کیونکہ اپنی دو لاکھ سے بڑھی ہوئی جماعت احمدیہ میں سے پانچ فیصدی احباب بھی کم از کم فی کس ایک ایک رسالہ کے خریدار بنتے تو تعداد خریداری کہیں دس ہزار سے بھی بڑھ جاتی۔ مگر معلوم ہوتا ہے کہ اپنے جملہ بھائیوں کے **کانوں تک** حضرت اقدس کے مبارک ارشاد کے یہ تاکیدی الفاظ نہیں پہنچے۔ چونکہ حضرت اقدس کی فرمائی ہوئی تعداد ایک رسالہ کی تعداد خریداری پہنچنے میں ابھی بہت کمی ہے اسواسطے ہر ایک بھائی کا **فرض** ہونا چاہئے کہ اس حکم سے مطلع ہو تو [illegible] فوراً خریدار رسالہ بنے اور دیگر بھائیوں تک اس حکم کے پہنچانے اور دیگر خریدار پیدا کرنے کی کوشش کریں۔ اور [illegible] علاوہ خریداری کے **مالی اعانت** بھی حسب توفیق [illegible] فرماویں [illegible] اپنے جملہ برادران کے دل حضرت اقدس کے حکم کی **فوری** تعمیل کے لئے جوش سے بھر جاویں +

مینیجر میگزین

اطلاع ضروری

(۱) بموجب **قواعد** رسالہ میگزین کا زر چندہ [illegible] بجز کسی خاص حالات کے پیشگی وصول ہونا چاہئے۔ اس قاعدہ پر عمل کرنے کی صورت میں خریداران و دفتر ہذا کے مابین حساب بالکل صاف رہتا ہے حساب میں کسی قسم کی پیچیدگی واقع نہیں ہوتی۔ اور پیشگی وصولی میں ایک گونہ کارخانہ ہذا کو بھی امداد ہے اسواسطے جملہ خریداران بیباقی حساب میں ہماری مدد کر کے عند اللہ ماجور ہوں۔ [illegible] رقوم کو جلد تر بذریعہ منی آرڈر ارسال فرماویں۔ ورنہ وی۔ پی کے پہنچنے پر رقوم کی ادائیگی [illegible]

(۲) ترسیل روپیہ یا خط و کتابت کرتے وقت نمبر خریداری [illegible] شکایت توقف یا عدم تعمیل یا عدم جواب بیجا تصور ہوگی +

(۳) جملہ خط و کتابت متعلق میگزین بنام مینیجر صاحب [illegible] ہونی چاہئے نہ کسی مالک یا مینیجر مطبع یا کسی دیگر صاحب کے نام کیونکہ اس سے حرج [illegible] کا احتمال ہے +

مینیجر میگزین

مدرسہ تعلیم الاسلام

برادران السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ عید الضحےٰ کا مبارک دن قریب آتا ہے اس واسطے چندہ عید فنڈ اور کھال قربانی اور رقم زکوٰۃ وخیرات برائے مساکین ویتامے و جنرل فنڈ مدرسہ کے واسطے بر موقعہ یاد دلایا جاتا ہے کہ تمام احباب اپنے اپنے گھر سے رقوم جمع کر کے جسقدر جلد ممکن ہو سکے بنام مہتمم مدرسہ ارسال فرماویں۔ کالج بننے اور مدرسہ کے سرکاری منظور ہو جانے کی وجہ سے عمارت اور سامان اور ملازمین مدرسہ اور وظائف غربا اور کتب خانہ وغیرہ امور کے لئے بہت سے فنڈ کی ضرورت ہے جس کا جمع ہونا آپ صاحبان کی توجہ کو چاہتا ہے +

مفتی محمد صادق سپرنٹنڈنٹ و قائمقام ڈائرکٹر کالج و سکول تعلیم الاسلام قادیان

... فقہ ... نے اپنے مطبع انوار الاسلام میں ... کے لئے چھاپا

رجسٹرڈ ایل نمبر ۳۰۲

آؤ لوگو کہ یہین نور خدا پاؤ گے ✦ لو تمہین طور تسلّی کا بتایا ہمنے

ریویو آف ریلیجنز

یعنی

دنیا کے مذاہب پر نظر

جلد ۴ بابت ماہ فروری ۱۹۰۵ء نمبر ۲

فہرست مضامین

سالانہ چندہ

"اختیار الاسلام"

اس کتاب پر ایک بہت مختصر سا ریویو بسبب کمی گنجایش کے گزشتہ اشاعت مین لکھا گیا تھا۔ اس زمانہ مین مذہبی مباحثات ایسے عام ہو گئے ہین کہ قریبًا قریبًا ہر ایک خواندہ آدمی کیلیے یہ ضروری ہو گیا ہے کہ وہ مختلف مذاہب کے اصولون سے واقفیت حاصل کرے۔ ہمارے مخالف مذاہب نے یہ عجیب طریق اختیار کر رکھا ہے کہ مذہب اسلام کی برکات کی طرف جو مذہب کی اصل روح ہے توجہ نہین کرتے اور نہ ہی ان برکات کے بالمقابل اپنے مذاہب مین کوئی خوبی دکھا سکتے ہین صرف اعتراضون پر زور ہے پس ایسی حالتین ہر ایک مسلمان کیلیے ضروری ہے کہ وہ آریہ وغیرہ مذاہب کے اصول اور ان اصولون پر جو زد واقع ہوتی ہے اس سے پوری پوری واقفیت حاصل کرے اس غرض کیلیے کتاب ... **اختیار الاسلام** جو ماسٹر عبد الرحمن صاحب نے نہایت محنت اور جانفشانی سے تالیف کی ہے اور جس مین آریہ مذہب کے اصول کی غلطیان دکھائی گئی ہین نہایت مفید ہے امید ہے ہمارے دوست اسکی اشاعت مین پوری کوشش کرینگے۔ ایڈیٹر

جہانتک میرے مولے کریم نے مجھے فہم عطا فرمایا ہے مین دلیری سے اس کہنے کی جرأت کرتا ہون کہ حق کے طالب ایک طرف ترک اسلام اور دوسری طرف "مین مسلمان ہو گیا" پڑھین غالبًا ناظرین کو یقین ہوگا حق کیا چیز اور حق کی پیاس کیا چیز ہے اور اسکے نتائج کیا ہین

نور الدین از قادیان

کتاب اختیار الاسلام علی الجملہ فی الجملہ بہت عمدہ اور لطیف ہے اور ہماری امیدون سے بڑھ کر مفید تالیف کی گئی ہے یہ کتاب نہایت دردمندی اور جانگداز محنت سے تالیف ہوئی ہے **بہتون کی ہدایت کا موجب ہوگی انشاء اللہ تعالے۔**

عبد الکریم از قادیان

(نوٹ) تمام درخواستین ماسٹر عبد الرحمن صاحب مدرس مدرسہ تعلیم الاسلام قادیان کے نام آنی چاہئین۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہٗ و نصلّی علی رسولہ الکریم

پردہ

۳- پردہ کی ضرورت

گذشتہ اشاعت مین اسلامی پردہ کے حدود بیان کرنیکے بعد ہم نے پردہ پر بعض اعتراضونکا جواب دیا تھا اور یہ دکھایا تھا کہ یہ سب اعتراض صرف ناسمجھی کیوجہ سے ہین ورنہ پردہ عورتونکو ضروری تعلیم کے حاصل کرنے اور ضروری کاروبار کے کرنیسے نہین روکتا۔ اب تیسرا سوال پردہ کے متعلق یہ پیدا ہوتا ہے کہ پردہ کی ضرورت کیا ہے۔ قبل اس کے کہ عام طور پر اس سوال پر بحث کی جاوے یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ مختصراً کسیقدر ذکر ان تحریکون اور تجویزون کا کیا جاوے جو آج کل ہندوستان مین بعض تعلیم یافتہ مسلمان پردہ کے دور کرنیکے لئے کر رہے ہین۔ سب سے پہلے یہ بات بیان کرنیکے لایق ہے کہ قرآن شریف سے پردہ کی منسوخی کے دلایل تلاش کرنا جیسا کہ بعض نو تعلیم یافتہ جنٹل مین کر رہے ہین ایک عبث کوشش ہے ان مخالفین پردہ کا اگر یہ منشاء ہوتا کہ پردہ کی موجودہ صورت مین کسی قدر تغیر کر کے اُس کے بیجا تشدد کو دور کیا جاوے تو اور بات تھی مگر یہ لوگ تو اس امر کے در پے ہین کہ جس بیباکانہ آزادی سے یورپ کی عورتین غیر محرم مردون کے ساتھ ملتی جلتی ہین اسی طرح مسلمان عورتون کو بھی ملنا جلنا چاہئے۔ مگر قرآن شریف اس کی تائید نہین کرتا اور آیتون کے معنون پر اس وقت بحث کو چھوڑ کر ہمارے نزدیک وہی دو آیتین جن مین عورتون کو زینت کے چھپانے کا اور مردون اور عورتون کو غض بصر اختیار کرنیکا حکم دیا گیا ہے۔ مغربی عورتون کی صد درجہ کی آزادی کی اس قدر صاف اور کھلی تردید کرتی ہین کہ جس سے مہذب پارٹی کو بھی انکار نہین ہو سکتا۔ اسلامی عورتون کا یہ حیادار طریق یعنی اپنی زینت کو چھپا کر باہر نکلنا اور وہ بھی صرف ضرورت کے لیئے۔ اور پھر مردون اور عورتون کا ایک

دوسرے کی طرف نظر اٹھا کر دیکھنے سے پرہیز کرنا جس کا حکم قرآن کریم دیتا ہے۔ یورپ جیسی سوسایٹی مین کس طرح قایم رہ سکتا ہے۔ جہان ہر شخص اس بات کو اپنے لیے باعث فخر و عزت سمجھتا ہے کہ کسی مشہور خوبصورت عورت کے پاس بیٹھنے یا اس سے ہاتھ ملانے یا گفتگو کرنے یا ناچ کی مجلسو نمین اس کے ہاتھ کو ہاتھ مین لے کر ناچنے کا موقعہ اُسے ملے۔ اور یہ اس غرض سے نہین کیا جاتا کہ ان باتون سے مرد یا عورت کے علم مین کوئی ترقی ہوتی ہے جیساکہ مسٹر دلاور حسین خیال کرتے ہین بلکہ محض اُن جذبات کے تقاضا کو پورا کرنیکے لیے جو خوبصورت عورتون کو دیکھ کر جوش مین آتے ہین۔ پھر جس طرح بناؤ سنگار کرکے مغربی عورتین باہر نکلتی اور غیر محرم مردون کے ساتھ ملتی جلتی ہین وہ بھی قابل غور ہے۔ انیسوین صدی کی ایک عورت مصنف ان الفاظ مین ان عورتون کی تصویر کھینچتی ہے۔ "دور سے جب ایک عورت کی شکل نمودار ہوتی ہے تو اس کے لباس کی بھڑک چلنے والون کو خود بخود اپنی طرف متوجہ کرتی ہے اور اس کے قسم قسم کے چمکتے ہوئے رنگ اور جواہرات اور چمکیلا لباس۔ اُس کے طرح طرح کے پھول سب کے اوپر خوبصورتی کا تاج رکھا ہوا اور زیب و زینت کے عجیب و غریب ہلکے پھلکے سامان اور آرایش کو بڑھانے کے لیے نازک سفید تاگون پر پر لگائے ہوئے جو سورج کی ہر شعاع کے ساتھ اور ہوا کی ہر حرکت کے ساتھ چمکتے اور ہلتے اور کانپتے ہین۔ یہ سب باتین دیکھنے والے کو امید دلاتی ہین کہ ان چمکیلے لباسون کے نیچے فلورا کا خوبصورت اور دلکش چہرہ چمکتا ہوا دکھائی دیگا۔ اور جب وہ قریب آتی ہے تو سب آنکھین اُس کی طرف ایسی متوجہ ہوتی ہین کہ گویا باد صبا بھی اُس کی خوبصورتی کی ایک جھلک لینے کے لیے ٹھہر جاتی ہے"۔ اب ایک طرف اس تصویر کو رکھ لو اور دوسری طرف قرآن شریف کے اس پُر حکمت حکم پر غور کرو کہ عورتین اپنی زینت کو چھپا کر باہر نکلین اور پھر بتاؤ کہ کیا قرآن شریف ان عورتون کی پیروی کی تعلیم دے سکتا ہے۔ جو باہر نکلنے سے پہلے کئی گھنٹے صرف بناؤ سنگار اور لباس کی آرایش پر صرف کر دیتی ہین۔ صرف اس غرض سے کہ جب وہ باہر نکلین تو غیر محرم مرد ان کی شکلوں کو دیکھکر حظ اُٹھائین اور ان کے لباسون کی اور اُن کی خوبصورتی کی تعریف کرین۔ کیا وہ لوگ جو پردہ کی منسوخی کے درپے ہو رہے ہین اس بات کو پسند کرتے ہین کہ ان کی مائین اور بیویان اور لڑکیان اور بہنین اسی طرح باہر نکلین اور غیر محرم مردون کے ساتھ جدھر جی چاہے چلی جاوین۔ اگر یہی ان کی خواہش ہے تو کس چیز نے ابتک اُن کو روکا ہوا ہے۔

مخالفین پردہ نے پردہ کے ابتدا کی تاریخ بھی اپنے ذہن سے ہی گھڑلی ہے۔ محمد ابراہیم قریشی اخبار مسلم ریفارمر مین جو برعکس نہند نام زنگی کافور کا مصداق ہے لکھتا ہے کہ اسلامی دنیا مین پردہ بنی امیہ کے عہد سلطنت مین رایج ہوا اور اس سے پہلے مسلمان پردہ یا حجاب کے نام سے بھی واقف نہ تھے نئے اسباب راقم مضمون کے نزدیک یہ پیدا ہو گئے کہ "خلفاے بنی امیہ کی اوباشانہ بدکاری اور کھلا کھلا فسق وفجور" اس حد تک پہونچ گیا تھا کہ "وہ شرفا کے گھرون مین زبردستی داخل ہوکر بدکاری کے مرتکب ہونے لگے"۔ ہم یہ کہنے پر مجبور ہین کہ یہ ایک سیاہ اور کھلا کھلا جھوٹ ہے اور راقم مضمون سوائے اپنے بدخیالات کے اور کوئی شہادت اس بیان کی تائید مین پیش نہین کر سکتا۔ پس چونکہ یہ اس نے خود بخود ایک بات گھڑلی ہے اور تاریخی شہادت اس کی ایک ذرہ بھی نہین۔ اس لیے اسکے متعلق اسیقدر کہنا کافی ہے۔ برخلاف اسکے تاریخ سے یہ صاف اور صریح شہادت ملتی ہے جس سے انکار کرنا محض حماقت ہے کہ پردہ کا حکم قرآن شریف مین آنحضرۃ صلے اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا اور آپ نے اور آپ کے صحابہ نے اسپر عمل کیا۔ محدثین بالاتفاق یہ بیان کرتی ہین کہ آیت حجاب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی۔ پس اگر پردہ کوئی شے ہی نہ تھا اور بنی امیہ کے وقت تک لوگون کو پردہ کے نام سے بھی واقفیت نہ تھی تو حجاب کا مفہوم کیا تھا۔ اصل مین راقم مضمون نے آریہ سماج کی نقل کی ہے جو کہا کرتے ہین کہ ان کے درمیان پردہ مسلمان بادشاہون کی جابرانہ کارروائیون کے سبب سے جاری ہوا کیونکہ وہ لوگ ان کی لڑکیونکو زبردستی پکڑ کر لیجاتے تھے ان سب بیہودگیونکا صرف ایک ہی جواب ہے کہ اگر ان خود تراشیدہ باتون کا کوئی تاریخی ثبوت پیش نہین کیا جاسکتا تو یہی ایک بات دنیا پر ان کا جھوٹ ثابت کرنیکے لیے کافی ہے کیونکہ ان باتون کی غرض سوائے اسکے کچھ نہین کہ محض عناد کی وجہ سے بعض اشخاص کو بدنام کیا جاتا ہے۔ البتہ مسلمان بادشاہون کی "اوباشانہ بدکاریون" کے جو وجوہات راقم مضمون نے بیان کیئے ہین وہ قابل توجہ ہین وہ کہتا ہے کہ "شرابخوری ان کا سب سے بھاری عیب تھا اور شرابخوری کا نتیجہ یہ ہوا کہ سوسائیٹی کے قواعد کی کوئی پروانہ کرکے ان کو کھلے طور پر توڑا گیا"۔ اب ایک بچہ بھی جانتا ہے کہ شرابخوری مسلمانون پر کبھی غالب نہین ہوئی۔ اگرچہ خوف ہے کہ اب یہ ان لوگون کی تباہی کا موجب نہ ہو جاوے جو ہر ایک مغربی رواج کے ایسے دلدادہ ہوگئے ہین کہ

ان کی کھلی کھلی بدیون کو بھی مفید سمجھ کر آنکھین بند کرکے ان کے پیچھے لگے ہوئے ہین۔ ہم تسلیم کرتے ہین اور قرآن شریف بھی یہی تعلیم دیتا ہے کہ شرابخوری دنیا کی بہت ساری بدکاریونکی جڑ ہے۔ لیکن شرابخوری ہمیشہ سے عیسائی قومون کے اندر لعنت کا موجب رہی اور اب بھی ہر اس مقدس اور مطہر نبی نے جسکو خدا نے اپنے ہاتھ سے ہر ایک عیب سے پاک رکھا اور ہر ایک بدی کے بدنتایج پر اطلاع دی۔ اسلام کے بابرکت اصولون مین ممانعت شراب کا ایسا مقدس اصول جاری کیا کہ اس کی قوت قدسی کے سبب سے جو اُسکے پیروؤن مین متناطیس کی طرح اثر کر گئی آج تک شراب سے ایسی نفرت چلی جاتی ہے جیسے خنزیر سے۔ اور اگرچہ اور بہت سارے اخلاقی حالات مین مسلمان اس اعلے مقام سے گر گئے ہین جس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہین قایم کیا تھا۔ مگر شراب سے وہ اب بھی بہت ہی بچے ہوئے ہین۔ اگرچہ اب یہ بدی ان لوگون کے درمیان رواج پاتی جاتی ہے جو بزعم خود مغربی تہذیب کے پیچھے لگ کر مہذب بن گئے ہین یا بن رہے ہین۔ پس اگر شرابخوری ان قواعد کو توڑنیوالی ہو جو تمدن انسانی مین مرد و عورت کے میل جول مین ملحوظ رکھے جانے ضروری ہین اور تجربہ نے ثابت کر دیا ہے کہ بیشک شرابخوری کا مرض کل دنیا سے بڑھکر پھیلا ہوا ہے۔ اور سخت طاعون کی طرح نفوس کو ہلاک کر رہا ہے۔ بیشک یورپ ایسی جگہ ہے جہان ضرور ہے کہ انسانی تمدن اور انسانی اخلاق کے ان قواعد کو توڑا گیا ہو اور ان سے لاپروائی دکھائی گئی ہو۔ پس حقیقی معلم کا یہ فرض ہے کہ وہ مغرب کے تمدنی رواجون کو جو کثرت شرابخوری کے سبب سے نقصون سے خالی نہین ہو سکتے غور سے دیکھے اور امتحان کرے اور ان کی ظاہری کششون کا دلدادہ ہو کر دھوکہ مین نہ آجاوے۔

ان امور کو مدنظر رکھ کر یہ کہنا پڑتا ہے کہ مخالفین پردہ کی یہ کوشش کہ منسوخی پردہ کو ایک مذہبی فرض سمجھ لیا جاوے مضحکہ آمیز کوشش ہے۔ اور اگرچہ ہم نہین کہہ سکتے کہ محض انسانی کمزوری کی وجہ سے کسی مذہبی اصول پر کاربند نہ ہونیکا نتیجہ کسی شخص کے حق مین کیا ہوگا۔ مگر اس سے کسی کو انکار نہین ہو سکتا کہ جو شخص اسلام کے مذہبی اصولون کو جڑ سے اکھاڑنا چاہتا ہے اور کھلم کھلا ان کی تردید کرتا ہے اس کا مسلمان ہونیکا دعوے باطل ہے۔ لیکن اصل سوال سے اسکا کچھ تعلق نہین کیونکہ پردہ کے سوال کو ہم اسی حد تک محدود نہین رکھنا چاہتے کہ اسلام نے پردہ کا حکم دیا ہے بلکہ ہم پردہ کی ضرورت کو عقلی طور پر دیکھنا چاہتے ہین۔ سو سب سے اول سوال

یہ ہے کہ اس وقت کونسی ایسی تمدنی ضروریات اس امر کی مقتضی ہورہی ہین کہ پردہ کو دور
کیا جاوے - اس کے جواب مین مخالفین پردہ یا مخالفین اسلام کی طرف سے یہ جواب دیا جاویگا
کہ سب سے اول ضرورت رواج پردہ کو منسوخ کرنے کی یہ ہے کہ تا عورتین تعلیم حاصل کرسکین
اس کے متعلق ہم مضمون کے پہلے حصہ مین اعتراضون کا جواب دیتے ہوئے بیان کرچکے ہین -
کہ عمدہ سے عمدہ تعلیم جس کی اس وقت ضرورت ہے پردہ کے ساتھ بھی دیجا سکتی ہے اور
تعلیم کے لیے عورتون کی بے پردگی ضروری نہین ہے - سن بلوغ تک لڑکیان نہایت
عمدہ تعلیم حاصل کرسکتی ہین اور اس وقت تک ان کو پردہ کرنے کی ضرورت نہین ہے اور
اسکے بعد بھی اگر کوئی عورت اپنی تعلیم کو جاری رکھنا چاہے تو اس کے لیے نہایت آسانی
سے عمدہ سے عمدہ انتظام ہوسکتا ہے - مگر ہم پوچھتے ہین کہ اگر پردہ اٹھا دیا جاوے تو کیا
اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ہندوستان کی کل عورتین تعلیم حاصل کرنیکے قابل ہوجاوین گی اس
سوال کا جواب دینے سے پہلے مخالفین پردہ مردون کی حالت پر غور کرلین کہ ان مین سے
کتنے فیصدی تعلیم یافتہ ہین اور پھر کتنے فیصدی اعلے تعلیم یافتہ ہین - اگرچہ یہ دستور ہوگیا
ہے کہ مردون اور عورتون کے مقابلہ کے وقت مردون کو طرح طرح کے برُے نامون سے
یاد کیا جاتا ہے کہ انہون نے ظلم اور غضب کرکے عورتونکو عمداً ترقی سے روکا ہے اور اس کی
غرض محض اسیقدر ہوتی ہے کہ عورتونکو خوش کیا جاوے - لیکن اس سے کسی کو انکار نہین
ہوسکتا کہ دنیا کی تمام قومون کی ترقی کی تاریخون مین مرد ہمیشہ سے عورتونپر فوقیت رکھتے
رہے ہین اور کیا علوم مین اور کیا انسانی ترقی کی دوسری شاخون مین ہمیشہ سے عورتونسے
بہت ہی آگے بڑھے رہے ہین - پس قدرتی طریق ترقی کا یہی معلوم ہوتا ہے کہ اول مرد ترقی
کرین اور پھر عورتین - اس لیئے جہان ہم اس امر سے انکار نہین کرسکتے کہ عورتونکو تعلیم دینا
ضروری ہے - ساتھ ہی یہ جتا دینا بھی ضروری سمجھتے ہین کہ ابھی ہندوستان کی یہ حالت ہے کہ
نسبتاً ہمین مردونکی تعلیم پر زیادہ زور دینا چاہئے - کیونکہ جیسے جیسے مرد ترقی کرتے جائینگے -
عورتین بھی ترقی کرتی جاوین گی اور ان کی تعلیم لازمی طور پر مردون کی تعلیم کے ساتھ ساتھ
چلے گی - پھر دوسری وجہ منسوخی پردہ کی یہ بتائی جاتی ہے کہ عورت کو پردہ مین رکھکر اسکی
کام کرنے کی آزادی چھین لی جاتی ہے - مگر یہ بھی جیسا کہ پہلے دکھایا جاچکا ہے صحیح نہین ہر
شرعی پردہ عورتونکو کسی قسم کا کام کرنے یا تجارت کرنے یا ملازمت کرنے سے نہین روکتا -

اور یہ اعتراض محض غلط فہمی کیوجہ سے کیا جاتا ہے۔ یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ انگلستان مین جو عورتونکے لیے ملازمت اور اشتغال تجارت اور پیشہ وری کی زیادہ ضرورت محسوس کیگئی ہے اس کی خاص وجوہات ہین جو ہندوستان مین موجود نہین ہین۔ سب سے بڑی وجہ اس ضرورت کے پیدا کرنے والی انگلستان کی آبادی مین مردون کی نسبت عورتون کی تعداد کا زیادہ ہونا ہے۔ پس بموجب قاعدہ انگلستان کے سب عورتون کے لیئے مرد مہیا نہین ہو سکتے یعنے ایسے مرد جو اُن کو بیاہ سکین۔ اور اسلیئے جو عورتین زاید ہین وہ اپنے گذارہ کے لیئے مجبور ہین کہ نوکری یا تجارت کا پیشہ یا کوئی اور کام اختیار کرین۔ اسیطرح جیسے انگلستان مین جو عورتونکے پولٹیکل حقوق کا شور اٹھا ہوا ہے اس کی بڑی وجہ بھی یہی ہے کہ عورتونکو مردون کی طرح تجارت وغیرہ مین پورے حقوق نہین دیئے جاتے اور نہ ہی مزدوری کے وسیع میدان مین ان کو مردونکے برابر رکھا جاتا ہے۔ اگر انگلستان مین عورت کی راہ سے وہ روک اٹھا دیجاوے جو محض جنس عورت ہونے کی وجہ سے اسکے راہ مین ڈالی گئی ہے تو عورتونکو بھی اپنے پولٹیکل حقوق پر زور دینے کی کوئی ضرورت باقی نہین رہتی۔ لیکن انگلستان مین خواہ یہ کسی رنگ کا سوال ہو کسی سمجھ دار آدمی کی آج تک یہ رائے نہین ہوئی کہ ہندوستان مین بھی عورتون کو پولٹیکل حقوق دینے چاہئین پس کیون بیوجہ ہم یورپ کی تقلید کرکے اپنے آپ کو مصیبتون مین ڈالین۔ عورتین تو ایک طرف رہین ابھی تو ہندوستان کے مرد بھی اس قابل نہین سمجھے جاتے ہان جب کانگریس اپنی کوششون مین جو وہ مردونکے لیئے کر رہا ہے کامیاب ہو جاوے گا تو پھر عورتون کے حقوق کا بھی ایک کانگریس کھڑا کر دیا جاوے۔

الغرض اس وقت صرف اسیقدر ضرورت ہے کہ مروجہ پردہ کے تشدد کو دور کرکے اُسے اسلامی شرعی پردہ کے مطابق کیا جاوے۔ یہی امر فایدہ مند بھی ہوگا اور اسی کی ضرورت بھی ہے اور اس سے بڑھکر کسی بات کی لوگ برداشت بھی نہین کر سکتے اور یہی آخر کار قوم کی فلاح اور خوشحالی کا موجب بھی ہوگا۔ مخالفین پردہ کی تجاویز جو ہندوستان مین یورپ کی عورتون کا نقشہ دیکھنا چاہتے ہین مسلمانون کی حالت کے بالکل مطابق نہین ہین کیونکہ ایسے امور مین تو اگر کوئی تبدیلی ضروری بھی ہو تو وہ تدریجی ہی ہونی چاہیئے لیکن اس قسم کی تبدیلی کہ عورتونکو ان کی موجودہ حالت سے نکال کر

جس مین وہ بالکل بند ہین وہ پرلے درجہ کی آزادی دیجاوے جو بدقسمتی سے یورپ مین مروج ہورہی ہے کوئی عقلمند انسان قوم کے لیے مفید خیال نہین کریگا۔ ہم کہتے ہین کہ جایز اور ناجایز کے سوال کو چھوڑکر عورتون کی حالت مین یکایک ایسی تبدیلی کردینا قوم اور ملک کے لیے سوائے تباہی کے اور کوئی نتیجہ پیدا نہین کرسکتا۔ پس اگر بفرض محال یہ تسلیم بھی کرلیا جاوے کہ بےپردگی ہی ترقی کا معراج ہے تاہم اُس بےپردگی کا یہ وقت نہین ہے اور مخالفین پردہ کی ایسی تجاویز اسوقت محض جوش جذبات اور کوتہ بینی پر مبنی ہین بلکہ ان کی اپنی دلایل بھی انکی تجاویز کو باطل کررہی ہین۔ مثلاً مسٹر دلاور حسین کہتے ہین کہ عورتون کی تعلیم معمولی پردہ کی بجائے ایک اور مضبوط بناوٹ کا پردہ پیدا کردیگی اور انکے چال چلن اور سمجھ مین ایک ایسی مضبوطی پیدا کردے گی جو ظاہری پردہ سے بڑھکر ان کی عصمت کی محافظ رہے گی۔ اب اس دلیل کے مطابق اول تعلیم کا ہونا ضروری ہے اور جب وہ اعلے درجہ کی تعلیم عورتین حاصل کرلین جس کے متعلق تجربہ سے یہ ثابت ہوجاوے کہ اُسنے یہ نتایج پیدا کردیئے ہین تو پھر پردہ کو دور کرنا چاہیئے۔ لیکن اگر اس مضبوط بناوٹ کے پردہ کے پیدا ہونیسے پہلے جو عورتونکو تعلیم سے حاصل ہوگا پردہ کو دور کردیا جاوے تو مسٹر دلاور حسین ہی فرماوین کہ اسکا نتیجہ سوائے رسوائی کے اور کیا ہوگا۔ اسلیئے مخالفین پردہ کے اپنے دلایل کے مطابق بھی یہ وقت منسوخی پردہ کا نہین ہے۔ جب اعلے تعلیم حاصل کرکے عورتونکے اندر وہ چال چلن اور سمجھ کی مضبوطی پیدا ہوجاوے جو افسوس ہے ابتک مردونکے اندر باوجود اعلے تعلیم کے پیدا نہین ہوئی جو ان کی عصمت کی پوری پوری حفاظت کرسکے تو بیشک اسوقت یہ سوال غور طلب ہوگا کہ کیون پردہ کو دور نہ کیا جاوے۔ کیونکہ اس قدر تو مخالفین کو بھی تسلیم کریسے چارہ نہین ہے کہ محض پردہ کے دور کرنے سے ایک ایسے ملک مین جہان مردون کا کثیر حصہ ابھی تک ناخواندہ ہے کل عورتین تعلیم یافتہ نہین ہوسکتین اور جو تعلیم حاصل کرسکتی ہین وہ پردہ کے نیچے رہ کر بھی حاصل کرسکتی ہین بشرطیکہ دوسرے حالات مانع نہ ہون جو مردون کو مانع ہورہے ہین یہ صرف مخالفین پردہ کو اُنکے اپنے دلایل سے قایل کرنیکے لیے ہمنے لکھا ہے۔ ورنہ ہم اس امر کو تسلیم نہین کرتے کہ تعلیم سے ضرور سمجھ کی مضبوطی پیدا ہوجاتی ہے اور بغیر تعلیم کے مضبوطی نہین ہوسکتی جیسا مسٹر دلاور حسین کا دعوے ہے۔ اس دعوے کا ماحصل تو یہ ہوگا کہ آج سے

تین چار صدیان پہلے انگلستان کے مرد یا ایک صدی پہلی انگلستان کی عورتین بہ سبب تعلیم کے نہونیکے بہت بدچال چلن تھے یا آج سے پچاس سال پیشتر ہندوستان کے مرد اور عورتین زیادہ فسق و فجور مین مبتلا تھین اور ان کی اخلاقی حالتین بہت گری ہوئی تھین - یہ بالکل لغویات ہے - انگلستان مین بہت عرصہ تک تعلیم صرف کلیسیا کے پادریون تک ہی محدود تھی مگر اس سبب سے کہ اُنکو تجرد پر مجبور کیا جاتا تھا - ان لوگون مین عوام کی نسبت بہت بڑھکر فسق و فجور پھیلا ہوا تھا - حضرت مسیح علیہ السلام اور آپ کے حواری یا ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم آج کل کے کتابی علوم پڑھے ہوئے نہ تھے لیکن کوئی عیسائی یا مسلمان یہ نہین کہہ سکتا کہ ان امیون کی نسبت اس کے چال چلن کی مضبوطی اور تقدس بڑھکر ہین اس لیئے نہ تو اکیلی تعلیم مضبوطی کی شہادت ہے اور نہ تعلیم کا نہ ہونا کمزوری کا ثبوت ہے - مگر مسٹر دلاور حسین کے اپنے اقرار کے بموجب ہندوستان کے مردون اور عورتون کے چال چلن مین ابھی تک وہ مضبوطی پیدا نہین ہوئی جو انگلستان کے مردون اور عورتون مین ہے کیونکہ یہان بمقابلہ انگلستان کی تعلیم ابھی ابتدائی حالت مین ہے اور اس لیئے اس دلیل کے مطابق بھی وہ آزادی جس سے یورپ مین عورتین غیر محرم مردون کے ساتھ ملتی ہین - ہندوستان مین مروج نہین ہونی چاہیئے یا کیا مسٹر دلاور حسین کا یہ منشاء ہے کہ جو کوئی موہوم فایدہ عورتون کو تعلیم سے حاصل ہوگا اسکے حاصل کرنیکے لیے اگر زناکاری پھیل بھی جائے تو کوئی ہرج نہین ہے - وہ غور کر کے دیکھین کہ ان کی دلایل ان دونون نتایج مین سے ایک نتیجہ پر ضرور پہنچاتی ہین - انگلستان نے جو کچھ حاصل کیا ہے وہ تدریجی ترقی سے حاصل کیا ہے - اور ان تمام فواید کو جو ایک قوم نے صدیون کی ترقی مین حاصل کیے ہین چند دنون یا سالون مین حاصل کرنے کی کوشش کرنا عبث ہے - یہ محض جلدبازی ہے جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ملک کے تمام تمدنی اصول زیر و زبر ہو کر ابتری کی حالت پیدا ہو جاوے گی - پس کسی طرح پر بھی اس وقت پردہ کی منسوخی کی تجویز قابل تائید نہین - نہ اسلامی تعلیم کی رو سے نہ عقل اور تجربہ کے رو سے ہان اگر بجائے ان فضول تحریکون کے یہ کوشش متفق ہو کر کیجاوے کہ جہان تک شرعی پردہ سے بڑھ کر ہندوستان کے مروجہ پردہ مین تشدد ہے اس کو دور کیا جاوے تو یہ ایک ایسی کوشش ہوگی جس مین سارے سچے بہی خواہان قوم مرد اور ہمدردی کے لیے تیار ہونگے -

اس کے بعد اب ہم عام دنیا کی حالت کو دیکھ کر پردہ کی ضرورت پر مختصراً کچھ بیان کرینگے -

اور یہ بھی دیکھین گے کہ آیا مغربی سوسائیٹی مین اس کا رواج اُن قومون کی نقصون اور غلطیون
کے دور کرنے کا ذریعہ ہوسکتا ہے یا نہین۔اس مضمون کے لیے بطور تمہید حضرت مرزا صاحب
کی وہ نصیحت جو انہون نے بمقام لاہور آریہ سماجیون کو کی۔نہایت ضروری ہے اور اگرچہ وہ
سال گذشتہ مین آپ کے لاہور والے لیکچر کے اثناء مین چھپ چکی ہے لیکن اس کی اہمیت
کی وجہ سے اس کا پھر ذکر کرنا ضروری ہے۔آریہ سماج کو نیوگ کی غلطی پر آگاہ کرنیکے بعد
آپنے اِن الفاظ مین سماج کو خطاب کیا:۔

"ساتھ ہی مین ایک اور عرض کے لیے جرأت کرتا ہون کہ گو آریہ صاحبون کو اس زمانہ
مین مسلمانون سے کیسی ہی نفرت ہے اور اسلام کے عقاید سے کیسی ہی بیزاری ہے مگر برائے
خدا وہ پردہ کی رسم کو بکلی الوداع نہ کہدین کہ اس مین بہت سی خرابیان ہین جو بعد مین معلوم
ہون گی۔یہ بات ہر ایک فہیم انسان سمجھ سکتا ہے کہ بہت سا حصہ انسانون کا نفس امّارہ کے
ماتحت چل رہا ہے اور وہ اپنے نفس کے ایسے قابو مین ہین کہ اس کے جوشون کے وقت کچھ بھی
خدا تعالی کی سزا کا دھیان نہین رکھتے۔بہت سے مرد جوان اور خوبصورت عورتون کو دیکھکر
بدنظری سے باز نہین آتے اور ایسے ہی بہت سی عورتین ہین کہ خراب دلی سے بیگانہ مرد کی
طرف نگاہین کرتی ہین۔اور جب فریقین کو باوجود ان کی اس خراب حالت مین ہونے کے
پوری آزادی دیجاوے تو یقیناً ان کا وہی انجام ہوگا جیسا کہ یورپ کے بعض حصون سے
ظاہر ہے۔ہان جب یہ لوگ درحقیقت پاک دل ہو جائینگے۔اور ان کی امارگی جاتی رہیگی
اور شیطانی روح نکل جائے گی اور ان کی آنکھون مین خدا کا خوف پیدا ہو جائیگا اور ان کے
دلون مین خدا کی عظمت قایم ہو جائے گی اور وہ ایک پاک تبدیلی کر لینگے۔اور خدا ترسی کا ایک
پاک چولا پہن لین گے تب جو چاہین سو کرین کیونکہ اس وقت وہ خدا کے ہاتھ کے کھوجے ہونگے
گویا وہ مرد نہین اور ان کی آنکھین اس بات سے اندھی ہونگی کہ نامحرم عورت کو بدنظری سے
دیکھ سکین یا ایسا بدخیال دل مین لا سکین۔مگر اے پیارو خدا آپ تمہارے دلون مین الہام
کرے ابھی وہ وقت نہین کہ تم ایسا کرو اور اگر ایسا کروگے تو ایک زہرناک بیج قوم مین پھیلاؤگے
یہ زمانہ ایک ایسا نازک زمانہ ہے کہ اگر کسی زمانہ مین پردہ کی رسم نہ بھی ہوتی تو بھی اس زمانہ
مین ضرور ہونی چاہیئے تھی۔کیونکہ کلجگ ہے اور زمین پر بدی اور فسق و فجور اور شراب خوری
کا زور ہے اور دلون مین دہریہ پن کے خیالات پھیل رہے ہین اور خدا تعالے کے احکام

کی دلون مین سے عظمت اٹھ گئی ہے زبانون پر سب کچھ ہے اور لیکچر بھی منطق اور فلسفہ سے بھرے ہوئے ہین مگر دل روحانیت سے خالی ہین ایسے وقت مین کب مناسب ہے کہ اپنی غریب بکریون کو بھیڑیون کے بنون مین چھوڑ دیا جاوے؟ یہ ہے پردہ کی سچی ضرورت اور اس کا صحیح فلسفہ۔ کیونکہ کوئی شخص اس سے انکار نہین کرسکتا کہ اگر ایک عورت اور ایک مرد نفسانی جذبات سے پاک نہین تو ان کو یہ موقعہ دینا کہ وہ آپس مین بے تکلف ملین جلین گویا خود ان کو بدکاری کی ترغیب دینا اور ان کے شہوات کو بھڑکانا ہے۔ پس جو سوسائٹی ایسے لوگون سے خالی نہین ہے اسکے لیے پردہ ایک نعمت ہے۔ اور جبتک لوگون مین ناپاک خیالات موجود ہین تب تک انکے ساتھ اس قسم کے مواقع دیدینا جیسا کہ بے پردگی اور مردون اور عورتون کا کھلا میل جول یقیناً مہیا کرتا ہے خود ان ناپاک خیالات کو عملی صورت مین لاکر بدکاری کے پھیلانیکا ذریعہ بنتا ہے۔ پس جبتک پہلے کوئی ایسی سوسائٹی نہ دکھائی جاوے جسکے تمام افراد ہر ایک قسم کے نفسانی جذبات اور شہوانی خیالات سے بالکل پاک ہوچکے ہون۔ اس وقت تک پردہ کے اٹھانے پر زور دینا بدکاری کی اشاعت کی تجویز کرنا ہے۔ درانحالیکہ یہ بھی ہم دکھا چکے ہین کہ پردہ عورت کو تعلیم حاصل کرنے اور کاروبار کرنیسے نہین روکتا ہے۔ پس پردہ کا وجود تو ایک ایسا عجیب و نافع وجود ہے کہ جس مین سراسر فایدہ ہی فایدہ ہے اور کوئی پہلو نقصان کا نہین۔ حالانکہ سوسائٹی کی اخلاقی حالت کی بہتری کے لیے اس کا فایدہ ایسا عظیم الشان ہے کہ اگر اسکے اختیار کرنے مین کوئی چھوٹا موٹا نقصان ہوتا تو بھی اُسے چھوڑنا نہین چاہیے تھا۔ اسی اصول پر قرآن کریم پردہ کا حکم دیتا ہے اور جو لوگ اسوقت پردہ کی مخالفت کررہے ہین کوئی ان مین سے یہ نہین دکھا سکتا کہ اسوقت اس ملک کے کُل نہ سہی اکثر لوگون کی ہی یہ حالت ہے کہ وہ نفسانی جذبات سے بالکل پاک ہین اور انکے سامنے عورتین زیب و زینت کرکے نکلین تو انکے دلون مین کوئی ناپاکی کا خیال بھی نہین گذرے گا۔ یہ ایک ایسا سوال نہین کہ محض مباحثہ کی جیت کے خیال سے یا ہار کے ڈر سے جو جواب دل مین آوے دیدیا جاوے۔ کیونکہ اسکا اثر صرف مباحثہ کرنے والے فریقین پر ہی نہین پڑتا ہے بلکہ ایک عظیم الشان قوم کے فوایدکو مدنظر رکھکر اسکا جواب دینا چاہیئے اور فوایدبھی وہ جنکے مقابل مین مالی فوایدہیچ ہین۔ ایسے مباحثہ مین سچائی اور اخلاص سے کام لینا چاہیئے ہان ہم چاہتے ہین کہ مخالفین پردہ مین سے ایمانداری سے کوئی ہمین یہ بتاوے کہ کسی خاص سوسائٹی کے ساتھ اندرونی اور گہرے تعلقات کے سبب سے وہ یقینی اور قطعی علم سے یہ دعوے کرسکتا ہے کہ وہ سوسائٹی بدخیالات سے بالکل پاک ہے اور نفسانی جذبات اسکے مردہ ہوچکے ہین اور بڑے سے بڑے امتحان کے موقعہ پر جہان انسان کو لغزش

کا احتمال ہو سکتا ہے اسکے افراد ٹھوکر کھانے سے بچے رہین گے - انگریزی سوسائیٹی کی کیرکٹر کے
بہت سے ایسے پہلو ہین جو واقعی قابل تعریف ہین اور ہندوستانیون سے بدرجہا بڑھکر ہین لیکن ہم
یہ کہنے کے لیے تیار نہین کہ جذبات اور خواہشات نفسانی کے معاملہ مین یہ سوسائیٹی اس اعلیٰ مقام
پر پہونچ چکی ہے - کہ جہان کوئی ناپاکی کا خیال اس کے دل مین نہ آوے اور اسلیئے ہر ایک معاملہ مین اور
پھر مرد اور عورت کے کھلے میل جول کے معاملہ مین اس کی اندھا دھند تقلید کرنا عقلمند انسان کا
کام نہین بلکہ حق یہ ہے کہ پہلے ہم اطمینان کرلین کہ اس کے کسی رواج کو اختیار کرنیسے ہماری قوم
کی تمدنی زندگی پر اس کا کیا اثر ہوگا -

ہم نے یہ دعوے کیا ہے کہ انگریزی سوسائیٹی بھی ان نقصون سے خالی نہین جو بے پردگی
کا نتیجہ ہوتے ہین اور یورپ کی تمدنی زندگی سب سے زیادہ اس امر کی محتاج ہے کہ وہان پردہ کو رواج
دیا جاوے اور اس دعوے کے دلایل ہمارے پاس موجود ہین شاید اس سے کسی کو انکار نہ ہوگا -
کہ شراب اور مسکرات کا استعمال یا کم از کم ان کا حد اعتدال سے بڑھکر استعمال حیا اور شایستگی کے
خیال کو تباہ کرنے والا ہے اور نفسانی جذبات کی آگ پر تیل کا کام دیتا ہے اسلیے انگریزی سوسائیٹی
کے پرکھنے کے لیے پہلی محک ہم شرابخوری کو ہی قرار دیتے ہین کیونکہ یہ ایک ایسی محک ہے جس سے
مخالفین پردہ بھی انکار نہین کر سکتے - پس ہم یہ دیکھنا چاہتے ہین کہ آیا کثرت شرابخوری کی وجہ
سے اس قوم کے متعلق ہمارا یہ کہنا کہ وہ نفسانی جذبات اور اُن بدیون سے خالی نہین جو نفسانی
جذبات کے بھڑکنے کا نتیجہ ہوتی ہین صحیح ہے یا نہین - شرابخوری کے معاملہ مین ان لوگون کی رائے کو ہم
کئی دفعہ بیان کرچکے ہین جو بعض وجوہات کے سبب سے انگریزی سوسائیٹی مین کسی عیب کے تسلیم کرنے
مین سب سے پیچھے ہونے چاہیئن مگر ان لوگون نے بھی یہ تسلیم کیا ہے کہ کثرت شرابخوری مین قمار بازی
مین اور زناکاری مین عیسائی قومین دنیا کی تمام قومون سے اول نمبر پر ہین لیکن اسوقت یہ زیادہ
مناسب معلوم ہوتا ہے اور ساتھ ہی بطور دلیل اس کا اثر بھی زیادہ ہوگا کہ ہم واقعات اور فہرستونکو
پیش کرین جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ نہ صرف انگلستان کثرت شرابخوری مین ہی مبتلا ہے بلکہ دن بدن
اس مین ترقی ہو رہی ہے اور بڑی کوشش اُسکو کم نہین کرسکی - مندرجہ ذیل اندازے انسکلوپیڈیا برٹینیکا
سے لیے گئے ہین - انگلستان اور ویلز مین جہان دوسرے جرایم روبہ کمی ہین کثرت شرابخوری کا
جرم سنہ ۱۸۵۷ء سے ۱۵ فیصدی بڑھ گیا ہے - سنہ ۱۸۷۰ء سے ۱۸۸۱ء تک بحساب اوسط ۱۰۷۱ موتین سالانہ
محض شرابخوری سے ہوتی تھین اور حالانکہ یہ تعداد بھی ایک اجنبی کو چونکا دینے والی ہے کیونکہ جہان

اس قدر موتین محض شرابخوری سے اور بلا شرکت کسی دوسرے سبب کے واقع ہوں وہاں شرابخوری اندرونی طور پر معلوم نہیں کیا کیا تباہیاں پیدا کر رہی ہو گی لیکن ۱۸۹۹ء کی تعداد کو دیکھکر انسان اور بھی حیران ہوتا ہے کیونکہ اس سال موت کے اسباب مین سے خالی شرابخوری کی وجہ سے ۲۸۷۱ موتین واقع ہوئین گویا بیس سال کے عرصہ مین تگنی موتین ہو گئین۔ کیا شرابخوری کی اس ترقی سے مغربی تہذیب کے حامیوں کے بدن پر کبھی رونگٹے کھڑے نہیں ہوتے۔ یا کیا ہم یہ فرض کر لین کہ یہ سوسائیٹی ضرور نفسانی جذبات سے خالی ہو گی جہان اسقدر شراب پی جاتی ہے کہ تین ہزار آدمی ہر سال محض شراب زیادہ پینے کیوجہ سے مرجاتے ہین اور ہر ہزار مین سے سات پر فوجداری مقدمے اسوجہ سے ہوتے ہین کہ وہ کثرت میخوری کرکے سوسائیٹی کے امن مین خلل ڈالتے ہین پھر جہان ۱۸۶۰ء مین بحساب اوسط انگلستان مین ہر ایک فرد ایکسال مین ۲۸٫۵۹ گیلن* بیر (جو کی شراب) - ۰٫۹۷ گیلن خالص سپرٹ یعنی روح شراب اور ۰٫۲۵ گیلن شراب پیتا تھا۔ سنہ ۱۹۰۰ء مین ان مسکرات کا خرچ اور بھی بڑھ گیا اور اس سال مین بحساب اوسط ہر ایک فرد نے ۳۱٫۷ گیلن بیر (جو کی شراب) ۱٫۱۲ گیلن روح شراب اور ۰٫۳۹ گیلن شراب پی۔ سپرٹ سے مراد شراب کا روح ہے جو شراب مین صرف ⅙ حصہ ہوتا ہے اور جو کی شراب مین ⅟۱۲۔ اسی طرح ۱۸۶۰ء مین ہر ایک باشندہ انگلستان شرابخوری پر بحساب اوسط ۲ پونڈ ۱۸ شلنگ - ۱ پنس یعنی ۴۴ روپے ۱۰ آنے سالانہ خرچ کرتا تھا مگر سنہ ۱۹۰۰ء مین ہر فرد کا خرچ شراب پر تین پونڈ ۱۸ شلنگ ۸ پنس ہوتا تھا یعنی ۵۹ روپے سالانہ یا پانچ روپے ماہوار جو ایک غریب مزدور ہندوستان مین سارا دن ٹوکری اٹھا کر کماتا اور اس سے اپنے سارے کنبے کو پالتا ہے۔ یہ بھی یاد رکھنا چاہئیے کہ اوسط کے نکالنے مین چھوٹے بچے اور ہر قسم کے لوگ شامل کر لیے جاتے ہین اور اگر ایسے افراد نکال دیئے جاوین تو...... خطرناک خرچ شراب کا اس مہذب ملک مین نظر آتا ہے۔ ان اعداد کو دینے کے بعد انسکلو پیڈیا برٹینیکا لکھتا ہے کہ "اس شراب کے خرچ مین بڑا حصہ وہ ہے جو حد اعتدال سے گذرا ہوا ہے اور اس بات کا کبھی کسی نے انکار نہیں کیا۔ مسٹر ڈڈلے سنہ ۱۸۶۹ء کے اعداد کو حساب لگا کر یون تقسیم کرتا ہے کہ خالص شراب مین سے ۳۸ فیصدی اور جو کی شراب مین سے ۲۲ فیصدی اس سال کثرت شرابخوری پر ضایع ہوا۔ اسلیے اگر اسوقت ہم یہ خیال کرکے کہ روپیہ عام طور پر زیادہ ہو گیا ہے اور اسلیے اعتدال سے شراب پینے والے زیادہ ہونگے (حالانکہ یہ محض خوش فہمی کا نتیجہ ہے) ان نسبتونکو اسقدر کم کر دین کہ کثرت شرابخوری مین اسوقت خالص شراب مین سے تیس فیصدی اور جو کی شراب مین سے ۲۵ فیصدی پی جاتی ہے تو معلوم ہو گا کہ

* ایک گیلن قریباً پانچ سیر پختہ کا ہوتا ہے

سنہ ۱۹۰۸ء مین تین کروڑ نو لاکھ پونڈ یعنی ساڑھے اٹھاون کروڑ روپیہ صرف اس قسم کی شرابخوری مین ضایع ہوا جس کو حد اعتدال سے گذری ہوئی کہا جاتا ہے" شراب کی دُکانون کی تعداد کا اندازہ کسی قدر اس سے لگ سکتا ہے کہ باوجود شرابخوری کی ترقی کے دس ہزار شراب کی دُکان سنہ ۱۸۷۶ء سے سنہ ۱۸۹۶ء تک بیس سال کے عرصہ مین نابود ہو گئی ہے۔ لیکن ان دس ہزار دکانون کے کم ہونیکا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ باقیماندہ شراب کی دُکانین جن کی کثیر تعداد کا اندازہ اسی سے لگ سکتا ہے بہت وسیع ہو کر عظیم الشان شراب کے محل بنگئے ہین

اب یہ ان لوگون کی تمدنی زندگی مین جو اپنے تمدنی حالات پر فخر کر رہے ہین ایک افسوسناک واقع ہے۔ اور یہ کافی نہین ہے کہ اپنی بڑائیون کا ذکر کرتے ہوئے اسکا نام تک بھی نہ لین۔ شرابخوری کی یہ کثرت سوسائیٹی کو تباہ کر رہی ہے اور اس سے بڑھکر اور کیا حماقت ہوسکتی ہے کہ یہ سمجھ لیا جاوے کہ اس شراب سے تباہ شدہ سوسائیٹی مین غیر محرم مردون اور عورتون کا کھلا میل جول اور ایک دوسرے کے ساتھ بلا تکلف چلنا پھرنا کچھ بد نتایج پیدا نہین کرتا۔ ایک چھوٹا سا نتیجہ اس کا تو یہ بھی ہے کہ عورتین بھی کثرت شرابخوری مین مبتلا ہو رہی ہین۔ مسلمان ملکون مین جہان پردہ کا رواج ہے یہ ایک حیرتناک بات معلوم ہوگی لیکن انگلستان مین مرد اور عورت شرابخوری مین یکسان ہین اور عورتین شرابخوری مین دن بدن مردون کی نسبت بھی زیادہ ترقی کر رہی ہین۔ سنہ ۱۸۷۶ء مین ان اموات مین جو شرابخوری سے واقع ہوئین ۶۹ فیصدی مرد تھے اور ۳۱ فیصدی عورتین تھین لیکن سنہ ۱۸۹۹ء مین جہان ایکطرف کل موات کی تعداد قریباً دگنی ہوگئی۔ عورتون کی نسبت اموات مردون کی نسبت ترقی کر گئی۔ چنانچہ اس سال مین کل اموات مین سے ساٹھ فیصدی مرد رہ گئے اور عورتین بجائے ۳۱ کے چالیس فیصدی ہو گئین۔ عورتونکا شرابخوری مین مبتلا ہونا اور پھر تہذیب کی ترقی کے ساتھ ساتھ یہ ترقی کرنا ڈرا دینے والی بات ہے مگر مدّاحان مغربی تہذیب ہین کہ خوشی سے ان باتون مین بھی مغرب کی نقل کر کے مسلمان سوسائیٹی کو تباہ کرنا چاہتے ہین اگر اموات شرابخوری مین ہر ایک جنس کی اموات کی دس لاکھ زندون سے نسبت لیجاوے تو جہان مردون مین شرابخوری کی اموات بحساب ستاسی فیصدی گذشتہ بیس سال مین بڑھ گئی ہین۔ عورتون مین ان اموات کی ترقی ۱۸۰ فیصدی نظر آتی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شرابخوری کی اس لعنت مین عورتین مردون کی نسبت بھی تیزی سے مبتلا ہو رہی ہین۔ اور یہ آگ ایسی حیرت انگیز ترقی کر رہی ہے کہ ایک دن اس کا بجھانا سخت ترین مشکلات مین سے ہو جاویگا۔ پردہ کے مخالفین پردہ کو بدی تو قرار دیتے ہین مگر یہ بدی ہی اچھی ہے جو ہزارہا برکات کا موجب ہو رہی ہے اور بہت ساری لعنتون سے قوم کو آزاد رکھتی ہے اور ایک چھوٹی سی برکت اس کی یہی ہے کہ جہان عورتین پردہ مین ہین وہ شراب

کی شکل تک سے بھی واقف نہین ہین اور پردہ مین رہکر وہ اس ابتلا مین پڑنیسے بالکل محفوظ ہین افسوس ہے ان لوگون پر جو عورتون کے حامی بن کر بے پردگی کی بیہودہ تجویز کو پیش کرتے ہین مگر بے پردہ قومونکو یہ نہین بتاسکتے کہ شراب خوری کی لعنت کو عورتون کے اندر سے دور کرنے کا کیا ذریعہ ہے۔ کیا اُن کا دل کبھی نہین دکھتا کہ یہ ۱۲۰۰ عورتین جو ہر سال انگلستان مین صرف شراب خوری کی وجہ سے مرتی ہین اُنکے ساتھ کوئی بھی ہمدردی کرنی چاہیئے اور جہان اس قدر عورتین محض شراب خوری سے ہلاک ہو رہی ہین آسانی سے قیاس کیا جاسکتا ہے کہ کتنی عورتین ایسی ہونگی جن کی زندگی کو شراب نے اندرونی طور پر تباہ کر دیا ہے۔ ہائے افسوس کہ اسیکا نام عورتون کی آزادی رکھا جاتا ہے کیا آزادی کا یہی مفہوم ہے کہ انکو ہر قسم کی بدیون کی قید مین پھنسایا جاوے اور تعجب ہے کہ جہان اصلاح کا اسقدر شور ہو رہا ہے یہ کبھی خیال نہین کیا جاتا کہ اس تمدنی لعنت یعنی شراب خوری اور پھر عورتون کی شراب خوری کی اصلاح کن ذریعون سے ہوسکتی ہے جو تہذیب کو کیڑے کی طرح لگی ہوئی ہے اور اس کی بنیادون کو کھوکھلی کر رہی ہے۔ بینک سوسائیٹی کی بنیاد مین یہ وہ نظرون سے چھپا ہوا عیب ہے جس کا اگر علاج نہ کیا گیا تو ایک دن سوسائیٹی کی تمام عمارت کو تہ و بالا کر دے گا۔ عورتون کی شراب خوری ان کی حد درجے کی آزادی کا کھلا کھلا نتیجہ ہے اور اس بدی کے انگلستان مین اس کثرت سے پھیلے ہوئے ہونیکے ساتھ یہ دعوے کہ انگریزی سوسائیٹی ان بدخیالات سے پاک ہے جو غیر محرم مردون اور عورتون کے کھلے میل جول سے پیدا ہوتے اور پھر ایک خطرناک عملی صورت اختیار کرتے ہین۔ ایسا دعوے اگر دیوانہ کی بڑ نہین تو اور کیا ہے کیونکہ واقعات تو صاف کہہ رہے ہین کہ انگریزی سوسائیٹی مین اور اسی طرح یورپ کی ہر ایک مہذب سوسائیٹی مین وہ اسباب موجود ہین جو مرد و عورت کی شہوتون کو ابھارنے اور نفسانی جذبات کو جوش مین لانے کا ذریعہ اور نہایت خطرناک ذریعہ ہوسکتے ہین پس ان بدخیالات اور نفسانی جذبات کا موجود ہونا جس پر شراب خوری ایک مضبوط گواہ ہے یہ چاہتا ہے کہ عورتون کو غیر محرم مردون کے ساتھ اس آزادی سے ملنے جلنے کی اجازت نہین ہونی چاہیئے کیونکہ اگر وہ ملین گے تو یہ جذبات اور بھی جوش مین آوین گے اور اس طرح اخلاقی حالتین کبھی کمال تک نہین پہنچ سکتین۔

جو لوگ ان نقصانات کو محسوس کر رہے ہین جو کثرت شراب خوری کی وجہ سے یورپ مین پیدا ہو رہے ہین وہ اس مغالطہ مین پڑے ہوئے ہین کہ اس بدی کا علاج ٹمپرنس سوسائٹیونکے قایم کرنے سے ہوسکتا ہے یعنے ایسے مجالس کے قایم کرنیسے جو حد اعتدال تک شراب پینے کو جایز رکھین اور حد اعتدال سے گذرنیوالون کو روکین لیکن امر واقع یہ ہے کہ ایک طرف ٹمپرنس سوسائیٹیان برساتی....

کیڑون کی طرح پیدا ہو رہی ہین اور دوسری طرف شراب خوری دن بدن زیادہ ہولناک صورت اختیار کرتی جاتی ہے اور بتدریج ترقی کی طرف چلی جارہی ہے۔ کیا اس سے ٹیمپرنس سوسائیٹیوں کی ناکامی کافی طور پر ثابت نہین ہوتی۔ کاش کہ یہ ٹیمپرنس سوسائیٹیان اس بدی کے کم کرنے مین اور خصوصًا عورتون مین کم کرنے مین کچھ اثر دکھاتین۔ مگر یہ کیونکر ہو سکتا ہے جب اصل اسباب کثرت شراب خوری کی طرف توجہ نہین کی جاتی محض مضمون لکھنے اور لیکچر دینے سے کچھ نہین ہوتا بلکہ اصل اسباب تلاش کر کے ان کو جڑ سے کاٹنا چاہئیے۔ خواہ جو کچھ ہم کہین اسکو اچھا سمجھا جاوے یا بُرا سمجھا جاوے ہم حق بات کہنے پر مجبور ہین اور اگر مغربی قومین اور پھر مغربی تہذیب کے دلدادہ اس وقت اسکو نہین سمجھینگے تو زمانہ اور تجربہ خود ان کو سمجھا دیگا کہ مردون اور عورتون کا کھلا میل جول جو یورپ کی ہر سوسائیٹی مین ہو رہا ہے کثرت شراب خوری کا بڑا محرک ہے کیونکہ اس سے کسی کو انکار نہین ہو سکتا کہ شراب نفسانی جذبات کے ابھارنے والی ہے اور مردون اور عورتون کا کھلا میل جول اس امر کا مقتضی ہے کہ شہوات نفسانی ان پر غالب رہین اور اس کا ایک ذریعہ بلکہ سب سے بڑا ذریعہ شراب خوری ہے پس عورتون کی بے پردگی اور شراب خوری ایک دوسرے کے ساتھ بطور لازم ملزوم کے وابستہ ہین اور ایک کی ترقی دوسرے کی ترقی کو چاہتی ہے کیونکہ نتیجہ دونون کا ایک ہے۔ یہی حکمت تھی کہ قرآن کریم نے جب شراب خوری سے روکا تو ساتھ یہ حکم بھی دیدیا کہ عورتین پردہ کیا کرین۔ کیونکہ اگر ان دونون طریق مین سے ایک کھلا رہیگا تو دوسرا خود بخود کھل جائیگا پس شراب خوری سے انسان کبھی نہ رک سکتے تھے جب تک کہ مردون اور عورتون کے کھلے میل جول کو بند نہ کیا جاتا۔ یہی وجہ ہے کہ شراب خوری مسلمانون کے درمیان ہمیشہ بہت ہی نادر رہی ہے۔ عیسائی صاحبان کو کافی تجربہ اسبات کا ہو چکا ہے کہ یہ دونون بدیان یعنی شراب خوری اور بے پردگی ایک ساتھ ترقی کرتی ہین اور جبتک کہ مردون اور عورتون کے بیجا میل جول کو نہ روکا جاویگا شراب خوری کی برائیون پر وعظ کرنے کا کچھ اثر نہین ہو سکتا۔ پس جبتک بے پردگی کا علاج نہ کیا جاوے گا شراب خوری کا بھی کوئی علاج نہین ہو سکتا اور اس وقت تک ہرگز دلون مین وہ پاکیزگی نہین آسکتی جس کے بغیر انسان جذبات نفسانی کا مطیع اور غلام ہو کر رہتا ہے۔

پردہ کے نہ ہونے سے ایک اور بدی جو پیدا ہوتی ہے وہ زناکاری کی کثرت ہے۔ اس بات سے کسی کو انکار نہین ہو سکتا کہ اگر زنا کے دوسرے موجبات ایک ہی جیسے موجود یا غیر موجود ہون تو جسقدر زیادہ مواقع اس بدی کے پیدا ہونیکے دیئے جاوین گے اتنی ہی اس کی کثرت بھی ہوگی۔ اس لیے خواہ کوئی سوسائیٹی کیسی ہی تعلیم یافتہ ہو پردہ کا یہ فایدہ ضرور ہوگا کہ زناکاری کا موقعہ بہت ہی کم

ہوجائیگا اور اس طرح پر زناکاری بھی کم ہوگی۔ یورپ کی سوسائیٹی مین اور علے ہذا القیاس انگریزی سوسائیٹی مین اس بدی کا بہت زور ہے جس سے پردہ کی ضرورت صاف صاف ثابت ہورہی ہے اس جگہ شراب خوری کی طرح فہرستین تو ہاتھ نہین لگ سکتین لیکن جس قدر ولد الحرام بچے یورپ مین پیدا ہوتے ہین اس سے اسکا کسیقدر اندازہ لگ سکتا ہے مگر یہان ایک اور مشکل ہے انگلستان یا یورپ کے قانون کے روسے خواہ کوئی عورت مرد و عورت کے ناجایز تعلق سے ہی حاملہ ہو مگر اگر وہ بچہ کے پیدا ہونے سے پہلے پہلے شادی کرلے تو بچہ ولد الحرام نہین کہلائے گا۔ بلکہ یورپ کے بعض ملکون اور سکاٹلینڈ کے قانون کے روسے تو اگر کسیوقت بھی خواہ پیدایش سے پہلے اور خواہ پیچھے مرد و عورت نکاح کرلین تو انکے ناجایز...... تعلق سے جسقدر اولاد پیدا ہوئی تھی وہ سب کی سب جایز سمجھی جاوے گی اور اسپر ولد الحرام کا اطلاق نہین ہوگا۔ اس طرح بہت سے بچے جو ہماری اصطلاح مین ولد الحرام کہلائین گے۔ یورپ مین ان کو جایز اولاد تصور کیا جائیگا لیکن ولد الحرام کے ان عجیب معنونکے ساتھ بھی یورپ کی ہر ایک سوسائیٹی مین ایک خاصی تعداد ایسے بچون کی ہوتی ہے انگلستان مین اندازہ کیا گیا ہے کہ ۶ء۱ فیصدی پیدایشین ناجایز طریق سے ہوتی ہین یعنی ہر ہزار مین سے ۶۵ بچے ولد الحرام ہوتے ہین دوسرے ممالک یورپ کی فہرستین حسب ذیل ہین:۔ فنلینڈ۔ بلجیم۔ سسلی۔ فرانس مین ۸ ر ۷ فیصدی۔ پرشیا مین ۷ سے ۸ فیصدی۔ اسٹریا ناروے۔ سکاٹلینڈ ۹ فیصدی۔ ڈنمارک۔ سویڈن۔ ہنوور۔ آیس لینڈ۔ سیکسنی مین ۱۵ فیصدی۔ ورٹم برگ اور بویریا مین ۲۰ فیصدی یا پانچوان حصہ۔ یورپ کے بڑے بڑے شہرون مین ایسی ناجایز پیدایشون کی نسبت خطرناک طور پر بڑھی ہوئی ہے ۱۸۸۰ء مین شہر پیرس مین جو تہذیب کا بڑا مرکز ہے ۵ ر ۲۶ فیصدی پیدایشین ناجایز طریق سے ہوئین یعنی ایک چوتھائی سے زیادہ۔ واینا مین جو آسٹریا کا دار الخلافہ ہے ۷ ر ۵۱ فیصدی بچے زنا سے پیدا ہوئے یعنی نصف سے بھی زیادہ میلان مین ۷ ر ۴۳ فیصدی اور پراگ مین ۷ ر ۴۶ فیصدی پیدایشین اسی طریق سے ہوئین۔ یہ اعداد انسکلوپیڈیا بریٹینیکا سے لیے گئے ہین اور جو یورپ کی سوسائیٹی کی خطرناک حالت انسے معلوم ہوتی ہے وہ محتاج بیان نہین ہے اور جس بلند آواز سے وہ پردہ کی ضرورت کو بتلا رہی ہے، خود ظاہر ہے۔ ہم خیال نہین کرتے کہ جو لوگ انسانی ہمدردی کا دعوے کرتے ہین وہ آنکھین بند کرکے ایسے رواجون کی تائید کرینگے جو سوسائیٹی کو تباہ کررہے ہین اور ان باتونکو جو سوسائیٹی کیلیے مفید ہین محض اس لیے رد کردین گے کہ عام لوگونکے دلو نمین انکا تعصب ہے۔ یہ سچ ہے کہ اگر تعصب کے

رنگ دار شیشون مین سے دیکھا جاوے تو پردہ ایک برائی معلوم ہوتا ہے۔ لیکن اگر تعصب کے دھندلاپن کو دور
کرکے پردہ کی حقیقت پر غور کیا جاوے تو اس سے بڑھکر سوسائیٹی کے لیے اور کوئی مفید امر ثابت نہ ہوگا۔
پردہ کی عدم ضرورت ثابت کرنیکے لیے یہ کہا جاتا ہے کہ تعلیم چال چلن مین وہ قوت پیدا کرنیکے لیے کافی
ہے جس سے انسان ہر ایک برائی سے بچ سکتا ہے لیکن جسقدر نتایج تعلیم سے پیدا ہو چکے ہین اُنپر
غور نہین کیا جاتا مغرب کی اعلے سے اعلے تہذیب نے جہان تعلیم بھی عام ہے ابتک کونسا کام کیا ہے یہی
کہ تہذیب کے بڑے بڑے مرکزون مین چوتھائی یا تہائی یا نصف بلکہ اس سے بھی زیادہ بچے ولدالزنا پیدا ہوتے
ہین۔ اب ہمین اعداد سے جو شرابخوری کے متعلق اور ولدالزنا بچون کی پیدایش کے متعلق یورپ کی اپنی
تیار کردہ کتابون سے نقل کئے گئے ہین۔ ایک انسان اس خطرناک سیاہ کاری اور شرابخوری کی تصویر ذہن
مین لاسکتا ہے جو یورپ کے سب سے زیادہ مہذب شہرون یعنی دارالخلافون مین ہونی چاہئے۔ اور اب ہمارے ہی [illegible]
ہونیکے دعویدار ہمین یہ مشورہ دیتے ہین کہ ہم بھی آنکھین بند کرکے اس جہنم مین کود پڑین اور اسیکو
جنت سمجھ لین +

ایک ور اثر پردہ کی عدم موجودگی کا انگلستان مین یہ ہوا ہے کہ زناکاری کو ایسی خطرناک بدکاری نہین
سمجھا جاتا جیسا کہ اسلامی ملکون مین۔ وہان اس کو فوجداری جرم یعنی سوسائیٹی کے امن مین مخل نہین سمجھا گیا۔ اول
تو دو غیر شادی شدہ مرد و عورت کا ناجایز تعلق زنا کی تعریف مین ہی داخل نہین کیا گیا لیکن اگر زانی
اور زانیہ مین سے ایک بیاہا ہوا ہو تو اُسکا خاوند یا عورت ہرجانہ کے دعوے کیلیے زانی پر دیوانی نالش
کرسکتا ہے۔ مگر زنا کیلیے قانون نے سزا کوئی تجویز نہین کی۔ سکاٹلینڈ مین نام کو تو زنا کو جرم رکھا گیا ہے
مگر عملی طور پر زنا کے مقدمات مین فوجداری کارروائی نہین کی جاتی۔ امریکہ کی ریاست ہائے متحدہ مین بہت
ساری ریاستین ایسی ہین جہان زنا کیلیے صرف ہرجانہ کا دعوے ہوسکتا ہے اور سزا کوئی نہین اس طرح بہت
سے ممالک مین جو یورپ کی تہذیب کے اثر کے نیچے ہین۔ زنا ایک معمولی بات ہوگئی ہے اور اس مین صرف زانی
یا زانیہ کے عورت یا خاوند کی حق تلفی ہی سمجھی جاتی ہے جسکے لیے وہ ہرجانہ کا دعوے کرسکتا ہے ورنہ سوسائیٹی کا
گناہ اسے خیال نہین کیا جاتا۔ اب ایسی خطرناک بدکاری کو جس سے سوائے قتل کے اور کوئی بڑا جرم نہین اتنا
ہلکا سمجھ لینا اس کی کثرت کا نتیجہ ہے۔ اور اس جرم کا خفیف ہونا بجائے خود یہ نتیجہ پیدا کریگا کہ زناکاری کی کثرت اور
بھی بڑھے گی کیونکہ جسقدر اس جرم کو ہلکا اور معمولی سمجھا جاوے گا اسیقدر سوسائیٹی کی وہ اخلاقی طاقت [illegible] کم
ہوجائے گی جو اسکے بہت سے افراد کو ان کامون سے روکتی ہے جو سوسائیٹی کو نقصان پہنچانیوالے ہین اور اسلیے زناکاری
کی جرأت بھی اس تبدیل خیال کے ساتھ زیادہ ہوجاوے گی کیا ایسی سوسائیٹی مین پردہ کی کوئی ضرورت نہین۔

بے پردگی یعنی مردون اور عورتون کے کھلے میل جول کا ایک اثر یہ بھی ہوا ہے کہ نکاح کے متعلق بھی خیالات مین تبدیلی پیدا ہوگئی ہے۔ شادی کو پہلے ہر مرد و عورت کیلیے ضروریات مین سے سمجھا جاتا تھا مگر اب اسکو ضروری خیال نہین کیا جاتا بلکہ اس سے بھی قدم آگے بڑھا کر شادی سے مرد اور خصوصاً عورتین نفرت کرنے لگی ہین۔ ایک مصنف نکاح کے خیال کو ان الفاظ مین ادا کرتا ہے "گویا لڑکیون کو اسلیے پالا جاتا ہے کہ وہ خاوندون کی تلاش مین بیقرار پھرین" ایسی تحریرون کا اثر یہ ہوگا اور ہوا ہے کہ تعلیم یافتہ لڑکیان اب چندان اس امر کی خواہشمند نہین رہین کہ وہ محصنت مین داخل ہوکر گھرونمین بسین اور گھرون کی قیدون مین پڑین۔ افسوس ہے کہ نکاح جیسے اہم معاملہ کو اسقدر بے وقری کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ اس کا نتیجہ ایکدن مین تو معلوم نہین ہوسکتا لیکن آہستہ آہستہ پتہ لگ جائیگا اور اسکے خطرناک نقصانون کی برداشت کرنی پڑے گی۔ کیا تقاضائے فطرت انسانی کو بھی تہذیب روکدیگی۔ اگرچہ اسوقت گھرون کی قید سے آزاد رہنا بڑا دلکش معلوم ہوتا ہے لیکن عنقریب وہ وقت بھی آتا ہے جب اسکے بد نتایج بھگتنے پڑینگے۔

یہ کہا جائیگا کہ یہ اختیاری تجرد ہے مگر جو کچھ اس سے پہلے کلیسیا کے عہدہ دارون کو تجرد پر مجبور کرنے کا نتیجہ ہوا تھا وہی نتیجہ یقیناً اب بھی اس تجرد کو اختیار کرنے سے پیدا ہونیوالا ہے۔ مندرجہ ذیل الفاظ جو ایک انگریزی کتاب (من ان انگلش لایف) سے لیے گئے ہین۔ پادریونکے تجرد کے خطرناک نتائج کو بیان کرتے ہین "اس تجرد کا سب سے برا نتیجہ سولھوین صدی مین ظاہر ہوا۔ سارے ملک مین بدکاری پھیل گئی۔ ایک لاکھ عورتونکو صرف پادریون نے تباہ کیا جنکے لیے بدکاری کا ارتکاب کرنیکے گھر رکھے جاتے تھے۔ لیکن ایڈورڈ ششم کے عہد سلطنت مین ایک اجازت کا بل پاس ہوا جس کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ ان قوانین کی وجہ سے جو تجرد پر مجبور کرتے اور نکاح سے روکتے ہین بڑی بدکاری پھیل گئی ہے"

انگلستان اور دوسرے ممالک یورپ کی تمدنی زندگی مین یہ دردناک واقعات ہین جنکا حوالہ دیتے وقت بھی تکلیف معلوم ہوتی ہے لیکن انکے کھولکر بیان کرنے کی ضرورت اسلیے پیش آئی کہ یورپ کی تہذیب کے بعض نادان دوستون نے پردہ جیسی مفید رسم پر ظالمانہ اور جھوٹے حملے کیے۔ ہم نہین سمجھتے کہ ہندوستان کے ان مسلمانون نے جو پردہ کے دور کرنے پر زور دے رہے ہین کبھی یہ بھی غور کیا ہے کہ اس بے پردگی کے خطرناک نتایج جو کچھ یورپ مین ظاہر ہورہے ہین آخر ان کی تمدنی زندگی مین بھی پیدا ہوکر رہین گے اسلیے وہ اچھی طرح سے سوچ سمجھ لین کہ آیا وہ ان تمام نتایج کو بے پردگی کی برکات سمجھکر قبول کرنیکے لیے تیار ہین ہم نہین کہتے کہ مسلمانونکا موجودہ طریق زندگی ... اصلاح کا محتاج نہین یا ہر ایک نقص سے خالی ہے نہ ہم یہ دعوے کرتے ہین کہ پردہ ان لوگونکے لیے بھی روک ہوسکتا ہے جن کی طبیعت مین ہی بدی کیطرف جانیکا

مادہ پایا جاتا ہے۔ لیکن اس مین کچھ شک نہین کہ باوجود اپنی تنزل کیحالت اور باوجود سب نقصونکے مسلمان ان بدیون سے جن کا اوپر ذکر کیا گیا ہے یورُپ کی سوسائیٹی کی نسبت بہت ہی بری ہین اور اسمین بھی شک نہین کہ ابتک مغربی تہذیب کو ان بدیون کے دور کرنیکا کوئی علاج نہین ملا جو بے پردگی سے اسمین پیدا ہوگئی ہین۔ پردہ کے پورے پورے فواید صرف اسی حالت مین ظاہر ہوسکتے ہین جب پورے طور پر پردہ کی ہدایات پر عمل کیا جاوے اور غض بصر کے طریق کو جوان بدیون کو جڑسے کاٹنے والا ہے مردون اور عورتون کے درمیان پورے طور پر ملحوظ رکھا جاوے۔

ہر ایک مذہب کی اصلی غرض یہی رہی ہے کہ اپنے پیروؤن کے دلونمین پاکیزگی اور طہارت پیدا کرے یہی وجہ ہے کہ ہر ایک مذہب نے زنا کو ایک خطرناک جرم قرار دیا ہے اور اس سے بچنے کی تدبیرین بنائی ہین۔ مگر وہ تدابیر جو قرآن کریم نے پیش کی ہین سب سے اعلے اور سب سے آسانی کے ساتھ عمل مین آسکتی ہین اور وہ اس خطرناک بدی کو جڑ سے اکھاڑنیوالی ہین مثلاً انجیل صرف اتنا ہی کہنے پر اکتفا کرتی ہے کہ عورتون کی طرف شہوت کی نظر سے نہین دیکھنا چاہئے لیکن اس حکم مین انسانی فطرت کا گہرا مطالعہ نہین پایا جاتا۔ اور نہ ہی بدی کو اسکے منبع پر روکنے کی کوشش کی گئی ہے جہان اسکا روکنا آسان تر ہے یہ کام قرآن شریف نے کیا ہے اور اسلیئے جہان ایک طرف وہ عورتونکو یہ حکم دیتا ہے کہ وہ اپنی زینتونکو اجنبی مردونکے سامنے ظاہر نہ کرین کیونکہ عورت کا بناؤ سنگار ہی مرد کے لیے بڑی کشش کا باعث ہے ساتھ ہی یہ دوسرا حکم بھی دیتا ہے کہ جب مرد اور عورت ایکدوسرے کے سامنے آوین توان کو چاہیئے کہ وہ اپنی آنکھین نیچی کرلین اور ایک دوسرے کی طرف ارادتاً نظر اٹھا کر نہ دیکھین۔ اِسلیے قرآن کریم صرف شہوت کی نظر کے ساتھ دیکھنے سے ہی منع نہین کرتا بلکہ بلا ضرورت بیگانہ عورتون کی طرف دیکھنے سے قطعاً روکتا ہے اس کا فلسفہ یہ ہے کہ انسان کمزور ہے اور بدی کے مواقع پر پوری ہمت سے بچ رہنا کسی کسی جوانمرد کا کام ہے اِسلیے اگر اجنبی مردون اور عورتون کو کھلے طور پر ایک دوسرے کے ساتھ ملنے اور ایکدوسرے کی طرف دیکھنے کی اجازت دیجاوے تو بدخیال کو دل سے دور رکھنا آسان امر نہین ہے۔ ایک آدمی کو پہلے یہ کہنا کہ وہ خوبصورت عورتون کی طرف دیکھ لیا کرے اور پھر کہنا کہ بدخیال کو دل مین آنے نہ دے خود اسے مشکلات مین ڈالنا ہے۔ مثلاً جہان سوسائیٹی اس امر کو بُرا نہین سمجھتی کہ آدمی مشہور خوبصورت عورتونکے گرد جمع ہون جن کی غرض سوائے اسکے کچھ نہ ہو کہ انکو دیکھکر اور اُنسے باتین کرکے حظ اوٹھاوین اور پھر اس سے بڑھکر شراب سے بدمست بھی ہون تو کون عقلمند انسان کہیگا کہ وہ پاک نظر وںسے عورتونکو دیکھ رہے ہین جیسا کہ یہ فیصلہ کرنا مشکل ہے کہ ایک شراب نوش کسوقت حد اعتدال سے گذر کر

کثرت شراب نوشی کا مرتکب ہو جاتا ہے ایسا ہی یہ فیصلہ کرنا بھی آسان نہیں کہ ایک نظر جس کی غرض سوائے ایک عورت کو دیکھنے کے اور کچھ نہیں کس وقت شہوت کی نظر ہو جاتی ہے۔ پس جیسا کہ کثرت میخوری سے بچنے کیلیے یہ ضروری ہے کہ شراب کے استعمال کو قطعًا روکا جاوے ایسا ہی شہوت کی نظر کو روکنے کیلیے یہ ضروری ہے کہ عورتون کی طرف بلا ضرورت دیکھنے سے قطعًا روکا جاوے۔ پس قرآن کریم فطرت انسانی کے اندرون کو دیکھکر وہ علاج تجویز کرتا ہے جو اس بدی کو عین اس جگہ روکتا ہے جہان سے یہ پھوٹ کر نکلتی ہے۔ اور اس سوراخ کو بند کرتا ہے جہان سے ابتدا اس بدی کی ہوتی ہے۔ پس یہ حکم دینا کہ تم شہوت کی نظر سے اجنبی عورتون کی طرف مت دیکھو محض ایک حکم ہے جسکے ساتھ کوئی علاج نہین اور کوئی تدبیر نہین بتائی گئی کہ کیونکر انسان نظر بد سے بچ سکتا ہے۔ ہان زنا سے بچنے اور نظر بد سے بچنے کیلیے تدبیر وہ ہے جو قرآن شریف نے بتائی ہے کہ وہ اجنبی عورتون کی طرف ہرگز نہ دیکھے۔ پس پردہ رسم ہی جو زناکاری جیسی خطرناک بدی کو جڑ سے اکھاڑتی ہے اور کوئی علاج نہین جس سے یہی مقصد حاصل ہو سکے

"مسلم ریفارم" کے نماز پر حملون کا جواب

اللہ تعالے سورہ مریم مین اپنے برگزیدہ اور صادق اور مخلص بندون حضرت ذکریا یحیی عیسے ابراہیم اسحق یعقوب اسمعیل موسے اور ادریس علیہم السلام کا ذکر کرکے فرماتا ہے۔ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ مِنْ ذُرِّيَّةِ اٰدَمَ وَمِمَّنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوْحٍ وَّمِنْ ذُرِّيَّةِ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْرَآءِيْلَ وَمِمَّنْ هَدَيْنَا وَاجْتَبَيْنَا اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُ الرَّحْمٰنِ خَرُّوْا سُجَّدًا وَّبُكِيًّا فَخَلَفَ مِنْ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهَوٰتِ۔ (مریم ۵۸-۵۹) یہ برگزیدہ انبیاء وہ لوگ ہین جن پر اللہ نے اپنے انعام نازل فرمائے۔ آدم کی نسل سے اور ان مین سے جنکو ہمنے نوح کے ساتھ سوار کیا۔ اور ابراہیم اور اسرائیل کی نسل سے اور انہین سے جنکو ہمنے راہ راست پر قایم رکھا اور منتخب فرمایا جب خدائے رحمن کی آیتین انپر پڑھی جاتین تو وہ سجدہ مین گر پڑتے اور روتے۔ پھر انکے بعد ایسے ناخلف پیدا ہوئے **جنہون نے نمازون کو ضایع کیا**۔ اور نفسانی خواہشونکے ہو لیے۔ قرآن کریم مین جسقدر قصص اولین مذکور ہوئے ہین وہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اور

آپکے متبعین یا مخالفین کے حق مین بطور پیش گوئیوں کے وارد ہوئے ہین جہان یہ ذکر کیا گیا ہے کہ کس طرح ہمنے اُن مجرمین کو عذاب سے ہلاک کیا جنہون نے پہلے انبیاء کی تکذیب اور مخالفت کی وہان دراصل آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے مخالفین اور مکذبین کو آنیوالے عذاب سے ڈرایا ہے اور جہان پہلے انبیاء اور رسل کی اپنے مخالفین پر انجام کار فتح و غلبہ پانیکا اور ان کی کامیابی کا ذکر کیا ہے۔ وہان آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اور آپکے اتباع کی فتح اور غلبہ اور کامیابی کا ذکر مقصود ہے۔ اسی طرز کے مطابق آیات مذکورہ صدر مین اللہ تعالے جہان ایک طرف انبیائے سابقین کے سچے اخلاص اور محبت اور اطاعت الٰہی مین گداز ہونیکا ذکر کرنیکے بعد انکے پیچھے آنیوالی امتون کو نمازون کے ضایع کرنیوالے اور نفسانی خواہشات کی پیروی کرنیوالے قرار دیتا ہے۔ دوسری طرف یہ مقصود بھی اس کلام الٰہی کا ہے کہ وہ سب نعمتین اور فضل جو ہمنے اولین پر نازل فرمائے اسوقت ان سب کے مورد محمد رسول اللہ صلعم کی ذات بابرکت ہے اور ایسا ہی آپکے صحابہ بھی۔ لیکن ساتھ ہی پیشگوئی کے رنگ مین یہ بیان فرمادیا ہے کہ اس نبی کے بعد آنیوالی نسلون مین بھی وہ لوگ پیدا ہونگے جو نمازونکو ضایع کرینگے اور نفسانی خواہشات کے پیچھے پڑجاوینگے۔ سو مسلمانونکو متنبہ کیا ہے اور ڈرایا ہے کہ اگر وہ ایسا کرینگے تو انپر بھی وہی تباہی آویگی جو پہلے لوگونپر آئی جو اپنے آپکو متبعین انبیاء سمجھتے تھے مگر وہ اسوجہ سے مستحق انعامات الٰہی نہ رہے کہ انہون نے نماز جیسی ضروری چیز کو جسکے بغیر انسان خدا کو پا ہی نہین سکتا چھوڑ دیا۔ ان آیات مین دو گروہونکا بیان کیا گیا ہے اور ہر ایک گروہ کے امتیازی نشان بیان فرمادیے ہین ایک طرف تو خدا تعالے کے برگزیدہ بندے ہین جو خدا کے آگے ایسی خشیت اور خوف سے گرے رہتے ہین کہ انکو سجدے سے سر اٹھانا مشکل ہوتا ہے اور دوسری طرف وہ ناخلفونکا گروہ ہے جن کا سب سے بڑا نشان یہی ہے کہ وہ نمازونکو ضایع کرتے اور دنیوی خواہشات کو انپر مقدم رکھکر انہین کے پیچھے ہو لیتے ہین۔ اس آیت مین لفظ خلف بسکون لام واقع ہوا ہے جسکے معنے بدکار نسل کے ہین اور خلف بفتح لام اچھی نسل کو کہتے ہین۔

مسلم ریفارم مسلمانون کی اُس پارٹی کا ایک اخبار ہے جو اتباع یورپ مین اپنے مذہب کو بھی خیرباد کہنا چاہتے ہین۔ اس کی تازہ اشاعت مین نماز کو ایک ایسی بے حقیقت چیز قرار دیا گیا ہے کہ اس اخبار کے نزدیک جب کوئی آدمی اپنے کسی دنیوی کام مین مصروف ہو تو اسکے لیے یہ ضروری نہین ہے کہ وہ اس کام کو چھوڑکر نماز کی طرف متوجہ ہو۔ چنانچہ وہ لکھتا ہے "پس اگر مسلمان بیرونی دنیا سے جس کا شغل کاروبار دنیوی بہت بڑھا ہوا ہے اپنے تعلقات کا لحاظ رکھکر نمازون کی پوری تعداد کو کاٹ کر صرف دو نمازین رکھ لین مثلاً صبح اور شام تو وہ دایرہ اسلام سے خارج نہین سمجھے جاوینگے کیونکہ اسلام ایک

زمانہ یا ایک ملک کے لیئے نہین بلکہ تمام نسل انسانی کیلیئے ہے اور دنیا کے اخیر تک قایم رہیگا۔ اسوقت سے جب کہا جاتا ہے کہ پہلے نمازونکے وقت مقرر ہوئے ہم تیرہ سو سال پیچھے دنیا مین آئے ہین۔ زمانہ اسوقت سے بالکل بدلگیا ہے۔ دنیا کے اشغال بہت بڑھگئے ہین اور پہلے کی نسبت کم از کم تیرہ گنا ہوگئے ہین تو پھر کیا ہم ترقی کرنیوالی دنیا کی ضروریات سے اپنی آنکھین بند کرلین اور اپنے آپ کو آج سے تیرہ صدیان پہلے کے خیالات مین مُردونکی طرح گاڑ دین؟" مسلم ریفارم کا یہ خیال ہے کہ جب پہلے پانچ نمازین مقرر کیگئی تھین اسوقت کی نسبت ہم تیرہ صدیان آگے گذر آئے ہین اور اُسوقت دنیا کے کاروبار تھوڑے تھے اب زیادہ ہوگئے ہین لیکن تاریخ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپنے ایک قدم بھی آگے نہین اٹھایا کیونکہ جو کچھ آپ کو اب سوجھا ہے یہ عین اُسوقت بھی عرب کے (آپکے الفاظ مین) بعض "جاہل" لوگونکو سوجھا تھا جنہون نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے آکر یہ درخواست کی کہ ہمارے اشغال بہت ہین اسلیئے ہمارے لیے نمازین کم کردیجاوین۔ ہمنے اوپر کہا ہے کہ مسلم ریفارم یا اپنے خیال مین اس مہذب فرقہ نے اُن تیرہ صدیان پہلے کے جاہل بدوؤنسے ایک قدم بھی آگے نہین اٹھایا جہانتک کثرت اشغال کی وجہ پر ترک صلوۃ کا سوال ہے ہان شاید اب وہ ایک قدم آگے اٹھاوینگے جو اُن عربون نے نہ اٹھایا تھا اور اس قدم کے اٹھانیسے وہ اس گڑھے مین اپنے آپ کو پاوینگے جسکے کنارے پر وہ اسوقت کھڑے ہین۔ ان کا اختیار ہے اسکا نام ترقی رکھ لیوین۔

مسلم ریفارم نے اصل مقصد کو الفاظ کے نیچے چھپانے کی بھی کوشش کی ہے مگر اسکا مطلب خود بخود لفظوںسے ظاہر ہو رہا ہے وہ اسباتکو تو مانتا ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے بیشک پانچ اوقات نماز کے مقرر کیئے مگر اس صدی کے مسلمان جس سے شاید اُسکی مراد اُن مسلمانونسے ہے جو یورپ کے نقش قدم پر چلنے کی کوشش کر رہے ہین۔ اس امر کے پابند نہین کہ وہ بھی پانچوقت کی نماز کو برابر ادا کرین بلکہ اگر عین نماز کے وقت کوئی اور شغل پیش آجائے تو اُس شغل کو چھوڑکر نماز کیطرف آنا خلاف تہذیب ہے۔ کیا وہ سچ مچ یہ خیال کرتا ہے کہ جب پہلے نماز کے اوقات مقرر کیلئے گئے تھے تو مسلمانونکے سامنے کوئی دنیوی اشغال نہ تھے یا یہ کہ نماز کے اوقات وہ مقرر کیئے گئے تھے جو فرصت کے اوقات تھے اور اُسوقت کوئی دنیوی شغل ممکن طور پر راہ مین پڑ ہی نہ سکتا تھا۔ کوئی سمجھدار آدمی اسباتکو تسلیم نہین کر سکتا۔ دنیا اپنے کاروبار مین اُسوقت بھی اسی طرح مصروف تھی جیسے اب ہے۔ کوئی نہین کہہ سکتا کہ وہ مزدور جو چار پیسے کمانیکے لیئے صبح سے لیکر شام تک ڈلیا سر پر اٹھاتا ہے یا وہ زمیندار جو شدت گرمی اور سخت کڑکڑاتے جاڑے مین ایک ہی دھیرہ پر اپنے کام مین مصروف ہے اور عین دوپہر کیوقت اور آدھی

رات کو بھی آرام نہین کرتا اُسے اُس مہذب جنٹلمین سے زیادہ فرصت ہے جو ہر روز ڈاڑھی مونڈوانے اور کپڑوں کی درستگی اور فضول بات چیت مین کئی گھنٹے ضایع کر سکتا ہے۔ پس تہذیب کے نئے یہ نئے شغل تو بیشک نکال دئیے ہین جن کو آج نماز پڑھنے پر ترجیح دیجاتی ہے۔ مگر مفید اور قیمتی کامون مین دنیا کی مصروفیت ہمیشہ سے چلی آتی ہے۔ نماز و نکا حکم ایسے وقت مین دیا گیا تھا جب اسی طرح سے دنیوی اشغال موجود تھے البتہ آج کل کے فضول اشغال اور عیش و عشرت کے سامان نہ تھے اور مسلم ریفارمر کے اس بیان کی تاریخ تردید کرتی ہے کہ دنیا کے اشغال تیرہ گنا بڑھ گئے ہین پس کام کی زیادتی کا عذر جھوٹا ہے اور اصل غرض سوائے اسکے کچھ نہین کہ مطلق نماز پڑھنے سے ہی آزادی ہو جائے اسکے لیے اول یہ تجویز کی گئی ہے کہ نماز کے دو اوقات یعنی صبح اور شام مقرر کیے جاوین لیکن تھوڑے دنو نمین ہی ہم یہ سن لینگے کہ کوئی مہذب جنٹلمین ایسی بیوقوفی کا مرتکب نہین ہو سکتا کہ سورج کے چڑھنے سے پہلے ہی بستر سے اٹھ کھڑا ہو بلکہ اندھیرے اندھیرے کپڑے پہن کر نماز کیلئے تیار ہو جاوے کیونکہ یورپ کی تقلید یہ چاہتی ہے کہ نو بجے سے پیشتر خواب راحت سے نہ اٹھا جائے۔ اس طرح صبح کی نماز کا فیصلہ ہو باقی رہی شام کی نماز سو اسکا عذر اس سے بھی بہتر یہ ہے کہ وہ جنٹلمینو نکے سیر یا دوستون سے ملنے کا یا ناچ کی مجلس مین شریک ہونے یا تھیٹر مین تماشا دیکھنے کا ایک ہی موزون وقت ہے پس ان اشغال کو چھوڑ کر وہ نماز کی طرف کہان متوجہ ہو سکتے ہین۔ دراصل عدم ضرورت نماز کیلیے جو طرز استدلال مسلم ریفارمر نے اختیار کی ہے اسپر چلکر تو یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ دن اور رات کے چوبیس گھنٹو نمین ایک منٹ بھی ایسی فراغت کا نہین جو خدائے ذو الجلال کے آگے سر جھکانیکی مہلت دیسکے۔ ایک سچے دہریہ اور مہذب جنٹلمینون مین اگر فرق ہے تو یہ ہے کہ دہریہ تو اپنے دل کے خیالات کا صاف صاف اظہار کر دیتا ہے اور یہ لوگ اسقدر اخلاقی جرأت نہین رکھتے کہ جو خیال دل مین آئے اُسکا صحیح صحیح اظہار بھی کر دین اور باوجود اصل اسلامی عقاید سے کوسون دور پڑے ہوئے ہونیکے ہی چاہتے ہین کہ وہ مسلمان سمجھے جاوین۔

شاید اس تحریر پر یہ اعتراض کیا جاویگا کہ جو لوگ خود دایرہ اسلام مین رہنا چاہتے ہین ہم انکے متعلق ایسے الفاظ کیون استعمال کرتے ہین جن سے وہ اس دایرہ سے خارج سمجھے جاوین اور اسطرح ہم دایرہ اسلام کے تنگ کرنیکے جرم کا مرتکب قرار دیا جاویگا۔ ہم پہلے بھی کہہ چکے ہین کہ ایسے مقام پر جہان غفلت سے ایک انسان مذہبی فرائض کی ادائیگی سے قاصر ہے ہم خاموشی اختیار کرکے اسکا معاملہ اللہ تعالے کے سپرد کرتے ہین۔ مگر جب اصول اسلام پر حمایت کے لباس مین حملے کئے

جاوین اوران کو پبلک مین شایع کیا جاوے تو ان کی قلعی کھولکر دکھانا ہر مسلمان کا فرض ہے مسلم ریفارم اسلام کے مقدس اصول کو جڑھ سے اکھاڑنا چاہتا ہے اور اسلیئے اس کی غلطی کو پبلک پر ظاہر کرنا نہایت ضروری ہے تاکہ لوگ اس دھوکہ مین پھنسکر اس کی ابلہ فریب باتون مین نہ آجاوین کہ وہ واقعی حامی اسلام ہے۔ ہم ابھی تک اس بات کو نہین سمجھ سکے اور ہر ایک عقلمند انسان ہمارے ساتھ اتفاق کریگا کہ وہ کونسی ایسی شدید ضرورت درپیش ہے جو بغیر نمازون کی تعداد کم کرنیکے رفع نہین ہو سکتی۔ ان باتون کا تو صاف مفہوم یہی ہے کہ مسلمانون کی اصلاح کیلیئے ترک صلوۃ ضروری ہے۔ بالفاظ دیگر مسلم ریفارم کا منشاء یہ ہے کہ جسقدر مسلمان نمازون کی طرف کم متوجہ ہونگے اسیقدر وہ زیادہ مہذب ہوتے جاوینگے اور اس اخبار کے الفاظ سے یہ نتیجہ نکالنے مین کوئی منصف ہمین ناانصافی کا مرتکب قرار نہین دیسکتا۔ پس اگر تہذیب کیطرف پہلا قدم اٹھانیکے لیے یہ ضروری سمجھا جاتا ہے کہ نمازون کی تعداد کم کیجاوے تو ہر ایک شخص آسانی سے دیکھ سکتا ہے کہ دوسرا قدم کامل تہذیب کے حاصل کرنیکے لیے جس سے مراد یورپ کی پوری پوری تقلید ہے یہ ہوگا کہ نماز دنکو سرے سے ہی خیرباد کہا جاوے۔ افسوس ہے کہ جہان اس قدر شور ظاہری یا جسمانی تہذیب کے لیے کیا جاتا ہے۔ دل کی تہذیب کے لیے جس سے مراد خیالات کی پاکیزگی ہے جو حقیقی تہذیب ہے کوئی کوشش نہین کیجاتی بلکہ اس کی تو پروا بھی نہین کیجاتی جبکہ صلوۃ خمسہ کے پابند ہونیسے اپنے آپ کو تیرہ صدی پیشتر کے خیالات کی قبر مین دفن کرنا اور ترقی کرنے والے دُنیا کی ضروریات سے آنکھین بند کرنا کہا جاتا ہے تو اس سے بڑھکر نماز کی اور کیا بے ادبی ہوسکتی ہے۔ مسلم ریفارم کے نزدیک مسلمانونکا ترقی کرنا ناممکن ہے جبتک کہ وہ نماز دنکو نہ چھوڑ دین۔ یہ بہتر ہے کہ ایسے شخص کو کھلے الفاظ مین یہ کہدیا جاوے کہ اسلام کے رکن اعظم کے متعلق ایسے الفاظ بولکر آپ مسلمان نہین کہلاسکتے تاکہ دوسرے لوگ اسکے دھوکہ سے بچے رہین۔ بیشک اسلام کا دایرہ وسیع ہے لیکن اس وسعت کے یہ معنے نہین کہ جو شخص مخالف اسلام جو اعتقاد چاہے رکھے اور جس طرح پر اسلام کے قایم کردہ اصولون کی بے ادبی چاہے کرے وہ مسلمان ہی سمجھا جاویگا۔ وہ تہذیب کے مدعی جو آج یہ کہتے ہین۔ کہ نماز دنکو وحشیانہ اور جاہلانہ رسوم سمجھ کر بھی ہم مسلمان رہ سکتے یا کہلاسکتے ہین آج نہین تو کل یہ کہنے کی بھی جرأت کرسکینگے کہ خدا کو ماننا تہذیب کے خلاف ہے مگر تاہم ہم اچھے خاصے مسلمان ہین اور یہ کوئی بعید بات نہین بلکہ انکے موجودہ عقاید کا لازمی نتیجہ یہی ہے جو اب بھی انکے دلون مین چھپا ہوا موجود ہے کہ خدا کوئی نہین۔ اور یہ کسی سوچ یا سمجھ کا نتیجہ نہین بلکہ اندھا دھند اور بلا دیکھے ایک مادہ پرست اور دہریہ قوم کے پیچھے چلنے کا نتیجہ ہے۔

ہم اوپر لکھ چکے ہین کہ یہ عذر محض جھوٹا ہے کہ آج کل مسلمانون کو پہلے زمانے کی نسبت زیادہ کام کرنا پڑتا ہے۔کوئی ایسا انسان نہین جو چوبیس گھنٹے ہی کام مین لگا رہتا ہو یا زیادہ سے زیادہ سونے کے چھ گھنٹے فضول گفتگوؤن اور دوستون کی ملاقات اور لباس کی آراستگی مین صرف ہو جاتے ہین اگر وقت نہین ملتا تو نماز کیلیے ہی نہین ملتا۔بات یہ ہے کہ انکے دل خدا کی محبت اور خدا کے خوف سے بالکل خالی ہین ورنہ ایسی بات کب منہ سے نکل سکتی ہے کہ خدا کے آگے جھکنے کے لیے ہمین وقت کوئی نہین ملتا۔اور اگر بالفرض یہی سچ ہو کہ نماز کے وقت پر کوئی شغل دنیوی ہی درپیش ہو تو کیا نماز پڑھنے کیلیے ایسا عذر کرنا یہ نہین بتاتا کہ نماز کی ایسے شخص کے دل مین کیا وقعت ہے اسکا مطلب تو یہ ہوگا کہ نماز سو دفعہ جاتی رہے مگر پیسہ ہاتھ سے نہ جائے یعنی پیسہ کی قدر ایمان سے بہت زیادہ ہے پس جون جون مذہب کا کوئی اصول پیسہ کمانے کی راہ مین مخل معلوم ہوگا اسکو ترک کیا جاویگا۔گویا ایمان ایک ایسی حقیر چیز ہے اور خدا کے آگے سر جھکانا ایک ایسی لغو بات ہے کہ ایک پیسہ کو بھی اسپر ترجیح ہے۔پھر ایمان کہان اور خدا اور خدا پرستی کہان۔ہم نہین جانتے کہ دہریے کے سر مین کونسے سینگ ہوتے ہین جو ان باتو مین موجود نہین۔آہ عجب حالت ہے ایک طرف تو یہ لوگ ہین جو اس بات پر زور دے رہے ہین کہ مذہبی فرایض کی ادائیگی کو پیسہ کمانیکے لیے بالکل ترک کر دینا چاہیے اور دوسری طرف خدا کا وہ برگزیدہ رسول ہے جو اس شخص کو اپنے ساتھیون مین نہین سمجھتا جو دین کو دنیا پر مقدم نہین رکھتا۔

ان تمام امور سے صاف ظاہر ہے کہ یہ نئی پارٹی جو نماز دنکے ترک کرنے اور دنیا کے کاروبار مین منہمک ہو جانے پر زور دے رہی ہے آیت مذکورہ صدر کے لفظ خلف کی مصداق ہے جس کی تعریف مین قرآن کریم نے اَضَاعُوا الصَّلٰوۃَ وَاتَّبَعُوا الشَّہَوَاتِ فرمایا ہے۔جو لوگ اس اصول کو رواج دینا چاہتے ہین کہ جہان نماز کسی شغل دنیوی مین مخل ہو اسکو ترک کر دیا جاوے خود دیکھ سکتے ہین کہ وہ نماز کو ضایع کرنے کی تجویز مین لگے ہوئے ہین اور اپنی خواہشات کو مقدم رکھکر انہین کی پیروی کرنا چاہتے ہین لیکن چونکہ ہم انکے دعوے اسلام کو یونہی رد نہین کرنا چاہتے بلکہ ہر پہلو سے اسپر مکمل بحث کرنیکا ارادہ رکھتے ہین اس لیے اب ہم یہ دیکھینگے کہ انکے خیالات کہانتک ان انبیاء علیہم السلام کی تعلیم کے موافق یا مخالف ہین جن کا ذکر قرآن شریف کی اسی آیت مین موجود ہے جو صلوۃ کو ضایع کرنیوالے خلف کے ذکر سے پہلے وارد ہوئی ہے۔ہر ایک آسمانی کتاب اور ہر ایک خدا کے مرسل کا اصل مدعا اور مقصد اعلیٰ یہی رہا ہے اور قرآن کریم اسپر شاہد ہے کہ انسان اللہ تعالے کی پوری معرفت حاصل کرے اور بصیرت سے اُس غیب الغیب ہستی پر ایمان لاوے اور اس سے ایسا تعلق پیدا کرے جسکے سامنے دنیا کے تمام تعلقات

ہیچ ہون اور اس عالم کو چند روزہ سمجھکر آخرت کو اپنا اصلی اور دائمی گھر سمجھے۔ نماز روزہ اور ہر ایک عبادت کا یہی منشاء ہے کہ وہ انسان کو اس اصلی مقصد تک پہنچاوے اور اس غرض کے حاصل کرنے مین اسکی مدد کرے۔ نماز روحانی بیماریون کا علاج ہے اور اس نسخہ کو ایک مقدس طبیب نے تجویز کیا ہے کہ اسکے ذریعہ سے بیمار انسان صحت یاب ہوسکتے ہین۔ اب یہ جو بار بار زور دیا جاتا ہے کہ تیرہ سو سال مین ہمنے اسقدر ترقی کی ہے یہ بالکل بیمعنی بات ہے۔ سوال تو یہ ہے کہ نمازون کی ضرورت اب بھی ویسی ہے یا نہین؟ اور اسکے لیے مادی ترقی کو دلیل پیش کرنا اگر عمداً اصل بات سے اعراض کرنا نہین تو نادانی ضرور ہے۔ اگر شارع علیہ السلام نے نمازون کو مادی ترقی کا ذریعہ تجویز کیا تھا تو بیشک مسلم ریفارم کا حق ہے کہ یہ سوال کرے کہ موجودہ مادی ترقی کے بعد بھی نماز کی ضرورت مسلمانون کو باقی ہے کہ نہین؟ لیکن اگر جیسا کہ صاف ظاہر ہے نماز روحانی ترقی کیلیئے ایک ذریعہ تھی اور ہے تو نماز کی ضرورت اور عدم ضرورت کے سوال مین کوئی روحانی ترقی پیش کرنی چاہیئے اگر واقعی آج کل کے مسلمان خدا کی معرفت مین ایسے کامل ہوگئے ہین جیسے آنحضرت صلعم کا منشاء تھا کہ وہ ہوجاوین اگر انکے تعلقات اللہ تعالے کے ساتھ ایسے مضبوط ہوگئے ہین جن کو کوئی امتحان اور کوئی بلا جدا نہین کر سکتی اگر انہون نے عالم آخرت کو اپنے لیے جاودانی مقام سمجھکر اس دنیا کے ہیچ اور ناچیز ہونیکو یقین کر لیا ہے اگر اللہ تعالے کا خوف اور اس پاک ذات کی محبت انکے دلون مین کوٹ کوٹ کر بھر چکی ہے۔ غرضیکہ وہ اس اعلے مقام پر پہونچ چکے ہین کہ اسی دنیا مین بہشتی زندگی انکی شروع ہوگئی ہے تو پھر یہ سوال اٹھانا بھی کوئی معنے رکھتا ہے۔ اگرچہ جو انسان ایسی حالت پر پہنچ جائیگا وہ خودبخود دیکھ لیگا کہ صرف نماز ہی خدا تک پہنچنے کا ایک ذریعہ ہے اور تارک الصلوۃ ہونا گویا اللہ تعالے سے جدائی اختیار کرنا اور دوزخ کے گڑھے مین گرنا ہے لیکن اگر روحانی طور پر وہ اپنی حالت کو گرا ہوا پاتے ہین اگر خدا تعالے کے ساتھ انکے تعلقات اعلے درجہ کی محبت کے نہین اگر وہ تمام دنیاوی خواہشات کو اللہ تعالے کے ساتھ تعلق قایم رکھنے کیلیے چھوڑنیکے واسطے تیار نہین اگر دنیاوی منافع اُن کی دینی راہ مین روک ہوئے ہین تو پھر نماز کو چھوڑنا یقیناً ہلاکت تک پہنچا دیگا کیونکہ انہی باتونکا علاج نماز کو قرار دیا گیا ہے۔ اس سے بڑھکر انسان اپنے آپ کو کیا دھوکہ دیسکتا ہے کہ جس صورت مین وہ اللہ تعالے سے جدا ہوکر نفسانی زندگی بسر کر رہا ہو تو یہ سمجھ بیٹھے کہ اب اسے کسی علاج کی ضرورت نہین اور کوئی تریاق اسے درکار نہین جو دنیا کی محبت کے زہر کے اثر کو دور کرے۔ مسلم ریفارم کے دیکھنے سے جو کچھ معلوم ہوتا ہے وہ یہی ہے کہ مسلمانونکو وہ اسقدر حقیقۃً دنیا پر جھکے ہوے اور اشغال دنیوی مین منہمک دیکھنا چاہتا ہے کہ لمحہ کیلیے بھی انکے خیالات مین یہ نہ آوے کہ خدا بھی ہے یا کہ وہ پرستش کے لایق ہے۔ اسکی رائے مین دنیا اسقدر کاروبار مین مصروف ہے اور اسکے اشغال اسقدر کثرت سے ہین کہ وہ خدا کے ہر جگہ موجود ہونیکا خیال بھی دل

مین نہین لانا چاہتی اور اس کی خواہش صرف اسیقدر ہے کہ مسلمان یورپ کے اُن مادہ پرست اور دہریوں کے نقش قدم پر چلین جنہون نے کفارہ کے غلط عقیدہ سے بیزار ہوکر دنیوی آرام اور دنیوی راحت کو ہی اپنی خوشحالی کا مقصد اعلےٰ سمجھ رکھا ہے اور سوائے خدا تعالیٰ کی ہستی کے انکار کے اور کوئی پناہ ہی اُنکو نہین ملی۔

اس سے یہ ظاہر ہے کہ اگر اسی دنیاوی راحت کو اس زندگی کی غایت سمجھ لیا جاوے اور عالم عاقبت کی نسبت کبھی خیال بھی ہمارے دل مین نہین آنا چاہئے تو پھر یہ نئے مسلمان نمازونکی تعداد کو کم کرنے مین بیشک حق پر ہونگے۔ اور اس سے اگلا قدم یعنی نمازون کو سرے سے منسوخ ہی کر دینا اور بھی مفید ثابت ہوگا اور جتنی جلدی یہ کام کیا جاوے اتنا ہی فایدہ زیادہ ہوگا۔ لیکن اگر خدا ہے اور اس دنیا کے بعد کوئی اور عالم بھی ہے جسکے لیے ہماری اس دنیا کی زندگی صرف ایک قسم کی تیاری ہے جیساکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اور ایسا ہی ہر ایک نبی نے تعلیم دی ہے تو پھر ہر ایک تجویز جو اس مقصد کے حاصل کرنیکے لیے روک ہوسکتی ہو اور خدا تعالےٰ سے ہمین دور رکھتی ہے وہ بے برکت تجویز اور شیطانی وسوسہ ہے جیساکہ یہ نمازونکے کم کرنیکا یا بالکل ترک کر دینے کا خیال۔ کیونکہ ہم نماز مین اللہ تعالیٰ کی ہستی کو دیکھتے اور محسوس کرتے ہین کیا کوئی سمجھدار آدمی ترک نماز کیلیے اس عذر کو جایز قرار دیسکتا ہے کہ ہم دنیوی کاروبار مین اسقدر مصروف ہین کہ ایسے غیر ضروری امر کیطرف متوجہ نہین ہوسکتے کیا نمازین اسلیے مقرر کیگئی تھین کہ مسلمانون کی بیکاری کا وقت اسی حیلہ سے ٹل جائے اگر یہ سچ ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی دیکھکر نماز کا حکم دیا تھا کہ صحابہ بیکار بیٹھے رہتے تھے تو پھر کسی اور مفید کام مین وقت صرف کرنا بیشک بہتری کا باعث ہوسکتا ہے۔ لیکن ہم مسلم ریفارم اور اسکے حامیوں سے یہ پوچھنا چاہتے ہین کہ آیا نماز کے متعلق انکا یہی عقیدہ ہے۔ ساتھ ہی ہم یہ بھی دریافت کرنا چاہتے ہین کہ دنیوی اشغال یعنی مالی فواید کو مذہبی فرایض پر ترجیح دینا اس دنیا کی وہ محبت تو نہین جس سے خدا تعالےٰ منع کرتا اور جسکے بد نتایج سے بار بار قرآن کریم مین ڈراتا ہے جیساکہ اس آیت مین وَمِنَ الَّيْلِ فَاسْجُدْ لَهٗ وَسَبِّحْهُ لَيْلًا طَوِيْلًا ۝ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ يُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ وَيَذَرُوْنَ وَرَآءَهُمْ يَوْمًا ثَقِيْلًا ۝ (الدہر ۲۶-۲۷) ''اور رات کے بڑے حصہ مین نمازین پڑھو اور خدا کی تسبیح و تقدیس کرو یہ لوگ تو صرف دنیا سے ہی محبت رکھتے ہین اور قیامت کے روز سخت کو پس پشت ڈال رکھا ہے یعنی اسکے لیے کچھ بھی تیاری نہین کرتے'' یہان ایک طرف تو حکم دیا گیا ہے کہ رات کے بڑے حصہ مین نمازین پڑھا کرو۔ اور پھر اسکے مخالف طریق کو حُبِّ دنیا بیان کیا گیا ہے۔ اور مسلم ریفارم کا یہ فرض ہے کہ وہ دکھا دے کہ جن لوگونکے متعلق اس جگہ یحبون العاجلۃ بیان کیا گیا ہے وہ کسطرح سے ان مین شامل نہین۔

پس نماز کا حکم تو قرآن کریم اسلیے دیتا ہے تاکہ دنیا کی محبت کم ہو اور اللہ تعالےٰ سے تعلق مضبوط ہو

اور جو شخص حُبِّ دنیا میں مستغرق اور خدا تعالےٰ سے دور پڑا ہوا ہے اسکا یہ کہنا کہ مجھے نماز کی ضرورت نہین یا پانچ نمازون کی ضرورت نہین بڑی نااجھی ہے۔ اس کی حالت اس بیمار کی سی ہے جسکی بیماری خطرناک ہے اور بیماری کے عوارض سب موجود ہین لیکن وہ کہتا ہے کہ جو نسخہ طبیب تجویز کرتا ہے اسکو مین استعمال نہین کرتا۔ اس دنیا کی پرلے درجہ کی محبت اور اس دنیا کے اشتغال مین غرق رہنا جس کی خاطر نئی روشنی کے تعلیم یافتہ جنٹلمین نمازون سے آزادی حاصل کرنا چاہتے ہین یہی وہ علامتین ہین جو ان کی خطرناک حالت بیماری کو ظاہر کر رہی ہین اور جنکے لیے نماز کا نسخہ تجویز ہو چکا ہے اور جس نسخہ کا مجوزہ وہ طبیب حاذق ہے جس کی فراست روحانی امور مین کبھی خطا نہین کرتی۔ یہ اس بیمار کی خطرناک حالت ہے جو مرض کو اچھا سمجھتا اور دوائی سے نفرت کرتا ہے۔ ایسا مریض کیونکر صحت یاب ہو سکتا ہے۔ قرآن کریم تو یہ چاہتا ہے کہ انسان اللہ تعالےٰ سے ایسا گہرا تعلق پیدا کرے کہ اسی دنیا مین اس کی بہشتی زندگی شروع ہو جاوے پس سوال یہ ہے کہ کیا یہ بہشتی زندگی ان لوگون کو میسر آچکی ہے؟ اور کیا وہ جذبات اور خواہشات نفسانی سے نجات پا چکے اور گناہ کی غلامی سے آزاد ہو چکے ہین؟ کیا اللہ تعالےٰ سے انکا وہ پاک تعلق ہے جسکے لیے وہ دنیا کے سب فوائد اور تعلقات کو چھوڑنیکے لیے تیار ہین؟ یہ وہ سوال ہین جن کا ہم صاف صاف جواب ان سے چاہتے ہین۔ جو کچھ انکے چال چلن اور ان کی تجویز دنسے معلوم ہوتا ہے وہ تو یہی ہے کہ وہ ادنے دنیوی منفعت کی خاطر نمازون کو چھوڑنے کو تیار بیٹھے ہین بلکہ چھوڑ چکے ہین اور اس سے صرف اسیقدر ثابت ہوتا ہے کہ دنیا کی محبت ان لوگونکے دلون مین غالب ہے اور آخرت سے وہ بالکل لاپروا ہین زبان سے یہ دعوے کیا جاتا ہے کہ ہم خدا کو مانتے ہین لیکن دل کو ٹٹولا جاوے تو وہان خالص.... دہریت کے سوا اور کچھ نظر نہین آتا۔

بوجوہات مذکورہ بالا کوئی شہادت اس امر کی نہین کہ جو لوگ نماز کی منسوخی کے درپے ہین وہ نہین معنون مین مسلم ہین جن معنون مین آنحضرت صلعم کا منشاء مبارک تھا کہ آپکے متبعین مسلم ہون۔ نماز اسلام کا اتنا بڑا رکن اعظم اور ضروری اصول ہے کہ بیماری کے بستر پر لیٹے ہوئے بیمار کو بھی یہ حکم ہے کہ وہ نماز ادا کرے اور میدان جنگ مین بھی جہان دشمن سر پر تلوارین لیے کھڑے ہوتے تھے نماز کبھی ترک نہین کیگئی نماز ہی مومن کا معراج ہے۔ اور نماز کو چھوڑ کر مذہب اسلام کچھ بھی نہین۔ نماز ہی ایک ایسا ضروری اصول ہے جو انسان کو اس اعلےٰ مقام تک پہونچاتا ہے جسکے لیے وہ پیدا کیا گیا ہے۔ پس اتنے اہم بلکہ سب سے اہم اصول کو اس فضول عذر پر ترک کرنا کہ اب دنیا کے کاروبار بڑھ گئے ہین پرلے درجہ کی حماقت ہے ہان قرآن کریم مین ایک یہ آیت بیشک آئی ہے کہ لا تقربوا الصلوٰۃ وانتم سکاریٰ۔ یعنی جس حالت مین

تم شراب سے بدمست ہوجاؤ تو نماز کے قریب بھی نہ جاؤ۔ لیکن نو تعلیم یافتہ پارٹی میں ہمارے خیال میں ایسے آدمی بہت ہی کم ہیں جو اس آیت سے فایدہ اٹھاکر تارک نماز ہوسکتے ہیں کیونکہ ابھی تک بڑی بھاری تعداد اس پارٹی کی بھی کثرت شرابخوری سے بچی ہوئی ہے اور اغلباً استعمال شراب کو برا سمجھا جاتا ہے ہاں ایسے بیہودہ عذر تلاش کرنے کی بجائے کہ اشتغال دنیا کی کثرت کے سبب سے ہم خدا کا خیال بھی دل میں نہیں لاسکتے یہ بہتر ہے کہ اگر نماز کو ترک ہی کرنا ہے تو ان لوگوں کے لیے جنہوں نے یورپ سے شرابخوری کی علت کو لے لیا ہے اس آیت کو ترک صلوۃ کی دلیل سمجھ لیا جاوے۔

ممکن ہے کہ ہمارے متعلق کسی کو ان باتوں سے یہ غلط فہمی ہو کہ ہم اسلام کو ایسا مذہب قرار دیتے ہیں جو انسانوں کو دنیا کے کاروبار کرنے سے روکتا ہے۔ ہرگز نہیں اسلام کام سے منع نہیں کرتا اسلام میں رہبانیت نہیں ہے بلکہ ایک حدیث کا مضمون یہ ہے کہ اسلام کی رہبانیت یہی ہے کہ انسان اپنی پوری طاقت کو خرچ کر کے کوشش کرے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم اور انکے اتباع اور تمام پاکدل مسلمان.. علاوہ پانچ فرض نمازوں کے رات کا بڑا حصہ بھی نمازوں میں گذارتے تھے۔ مگر تاہم یہ لوگ دنیا میں بیکار یا سست نہ تھے اور نہ ہی گھروں کی یا سوسائیٹی کی ضروریات سے غافل تھے اور نہ ہی علوم میں ترقی سے لاپرواتھے وہ دنیا کے فاتح بھی تھے اور علوم میں بھی سب سے فوقیت لیگئے تھے۔ وہ نمازوں کو بھی فوقیت ادا کرتے اور اپنے دوسرے فرایض اور حقوق کو بھی ایسی طرح ادا کرتے تھے جو ادا کرنے کا حق ہے۔ لیکن اللہ تعالے کی ہستی انکے لیے یقین تام کا حکم رکھتی تھی اور اسلیے نماز میں اللہ تعالے کے حضور حاضر ہوتے کوئی بات یا کوئی دنیا کا کام انکو روک نہ سکتا تھا۔ یہ وہ مسلم تھے جو جانتے تھے اور بصیرت سے اس امر سے واقف تھے کہ سچی خوشحالی صرف خدا کی اطاعت میں ہے ان راستبازوں کے طریق کی آج کل کے مدعیان تہذیب مخالفت کر رہے ہیں کیونکہ وہ نہیں چاہتے کہ ایک لحہ کیلیے بھی ان کی سرکش گردنیں خدا کے آگے جھکیں مگر اللہ تعالے کا ہاتھ بڑا زبردست اور طاقتور ہے اور وہ ہر ایک سرکش کی گردن کو اپنے آگے جھکا لیتا ہے۔ تعجب ہے کہ یہ لوگ دنیاوی امور کیلیے نمازوں کو مختصر کرنے کی تجویزیں تو سوچتے ہیں مگر یہ خیال انکے دل میں کبھی نہیں آتا کہ نمازوں کی خاطر دنیا کے کاموں کو ہی مختصر کر دیا جاوے۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ انکا ایمان عالم آخرت پر کچھ بھی نہیں اور وہ اسی دنیا کو ہمیشگی کا گھر سمجھے بیٹھے ہیں اصل بات یہ ہے کہ اس مادہ پرستی کے زمانہ میں لوگ اللہ تعالے سے اسقدر دور جا پڑے ہیں کہ وہ اس سچی خوشحالی سے بالکل بیخبر ہیں اور اس راحت سے ناواقف ہیں جو نماز میں حاصل ہوتی ہے کیونکہ نماز ہی انسان کا تعلق اللہ تعالے کے ساتھ قایم کرتی ہے مگر افسوس ہے کہ آج کل نماز کو ایک بوجھ سمجھا جاتا ہے

اور ادائیگی نماز کو محض ایک فرض سے سبکدوشی خیال کیا جاتا ہے لیکن اللہ تعالےٰ کا یہ منشا نہین کہ نماز مین انسان ٹکرین مار کر اپنا وقت ضایع کرے۔ نماز آدمی کو اللہ تعالےٰ کے حضور پہونچاتی ہے اور نماز سے جو تعلق انسان کا اپنے آقا و مولے سے پیدا ہوتا ہے وہ اسکے اندر ایک اعلےٰ درجہ کی لذت اور راحت پیدا کرتا ہے اور اسی دنیا مین اُسے ایک بہشتی زندگی عطا کرتا ہے اسکی لذت وہ اعلےٰ درجہ کی لذت ہے جسکا مقابلہ کوئی دنیا کی لذت نہین کر سکتی۔ اگر کسیکو یہ لذت نصیب ہو جاوے تو وہ دنیا کی تمام لذتونکو بھول جاوے اور نماز کو ہی اپنی روح کی غذا سمجھے۔ سب دل اللہ تعالےٰ کے ہی ہاتھ مین ہین جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے۔

اگر ضرورت ہوئی تو ہم پھر اس مضمون پر کچھ اور لکھینگے۔ بالفعل اس مضمون کو جناب مولوی عبدالکریم صاحب کے ایک نوٹ کے ساتھ ختم کیا جاتا ہے کہ آیا "مسلم ریفارم" اس نام کا استحقاق بھی رکھتا ہے۔ وہ نوٹ حسب ذیل ہے:۔

کیا یہ نام "مسلم ریفارم" اس اصلاح کیلیے جو مصلحان جدید نے تجویز کی ہے مناسب ہے۔؟

یہ لفظ مسلم قرآن شریف مین جس معنے اور مفہوم کے ساتھ برتا گیا ہے وہ قطعی فیصلہ ہوگا۔ اس نزاع مین جو ان نئے ہمدردون مین پیدا ہونیوالی ہے قرآن شریف مین جہان خدا تعالےٰ بڑا احسان جتاتا ہے۔ فرماتا ہے۔ هُوَ سَمّٰكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ ۙ مِنْ قَبْلُ وَفِيْ هٰذَا لِيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ شَهِيْدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ ۚ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاعْتَصِمُوْا بِاللّٰهِ ۭ هُوَ مَوْلٰىكُمْ ۚ فَنِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ ۔ (الحج - ۷۸) یعنی ابراہیم نے تمہارا نام مسلم رکھا اور آج اس رسول کی زبان سے بھی تمہارا یہی نام رکھا جاتا ہے مسلمان ہونیکے معنے یہ ہین یا یون کہو کہ مسلمان ہونیکا نتیجہ یہ ہوگا کہ یہ رسول تم پر گواہ ہوگا اور تم دنیا پر گواہ ہوگے۔ اسکے معنے یہ ہین کہ جس طرح خود یہ رسول مسلمان بن کر تمہارے لیے ایک نمونہ ٹھہرا ہے اسی طرح تم بھی مسلمان بن کر کل دنیا کیلیے نمونے ٹھہروگے۔ (لیکن از بسکہ مسلمان ہونا بڑی بھاری بات ہے اسلیے اس خدا کے فضل کو کھینچنے والی اور اسکی طرف سے توفیق دینے والی تدبیر یہ ہے کہ) تم نماز کو قایم کرو اور زکوٰۃ دو (یعنی حقوق اللہ اور حقوق عباد کی پوری رعایت کرو۔) اور اللہ تعالےٰ پر خوب مضبوط ایمان پیدا کرو اسکا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ تمہارا آقا بنجائیگا۔ اس لفظ کا فلسفہ یہ ہے کہ تم دنیا کی گردنون اور سلطنتونکے مالک ہو جاؤگے اور خدا سے بڑھکر اور کون دوست اور مددگار ہو سکتا ہے۔ پھر ایک موقعہ پر خدا تعالےٰ نے ابراہیمؑ کا ذکر کیا ہے اور نمونہ کے طور پر اسکا وہ فعل بیان کیا ہے جو ہمیشہ کے لیے مومنین مین ابراہیم کی یادگار رہیگا۔ چنانچہ فرمایا اِذْ قَالَ

لَهٗ رَبُّهٗٓ اَسْلِمْ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔ (البقرۃ۔۱۳۱) یعنی جب حضرت ابراہیمؑ کو اللہ تعالےٰ نے کہا کہ خالص ہماری ہی فرمانبرداری کر (مسلم ہو جا) تو جواب مین عرض کیا کہ مین سارے جہانون کے پروردگار کا فرمانبردار ہوا۔ پھر ایک موقعہ پر جہان ذکر کیا ہے کہ کس طرح حضرت ابراہیمؑ نے ایک رویا کی بنا پر اپنے اکلوتے بیٹے کو قربان کرنا چاہا۔ اسی لفظ اسلام کو اس طرح پر مذکور فرمایا ہے۔ فَلَمَّآ اَسْلَمَا وَتَلَّهٗ لِلْجَبِيْنِ ۝ وَنَادَيْنٰهُ اَنْ يّٰٓاِبْرٰهِيْمُ ۝ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْيَا ۚ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ۝ (والصّٰفّٰت ۱۰۳-۱۰۵) پس جب دونون یعنی ابراہیمؑ اور اسمٰعیلؑ تعمیل حکم پر آمادہ ہوئے اور باپ نے بیٹے کو ماتھے کے بل لٹایا تو (ہمین ان کی فرمانبرداری نہایت ہی پسند آئی) اور ہم نے اس سے پکار کر کہا کہ اے ابراہیم تم نے خواب کو خوب سچ کر دکھایا (اب ہم تم کو بڑے مراتب دینگے) اور نیک بندونکو ہم ایسا ہی بدلہ دیا کرتے ہین۔

ان مقامات مین غور کرنیسے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام بہت بڑا لفظ ہے۔ اور مسلم وہ عظیم الشان انسان ہے جو اسلام کو اپنے اندر رکھتا ہے۔ اس لفظ کی تفسیر کیلیے اتنا ہی کہنا کافی ہے کہ قرآن شریف مین خدا یتعالے نے اپنی تمام رضامندیون اور انعامون اور فضلون اور برکتون کا جالب اسی اسم کو ٹھہرایا ہے جیسا کہ ایک موقعہ پر کہا ہے۔ بَلٰى مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهٗٓ اَجْرُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ۠ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ۔ (البقرۃ۔۱۱۲) یعنے مسلم وہ ہے جو خدا تعالے کی راہ مین اپنے تمام وجود کو سونپ دیوے یعنے اپنے وجود کو اللہ تعالے کیلیے اور اسکے ارادونکی پیروی کیلیے اور اسکی خوشنودی کے حاصل کرنیکے لیے وقف کر دیوے جو شخص ایسا کریگا اور پھر نیک کامون پر خدا یتعالے کیلیے قایم ہو جاویگا وہی ہے جو عند اللہ مستحق اجر ہے اور ایسے لوگون پر نہ کچھ خوف ہے اور نہ وہ کچھ غم رکھتے ہین۔

خلاصہ یہ ہے کہ قرآن شریف نے یہودیون اور نصرانیون سے مباحثہ کرتے ہوئے اور رسول کریم صلعم کی نبوت کے ثبوت مین دلایل قاطع دیتے ہوئے یہ فیصلہ کیا ہے کہ کل نبی خصوصًا موسویون اور عیسویونکے مورث اعلے حضرت ابراہیمؑ مسلم تھے اور وہ عظیم الشان نبی جسکا نام اسرائیل تھا اور بنی اسرائیل کا قابل فخر باپ تھا۔ وہ بھی مسلم تھا اور اپنی اولاد کو بھی مسلم بننے کی وصیت کر کے مرا۔ اور ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم بھی مسلم تھے۔

اب یہ دیکھنا چاہیے کہ اسلام اور مسلمان ہونا کیا کیفیت اور حقیقت رکھتا ہے جسپر خدا یتعالے کے اسقدر انعامات اور برکات نازل ہوتے ہین لیکن اس تفتیش مین بھی کچھ تکلف کی ہمین ضرورت نہین پڑتی خود ان مسلمونکی طرز زندگی اسکی کافی تفسیر ہے۔ اب ان لوگونکی طرز زندگی دیکھنے کیلیے کہ خدا اور خلق کے ساتھ انکا معاملہ کیسا تھا ہمین پھر قرآن کریم کیطرف ہی رجوع کرنا چاہیے۔ قرآن شریف نے جو کچھ ان کی نسبت

کہا ہے وہ یہ ہے کہ وہ اعلےٰ درجہ کے راستباز تھے متقی تھے خدا تعالےٰ کے ساتھ سچا تعلق رکھنے والے تھے مخلوقات کے ساتھ سچی ہمدردی کرنیوالے اور بڑے درجہ کے نیکوکار تھے۔ ان لوگون کی زندگیون اور کارروائیونکا صاف صاف طور پر دکھانیوالا اور خدا تعالےٰ کی برکات کا مجموعہ ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم تھے جنکے ایمان اعتقاد اور اعمال کی نسبت قرآن شریف مین یہ دعوے کیا گیا ہے کہ کل انبیا کا یہی ایمان اور اعتقاد اور طرزِ عمل تھا۔ اب یہ کوئی مخفی بات نہین کہ یہ مسلمان یا اول المسلمین حضرت محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نمازین پڑھتے تھے اور اسیطرح کی پانچ نمازین پڑھتے تھے جو تعامل کے طور پر تیرہ سو برس سے ابتک بلا تغیر قایم ہین روزے رکھتے تھے زکوٰۃ دیتے تھے حج کرتے تھے ان تمام امرونکو بجا لاتے تھے جو قرآن شریف مین مذکور ہین اور اسی طرح اُن تمام نہیون سے بچتے تھے جو خدا کی کتاب مین مسطور ہین۔ اور نہ صرف اس اول المسلمین محمد احمد صلے اللہ علیہ وسلم نے خود خدا کے اُن امرون اور نہیونکی تعمیل کی ہے بلکہ قیامت تک مسلمونکیلیے یہی نشان قایم کیئے ہین اور اپنے دعوے اور طرزِ عمل اور عمل کے نتیجون سے یہ ثابت کر کے دکھایا ہے کہ خدا تعالیٰ کی خوشنودی اور خدا تعالےٰ سے تعلق کی یہی ایک راہ ہے۔ دراصل یہ بہت گہری بات ہے کہ خدا کیا ہے اور اسکی خوشنودی کیا ہے۔ اور ایک انسان اس خوشنودی کو کیونکر حاصل کر سکتا ہے۔ اگرچہ کل نبیون اور راستباز فلاسفرونکا اصل منشا اور غایت اسی راز کا کھولنا رہا ہے مگر قرآن شریف نے بے نظیر طریق سے اس مسئلے کو صاف کیا ہے۔ اس طرح پر کہ یہ دعوے کیا ہے کہ خدا ہے اور اسکی ایک مرضی ہے اور اس کی مرضی کے بجالانے پر اسی دنیا مین انعامات اور برکات مترتب ہوتے ہین اور اسکی خلاف مرضی کے ارتکاب پر اسی دنیا مین لعنت اور عقوبت وارد ہوتی ہے۔ وہ خدا کی مرضی اسلام اور اسکے شعایر ہین۔ اور اس راہ پر چلنے والا اور اس مرضی کو بجالانیوالا اسیکا مسلم اسوقت محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ہے۔ اور وہ لوگ جو اس کی مخالفت کرتے ہین یا اسلامی اصطلاح مین یون کہو کہ اسکا کفر کرتے ہین وہ خدا تعالیٰ کی مرضی کے بخلاف اپنی تراشیدہ راہونپر چلتے ہین یعنی مسلم نہین ہین۔ اب دونون گروہونکا یعنے مسلمون اور غیر مسلمون یا... کافرونکا خوفناک مقابلہ ہوتا ہے۔ اس مقابلہ کی نسبت خدا کی زندہ کتاب مین برسون اس سے پہلے کہ مقابلہ کا کوئی وجود اور نشان بھی نہ تھا بڑے پرزور اور بلند اور پرشوکت الفاظ مین جابجا یہ دعوے کیا گیا ہے کہ ازبسکہ محمد صلے اللہ علیہ وسلم اور آپکے پیرو متقین ہین یعنی مسلمین ہین یا یون کہو کہ خدا تعالےٰ کی رضا کی راہون پر چلنے والے ہین اسلیے وہ مظفر اور منصور ہونگے۔ اور اپنے مخالفونکے شہرون اور گھرون اور اموال واملاک پر قابض ومتصرف ہوجاینگے اور انکے دشمن سخت ذلتون اور تباہیونمین گرفتار ہونگے اُسیطرح جیسے ابتدائے آفرینش سے خدا تعالےٰ کی سنت بدکارونکے لیے جاری ہے۔ رسول کریم صلعم

کی اس کامیابی اور آپ کی دعوت کی اس سچی کامیابی نے یہ ثابت کر دیا کہ وہی راہ خدا تعالی کی مرضی اور خدا کی معرفت کی راہ ہے جس راہ پر آپ چلے ہیں اور اسکے خلاف ضلالت اور ہلاکت کی راہ ہے اور ساتھ یہ بھی ثابت کر دیا کہ ایک قادر قاہر متصرف مدبر بالارادہ یحکم مایرید وفعل مایشاء ہستی ہے جسکے بلائے سے وہ قبل از وقت بولے اور ایسے پر تحدی الفاظ میں دعوے کیے کہ جن کی نظیر دنیا کی تاریخ میں پائی نہیں جاتی۔

اب جبکہ بڑی صفائی سے یہ بات طے ہوگئی کہ اسلام کیا شے ہے اور مسلم کن لوگون کا نام ہے اور اُن کے اعمال و افعال کے نتایج کیا ہین تو سوال یہ ہے کہ آیا مسلم ریفارم انہی راہون پر چلانا چاہتا ہے۔ مگر افسوس ہے یہ اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ اس کی راہ وہ راہ نہین جو اِن مذکور الصدر مسلمانون کی راہ ہے تو پھر ہماری سمجھ مین نہین آتا کہ یہ نام کیون تجویز کیا گیا ہے۔ ہم اس سے نہین روکتے کہ کوئی ریفارمیشن کا خیال دل مین نلاوے جتنے ریفارمر ہون ہون۔ مگر ہمین صرف یہ دیکھنا اور دکھانا تھا کہ آیا یہ نام اس کارروائی کے ساتھ جو اس پرچہ نے اختیار کی ہے کچھ بھی مناسبت رکھتا ہے۔

عیسائیت کے فرقہ مارمن کے اعتقاد

سب سے بڑا فرقہ جو گذشتہ صدی مین عیسائی مذہب کے اندر پیدا ہوا ہے اور جس کی عمر اسوقت پچھتر سال کی ہے مارمنون کا فرقہ ہے۔ اور اسوقت اسکے پیرو پانچ لاکھ بتائے جاتے ہین جن کا بڑا حصہ ریاست یوٹا مین رہتا ہے اور باقی دیگر عیسائی ممالک مین پھیلے ہوئے ہین۔ اس فرقہ کا بانی ایک شخص جوزف سمتھ نام تھا جو ۱۸۰۵ء مین پیدا ہوا اور ابھی چالیس سال کی عمر تک نہ پہونچا تھا کہ جیلخانہ مین ہی عیسائیون کے ایک مخالف گروہ نے اسکا کام تمام کر دیا۔ اس مضمون مین ہمین اس امر پر بحث کرنیکی ضرورت نہین کہ آیا مارمن فرقہ کا بانی نیک آدمی تھا یا مفتری اور کذاب۔ اور آیا اسکا چال چلن بالکل پاکیزہ تھا یا داغدار۔ ہماری غرض صرف ان عقاید کا دیکھنا ہے جن مین مارمن فرقہ کا مروجہ عیسائی مذہب سے اختلاف ہے۔ اور پھر یہ غور کرنا ہے کہ آیا یہ عقاید مروجہ عقاید پر ترجیح دینے کے قابل ہین یا نہین۔ سب سے اول یہ امر قابل ذکر ہے کہ مارمن لوگ بائیبل کو مانتے ہین لیکن عام عیسائیون کے برخلاف وہ اسکے نقصون کو نقص سمجھتے ہین چنانچہ ایک مباحثہ مین جو فرقہ مارمن مین اور عام عیسائیون مین ہوا تھا مارمن مباحث نے بائبل کے متعلق اپنے اعتقاد کو ان الفاظ مین بیان کیا

"مین اِس مباحثہ مین اُس بائیبل کو جو بادشاہ جیمس کے ترجمہ کے نام سے مشہور ہے تسلیم کرتا ہون مین اس بائیبل کو جو اصلی عبرانی زبان مین ہے اگر وہ مل سکے تسلیم کرتا ہون عبرانی کی بائیبلین تو بیشک اس زمانے مین ہمارے پاس موجود ہین۔ میرے ہاتھ مین بھی عبرانی زبان کی ایک بائیبل اس وقت موجود ہے۔ مگر اصلی بائیبل دنیا مین کہین نہین ملتی بلکہ اصل کی پہلی نقل کا بھی کوئی پتہ نہین ملتا بلکہ مین تو سمجھتا ہون کہ اصلی بائیبل کی سوین نقل بھی اسوقت ہمین نہین ملتی مثلاً حضرت موسے کی شریعت کا اصل نسخہ جو الواح پر لکھا ہوا تھا وہ کہین دستیاب نہین ہوتا۔ بلکہ جہانتک ہمین علم ہے گذشتہ اٹھارہ سو سال سے ایسے الواح اور شریعت موسوی کے اصل نسخہ کا کوئی پتہ نہین چلتا۔ ہم ان کا حوالہ نہین دیسکتے بلکہ ان کی نقلون کا حوالہ بھی نہین دیسکتے۔ صرف ہمین بائیبلون کا حوالہ دے سکتے ہین جو حال کے زمانے مین شایع ہوئی ہین اور چونکہ یہ نسخے ایک دوسرے سے اختلاف رکھتے ہین۔ یہانتک کہ کہا جاتا ہے کہ مختلف نسخون مین تیس ہزار مختلف قراتین ہین۔ یہ کون فیصلہ کر سکتا ہے کہ عبرانی بائیبل جو ہمین نسخون مین سے کسی ایک سے ترجمہ کی گئی ہے اصلی نسخہ سے ترجمہ ہوئی ہے یا نہین"

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مارمن لوگ بائیبل کو ایک حد تک مانتے ہین اسکے علاوہ انکا اعتقاد ہے کہ نیا عہد نامہ کمل نہین بلکہ اسکا تتمہ وہ اس کتاب کو قرار دیتے ہین جسے وہ مارمن کی کتاب یا مغربی براعظم کی بائیبل کہتے ہین۔

دوسرا اختلاف جو مارمنون اور عام عیسائیونکے درمیان ہے وہ انقطاع وحی الہی کے متعلق ہے عام عیسائیون کا یہ اعتقاد ہے کہ مکاشفات کی کتاب کے بعد سلسلہ وحی الہی بالکل منقطع ہوگیا اور آیندہ خدا نے اپنا کلام بندون پر نازل کرنیکا دروازہ بند کر دیا۔ اس اعتقاد کے سبب سے لوگونکو باریتعالی کی ہستی پر بھی شکوک پیدا ہوئے ہین۔ مندرجہ ذیل الفاظ جنکا لکھنے والا ایک طالب حق ہے ہر ایک دل پر جسے تعصب نے اندھا نہ کر دیا ہو اثر کرتے ہین۔

"اسوقت ایسے مذہب کی ضرورت ہے جو انسانونکے اندر ایسے ایمان کو پیدا کرے کہ واقعی خدا زندہ خدا ہے اور وہ ہمارا باپ ہے اور وہی اپنی تائید سے ہمین گذشتہ کے مردہ قصون سے اوپر اٹھنے کی طاقت دیتا ہے وہ ہمارا مولے ہے اور کہ وہ مکاشفات کی کتاب کو پورا کرنیکے بعد مر نہین گیا اور کہ **ہم اب بھی اس سے الہام پا سکتے ہین**۔ ہم کو ایسے مذہب کی سخت ضرورت ہے کیونکہ دنیا اس طرح زندگی بسر کر رہی ہے کہ گویا اسکے نزدیک خدا مر چکا ہے یا سویا ہوا ہے اور دنیا کے لوگ یہ سمجھ رہے ہین کہ جس طرح ہم ایک دوسرے کو دھوکا دے لیتے ہین اسی طرح خدا بھی ہمارے دھوکے مین آسکتا ہے۔ اس غفلت اور لاپروائی اور نفاق سے دنیا پر ایک روحانی موت وارد ہوگئی ہے۔ سب سے بڑھکر فسق و فجور ان ملکون مین پھیل رہا ہے جنکو سب سے بڑھکر عیسائی

تہذیب پر ناز ہے۔ ہر جگہ ہم دیکھتے ہین کہ لڑکے اور لڑکیاں جوان مرد اور جوان عورتین بیاہے ہوئے مرد اور بیاہی ہوئی عورتین پرلے درجہ کی بدکاریوں مین مبتلا ہو رہے ہین" (دیکھو عیسائیون اور مارمنونکا اصول مصنفہ چارلس ایلس صاحب) اُن لوگونکو جنکے دلون مین زندہ خدا اور اسکے کلام کیلیئے تڑپ ہے ہم یہ خوشخبری دیتے ہین کہ اس حی و قیوم قادر مطلق خدا نے عین اپنے وعدونکے مطابق اور عین اسوقت پر جب سب آنکھین انتظار مین لگی ہوئی تھین اپنا آخری سلسلہ قایم کیا ہے اور عین ضرورت کے وقت اپنے مسیح موعود کو نازل فرمایا ہے کہ تا پیاسونکی تسکین ہو اور تھکے ماندے آرام پادین۔ اس زمانے مین اللہ تعالے نے اپنی زندہ وحی کے چشمہ کو جاری کیا ہے کہ حق کے پیاسے سیراب ہو وین اور اس کی ہستی پر یقین کامل کے درجہ تک پہونچکر گناہ کی قید سے رہائی پاوین کیونکہ قدیم سے سنت الٰہی یہی رہی ہے کہ جب کبھی دنیا پر روحانی موت آئی ہے اللہ تعالے نے اپنی وحی کے ذریعہ سے اپنے کسی خاص بندے کو مامور فرما کر از سر نو وحی کا چشمہ جاری کیا ہے کیونکہ بغیر اسکے اللہ تعالے پر زندہ ایمان پیدا ہو ہی نہین سکتا۔ القصہ ایک ہی سبیل خدا کی ہستی پر یقین تام کے پیدا ہونیکی ہے اور وہ ہے وحی الٰہی پس وحی الٰہی کے جاری ہونے سے انکار کرنا گویا یہ کہنا ہے کہ اللہ تعالے نے یہ پسند نہین کیا کہ اس زمانے کے گم گشتہ لوگ بھی اسکی سچی راہ کو پا سکین یا اس کی سچی معرفت حاصل کر سکین۔ مگر عیسائی مذہب یہی تعلیم دیتا ہے لیکن فرقہ مارمن اسکے برخلاف یہ اعتقاد رکھتا ہے کہ خدا تعالے اپنے برگزیدہ بندونکے ساتھ ہر زمانے مین ہمکلام ہوتا ہے اور اسکا چشمہ وحی ہر زمانے مین جاری ہے۔ اسی عقیدہ کی بنا پر مارمن لوگ یسوع کو باقی انبیاء سے بڑھ کر کوئی الگ قسم کی فضیلت نہین دیتے۔ اور ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کو خدا کا راستباز نبی اور برگزیدہ انسان مانتے ہین۔ یہ بات تو ظاہر ہی ہے کہ انکے نزدیک بانی فرقہ یعنی جوزف سمتھ بھی صاحب وحی تھا۔

تیسرا اہم اصول جس مین مارمنون کا عام عیسائیونکے ساتھ اختلاف ہے موروثی گناہ کا مسئلہ ہے یعنے حضرت آدمؑ کے سبب سے تمام آنیوالی نسلون کا ہمیشہ کیلیئے مورد غضب اور لعنتی ٹھہر جانا۔ اگرچہ اس عقیدہ کا ہر ایک پہلو قابل نفرت ہے مگر سب سے زیادہ بیزار کرنیوالا اسکا یہ پہلو ہے کہ چھوٹے بچے بھی ہمیشہ کیلیئے جہنم مین رہین گے یہ عقیدہ موروثی گناہ کے عقیدہ کا لازمی نتیجہ ہے۔ اور وہی مصنف جسکا اوپر حوالہ دیا گیا ہے اس مضمون پر ان الفاظ مین بحث کرتا ہے "یا تو یہ عقیدہ کہ آدم پرلے درجہ کی بدکاری مین پڑ گیا تھا اور پھر وہی بدکاری اس کی تمام نسل کے حصہ مین آئی بالکل لغو اور جھوٹا عقیدہ ہے۔ یا اگر یہ سچا ہے تو اسکا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ تمام چھوٹے بچے اور تمام بالغ انسان سوائے چند برگزیدہ لوگونکے کل کے کل ابدی جہنم کے وارث ٹھہرتے ہین یعنی اگر آدم کا گناہ ان معنونمین موروثی ہے کہ اس کے پیچھے آنیوالی نسلین بھی اس مین شامل ہین۔ تو جو بچے اب پیدا ہوتے ہین وہ ایسے ہی لعنت کے نیچے اور راہ راست سے جدا ہین جیسا کہ آدم اور حوا کے بچے تھے۔

اور اگر برعکس اس کے یہ تسلیم کیا جاوے کہ جو بچے آج کل پیدا ہوتے ہین وہ لعنت کے نیچے نہین اور بدکاری انکو ورثہ مین نہین ملتی یعنی اگر وہ بغیر بپتسمہ لینے کے مرجائین تو ہمیشہ کے جہنم مین نہین گرائے جائینگے۔ تو بھی لازم آوے گا کہ آدم کے گناہ نے اگلی نسلون مین کوئی اثر نہین کیا اور نہ ہی ابنائے آدم موروثی طور پر گنہگار ہین اور اسلیے مسیح کا کفارہ جو آدم کے گناہ کیلئے کہا جاتا ہے بالکل بے اثر ہوگا۔" اصل مین آج کل کے علوم کی روشنی کے نیچے عیسائی صاحبان اس کوشش مین ہین کہ تمام بچونکا پیدا ہوتے ہی مورد غضب الٰہی ہونے اور ابدی جہنم کے وارث ہونیکا عقیدہ دور کیا جاوے لیکن یہ صاف ظاہر ہے کہ اس وحشیانہ عقیدہ سے اُسوقت تک عیسائیت کا دامن پاک نہین ہوسکتا جبتک پہلے موروثی گناہ اور پھر کفارہ کے عقیدہ کو ہی سرے سے الوداع نہ کہی جاوے۔ جیسے جیسے زمانہ جہالت سے نکلکر علوم مین ترقی کرتا جاتا ہے عیسائی مذہب کو بھی اپنی بیہودگیون اور غلطیون پر نادم ہونا پڑتا ہے ورنہ پہلے یہی عقیدے تھے جنکو بڑے فخر سے ممبر و پیر چڑھکر بیان کیا جاتا تھا۔ چنانچہ اسی کتاب مین ایک پادری صاحب کا ذکر لکھا ہے کہ اسکا قول ہے کہ "مین یقین رکھتا ہون کہ وہ چھوٹے چھوٹے بچے جو ابھی ایک بالشت کے بھی نہین ہوئے دوزخ کے فرش پر رینگتے پھرتے ہین" پہلی صدی عیسوی سے لیکر نوین صدی تک ایک بھی ایسا شخص بیان نہین کیا جاتا جس نے بچونکو بپتسمہ دینے کی ضرورت نہ سمجھی ہو یا دوسرے لفظون مین یہ عقیدہ نہ رکھا ہو کہ جو بچے بغیر بپتسمہ لینے کے مرجاتے ہین وہ سب کے سب ابدی جہنم مین جلائے جائینگے۔ صرف ایک شخص ایسا بیان کیا جاتا ہے مگر اس نے بھی بعد مین اس عقیدہ سے توبہ کی۔ امریکہ مین ایک واعظ کا ذکر ہے کہ اس نے بیان کیا کہ "شیرخوار بچے جو بغیر بپتسمہ لینے کے مردود ازلی ہین زہریلے سانپون کی مانند ہین جن کو خدا اپنے غضب کے چمٹے سے پکڑکر جہنم کی آگ پر جلائے گا" سبحان اللہ جھوٹ اور سچ مین کیسا زمین و آسمان کا فرق ہے۔ ایک طرف تو عیسائیت کا یہ وحشیانہ اور گھنونا عقیدہ ہے۔ اور دوسری طرف اسلام کا یہ پاک اور خوبصورت اصول کہ نہ صرف تمام بچے فطرت اسلام پر پیدا ہوتے ہین اور وہ کسی طرح سے قابل مواخذہ نہین بلکہ یہ بھی کہ جو چھوٹے بچے فوت ہوجاتے ہین وہ اپنے ماں اور باپ کے لیے شفیع ہوتے ہین اور خود جنت مین جانیکے علاوہ اپنے والدین کو بھی جنت مین لیجانیکا ذریعہ بنتے ہین۔ سوچنے والے دل کیلیے یہ چھوٹی سی بات نہین جس سے اسلام کی صداقت چمکتی ہوئی نظر آتی ہے۔ خیر یہ نفرت انگیز عقیدہ عیسائی مذہب نے دُنیا مین پھیلایا مگر مارمن فرقہ کے لوگ اس سے سچے دل سے بیزار ہین اور وہ موروثی گناہ کے عقیدہ کو باطل قرار دیتے ہین چنانچہ حضرت آدم کے متعلق وہ یہ عقیدہ رکھتے ہین کہ "ان دونونکو یعنی آدم اور حوّا کو ابدی بہشت سے نکالکر خداتعالے نے اس زمین پر اسلیے بھیجا کہ تا وہ اس دنیا کے انسانون کے مورث اعلے اور انسانی نسل کے بانی ٹھہرین لیکن چونکہ ان کو خداتعالے نے

غیر فانی بنایا تھا اِسلیئے جبتک وہ خود فانی نہ بنتے۔ ایک فانی انسانی نسل کے بانی نہ ہوسکتے تھے پس انکے بہشت سے نکالے جانیسے یہی مراد تھی یعنی غیر فانی ہونیسے فانی ہونے کی طرف انتقال کرنا۔ اور یہ غلط ہے کہ بہشت سے نکلنے پر انکی فطرت بدکاری کی فطرت ہوگئی تھی۔ بلکہ ایک وقت کے لیے اُن سے غیر فانی ہونا لے لیا گیا تاکہ اس بقا کو وہ پھر (روحانی) بعثت کے ذریعہ سے حاصل کریں"۔ اس طرح پر مارمنوں نے موروثی گناہ کو ہمیشہ کیلیئے رخصت کرکے اس طریق نجات سے آزادی حاصل کی جس مین ایک کی بجائے تین خدا ماننے پڑتے تھے۔

لیکن ان سب سے بڑھکر ایک اور بات ہے جس نے مارمنوں کو ہر طرح کی تکلیفوں اور دکھوں کا نشانہ بنایا ہے اور وہ ہے انکا اعتقاد کہ تعدد ازواج کا مسئلہ سچا مسئلہ ہے۔ کہا جاتا ہے کہ جوزف سمتھ کو اس مسئلے کی تعلیم صرف اپنی بعض بدچلنیوں کی پردہ پوشی کیلیئے دینی پڑی۔ مگر ان بدچلنیوں کے بیان کرنیوالے وہ عیسائی صاحبان ہین جو مذہب کیخاطر جھوٹ کو بھی درست سمجھتے ہین۔ دوسری طرف ہم دیکھتے ہین کہ جوزف سمتھ کی تعلیم کا شروع سے ہی یہ منشاء تھا کہ تعدد ازواج کا مسئلہ صحیح اور سچا مسئلہ ہے کیونکہ اول تو خود بائبل اور بائبل کے برگزیدہ نبی جو انسانوں کے لیے نمونہ بن کر آئے تعدد ازواج کی تعلیم دیتے تھے اور اِسلیئے جبتک کوئی عیسائی تعصب کی پٹی آنکھوں پر نہ باندھے وہ اس مسئلہ کی صداقت سے انکار نہین کرسکتا۔ علاوہ ازین جیسا کہ ہمنے پہلے کہا ہے جوزف سمتھ کی تعلیم مین شروع سے ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کو خدا کا سچا نبی اور خدا کیطرف سے مانا گیا تھا اور اِسلیئے بھی ضروری تھا کہ جوزف سمتھ ابتدا سے ہی تعدد ازواج کے مسئلہ کا قایل ہوتا۔ اور یہ سوال کہ جوزف سمتھ کی غرض اس مسئلہ کی تعلیم دینے سے کیا تھی ہماری راہ۔ جبتک کہ ملکی قانون کے رو سے مارمن مجبور نہین ہوگئے وہ کھلے طور پر تعدد ازواج کے مسئلے پر عمل کرتے رہے۔ مگر اسلام کی طرح انہون نے کوئی حد قایم نہین کی کیونکہ نہ صرف ..... پانچ پانچ عورتون والے مارمنوں کا ذکر ہی سنا جاتا ہے بلکہ مارمن چرچ کے پریزیڈنٹ ینگ کے متعلق لکھا ہے کہ جب وہ ۱۸۷۷ء مین مرا تو ۱۷ عورتین اور ۵۶ لڑکے لڑکیاں چھوڑ کر مرا۔ مارمنوں کی ترقی کا ایک بڑا ذریعہ تعدد ازواج کا مسئلہ رہا ہے۔ اور اس زمانے مین امریکہ جیسے مہذب ملک مین اس تعدد ازواج پر عمل کرنیوالے فرقہ کا نمایاں ترقی کرنا ایسی ترقی جو دوسرے عیسائیوں کو حیرت مین ڈال رہی ہے ان لوگوں کو جھوٹا ثابت کرتا ہے جو یورپ کی تقلید مین یہ کہہ رہے ہین کہ "تعدد ازواج جسم اور دل کو کمزور کرنے کا ذریعہ ہے اور اس سے ابتداً قوم کے افراد تباہ ہوکر آخرکار قوم کی قوم ہی تباہ ہوجاتی ہے"۔ اب اس تعدد ازواج پر عمل کرنیوالی قوم کا حال سنیئے کہ جب ایک ہی عورت سے شادی کرنیوالے

ریویو آف ریلیجنز

ظالمون نے انکو اپنے گھرون سے نکالدیا تو انہون نے ۱۸۴۷ء مین ایک نیا شہر سالٹ لیک سٹی آباد کیا انکے حد درجہ کی محنتی قوم ہونے پر ایک عیسائی مورخ اس طرح شہادت دیتا ہے کہ "زمین کے بڑے بڑے قطعات کو فی الفور زراعت کے نیچے لے آئے۔ ایک بڑا شہر اتنی جلدی آباد ہوگیا کہ گویا جادو سے پیدا ہوگیا اور ان پر پسیوں کی نہ تھکنے والی محنت اور ہمت اور جوش نے ایک بیابان کو ایک سرسبز اور لہلہاتا باغ بنادیا"۔
تعدد ازدواج پر ایک یہ اعتراض بھی کیا جاتا ہے کہ اس سے عورت مرد کے ہاتھ مین ایک مردہ کی طرح ہو جاتی ہے اور مرد جب چاہے ایک کو چھوڑ کر دوسری عورت کر سکتا ہے لیکن یہ سب بے بنیاد باتین اور جھوٹے حملے ہین۔ مارمنون کو جسقدر اپنی عورتون سے محبت ہے اسپر دوسری عورتون نے جو مارمن نہین رشک کیا ہے۔ چنانچہ اخبار ٹروتھ سیکر ۴ ۲ اکتوبر ۱۹۰۱ء کی اشاعت مین لکھتا ہے :- "عورتون کی ایک انجمن نے جسکا نام "نیویارک سوسائیٹی فار پولیٹیکل سٹڈی" ہے اپنے ایک جلسہ مین مارمنون کی اپنی عورتون سے اعلے درجہ کی محبت کی تعریف کی۔ ایک لیڈی نے کہا کہ ایک مارمن کی محبت پر غور کرو جب وہ اسبات کو پسند کرتا ہے کہ مار ڈالا جاوے یا جیلخانہ مین ڈالا جاوے مگر اپنی پانچ عورتون مین سے کسی کو نہین چھوڑ سکتا" اور پھر اسکے بعد ہی عورت خواہش ظاہر کرتی ہے کہ کاش ہمارے خاوندونکو بھی ایسی محبت ہو۔ اس نوٹ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ مارمنون پر تعدد ازدواج کی وجہ سے کیا کیا ظلم ہو رہے ہین۔
مارمنونکے تعدد ازدواج کے خلاف عیسائیونکا یہ جنگ اُسیوقت سے شروع ہے جبکہ ۱۸۴۳ء مین پہلے پہل بانی فرقہ نے کھلے طور پر اس اصول کو تسلیم کیا۔ سب سے پہلے مارمنون نے گورنمنٹ سے سند حاصل کرکے عیسائیونکے ظلم سے بچنے کیلئے ایک شہر ناوو آباد کیا تھا مگر ملکی قانون نے یہ سند دو سال بعد منسوخ کردی اور اس منسوخی سے مارمنونکی حالت ایسی نازک ہوگئی کہ انکو فی الفور جلاوطن ہونا پڑا۔ اور جنہون نے جلاوطنی اختیار نہ کی انہون نے اسکا نتیجہ بھگتا کیونکہ آخر شہر پر گولہ باری کرکے زبردستی انکو نکالا گیا۔ یہانسے بھاگ کر ان لوگون نے ایک نیا شہر آباد کیا جسکا ذکر اوپر آچکا ہے۔ مارمن دنیا کے مختلف مقامات سے جلاوطن ہوکر یہان آباد ہوتے گئے یہانتک کہ ممالک یورپ کے مارمنون نے بھی اسی جگہ پناہ لی۔ ۱۸۵۰ء مین ریاستہائے متحدہ کے پریزیڈنٹ فلی مور نے مارمنونکے علاقہ کو باقاعدہ صوبہ بنا کر مارمنونکے پریزیڈنٹ ینگ کو وہانکا حاکم بنادیا۔ لیکن یہ لوگ امن سے گذارہ نہ کرسکے اور ملک کی گورنمنٹ اور مارمنونکے درمیان اندرونی فساد شروع ہوگئے۔ بعض وقت بڑی بہادری سے انہون نے ملکی فوجونکو پسپا بھی کیا۔ مگر آخر کار انہون نے اطاعت اختیار کی۔ ۱۸۶۲ء مین تعدد ازدواج کو فوجداری جرم قرار دیا گیا۔ اور مارمن پریزیڈنٹ کو قید کیا گیا۔ مگر باوجود اسکے مارمن لوگ تعدد ازدواج پر عمل کرتے رہے۔

سنہ۱۸۷۳ء مین ایک اور بل تعدد ازدواج کے خلاف پیش ہوا جسکے رو سے مارمنونکی عورتونکو یہ اختیار دیا گیا کہ وہ طلاق کیلیے دعوے کرسکتی ہین۔ سنہ۱۸۷۴ء مین ایک اور بل پیش ہوا جس نے تعدد ازدواج کو منسوخ کرکے یوٹاکو جو مارمنونکا علاقہ تھا ایک معمولی صوبہ قرار دیا۔ وقتاً فوقتاً اور قانون تعدد ازدواج کے خلاف بنتے رہے مگر باوجود جیلخانون مین ڈالے جانیکے مارمنون نے اس اصول پر عمل نہ چھوڑا۔ سنہ۱۸۸۷ء مین ایک قانون جس کو ایڈمنڈ ٹکرس ایکٹ کہا ہے پاس ہوا۔ اسکے رو سے یہ حکم دیا گیا کہ کوئی شخص ایک عورت کے علاوہ دوسری عورت سے نکاح کرکے اسکو بطور بیوی کے گھر مین نہ رکھے حالانکہ ایسا ایکٹ کبھی کوئی پاس نہین ہوا جس نے یہ ممانعت کی ہو کہ ایک چھوڑ سو عورت کو کوئی شخص بلا نکاح گھر مین رکھکر ان سے زنا نہ کرے۔ پھر اسی ایکٹ کے رو سے ان تمام لوگونسے رائے دینے کے حقوق چھین لیے گئے جو قسم اٹھاکر یہ بیان نہ کرین کہ وہ تعدد ازدواج کا ارتکاب نہین کرتے۔ عورتونکے حقوق کل کی کل ریاست یوٹا سے چھین لیے گئے۔ مارمن چرچ اور جلاوطنونکی مدد کیلیئے کمیٹی کو توڑ ڈالا گیا۔ اور انکی تمام جایداد ضبط کی گئی۔ دس لاکھ ڈالر یا پینتالیس لاکھ روپے کی جایداد اس طرح پر ضبط ہوئی اور بارہ سو آدمی کو تعدد ازدواج کی وجہ سے جیلخانونمین ڈالا گیا اور بارہ ہزار کے حقوق چھین لیے گئے۔ جب یہانتک ظلم کی نوبت پہونچی تو مارمنونکے پریزیڈنٹ وڈرف نے مصلحت وقت دیکھکر یہ اشتہار شایع کیا کہ "چونکہ کانگریس نے تعدد ازدواج کو قانوناً منع کردیا ہے اسلیئے مین اس اشتہار کے ذریعہ سے اپنا یہ ارادہ ظاہر کرتا ہون کہ ان قوانین ملکی کی اطاعت اختیار کیجاوے اور ان کلیسیا کے ممبرونکو جو میرے زیر اثر ہین یہی صلاح دیتا ہون کہ وہ بھی ایسا ہی کرین۔ اور مین عام طور پر شایع کرتا ہون کہ میرا مشورہ تمام مارمنونکو یہی ہے کہ وہ اس قسم کا نکاح نہ کرین جس کی ملکی قانون اجازت نہین دیتے"۔ اس اشتہار کے مضمون کو مارمن چرچ کے جنرل کانفرنس نے بھی منظور کیا۔ اسپر فوجداری کارروائیان بند ہوگئین اور عام طور پر مارمن لوگ تعدد ازدواج کے مسئلہ پر عمل کرنیسے رک گئے۔ اگرچہ خفیہ طور پر اسکے بعد بھی کہین کہین ایسی شادیونکا رواج باقی رہ گیا ہے۔ لیکن اس عملی منسوخی سے اصول تعدد ازدواج کو مارمن لوگون نے ہرگز نہین چھوڑا بلکہ وہ اب بھی اسپر ویسے ہی قایم ہین۔

یہ ایک قابل غور امر ہے کہ تعدد ازدواج کی منسوخی کیلیے باقاعدہ اور پرزور کوششین ملک کی گورنمنٹ کی طرف سے اسوقت تک نہین ہوئین جبتک کہ مارمنون اور دوسرے عیسائیونمین اس مسئلہ پر ایک بحث ہوکر مارمن دلایل مین غالب ثابت نہین ہوگئے۔ یہ مباحثہ سنہ۱۸۷۰ء مین ہوا اور اسکے بعد ہی طرح طرح کے بل اور ایکٹ تجویز اور پاس ہونے لگے۔ مباحثہ مین زک اٹھاکر اور دلایل مین اپنے آپ کو کمزور دیکھکر آخر کار عیسائی گورنمنٹ کو وہی ہتھیار استعمال کرنا پڑا جو ہمیشہ سے عیسائی مذہب کرتا چلا آیا ہے۔ اس مباحثہ مین عام عیسائیون کی طرف سے مباحث ڈاکٹر نیومین تھا جو سرکاری چپلین تھا اور جس نے وعظ کرتے ہوئے بلا سوچے سمجھے

یہ کہدیا کہ تعدد ازدواج کو بائیبل گناہ ٹھہراتی ہے۔ وہی بائیبل جس مین یہ لکھا ہے کہ "خداوند اسرائیل کے خدا نے یون فرمایا ہے کہ مین نے تجھے مسیح کیا تاکہ تو اسرائیلیون پر سلطنت کرے اور مین نے تجھے ساؤل کے ہاتھ سے چھڑایا اور مین نے تیرے آقا کا گھر تجھے دیا اور تیرے آقا کی جوروؤن کو تیری گود مین دیا" (۲ سموائیل باب ۱۲ آیت ۷، ۸)۔ تعجب ہے کہ وہی خدا جو بہت سی بیویان خود بطور نعمت اور برکت کے ایک شخص کو دے۔ پھر ایک سے زیادہ بیویان لینے کو گناہ بھی کہے لیکن جب ڈاکٹر ینومین نے دیکھا کہ تعدد ازدواج کو بائیبل سے گناہ ثابت کرکے دکھانا تو اس کی طاقت مین نہین تو پھر اس نے پہلو بدلکر مباحثہ کیلئے یہ مضمون پیش کیا کہ کیا بائیبل تعدد ازدواج کی اجازت دیتی ہے۔ مارمنون نے اس تغیر کو بھی منظور کیا اور مارمن مباحث نے بائیبل کے مختلف مواقع سے دو امور پیش کیئے۔ ایک یہ کہ بائیبل سے تعدد ازدواج کی اجازت ثابت ہوتی ہے اور دوم یہ کہ ایک لفظ بھی بائیبل مین ایسا نہین نہ نئے عہدنامے مین اور نہ پرانے مین جہان تعدد ازدواج کو منع کیا گیا ہو۔ ڈاکٹر ینومین نے بالکل بودے اور کمزور جواب دیئے۔ درحقیقت یہ امر کسی عقلمند انسان کی سمجھ مین نہین آسکتا کہ اگر اللہ تعالے کے نزدیک تعدد ازدواج بھی زنا کی مانند ایک سیاہ جرم کا ارتکاب تھا اور عیسائی تو زنا سے بھی بڑھکر اسے سمجھ رہے ہین تو پھر جب خدا تعالے بار بار بائیبل مین زنا سے روکتا ہے تو ایک مرتبہ بھی یہ کیون نہین کہتا کہ تعدد ازدواج بھی بری شے ہے۔ کیون خدا تعالے نے اپنے برگزیدہ نبیون کو جنکو اس نے اصلاح خلق کیلئے بھیجا۔ جیسے ابراہیم اسحق۔ یعقوب۔ موسے علیہم السلام ایکمرتبہ بھی یہ نہ کہا کہ تم زنا سے تو بچے ہوئے ہو مگر زنا سے بدتر تعدد ازدواج ہے تم اہین کیون پڑتے ہو اور کبھی انکو اطلاع نہ دی کہ وہ خدا کی نظر مین تعدد ازدواج کی وجہ سے گنہگار ہین اور پھر حضرت مسیح نے بھی کیون ایک آدھ لفظ مین تعدد ازدواج کو زنا قرار نہ دیا حالانکہ بدنظری کو زنا قرار دیا۔ مارمن مباحث نے استثنا باب ۲۵ کا حوالہ دیا جہان لکھا ہے کہ "اگر کئی بھائی ایکجا رہتے ہون اور ایک انمین سے بے اولاد مرجائے تو اس مرحوم کی جورو کا بیاہ کسی اجنبی سے نہ کیا جاوے بلکہ اسکے شوہر کا بھائی اس سے خلوت کرے اور اسے اپنی جورو کرلے"۔ استدلال یہ تھا کہ یہان بھائی کو حکم ہے کہ وہ اپنی بیوہ بھاوج سے نکاح کرے اور قانون عام ہے یعنی یہ نہین کہا گیا کہ اگر وہ بھائی پہلے شادی شدہ نہ ہو تو بھاوج سے نکاح کرے ورنہ نہ کرے۔ پس نتیجہ اسکا صاف یہ ہے کہ خواہ وہ پہلے شادی شدہ ہو یا نہ وہ بیوہ بھاوج کو نکاح مین لا سکتا ہے اور اس سے تعدد ازدواج کی اجازت ثابت ہوتی ہے اسیطرح اور بہت سے مواقع پیش کیئے گئے جنسے تعدد ازدواج کی اجازت ثابت ہوتی تھی۔ مثلاً استثنا باب ۲۱ آیت ۱۰ و ۱۱ جہان لکھا ہے کہ اگر کوئی مرد جنگ کے اسیرون مین "خوبصورت عورت دیکھے اور تیرا جی اسے چاہے کہ تو اسے اپنی جورو بناؤ

تو اجازت ہے۔ اس قانون کے رو سے بھی خواہ مرد پہلے جورو رکھتا ہو اگر اسکو اسیر دشمنوں سے کوئی عورت پسند آجاوے
تو وہ شریعت کے رو سے اُسے بھی بیاہ سکتا ہے۔ اسی اصول پر خروج باب ۲۲- آیت ۱۶ سے ۱۷ "اگر کوئی ایک
لڑکی کو جو اس کی منگیتر نہیں دم دیکے اس سے مباشرت کرے وہ البتہ اسے مہر دیکے اس سے نکاح کرے"
اور استثنا، باب ۲۲- آیت ۲۶ سے جہاں جبر زنا کرنیوالے کو حکم ہے کہ وہ اس لڑکی سے اگر پہلے اسکی منگنی نہ
ہو چکی ہو نکاح کرے یہ ثابت ہوتا ہے کہ تعدد ازدواج کی بائبل کھلی کھلی اجازت دیتی ہے۔ اب عیسائی بائبل
کو منہ سے تو خدا کا کلام کہتے ہیں لیکن اگر یہی عقیدہ دل میں بھی ہو تو تعدد ازدواج کو زنا نہ کہیں۔

ایک سوال ہے جو ہمیشہ ہمیں حیرت میں ڈالتا ہے اور چونکہ یہی ایک موقعہ اسکے پوچھنے کا ہے اسلیے ہم امید کرتے
ہیں کہ عیسائی صاحبان ضرور اسکا جواب دینگے اور وہ لوگ بھی جو تعدد ازدواج کو برا سمجھتے ہیں۔ تعدد ازدواج
کو دور کرنیکے لیے بڑے سے بڑے ظالمانہ فعل کیئے گئے یعنے جایدادیں ضبط کی گئیں لوگ جیلخانوں میں ڈالے
گئے ان سے تمام حقوق چھین لیئے گئے اور اُن سے قسمیں لی گئیں کہ وہ تعدد ازدواج کے اصول پر عمل نہیں کرتے
ہم یہ ماننے کیلیئے تیار ہوتے کہ واقعی عیسائی صاحبوں کی یہ سب کوششیں جائز تھیں کیونکہ ایک رواج کو
بدکاری سمجھکر وہ دور کرنا چاہتے تھے۔ مگر اُسوقت جب یہ بھی ثبوت مل جاتا کہ اسی قسم کی کوششیں انہیں ممالک
میں زنا کی بیخکنی کیلیئے بھی کی گئی ہیں۔ کیا کبھی کوئی ایسا قانون بھی نافذ ہوا ہے کہ جو شخص قسم اٹھا کر یہ بیان نہ
کر سکے کہ اس نے زنا نہیں کیا اس سے حقوق چھین لیئے جاویں۔ کیا جب کبھی عام مجلسوں کے ممبر منتخب ہوتے
ہیں تو کبھی کسی ممبر کے متعلق یہ تحقیق کیا جاتا ہے کہ وہ کبھی زنا کا مرتکب تو نہیں ہوا جیسا کہ ایک مارمن ممبر کے
متعلق قانوناً یہ تحقیق کی گئی تھی کہ وہ تعدد ازدواج کا مرتکب تو نہیں ہوا۔ بلکہ اس سے بھی تنزل کر کے ہم یہ
پوچھتے ہیں کہ کسی جج یا گورنر سے یہ قسم لیجاتی ہے کہ اس نے کبھی زنا نہیں کیا۔ اتنا دور جانے کی بھی ضرورت
نہیں یہی ثابت کر دیا جاوے کہ جب ایک شخص عدالت میں مرتکب زنا ثابت ہو جاتا ہے تو اس سے تمام حقوق
چھین لیئے جاتے ہیں یا وہ ممبری کے لائق نہیں رہتا یا کسی عہدہ سے الگ کر دیا جاتا ہے۔ یہ صاف صاف
سوال ہیں اور ہم امید کرتے ہیں کہ کوئی صاف گو ضرور انکا صاف صاف جواب ہمیں دیکر مطمئن کریگا۔ اور ایسا
جواب دینے میں اپنی کوئی ہتک نہیں سمجھے گا۔ اگر انکا جواب نفی میں ہے تو پھر ہم پوچھتے ہیں کہ تعدد ازدواج
سے اسقدر سخت نفرت اور زنا کی اسقدر بے غیرتی سے برداشت کیوں کیجاتی ہے کیا یہ محض اتفاقی امر ہے
اور تعجب یہ ہے کہ زنا کی اولاد کو تو ولد الحلال قرار دینے کی راہیں تراشی گئی ہیں۔ مگر تعدد ازدواج سے جو اولاد پیدا
ہو وہ قانوناً ولد الحرام ہے۔ کیا درحقیقت تعدد ازدواج زنا سے بھی بڑی بدکاری ہے۔ اگر ایک شخص دو بدکار
عورتوں کو گھر میں رکھکر کسی جرم کا ارتکاب نہیں کرتا بلکہ سوسائیٹی میں معزز بھی سمجھا جاتا ہے تو جو شخص دو نیکبخت

عورتونسے نکاح کرتا ہے وہ کیون جیلخانہ مین جاتا ہے اور کیون اس کے حقوق ضایع ہو جاتے ہین تعجب ہے کہ عیسائی صاحبان مارمنونکے اس دعوے پر بھی ناراض ہین کہ حضرت مسیح کی تین بیویان تھین۔ ایک شخص مارمنون اور عیسائیونمین حکم ہوکر لکھتا ہے "پھر اس بات پر بہت ناراضگی ظاہر کیگئی ہے کہ مارمن کہتے ہین کہ وہ تین عورتین جو ہر وقت یسوع کے ساتھ رہتی تھین وہ اسکی بیویان تھین لیکن اگر وہ اسکی بیویان نہ تھین تو پھر جو اعتراض پیدا ہوتا ہے اسپر مطلق غور نہین کیا جاتا۔ تعدد ازدواج ان دنونمین ایک معمولی بات تھی اور دنیا کے نجات دہندہ کے متعلق افضل یہ ہے کہ یہی کہا جاوے کہ وہ تین عورتین اسکی بیویان تھین۔ اور اور کوئی ناجایز تعلق ان سے نہ تھا۔ مگر عیسائیت نئے خیال سے ایک پشہ پر ٹھوکر کھاتی ہے گو پرانے خیال کے اونٹ کو بھی نگلجانیکو تیار ہے"۔

یہ بھی ایک امر واقعہ ہے اور اسپر غور کرنا نہایت ضروری ہے کہ تعدد ازدواج پر عمل کرکے مارمن سوسائیٹی بہت ساری بدکاریونسے بچی ہوی ہے۔ چنانچہ اسی مصنف کی تحریر سے جسکو فریقین مین سے کسی کی رعایت نہین یہ ثابت ہوتا ہے کہ "۱۸۷۶ء مین نبرہ علاقے یوٹا مین ایسے تھے جنمین نہ کوئی شراب کی دکان تھی نہ چکلہ نہ جوا خانہ ۱۸۸۱-۸۲ء کے سرا مین یوٹا کے قیدخانہ مین ۱۵ قیدی تھے جنمین صرف پانچ مارمن تھے۔ حالانکہ مارمنون کی آبادی غیر مارمنونسے پانچسو فیصدی بڑھی ہوئی تھی اسی سال مین شہر مین ۲۶ شرابخانے تھے جنمین سے ۲۰ غیر مارمنونکے تھے۔ ۱۵ بلیرڈ کے کمرے اور سات قمارخانے تھے جن مین سے ایک بھی مارمنونکا نہین تھا چھ چکلے تھے جن ہین سب غیر مارمن ہی جاتے تھے! اور ۵۳ بدکار عورتین ان چکلونمین تھین مگر مارمن ایک بھی نہین تھی"۔ پھر وہی مصنف اس امر کی بھی شہادت دیتا ہے کہ "تعدد ازدواج کا رواج جیساکہ مارمنونکے دشمن کہتے ہین۔ شہوات نفسانی کے پورا کرنیکے لیے قایم نہین کیا گیا بلکہ یہ ایک سچی کوشش اس غرض کیلئے تھی کہ تاکثرت اولاد سے انسانی ترقی ہو" اور پھر لکھتا ہے کہ "افسوس ہے کہ اس کوشش کو جاہلانہ تعصب نے دبا دیا ہے۔ مگر جلدی نہین تو دیر سے دنیا دیکھ لے گی کہ بچونکی پیدایش مین ترقی کرنیکے کتنے فواید اور حکمتین ہین اور پھر یہ سمجھ مین آئیگا کہ ہمارے شادی کے قوانین مین ترمیم ہونی چاہیئے۔ مارمنونکا تعدد ازدواج کا رواج وحشیانہ طریق نہین جیساکہ ایک زانیونکی قوم نے اسے کہا"۔ الغرض مارمنونکے اس رواج کو شہوات نفسانی کی وجہ قرار دینا لغو بات ہے۔ اگر وہ نفسانی شہوات کے ایسے ہی دلدادہ ہوتے تو شراب کی ممانعت انکے اصولونکے رو سے کیون ہوتی کیونکہ شراب سے بڑھکر شہوات نفسانی کو جوش مین لانیوالی کوئی چیز نہین ہے۔ تعدد ازدواج کو مٹانے کی کوشش محض جہالت پر مبنی ہے۔ کیونکہ اگر اس مین کوئی سچی انسانی ہمدردی کا تقاضا بھی ہے تو پھر زنا کی بیخ کنی کی طرف کیون توجہ نہین ہوتی۔ اور شرابخوری اور زنا سے بچنے کی کیون کوئی تدبیر نہین کیجاتی*

کیا قرآن شریف تاریخ کے برخلاف کہتا ہے

انکوایرر ایک عیسائیونکا پرچہ یہ دعوے کرتا ہے کہ قرآن کریم تاریخ کے خلاف کہتا ہے۔ اور اسلیئے قابل اعتبار نہین۔ سب سے پہلا سوال ہر ایک عقلمند یہی کریگا کہ تاریخ سے مراد کیا ہے واقعی جہالت سے یا تجاہل سے انکوایرر بائیبل کے قصونکو تاریخ فرض کرتا ہے۔ ان پادریونمین ایک بات ہے چاہے اسے خوبی کہہ لو یا نقص کہ جو کچھ دنیا مین ہو رہا ہے اس سے انہین کچھ سروکار نہین اور نہ ہی اسکی پرواکرتے ہین ہم یہ کہنے کیلیئے تیار ہین کہ ایک بھی سمجھدار عیسائی ایسا نہین جو آج کل کی تنقید سے واقف ہونیکے باوجود یہ دعوے کرے کہ بائیبل تاریخی غلطیونسے پاک ہے اور یہ محض جاہلونکو دھوکا دینے کیلیئے ہے جو پادر یصاحبان یہ کہدیتے ہین کہ فلان واقعہ ٹھیک نہین کیونکہ بائیبل مین اسکے خلاف لکھا ہے۔ ان لوگونکے دلونمین نہ خدا کی کوئی عظمت اور نہ مسیح کی کوئی پرواہ ہے۔ مذہب کو ایک پیشہ بنا رکھا ہے۔ اور جس طرح دکاندار کہتا ہے کہ میری چیز سے بڑھکر دوسری چیز نہین اور یہی سب نقصونسے پاک اور دوسرے کی ہمہ عیب ہے یہی حال ہے

اس اخبار مین تین تاریخی غلطیان قرآن شریف کی بتائی گئی ہین۔ اول یہ کہ سورہ ہود مین اسحٰق کو یعقوب علیہما السلام کا بھائی کہا گیا ہے۔ حالانکہ وہ اسکا باپ تھا۔ تعجب ہے کہ قرآن کریم مین صاف الفاظ کے ہوتے ہوئے بلا سوچے سمجھے پادریصاحبان اعتراض کر دیتے ہین۔ سورہ بقرہ مین اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔ اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَاءَ اِذْ حَضَرَ يَعْقُوْبَ الْمَوْتُ اِذْ قَالَ لِبَنِيْهِ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ بَعْدِيْ قَالُوْا نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَاِلٰهَ اٰبَائِكَ اِبْرَاهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ اِلٰهًا..... وَّاحِدًا (البقرۃ - ۱۳۳) یعنی۔ (یہود کو مخاطب فرماکر) بھلا کیا تم اسوقت موجود تھے جب یعقوب ع بستر مرگ پر تھے جب انہون نے اپنے بیٹون سے پوچھا کہ میرے بعد تم کس کی عبادت کروگے انہونے کہا کہ آپکے معبود اور آپکے آباء ابراہیم اور اسمٰعیل اور اسحٰق کے معبود کی جو ایک ہی معبود ہے۔ اب اس آیت مین صاف طور پر حضرت اسحٰق کو حضرت یعقوب علیہما السلام کے آباء مین بیان کیا گیا ہے پھر اس سے بڑھکر کیا حماقت ہے کہ یہ کہا جاوے کہ قرآن شریف انکو یعقوب ع کا بھائی کہتا ہے۔ اب سورہ ہود کے حوالہ کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہان صرف یہ الفاظ ہین کہ فبشرنٰھا باسحٰق ومن وراء اسحٰق یعقوب (ھود - ۷۱) یعنے ہمنے ابراہیمؑ کی بیوی کو اسحٰق کی خوشخبری دی اور من وراء

اسحق یعقوب کی خوشخبری دی۔ اب بھائی کا رشتہ قایم کرنیکے لیے ضروری ہے کہ پادریصاحب یا تو یہ دکھاوین کہ ایک کو دوسرے کا بھائی کہا گیا ہے۔ یا دونوںکو ایک ہی ماں یا باپ کے بیٹے کہا گیا ہے۔ ظاہر ہے کہ ان دونون صورتومین سے کوئی بھی موجود نہین۔ یہان لفظ مِنْ وَرَا کا استعمال ہوا ہے جسکے معنے مفسرین نے (دیکھو تفسیر کبیر) اور لغت والون نے (دیکھو لسان العرب) دو طرح پر کیئے ہین۔ ایک بعد اور ایک پوتا۔ لیکن ان دونون صورتومین سے بھائی کسی صورتمین بھی نہین بنتا۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ اول الذکر معنے لیکر یہ امکان ہے کہ حضرت یعقوب کو اسحق کا بھائی فرض کر لیا جاوے۔ مگر ممکن طور پر ایسے معنے ہونیسے یہ نتیجہ نہین نکلتا کہ یہی معنے ہین۔ اور قرآن کریم نے سورہ بقرہ مین ذکر فرما کر ایسے امکان کو بھی دور کر دیا ہے۔ خوشخبری صرف نسل کی تھی۔ سو اول بیٹے کی خوشخبری دی اور پھر بیٹے کے بیٹے کی۔ یا یون کہو کہ یہ خوشخبری دی کہ تمہارے ہان ایک بیٹا پیدا ہوگا اور ایسا ہوگا کہ وہ خود بھی صاحب اولاد اور انبیاء کے ایک سلسلہ کا باپ ہوگا۔

دوسری غلطی یہ بیان کیجاتی ہے کہ "قرآن شریف مین لکھا ہے کہ فرعون کی عورت نے موسیٰ کو متبنےٰ کیا۔ حالانکہ فرعون کی لڑکی نے متبنےٰ کیا تھا" یہ غلط ہے قرآن کریم نے کہین نہین لکھا کہ حضرت موسیٰ کو واقعی کسی نے متبنےٰ کیا۔ قرآن شریف کے الفاظ یہ ہین۔ لَا تَقْتُلُوْهُ عَسٰۤى اَنْ يَّنْفَعَنَاۤ اَوْ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا (القصص ۹) یعنی اسے قتل مت کرو شاید وہ ہمین نفع دیوے یا ہم اسکو بیٹا بنا لین۔ اور پھر اس سے پہلی آیت مین فرمایا ہے فَالْتَقَطَهٗۤ اٰلُ فِرْعَوْنَ۔ اب ان دونون آیتونکو اکھٹا پڑھنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کریم تصریح نہین کرتا کہ فرعون کی عورت اسکو اپنا بیٹا بنانا چاہتی تھی یا اپنی بیٹی کا۔ لفظ وَلَد سے جیسے بیٹا مراد لیا جا سکتا ہے ویسے ہی بیٹے کا بیٹا بھی۔ ممکن ہے کہ اسکا منشاء یہ ہو کہ اسکی لڑکی اسکو بیٹا بنالے یا خود بنانیکا منشاء ہو اور بعد مین وہ منشاء بدل گیا ہو۔ قرآن کریم ایسی باتونکی تفصیل مین نہین پڑتا۔ اور یہ کہین نہین کہتا کہ کس نے متبنےٰ کیا۔ اسکی غرض کسی گذشتہ قصہ کے بیان کرنیسے محض ان باتونکا بتانا مقصود نہین ہوتا بلکہ یہ باتین بھی وہ ایک پیشگوئی کے رنگ مین بیان کرتا ہے۔ اسی اصل غرض کو مدنظر رکھکر یہ کتاب پاک کسی ضروری امر کو بیان کر دیتی ہے اور زوائد کو چھوڑ جاتی ہے۔ قرآن کریم کے قصص بیان کرنے اور بائبل کے بیان کرنے مین یہ عظیم الشان امتیاز ہے۔ حضرت موسےٰ کا اس فوق العادت طریق سے اپنے دشمن کے ہاتھوںسے بچ رہنے کو بیان کرنا قرآن کریم کی اصل غرض ہے تا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کیلیئے مکی زندگی کے ابتلاؤن اور تکلیفونکے اندر یہ موجب تسکین ہو۔ اور دوسیطرف آپکے اپنے خطرناک دشمنونکے ہاتھ سے بچ رہنے کی یہ ایک عظیم الشان پیشگوئی ہو۔ اور معلوم ہو کہ وہی طاقتور خدا جس نے حضرت موسےٰ کو جبکہ وہ کوئی طاقت اور قدرت نہ رکھتے تھے انکے سخت ترین دشمن کے ہاتھ سے بچا لیا۔ وہی زندہ اور مقتدر خدا جو تمام طاقتون پر

غالب ہے اب بھی اپنے پیارے رسول اور برگزیدہ نبی محمد صلے اللہ علیہ وسلم کو آپ کے خطرناک دشمنوں کے ہاتھ سے بچا ئیگا اور جس طرح بالآخر حضرت موسیٰ کو کامیاب کیا اور فرعون کو ہلاک کیا اسی طرح اب بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کامیاب اور آپکے اعدا کو ہلاک اور ذلیل کریگا پس جہان یہ باتین بائیبل مین محض قصص کے طور پر مذکور ہین۔ قرآن کریم مین وہ پیشگوئیان ہین اور آنحضرت صلعم کیلئے تکالیف کے اندر موجب تسلی ہین۔ یہ وعدے اور پیشگوئیان اسوقت کی گئین جب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم ہر طرف سے تکالیف کا نشانہ ہو رہے تھے اور ایک یہ سے بھی بڑھکر بیکسی کیحالت تھی۔ اس بیکسی اور غربت کیحالت مین آپکو یہ وعدے دیئے گئے اور آخر ان وعدونکے پورا ہونے نے یہ بھی ثابت کر دیا کہ جو کچھ قرآن کریم گذشتہ انبیاء کے متعلق بیان کرتا ہے وہ بھی حق ہے۔ کیونکہ وہ طاقتور ہستی جو آیندہ کے واقعات کو دیکھ سکتی تھی۔ وہ گذشتہ کے بیان مین کیونکر غلطی کھا سکتی تھی اس طرح پر قرآن کریم کے قصص کی تصدیق تو خود خدا نے اپنے وعدونکو جو قرآن مین ہی مذکور ہین اور انہین قصص مین پیشگوئیونکے رنگ مین بیان کیئے گئے ہین پورا کر کے کر دی۔ مگر بائیبل کے قصص کی تصدیق کس نے کی۔

تیسری غلطی جو اس اخبار مین بیان کی گئی ہے اور جسکو سب سے بڑی غلطی کہا گیا ہے یہ ہے کہ اس اخبار کے نزدیک قرآن کریم حضرت مسیح کی موت کی نفی کرتا ہے یہ محض ناواقفیت ہے۔ قرآن کریم موت کی نفی نہین کرتا بلکہ جس طریق سے موت کا واقع ہونا بیان کیا جاتا ہے اسکی نفی کرتا ہے یعنی آپکے صلیب پر مرنیسے انکار کرتا ہے۔ ہم دعوے سے کہتے ہین کہ قرآن کریم مین ایک لفظ بھی ایسا نہین جس سے مسیح کی موت کی نفی ثابت ہو باقی رہا صلیب کا قصہ۔ سو یہود تو کہتے تھے کہ... مسیح مصلوب ہو کر ملعون ہوا اسلیئے وہ خدا کا راستباز نبی نہین بلکہ نعوذ باللہ مفتری تھا۔ اور عیسائیون نے یہ عقیدہ اپنے لیئے تجویز کیا کہ مسیح مصلوب ہو کر ملعون تو بیشک ہوا مگر وہ مفتری نہ تھا۔ گویا واقعات کو تسلیم کر کے اُنکے لازمی نتیجہ سے انکار کرتے تھے اسپر قرآن کریم نے یہ فرمایا ہے۔ کہ یہود اور عیسائی دونون جھوٹے ہین کیونکہ حضرت مسیح صلیب پر مرے ہی نہین اور اسواسطے ملعون بھی نہین بلکہ خدا کے سچے نبی ہین۔ عیسائی صاحبان کا اختیار ہے کہ چاہے یہود کو سچا مانین چاہے قرآن کریم کو لیکن اول صورت مین حضرت مسیح کی نبوت سے انکار لازم آتا ہے۔ باقی رہی موت سو پادری صاحب اسکی فکر نہ کرین قرآن کریم نے صریح الفاظ مین فلما توفیتنی کنت انت الرقیب علیھم مین حضرت مسیح کی موت کا ذکر کر دیا ہے بلکہ اس آیت سے انکے دوبارہ آنے کی راہ کو بھی بند کر دیا ہے۔ ہان مسیح کی موت عیسائیت کی موت ہے اور جی اٹھنا محض ایک قصہ ہے جو اب بھی انشاء اللہ قصہ ہی رہیگا اور اگر مسیح کی موت کا اور ثبوت پادری صاحب کو درکار ہو تو محلہ خانیار سرینگر کشمیر مین وہ اُس انسان کو سویا ہوا پائینگے جسے وہ خدا سمجھ رہے ہین +

رؤیا والہامات حضرت مسیح موعود علیہ السلام +

۶-جنوری - اِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَأْتُوْا بِشِفَاءٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ
(فرمایا کہ رات کو مولوی نورالدین صاحب کے لیئے دعا کر رہا تھا- انہین کے متعلق معلوم ہوتا ہے)

۱۹-جنوری - رؤیا مین کسی نے کچھ پیسے ہاتھ مین دیئے ہین (یہ خواب نماز فجر کے وقت کا ہے) بعد مین الہام ہوا
اِنِّيْ مَعَ الرَّسُوْلِ اَقُوْمُ

تھوڑی دیر بعد رؤیا دیکھا کہ ایک شخص کے ہاتھ مین دو لفافے سر بستہ ہین۔ اور معلوم ہوتا ہے کہ مضمون دونون کے اندر ایک ہی ہے۔ ان مین سے ایک لفافہ اس شخص نے مجھے دیا ہے اور ساتھ ہی طبیعت الہام کی طرف منتقل ہو کر الہام ہوا۔ چونکا دینے والی خبر

۲۷-جنوری - نزلہ کے سبب سے حضرت اقدس کے دائین رخسارہ پر کسیقدر ورم ہو کر تیز بخار ہو گیا اسی حالت مین الہام ہوا۔ بِسْمِ اللّٰهِ الْكَافِيْ۔ بِسْمِ اللّٰهِ الشَّافِيْ۔ بِسْمِ اللّٰهِ الْغَفُوْرِ الرَّحِيْمِ
بِسْمِ اللّٰهِ الْبَرِّ الْكَرِيْمِ۔ يَا حَفِيْظُ يَا عَزِيْزُ يَا رَفِيْقُ يَا وَلِيُّ اشْفِنِيْ

+ مین نے یہ التزام کرنیکا ارادہ کیا ہے وباللہ التوفیق کہ ہر ماہ کے رسالہ مین گذشتہ ماہ کے الہامات اور رؤیا بقید تاریخ درج ہون۔ اور جس قدر اسی ماہ کے الہام ہون جس مین رسالہ نکلا ہے۔ وہ ٹائیٹل پیج پر دیدیئے جایا کرین اور اگلے مہینے پھر انکو دوبارہ میگزین کے اندر چھاپ دیا جاوے +
(ایڈیٹر)

رویا و الہامات حضرت مسیح موعود (علیہ السلام)

یکم - فروری (۱) اِنِّیْ مَعَ الرُّوْحِ مَعَكَ وَمَعَ اَهْلِكَ۔

(۲) اِنِّیْ لَاَجِدُ رِیْحَ یُوْسُفَ لَوْلَا اَنْ تُفَنِّدُوْنِ۔

(۳) ایک رویا دیکھی کہ ایک کاغذ ہے جسکے اوپر کی دو تین سطرین فارسی خط مین ہین باقی سب انگریزی ہے۔ اسکا مطلب یہ سمجھ مین آیا کہ گویا کوئی میرا نام لیکر کہتا ہے کہ دو سو پچاس روپیہ نہین دیا جاوے۔

اطلاع ضروری

(۱) بروئے قواعد رسالہ میگزین کا زرچندہ جنتے الوسع بجز کسی خاص حالات کے پیشگی وصول ہونا چاہیے اس قاعدہ پر عمل کرنیکی صورتمین خریداران وہ دفتر ہذا کے مابین حساب بالکل صاف رہتا ہے۔ حساب مین کسی قسم کی پیچیدگی واقع نہین ہوتی اور پیشگی وصولی مین ایک گونہ کارخانہ ہذا کو بھی امداد ہے اسواسطے جملہ خریداران بقایا حساب مین ہماری مدد کر کے عنداللہ ماجور ہون۔ سابقہ بقایا کی رقوم کو جلد تر بذریعہ منی آرڈر ارسال فرماوین ورنہ وی پی کے پہنچنے پر رقوم کی ادائیگی کو تعویق مین نہ ڈالین +

(۲) ترسیل روپیہ یا خط کتابت کرتے وقت نمبر خریداری نہ لکھنے کی صورتمین شکایت توقف یا عدم تعمیل یا عدم جواب ہجا تصور ہوگی

(۳) جملہ خط و کتابت متعلق میگزین بنام منیجر میگزین ہونی چاہیئے نہ کسی مالک یا منیجر مطبع یا دیگر صاحب کے نام۔ کیونکہ اس سے حرج و طوالت کام کا احتمال ہے +

منیجر میگزین

مدرسہ تعلیم الاسلام

مدرسہ کے اخراجات بہت بڑھے ہوئے ہین سب احباب کو چاہیئے کہ مستقل و یکمشت چندوں سے فنڈ کی اعانت کرین۔ مدرسہ کے متعلق تمام رقوم بنام امین مدرسہ تعلیم الاسلام آنی چاہیئن۔ رسیدین اخبار مین طبع ہوا کرین گی +

نور الدین امین مدرسہ تعلیم الاسلام قادیان

کبریت احمر یا جیون بوٹی کے استعمال سے ایک مہینے مین تین سیر خون صالح تازہ بدن انسان مین پیدا ہوتا ہے جوانی کی طاقت مدت العمر قایم رہتی ہے۔ استعمال کرنیسے پہلے اور بعد بدن کو وزن کرو اور آزماؤ اُس سے بڑھکر کبھی مولد خون صالح مشتہی بدن کو مضبوط اور خوشرنگ بنانے اور چہرے کی سرخی اصلی طاقت و توانائی و تازگی پیدا کرنیوالی دوائی ایجاد نہین ہوئی اسکا اثر ان اعضاء پر جن پر نسل انسان کی پیدائش کا انحصار ہے۔ بالخصوص نہایت قوی ہوتا ہے وہ خوشی جو عورت و مرد کی معاشرت سے وابستہ ہے اس سے فی الفور حاصل ہوتی ہے **کبریت احمر** اس کا نام اسی لیے رکھا گیا ہے کہ یہ دوا **اعضائے تولید** کے پژمردہ قوے کو از سر نو بحال کرنیکے ساتھ زندگی کو کیمیا بنا دیتی ہے قیمت فی شیشی ہے

روغن درد گردہ۔ درد گردہ کے دورے اور تکلیفین ایسی سخت ہوتی ہین کہ الامان عجیب و غریب روغن درد گردہ مین خاص کر جب درد کنکری کی وجہ سے ہو اکسیر کا کام دیتا ہے۔ چھوٹے چھوٹے سنگریزے انکو توڑ کر اور ریزہ ریزہ کرکے نہایت سہولت سے خارج کر دیتا ہے۔ تمام کنکری اور ریت نکلکر درد گردہ کی نوبت پھر نہین ہوتی۔ **قیمت** فی شیشی عہ ۱۲ آنہ

عجیب و غریب مرہم المعروف مرہم عیسے۔ اگر آپ دنیا بھر مین سب سے اچھا پر تاثیر نیز بہدف ہر قسم کے **زخمون جراحتون۔ چوٹون۔ گلٹیون۔ خنازیر۔ سرطان طاعون** اور ہر قسم کے خبیث زہریلے پھوڑون **پھنسیون۔ ناسورون۔ گنج۔ خارش** بواسیر اور طرح طرح کی جلد کی بیماریون ہاتھون کے سردی سے پھٹ جانے جانورون کے کاٹ لینے جلجانے اور عورتونکے خطرناک امراض سرطان رحم وغیرہ کیلیئے ہزارہا سال کا مجرب مقدس ہر طبقہ اور ہر زمانہ کے حکما کا متفقہ بابرکت علاج چاہتے ہین تو یہ مبارک مرہم اس کارخانہ سے منگایئے۔ جو اس کو خالص اجزا سے تیار کرنیکا ذمہ وار ہے طبی جہان اسکی کامیاب تاثیرات کا ممنون ہے۔ یہ مشہور آفاق مرہم

عمدۃ التقویم سنہ ۱۹۰۸ء مفت	حکیم محمد حسین اینڈ برادرز مالکان کارخانہ مرہم عیسے نولکھا لاہور سے طلب کرو	رسالہ آئینہ صحت نما مفت

ضروری اطلاع

رسالہ نور الدین حسین فاضل مصنف نے بعد نظر ثانی کسیقدر اضافہ کیا ہے نسخہ عمدہ کاغذ پر چھپکر تیار ہے قیمت علاوہ محصولڈاک ۸ ہے درخواستین اس پتہ پر ہون سیٹھ عبد الاحد ہدایت اللہ جنرل مرچنٹ و کمیشن ایجنٹ کٹڑہ جیمل سنگھ امرتسر

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ○
نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

احمدی بھائیون کی خدمتمین ایک ضروری التماس

برادران۔ السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہٗ۔

گذشتہ سے پیوستہ سال مین امام الزمان حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی جماعت احمدیہ کے نام میگزین کی اعانت کے متعلق ایک واجب التعمیل ارشاد صادر فرمایا تھا جس مین اس دینی رسالہ کی مدد کیلیے بڑے پُرزور الفاظ مین تاکید فرمائی تھی جسپر اکثر احباب نے پوری جوانمردی سے بلکہ بعض نے تو اپنی ہمت اور ہماری توقع سے بڑھکر واقعی جان توڑ کر اعانت رسالہ مین کوشش کرکے کئی کئی سو روپے کے ساتھ مدد کی۔ اس ہمت کا نتیجہ یہ ہوا کہ نہ صرف رسالہ قریبًا قریبًا اپنے ضروری مصارف برداشت کرنیکے قابل ہوگیا بلکہ کئی سو روپیہ تجارتی حصص کا بھی واپس ہوگیا۔ علاوہ ازین گذشتہ سال مین قریبًا ۲ سو یا اس سے زاید رسالہ مفت بلاد یورپ و امریکہ و آسٹریلیا وغیرہ مین جاتا رہا جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ بعض مستعد اور سعید الفطرت دلون نے اس رسالہ کو نعمت الٰہی خیال کرکے اپنا ایمان اسلام اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر ظاہر کیا۔

خیر یہ تو گذشتہ کا قصہ ہے۔ مین اس وقت اپنی قوم کے سامنے ایک نئی تجویز پیش کرنا چاہتا ہون اور امید رکھتا ہون کہ قوم اسپر پوری توجہ کریگی۔ مجھے یہ کہنے کی ضرورت نہین کہ آج کل انگریزی زبان مین ایک ایسے اسلامی رسالہ کی کس قدر ضرورت ہے۔ ناظرین رسالہ اسکے مضامین کو پڑھکر خوب جانتے ہین کہ اسلام پر کس کس طرح کے اندرونی اور بیرونی حملے ہورہے ہین اور انکی تردید کسقدر ضروری ہے یہ تو ضرورت رسالہ کا ایک پہلو تھا۔ مگر اس سے زیادہ ضروری تبلیغ اسلام کا پہلو ہے۔ تبلیغ اسلام ہر ایک مسلمان کا فرض ہے تا کہ وہ لِتَکُوۡنُوۡا شُہَدَآءَ عَلَی النَّاسِ کا مصداق بنے۔ اور اسوقت سب سے بڑھکر ضرورت تبلیغ بلاد یورپ و امریکہ مین ہے جہان کل کے کل سمجھدار آدمی کفارہ مسیح اور الوہیت مسیح کے عقیدہ سے بیزار ہوکر اسوقت زبان حال سے پکار رہے ہین کہ ہمین کوئی اور پاک مذہب اور زندہ مذہب درکار ہے اسی رسالہ مین مین نے ایک آزاد خیال مگر دانشمند انسان کا ایک قول نقل کیا ہے جو کہتا ہے کہ اسوقت ہمین ایسے زندہ مذہب کی ضرورت ہے۔

جس میں خدا ہماری تائید و نصرت کرکے اور اپنے الہام اور کلام سے ہمیں مشرف کرکے اپنی ہستی کا یقین تام ہمیں بخشنے سو
برادران میں آپکو خوشخبری دیتا ہوں اور سچے دل سے مبارکباد کہتا ہوں کہ وہ پاک سلسلہ ہی آپ کا ہی مذہب
احمدی ہے۔ یہی ایک سچا مذہب ہے جس کی دنیا آج پیاسی ہے مگر ان تشنہ لبوں تک اس زندہ اور جاری چشمہ کو
پہنچانیکے لیے ہمّت درکار ہے۔ یوں تو خدا نے اپنے وعدونکے مطابق یہ کام کرنا ہی ہے اور اگر ہم کم ہمّتی دکھاوینگے
(خدا نکرے کہ ایسا ہو) تو وہ اور قوم کو اس کام کیلیئے پیدا کر دیگا کیونکہ اسکے وعدے ہم اپنی آنکھونسے روز روشن
کی طرح پورے ہوتے ہوئے دیکھ رہے ہیں پس یہ وعدہ کہ میں اس سلسلہ کو دنیا کے کناروں تک پہنچاؤنگا۔ اور
مسیح موعود کے ذریعہ سے دین کو دوبارہ زندہ کرونگا جس کا بہت کچھ ظہور ہو بھی چکا ہے کیونکر پورا نہ ہوگا۔
ہاں ضرور پورا ہوگا۔ مگر میں کہتا ہوں کہ ہمّت درکار ہے۔ خدا ہمیں سب کو ہمّت دے۔ دنیا کی زندگی کے بہت دن
نہیں ایسا نہ ہو کہ وہ وقت یونہی آپہنچے اور ہم غافل ہی ہوں۔ یہ جماعت ایک مبارک جماعت ہے جسنے خدا کے
زندہ نشانونکو دیکھ کر زندہ ایمان حاصل کیا ہے مگر اس کی ذمہ داریاں بھی بہت ہیں۔ "دین کو دنیا پر مقدم رکھونگا"
برادران یہ ایک ایسا فقرہ ہے جو آپ سب کی زبان پر جاری ہوا ہے اور اس مبارک وقت میں جاری ہوا ہے
جبکہ آپنے ایک گندی زندگی سے نجات حاصل کرکے (میں اپنے تمام گناہوں سے توبہ کرتا ہوں) ایک نئی
زندگی اور نیا ایمان حاصل کیا۔ اس فقرہ کو کسیوقت بھی بھولیں نہیں کیونکہ اسی پر نجات کا مدار ہے۔ جبتک
دین کو دنیا پر ترجیح نہ دیجاوے گی۔ نجات کا حاصل ہونا ناممکن ہے۔ تمہارے پیارے امامؑ نے خدا تعالیٰ کی لاکھوں
لاکھ برکتیں اور درود اسپر ہوں اس فتنوں اور فسادونکے زمانے میں تمہیں اس مبارک راہ پر چلا دیا ہے۔
جسپر چلکر تم دونوں عالم کی راحت حاصل کر سکتے ہو پس ہر وقت اس کوشش میں لگے رہو تا خدا کے پیارے
اور برگزیدہ کی دعائیں تمہارے شامل حال ہو کر تم منزل مقصود تک پہنچ جاؤ۔

اب میں اصل مقصد کیطرف رجوع کرتا ہوں میری غرض یہ ہے کہ یورپ اور امریکہ میں اسلام کی تبلیغ کیلیئے بہت
بڑی ہمّت درکار ہے اور ساتھ ہی اسکے یہ بھی کہتا ہوں کہ خدا تعالے نے احمدی جماعت ہی کو اسوقت اس کام کیلیئے منتخب
فرمایا ہے۔ اب تبلیغ دین کیلیئے اسوقت ہمارے ہاتھ میں ایک ہی ذریعہ ہے اور اگرچہ وہ وقت بھی قریب آ رہا ہے کہ اللہ تعالےٰ
ہزاروں ذریعے پیدا کر دیگا اور اگرچہ اسوقت بھی اللہ تعالے کے ملائک ہی کام کر رہے ہیں مگر بظاہر میگزین اسوقت
ایک ایسا ذریعہ ہے جس سے ہم یہ مبارک پیغام کہ خدا زندہ ہے اور دعائیں قبول کرتا ہے اور اس زمانے میں بھی اپنے
کلام سے اپنے پیاروں کو ممتاز فرما کر اپنی قدرت کے وہ نشان ظاہر فرماتا ہے جو پہلے انبیاء کیوقت میں ظاہر فرمائے اور
اسی طرح سے اب بھی وہ راہ کھلی ہے جو ہمیشہ سے کھلی چلی آئی ہے جسپر چلکر اسکی ہستی کا یقین تام پیدا ہو کر انسان کو
شیطان کے تسلّط سے نجات ملتی ہے۔ غرضیکہ یہ مبارک پیغام ہم اسوقت اس رسالہ کے ذریعہ سے جو انگریزی زبان میں

شائع ہوتا ہے خدا کے احسان سے گھر بیٹھے ہی دور دور تک پہنچ سکتے ہیں اور اسکا پہنچانا ہمارا فرض بھی ہے یہ خدا کا احسان ہے ورنہ اس سے پہلے اسی مقدس پیغام کے پہنچانے کے لیے ہزاروں مقدس جانیں تلف ہو چکی ہیں پس سوال یہ ہے کہ کونسا راہ ہمیں اختیار کرنا چاہئے کہ یہ پیغام بہت لوگوں کے کانوں تک پہنچ جاوے سنہ ۱۹۰۲ء میں جب حضرت امام علیہ السلام نے اس رسالہ کی اعانت کیلیے تحریک کی تو مختلف صورتوں میں آپکے جان نثاروں نے آپکے اس حکم کی تعمیل کی بعض نے یکمشت رقمیں بھیجیں اور بڑی بڑی رقمیں بھیجیں بعض نے شب و روز اپنی ہمت کو اس کام میں صرف کیا کہ رسالہ کیلیے خریدار پیدا کریں بعض نے خود رسالہ کی خریداری اختیار کی اور میں یہ بھی جانتا ہوں کہ اکثروں نے اسکے لیے دعائیں بھی کی ہونگی۔ مگر میں دیکھتا ہوں کہ وہ ابتدائی جوش اب نہیں ہے۔ میں اسوقت ایک ایسی تجویز پیش کرتا ہوں کہ جس سے غریب سے غریب آدمی بھی اس دین الٰہی کی تبلیغ کے کام میں معاون ہو سکے میں نے اس خط میں کسی مخلص کا نام لیکر ذکر نہیں کیا کیونکہ خط لمبا ہوتا تھا۔ اور جب اخلاص کیطرف دیکھا جاتا ہے تو ایکدوسرے سے بڑھکر نظر آتا ہے اور اس سے پہلے وقتاً فوقتاً ایسے احباب کا ذکر میں کرتا بھی رہا ہوں مگر میں خاص طور پر اپنے مکرم سید محمد حسین صاحب اسسٹنٹ سرجن کا ذکر کرنا چاہتا ہوں۔ ڈاکٹر صاحب نے حضرت اقدس کی تحریک پر رسالہ کے خریدار پیدا کرنیکے لیے جو کوشش کی وہ نہایت قابل تعریف ہے مگر اسکا ذکر کرنا اسجگہ میرا مقصود نہیں ہے اسکے علاوہ اسوقت سے انہوں نے اپنے ذمہ یہ بھی فرض کر لیا ہے کہ پانچ روپیہ ماہوار باقاعدہ میگزین کی اعانت کے لیے بھیجتے رہتے ہیں اور اسطرح انکی طرف سے ہم تیرہ یا چودہ رسالے ہر وقت ولایت میں مفت بھیج سکتے ہیں اور بھیجتے رہتے ہیں۔ میری تجویز یہ ہے کہ اسطریق کو توسیع دیجاوے اور ہر شخص بقدر ہمت ایک رقم ماہوار اپنے ذمے مقرر کرلے۔ ایک غریب آدمی بھی ایک پیسہ روز آسانی سے پس انداز کر کے اسیطرح سے ہر ماہ میں آٹھ آنہ یا سال بھر میں چھ روپے تبلیغ دین میں صرف کر سکتا ہے۔ اور یہ کوئی مشکل امر بھی نہیں ۸ رنہ سہی جو شخص ۶ ر ماہوار بھی اس اعانت میں دے سکتا ہے اسکی طرف سے بھی ایک رسالہ انگریزی مفت جاری ہو سکتا ہے۔ اور میں دیکھتا ہوں کہ اگر تھوڑی سی توجہ بھی کیجاوے تو یہ امر چنداں مشکل نہیں۔ ایک بچہ بھی ایک پیسہ روز لیجاتا ہے اور اپنے مصارف کیلیے تو انسان ایک پیسہ چھوڑ کئی پیسے روز صرف کر دیتا ہے۔ مگر اس ایک پیسہ کے روز الگ کرنیسے ایک عظیم الشان سلسلہ تبلیغ کا قایم ہو سکتا ہے جب ایک جھوٹے عقیدہ کی اشاعت کیلیئے ہزاروں مشن قایم ہیں اور کوئی عیسائی ایسا نہیں جو کچھ نہ کچھ مشن کی اعانت نکرتا ہو تو نہایت افسوس ہوگا اگر اس دین حق اور سلسلہ حقہ کی تبلیغ کیلئے ایک غریب زمیندار بھی ایک پیسہ روز الگ نہ کرے اور پھر حسب حیثیت جو لوگ زیادہ پس انداز کر سکتے ہیں وہ ایک آنہ یا دو آنہ روز الگ کر کے پانچ پانچ دس دس رسالے ولایت میں مفت بھجوا سکتے ہیں اگر اس جماعت میں سے دس ہزار آدمی بھی ایسا پیدا ہو جاوے جو بحساب اوسط کوئی کم کوئی زیادہ دیکر ایک ایک رسالہ باہر بھجوا سکے تو اسوقت بہت دور دور تک اس تبلیغ کے کام کی توسیع ہو سکتی ہے۔ میں بڑے بڑے شہروں کی جماعتوں کے کارکن ممبروں سے بالخصوص

یہ استدعا کرتا ہون کہ وہ اس تجویز کو توسیع دین اور غربت کے غریب آدمی کو بھی جو ایک پیسہ یا ایک آنہ ماہوار دے سکتا ہو
اس کار خیر مین شامل کرین۔ اور اسطرح اس دین حق کو تمام ملک غیر مین پہنچا کر ناصران دین الٰہی ہون۔ ہر قوم کیا ئے
سالانہ بھیجنے کے اگر ماہوار پہونچتی رہین تو دینے والونکو زیادہ سہولت ہو سکتی ہے پس مین احمدی جماعت کے ہر ایک فرد
سے پھر یہ درخواست کرتا ہون کہ وہ اس معاملہ مین سستی نہ کرین۔ ہم نہین جانتے کہ کتنے دن ہماری زندگی کے باقی
ہین۔ اگر ہماری کوشش سے ایک ... آدمی بھی دین حق کو قبول کرلے تو بیشک ہم کامیاب ہوگئے۔ مگر اسوقت ایک
متفقہ کوشش درکار ہے۔ ایک ایک آدمی کی الگ الگ کوشش کچھ نہین کر سکتی۔ مین امید کرتا ہون کہ جو احباب میری اس
تجویز سے متفق ہونگے وہ اپنی پوری کوشش اسکے کامیاب کرنے مین صرف کرینگے اور اس خط کو مین حضرت اقدس مسیح موعود
کے چند الفاظ پر ختم کرتا ہون +

"چونکہ ہماری تمام جماعت کو معلوم ہوگا کہ اصل غرض خدا تعالیٰ کی میرے بھیجنے سے یہی ہے کہ جو جو غلطیان
اور گمراہیان عیسائی مذہب نے پھیلائی ہین انکو دور کرکے دنیا کے عام لوگونکو اسلام کیطرف مائل کیا جاوے اور اس
غرض مذکورہ بالا کو جس کو دوسرے لفظونمین احادیث صحیحہ مین کسر صلیب کے نام سے یاد کیا گیا ہے پورا کیا جائے اسلیئے اور
انہین اغراض کے پورا کرنیکے لیے رسالہ انگریزی جاری کیا گیا ہے ..... اسلیئے مین **پورے زور کے
ساتھ** اپنی جماعت کے مخلص جوانمردونکو اسطرف توجہ دلاتا ہون کہ **وہ اس رسالہ کی اعانت
اور مالی امداد مین** جہانتک انسے ممکن ہے اپنی ہمت دکھلاوین..... جو کوئی میری موجودگی اور زندگی مین
میری منشاء کے مطابق میری اغراض مین مدد دیگا مین امید رکھتا ہون کہ قیامت مین بھی میرے ساتھ ہوگا......
بعد اسکے وہ وقت آتا ہے کہ ایک سونے کا پہاڑ بھی اس راہ مین خرچ کرین تو اسوقت کے پیسے کے برابر نہین ہوگا......
اور اگر کوئی تم مین سے خدا سے محبت کرکے اسکی راہ مین مال خرچ کریگا تو مین یقین رکھتا ہون کہ اسکے مال مین بھی دوسرون
کی نسبت زیادہ برکت دیجائیگی..... اور مین سچ سچ کہتا ہون کہ اگر تم سب کے سب مجھے چھوڑ دو اور خدمت اور امداد سے
پہلوتہی کرو تو وہ ایک قوم پیدا کر دیگا کہ اسکی خدمت بجالائیگی...... اور وہ وقت چلا آتا ہے کہ تم پھر مجھے نہین دیکھو گے
اور بہتونکو حسرت ہوگی کہ کاش ہمنے نظر کے سامنے کوئی قابل قدر کام کیا ہوتا..... اور اگر تم اسقدر خدمت بجا لاؤ کہ اپنی
غیر منقولہ جائدادونکو اس راہ مین بیچ دو پھر بھی ادب سے دور ہوگا کہ تم خیال کرو کہ ہمنے کوئی خدمت کی ہے......
مین یہ بھی کہتا ہون کہ **اس خدمت کے ساتھ دوسری خدمات مین بھی سست مت ہو**"

آخر مین میری یہ استدعا ہے کہ جس صاحب کو یہ اشتہار پہونچے وہ کوشش کرے کہ دوسرون تک بھی اسے پہنچا دے۔

الراقم۔ خاکسار **محمد علی** مینیجر ریویو آف ریلیجنز قادیان ضلع گورداسپور

آؤ لوگو کہ یہین نور خدا پاؤ گے + لو تمہین طور تسلی کا بتایا ہمنے

ریویو آف ریلیجنز

یعنی

دنیا کے مذاہب پر نظر

جلد ۴ بابت مارچ ۱۹۰۵ء نمبر ۳

فہرست مضامین

"نہایت ضروری عرض"

اگرچہ بروئے قواعد رسالہ میگزین کا زرچندہ بجز خاص حالات کے پیشگی وصول ہو جانا چاہئے لیکن بوجہ چند وجوہ اس قاعدہ پر ابتک پورا عمل نہیں ہو سکا جسکا نتیجہ یہ ہے کہ تاحال سنوات گذشتہ کا بہت بقایا قابل وصول چلا آتا ہے۔ باوجود ہر طرح کے تقاضوں اور یاددہانیوں کے وصول ہوتا نظر نہیں آتا۔ یہانتک کہ بعض باقیداران کو بعد اطلاع ضابطہ کے وی پی بھیجے گئے تو عدم وصول واپس آئے۔ اس قسم کی کارروائی سے اول طوالت کام دوئم بیفایدہ زیرباری خرچ متصور ہے! اور جانبین کیلیے ناحق کی مالی و جانی تکلیف ہے! اندرین حالات پیشگی وصولی کے قاعدہ کی پوری پابندی کی سخت ضرورت پیش آئی ہے اور واقعی اسکا عملدرآمد بڑا مفید ہے کیونکہ اس قاعدہ پر عمل کرنیکی صورت میں خریداران و دفتر ہذا کے مابین حساب بالکل صاف رہتا ہے اول حساب مین کسی قسم کی پیچیدگی واقع نہیں ہوتی دوئم اس طرح کی پیشگی وصولی سے کارخانہ ہذا کو بروقت امداد ملجاتی ہے سوئم باربار کی خط کتابت۔ تقاضاؤن و یاددہانیونکے بار عظیم سے سبکدوشی ہو جاتی ہے۔ چہارم وی پی و خط کتابت وغیرہ کی زیرباری سے بچنے کے علاوہ طوالت کام کا بوجھ ہلکا ہو جاتا ہے۔ جس مین خریداران کو بھی ایک گونہ سہولت ہے۔

لہذا سنوات گذشتہ کے مطالبہ کی بے باقی اور سال روان کے زرچندہ کی پیشگی وصولی کی یہ تجویز کی گئی ہے کہ جن خریداران کے ذمہ سنوات گذشتہ کا بقایا یا جن سے سال روان کا پیشگی چندہ ۱۰۔ اپریل تک قابل وصول رہ جاوے گا۔ اُن سے چندہ بذریعہ وی پی وصول کیا جاوے گا۔ جملہ باقیداران کو بروقت اطلاع دیجاتی ہے کہ تاریخ مذکورہ سے پیشتر جسقدر رقوم زرچندہ قابل وصول ہین وہ جلد تر بذریعہ منی آرڈر ارسال فرماکر بے باقی حساب مین کارخانہ کی مدد فرمادین اور عنداللہ ماجور ہون۔ والسلام۔

مینیجر ریویو آف ریلیجنز

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

تعدد ازواج

تعدد ازواج کا لفظ ہی یورپ کو ایسا ناگوار معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس کی آواز کو بھی سننا پسند نہیں کرتے اور ان سے یہ امید رکھنا کہ وہ ٹھنڈے دل سے اس مضمون پر بحث سنیں یا اسکے فواید پر غور کریں اور اسکی ضرورت کے وجوہات پر فکر کریں ایک ایسا خیال ہے جسکا پورا ہونا قریباً قریباً ناممکن ہے۔ اس سخت تعصب کیوجہ سے وہ لوگ جنکو ابتدا سے ہی یہی تعلیم ملتی چلی آئی ہے کہ تعدد ازواج جیسی بری بات دنیا میں کوئی نہیں کبھی اس امر کے متعلق صحیح نتیجہ پر نہیں پہنچ سکتے۔ یہ ایک عجیب بات ہے کہ وہ لوگ جو زنا جیسی سیاہ کاری کو معمولی نگاہ سے دیکھتے اور ایک تہذیب یافتہ سوسائیٹی میں ایسے واقعات کو معمولی واقعات سمجھتے ہیں وہی تعدد ازدواج کو پرلے درجہ کی نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ اور پھر جوں جوں زنا کے خفیف سمجھنے میں ترقی ہے ویسے ہی تعدد ازواج کے خلاف سختی روز بروز بڑھتی جاتی ہے۔ چنانچہ جہاں ایک طرف ہلکی سے ہلکی سزا کو بھی زنا کے لیے پسند نہیں کیا جاتا۔ تعدد ازواج کیلیے بڑی سے بڑی سزا کو بھی خفیف سمجھا جاتا ہے اور اس کی بیخکنی کیلیے جرمانہ قید۔ جلاوطنی بلکہ قتل کو بھی روا رکھا جاتا ہے۔ تعدد ازواج کو خواہ کیسا ہی برا کہا جاوے مگر کوئی شخص یہ جرأت نہیں کریگا کہ اسکو زنا سے بھی بدتر یا زنا جیسی بدکاری قرار دے لیکن باوجود اسکے عملی طور پر اسے زنا سے زیادہ خطرناک اور اس کی بیخکنی کو زنا کی بیخکنی سے زیادہ ضروری قرار دیا جاتا ہے اسکی وجہ انہیں لوگوں کو بیان کرنی چاہیئے جو تعدد ازواج کے مخالف ہیں۔ اگر ہمسے پوچھا جاوے تو ہم یہی کہیں گے کہ تعدد ازواج کے خلاف جو سختی کی گئی ہے اسی نے زنا کو زیادہ قابل برداشت بنا دیا ہے کیونکہ جس صورت میں فطرت انسانی کے تقاضوں کو روکنا انسان کی طاقت سے باہر ہے تو اسکے جایز ذرایع کو اختیار کرنے سے روکنے کا نتیجہ یہ ہوگا کہ طبیعتیں ناجایز ذرایع کے اختیار کرنے کی طرف مایل ہونگی۔ اسی طرح حق کی مخالفت آہستہ آہستہ انسان کو ناحق کا حامی اور ناراستی سے پیار کرنیوالا بنا دیتی ہے۔

پس جہان ہم اپنی طاقت کے مطابق تعدد ازدواج کی ضرورت اور اسکے جواز پر بحث کرینگے ہم یہ امید رکھتے ہین کہ تعدد ازدواج کے مخالف خواہ وہ یورپ کے مہذب لوگ ہون یا یورپ کی تہذیب کے ایشیائی فدائی ہون وہ وجوہات بیان کرینگے جنکے باعث تعدد ازدواج کو زنا سے زیادہ خطرناک گناہ سمجھا جاتا ہے۔ آسانی کیلیے ہم اس مضمون کو تین حصون پر تقسیم کرتے ہین یعنی اول انسانی سوسائیٹی مین تعدد ازدواج کی ضرورت۔ دوم اسلام نے کہانتک اور کن اغراض کیلیے تعدد ازدواج کو جایز رکھا ہے اور بالآخر ان اعتراضونکا جواب دینگے جو تعدد ازدواج پر کیئے جاتے ہین۔

۱- تعدد ازدواج کی ضرورت

تعدد ازدواج یا ایک مرد کا ایک سے زیادہ عورتونسے نکاح کرنا انسانی سوسائیٹی کی ایسی ہی ضروریات مین سے ہے جیساکہ خود نکاح اگرچہ اسکا دایرہ نکاح کی طرح وسیع نہین ہے گویا ایک بیوی سے نکاح کرنا ایک قاعدہ ہے اور تعدد ازدواج اس قاعدہ کیلیے ایسی ضروری استثناء ہے جسکا دور کرنا انسانی سوسائیٹی کیلیے ایسا ہی نقصان رسان ہے جیساکہ خود نکاح کے قاعدہ کا دور کرنا کیونکہ نکاح کی اصل غرض یہ ہے کہ تا انسانون کو اس سے بعض ایسے فواید حاصل ہون جو اسکے سوائے اور کسی طریق سے حاصل نہین ہوسکتے مثال کے طور پر نکاح کے فواید مین سے ایک یہ ہے کہ تا سلسلہ نسل انسانی کا اس طریق سے جاری رہے جس سے تعیین والدین بھی ہوسکے اور تا وہ خوشی جو مرد اور عورت کو ایک دوسرے کی صحبت سے حاصل ہوتی ہے قایم رکھی جاوے اور تا انسان پاک دل ہون اور بدخیالات سے بچے رہین۔ اور جیسا عام طور پر ان فواید کا حاصل ہونا نکاح پر موقوف ہے ایسا ہی خاص حالات مین یہ فواید سوائے تعدد ازدواج کے حاصل نہین ہوسکتے۔ ان مین سب سے زیادہ ضروری اس غرض کا حاصل ہونا ہے جسکا ذکر سب سے اخیر کیا گیا ہے اور اسلیے ہم پہلے اسی پر غور کرینگے۔

جو خواہش مرد کے دل مین عورت کے لیے یا عورت کے دل مین مرد کیلیے ہے وہ تقاضائے فطرت انسانی ہے اور اس خواہش کا جایز ذریعہ یعنی نکاح کے ذریعہ سے پورا کرنا انسان کے دل مین سچی محبت اور پاکیزگی کے خیالات کو پیدا کرتا ہے اور اسیکا ناجایز تعلقات سے پورا کرنا انسان کو ناپاکی کیطرف لیجاتا اور اسکے دل مین بدخیالات پیدا کرتا ہے پس نکاح انسان کو پاکیزگی کیطرف لیجانے اور اُسے ناپاکی سے دور رکھنے کا ایک ذریعہ ہے یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ یہ فطری خواہش جو مرد اور عورت کے دلمین ایکدوسرے کیلیے موجود ہے اسے گندی یا ناپاک خواہش کے نام سے منسوب کرنا سخت غلطی ہے کیونکہ اس خواہش کو فطرت انسان مین پیدا کرنیوالا خود خدا تعالے ہے اور اسی نے اپنی حکمت اور مصلحت سے بعض اغراض کیلیے اس خواہش کو انسان کے نفس مین

نکاح کی اغراض

انسانی فطرت کا طبعی تقاضا

مرکوز فرمایا ہے ہاں اس کا برا استعمال یعنی ناجایز طریقوں سے اسکا پورا کرنا بیشک انسان کو ناپاکی اور بدی کی طرف لیجانیوالا ہے
ابتدا مین عیسائیونکو اس فطری خواہش انسانی کے متعلق سخت غلطی لگی رہی اور یہی وجہ تھی کہ نکاح کے متعلق ان کے
درمیان غلط خیال پیدا ہو گئے۔ بہت مدت تک عیسائیونکا یہ خیال رہا کہ یہ فطری خواہش ناپاکی کی خواہش ہے اور
اسلیے وہ نکاح کو برا سمجھتے رہے اور تجرد کو ترجیح دیتے رہے یہانتک کہ تجرد کو ہی انسانی کمال سمجھ لیا گیا حالانکہ انسانی
کمال اس بات سے حاصل نہین ہوتا کہ فطری خواہشون کو دبایا جاوے بلکہ انسان کی فضیلت اس امر سے ہے کہ اُن ..
خواہشات کے پورا کرنے مین جایز ذرایع کا استعمال کرے اور ناجایز طریقون اور راہون سے بچے کیونکہ کوئی قوت جو
خدا تعالے نے انسان کو دی ہے بذاتہ بُری نہین بلکہ اسکا برا استعمال بدی کیطرف لیجانیوالا ہے اور یہی حال اس
فطری خواہش کا ہے جسکا ذکر ہم اس جگہ کر رہے ہین۔

اس تقاضا کو پورا کرنیکا ذریعہ کیا ہو سکتا ہے

پس اول نکاح مرد و عورت کی اس فطری خواہش کے تقاضا کو پورا کرنیکا جایز طریق ہے اور اس مباحثہ مین
سب سے مقدم یہ امر ہے کہ دیکھا جاوے کہ وہ کونسے ذرائع ہین جنسے جایز طور پر انسان اس خواہش کو پورا کر سکتا ہے
یا دوسرے الفاظ مین یہ معلوم کیا جاوے کہ نکاح کی بہترین صورتین کون کونسی ہین یعنی ایسی صورتین جو اس خواہش
کے تقاضا کو ہر پہلو سے پورا کرنیکا راہ اسے دکھاتی ہین اور اسکو ہر ایک ایسی راہ سے بچاتی ہین جو ناجایز یعنی ہلاکت
کی طرف لیجانیوالا ہے اگر اس بات کو مد نظر رکھکر غور کیا جاوے تو جیسا عام طور پر انسان کے لیے ایک بیوی سے
نکاح کرنا ضروری ہے ایسا ہی خاص حالات کے ماتحت۔ ایک سے زیادہ بیویونکا ہونا ضروری معلوم ہوتا ہے ایسے واقعات
ہمیشہ پیدا ہوتے رہتے ہین اور پیدا ہوتے رہین گے کہ ایک مرد ایک سے زیادہ بیویونکی ضرورت محسوس کرے اور اگر کسی
قانون مین نکاح کی ایسی صورتین ملحوظ نہ رکھی جاوین جو ان ضروری استثناؤن کو مد نظر رکھین خواہ وہ کسی وقت اور کسی
جگہ پیدا ہونیوالی ہون تو ایسا قانون ناقص ہوگا۔ اور ایسے استثناؤنکا وجود اسقدر کم بھی نہین کہ اسکو النادر ....
کالمعدوم سمجھ لین بلکہ ایسے حالات دنیا مین ہر زمانہ اور ہر ملک مین پیدا ہوتے رہتے ہین۔ نہ ہی یورپ کے مہذب ممالک
انسے خالی ہین بلکہ ایسی ضرورتین جیسے ان ممالک مین محسوس ہوتی ہین جہان تعدد ازدواج کا رواج ہے ویسے ہی
ان ممالک مین بھی پیدا ہوتی رہتی ہین جہان تعدد ازدواج کو ناجایز قرار دیا گیا ہے۔ ہان یہ ضرورتین الگ الگ رنگون
مین پوری ہوتی رہتی ہین یعنی اول الذکر ممالک مین توبذریعہ تعدد ازدواج پوری ہوتی ہین اور مؤخر الذکر مین بذریعہ زنا
اور بدکاری کے۔ چنانچہ عیسائی ممالک مین تعدد ازدواج کی ضرورت کو تسلیم کیا گیا ہے اور اسی ضرورت کے احساس
نے ہی ان ممالک مین بہت سے لوگونکو تعدد ازدواج کی حمایت مین کھڑا کر دیا ہے چنانچہ ڈیون پورٹ صاحب اپنی کتاب
موسوم بہ "تائید" مین لکھتے ہین "تعدد ازدواج کی حمایت مین بہت ساری کتابین شایع ہوئی ہین اور وہ ایسے لوگونکی
تصنیف ہین جو عیسائی ہین۔ برنرڈ واکینس نے سولھوین صدی کے نصف مین تعدد ازدواج کی تائید مین سوال و

جواب کی صورت مین ایک کتاب شائع کی۔ اور اسیوقت کے قریب ایک اور رسالہ بھی ایک سے زیادہ بیویان رکھنے کے جواز پر شائع ہوا جسکے مصنف کا اصل نام لسارس تھا۔ ایسا ہی سیلڈن اپنی کتاب "اکسر ہیبریکا" مین ثابت کرتا ہے کہ تعدد ازواج کی رسم صرف یہودیونکے درمیان ہی تسلیم نہین کی گئی تھی بلکہ دوسری قومونکے درمیان بھی لیکن تعدد ازواج کا سب سے مشہور حامی انگلستان کا مشہور و معروف شاعر جان ملٹن تھا"

حفاظت تقوے اب ہم بعض وہ وجوہات بیان کرتے ہین جو تعدد ازواج کی ضرورت کو ثابت کرتی ہین ان مین سب سے مقدم تقوے یعنی پرہیزگاری یا بدی سے بچنا ہے۔ تقوے ایک ایسی پیاری چیز ہے کہ اسکا خیال ہر انسان کو باقی سب باتون سے مقدم رکھنا چاہیئے۔ قدرت نے بعض آدمیون کو معمولی آدمیون کی نسبت زیادہ قوی الشہوت بنایا ہے اور ایسے آدمیونکے لیے ایک عورت کافی نہین ہوسکتی۔ اور اگر انکو جایز طور پر دوسرا یا تیسرا نکاح کرنیسے روکا جاویگا تو اسکا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ تقوے کو چھوڑ کر بدکاری مین مبتلا ہو جاوینگے زنا ایک ایسی بدکاری ہے جو انسان کے دل سے ہر ایک پاکیزگی اور طہارت کا خیال دور کر دیتی ہے اور اس مین ایک خطرناک زہر پیدا کر دیتی ہے اسلیئے ان لوگونکے لیے جو قوی الشہوت ہین ضرور کوئی ایسا علاج ہونا چاہیئے جس سے وہ زنا جیسی سیاہ کاری مین پڑنیسے بچے رہین۔ باقی رہا یہ امر کہ قوی الشہوت آدمیونکو ایک سے زیادہ عورت کی حاجت پڑے گی یہ اظہر من الشمس ہے۔ عورت ہر وقت اس قابل نہین ہوتی کہ خاوند اس سے تعلقات زناشوی پیدا کر سکے کیونکہ اول تو لازمی طور پر ہر ایک عورت پر ایک مہینہ مین سات دن ایسے آتے ہین یعنی ایام حیض جنہین مرد کو اس سے پرہیز کرنا چاہیئے لیکن مرد مین ایسا نقص پیدا نہین ہوتا۔ پھر علاوہ اس نقص کے جو ہر عورت کو لگا ہوا ہے ایام حمل عورت کے لیے ایسے ہوتے ہین خصوصاً اسکے پچھلے مہینے جنمین عورت کو اپنی اور اپنے بچہ کی صحت کے لیے ضروری ہے کہ وہ مرد کی صحبت سے پرہیز کرے۔ اور یہ صورت کئی ماہ تک رہتی ہے۔ پھر اسکے بعد جب وضع حمل ہوتا ہے تو پھر بھی کچھ مدت تک عورت کو مرد کی صحبت سے پرہیز کرنا لازمی ہے۔ اب ان تمام اوقات مین جب عورت کے لیے یہ قدرتی روکین واقع ہو جاتی ہین خاوند کیلیئے کوئی امر مانع نہین ہوتا ہم اس امر کو تسلیم کرتے ہین کہ کثرت سے مرد ایسے ہین جو ان وقفون مین دوسری عورت کرنیکے بغیر تقوے کو قایم رکھ سکتے ہین لیکن ساتھ ہی ہم یہ کہنے کو تیار ہین اور کوئی عقلمند اس سے انکار نہین کر سکتا کہ دنیا مین ایسے قوی الشہوت آدمی بھی موجود ہین اور اس قوت کا زیادہ ہونا کسی صورت مین انکے لیے باعث الزام نہین ہے جنکو اگر ان یا اس قسم کے اور وقفونکے اندر دوسری عورت سے نکاح کی اجازت نہ دیجاوے تو پھر اس خواہش کے تقاضا کو پورا کرنیکے لیے وہ ناجایز ذرایع استعمال کرینگے۔ جو لوگ تعدد ازواج کی مخالفت کرتے ہین وہ ان صورتون مین قوی الشہوت مردونکے لیے کوئی اور راہ نکالدین۔ تو ہم خوشی سے تعدد ازواج کی عدم ضرورت کو مان لینگے لیکن جبتک

فطرت انسانی قایم ہے اور جبتک اسمین اس قسم کے واقعات جنکا اوپر ذکر ہوا پیدا ہوتے رہینگے تب تک سوسائٹی کا اور انسانون کا ہر ایک ہی خواہ تعدد ازدواج کی ضرورت کو ضرور تسلیم کریگا کیونکہ تعدد ازدواج کی ممانعت کی صورت مین دوسرا راہ جو ایسے لوگون کیلیے کھلا ہے زنا ہے جس کی برائی عام طور پر مسلم ہے اگر یہ کہا جائے کہ ایسے لوگون کو ایک ہی عورت پر قناعت کرنے پر مجبور کرنا چاہیئے تو ہم کہتے ہین کہ فطری خواہش کے تقاضے تو کبھی رک نہین سکتے پس اس جبر کا نتیجہ یہ ہوگا اور یورپ مین یہی نتیجہ ہوا ہے کہ ایسے لوگ زنا کی بلا مین گرفتار ہوجاینگے جبکہ خدا تعالے کے قانون قدرت نے بعض لوگونکو دوسرے کی نسبت زیادہ قوے دیئے ہین تو اسکا یہ منشا کبھی نہین ہوسکتا کہ وہ ان قوے کو جایز طور پر استعمال نہ کرین۔ ایک قوی الشہوت آدمی کو جبکا تقوے بغیر دوسری عورت کے قایم نہین رہ سکتا یہ کہنا کہ وہ ایک ہی عورت پر قناعت کرے اور اسی امر پر اسکو مجبور کرنا ایسا ہی ہے جیسا کہ ایک نامرد کو جسے قدرت نے ان قوے سے خالی پیدا کیا ہے اس بات پر مجبور کیا جاوے کہ وہ ایک بیوی کو نکاح مین لاکر اسکے سارے حقوق ادا کرے جو ایک خاوند کو ادا کرنے چاہیئے پس جس طرح پر اللہ تعالے کی مخلوق مین نامرد موجود ہین اسی طرح وہ لوگ بھی موجود ہین جن کے قوائے شہوانی کے لیے ایک عورت کافی نہین پس خدا کی طرف سے صرف وہی قانون ہوسکتا ہے جو ہر قسم کے لوگون کی ضروریات کو مدنظر رکھکر ایسی راہ انسانونکو بتاتا ہے جسپر سب چل سکین۔ خواہ ایسے لوگ کتنے ہی تھوڑے ہون مگر انکے وجود سے انکار نہین کیا جاسکتا اور جبتک ایسے لوگ دنیا مین موجود ہین تب تک تعدد ازدواج کے مسئلہ سے انکار کرنا سراسر حماقت ہے پس تقوے کا قایم رکھنا سب سے اول امر ہے جو تعدد ازدواج کی ضرورت کو ثابت کرتا ہے۔

ممانعت کے نتایج اور راستبازون کی شہادت

جو کچھ ہم نے یہان لکھا ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ تعدد ازدواج جیسا کہ کہا جاتا ہے بدی نہین بلکہ بدیونسے روکنے کا ایک ذریعہ ہے ہماری سمجھ مین تعدد ازدواج کیلیے یہ سب سے بڑی ضرورت ہے اس دلیل کی صداقت اور طرح بھی ظاہر ہوتی ہے کیونکہ اول تو یہ بات ثابت شدہ ہے کہ ان ممالک مین جہان تعدد ازدواج کو ناجایز سمجھا جاتا ہے۔ زنا بہت ہی بڑھا ہوا ہے اور خطرناک طور پر وہان یہ بدی پھیلی ہوئی ہے یہ ایک ایسا امر ہے جس سے عیسائی صاحبان کو بھی انکار کی گنجایش نہین۔ اور عیسائیون نے خود تسلیم کیا ہے کہ پاکدامنی کے معاملہ مین اسلامی ممالک عیسائی ممالک سے بہت اچھے ہین۔ بلکہ خود عیسائی ممالک مین ایک ایسے فرقہ کے پیدا ہوجانیسے جو تعدد ازدواج پر عمل کرنیوالا تھا۔ یہ امر اور بھی واضح طور پر ثابت ہوگیا ہے کیونکہ جیسا کہ ہم گذشتہ اشاعت مین دکھا چکے ہین خود عیسائیون نے تسلیم کیا ہے کہ جبتک مارمن لوگ تعدد ازدواج پر عمل کرتے تھے انکے درمیان بمقابلہ

دوسری ریاستونکے زنا بہت ہی کم تھا۔ ایسا ہی ولد الزنا بچون کی پیدایش کے متعلق گذشتہ اشاعت مین اعداد نقل کر کے ہم نے یہ دکھایا تھا کہ زنا نے یورپ مین کیسی خطرناک صورت اختیار کی ہوئی ہے۔ علاوہ اسکے جب ہم بڑے بڑے صالح لوگون کی زندگیون پر غور کرتے ہین تو اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ انہون نے تعدد ازدواج کو تقوے کے لیے ضروری سمجھا! وریہ امر کسی خاص قوم یا خاص ملک تک محدود نہین بلکہ اس کی نظیرین تمام دنیا مین پائی جاتی ہین۔ ایک طرف تو بنی اسرائیل کے انبیاء علیہم السلام مین سے اکثر نے خود اس مقدس مسئلہ پر عمل کر کے اسکے جواز کو ثابت کیا ہے! اور دوسری طرف ہم ہندوستان مین بھی دیکھتے ہین کہ بڑے بڑے رشیون نے ایک سے زیادہ عورتونسے نکاح کرنیکو جایز سمجھا اور اسپر عمل کیا۔ اب وہ لوگ جنہون نے خود اس مسئلہ پر عمل کیا دنیا کے وہ مقدس رہنما ہین جنہون نے دنیا مین اخلاق کے نہایت پاکیزہ اور اعلے درجہ کے اصولون کی تعلیم دی! ور جنہون نے اپنے پیروؤنکو یہی سکھایا کہ وہ ہر قسم کی بدی اور بدخیال سے پرہیز کرین۔ ان لوگون نے خدا سے ایسی محبت کی اور سچائی اور پرہیز گاری کو ایسا مقدم رکھا کہ انکی خاطر ہر قسم کی تکالیف کو گوارا کیا اور انسانون کی بہتری کیخاطر اپنے تمام آرامون اور فوائد کو ہیچ سمجھا۔ دل کی پاکیزگی اور تقوے کا اختیار کرنا ہی وہ امور تھے جنپر انہون نے بار بار زور دیا۔ زنا سے انہون نے ایسی نفرت کی کہ اسکو سب بدیونسے برا سمجھا اور اس سے بچنے کیلیے راہین بتائین۔ یہ تقویٰ اور طہارت کے معلم جو مختلف ممالک اور مختلف زمانون مین پیدا ہوئے۔ سب کے سب ایک ہی بات پر متفق ہوئے یعنی یہ کہ زنا ایک خطرناک بدی ہے جسکا خیال بھی دل مین لانیسے انسان ہلاک ہو جاتا ہے اور کہ تعدد ازدواج کا مسئلہ سچا اور پاکیزگی کیطرف لے جانیوالا اور زنا سے انسان کو بچانیوالا ہے۔ اگر یہی امر حق نہ ہوتا تو ان مقدسونکا اسپر اتفاق نہ ہوتا جو مختلف ممالک اور مختلف زمانونمین پیدا ہوئے۔ غرضیکہ تمام راستبازون کی متفقہ شہادت باواز بلند پکار کر بیان کر رہی ہے کہ تعدد ازدواج ایک پاک اصول ہے۔ جو سوسائٹی کو زنا جیسی بدکاری سے محفوظ رکھنے کیلیئے بے نظیر علاج ہے۔

عورت اور مرد کی عمرون کا اختلاف

ڈیون پورٹ صاحب اپنی کتاب مین ایک اور پہلو سے تعدد ازدواج کی ضرورت کو ثابت کرتے ہین۔ یہان اسکے الفاظ کا ترجمہ ہم ناظرین کیلیے درج کرتے ہین۔ "تعدد ازدواج کی ضرورت کے طبعی وجوہات کے متعلق ہم یہ کہنا چاہتے ہین کہ مشہور مانٹسکیو نے یہ لکھا ہے کہ گرم ملکونمین عورتین آٹھ نو یا دس سال کی عمر مین شادی کے قابل ہو جاتی ہین اس لیے ان ممالک مین شادی کا زمانہ عمر کے لحاظ سے بچپن کا زمانہ ہوتا ہے۔ بیس سال کی عمر مین وہ بوڑھی ہو جاتی ہین اسلیے عقل اور خوبصورتی دونون ایک وقت انکے اندر جمع نہین ہوتے۔ جب خوبصورتی کا یہ تقاضا ہوتا ہے کہ عورت

حکومت کرے۔ اسوقت عقل اور تجربہ کا نہونا اس دعوے کا مانع ہوتا ہے لیکن جب عقل اور تجربہ حاصل ہوتا ہے تو.... خوبصورتی نہین رہتی اسلیے عورتونکو لازمی طور پر ایک محکومی کیحالت مین رہنا پڑتا ہے کیونکہ عقل اور تجربہ بڑھاپے کے وقت وہ حکومت پیدا نہین کر سکتے جو جوانی اور خوبصورتی بھی نہ کر سکے تھے اسلیے یہ ایک بالکل قدرتی امر ہے کہ ان ممالک مین تعدد ازدواج کا رواج ہو۔" اس حق جو منقد کے الفاظ سے صفائی سے ثابت ہوتا ہے کہ علاوہ ان وجوہ کے جو ہر سوسائٹی مین تعدد ازدواج کی ضرورت کو ثابت کرتی ہین گرم آب و ہوا والے ممالک مین خاص ضرورت تعدد ازدواج کی پیدا ہو جاتی ہے اس سے علاوہ یہ امر بھی ظاہر ہے کہ ہر ملک مین مردون کی نسبت عورتونکے قوے بڑھاپے سے جلدی متاثر ہوتے ہین بس جہان مرد کے قوے بالکل محفوظ ہون جیساکہ وہ اکثر حالات مین ہوتے ہین اور عورت بوڑھی ہوچکی ہو دوسری عورت سے نکاح کرنا بعض حالات مین مرد کیلیے ایسا ہی ضروری ہوگا جیساکہ پہلے کسیوقت پہلی عورت سے نکاح کرنا ضروری تھا پس جو قانون تعدد ازدواج سے روکتا ہے وہ ان مردونکو جنکے قوے خوش قسمتی سے بڑھاپے کی عمر تک محفوظ رہین یہ راہ بتاتا ہے کہ وہ ان قوے کے تقاضا کو زنا کے ذریعہ سے پورا کرین۔ ایسا قانون عام انسانون کی حالتون کے مطابق کیونکر ہوسکتا ہے

عورتون کی تعداد مین مردون کی نسبت زیادتی کے اسباب۔

یہ تو مردون کی ضروریات ہین مگر خود عورتونکو بعض وقت ایسی مجبوریان آپڑتی ہین کہ اگر انکے لیے یہ راہ کھلی نہ رکھی جاوے کہ وہ ایسے مردون سے نکاح کرلین جنکے گھر مین پہلے عورتین موجود ہین تو اسکا نتیجہ بدکاری ہوگا ایک ہی امر پر غور کرو کہ کس طرح ہر سال مین دنیا کے کسی نہ کسی حصہ مین لاکھون مردون کی جانین لڑائیون مین تلف ہو جاتی ہین حالانکہ عورتین بالکل محفوظ رہتی ہین اگر پرانی مثالون کیطرف نہ بھی جائین تو بہ تازہ دو مثالین ہی اس دلیل کی صداقت کا کافی ثبوت ہین یعنی انگلستان کی لڑائی بوئرونکے ساتھ جو جنوبی افریقہ مین ہوئی اور روسیون اور جاپانیون کی لڑائی جو آج کل ہو رہی ہے۔ اب دیکھلو کہ کس طرح ان لڑائیونمین لاکھون مرد تلف ہوئے اور ہو رہے ہین۔ اب ایسے واقعات یعنی جنگونمین مردونکی جانون کا تلف ہونا ہمیشہ ہوتے رہتے ہین اور جبتک دنیا مین مختلف قومین موجود ہین ایسے واقعات ہمیشہ پیدا ہوتے رہینگے اور ہمیشہ انسے مردونکی تعداد مین کمی ہو کر عورتونکی تعداد کا بڑھ جانا ایک لازمی امر ہے اگر یہ فرض بھی کرلین کہ عورتونکی تعداد کی یہ زیادتی کسی قوم مین ہمیشہ کیلیے نہین رہتی تاہم اس سے تو انکار نہین ہوسکتا کہ ایک مدت تک مردونکی اس کمی کا اثر ضرور رہیگا جو اس طرح پر پیدا ہوگی۔ اب یہ عورتین جو مردون کی تعداد سے زیادہ ہونگی انکے لیے کیا سوچا گیا ہے۔ تعدد ازدواج کی ممانعت کی صورت مین ان کا کیا حال ہوگا کیا ان سب کو یہی جواب نہین ملیگا کہ جسکے دلمین مرد کیلیے وہ خواہش پیدا ہو جو قدرت نے فطرت انسانی مین رکھی ہے وہ ناجائز طریقونسے اسے پورا کرلے۔ سوچکر دیکھلو کہ تعدد ازدواج کی راہ کو بند کرکے ان

لاکھوں عورتوں کو جو اس طرح پر لڑائیوں کے سبب سے بیوہ ہو گئیں یا جنکے لیے نکاح کے ذرائع نہیں ہے یہی جواب دینا پڑیگا۔ افسوس ہے کہ ایک غلط اصول کی حمایت میں انسانی ضروریات پر ایک لمحہ کیلیے بھی غور نہیں کیا جاتا تعدد ازدواج کے سوائے اور کوئی ایسی راہ نہیں جو ان ضروریات کو پورا کر سکے۔

یورپ میں عورتوں کی تعداد مردوں کی نسبت بہت زیادہ ہے

اسکے ساتھ ہی ہم اس امر کیطرف بھی توجہ دلاتے ہیں کہ یورپ میں جسکو سب ممالک سے بڑھکر تعدد ازدواج کی ضرورت سے برتر سمجھا جاتا ہے۔ عورتوں کی تعداد مردوں سے کسقدر زیادہ ہے۔ یورپ کے کل ممالک کے متعلق ہمیں اعداد نہیں مل سکے لیکن جس قدر ملے ہیں اس سے عورتوں کی تعداد کی زیادتی کا کسی قدر اندازہ لگ سکتا ہے۔ سنہ ۱۹۰۱ء کی مردم شماری کے روسے انگلستان میں مردوں کی بنسبت عورتوں کی تعداد دس لاکھ بیاسی ۸۲ ہزار چھ سو انیس زیادہ تھی (گویا ہر ہزار مرد کیلیے ایکہزار اٹھتر عورتیں تھیں) اور سکاٹلینڈ میں ایک لاکھ پچیس ہزار چھ سو اٹھانوے عورتیں زیادہ تھیں۔ آیرلینڈ میں اکسٹھ ہزار اٹھاسٹھ۔ گویا برطانیہ کلاں میں بوئروں کی جنگ سے پہلے بارہ لاکھ اٹھتر ہزار تین سو پچاسی عورتیں ایسی تھیں جنکے لیے ایک ایک بیوی والے قاعدہ کے روسے کوئی مرد مہیا نہیں ہو سکتا تھا۔ فرانس میں سنہ ۱۸۹۶ء کی مردم شماری میں عورتوں کی تعداد مردوں سے چار لاکھ تیئس ہزار سات سو تو زیادہ تھی۔ جرمنی میں سنہ ۱۹۰۰ء کی مردم شماری میں ہر ہزار مرد کیلیے ایک ہزار بتیس عورتیں موجود تھیں۔ گویا کل آبادی میں آٹھ لاکھ ستاسی ہزار چھ سو اڑتالیس عورتیں ایسی تھیں جن سے شادی کرنیوالا کوئی مرد نہ تھا۔ سویڈن میں سنہ ۱۹۰۱ء کی مردم شماری میں ایک لاکھ بائیس ہزار آٹھ سو ستر عورتیں اور سپانیہ میں سنہ ۱۸۹۰ء میں چار لاکھ ستاون ہزار دو سو باسٹھ عورتیں۔ اور اسٹریا میں سنہ ۱۸۹۰ء میں چھ لاکھ چوالیس ہزار سات سو چھیانوے عورتیں مردوں سے زیادہ تھیں۔ اب ہم سوال کرتے ہیں کہ اس بات پر فخر کر لینا تو آسان ہے کہ ہم تعدد ازدواج کو برا سمجھتے ہیں مگر یہ بتایا جاوے کہ ان کم از کم چالیس لاکھ عورتوں کے لیے یورپ نے کونسا قانون تجویز کیا ہے کیونکہ ایک ایک بیوی کے قاعدہ کے روسے انکو یورپ میں تو خاوند نہیں مل سکتے۔ سوال یہ ہے کہ جو قوانین انسانوں کی ضروریات کے لیے تجویز کیے جاتے ہیں وہ انسانوں کی ضروریات کے مطابق بھی ہونے چاہئیں یا نہیں۔ وہ قانون جو تعدد ازدواج کی ممانعت کرتا ہے ان چالیس لاکھ عورتوں کو یہ کہتا ہے کہ وہ اپنی فطرت کے خلاف چلیں اور انکے دلوں میں مردوں کی کبھی خواہش پیدا نہ ہو لیکن یہ تو ناممکن امر ہے جیسا خود تجربہ ثابت کر رہا ہے پس نتیجہ یہ ہو گا کہ جائز طریق سے روکے جانے کے باعث وہ ناجائز طریق اختیار کرینگی۔ اور اس طرح پر ان ممالک میں زنا کی کثرت ہوگی۔ یہ تعدد ازدواج کی مخالفت کا نتیجہ ہے اور یہ امر کہ زنا اس ذریعہ سے زیادہ پھیلیگا خیال ہی خیال نہیں بلکہ امر واقعہ ہے جیسا کہ ولد الحرام بچوں کی تعداد سے ثابت ہو رہا ہے ✤

تعدد ازدواج کی ضرورت کے اور اسباب

پھر نکاح کی اغراض مین سے ایک یہ بھی ہے کہ مرد و عورت ایک دوسرے کے لیے بطور رفیق کے ہون پس اگر کوئی وجہ ایسی پیدا ہو جاوے کہ جس کے سبب سے عورت مرد کیلیے بطور رفیق کے نہ رہے یا اس سے اسکو وہ خوشی حاصل ہو سکے جو ایسے رفیق سے ہونی چاہیئے تو ان صورتون مین بھی مرد کو دوسرا نکاح کرنیکی اجازت ہونی چاہیئے۔ مثلاً اگر عورت کو کوئی ایسی بیماری لاحق ہو جاوے جو اسکو ہمیشہ کیلیے یا بڑے بڑے وقفونکے لیے ناقابل کر دیوے یعنی اس امر کے قابل نہ رہنے دے کہ خاوند اُس سے تعلقات زناشوی رکھ سکے تو کوئی وجہ نہین کہ کیون نکاح کی اصل غرض کو مرد دوسرے نکاح کے ذریعہ سے پورا نہ کرے جیسے انسانی زندگی کے حالات کا دایرہ وسیع ہے ویسا ہی ان ضروریات کا دایرہ بھی وسیع ہے جو بعض وقت مرد کو دوسرا نکاح کرنیکے لیے مجبور کر دیتی ہین۔ ہم مانتے ہین کہ ایسی ضروریات اکثر پیدا نہین ہوتین مگر جب واقعی وہ ضرورتین پیدا ہو جاوین اور یہ ضروری ہے کہ ہر انسانی سوسائیٹی مین وہ کم و بیش پیدا ہوتی رہین تو سوائے تعدد ازدواج کے اور کوئی ذریعہ انکے پورا ہونیکا نہین پس اس علاج کو رد کرنا بیماریونکو بڑھانا ہے ایسا ہی تعدد ازدواج اکثر حالات مین طلاقون کی کمی کا ذریعہ ہو سکتا ہے۔ قدرت نے عورت کو وہ سامان دیئے ہین جو مرد کیلیے باعث کشش ہین اور مرد و عورت کے تعلق مین ان فریفتگی اور کشش کے موجبات کی موجودگی ایک نہایت ضروری امر ہے اور صرف اسی صورت مین نکاح بابرکت ہو سکتا ہے کہ ایسے سامانِ کشش عورت مین موجود ہون اور اگر عورت مین ایسے سامان موجود نہ ہون یا کسی طرح سے جاتے رہین تو مرد کا عورت سے وہ تعلق نہین ہو سکتا پس ایسی صورتمین اگر خاوند کو دوسری شادی کی اجازت نہ دیجاوے تو یا تو وہ کوشش کریگا کہ کسی طرح اس عورت سے نجات حاصل کرے اور یا اگر یہ ممکن نہ ہو تو بدکاری مین مبتلا ہوگا اور ناجایز تعلقات پیدا کرے گا کیونکہ جب عورت کی رفاقت سے اسے وہ خوشی حاصل نہ ہو سکے جسکا حصول فطرت انسانی چاہتی ہے تو ناچار اس خوشی کے حصول کیلیے وہ اَور ذریعے تلاش کریگا۔ ان صورتونکے لیے تعدد ازدواج ہی ایک علاج ہے اور اسی ذریعہ سے ایک گھرانا خوشحال ہو سکتا ہے۔

نسل انسانی کا قیام

تعدد ازدواج کی روک سے بعض وقت نکاح کی تیسری غرض یعنی بقائے نسل انسانی حاصل نہین ہو سکتی۔ مثلاً اگر ایک عورت بانجھ ہو اور اسکا عقم ناقابل علاج ہو تو تعدد ازدواج کی ممانعت کیصورتمین قطع نسل لازم آئیگا۔ یہ بیماری عورتون مین بہت پائی جاتی ہے اور سوائے تعدد ازدواج کے اور کوئی راہ نہین جس سے یہ کمی پوری ہو سکے ایسی صورتمین عورت کو طلاق دینے کی کوئی وجہ موجود نہین اور ممکن ہے کہ عورت اور مرد مین ایسی محبت بھی ہو کہ وہ ایکدوسرے سے جدا نہ ہو سکتے ہون پس بقائے نسل کا ذریعہ صرف یہی ہے کہ ایسی صورتمین مرد کو نکاح ثانی کی اجازت دیجاوے۔ ان وجوہات کے علاوہ جنکا ذکر ہم نے

اوپر کیا ہے اور بھی کئی قسم کے وجوہات ہیں جو تعدد ازدواج کی ضرورت کو ثابت کرتے ہیں۔ مگر ان سب کا تفصیل سے بیان کرنا ممکن ہے۔ مثلاً بعض وقت کسی عورت کی حالت پر ترحم یا کسی پولیٹکل یا سوشل تعلق کا قایم کرنا اس امر کی ضرورت پیدا کر دیتا ہے کہ مرد ایک سے زیادہ عورتوں سے نکاح کرے ایسا ہی ہزاروں قسم کی ضرورتیں ہوتی ہیں جن کا رنگ ہر انسان کیلیے جداگانہ ہوتا ہے۔

تعدد ازدواج کی ممانعت کے نقصان

جو نقصان تعدد ازدواج کی ممانعت سے پیدا ہوتے ہیں ان سب کو ہم اس جگہ بیان نہیں کر سکتے۔ ان ممالک میں جہاں تعدد ازدواج کی قانوناً ممانعت کی گئی ہے کثرت زناکاری محتاج بیان نہیں۔ علاوہ اسکے تعدد ازدواج کی روک سے اکثر اوقات انسانی جانیں تلف ہوئی ہیں۔ بہت سارے واقعات ایسے ہوتے رہتے ہیں جہاں خاوند بہ سبب اس خوشی کے حاصل ہونیکے جو نکاح کی اصل غرض ہے پہلی عورت کو قتل کر کے دوسرا نکاح کرتا ہے۔ انگلستان کا بادشاہ ہنری ہشتم ایک موٹی مثال ہے۔ غرضیکہ اگر تاریخ پر نظر ڈالی جاوے اور عام لوگوں کی ضروریات پر غور کیا جاوے تو معلوم ہوگا کہ تعدد ازدواج ایک ایسی ضروری چیز ہے جس کی ممانعت بہت ساری بدکاریوں کے پیدا کرنے اور مصیبتوں کو لانیکا ذریعہ ہے۔ تعدد ازدواج دل کی پاکیزگی کیلیے اور انسان کی ترقی کیلیے ایک ضروری امر ہے۔ مہذب ممالک میں ہزاروں ہزار عورتیں اس قسم کی پائی جاتی ہیں جو زناکاری اور بدکاری کے سبب سے انسانیت کیحالت سے گری ہوئی سمجھی جاتی ہیں۔ اور انکو چارپایوں سے بھی زیادہ حقیر اور ذلیل سمجھا جاتا ہے۔ مگر یہ خیال نہیں کیا جاتا کہ ان بیچاری عورتوں کا کیا قصور ہے۔ نقص تو اس قانون کا ہے جو انکو جایز طور پر معزز بیویاں اور مائیں بننے سے روکتا ہے اور انکو مجبور کرتا ہے کہ وہ اپنی فطری خواہشوں کو گندے اور ناپاک تعلقات کے ذریعہ سے پورا کریں اس قانون کو دور کر دو اور یہی عورتیں ویسی ہی معزز اور نیک ہو جائینگی جیسے بہت ساری نیک بیویاں ہیں سوائے چند ایسی عورتوں کے جو فطرتاً ہی بدکاری کی طرف مایل ہوں۔ تعدد ازدواج زناکاری کے خلاف بڑی روک ہے۔ تعدد ازدواج پر عمل کر کے مرد اور عورتیں دونوں نیک راہوں پر چل سکتے ہیں لیکن تعدد ازدواج کی ممانعت ایک بہت بڑی تعداد کو مجبور کرتی ہیں کہ وحشیوں کی طرح ایکدوسرے سے زناکاری کریں۔

ایک عورت کے ایک سے زیادہ خاوند ہونیکو تعدد ازدواج سے کوئی مناسبت نہیں

تعدد ازدواج کی ضرورت کے ان وجوہات کو ناقابل تردید پاکر بعض لوگ بلا سوچے سمجھے یہ کہدیا کرتے ہیں کہ اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ بعض وقت ایک عورت کو ایک سے زیادہ خاوند رکھنے کی اجازت ہونی چاہئے یہ درست نہیں سب سے بڑی وجہ جو تعدد ازدواج کی ضرورت پر ہمنے بیان کی ہے وہی ایک عورت کے ایک سے زیادہ خاوند ہونیکی تردید کرتی ہے۔ ہمنے بیان کیا تھا کہ تعدد ازدواج کی سب سے بڑی

ضرورت یہ ہے کہ عورت کو بعض عوارض ایسے لگے ہوئے ہین کہ وہ بعض وقت ایک بڑے لمبے عرصہ تک اس قابل نہین ہوتی کہ ان تمام فرایض کو جو بحیثیت بیوی ہونیکے اسے ادا کرنا چاہیئے پورے طور پر ادا کرسکے مثلاً ایام حیض یا ایام حمل یا وہ ایام جو وضع حمل کے بعد آتے ہین۔ اس صورت مین جو مرد قوی الشہوت ہین وہ مجبور ہوتے ہین کہ نکاح ثانی کرین یا اگر قانون اس کا مانع ہوگا تو وہ زناکاری مین مبتلا ہونگے۔ ایسے عوارض جہان کل کے کل عورتونکے ساتھ لگے ہوئے ہین مرد انمین سے کسیکا حصہ دار نہین۔ پس جس مساوات پر زور دیا جاتا ہے وہ خود قدرتنے ہی نہین رکھی اور نہ ہی ابتک یورپ کی تہذیبنے ان عوارض مین سے بعض مرد کے ذمّے ڈالکر اس فرضی مساوات کو عملی کر دکھایا ہے۔ ہان اگر ایسا ہوجائے کہ ان عوارض مین سے بعض مرد کو لگ جاوین اور بعض عورتونکے شامل حال رہین تو البتہ تعدد ازدواج اور ایک عورتکے ایک سے زیادہ خاوند رکھنے کا مسئلہ ایک ہی سطح پر آجاوین لیکن جبتک یہ صورت نہین ہوتی اور قانون قدرت اسبارے مین مرد اور عورت مین مساوات نہین رکھتا تو خود قانون قدرت ہی تعدد ازدواج کا مؤید ہے۔ اور اس دوسرے خیال کی کہ کیون ایک عورتکے ایک سے زیادہ خاوند ہون تردید کرتا ہے۔

بقائے سلسلہ نسل انسانی سے بھی یہی شہادت پیدا ہوتی ہے

پھر تعدد ازدواج کی ضرورت پر ایک اور بڑی بھاری وجہ یہ بیان کی گئی تھی کہ تا اس سے بقائے سلسلہ نسل انسانی مین مدد ملے۔ اب ایک مرد دو یا تین بیویان رکھکر مختلف بیویونسے مختلف اولاد پیدا کرسکتا ہے مگر کیا ایک ہی عورت کے ایک سے زیادہ خاوند ہونیسے یہ غرض حاصل ہوسکتی ہے۔ کیا ایک عورت جسکے خاوند زیادہ ہون وہ ایک خاوند والی عورتسے زیادہ بچے پیدا کرسکے گی۔ پس عورت اور مرد کے درمیان یہ ایک دوسرا بھاری امتیاز ہے جو خود قدرتنے ہی رکھا ہے۔ اور یہ امتیاز تعدد ازدواج کی ضرورت کو ثابت کرتا اور اس دوسرے ناپاک خیال کی جو تعدد ازدواج کے بالمقابل پیش کیا جاتا ہے تردید کرتا ہے۔ تاریخ مین ایسی مثالین تو بہت موجود ہین کہ ایک مرد جسنے دو یا تین بیویان کین اسکے ہان دو یا تین درجن یا اس سے بھی زیادہ اولاد پیدا ہوئی ہو۔ مگر کاش کہ کسی عورت کی بھی ایسی مثال پیش کیجاتی جو ایکسے زیادہ خاوند کرکے معمولی سے دگنے یا تگنے بچے پیدا کرسکی ہو۔ بلکہ برخلاف اسکے یہ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ ایکسے زیادہ خاوندونسے عورت کی معمولی طاقت بچے پیدا کرنے کی بھی ضایع ہوجاتی ہے۔ اور اس سے کسی کو انکار نہین ہوسکتا پس جس صورتمین تعدد ازدواج نسل انسانی کے بڑہانے کا ایک ذریعہ ہے۔ یہ دوسری رسم جو بعض وحشی قومونکے درمیان رائج رہی ہے نسل انسانی کو کم کرنیکا ذریعہ ہے۔ اور اسطرح اول الذکر رسم مد اغراض نکاح ہوکر ضروری ٹھہر جاتی ہے۔ اور مؤخر الذکر مخالف اغراض نکاح ثابت ہوکر رد کرنیکے قابل ہے۔ علاوہ ازین تعدد ازدواج کی صورتمین ہر بچہ مان

اور باپ معین ہوتے ہین اسی طرح پر جیسے ایک بیوی کی صورت مین ان کی تعیین ہوسکتی ہے! ور اس طرح پر والدین کی صحیح صحیح تعیین کے ساتھ نسل انسانی کا قیام رہ سکتا ہے لیکن جہان ایک عورت کے زیادہ خاوند ہون گے وہان یہ غرض بھی مفقود ہوگی اور والد کا پتہ ملنا محال ہوگا۔ اس طرح پر تعیین نسل ہرگز نہین ہوسکے گی۔ اب نکاح کے تین بڑے اغراض ہمنے قرار دیئے تھے یعنی تقوے کا قایم رکھنا نسل انسانی کے سلسلہ کا جاری رکھنا اور تعیین والدین۔ اور ہمنے یہ دکھا دیا ہے کہ ان تینون اغراض کے پورے کرنیکے لیے بعض وقت تعدد ازدواج ضروری ٹھہر جاتا ہے۔ اور یون ممد اغراض نکاح ہونیکے سبب سے نکاح کی طرح تعدد ازدواج بھی انسانی سوسائٹی کیلیے ضروری ہے لیکن ایک عورت کے ایک سے زیادہ خاوند ہونیسے تینون اغراض کا حصول ناممکن ہوجاتا ہے! ور اسلیے مخالف اغراض نکاح ہونیکے سبب سے یہ رسم رد کرنیکے قابل ہے۔

ایک عورت کے ایک سے زیادہ خاوند ہونیکی رسم ایک ناپاک اور وحشیانہ رسم ہے

یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ دنیا کی کسی مہذب قوم یا دنیا کے کسی مقدس بانی مذہب نے اس رسم کو جایز نہین رکھا کہ ایک عورت کے ایک سے زیادہ خاوند ہون بلکہ اگر کبھی اسپر عمل ہوا ہے تو وحشی اقوام کے اندر ہی ہوا ہے جو ہنوز تمدن انسانی سے واقف نہین ہوئی تھین علاوہ ازین جس صورت مین یہ رسم مروج رہی ہے اس سے بھی یہی شہادت پیدا ہوتی ہے کہ یہ رسم تعدد ازدواج کی طرح کسی ضرورت کے لیے رایج نہین ہوئی بلکہ نکاح کا صحیح خیال مفقود ہونیکے باعث مروج رہی ہے۔ عام طور پر جہان اس کا رواج رہا ہے صرف اسی صورت مین رہا ہے کہ ایک عورت تمام بھائیونکی مشترکہ عورت سمجھی گئی اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان وحشی اقوام کے اندر عورت کو بھیڑون بیلون اور زمینون کی طرح تمام بھائیون کی جایداد مشترکہ سمجھا گیا تھا اور اسکو کوئی حقوق نہین دیئے گئے۔ اس رسم کا اصل محرک کوئی ضرورت نہ تھی بلکہ صرف یہ ابتدائی وحشیانہ خیال کہ عورتین بھی جایداد کا ایک حصہ ہین اور اسی لیے ایک بھی مہذب قوم ایسی پیش نہین کیجاسکتی جس نے اس رسم کو انسانی سوسائٹی کی بہتری کا ذریعہ سمجھ کر اسپر عمل کیا ہو پس اس وحشیانہ رسم کو تعدد ازدواج کے مقابلہ پر پیش کرنا محض حماقت ہے۔

تعدد ازدواج کا مسئلہ نکاح کے صحیح خیال کے پیدا ہونیکے بعد پیدا ہوتا ہے اور اسکی ضرورت اسلیے محسوس ہوتی ہے کہ وہ انہین اغراض کا معاون ہے جو مہذب سوسائٹی نے نکاح کے اغراض قرار دیئے ہین بلکہ بعض صورتون مین بغیر اسکے وہ اغراض حاصل بھی نہین ہوسکتے گویا انسانی ضروریات کے وسیع دایرہ مین تعدد ازدواج ایک بیوی سے نکاح کے نقصونکو دور کرنیوالا ہے! ور جب نکاح کی اصلی غرض ایک بیوی سے حاصل نہ ہوسکے تو دوسری بیوی سے نکاح جایز سمجھا جاتا ہے۔ مذہب اسلام مین تعدد ازدواج کے مسئلہ کا یہی منشا ہے جیسا کہ ہم اس مضمون کے دوسرے حصہ مین چل کر بیان کرینگے۔

اس قدرتی امتیاز سے کیا شہادت پیدا ہوتی ہے

اب غور کرنا چاہئے کہ یہ امتیاز جو خود قدرت نے پیدا کیا ہے اس سے کیا نتیجہ نکلتا ہے خدا تعالے نے مرد اور عورت کو اس طرح پر پیدا کیا ہے کہ ایک مرد ایک سے زیادہ عورتون سے فایدہ اٹھا سکتا ہے لیکن ایک عورت کا ایک سے زیادہ مردون سے تعلق رکھنا کسی فایدہ کا موجب نہین ہو سکتا بلکہ الٹا نقصان کا باعث ہے۔ یہ امتیاز مرد اور عورت کے درمیان جو خود خدا کے ہاتھ نے تجویز کیا ہے صاف ظاہر کرتا ہے کہ قدرت نے اس امر کو تو جایز رکھا ہے کہ ایک مرد ایک سے زیادہ عورتون سے نکاح کرے لیکن اسے جایز نہین رکھا کہ ایک عورت کے ایک سے زیادہ خاوند ہون۔ اگر یہ دونون باتین یکسان طور پر قابل اعتراض ہوتین تو قانون قدرت الٰہی انکے درمیان ایسا فرق تجویز نہ کرتا بلکہ دونون جنسونکو یکسان حالت مین رکھتا تا ان دونون امور کے متعلق ایک ہی شہادت پیدا ہوا اور اگر جایز ہون تو دونون ہون ورنہ دونون قابل رد ہون لیکن قانون قدرت نے ایسا نہین چاہا اور جو شخص ان دونون باتون مین وہ پہلو اختیار نہین کرتا جسکی شہادت قانون قدرت سے ملتی ہے وہ خدا کے قانون قدرت کے

انبیاء علیہم السلام کا کیا طریق رہا

یہی وجہ ہے کہ ہر ایک نبی نے وحی الٰہی کی روشنی سے اس بات کو دیکھ لیا کہ تعدد ازدواج انسانی سوسائٹی کی ضروریات مین سے ہے اور اسکا دروازہ کبھی انسانونکے لیے بند نہین ہونا چاہئے۔ مگر اس دوسری وحشیانہ رسم کو یعنی ایک عورت کے زیادہ خاوند ہونیکو کسی نبی نے جایز نہین رکھا اگر تعدد ازدواج کا مسئلہ بھی اس دوسری رسم کیطرح نکاح کے اصلی اغراض کی ناسمجھی کے باعث ہوتا تو کوئی وجہ نہین تھی کہ وہی نبی جنہون نے تعدد ازدواج کو جایز رکھا دوسری رسم کو جایز نہ رکھتے۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ انہون نے نکاح کی اغراض کو مدنظر رکھکر ہی تعدد ازدواج کی اجازت دی اور دوسری وحشیانہ رسم کی بیخکنی کی بعض وقت یہ خیال کیا جاتا ہے کہ اور نبیون نے تو تعدد ازدواج کو جایز رکھا مگر حضرت مسیح ؑ نے اسکو جایز نہین رکھا۔ یہ سخت غلطی ہے جسقدر مسیح ؑ کے اقوال چار انجیلون مین مذکور ہین انمین ایک لفظ بھی ایسا نہین جو تعدد ازدواج کا مانع ہو۔ اگر حضرت مسیح ؑ کے نزدیک تعدد ازدواج بدکاری ہوتی تو ممکن نہین کہ وہ اسکے خلاف ایک لفظ بھی نہ بولتے حالانکہ انکے وقت مین اسکا کثرت سے رواج تھا۔ ورنہ اب تو ایک عیسائی فرقہ اس بات کا قایل بھی پیدا ہو گیا ہے کہ حضرت مسیح ؑ کی تین بیویان تھین علاوہ ازین یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مریم بھی یوسف کی دوسری بیوی ہی تھین دو ہی باتین ہو سکتی ہین کہ یا تو وہ تعدد ازدواج کو جایز نکاح سمجھتے ہون اور یا نعوذ باللہ زناکاری خیال کرتے ہون لیکن ان کی خاموشی سے ظاہر ہے کہ انہون نے تعدد ازدواج کو ہرگز زنا نہین سمجھا کیونکہ ممکن نہین تھا کہ اپنے چارون طرف اسکی کثرت کو دیکھکر بلکہ خود اپنے گھر مین اس فعل کو ہوتا ہوا دیکھکر وہ چپ رہتے حالانکہ انکے نزدیک یہ فعل سخت ممنوع تھا پس سوائے اسکے کہ کوئی نتیجہ نہین نکلتا کہ حضرت مسیح علیہ السلام بھی تعدد ازدواج کو جایز نکاح سمجھتے تھے اور اس سے ہمارے اس قول کی تائید ہوتی ہے کہ ہر ایک نبی نے تعدد ازدواج کو جایز سمجھا ہے۔ تمام نبیونکی متفقہ شہادت تعدد ازدواج کے متعلق قطعی طور پر اسکے جواز کو ثابت کرتی ہے اور یہ کوئی چھوٹی سی بات نہین کہ تمام انبیاء کا اس بات پر

اتفاق ہو۔اگر اس مین کوئی بھی نقص ہوتا تو تمام صاحب وحی معلم اس نقص سے ناآشنا نہ رہ سکتے تھے۔اس مضمون کے باقی دو حصوں پر اگلی اشاعت مین بحث کرینگے +
(باقی آیندہ)

آریہ سماج کی سخت زبانی

یہ امر بہت ہی رنجدہ ہے کہ آریہ سماج اپنی مذہبی تحریرات سے جنمین سخت بدزبانی اور دل آزاری سے کام لیا جاتا ہے۔عداوت اور دشمنی کا ایسا بیج بو رہا ہے جسکا نتیجہ کسی صورت مین اچھا نہین ہو سکتا۔ان لوگون کی تیز زبانی اور دریدہ دہنی ایسی حد سے گذر گئی ہے کہ ملک کے مختلف حصون مین غریب اور امن جو قومون کو عدالتون مین چارہ جوئی کرنی پڑی ہے تاکہ اگر اور کسی طرح سے یہ لوگ نہین رک سکتے تو قانون کے ڈر سے ہی رُکے رہین مگر افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ ان لوگون کو اس بات کی بھی کچھ پروا نہین اور باوجودیکہ ان مذہبی مقدمات مین آریہ سماجیونکو سزائین مل رہی ہین مگر پھر بھی اس بات سے نہین رُکے جس سے روکنے کیلیے یہ سزائین دیگئی ہین۔بلکہ بجائے نرم پیرائے اختیار کرنیکے اور بھی گالیان دینے اور غیر مہذبانہ حملے کرنیمین ترقی کی ہے جیسا کہ بعض تازہ تحریرین اس امر پر گواہ ہین اس سے معلوم ہوتا ہے کہ روحانیت سے خالی ہونیکے سبب سے اس فرقہ کو اور کوئی راہ مذہبی مباحثات کی نظر نہین آتی سوائے اسکے کہ نہایت گندے اور ناپاک اور فحش الفاظ مین ان مقدسون کا ذکر کرین جن کو کروڑہا لوگ اپنا ہادی اور رہبر سمجھتے ہین۔یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ یا تو آریہ سماج کے بڑے بڑے لیڈران دل آزار تحریر دینے اتفاق رکھتے ہین اور یا اگر وہ دراصل انہین ناپسند کرتے ہین تو ان کا اس قوم پر اتنا اثر نہین کہ ایک بیجا طریقہ ہے جس سے اندیشہ ہے کہ ملک کے امن مین فساد پیدا ہو۔ان پرجوش نوجوانون کو روکین جو حد سے گذر رہے ہین۔

مذہبی مباحثات آریہ سماج کی مذہبی تحریرین دراصل ایک نمونہ ہین اس قابل افسوس طرز کا جس طرز مین بہت سارے مذہبی مباحثات ہندوستان مین ہو رہے ہین اگرچہ بلحاظ بدزبانی کے کسی تحریر کو ان لوگون کی تحریر دینے کوئی نسبت نہین ان مباحثات مین جو اس ملک کے اندر مذہبی رنگ مین ہو رہے ہین اکثر کو پڑھکر مباحث کی نیک نیتی اور حق جوئی نہین پائی جاتی بلکہ اس کی نقو نکتہ چینی صرف اسی نتیجہ تک پہنچاتی ہے کہ لکھنے والے کے دل مین نہ دین کی عظمت ور نہ خدا کا خوف ہے آریہ سماج کے مباحثات کے کئی ہزارون ورق کو پڑھ جاؤ یہ نہین معلوم ہوگا کہ ان لوگون کو دل کی پاکیزگی سے جو مذہب کی حقیقی روح ہے مس تک بھی ہے اصل اور

اہم سوال جنسے کسی مذہب کی صداقت کا فیصلہ ہوسکتا ہے چھوئے بھی نہین جاتے اور عمداً ان سے گریز کیجاتی ہے صرف اسلیے کہ اسکا کوئی معقول جواب انکے مذہب مین موجود نہین ہے! اوران مصنفونکی تمام علمیت اسی مین خرچ ہوجاتی ہے کہ بدزبانی کے نئے نئے پیرائے ایجاد کرکے گالیون کی لغت کے دایرہ کو وسیع کیاجاوے اس قسم کے مباحثات جاہلونکو تھوڑی دیر کیلیے خوش کردیتے ہین اوران کی غرض ہوتی بھی اسیقدر ہے لیکن ان کا اثر سوائے اسکے کہ دو قومون مین کینہ بڑھے اور کچھ نہین ہوتا نہین معلوم ان مباحثات سے آریہ سماج کو کنسا فایدہ حاصل ہوتا ہے جو اس طریق کی اصلاح نہین کیجاتی ۔ حالانکہ ان کا نقصان اب کھلا کھلا یہ ظاہر ہورہا ہے کہ عدالتون تک نوبت پہنچ گئی ہے اور سویا ہوا کینہ پھر جاگ اٹھا ہے ۔ ہم یہ نہین کہتے کہ مذہبی مباحثات کا دروازہ بند کیا جاوے کیونکہ یہ مذہبی آزادی جو اس گورنمنٹ کے نیچے ہمکو حاصل ہے یہ خدا کی ایک نعمت ہے مگر اس نعمت کا ہمین شکریہ ادا کرنا چاہیئے اور اسکو جایز طور پر استعمال کرکے یہ دکھانا چاہیے کہ ہم اسکی قدر کرتے ہین نہ یہ کہ اس سے ناجایز فایدہ اٹھاکر فتنے اور فساد برپا کیے جاوین ۔

خالی اعتراض کرنے اور نکتہ چینی سے کچھ حاصل نہین

ہمارے خیال مین مذہبونکے اس جنگ مین جو اسوقت شروع ہے اصلی سوال جو اس جھگڑے کا فیصلہ کرسکتا ہے بہت پیچیدہ نہین مگر اس سوال کا جواب دینے سے وہ لوگ جو حق پر نہین عمداً اعراض کررہے ہین کیونکہ اسکا کوئی معقول جواب انکے پاس موجود نہین نتیجہ یہ ہے کہ مباحثین کا کل زور اسی بات پر ہے کہ دوسرے مذاہب پر اعتراض کیے جاوین اور اسی مین ان کی کل کوشش خرچ ہوتی ہے یون ہر ایک غیر ضروری بات بحث کے نیچے آرہی ہے اور مباحثات سے کوئی بات صفائی سے حل نہین ہوتی بلکہ ضروری اور غیر ضروری اعتراضات کا گڑبڑ مچا ہوا ہے ۔ چھوٹے چھوٹے مباحثین کی ایک ایسی جماعت پیدا ہوگئی ہے جسکے وجود سے ملک کو اور خلق کو نفع بہت کم اور ضرر بہت زیادہ پہنچ رہا ہے ۔ جو دن رات اس ان تھک کوشش مین لگے ہوئے ہین کہ کتابون کی ورق گردانی کرکے ہر لفظ یا ہر خیال پر کچھ نہ کچھ اعتراض پیدا کرلین اس طریق سے کس مدعا کا حصول انہون نے مدنظر رکھا ہوا ہے اسکا جواب ہم کچھ نہین دیسکتے اگر ایک مذہب اپنی خوبی سوائے اسکے کچھ نہین دکھاسکتا کہ دوسرے مذاہب پر اعتراض کرنے مین وہ بڑا مشتاق ہے تو اس سے اسکی صداقت کا پتہ نہین ملیگا اور نہ ہی جسپر اعتراض کیے گئے ہین اسکا باطل ہونا یقینی اور قطعی ہوجائیگا ۔ سوائے اسکے کہ کسی مذہب کے اصل اصول پر اعتراض کیے جاوین جو ان مباحثات مین معدوم نہین تو نادر ضرور ہورہا ہے معمولی طور پر یہ ہر ایک فریق ان اعتراضونکو جو دوسرے مذاہب پر کیے جاوین سچے سمجھ لیتا ہے اور جو اعتراض خود اسپر ہون انکو جھوٹے تصور کرلیتا ہے اور اگر ایک دہریہ ہے تو وہ کل اعتراضون کو صحیح سمجھ لیتا ہے پھر اس طریق سے کیا حاصل ۔ ہم یہ بھی کہتے ہین کہ اگر بالفرض کسی مذہب نے یہ بھی ثابت کردیا کہ اسکے برخلاف

جس قدر اعتراض کیے جاتے ہین اسکے پاس انکو غلط سمجھنے کے وجوہات کافی ہین تو پھر بھی یہ امر اس مذہب کی صداقت کا ثبوت قطعی نہین ہو سکتا۔ مذہب کی اصل غرض صرف اسیقدر نہین کہ بعض ناقابل اعتراض باتین بیان کردے اور جو مذہب صرف اسیقدر کام کرتا ہے اور اس سے آگے کچھ نہین کر سکتا وہ خدا کیطرف سے نہین ہو سکتا۔ مذہب کی اصل اور اہم غرض تو یہ ہے کہ وہ اپنے معتقدین کی زندگیون مین کوئی نمایان اثر پیدا کرکے دکھادے اور انکی ناپاک زندگیونکو پاک حالتون سے بدلدے۔ دنیا مین بہت ساری سچی باتین ہین جن کو بیان کرنیسے ہماری زندگیون پر انکا کوئی نیک اثر نہین پڑ سکتا پس صرف اسیقدر کو مذہب کی غرض ٹھہرالینا غلطی ہے۔

مذہب کا پہلا فرض ہستی باریتعالی پر یقین تام پیدا کرنا ہے۔

مذہب کی اصل غرض اور اہم مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالے سے تعلق اور یگانگت پیدا کرکے انسان ہر ایک قسم کے گند اور ناپاکی سے نجات پاوے۔ اسکے لیے سب سے پہلا قدم یہ ہے کہ انسان کو اللہ تعالے کی سچی معرفت حاصل ہو اور اس کی ہستی پر بصیرت کے ساتھ یقینی اور قطعی علم حاصل ہو کیونکہ اگر اللہ تعالے کی ہستی پر ہی یقینی ایمان نہین تو انسان اس سے تعلق کیا پیدا کر سکتا ہے! اب اللہ تعالے کی ہستی پر جسقدر دلایل عقل سے یا ملاحظہ مخلوقات سے ملتی ہین اول تو انسے قطعی اور یقینی شہادت اس امر کی پیدا نہین ہوتی کہ واقعی اللہ تعالی موجود ہے ہان صرف ضرورت صانع کی ثابت ہوتی ہے اور علاوہ ازین یہ دلایل کسی خاص مذہب سے تو حاصل نہین ہوئے۔ پھر کسی مذہب کو ان دلایل سے کیا تعلق کیونکہ اگر کوئی مذہب نہ بھی ہوتا تو بھی یہ دلایل تو موجود ہوتے۔ پس جو مذہب ان عقلی دلایل کے سوا اور کوئی دلائل ہستی باریتعالے پر پیش نہین کر سکتا ایسے دلایل جو اپنے اندر قطعیت کا رنگ رکھتے ہون اسکا خدا کیطرف سے ہونیکا دعوے اسی جگہ باطل ثابت ہو جاویگا اور اسکی طرف سے دوسرے مذاہب پر یا خود ایسے مذہب پر لیسے چوڑے اعتراضونکی ضرورت نہین رہتی! اور خواہ اسکے عقاید کیسے ہی ناقابل اعتراض ہین مگر محض اسوجہ سے کہ اس مین کوئی قابل اعتراض بات نہین وہ خدا کیطرف سے ہونیکا دعوے نہین کر سکتا کیونکہ ایسا مذہب کوئی نیا علم ہمین نہین دیتا سوائے اسکے جو خود عقل انسانی نے دریافت کیا ہے۔ علاوہ ازین جیسا کہ ہم پہلے کہہ چکے ہین خالی عقل کی شہادت قطعی شہادت خدا کے موجود ہونے پر نہین بلکہ صرف اسکی ضرورت کی شہادت ہے اسلیے جو مذہب عقلی شہادت کے سوائے اور کوئی شہادت وجود باریتعالے پر پیش نہین کر سکتا اسکا منبع بھی عقل ناقص ہی ہوگی نہ خدا جو کامل ہے اسلیے کسی مذہب کی صداقت پرکھنے کیلیے سب سے پہلے ہمین اس امر پر غور کرنا چاہیے کہ اس نے باریتعالے کی ہستی پر یقین پیدا کرنیکے لیے کونسی راہ بتائی ہے پس اس جنگ مذاہب مین ہر ایک مذہب کا پہلا فرض یہ ہے کہ وہ وہ راہ دکھاوے جس راہ پر چلکر انسانونکو ہستی باریتعالے کے متعلق یقین تام پیدا ہو سکتا ہے۔

مذہب کا اثر انسان کی زندگی پر

اگر مباحثات مین اس امر کو مدنظر رکھا جاوے جسکا ذکر اوپر کیا گیا ہے تو بہت سارے مباحثات کا اسی جگہ خاتمہ ہوجاتا ہے ہان کچھ دعویدار باقی رہ جائینگے جنکے درمیان فیصلہ کرنیکے لیے ہمین یہ دیکھنا ہوگا کہ اس دعوے کی دلیل انکے ہاتھ مین کیا ہے یعنی آیا اس دعوے کا کہ فلان مذہب مین اللہ تعالے نے اپنی ہستی پر یقین تام پیدا کرنیکا راہ بتایا ہے عملی رنگ مین اس کے پیروؤن پر کوئی اثر بھی ہے یا نہین کیونکہ اس سے کسیکو انکار نہین ہوسکتا کہ اگر ایک شخص پورے یقین کے ساتھ خدا کی ہستی پر یقین رکھتا ہے تو اسکا قدم ایک لمحہ کیلیے بھی خدا کی مخالفت مین نہین اٹھ سکتا جس دل پر اس یقین نے پورا تسلط کر لیا ہے کہ ایک برتر ہستی موجود ہے جو انسان کے دل کے اندرونی خیالات سے بھی واقف ہے اور جو مخالفت کرنیوالونکو ایک دم مین ہلاک کر سکتی ہے تو ممکن نہین کہ پھر اسی دلمین کوئی گندہ اور ناپاک خیال یا اللہ تعالے کی مرضی کے خلاف کوئی خیال قایم رہ سکے اسلیے مذہبی مباحثات کے اندر دوسرا اہم امر یہ ہے کہ دیکھا جاوے کہ کسی مذہب کا اپنے پیروؤن کی زندگی پر یہ اثر ہے کہ نہین کہ وہ انکو ہر ایک قسم کی ناپاکی سے نجات دیکر ایک پاک تبدیلی انکے اندر پیدا کرتا ہے کیونکہ اگر کوئی شخص بھی ایسا نہین جو ایسے مذہب مین چلکر شیطان کے وسوسونسے بالکل محفوظ ہے تو ثابت ہوگا کہ ایسا مذہب اللہ تعالے کے ساتھ تعلق پیدا نہین کرتا اور اسلیے اس مذہب سے وہ راہ بھی نہین مل سکتی جسپر چلکر انسان کو ہستی باریتعالے پر یقین تام حاصل ہوسکے بحث کے اس مرحلہ پر اور بہت سارے دعویدار الگ ہوجاوینگے۔

مذہب کی سچائی کا امتیازی نشان

مگر یہان بھی اس بحث کا پورے طور پر خاتمہ نہین ہوتا کیونکہ پاکیزگی کے کئی ایک دعویدار پیدا ہوجاوینگے۔ اور یہ مشکل ہے کہ ہر ایک دعویدار کے دعوے کو مثالین دیکر توڑ سکین کیونکہ ایک انسان کسی دوسرے شخص کی نسبت کیا کہہ سکتا ہے۔ کہ اس کی زندگی کیسی ہے۔ علاوہ اسکے بہت سے ایسے افعال ہین جن کے متعلق سب کا اتفاق نہین ہوسکتا کہ آیا وہ گناہ مین شامل ہین یا نہین اسلیے کوئی ایسا امتیازی نشان ہونا چاہیے جس سے اس دعوے کو آسانی سے پرکھا جاسکے یا یون کہو کہ کوئی ایسا نشان ہونا چاہیے جو قطعی طور پر فارق بین الحق والباطل ہو۔ کیونکہ یہ ناممکن ہے کہ خداتعالے نے انسانونکو تاریکی مین ہی رکھنا چاہا ہو اور سچے مذہب کا کوئی ایسا نشان نہ رکھا ہو جسکے ذریعہ سے ہر ایک بجائے خود اسے پرکھ کر اختیار کر سکے۔ یہ نہین ہوسکتا کہ حق اور باطل کے درمیان خداتعالے نے کوئی... امتیازی نشان نہ رکھا ہو اگر اللہ تعالی انسانونسے یہ چاہتا ہے کہ وہ اسکی رضا کے تابع ہوکر چلین اور اسکی مخالفت کی راہو نمین قدم نہ رکھین تو ضرور ہے کہ اس نے اس راہ کی کوئی ایسی علامت رکھی ہو جس سے جھوٹی راہین خالی ہون پس اس امر سے کسی صورت مین انکار نہین ہوسکتا کہ کوئی ایسا امتیازی نشان ضرور ہونا چاہیے جس سے طالب حق جھوٹے اور سچے مذہب کے درمیان فرق کر سکے اور یہی امتیازی نشان ہی ایک ایسا ذریعہ ہوسکتا ہے جو بالآخر

اس عظیم الشان مذہبی جنگ مین حکم کا کام دیکر اس جنگ کو ختم کر سکتا ہے! ور ایک اور ایک ہی مذہب کو سچا ثابت کرکے باقی سب کے...... بطلان کو بدیہی طور پر دکھا سکتا ہے پس ضروری اور اہم سوال کل مباحثات مین یہی ہونا چاہیئے کہ وہ امتیازی نشان جو حق اور باطل مین فرق کرسکتا ہے کیا ہے! ور وہ نشان کس مذہب مین پایا جاتا ہے اور کونسے مذاہب اس سے خالی ہین صرف اسیقدر امر کا فیصلہ ہونیسے ہم ان مباحثات کے دل آزار طریق سے نجات پاسکتے ہین۔

وہ امتیازی نشان کیا ہے اور کہان پایا جاتا ہے؟

سچے مذہب کا امتیازی نشان یہ ہے کہ اسے خدا تعالی کی طرفسے ہر وقت یہ تائید ملتی ہے کہ وہ آسمانی نشان دکھا سکتا ہے۔ کیونکہ اس امر سے کسی کو انکار نہین کہ ہر ایک مذہب نے ابتدا مین یہی دعوے کیا تھا اور اسی امتیازی نشان سے اسوقت کے موجودہ مذاہب پر فتح پائی تھی پس اگر ایسا امتیازی نشان حق اور باطل مین فرق کرنیکے لیے ابتدا مین ضروری تھا تو کوئی وجہ نہین کہ آنیوالی نسلونکو وہی امتیازی نشان نہ دیا جاوے بلکہ انکو تاریکی مین رکھا جاوے پس اسی امتیازی نشان کے ذریعہ سے ہم ان لوگونکے دعاوی کو پرکھین گے جو پاکیزگی کے مدعی ہین اور یہی امتیازی نشان جو ایک طرح پر سب مذاہب کے نزدیک مسلم ہے اس جنگ مذاہب مین فیصلہ کن امر ہوگا۔ یہ امر کہ واقعی یہی وہ امتیازی نشان ہے جو اللہ تعالے نے حق اور باطل کے درمیان فرق کرنیکے لیے رکھا ہے۔ صرف اسی سے ثابت نہین کہ ہر ایک مذہب کی ابتدا مین یعنی جب وہ مذہب انسانی غلطیونسے پاک تھا یہ نشان ضرور پایا جاتا تھا بلکہ غور کرنیسے یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہی امتیازی نشان حق اور باطل مین فرق کرنیکے لیے ہونا چاہیئے کیونکہ صرف آسمانی نشان ہی ایک ذریعہ ہے جس سے اللہ تعالی کی ہستی پر یقین تام اور ذات باری کی معرفت تامہ پیدا ہوسکتی ہے اور یہ ہر مذہب کی مسلمہ غرض ہے۔ اس مین کچھ شک نہین کہ بدی سے بچنے کیلیے غیر معمولی ایمانی قوت درکار ہے اور غیر معمولی طاقت نہین پیدا ہوسکتی جب تک انسان ہستی باریتعالی پر خارق عادت نشان نہ دیکھ لے پس اصلی سوال جو کل مباحثات کو طے کرسکتا ہے۔ ایک نہایت ہی مختصر اور سیدھا سوال ہے جسکے حل کرنیکے لیے کوئی ایسی بات درکار نہین۔ جو معمولی انسانونکی قوت سے باہر ہو۔ طالب حق کو صرف اسقدر دیکھنا چاہیئے کہ وہ کونسا مذہب ہے جسمین اللہ تعالے خارق عادت آسمانی نشان ظاہر فرماتا ہے! اس مرحلہ پر پہونچکر ہم دیکھتے ہین کہ صرف ایک ہی مدعی اس میدان مین ہے اور اسکے سوائے کسیکو جرأت نہین جو اس میدان مین آسکے یا اسکے مقابلہ پر کمر ہمت باندھ سکے۔ یہ مدعی ہے اسلام کا پاک مذہب مگر نہ وہ اسلام جس مین انسانون نے غلطیان ملادی ہین۔ بلکہ اصلی اسلام جسکی طرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بلایا! ور جسکو آج اس ذات اطہر کا نایب حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی مسیح موعود و مہدی معہود علیہ السلام پیش کررہے ہین کوئی شخص ایسا نہین جس نے اس امتیازی نشان مین اس حامی اسلام کا مقابلہ کرنیکی جرأت

کی ہو اور جس نے جرأت کی نیچا دیکھا۔ خود آریہ سماج نے بھی اپنے ایک لیڈر کی موت مین ایسا امتیازی نشان دیکھا مگر افسوس کہ پھر بھی گندہ زبانی سے کام لیا۔

دھرم پال کی گندی تحریرین

آریہ سماج اس امر کا ثبوت تو دینے سے رہا کہ اسمین سچے مذہب کا امتیازی نشان پایا جاتا ہے اسلیے اب اس نے یہ طریق اختیار کیا ہے کہ جسقدر ممکن ہو دوسرے مذاہب کی نسبت سخت زبانی کیجاوے۔ کوئی دن ایسا نہ گذرتا ہوگا جس دن کوئی آدمی کسی ایک مذہب کو چھوڑ کر دوسرا مذہب اختیار نہ کرتا ہو مگر آریہ سماج مین کسی شخص کا داخل ہونا سماج کیلیے ایک ایسی عجیب اور نئی بات ہے کہ ہر کس و ناکس کے ارتداد پر دنیا مین ایک شور برپا کیا جاتا ہے۔ کچھ عرصہ گذرتا ہے کہ ایک شخص نے جسکا نام اسکے والدین نے غلطی سے عبد الغفور رکھا تھا آریہ سماج مین داخل ہوکر دھرمپال اپنا نام تجویز کیا۔ تبدیلی مذہب کے وجوہات دینے کی بجائے اس نے ایک کتاب ترک اسلام شایع کی جس مین اسلام پر حسب معمول آریہ سماج کچھ اعتراض اکٹھے کیے گئے اس کتاب کا جواب کئی مسلمان مناظرین کی طرف سے شایع ہوا جسپر دھرمپال صاحب کو اسقدر جوش آیا ہے کہ انہون نے ایک کتاب تہذیب الاسلام کے نام سے شایع کرکے اسمین دل کھولکر مسلمانونکے خدا اور پیغمبر کو گالیان دی ہین۔ طرز تحریر ایسا ہے کہ متانت مس بھی کر گئی نہین معلوم ہوتی۔ اس کتاب مین اسقدر تیز زبانی اور رذیلاپن سے کام لیا گیا ہے کہ پڑھنے والا ایک لمحہ کیلیے بھی مصنف کے متعلق اچھی رائے قایم نہین کرسکتا۔ اللہ تعالے کے متعلق اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے متعلق ایسے حقارت آمیز کلمات کو بار بار دھرایا ہے جس سے ایک مسلمان کا دل ٹکڑے ٹکڑے ہوجاتا ہے۔ کتاب کو شروع ان الفاظ سے کیا گیا ہے کہ دنیا مین سب سے بڑا فریبی کون ہے اور بہت سے تمسخر اور استہزا کے بعد اسکا جواب یہ دیا ہے کہ ٹھگون اور چورون اور کیسہ بردن غرضیکہ دنیا کے ہر ایک بدمعاش اور لچے سے بڑھکر فریبی (نعوذ باللہ) مسلمانونکا خدا ہے اور پھر اس جواب پر سفیہانہ ہنسی کی ہے اسکے بعد کوتہ اندیش مصنف اسی استہزا کے رنگ مین اسی قسم کے حقارت آمیز اور گندے کلمات کو دھراتا ہے اور اللہ تعالے کے متعلق یہ بیباکانہ اور گندہ طرز تحریر اختیار کرتا ہے کہ نعوذ باللہ من ذالک کیا وہ چورونکا سردار ہے۔ کیا رہزنونکا سرغنہ ہے کیا لوٹیرونکا پیشرو ہے کیا رندونکا سرگروہ ہے۔ کیا ٹھگونکا گورو ہے کیا مٹی ہے پتھر ہے اینٹ ہے روڑا ہے اونٹ ہے ہاتھی ہے اسی قسم کے ہفوات سے صفحہ بعد صفحہ بھرا ہوا ہے۔ (دیکھو تہذیب الاسلام صفحہ ۵) لیکن نہین کہ اس گند کے بعد پھر کوئی نرمی ہو بلکہ اس سے بھی بڑھکر گند آگے چلاجاتا ہے۔ ہم نہین چاہتے کہ ناظرین کے دل کو دکھایا جاوے اسلیے ہم اسکی عبارتین بھی نقل نہین کرتے۔ مثال کے طور پر یہ چند لفظ ہمنے لکھدیے ہین۔ لکھنے والیکو نہ ملک کے قانون کی کچھ پروا ہے اور نہ ہی شائستگی کا پاس ہے،

اور نہ ہی یہ خیال ہے کہ آخر یہ چھ کروڑ لوگ جنکے دل وہ اس جرأت سے دکھا رہا ہے اسی گورنمنٹ کی رعایا ہین مذہبی آزادی دینے سے قانون کا یہ منشا کبھی نہین ہو سکتا تھا کہ ایسی بدزبانی اور دریدہ دہنی کی اجازت دیجاوے - جو موصل الی الشر ہے۔ اگر ان دو قومونکے درمیان جو باہمی صلح اور امن سے ایک دوسرے کے پہلو مین گذارہ کر رہی ہین کبھی کوئی فتنہ یا فساد ہو تو اسی قسم کے مصنفونکی تحریرین اسکی ذمہ دار ہونگی۔ کاش کہ کوئی آریہ سماج کا خیرخواہ سماج کو یہ سمجھاوے کہ ایک شخص اپنی کوتہ اندیشی سے وہ دشمنی کا بیج بو رہا ہے جسکا پھل کسی صورت مین نیک نہین ہو سکتا۔ ہندو اور مسلمانون کے تعلقات بجائے بڑھنے کے ایسی تحریرونسے اور بھی کشیدہ ہونگے جسقدر سختی اس نے ان لوگونپر کی ہے جنہون نے اسکی کتاب کا جواب لکھا تھا اسکو ہم نظرانداز کر سکتے ہین کیونکہ جوش کیوقت بعض وقت انسان حد سے گذر جانے مین معذور ہوتا ہے۔ مگر یہ بیوجہ کوسنا اور تحقیر کرنا عمداً دکھ دینے کیلیے کیا گیا ہے اور مسلمانونکے دلونکو زخمی کیا گیا ہے۔ کونسا مسلمان ہے جسکا دل اس قسم کے فقرونکو سنکر ٹکڑے ٹکڑے نہین ہو جاتا جیسے ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی پاک شان مین بیوجہ لکھے گئے ہین۔ مثلاً صفحہ ۳۰۹ پر نعوذ باللہ آنحضرت کی نسبت معلم الملکوت کا لفظ۔

آریہ سماج کے لیڈرون کا فرض

ہم نہین سمجھتے کہ اس سخت کلامی سے آریہ سماج کو کیا حاصل ہوگا بلکہ اور مضرات کے علاوہ خود پبلک کے دل پر ایسی تحریرونسے آریہ سماج کے متعلق بُری رائے پیدا نہین ہو سکتی۔ کیا وہ لوگ جو دوسرے مذاہب اختیار کرتے ہین ان کا بھی یہی طریق ہے! ابتدا مین بعض عیسائیون نے یہ غلط راہ اختیار کی تھی مگر آریہ سماج کی تحریرونکے بالمقابل وہ تحریرین گویا کچھ بھی نہین۔ ہزارون آدمی اسلام مین داخل ہوتے ہین مگر کون اس طرح ان بزرگونکو گالیان دیتا ہے جنکے مذہب مین وہ پہلے تھا بہت عرصہ نہین ہوا کہ ڈاکٹر انشی کنت چٹوپدھیا پرنسپل حیدرآباد کالج نے مذہب اسلام اختیار کیا اور اسکے وجوہات لیکچر مین بیان کیے جو اسوقت رسالونکی صورت مین چھپے ہوئے ہین انکو شروع سے اخیر تک پڑھ جاؤ مگر ایک لفظ بھی اس قسم کا نہین ہوگا جس سے کسیکو ناحق رنج پہونچانیکا ارادہ کیا گیا ہو۔ مذہب مین تو صرف اصول دیکھنے ضروری ہین اور ذاتیات پر حملے کرنا نادانی ہے! آریہ سماج کے لیڈرونکا یہ فرض ہے کہ کم از کم وہ ایسی تحریرون مین حصہ لینے سے اپنی بریت ظاہر کرین تا جو دکھ اس کتاب سے پہنچا ہے وہ ایک فرد واحد تک محدود رہے اور ایک قوم کیطرف سے نہ سمجھا جاوے ہم امید کرتے ہین کہ آریہ سماج کے لیڈر اگر ان جوشیلے کوتہ اندیشونکو روک نہین سکتے تو اس طریق کو وہ ضرور اختیار کرینگے کیونکہ یہ از بس ضروری ہے کہ ہندوؤن اور مسلمانونکے تعلقات مین کسی قسم کی رنجش پیدا نہ ہو۔

ہم دوبارہ اس بات کو بیان کرنا چاہتے ہین کہ ہم کبھی اس کتاب کے ایک لفظ کی بھی پروا نہ کرتے اگر اسمین صرف مباحثہ مین کسیقدر سختی کا پہلو اختیار کر لیا گیا ہوتا۔ مباحثہ مین سختی کا ہو جانا ایک معمولی امر ہے اور جوش مین بعض وقت طرفین کے منہ سے ایسے کلمات نکل جاتے ہین جنکے معنونمین کمی بیشی کا اندازہ کرنا ٹھیک نہین ہوتا مگر اس کتاب مین

بجائے سختی کے فحش گالیون سے کام لیا گیا ہے ایک شخص جو صرف اس کتاب کی فہرست مضامین کو ہی پڑھ لے وہ دیکھ لیگا کہ اس کتاب کا مصنف معقول مباحثہ کو چھوڑ کر سخت مباحثہ کی حد سے بھی کہین آگے گذر گیا ہے مثلاً ایسے ہذلیات اور توہین آمیز پیرایے جیسے خدا کا کیڑون مکوڑون (ص ۲۹) شیطان (ص ۱۳۸) بھنگیون یعنے چوہڑون (ص ۲۱۰) سے مقابلہ کرنا۔ اسلامی بہشت کو چکلے سے بدتر کہنا (ص ۲۱۸) ایک باعصمت عورت (حضرت مریم صدیقہ) پر وہ حملے کرنا جو یہودی بھی کرتا ہوا شرما جاوے (ص ۳۰۶) یہ اگر عمداً مسلمانو نکے دلونکو دکھ پہونچانیکے لیے نہین کیا گیا تو کیا ہے۔ ہم تو یہ بھی کہنے کو تیار ہین کہ کوئی معقول آریہ سماجی بھی اس کتاب کے دو تین صفحے پڑھے تو ضرور اس کی گندہ زبانی سے کانپ اٹھیگا*

یہودیون اور عیسائیون کا اتحاد

مروّج اور غیر مروّج انجیلین

ڈاکٹر کراس نے جو اسوقت ہنگری کے ایک کالج مین پروفیسر ہے تیولیرا یہودیو نکے ایک میگزین مین ایک مضمون لکھا ہے جسمین کسیوقت یہودیون اور عیسائیونکے اتحاد کے امکان کو دکھایا گیا ہے اس مضمون مین یسوع کی زندگی کے واقعات درج کیے گئے ہین وا اس لحاظ سے کہ وہ ایک یہودی کے قلم سے نکلے ہین خاص دلچسپی رکھتے ہین کوشش یہ کیگئی ہے کہ یہودیونکو اس الزام سے بری ثابت کیا جاوے کہ انہون نے دانستہ حضرت مسیح علیہ السلام کو کوئی تکلیف پہنچائی تھی پہلے وہ ذرائع بیان کیے گئے ہین جنسے مسیح کی زندگی کے واقعات کا پتہ ملسکتا ہے اور اس امر پر اظہار افسوس کیا گیا ہے کہ تاریخی طور پر مسیح علیہ السلام کی زندگی کے واقعات دریافت کرنیکے ذرائع بہت ہی کم ہین۔ چار مروجہ انجیلو نکے متعلق مصنف مضمون کی وہی رائے ہے جو آج کل عیسائیونمین مسلم ہے یعنی یہ کہ وہ ایک نامکمل اور ناقص روایت کی بنا پر لکھی گئی ہین گویا تاریخ کے رنگ مین نہین بلکہ قصو نکے رنگ مین ہین اسکے ساتھ ہی تاریخی طور پر ان چالیس یا چالیس سے زیادہ انجیلونکو جو عیسائیونکے نزدیک جعلی ہین اسی حد تک معتبر قرار دیا گیا ہے۔ اور اسکی وجہ یہ بیان کیگئی ہے کہ "جبتک مروجہ چار انجیلونکا کافی شاہد تصور کیا جاتا تھا غیر مروج انجیلونکو کوئی وقعت نہین دیجاتی تھی۔ مگر اب جبکہ مروجہ انجیلین قصص اور ناقابل اعتبار ثابت ہوگئی ہین تو کوئی ایسا امتیازی نشان نہین جس سے ہم ان دونون قسم کی انجیلونمین کوئی فرق کر سکین۔ دو یا تین سال نہین گذرے ہونگے کہ جرمنی کے فاضل کا ٹریڈ لی نے ایک مشہور تصنیف مین یہ ثابت کیا تھا کہ طفولیت کی انجیلین نہایت قیمتی تاریخی ذرائع ہین اور انپر پورا غور ہونا چاہیئے

جسقدر غیر مروج انجیلونکی وقعت تاریخی نگاہ مین بڑھتی جاوے گی۔ اسیقدر مروجہ اناجیل کی وقعت کم ہوتی جاویگی
ان امور کو مدنظر رکھکر یسوع کی زندگی مین ایک بھی ایسا واقعہ نہین جسکی صحت پر اعتراض نہ ہو سکتا ہو“......
عیسائیونکی ان تحریرونکے علاوہ یہودی ذرایع کو بھی لیا گیا ہے اگرچہ وہ ان سے بھی بہت کم ہین۔

مسیح کی ولادت پر حملے

یہودیون کی نفرت حضرت مسیح سے ایک مشہور امر ہے۔ لیکن ڈاکٹر کراس اگرچہ بکلی اس نفرت سے پاک نہین مگر بہت حد تک اس موروثی نفرت کے خیال کو دل سے دور کر چکا ہے تاہم اسکی تحریر بالکل اس خیال سے پاک نہین۔ ابتدا مین وہ اس بات کو تسلیم کرتا ہے کہ ”یسوع ایک بزرگ اور متقی انسان ہمارے درمیان پیدا ہوا“ اور پھر لکھتا ہے ”اگر کلیسیا ہر ایک امر کو جو یسوع کے متعلق ہے بگاڑ کر کچھ کا کچھ نہ بنا دیتی تو اسکا نام آج یہودیونکے درمیان نفرت نہین بلکہ عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا۔ اگر کلیسیا انہین مسایل کو رواج دیتی جنکی تعلیم واقعی حضرت مسیح نے دی تھی۔ تو اسرائیلی انبیاء اور خود یسوع کے اصل منشار کے مطابق ہوتا کیونکہ وہ ہم مین سے تھا وہ اس امر کو محسوس کرتا تھا کہ وہ ہماریطرف بھیجا گیا ہے وہ ہمین تعلیم دینی چاہتا تھا اور ہماری خوشحالی اسکا مقصد تھا“ ان الفاظ مین حضرت مسیح کا بنی اسرائیل کیطرف رسول ہونا جیساکہ قرآن شریف فرماتا ہے صاف الفاظ مین تسلیم کر لیا گیا ہے مگر باوجود اس اقرار کے ان جھوٹے قصّونکو جو حضرت مسیح کی پیدایش کے متعلق یہودیونین چلے آتے ہین اس مضمون مین بہت وقعت دیگئی ہے۔ یہ سچ ہے کہ تاریخی طور پر انکو صحیح تسلیم نہین کر لیا گیا بلکہ یہ بھی مانا ہے کہ حضرت مسیح کی ولادت کو ناجایز قرار دینے سے اصل غرض یہود کی صرف یہی تھی کہ تا انکے دعوے کی تردید کرین اور تا کہ ان کی نسبت ایسی باتین مشہور کیجاوین جو انکو بدنام کرنیوالی ہون مگر پھر بھی مصنف مضمون کا دل یہ نہین چاہتا کہ ان قصّونکو قطعی طور پر جھوٹے قرار دے۔ چنانچہ وہ لکھتا ہے کہ ”جہان ایک بے تعصب محقق اسبات کا افسوس کریگا کہ مذہبی جوش نے کہانتک نوبت پہنچائی ہے ساتھ ہی اسکے سامنے یہ سوال بھی آئیگا کہ کوئی واقعہ جسکے ذریعہ سے اظہار دشمنی کیا جاوے لازمی نہین کہ وہ ضرور ہی جھوٹا ہو کیا ممکن نہین کہ انجیلونکا قصہ ہی جسپر اور بھی کئی طرح کے شبہات وارد ہوتے ہین جعلی ہو؟ اور اگر کلیسیا کو جو یسوع کی الوہیت یا اسکے بن باپ پیدا ہونیکا کوئی ثبوت نہین دے سکتی اسی امکان کا مقابلہ کرنا پڑے کہ یسوع کی ولادت کے متعلق وہی قصص صحیح ہین جو حواریونکے علاوہ دوسرے لوگون (یعنی یہودیون) نے لکھے ہین تو پھر کیا ہوگا۔ کیا اس سے یسوع کی تعلیم کی قیمت کم ہو جاویگی۔ اور کیا پھر وہ اس قابل نہ رہیگی کہ ایک عظیم الشان کلیسیا کی بنیاد اسپر رکھی جاوے“ یہ خیالات مصنف کی اپنی رائے کی تردید کر رہے ہین۔ جو اس مضمون کے پہلے حصّہ مین حضرت مسیح کے سچا نبی ہونیکے متعلق اسنے بیان کی ہے کیونکہ اگر واقعی حضرت

مسیح خدا کیطرف سے تھے اور راستباز تھے۔ تو ان قصص کو لازماً جھوٹا ماننا پڑے گا۔ راقم مضمون کو جو ایک یہودی ہے توریت کے وہ الفاظ ضرور معلوم ہونگے جنمین حرامی بچونکے متعلق لکھا ہے کہ "حرامی بچہ خداوند کی جماعت مین داخل نہ ہووے اسکی دسوین پشت تک وہ خداوند کی جماعت مین شامل نہ ہو" (استثنا ۲۳/۲) پس وہ شخص جسکو اللہ تعالے اس قابل بھی نہین سمجھتا کہ وہ اسکی جماعت مین داخل ہووے ایسے شخص کو وہ نبوت کا ممتاز عہدہ کیونکر دیسکتا ہے۔ اس حوالہ کی عبارت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہودیون کی اصل غرض ان قصونکے گھڑنے مین سوائے اسکے کچھ نہین تھی کہ اس سے حضرت مسیح کے دعوے نبوت کو صدمہ پہنچے۔ یہ سچ ہے کہ کسی آدمی کی بڑائی اس بات پر منحصر نہین کہ اسکی ولادت یا نسل کیسی ہے۔ مگر ساتھ ہی یہ امر بھی حق ہے کہ وہ لوگ جنکو اللہ تعالی اپنے لیے چنتا ہے اور جنکو وہ دنیا کیطرف رسول کرکے بھیجتا ہے اس قسم کے نقصونسے اور ایسے عیبونسے پاک ہوتے ہین۔ ان واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ ان جھوٹے قصونپر جن مین حضرت مسیح کی ولادت پر حملے کیے گئے ہین۔ یہودیونکا کیسا پکا اعتقاد ہے مگر انکو سچا ہی ماننے کیلیے یہ ضروری ہے کہ پہلے ان قصون کو جھوٹا سمجھا جاوے یہی وجہ ہے کہ قرآن شریف کو حضرت مسیح کے متعلق روح منہ کہنا پڑا جس سے یہ سمجھایا گیا کہ جس بات پر یہودی جمے بیٹھے ہین کہ آپکی ولادت مین نعوذ باللہ ناپاکی کو دخل ہے یہ بالکل جھوٹ بات ہے بلکہ وہ ایک پاک روح ہے جو خدا کیطرف سے ہے نہ کہ شیطانی اور ناپاک روح۔ اگر یہودیونکے اسقدر سخت اعتراض آپ کی ولادت پر نہ ہوتے تو خدا کے پاک کلام کو ان الفاظ کے بیان کرنے کی ضرورت نہ پڑتی۔

تیس سالہ زندگی حضرت مسیح کی تیس سال کی زندگی کا کوئی حال معلوم نہین اور اس امر سے عیسائیون کو بھی انکار نہین مروجہ اناجیل مین صرف ایک دو واقعات کا ذکر ہے طالمود مین بھی ایک دو اشارے پائے جاتے ہین مگر انکی صحت پر یقین نہین کیا جاسکتا۔ ڈاکٹر کراس ایک واقعہ کو جسکا ذکر طالمود نے کیا ہے یون بیان کرتا ہے۔ "ایسا ہی بیان طالمود مین بھی موجود ہے۔ یہان یسوع بحیثیت ربی یشوع بن پراحیا کے شاگرد کے پیش کیا گیا ہے جسکے ساتھ وہ مصر مین بھاگ گیا کیونکہ بادشاہ ربیونکو تکلیف دیتا تھا۔ بعد مین جب دونون فلسطین کو واپس آئے تو یسوع کا کسی عورت کی خوبصورتی پر فریفتہ ہوجانا دیکھکر ربی نے اسے عاق کردیا یہی سبب تھا کہ یسوع نے اسرائیلی مذہب سے ارتداد کیطرف لوگونکو بلایا" اس قصہ کے آخری الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ قصہ ایسے وقت مین گھڑا گیا جب عیسائیت کا رنگ پلٹ چکا تھا یعنی ...... حضرت مسیح کے بہت مدت بعد۔ عجیب بات ہے کہ اور نبیونپر بھی انکے دشمنون نے اسی قسم کے الزام لگائے ہین جس سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام خبیث فطرتین ایک ہی وضع کی ہوتی ہین۔

مسیح کی تعلیم مگر سب سے زیادہ ضروری امر جو یہودیون اور عیسائیون کے اتحاد کے سوال کو آخر کار حل کرسکتا ہے

مسیح کی تعلیم کا سوال ہے۔ اس بارے مین ڈاکٹر کراس سب سے پہلے یہ سوال پوچھتا ہے کہ کیا حضرت مسیح نے واقعی کسی نئے مذہب کے بانی ہونیکا دعوے بھی کیا تھا؟ اور اسکا جواب یہ دیتا ہے کہ "باوجودیکہ اناجیل اسوقت لکھی گئین جب عیسائیت مین کسی قدر تغیر آچکا تھا تاہم وہ بھی کھلے طور پر یہ دعوے کرنیکی جرأت نہین کرتین کہ یسوع نے شریعت موسوی کو منسوخ کر دیا تھا اور تفسیر کو تاریکی مین رہنے دیا کہ حواری اسکے متعلق ٹھیک رائے قایم کرین۔ ایک معقول پسند منقد اناجیل سے صرف اس نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ خواہ انکی مذہبی تعلیم کچھ ہی ہو اسمین کچھ شک نہین کہ یسوع دوسرے یہودیونکی طرح ایک یہودی تھا بلکہ ربیونکی طرح وہ ایک ربی تھا۔ اور کہ اس نے صرف اسیقدر دعوے کیا اور اس سے بڑھکر اور کوئی دعوے نہین کیا" دراصل حضرت مسیح کے اقوال ہین جو اناجیل مین مذکور ہین ایک لفظ بھی ایسا نہین جس سے یہ ثابت ہو کہ آپنے شریعت موسوی کو منسوخ کر دیا تھا یا آپ کا ارادہ منسوخ کرنیکا تھا۔ متی آپکے اس قول کو نقل کرتا ہے "یہ خیال مت کرو کہ مین توریت یا نبیونکی کتاب کو منسوخ کرنے آیا ہون مین منسوخ کرنیکو نہین بلکہ پوری کرنیکو آیا ہون" (متی ۵ ۱۷)۔ طالمود اسی قول کو نقل کرتے ہوئے اسکو اور بھی واضح کر دیتی ہے چنانچہ اسکے الفاظ یہ ہین "مین اس لیے نہین آیا کہ موسےٰ کی شریعت سے کچھ گھٹاؤن نہ اسلیئے آیا ہون کہ اس شریعت پر کچھ ایزاد کرون" شریعت کو پورا کرنیسے آپ کا یہی مطلب تھا۔ پھر جب ایک دولتمند نے آپسے آکر کہا کہ مین کونسا نیک کام کرون جس سے ہمیشہ کی زندگی پاؤن تو آپ کا جواب عبرانیون کی انجیل مین یون نقل کیا گیا ہے کہ "توریت اور نبیون کی کتابونکو پورا کرو" یعنے انکے احکام کی فرمانبرداری کرو۔ یہ فاضل یہودی فاضل نے یہ ثابت کرنیکے لیے لکھی ہین کہ حضرت عیسے صرف شریعت موسوی کے خادم ہوکر آئے تھے اور خود کوئی نئی شریعت نہین لائے اور نہ آپنے کبھی شریعت سے انحراف کیا عملی طور بھی وہ حضرت موسےٰ کی شریعت کے مطابق ہی چلتے رہے آپ کی زندگی مین صرف دو ایسے واقعے پیش کیے جاتے ہین جن کو حضرت موسےٰ کی شریعت کے خلاف ورزی کہا جاتا ہے اور پھر اس سے منسوخی شریعت کا نتیجہ نکالا جاتا ہے مگر یہ محض تنکے کا پہاڑ بنانا ہے۔ ڈاکٹر کراس نے یہ ثابت کیا ہے کہ اول تو ممکن ہے کہ سہواً یہ افعال آپ سے سرزد ہوئے ہون یعنی ایک سبت کے دن خوشونکے توڑنیکی اجازت دینا اور دوسرا کھانیسے پہلے ہاتھ نہ دھونا اور پھر یہ دکھایا گیا ہے کہ یہ ضروریات شریعت موسےٰ کی نہ تھین۔ بلکہ ربیونکے بنائے ہوئے قواعد کے مطابق انکی ضرورت سمجھی جاتی تھی۔

یہودی الزام سے مسیح کی بریت ہین ہوتی

یسوع کے عدالتین گھسیٹا جانے اور صلیب پر کھینچا جانے کے معاملہ مین ڈاکٹر کراس یہودیونکو بالکل بیگناہ سمجھتا ہے اور اسکا سارا گناہ پیلاطوس کے ذمے ڈالتا ہے جو رومیون کیطرف سے حاکم تھا۔ اس امر کو چھوڑ کر کہ جسقدر شہادت ملتی ہے

وہ اس کے خلاف ہے یا غلب بھی نہین کہ یہودیون نے حضرت مسیح کو دکھ دینے مین کوئی حصہ نہ لیا ہو مصنف مضمون لکھتا ہے کہ "اس قسم کے اور بہت سے جنسائی پلاؤ پکا ہوا ئے" جس سے اس کی مراد مسیحیت کے جھوٹے دعویدار ہین۔ اسوقت سے پہلے اور پیچھے رومیون نے اسی طرح مار ڈالے تھے مگر اس سے بھی یہ قرینہ پیدا نہین ہوتا کہ حضرت مسیح بھی اسی طرح مارے گئے ہون۔ اسوقت کے یہودیونکے دلونمین مسیح کی وہ عزت نہ تھی جو آج کل کے بعض مہذب یہودیونکے دلونمین ہے بلکہ وہ انکو سخت نفرت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ ہم یہ نہین کہتے کہ حضرت مسیح کی مخالفت کرنیمین ان کے ہاتھ مین کوئی بھی عذر نہین تھا انکو ٹھوکر ملاکی کی پیشگوئی پر لگی جس مین لکھا تھا کہ سچے مسیح کے آنیسے پہلے ضرور ہے کہ ایلیا نبی آسمان سے اترے پس یہودیونکے نزدیک مسیحیت کا ہر ایک دعویدار جھوٹا تھا جتنک ایلیا نبی آکر اسکی شہادت نہ دیتا اسی بنا پر انہون نے حضرت عیسے علیہ السلام کے دعوے کو بھی جھوٹا سمجھ لیا۔ ایلیا کی دوبارہ آمد کی تشریح جو حضرت مسیح نے کی وہ یہ تھی کہ یوحنا بپتسمہ دینے والا ہی ایلیا یعنی ایلیا کی دوبارہ آمد سے مراد یوحنا بپتسمہ دینے والے کا آنا تھا جو ایلیا کی روحانی خاصیتونکو لیکر آیا ہے۔ لیکن یہودیون نے اس امر کو قبول نکیا اور وہی غلطی کی جو خود اس زمانے مین وہ لوگ کر رہے ہین جو اس انتظار مین ہین کہ مسیح خود آسمان سے اترے حالانکہ مسیح کی آمد ثانی کی پیشگوئی اسکے مثیل کی آمد سے جو اسی کے رنگ مین اور اسی کی روحانی قوتوں کے ساتھ آیا ہے پوری ہو چکی ہے غرضیکہ اس موٹی بات کو ہاتھ مین لیکر کہ چونکہ ایلیا نہین آیا اسلیے مدعی مسیحیت صادق نہین ہو سکتا۔ یہودیون نے ہر قسم کے دلایل کے سننے سے اعراض کیا۔ اب وہ حالت نہین کیونکہ ایلیا کے آنیسے یہودی مایوس ہو چکے ہین جیساکہ کسی دن مسیح کے واپس آنیسے اسکے قایل مایوس ہوکر آخر حق کیطرف رجوع کرینگے پس اب وہ حضرت مسیح کو راستباز نبی ماننے کیلیئے بھی تیار ہین مگر اسوقت چونکہ یہودی پختہ طور پر یہی سمجھے بیٹھے تھے کہ حضرت عیسٰے دعوے مسیحیت مین نعوذ باللہ مفتری ہین اور اسی لیے انہون نے آپ پر اور آپکی والدہ صدیقہ پر نہایت ناپاک الزام بھی لگائے تھے اسلیے انہون نے طرح طرح کے دکھ بھی انہین دیئے اسیطرح جیسا ہر نبی کو دکھ دیا گیا صلیب پر کھینچنے سے انکا منشا یہی تھا کہ اس سے حضرت مسیح کا دعوے باطل ہو جاویگا۔

اتحاد کیونکر ہو سکتا ہے

اب ہمنے یہ دیکھنا ہے کہ یہودیون اور عیسائیونکا اتحاد کیونکر ہو سکتا ہے اکٹر کراس اس کے متعلق اپنے مضمون کے اخیر مین یہ تجویز کرتا ہے "اگر ہم یہودی جنکی تعداد بہت تھوڑی سہی ہے عیسائی کلیسیا سے یہ درخواست کرین کہ وہ ہماری خاطر اپنی بعض باتونکو چھوڑ دے تو یہ شاید ہماری گستاخی سمجھی جاوے گی لیکن اگر یہ صورت ہو جاوے تو پھر ہم دونون قومین اس عظیم الشان انسان یسوع مین اپنی خوشی کو پالینگی۔ ہم بڑے فخر سے اسے اپنا تسلیم کر لینگے اور اسے اسرائیل کا سب سے بڑا فرزند مان لینگے۔ چونکہ اب وہ خدا تو ہو نہین سکتا پس اسے انسان ہی بننے دیا جاوے لیکن

ایسا انسان جو معمولی انسانوں سے نرالا ہے اور انپر فوقیت رکھتا ہے چند سال کا ذکر ہے کہ راقم اور دیگر یہودی مصنفوںکو امریکہ سے چند سوال پہنچے تھے جن مین ہماری رائے یسوع کے متعلق دریافت کیگئی تھی اور یہودی مذہب کے اتحاد کے متعلق اشارہ کیا گیا تھا۔ ہم یہودی اگر اس بات کو مان لین تو گویا اپنی تمام خصوصیات یعنی اپنی قومیت اور اپنی زندگی اور اپنے مذہب سے دست بردار ہو جائینگے ہان اگر عیسائی مذہب اپنی خصوصیات کو چھوڑ دے تو ہم اپنی خصوصیتین چھوڑ دینگے تب ہم بائبل کے الفاظ مین ایک قوم ہو جائینگے یہ میرا جواب اس اتحاد کے سوال کے متعلق ہے جو امریکہ سے پوچھا گیا تھا" اس تجویز سے یہ تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ راقم کا منشاء عیسائیت کی خصوصیات سے کیا ہے۔ یہ ہین تثلیث اور مسیح کی الوہیت اور کفارہ یعنی عیسائی مذہب کے وہ اصول جن پر اسکی بنیاد رکھی گئی ہے اور جنکے سبب سے یہ مذہب یہودی مذہب سے الگ ہوا لیکن یہ ٹھیک معلوم نہین ہوتا کہ یہودی مذہب کی خصوصیتوں سے کیا مراد ہے غالباً اسکا منشاء یہودیونکی شریعت ہے۔ در اصل یہ اتحاد کی تجویز ان دونون قومونکے موجودہ میلان کا نقشہ کھینچ رہی ہے کیونکہ عیسائی مذہب کا میلان تو اسوقت یہ ہے کہ کفارہ اور تثلیث اور الوہیت مسیح کے عقاید کو دور کیا جاوے اور یہودی مذہب کا میلان یہ ہے کہ یہودی شریعت اسوقت قابل عمل نہین ہے اور یہودی شریعت تھی بھی در اصل ایک خاص قوم اور خاص وقت کے لیے۔ لیکن اگر دونون مذہبونکی خصوصیتونکو الگ کر دیا جاوے جیسا کہ زمانہ باواز بلند پکار رہا ہے کہ انہین آخر چھوڑنا پڑیگا۔ تو باقی صرف اسلام کے اصول ہی رہ جاتے ہین یا یون کہو کہ ان دونون مذہبونکا خاتمہ ہو کر باقی صرف اسلام کا مذہب ہی رہجاتا ہے کیونکہ اسلام نے جہان ایک طرف تثلیث اور کفارہ کی تردید کی دوسری طرف یہودی شریعت کو منسوخ کر کے دنیا کو ایک ایسا پاک مذہب عطا کیا جو سب قسم کی غلطیوں سے پاک ہے اسلیے یہودیون اور عیسائیونکا مجوزہ اتحاد ہمین ایک قسم کی خوشی بھی دیتا ہے کیونکہ یہ قبولیت اسلام کیطرف پہلا قدم ہے۔

ان غلطیون کی اصلاح سب سے پہلے کس نے کی

اگر یہ تجویز یہودیون اور عیسائیونکے اتحاد کی تکمیل کو پہنچ جاوے تو دنیا اس انسان کو اپنا عظیم الشان محسن سمجھے گی جسکے ذریعہ سے ایسی اصلاح ہوگی اسوقت بیشک ہر ایک آدمی کا خیال ایسا ہی ہوگا۔ لیکن جب واقعات کیطرف دیکھا جاتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ اکثر اوقات دنیا اپنے سچے محسنوں سے دشمنی ہی کرتی رہی ہے اور احسان فراموشی کر کے انہین کی مخالفت کرتی رہی ہے جنہون نے اسے فایدہ پہنچانا چاہا۔ ایک ایسا محسن بلکہ دنیا کا سب سے بڑا محسن عرب کے بیابانو مین اٹھا اور سب سے پہلے اسنے یہودیون اور عیسائیوں دونونکو اپنی اپنی غلطیونپر مطلع کیا۔ مگر اسکی بات کسی نے نہ سنا۔ اسنے یہودیونکو باواز بلند پکار کر سنایا کہ دیکھو تم مسیح کو جھوٹا کہنے مین اور انپر اور انکی والدہ پر الزام لگانے مین غلطی کر رہے ہو اور یہ بھی سنایا کہ حضرت موسےٰ کی شریعت قانون مختص القوم اور مختص الزمان تھا۔ اسنے

عیسائیونکو بار بار کہا کہ مسیح کو خدامت کہو۔ وہ نہ خدا ہے نہ خدا کا بیٹا ہے ہان انسانون مین سے ایک انسان مگر ساتھ ہی خدا کا ایک برگزیدہ نبی بھی ہے۔ اس نے دونون قومون پر الزام قایم کیا کہ ایک قوم تفریط کیطرف جا رہی ہے اور دوسری افراط کیطرف اور فرمایا کہ یا اھل الکتب لا تغلوا فی دینکم اے اہل کتاب مسیح کے بارے مین غلو مت کرو نہ اسکو حد سے بڑھا کر خدا بناؤ نہ اتنا گھٹاؤ کہ مفتری اور کیا کچھ قرار دو۔ اسی طرح یہودیون کے الزام کو بہتان عظیم کہہ کر ان تمام قصونکو جھوٹے قرار دیا جنکو مشہور کرکے یہودی مسیح کی ولادت پر ناپاک حملے کرتے تھے

آنحضرت کا ان غلطیون پر مطلع ہونا ایک خارق عادت امر تھا

حضرت عیسے علیہ السلام کے متعلق جو کچھ قرآن شریف مین بیان کیا گیا ہے اسمین اعجازی امر یہ ہے کہ ان باتونکا کہنے والا بظاہر ایک اُمّی آدمی تھا جسکو کتابی علوم کا مطلق کچھ پتہ نہ تھا۔ آج کا نہین بلکہ تیرہ سَو سال کا یہ ذکر ہے جسوقت نہ وہ تنقید موجود تھی جس سے آج یہ نتیجے نکالے جاتے ہین۔ نہ تنقید کے اصول اور نہ ہی وہ سامان جسکے ذریعہ ایک منقد صحیح نتیجہ پر پہونچ سکے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے کبھی کوئی تحقیق نہین کی کہ یہودیون نے یہ کہانیان کیون اور کس طرح بنائین اور آیا وہ اصلی ہین یا جعلی۔ اور نہ ہی عیسائیونکے اصول مذہب کے متعلق کبھی تحقیقات کی کہ پہلے کیا تھے پھر کیا ہوئے۔ غرضیکہ ان عادی راہون مین سے کوئی راہ اختیار نہین کی جنپر چلکر دنیا مین انسان بعض امور سے بعض نتایج پر پہنچتے ہین اور پھر وہ نتایج بھی ضروری طور پر صحیح نہین ہوتے۔ مگر ان طریقون مین سے کسی طریق کو نہ اختیار کرکے بھی آپ ایک ایسے عجیب اور صحیح اور مضبوط نتیجہ پر پہنچے جو آج ایک دنیا کو حیرت مین ڈالنے والا ہے جس زمانہ مین آپکا ظہور ہوا ہے حضرت مسیح کے متعلق صحیح عقیدہ کہین بھی نہ تھا۔ یا تو افراط کا پہلو یعنی خدا اور خدا کا بیٹا اور یا تفریط کا وہ پہلو جو اور کسی نبی کے متعلق کبھی مخالفین نے اختیار نہین کیا یعنی ولادت پر یہ حملے کہ وہ نعوذ باللہ ناجایز طور پر پیدا ہوئے اور موت پر یہ حملے کہ وہ نعوذ باللہ لعنتیونکی موت تھی۔ مگر ان سب تاریکیونکے ہوتے ہوئے آپ ایک ایسے روشن نتیجہ پر پہونچے جسکے سامنے آخر باریک سے باریک اصول تنقید کو سر جھکانا پڑا ہے یہی باتین جو آج دو ہزار برس کے بعد عیسائیون کو معلوم ہوئی ہین آپنے انکو کہین کہ دیکھو مسیح خدا نہین بلکہ خدا کا بندہ ہے اور رسول ہے۔ اسکے سوا اور کس نے کہا۔ ولا تقولوا ثلثۃ انتھوا خیرا لکم تین خدامت کہو اس سے باز آجاؤ کہ یہی تمہارے لیے بہتر ہے مگر اس مشفق ناصح کے الفاظ کی پروانہ کی گئی۔ پھر کس نے یہودیونکو اس پر شوکت آواز سے کہا وقولھم علی مریم بھتانا عظیما۔ تم اسلیے ملعون ٹھہرے کہ تمنے مریم صدیقہ پر بہتان عظیم باندھا۔ افسوس ہے اُن عیسائیون پر جنہون نے یہودیونکے قصے سنتے سنتے آخر کار یہ پنتھر یعنی اس رومی سپاہی کو جسکے ساتھ یہودی اپنے خبث کیوجہ سے حضرت مریم صدیقہ پر جھوٹا الزام لگاتے تھے حضرت عیسے کے آبا کی فہرست مین شامل کر دیا

اس نے کہا کہ دیکھو تم مسیح کو جھوٹا مت کہو مگر اس وقت اس ہمدرد کے الفاظ پر بہت تھوڑون نے غور کیا اب ہم پوچھتے ہین کہ وہ کون تھا جس نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو اس اصلی اور حقیقی راز پر آگاہ کر دیا اور غلطیوں کے عظیم الشان ڈھیر کے نیچے سے نکالکر اصل حقیقت کو صحیح صحیح دکھا دیا۔ وہ حقیقت جو آخر کئی نسلوں کی محنتوں سے بھی جزوی طور پر ہی دریافت ہوئی ہے اسکا اطلاع دینے والا سوائے اس عالم الغیب ہستی کے اور کون ہو سکتا تھا۔ جو دلونکے اسرار سے بھی واقف ہے اسی نے یہ صداقت بھی آپ پر منکشف کی ورنہ اس زمانہ مین اس صداقت کو پالینا انسانی طاقت سے باہر تھا کیا یہ بین ثبوت اس امر کا نہین کہ آپ وحی الٰہی کے سرچشمہ سے بولتے تھے نہ اپنی خواہش یا ارادے سے ؟ یہ ایک نہایت صاف اور واضح دلیل ہے کیونکہ ایک انسان ان پڑھ بیابان مین بیٹھا ہوا اور بیرونی دنیا سے کوئی تعلق نہ رکھنے والا خود بخود اس نتیجہ پر کیونکر پہنچ سکتا تھا۔ اگر حضرت عیسےٰ کے متعلق یہ اعتقاد خالی انسانی خیال ہوتا تو اغلب یہی تھا کہ آپ ایکطرف کو جھک جاتے۔ مسلمانونکے لیے کیسی خوشی کا مقام ہے کہ حضرت عیسےٰ کے متعلق صحیح تنقید سے آخر وہی عقیدہ صحیح ثابت ہوا جو انکے ہادی اور رہبر نے سکھایا تھا اور خود یہودیوں اور عیسائیونکو اپنے غلط عقاید چھوڑ کر آخر یہی پاک عقیدہ تسلیم کرنا پڑا کیسا عجیب رہنما یہ انسان تھا۔ اور کیونکر اسکی ہر ایک بات قابل وثوق ثابت ہو رہی ہے اسی کی آنکھ نے آسمان سے روشنی پاکر غلطیونکے تاریک بادلونکے نیچے سے اصل حقیقت کو پالیا۔

کیا یہودی اور عیسائی اس نبی کا احسان مانین گے

چند اور لفظوں پر اسکو ختم کرتے ہین جس صورت مین یہودی اور عیسائی دونون قومین اپنی اپنی غلطیونکو تسلیم کر رہی ہین کیا وہ اس امر کے لیے تیار ہین کہ اس عظیم الشان محسن کے احسان کا اقرار کرین جسنے سب سے پہلے یہ حقیقت دنیا کو کھولکر دکھائی۔ وہ تعصب جو ان لوگونکو اس مقدس انسان کے خلاف پیدا ہو گیا ہے انکو اس بات کی اجازت نہ دیگا اور گو اسلام کے اصول کی صداقت کو ایک ایک کرکے تسلیم کرتے جاوین مگر آنحضرت کی صداقت کو تسلیم کرنا انکو موت کے برابر نظر آتا ہے مگر آخر یہ تعصب کا پردہ بھی ضرور ایک دن اُٹھ جائیگا اور صداقت کی چمکدار شعاعین غلطیونکی تاریکی کو پاش پاش کرکے سب دلونکو منور کر دینگی کیونکہ آخر غلبہ حق کا ہی ہے دنیا مین بہت سے بڑے بڑے انسان گذرے ہین مگر اس عجیب انسان کی عظمت کے مقابل سب ہیچ ہین اسکے آگے جیسا ایک فلاسفر اور اخلاقی تعلیم دینے والے کو سر جھکانا پڑتا ہے۔ اسی طرح ایک منقد اور سائینس دان کو بھی آخر اس کی بات کو ماننا پڑتا ہے ✦

ایک عیسائی گورنمنٹ اور مسلمان

صحابہ کی تکالیف اور ایک عیسائی گورنمنٹ

ایک واقعہ گذشتہ کے اسی قسم کے واقعات کو یاد دلا دیتا ہے اور اسی واقعہ کا ذکر کرتے وقت جس کا ذکر بیان کرنا ہمارا مقصود ہے انتقال ذہن تیرہ سو سال پہلے کے واقعات کیطرف ہمیں لیجاتا ہے۔ ان لوگوں کو جو اب تک جہاد کے قایل ہیں یا ایسے مہدی کے منتظر ہیں جو تلوار لیکر آئیگا اور زمین کو کافروں کے خون سے بھر دیگا۔ وہ واقعات جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو اشاعت تبلیغ حق میں پیش آئے اپنے عقیدہ سے کسی قدر مخالف ضرور معلوم ہونے چاہئیں ایک دراز عرصہ تک رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور آپکے صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کفار کے ہاتھ سے سخت اذیتیں اور تکلیفیں اٹھاتے رہے۔ ولیم میور جیسا آدمی جو حتی الوسع ہر ایک شہادت کو اسلام کے خلاف ہی لینا چاہتا ہے اس امر کو تسلیم کرتا ہے کہ ابتدائی مسلمانوں میں سے وہ لوگ جو غریب تھے پکڑ کر قید کر دیئے جاتے یا انکو کھلے میدانوں میں جلتے ہوئے سنگریزوں پر دوپہر کی سخت تیز دھوپ میں ڈالدیا جاتا تھا۔ اور جب وہ پیاس سے بیتاب ہوتے تھے تو انکی حالت بالکل بیہوشی کی ہو کر وہ نہیں جانتے تھے کہ کیا کہہ رہے ہیں۔ اور پھر ذکر کرتا ہے کہ حضرت بلال کو جب اس طرحسے ناقابل برداشت تکلیف پہنچائی جاتی تھی تو اسوقت بھی ان کے منہ سے سوائے اسکے کوئی کلمہ نہ نکلتا تھا کہ "احد احد یعنی ایک ہی خدا ہے"۔ گویا اس تکلیف کیحالت میں خدا انکو نظر آتا تھا۔ انکے حیرت انگیز استقلال اور قوی ایمان کو دیکھکر کفار کا غضب اور بھی ابھر بھڑکتا اور پہلے سے بھی دو چند تکلیفیں پہنچائی جاتیں۔ جب یہ مصایب حد سے گذر گئیں تو مسلمانوں کو سوائے اسکے کوئی راہ نظر نہ آئی کہ اپنے املاک اور اپنے گھربار کو چھوڑ کر محض اپنے خدا کے لیے جلاوطنی اختیار کریں اور کسی دوسرے ملک میں جاکر پناہ لیں چنانچہ انکے پیارے آقا نے مغرب کیطرف اشارہ کرکے انہیں کہا کہ "ادھر ایک زمین ہے جہاں کسی پر ظلم نہیں ہوتا وہ انصاف کی زمین ہے پس وہاں چلے جاؤ جبتک اللہ کوئی اور سبیل نکالے"۔ یہ انصاف کی سرزمین جہاں ان غریب مسلمانوں کو بھی پناہ کی امید مل سکتی تھی کونسی سرزمین تھی۔ یہ حبش کا ملک تھا جہاں کا حاکم اسوقت عیسائی تھا۔ نجاشی نام۔ چنانچہ یہ جلاوطنوں کا چھوٹا سا گروہ قریباً پندرہ شخص گھربار کو چھوڑ کر اور اپنے رشتہ داروں کے سخت ظلموں سے تنگ آکر آخر ایک عیسائی گورنمنٹ کے سایۂ عاطفت میں پناہ گزین ہوئے۔ یہ عیسائی بادشاہ ان سے نہایت مہربانی سے پیش آیا اور انکو انکے مذہبی فرایض کی ادائیگی میں اس نے پوری آزادی دیکر ثابت کر دیا کہ وہ عیسائی گورنمنٹ واقعی ایسی ہی تھی جہاں کسی پر ظلم نہ ہوتا تھا چنانچہ چند ماہ بعد بہت سارے مسلمان جن کی تعداد سو کے قریب پہنچ ہوئی تھی اسی

عیسائی گورنمنٹ کے نیچے پناہ گزین ہوئے۔

جہاد اور غازی مہدی کا عقیدہ

ایسا ہی ایک اور تاریخی واقعہ اسوقت ہماری آنکھوں کے سامنے آتا ہے جسمیں صرف ناموں کے تغیر کے ساتھ وہی واقعات دُہرائے جاتے ہیں پہلی عیسائی گورنمنٹ کیطرح ایک اور عیسائی گورنمنٹ ہے اور اُسی قسم کے مظلوموں کا ایک اور گروہ اسکی پناہ ڈھونڈ رہا بلکہ اسکی پناہ میں آرہا ہے۔ ان جلاوطنوں کی تعداد بھی حبش کے پہلے جلاوطنوں کیطرح ابھی بہت تھوڑی ہے مفصل کیفیت اس کی یہ ہے کہ خوست علاقہ کابل میں ایک مشہور بزرگ تھے اخوندزادہ مولوی عبداللطیف صاحب مرحوم۔ جو اپنے تقدس باطنی اور علوم ظاہری کے لحاظ سے سارے ملک افغانستان اور خاص دربار کابل میں بڑی عزت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے پچاس ہزار سے زیادہ انکے مرید تھے۔ چند سال کا عرصہ گذرا ہی کہ اس پاک باطن شخص کے پاس حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بعض شایع کردہ کتابیں اور رسایل پہونچے اور انہوں نے فی الفور اپنی پاکیزہ فراست سے مسیح موعود کے دعوی کی صداقت کو تسلیم کرلیا اور اسیوقت سے اپنے احباب اور مریدین سے وقتاً فوقتاً اسکا تذکرہ شروع کردیا کچھ مدت کے بعد وہ قادیان میں حضرت مسیح موعود کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کچھ عرصہ یہاں اقامت کرکے جب اپنے ملک میں واپس پہنچے۔ تو بڑے بڑے عمایدکابل کو اس پاک سلسلہ کی تبلیغ شروع کی۔ اب ان عقاید میں سے جو سلسلہ احمدیہ کی خصوصیات میں سے ہیں۔ سب سے ضروری عقیدہ ... خونی مہدی اور جہاد کا انکار ہے۔ بلکہ یوں کہنا چاہیئے کہ مسیح موعود علیہ السلام کے دعوے کی یہی بنیاد ہے امیر افغانستان کو مروجہ عقیدہ جہاد سے یہ علیحدگی باعث خطرہ معلوم ہوئی... افغانستان میں قومی وحدت زیادہ تر تسلیم مسئلہ جہاد کی بناپر ہے اور یہی وجہ تھی کہ خونی مہدی کے عقیدہ کو معمولی مذہبی اختلاف سے نرالا اور اپنی گورنمنٹ کے لیے مضر خیال کرکے امیر نے صاحبزادہ مرحوم کے خلاف وہ کارروائی کی جو مذہبی اختلاف کی صورت میں کبھی نہیں کیجاتی تھی۔ باوجود انکی عزت و اکرام کے انکو جیلخانہ میں ڈالا گیا جہاں سے آخرکار انکو سنگسار کرنیکے لیے نکالا گیا اور اس حکم کی معافی میں مبدل ہونیکی صرف ایک ہی شرط رکھی گئی یعنی یہ کہ وہ خونی مہدی اور جہاد کے عقیدہ کی صحت کو تسلیم کرلیں اور اس شخص سے قطع تعلق کرلیں جس نے اس عقیدہ کا انکار دنیا میں پھیلایا تھا۔ مگر شہید مرحوم نے بصد خوشی اس بات کو پسند کیا کہ انکو پتھروں سے ہلاک کیا جاوے مگر ایک لحہ کیلیئے بھی اس امر کو گوارا نہ کیا کہ حق سے انکار کریں۔ اور اسوقت بھی جب چاروں طرف سے پتھروں کی بوچھاڑ ان پر شروع ہوگئی تو انکے منہ سے وہی کلمات نکلتے تھے جو ان کی مضبوطی ایمان کو ظاہر کررہے تھے اور اس طرح پر ناظرین کے سامنے وہ نقشہ دوبارہ آگیا جب غریب صحابہ کو بکریوں کی طرح خدا کی راہ میں ذبح کیا جاتا اور وہ خوشی سے اپنی جانوں کو سچائی کیخاطر فدا کرتے تھے +

ایک اور مظلوم قوم اور ایک اور عادل گورنمنٹ وہ مرد پاک اس مضبوطی سے صداقت کی شہادت دیکر اس جہان فانی سے گذر گیا مگر وہ صداقت کی تخم ریزی کر چکا تھا۔ راستی گو بظاہر ایک وقت دنیوی طاقتوں کے نیچے دب گئی ہوئی معلوم ہو مگر آخر کار فتح راستی کی ہی ہوتی ہے۔ بلکہ سچائی کے دبانیکے لیے جو کوششیں کیجاتی ہین ان کا اثر بھی بسا اوقات مستعد دلونپر نیک ہی پڑتا ہے اور انکو راستی کی حمایت مین اور بھی مضبوط کر دیتا ہے۔ چنانچہ جو ظلم شہید مرحوم پر کیا گیا اسکا یہی اثر ہوا۔ مولوی عبد اللطیف صاحب نے سلسلہ احمدیہ کی سچی تعلیم کو اپنے شاگردون اور پیرؤونکے کانون تک اچھی طرح پہنچا دیا تھا۔ اب جب ان لوگون نے شہید مرحوم سے یہ بے نظیر استقامت اور ایسا صدق اور وفا کا نمونہ دیکھا تو انکے دل بھی اس سلسلہ کی صداقت پر ویسے ہی مضبوط ہو گئے مگر وہ جانتے تھے کہ امیر کے ملک مین رہ کر ان خیالات کا اظہار کرنیسے انکے ساتھ بھی سلوک ہوگا جو شہید مرحوم کے ساتھ ہوا۔ چنانچہ ان مین سے چند ایک آدمیون نے اس خطرہ کو محسوس کر کے بالآخر اپنے مالوف وطنونسے ہجرت اختیار کی اور راستی کیخاطر اپنے عزیز و اقارب اور اپنی جایدادون اور اپنے وطنونکو خیرباد کہا۔ انہین سے بعض تو قادیان مین آگئے اور بعض اسی جگہ امیر کے علاقہ سے نکلکر انگریزی سلطنت کی پر امن حکومت کے نیچے آبسے کیونکہ وہان قریب ہی صاحبزادہ مولوی عبد اللطیف مرحوم کی بہت ساری جایداد بھی تھی۔ یہ ایک نہایت مختصر سی جماعت ان جلاوطنونکی ہے جنکو انکی اپنی قوم کیطرف سے ان ابتدائی مسلمانونکی طرح دردناک موت کی دھمکیان اور اذیتین پہنچنے کے باعث اپنا ملک چھوڑنا پڑا اور ایک ایسی گورنمنٹ کے نیچے آکر پناہ گزین ہوئے جہان مذہب کیخاطر "کسی پر ظلم نہین ہوتا" اور جو عین اسی گورنمنٹ کی طرح منصف اور عادل گورنمنٹ ہے جسکی ہمارے ہادی اور رہبر نے صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم تیرہ سو سال پہلے انہین الفاظ مین تعریف کی تھی۔

انکار جہاد کچھ عرصہ گذرتا ہے کہ ایک اخبار نے صاحبزادہ مولوی عبد اللطیف صاحب مرحوم کی شہادت کا تذکرہ کرتے ہوئے یہ ذکر کیا تھا کہ یہ کبھی ممکن ہی نہین کہ صرف مذہبی اختلاف کیخاطر امیر افغانستان نے ایسی کارروائی کی ہو۔ یہ بالکل سچ ہے کہ امیر کے ملک مین ہندو عیسائی اور یہودی وغیرہ مختلف مذاہب کے لوگ رہتے ہین اور کسی کے ساتھ اختلاف مذہب کیخاطر ایسا سلوک نہین کیا جاتا۔ مگر صاحبزادہ مرحوم کا اس ظالمانہ طریق سے مارا جانا بھی ایک بالکل سچا واقعہ ہے اور اسکی وجہ ہمنے اوپر ظاہر بھی کی ہے۔ اگر امیر افغانستان یہی سمجھتا کہ یہ صرف ایک مذہبی اختلاف ہے اور احمدی مسلمانونکے عقاید مین اور کوئی ایسا امر نہین جو اسکے لیے باعث تشویش ہو تو وہ ایک ایسے معزز اور مقتدر انسان کو اور پھر ایسے مشہور عالم اور مسلم استاذ کو جسکی شاگردی کا فخر ریاست کے بعض بڑے بڑے عہدہ دارونکو بھی تھا اس بیرحمی سے قتل کرنیکی ہرگز جرأت

نہ کرتا اسے اس بات سے کیا غرض تھی کہ کوئی شخص ایک پیر کا مرید ہے یا دوسرے کا یا مثلاً اسقدر چھوٹے سے مذہبی اختلاف پر کیونکر جوش آسکتا تھا کہ یہ لوگ حضرت عیسے علیہ السلام کو زمین مین مدفون مانتے ہین جب اسکا اپنا یہ اعتقاد ہے کہ باقی تمام انبیاء اور فخر ولد آدم حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم بھی زمین مین ہی مدفون ہین حالانکہ اس سے بہت بڑے بڑے اختلاف پہلے سے مسلمان فرقونکے اندر موجود ہین اور کوئی سلطنت ان اختلافات کیخاطر اپنی رعایا پر ایسے ظلم نہین کرتی اصل مین امیر کو ان مذہبی اختلافات سے کوئی غرض نہ تھی اصلی بات جسکے لیے اس نے یہ ساری کاروائی کی وہ مسئلہ انکار جہاد اور غازی مہدی کا انکار تھا کیونکہ غازی مہدی کا انکار ہمیشہ کیلیے مسلمانونکے درمیان سے جہاد کے خیال کو دور کرنیوالا ہے حالانکہ اگر یہ عقیدہ رکھا جاوے کہ اسلام مین ایک ایسا مہدی آنیوالا ہے جو آتے ہی تمام کافرونکو قتل کرنا شروع کردیگا تو اس سے یہ اصول کہ کسی غیر مسلمان کو محض اختلاف مذہب کیوجہ سے قتل کردینا نیکی کا کام ہے زندہ رہتا ہے بلکہ طاقت حاصل کرتا ہے۔ اور یہ خیال کبھی دل سے دور نہین ہوسکتا کہ اگر مہدی کیوقت مین کفار کو قتل کرنا نیکی مین داخل ہے تو اب کیون نہین اسی خیال پر تو آج کل کے جہاد کی بنا ہے کہ مذہب کیخاطر کسی کو مار ڈالنا عین ثواب کا کام ہے اور قاتل کو جنت کا مستحق کردیتا ہے پس جب غازی مہدی کی آمد کا عقیدہ رکھکر اس خیال کو صحیح تسلیم کرلیا جاوے تو جہاد کی بیخکنی کیونکر ہوسکتی ہے غرضیکہ جبتک غازی مہدی کی آمد کی جھوٹی امید کی جڑ نہ کاٹی جاوے جہاد کے خیال کا دور ہونا ناممکن ہے اور دوسری طرف خونی مہدی کا انکار جو سلسلہ احمدیہ کو تمام مسلمان فرقونسے ممتاز کرتا ہے ایسا انکا مستلزم ہے کہ جہاد سے اسوقت اور آیندہ کیلیے انکار کیا جاوے۔ یہ وجہ تھی کہ کیون امیر نے مولوی عبد اللطیف مرحوم پر اسقدر سختی کی۔ اور بے رحمی سے قتل کیا۔ اور یہی وجہ ہے کہ وہ لوگ جو سلسلہ احمدیہ مین داخل ہوتے ہین۔ کیون امیر کے ماتحت اپنے آپ کو محفوظ نہین سمجھتے۔

اسلام کو لڑائیون کی کیون ضرورت پڑی

اسموقعہ پر چند لفظ اور بڑھا دینے نامناسب ہونگے کہ اسلام یہ تعلیم نہین دیتا جو جاہل لوگ اسکی طرف منسوب کرتے ہین یعنی یہ کہ ایک ایسا مہدی آئیگا جو مذہب کو قتل عام کے ذریعہ سے پھیلائیگا خدا تعالیٰ نبیون اور مصلحونکو اسلیے بھیجتا ہے کہ تا وہ لوگونکو حق کیطرف بلاوین اور یہ غرض ظاہر ہے کہ تلوار کے ذریعہ سے پوری نہین ہوسکتی یہ کہنا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے تلوار کے ذریعہ سے اسلام کو پھیلایا بہتان ہے جو تکلیفین مسلمانون نے حق کے پھیلانے اور حق کے قبول کرنے مین برداشت کین انکی شہادت تو مخالفین اسلام کو بھی ادا کرنی پڑی ہے پھر افسوس ہے کہ مسلمان ہوکر ایسی بات منہ سے نکالیجاوے ان تکلیفون اور مصیبتونکے اندر جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اپنا

مین مکہ مین برداشت کرنی پڑین آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے انکو کیا وصیت کی۔ کیا کبھی یہ بھی کہا تھا کہ تم تلوارین خریدو نہین بلکہ یہی حکم دیتے رہے کہ صبر سے برداشت کرو۔ پھر جب یہ تکلیفین حد سے بڑھ گئین تو پھر بھی یہی کہا کہ تم اپنے گھرون اور جایدادونکو چھوڑکر کسی اور ملک مین چلے جاؤ۔ ان باتونکے ہوتے ہوے یہ الزام دینا کہ اسلام تلوار کے ذریعہ سے پھیلایا گیا کیسی بے انصافی ہے۔ پھر یہ سوال ہوگا کہ اسلام نے تلوار اٹھائی کیون۔ اسکا جواب یہ ہے کہ تلوار مجبور ہوکر اپنی حفاظت کے لیئے اٹھائی گئی۔ کفار کے ظلم حد سے گذر گئے اور انہون نے باوجود وطن چھوڑ جانیکے بھی مسلمانونکو آرام نہ لینے دیا۔ چنانچہ قرآن کریم کی وہ آیت جسمین سب سے پہلے تلوار اٹھانیکی اجازت دیگئی۔ خود اسکی وجہ بھی بیان کرتی ہے۔ اذن للذین یقاتلون بانھم ظلموا وان اللہ علی نصرھم لقدیر الذین اخرجوا من دیارھم بغیر حق الا ان یقولوا ربنا اللہ۔ (سورۃ الحج - ۳۹) ان لوگونکو جنسے جنگ کیجاتی ہے اب اجازت دیجاتی ہے (کہ وہ بھی جنگ کرین) کیونکہ انپر ظلم کیے گئے اور اللہ انکی مدد پر قادر ہے۔ ان لوگونکو ناحق اپنے گھرون سے نکالا گیا صرف اسلیئے کہ وہ کہتے تھے ہمارا رب اللہ ہے۔ اس آیت سے صاف ظاہر ہے کہ جن کفار کے بالمقابل مسلمانونکو لڑنے کی اجازت دیگئی تھی وہ نہ صرف مسلمانونکو طرح طرحکی اذیتین اور تکلیفین ہی پہنچا چکے تھے اور انکو انکے گھرونسے نکال چکے تھے بلکہ اب انہون نے مسلمانونکے خلاف تلوار بھی اٹھالی تھی۔ پس ایسی صورتمین چپ رہنے کا نتیجہ یہ ہوتا کہ تمام مسلمان مارڈالے جاتے مصایب کی برداشت تو حیرت انگیز طریق پر وہ کرتے رہے لیکن جب انکے لیے اور کوئی راہ نہ چھوڑا گیا یعنی انکو کاٹ ڈالنے کیلیے تلوارین ہاتھونمین پکڑ لی گئین۔ تو اسوقت مسلمانون کو یہ اجازت دیگئی کہ اب اپنی جانونکی حفاظت کے لیے یہ ضرور ہے کہ تم بھی تلوارین ہاتھ مین لو۔ یہ بھی دیکھنا چاہیے کہ اسوقت مسلمانونکی تعداد کتنی تھی کل تین سو تیراں مرد باراں سال سے اوپر عمر کے تھے اور انکے بالمقابل عرب کی تمام بہادر اور جنگجو قومین انکی بیخکنی کیلیے اکھٹی ہوئی ہوئی تھین اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ یہ صرف اپنی جان بچانیکے لیے مجبوری کی جنگ تھی نہ اسلام پھیلانیکے لیے کیونکہ اس چھوٹی سی تعداد کے ساتھ کس انسان کے وہم وگمان مین بھی یہ بات گذر سکتی تھی کہ عرب کی تمام بت پرست قومونکو مغلوب کرکے وہ سب کو اپنا دین منوا لینگے۔ یہ واقعات آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے ہر ایک معقول پسند آدمی کو یہ یقین دلانیکے لیے کافی ہین کہ ایسے مہدی کے آنیکا عقیدہ جو اسلام نہ قبول کرنیکے سبب لوگونکو قتل کرنا شروع کردیگا ایک جھوٹا عقیدہ ہے جو اسلام کیطرف منسوب نہین ہوسکتا۔

سرحدی غازی افغانستان کی سرحد کے ساتھ ساتھ کے حصونمین اس قسم کے قتل کے واقعات ہوتے رہتے ہین جن کو جہاد کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے ابھی تازہ ہی۔ دو

افسوسناک واقعات ایسے ہوگئے ہین ایک سپاہی نے لفٹنٹ کرنیل ہرمن صاحب کو جب وہ افسرونکے کھانا کھا نیکے کمرے مین تھے گھسکر مار ڈالا مگر قاتل اسی جگہ گرفتار کرلیا گیا۔ یہ ۱۱ فروری گذشتہ کا واقعہ ہے۔ ایسا ہی کپتان براؤن کو بھی ایک وحشی افغان نے مار ڈالا۔ یہ تازہ مثالین ہین اور آئے دن ایسے قتل کے واقعات ہوتے رہتے ہین گورنمنٹ کو چاہیئے کہ ان اسباب کی پوری پوری تحقیقات کرے جنسے یہ قتل کے واقعات خصوصاً اس حصہ مین جو افغان کی سرحد پر ہے ہوتے رہتے ہین رنج تو اس قسم کے واقعات سے ہرایک انسان کو ہوتا ہے مگر مسلمانونکا سب سے بڑھکر یہ فرض ہے کہ وہ ایسے واقعات سے پر زور الفاظ مین اپنی بیزاری ظاہر کرین جو انسانیت کو بدنام کرنیکے علاوہ اسلام کو خصوصاً بدنام کرنیوالے ہین ساتھ ہی اسبات کو صاف طور پر بیان کردینا بھی اپنا فرض سمجھتے ہین کہ ایسے واقعات کی بیخکنی اُسوقت تک کبھی نہین ہوسکتی جبتک اس اصول کے بطلان کو تسلیم نہ کرلیا جاوے جسپر غازی مہدی کی آمد کے عقیدہ کا انحصار رکھا گیا ہے۔ جو اصلاح اسبارے مین ہمارے امام اور پیشوا حضرت مرزا غلام احمد صاحب نے کی ہے وہ نہایت قابل قدر ہے مگر افسوس ہے کہ بعض وقت اسکی ایسی کم قدری کیجاتی ہے کہ گویا یہ کوئی اصلاح ہی نہین۔ جن لوگونکا ایسا خیال ہے انکے نزدیک گویا انسانی زندگی کی کچھ بھی قیمت نہین۔ قانون کے تشدد نے ابتک ان واقعات مین کوئی بڑی کمی نہین دکھائی پس تشدد کی ایسی تجویزین جیسی مثلاً اب کیگئی ہے کہ مجرم کے علاوہ اسکے قریبی رشتہ دارونکو بھی سزائین دیجاوین صرف یہی ظاہر کر رہی ہین کہ سزائین تشدد اس جرم کے کم کرنیکے لیے مفید ثابت نہین ہوا۔

اصلی علاج غازیونکی اصلاح کا صرف ایک ہی طریق ہے اور وہ یہ ہے کہ ان لوگونکو یقین ہوجاوے کہ وہ کتاب مقدس جسکی طرف وہ اس تعلیم کو منسوب کرتے ہین ایسے عقیدہ پر لعنت بھیجتی ہے کہ ناحق کافرونکو قتل کیا جاوے صرف اسلیے کہ وہ مذہب اسلام نہین رکھتے! اور یہ کہ جہاد اور غازی مہدی کی آمد کے عقیدہ کو اسلام کیطرف منسوب کرنا سخت غلطی ہے جبتک ان دو امور کے متعلق ان لوگونکا مذہبی عقیدہ نہ بدل جاویگا تب تک سزا کی سختی سے کوئی فایدہ حاصل نہین ہوسکتا تعجب ہے کہ ہماری دانشمند گورنمنٹ کو کیون کبھی اسطرف خیال نہین ہوتا اور اسکے ذمہ دار افسر کیون ان تجویزونکو عملدرآمد مین لانیکی کوئی کوشش نہین کرتے جو ایسے واقعات کو روک سکتی ہین اس قسم کی تجویزین سلسلہ احمدیہ کے امام حضرت مرزا غلام احمد صاحب رئیس قادیان کئی دفعہ پیش کرچکے ہین اگر یہ سچ ہے کہ یہ قتل کے واقعات ان لوگونکے مذہبی عقیدہ کیوجہ سے ہوتے ہین تو پھر اس دوسری بات مین بھی کسی اور شک کی گنجایش نہین کہ اس مذہبی عقیدہ کی اصلاح ہی انکے دور کرنیکا ذریعہ ہوسکتی ہے اور اگر یہ خیال ہو کہ اس تجویز سے

کامیابی ہونیکی امید نہیں اور شاید لوگ اپنے عقیدہ کی غلطی پر مطلع ہو کر بھی اسکی اصلاح نہ کریں تو یہ صحیح نہیں عملی طور پر ہم دیکھ چکے ہیں کہ یہ علاج بہت موثر ثابت ہوا ہے۔ انہیں لوگوں میں سے مولوی صاحبزادہ عبداللطیف مرحوم بھی تھے جنہوں نے ایکدفعہ غازی مہدی کے آنے اور جہاد کے عقیدہ کی غلطی کو دیکھ لیا تو موت کو قبول کیا۔ مگر راستی کو نہ چھوڑا اور انہیں میں سے وہ لوگ بھی ہیں جو اپنے گھر بار کو چھوڑ رہے ہیں مگر اس حق اور راستی کو نہیں چھوڑ سکتے کہ غازی مہدی کے آنیکا عقیدہ غلط ہے یہ واقعات ہیں اور گورنمنٹ بطور خود تحقیقات کر کے انکی تصدیق کر سکتی ہے۔ اگر یہ ثابت ہو کہ حضرت مسیح موعود کی تعلیم سے واقعی بعض لوگوں پر یہ اثر ہوا ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ باقی کے متعلق یہ امید نہ رکھی جاوے اگر گورنمنٹ اس تجویز کو عمل میں لاوے جو بانی سلسلہ احمدیہ نے اپنے اس میموریل میں پیش کی تھی جو گورنمنٹ آف انڈیا کو جلسہ دربار تاجپوشی ملک معظم کے موقعہ پر دیا گیا تھا اور جو اس میگزین میں بھی جنوری ۱۹۰۳ء میں چھپ چکا ہے اور یا اس سلسلہ کی پر زور تحریریں جو جہاد اور غازی مہدی کے عقیدہ کے خلاف ہیں سرحدی ممالک میں کثرت سے شایع کرنے میں مدد دے تو یقین ہے کہ بہت جلدی وہ لوگ اپنے انگریزی حکمرانوں کو اور نظر سے دیکھنے لگیں گے۔ ہم خصوصیت سے اس سلسلہ کی تحریروں کا ذکر کرتے ہیں کیونکہ یہ تحریریں اپنا مقناطیسی اثر انہیں تو موں میں سے ایک پر ثابت کر چکی ہیں۔ ہماری یہ بھی رائے ہے کہ اور تحریریں کبھی اس مقصد کے حل کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکتیں کیونکہ جو تحریریں غازی مہدی کی آمد کے عقیدہ کو شایع کرتی ہیں وہ اس اصول کی ممد ہیں جس اصول پر یہ قتل کے واقعات ہو رہے ہیں اور اسلیے وہ جہاد کے اصول کی پوری پوری معاون ہیں یا زیادہ سے زیادہ ایک حد تک تو ضرور معاون ہیں۔ پس ایسے لوگوں کے درمیان جن کو ایک عقیدہ نے پہلے ہی مذہبی دیوانے بنا رکھا ہے اس قسم کی تحریروں کی اشاعت سے کسی بہتری کی امید نہیں ہو سکتی۔ ایسی تحریروں کا انکے درمیان شایع کرنا انکو یہ کہنے کے برابر ہے کہ اصول تو یہ ٹھیک ہے کہ کفار کو قتل کر دینا چاہیئے کیونکہ وہ عظیم الشان امام مہدی جب آئیگا تو وہ بھی قتل ہی کریگا۔ مگر مصلحت وقت کے لحاظ سے اسوقت ایسے قتل کے واقعات کا ہونا مناسب نہیں۔ کیا ایسی وعظ سے وہ لوگ ایسے واقعات کے کرنے سے رک جاوینگے۔ ہرگز نہیں۔ یہ وقت ہے کہ انگریزی افسروں کی قیمتی زندگیوں کی حفاظت کے لیے گورنمنٹ اس تجویز پر غور کرے۔ اخیر میں ہم یہ بھی کہیں گے۔ کہ دو لاکھ آدمیوں کا سلسلہ احمدیہ میں داخل ہو کر جہاد اور غازی مہدی کے عقیدہ سے اپنی بیزاری ظاہر کرنا اس پہلو سے گورنمنٹ کے لیے ایک مفید امر ثابت ہوا ہے اور انشاء اللہ تعالے اس سلسلہ کی ترقی اس فایدہ کو اور بھی نمایاں کر کے دکھلاوے گی +

بسم اللہ الرحمن الرحیم نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

"الوصیت"

قال اللہ عزوجل۔ قل مایعبؤا بکم ربی لولا دعاؤکم

یعنی ان کو کہدے کہ میرا خدا تمہاری پرواکیا رکھتا ہے اگر تم بندگی نکرو اور دعا میں مشغول نہ ہو

دوستو! خدا تعالے آپ لوگوں کے حال پر رحم کرے آپ صاحبوں کو معلوم ہوگا کہ مین نے آج سے قریباً نو ماہ پہلے الحکم اور البدر میں جو قادیان سے اخبارین نکلتی ہیں خدا تعالی کی طرف سے اطلاع پاکر یہ وحی الہی شایع کرائی تھی کہ:۔ عفت الدیار محلھا ومقامھا یعنی یہ ملک عذاب الہی سے مٹ جانیکو ہے نہ مستقل سکونت امن کی جگہ رہیگی اور نہ عارضی امن کی جگہ یعنی طاعون کی وبا ہر یک جگہ عام طور پر پڑیگی اور سخت پڑیگی۔ دیکھو اخبار الحکم پرچہ مورخہ ۳۱ مئی ۱۹۰۴ء نمبر ۱۸۔ جلد ۸ کالم ۳۔ اور اخبار البدر نمبر ۲۰ و ۲۱ صفحہ ۱۵۔ مورخہ ۲۴ مئی و یکم جون ۱۹۰۴ء اب مین دیکھتا ہوں کہ وہ وقت قریب آگیا ہے۔ مین نے اسوقت جو آدھی رات کے بعد چار بج چکے ہیں بطور کشف دیکھا ہے کہ دردناک موتوں سے عجیب طرح پر شور قیامت برپا ہے میرے منہ پر یہ الہام الہی تھا کہ موتا موتی لگ رہی ہے کہ مین بیدار ہوگیا اور اسیوقت جو ابھی کچھ حصہ رات کا باقی ہے مین نے یہ اشتہار لکھنا شروع کیا۔ دوستو! اٹھو اور ہوشیار ہو جاؤ کہ اس زمانہ کی نسل کیلیے نہایت مصیبت کا وقت آگیا ہے اب اس دریا سے پار ہونیکے لیے بجز تقوے کے اور کوئی کشتی نہیں۔ مومن خوف کے وقت خدا کیطرف جھکتا ہے کہ بغیر اسکے کوئی امن نہیں۔ اب دکھ اٹھا کر اور سوز وگداز اختیار کرکے اپنا کفارہ آپ دو اور راستی مین محو ہوکر اپنی قربانی آپ ادا کرو اور تقوی کی راہ مین پورے زور سے کام لیکر اپنا بوجھ آپ اٹھاؤ کہ ہمارا خدا بڑا رحیم وکریم ہے کہ رونے والونپر اسکا غصہ تھم جاتا ہے مگر وہی جو قبل از وقت روتے ہیں نہ مردوں کی لاشوں کو دیکھکر۔ وہ خوف کرنیوالونکے سر پر سے عذاب کی پیشگوئی ٹال سکتا ہے جاہل کہتا ہے کہ پیشگوئی کیوں ٹل گئی لیکن اگر خدا مین یہ عادت نہ ہوتی کہ دعا اور صدقہ اور خیرات اور گریہ اور بکا سے ان بلاؤں کو دور کردیتا جنکا اسنے ارادہ کیا ہے یا جن بلاؤن اور عذابونکو نبیون کی معرفت ظاہر کرچکا ہے تو دنیا کبھی کی ہلاک ہو جاتی۔ سو نیکی کرو اور خدا کے رحم کے امیدوار ہو جاؤ۔ خدا کیطرف پوری قوت کے ساتھ حرکت کرو اور اگر یہ نہیں تو بیمار کی طرح افتاں خیزاں اس کی رضا کے دروازہ تک اپنے تئیں پہنچاؤ اور اگر یہ بھی نہیں تو مردہ کی طرح اپنے اٹھائے جانیکا ذریعہ صدقہ خیرات کے راہ سے پیدا کرو نہایت تنگی کے دن ہیں اور آسمان پر خدا کا غضب بھڑک رہا ہے آج محض زبانی لاف وگزاف سے تم پار نہیں ہو سکتے ایسی حالت بناؤ اور ایسی تبدیلی اپنے اندر پیدا کرو اور ایسے تقوی کی راہ پر قدم مارو کہ وہ

* ۲۶-۲۷ فروری کی شب درمیانی مراد ہے۔

رحیم و کریم خوش ہوجائے اپنی خلوتگاہوں کو ذکر الٰہی کی جگہ بناؤ اپنے دلوں پر سے ناپاکیوں کے زنگ دور کرو۔ بیجا کینوں اور بخلوں اور بدزبانیوں سے پرہیز کرو اور قبل اسکے کہ وہ وقت آوے کہ انسانوں کو دیوانہ سا بنا دے بیقراری کی دعاؤں سے خود دیوانے بنجاؤ عجیب بدبخت وہ لوگ ہیں کہ جو مذہب صرف اسبات کا نام رکھتے ہیں کہ محض زبان کی چالاکیوں پر سارا دارومدار ہو اور دل سیاہ اور ناپاک اور دنیا کا کیڑا ہو پس اگر تم اپنی خیر چاہتے ہو تو ایسے مت بنو۔ عجب بدقسمت وہ شخص ہے کہ جو اپنے نفس امارہ کیطرف ایک نظر بھی اٹھا کر نہیں دیکھتا اور بدبودار تعصب سے دوسروں کو بدزبانی سے پکارتا ہے پس ایسے شخص پر ہلاکت کی راہ کھلی ہے سو تقوے سے پورا حصہ لو اور خداترسی کا کامل وزن اختیار کرو اور دعاؤں میں لگے رہو تا تم پر رحم ہو تم میں سے کون ہے کہ جو بھوک کے وقت صرف روٹی کے نام سے سیر ہو سکتا ہے یا صرف ایک دانہ سے پیٹ بھر سکتا ہے ایسا ہی تم خدا کو راضی نہیں کر سکتے جبتک پورے طور پر متقی نہ بنجاؤ۔ اپنے دشمنوں کے نفسانی جوشوں کا مقابلہ مت کرو تا تم بھی ایسے ہی نہ ہوجاؤ کیونکہ جاہل کا مقابلہ صرف جہالت کے ذریعہ سے ہی ہو سکتا ہے۔ پس اگر وہ تمہیں ستاویں اور دکھ دیں یا تمہیں جوش دلانیکے لیے میری نسبت سب و شتم اور دشنام دہی اور ہنسی کا طریق اختیار کریں تو تم صبر کرو اور چپ رہو تا وہ خدا جو تمہارے دلوں اور انکے دلوں کو آسمان پر دیکھتا ہے تمہیں بدلہ دے یقیناً سمجھو کہ یہ وہ دن آرہے ہیں کہ جب سے دنیا پیدا ہوئی ایسی سختی کے دن کبھی عام طور پر دنیا پر نہیں آئے ایسا ہو تا وہ پیشگوئیاں پوری ہوجائیں جو ابتدا سے نبیوں نے کی تھیں۔ خدا نے آج سے پچیس برس پہلے طاعون کی خبر مجھکو دی تھی جو براہین احمدیہ میں شائع ہوچکی تھی۔ پھر اسوقت خبر دی جب یہ ملک اس بیماری سے پاک تھا وہ خبر بھی شایع ہوچکی۔ اور پھر طاعون کے اس سخت حملہ کی خبر جو عنقریب ہونیوالا ہے۔ یہ اسلیے ہوئی کہ تا لوگ متنبہ ہوجائیں ان چالاک لوگوں کی پیروی مت کرو جنکے دل گندے اور نجاست سے بھرے ہیں جو دوسروں کو خدا کیطرف بلاتے اور آپ اس سے دور ہیں۔ خدا ظاہر کرنا چاہتا ہے کہ کس کی زندگی لعنتی اور کسکی زندگی پاک ہے پس تم ایسے دردناک دعاؤں میں لگ جاؤ کہ گویا مر ہی جاؤ تا دوسری موت سے خدا تمہیں بچاوے دنیا کیلیے بڑی گھبراہٹ کے دن ہیں مگر دنیا نہیں سمجھتی لیکن کسی دن سمجھے گی دیکھو میں اسوقت اپنا فرض ادا کرچکا ہوں اور قبل اسکے کہ تنگی کے دن آویں میں نے اطلاع دیدی ہے۔ اب میں ختم کرتا ہوں۔

مکرر یہ کہ گذشتہ بالا نصائح اور ہدایات سے ایسا نہیں سمجھنا چاہیئے کہ ہمارا یہ منشاء ہے کہ طاعون کے غلبہ کے دنوں میں اپنے گھروں سے باہر نہیں نکلنا چاہیئے بلکہ برعایت قواعد طبیہ بہتر ہوگا کہ جس گاؤں یا کسی شہر کے محلہ میں یہ مرض پھیلتی معلوم ہو فی الفور اس گاؤں یا محلہ کو چھوڑ دیا جائے اور اسی شہر یا گاؤں کے باہر آبادی سے کچھ کچھ فاصلہ پر معہ اہل و عیال نکلکر کسی جھونپڑی میں گذارہ کر لینا چاہیئے ہاں کسی دوسرے شہر یا گاؤں کیطرف

بھاگ کر نہین جانا چاہیئے کیونکہ یہ ان لوگون پر ظلم ہے جن کی بستی ہنوز طاعون سے پاک تھی اور اندیشہ ہے کہ بباعث ان لوگون کے جو کسی آلودہ شہر یا گاؤن سے آتے ہین اس جگہ مین بھی طاعون پھوٹ پڑے پس جو شخص اپنی ہمدردی کرتا ہے چاہیئے کہ وہ دوسرونکی ہمدردی کا بھی خیال رکھے۔

خاکسار میرزا غلام احمد قادیانی ۲۷ فروری ۱۹۰۵ء

ریویو

ہمارے پاس دو انگریزی رسالے "مین نے کیون اسلام قبول کیا" اور "پیغمبر اسلام" صلے اللہ علیہ وسلم بغرض ریویو پہنچے ہین جو ڈاکٹر لنشی کنت چنو پادھیا مولوی محمد عزیز الدین پرنسپل حیدرآباد کالج کی تصنیف ہین ہمین یہ دیکھکر خوشی ہوئی ہے کہ ان رسالونکا مصنف وسعت علمی کے لحاظ سے معمولی آدمی نہین انہون نے بہت مدت تک مختلف ممالک مین پھر کر مختلف مذاہب کا مطالعہ کیا اور آخر کامل تحقیقات اور غور کے بعد سب پر اسلام کو ترجیح دی ہے۔ اول اول یورپ مین جاکر وہ فلاسفرونکے اس سکول کے مداح رہے جسکا قایمقام ہندوستان مین برھموسماج ہے۔ بعد ازان جرمنی مین جاکر بدھ مذہب کا مطالعہ شروع کیا جسکی اعلےٰ درجہ کی اخلاقی تعلیم نے مدت تک انکو اپنی طرف کھینچے رکھا مگر آخر کار وہ اس صحیح نتیجہ پر پہنچے کہ یہ تعلیم عملی رنگ مین دنیا کیلیے مفید نہین بلکہ فطرت انسانی کے تقاضاؤنکے خلاف ہے۔ پھر وہ پیرس مین اور وہانسے سینٹ پیٹرزبرگ مین چلے گئے۔ فرانسیسی زبان کو سیکھنے کے بعد وہ رینن کے مداح ہوئے اور اسی اثر کے نیچے شامی زبانون اور شامی مذہبونکے مطالعہ کیطرف انکی طبیعت متوجہ ہوئی چنانچہ کچھ مدت تک وہ مختلف مذاہب کی خوبیونپر ایک کو دوسرے کے بالمقابل رکھکر غور کرتے رہے یعنی ایک طرف یہودیون برہمنون اور زردشت کے مذہب پر اور دوسری طرف اسلام عیسائیت اور بدھ مذہب پر۔ عیسائیت مین انہون نے رومن کیتھولک مذہب کو باقی فرقون پر ترجیح دی۔ مگر ایک طرف عیسائیت کے کفارہ اور ابدی جہنم کا عقیدہ اور دوسری طرف رومن کیتھولک فرقہ کا عقیدہ پوپونکی عصمت کے متعلق انکو اسبات کی اجازت نہ دیتا تھا۔ کہ وہ عیسائی مذہب مین شامل ہون۔ اسی تذبذب کیحالت مین وہ ہندوستان کو واپس آئے جہان پہلے عرصہ تک تھیوصوفی کا مطالعہ کرتے رہے اور بعد ازان زردشت کے مذہب اور اسلام کیطرف خاص توجہ کی کیونکہ

اپنر ابھی تک انہون نے کافی طور پر غور نہین کیا تھا۔ اسلام کے اصول پر غور کر کے وہ بہت مدت سے اس نتیجہ پر پہنچ چکے تھے کہ اسلام ہی سچا مذہب ہے مگر بعض خارجی واقعات کے سبب سے اس عقیدہ کا اعلان کرنے مین کئی سال انکو گذر گئے آخر ۲۶ اگست ۱۹۰۴ء کو انہون نے ایک مجلس مین عام طور پر یہ اعلان کر دیا اور اس جگہ ایک لیکچر کے اثنائے مین اپنے اسلام قبول کرنیکے وجوہات بھی بیان کیئے یہی لیکچر اسوقت رسالہ کی صورت مین چھپا ہوا موجود ہے۔ قبولیت اسلام کی بڑی وجوہات تین بیان کیگئی ہین جو مختصر طور پر یہ ہین کہ اسلام ایک تاریخی معقول اور عملی مذہب ہے۔ یہ بیان کیا گیا ہے کہ مخالفین اسلام بھی اسلام کی اس خوبی سے انکار نہین کر سکتے۔ پروفیسر باسورتھ سمتھ کا قول بھی نقل کیا گیا ہے جسنے اثنائے لیکچر مین کہا "مسیح کی زندگی کے ایک چھوٹے سے حصے کے بعض واقعات کی ہمین بیشک خبر ہے مگر اس تیس سالہ زندگی کا پردہ کون اٹھا سکتا ہے جو در اصل تین سال کی زندگی کیلیے بطور تیاری کے تھے۔ مگر اسلام مین یہ صورت نہین۔ یہان بجائے قصون اور کہانیون اور تاریکی کے ہمین روشنی اور تاریخی واقعات نظر آتے ہین۔ یہان یعنی مذہب اسلام مین نہ کوئی شخص اپنے نفس کے دھوکہ مین آسکتا ہے اور نہ دوسرونکے دھوکے مین۔ بلکہ ہر ایک واقعہ پر دن کی روشنی ایسی صاف صاف پڑتی ہے جیسا ممکن ہے"۔ اسکے بعد اسلام کے معقول مذہب ہونے پر بحث کیگئی ہے۔ اسلام کے دو ہی اصول ہین یعنی اللہ تعالے کی ہستی اور توحید اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی رسالت۔ توحید ایک ایسی اعلے درجہ کی سچائی اور حقیقت ہے جو فطرت انسانی مین منقوش ہے اور جس سے کسی کو انکار نہین ہو سکتا۔ یہان نہ تثلیث کے داخل ہونیکے لیے کوئی جگہ ہے اور نہ تیس کروڑ دیوتا ؤنکے لیے۔ باقی رہا رسالت کا مسئلہ سو وہ بھی ہر ایک عقلمند انسان کو ماننا پڑتا ہے کہ جب کبھی وہ اصل اصول جنپر ہماری اخلاقی اور مذہبی زندگی کی بنیاد ہے تاریکی کے نیچے دب جاتے ہین یا دلونسے بھول جاتے ہین جب کبھی انسان بکلی دنیا پر جھک پڑتے ہین اور دنیا کی حرص کی قید مین پھنس جاتے ہین جب کبھی دنیا مین گناہ کا زور اور سیلاب آتا ہے اور دنیا دہریت کیطرف چلی جاتی ہے ایسے اوقات مین قومون کی زندگی مین ایسے انسان پیدا ہوتے ہین جو اپنی پیدایش سے ہی ایسے محفوظ رہتے ہین کہ گویا وہ دنیا کے نہین ہوتے بلکہ خدا کے رسول و نبی کہلانے چاہئین جنکا مقصد صرف یہی ہوتا ہے کہ انسانونکو وہ باتین یاد دلاوین جو وہ بھول گئے ہین اور ان باتونکو تازہ کرین جو گم ہو چکی ہین"۔ اور اسلام کی حقانیت کے ان دو زور آور دلایل کے تیسری دلیل یہ دیگئی ہے کہ یہی ایک مذہب ہے جو انسان کی عملی زندگی کے مطابق اور عملی طور پر اسکا رہنما ہو سکتا ہے۔ بدھ اور مسیح کی تعلیم کو بعض وقت کامل کہا جاتا ہے مگر یہ کمال ایسا ہے جو محض خیال ہی خیال ہے ان لوگونکے لیے جنہین تمدنی صورت مین رہنا چاہیے اور دنیا کے دھندے کرنے پڑتے ہین بعینہٖ کمال یہ ہے کہ وہ اصول انکی عملی زندگی کے مطابق حال ہون انسانی ضروریات پر غور کر کے جو اصول سب سے

زیادہ ان ضروریات کے مطابق حال اور عملی طور پر مفید ہوں وہی ہمارے نزدیک کامل ہونگے اس معیار کے رو سے صرف مذہب اسلام کے اصول ہی کامل ہونیکے دعویدار ہو سکتے ہیں اسیوجہ پر اسلام نے تعدد ازدواج کو بھی جایز رکھا ہے۔ نکاح کے قانون جو اسلام نے تجویز کیے ہیں وہی ایسے قانون ہیں جو انسانی ضروریات کو مدنظر رکھکر انسانوں کی تمدنی روحانی اور اخلاقی بہتری کا ذریعہ ہو سکتے ہیں اور ایسا ہی اسلام کی ہر ایک اخلاقی تعلیم میں یہی خوبی ہے جسکی نظیر دوسرے مذاہب میں نہیں پائی جاتی۔

دوسرا رسالہ "پیغمبر اسلام" مختصر طور پر بیان کرتا ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے کیسی عظیم الشان تبدیلی کر دکھائی اور اخیر پر بعض اعتراضوں کا جواب دیا گیا ہے جو لوگ انگریزی پڑھ سکتے ہیں وہ ان دونوں رسالوں سے ضرور فایدہ اٹھاویں پہلے کی قیمت ۴؍ اور دوسرے کی ۸؍ ہے۔ اور چادر گھاٹ حیدرآباد دکن سے ملسکتے ہیں +

رؤیا والہامات حضرت مسیح موعود علیہ السلام

یکم۔ فروری ۱۹۰۵ء (۱) اِنِّیْ مَعَ الرُّوْحِ مَعَكَ وَمَعَ اَهْلِكَ۔

(۲) انی لاجد ریح یوسف لولا ان تفندون۔

(۳) ایک رؤیا دیکھی کہ ایک کاغذ ہے جسکے اوپر کی دو تین سطر فارسی خط میں ہیں باقی سب انگریزی ہے اسکا مطلب یہ سمجھ میں آیا کہ گویا کوئی میرا نام لیکر کہتا ہے کہ دو سو پچاس روپیہ انہیں دیا جاوے

---

۲۰ فروری شنبہ (۱) حضور کی طبیعت ناساز تھی حالت کشفی میں ایک شیشی دکھائی گئی جسپر لکھا ہوا تھا خاکسار پیپرمنٹ

(۲) انما امرك اذا اردت شیئا ان تقول له کن فیکون۔

۲۷۔ فروری ۱۹۰۵ء۔ رؤیا میں دیکھا کہ دردناک موتوں سے عجیب طرح پر شور قیامت برپا ہے اور ساتھ ہی یہ الہام ہوا۔ موتا موتی لگ رہی ہے۔

رؤیا و الہامات حضرت مسیح موعود علیہ السلام

۴۔ مارچ ۱۹۰۵ء ۔ کوئی شخص ہے اس سے مین کہتا ہون کہ تم حساب کرلو مگر وہ نہین کرتا۔ اتنے مین ایک شخص آیا اور اسنے ایک مٹھی بھر کر روپے مجھے دیئے ہین اس کے بعد ایک اور شخص آیا جو الٰہی بخش کی طرح ہے مگر انسان نہین بلکہ فرشتہ معلوم ہوتا ہے۔ اس نے دونون ہاتھ روپیونکے بھر کر میری جھولی مین ڈالدیئے ہین تو وہ اسقدر ہو گئے ہین کہ مین انکو گن نہین سکتا۔ پھر مین نے اسکا نام پوچھا تو اسنے کہا میرا کوئی نام نہین دوبارہ دریافت کرنے پر کہا کہ میرا نام ہے ٹیچی ٹیچی۔ مین نے بہت سا مال دیکھکر دل مین کہا کہ فلان حاجتمند کو کچھ دیدونگا۔ اور ایک حاجتمند دکھایا گیا خستہ حال قابل رحم۔

۶۔ مارچ ۱۹۰۵ء ۔ تھوڑی سی غنودگی ہوئی تو دیکھتا ہون کہ یہ مکان جواب بن رہا ہے۔ (جسکا اشتہار کشتی نوح مین دیا تھا) سامنے آگیا ہے اسپر ایک معمار بیٹھا ہے۔ اس نے کہا مبارک۔ مین نے کہا خیر مبارک

اطلاع

(۱) ترسیل روپیہ یا خط کتابت کرتے وقت نمبر خریداری نہ لکھنے کی صورت مین شکایت توقف یا عدم تعمیل یا عدم جواب بیجا تصور ہو گی۔

(۲) جملہ خط و کتابت متعلق میگزین بنام منیجر میگزین ہونی چاہئیے نہ کسی مالک یا منیجر مطبع یا دیگر صاحب کے نام۔ کیونکہ اس سے حرج و طوالت کام کا احتمال ہے +

منیجر میگزین

مدرسہ تعلیم الاسلام

مدرسہ کے اخراجات بہت بڑھے ہوئے ہین۔ سب احباب کو چاہیئے کہ مستقل اور ہمیشہ چندہ سے فنڈ کی اعانت کرین۔ مدرسہ کے متعلق تمام رقوم بنام امین مدرسہ تعلیم الاسلام آنی چاہئین۔ رسیدین اخبار مین طبع ہوا کرین گی + **نور الدین** ۔ امین مدرسہ تعلیم الاسلام قادیان۔

ضروری اطلاع

رسالہ نور الدین جس مین فاضل مصنف نے بعد نظر ثانی کسیقدر اضافہ کیا ہے خوشخط و عمدہ کاغذ پر چھپکر تیار ہے قیمت علاوہ محصولڈاک ۸ ؍ ہے۔ درخواستین اس پتہ پر ہون
سیٹھ عبد الاحد ہدایت اللہ جنرل مرچنٹ و کمیشن ایجنٹ کٹرہ جیل سنگھ امرتسر

منشی محمد افضل صاحب نے اپنے مطبع انوار الاسلام مین منیجر صاحب میگزین کے لیے چھاپا

آؤ لوگو کہ یہیں نورِ خدا پاؤ گے ❖ لو تمہیں طورِ تسلّی کا بتایا ہم نے

ریویو آف ریلیجنز

یعنی

دنیا کے مذاہب پر نظر

جلد ۴ — بابت ماہ اپریل ۱۹۰۵ء — نمبر ۴

فہرست مضامین

بدر

منشی محمد افضل صاحب مرحوم کی وفات کا ذکر ہمنے دوسری جگہ سلسلہ الہامات حضرت مسیح موعودؑ مین کردیا ہے۔ انکی وفات کے بعد میان معراج الدین عمر صاحب نے جو اخبار البدر کے پروپرائٹر ہین اس سلسلہ کو بہت سا زائد نقصان برداشت کرکے بھی جاری رکھا ہے اللہ تعالیٰ انکی ہمت مین برکت دے اور اس کار خیر کو انکی دینی اور دنیوی منفعت کا ذریعہ بناوے۔ سب احمدی بھائیون کا فرض ہے کہ اخبار کی اشاعت بڑھانے مین انکی مدد کرین۔ ایک اور امر قابل تذکرہ یہ بھی ہے کہ اخبار بدر (بجائے البدر کے اس اخبار کا نام آیندہ بدر تجویز کیا گیا ہے) کی ایڈیٹری کے لیے میان معراج الدین عمر صاحب نے بڑی فراخ حوصلگی سے ایک ایسے شخص کو منتخب کیا ہے جو اس جماعت کے منتخب افراد مین سے ہین اور جنکے نام نامی سے ساری احمدی جماعت پہلے ہی واقف ہے یعنی مفتی محمد صادق صاحب سابق ہیڈ ماسٹر مدرسہ تعلیم الاسلام باوجودیکہ حضرت اقدس کو اخبارون سے کبھی کچھ تعلق نہین ہوا مگر پھر بھی مفتی صاحب کے تقرر پر آپ نے خاص طور پر اظہار خوشی فرمایا ہے وہ الفاظ ہم نیچے درج کرتے ہین اور امید کرتے ہین کہ ہمارے سب بھائی اخبار کے خریدار پیدا کر کے میان معراج الدین عمر صاحب کا ہاتھ بٹائینگے۔ حضرت اقدس کے الفاظ یہ ہین:-

اطلاع } "مین بڑی خوشی سے یہ چند سطرین تحریر کرتا ہون کہ اگرچہ منشی محمد افضل مرحوم ایڈیٹر اخبار البدر قضائے الٰہی سے فوت ہو گئے ہین مگر خدا تعالیٰ کے شکر اور فضل سے انکا نعم البدل اخبار کو ہاتھ آگیا ہے یعنے ہمارے سلسلہ کے ایک برگزیدہ رکن جوان صالح اور ہر ایک طور سے لائق جن کی خوبیون کے بیان کرنے کے لیے میرے پاس الفاظ نہین ہین یعنی مفتی محمد صادق صاحب بھیروی قائمقام محمد افضل مرحوم ہو گئے ہین۔ میری دانست مین خدا تعالیٰ کے فضل اور رحم سے اس اخبار کی قسمت جاگ اٹھی ہے کہ اسکو ایسا لائق اور صالح ایڈیٹر ہاتھ آیا۔ خدا تعالیٰ یہ کام انکے لیے مبارک کرے اور انکے کاروبار مین برکت ڈالے۔ آمین ثم آمین خاکسار **مرزا غلام احمد**"

شکریہ معاونین } حضرت اقدسؑ کے حکم کی تعمیل مین چودھری رستم علی صاحب نے پانچ روپیہ ماہوار اعانت میگزین کیلیے بھیجنے شروع کردیئے ہین۔ دلاور خان صاحب کلرک دفتر سول سرجن پشاور نے انتیس ۲۹ روپیہ و مولوی غلام امام صاحب منی پور آسام نے للعہ روپیہ و سید نادر علی شاہ صاحب جہلم چکوال نے ہے روپیہ و منشی نذیر الدین صاحب بھامون نے عدہ بطور اعانت بھیجے ہین اور آئندہ کیلیے بھی اسی طرح سے وعدہ امداد ہے اسکے علاوہ بعض دیگر مخلصین نے بھی حسب استطاعت چار چار پانچ پانچ روپیہ تک کشت اعانت بھیجکر اپنی خلوص مندی کا ثبوت دیا ہے انشاء اللہ تعالیٰ اگلے پرچے مین جملہ احباب کے نام معہ تعداد رقم عطیہ شکریہ کے ساتھ شائع کیے جاوینگے منشی مہر اکبر صاحب اپیلنویس مردان اور منشی تاج الدین صاحب کلرک لاہور اور منشی محمد حسین صاحب قانونگوی ظفروال نے ایکروپیہ ماہوار بطور اعانت دینے کا وعدہ فرمایا ہے اور منشی محمد حسین صاحب ظفروال نے تو علاوہ خریدار جدید پیدا کرنے کے ایکروپیہ ماہواری بھیجنا شروع کردیا ہے علی ہذا القیاس منشی غلام سرور صاحب قانونگو وسید محمد علی شاہ صاحب رئیس ابرو رد دبابو برکت علی صاحب کلرک

پر چلنے کی توفیق بخشے - آمین ثم آمین والسلام - مینیجر میگزین -

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

تعدد ازواج

۲-اسلام مین تعدد ازدواج کی اجازت

عام دلایل گذشتہ پرچے مین ہمنے مختصر طور پر وہ وجوہات بیان کیے تھے جنسے خاص حالات کے ماتحت تعدد ازدواج کی ضرورت ثابت ہوتی ہے اور انہین وجوہات سے اسلام مین تعدد ازدواج کی اجازت کے اصول کا سچا ہونا کافی طور سے ثابت ہوتا ہے کیونکہ جب عام دلایل سے تعدد ازداج کی ضرورت ثابت ہوگئی تو کسی خاص مذہب مین تعدد ازدواج کی اجازت کیلیے الگ وجوہات کی ضرورت نہین بلکہ اگر کسی مذہب نے اس ضرورت کو سمجھ کر پہلے سے ہی اسکی اجازت دیدی ہے تو اس سے یہ شہادت پیدا ہوتی ہے کہ اس مذہب نے فطرت انسانی کی تہ تک پہنچکر اور عام انسانی ضروریات کو مدنظر رکھکر اپنے اصول کو قایم کیا ہے اور کسی اصول کو جو عام حالات انسانی کے مطابق نہین صرف اسکی ظاہری کشش کیخاطر قبول نہین کیا۔ اسلام کا مذہب وہ مذہب ہے جس نے ابتدا سے ہی تمام دنیا کیلیے ایک عام مذہب ہونیکا دعوے کیا اور یہ فخر دنیا کے مذاہب مین سے اور کسی مذہب کو حاصل نہین چنانچہ قرآن شریف مین اللہ تعالے فرماتا ہے قل یایھا الناس انی رسول اللہ الیکم جمیعا اس آیت مین اللہ تعالے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرماتا ہے کہ تو یہ اعلان کر دے کہ اے دنیا کے لوگو مین تم سب کی طرف خدا کا رسول ہوکر آیا ہون۔ مزید برآن اسلام ایک عملی مذہب ہے پس اس عملی مذہب کے لیے جو تمام دنیا کیلیے ہوکر آیا یہ ضروری تھا کہ ایسے وسیع اصول پیش کرے جنمین مختلف زمانون اور ممالک کے مختلف لوگونکی عملی ضروریات کو مدنظر رکھا گیا ہو اسی غرض اور انہین ضروریات کیلیے اسلام مین تعدد ازداج کی اجازت دیگئی ہے۔

اسلام کی تعلیم کی اصلی غرض اسلام کے متعصب دشمن عموماً اسلام پر یہ الزام لگایا کرتے ہین کہ

اسلام ایک آسان اور نفسانی مذہب ہے اور اس کی غرض یہ نہیں کہ لوگونکو بدی سے نجات دے بلکہ ان کی نفسانی خواہشون کے پورا کرنیکا ایک ذریعہ ہے۔ ایک وقت وہ تھا جب اس قسم کی باتونکو جاہل عیسائی انجیل کی طرح سچی سمجھتے تھے اور ہر ایک عیسائی بغیر قرآن شریف کو پڑھنے کے یہ وعظ کرتا اور کہتا تھا کہ قرآن شریف کی تعلیم انسانون کو خدا سے دور ڈالتی اور نعوذ باللہ انکا شیطان سے تعلق پیدا کرتی ہے۔ لیکن کچھ عرصہ سے مختلف مذاہب کے مطالعہ کرنیوالے کسیقدر تحقیق سے اس نتیجہ پر پہنچگئے ہین کہ یہ باتین متعصب پادریون نے جاہلونکو دھوکا دینے کیلیے بنا رکھی تھین اسلام پر نفسانی مذہب ہونیکا اعتراض ایسا صریح جھوٹ ہے کہ خود انہی معترضین کے منہ سے اسکا جھوٹ ثابت ہو رہا ہے۔ کیونکہ جہان ایک طرف اسلام پر نفسانی مذہب ہونیکا اعتراض کیا جاتا ہے کہ اسلام کی پنج وقتہ نماز اور روزے بیجا تشدد ہین اور اس ریاضت کو مشقت قرار دیا جاتا ہے تعجب ہے کہ اس مذہب کو جو کفارہ کا عقیدہ سکھا کر تمام بدکاریون اور بدیون کا دروازہ کھولتا ہے تقدس اور پاکیزگی کا حاصل کرنیکے بغیر کسی انسان کو قبول نہین کرتا اور ہر ایک بدی سے بچنے کے لیے راہ بتاتا ہے اسے نفسانی مذہب کہا جاتا ہے۔ مذہب اسلام ایک طرف تو صاف الفاظ مین یہ فرماتا ہے کہ قد افلح من زکّٰھا یعنی وہی نجات یافتہ ہے جس نے اپنے آپ کو پاک کیا اور بار بار تقوے اور تزکیۂ نفس پر زور دیتا ہے اور دوسری طرف ایسے عملی فرایض بجالانیکے لیے حکم دیتا ہے جو نفسانی خواہشونکو جڑ سے اکھاڑنیوالے ہین۔ کیا اس مذہب کو نفسانی یا آسان کہا جاسکتا ہے جو دن مین ایک دفعہ نہین بلکہ پانچ دفعہ نماز کو ضروری قرار دیتا ہے اور پھر اسی پر قناعت نہین کرتا بلکہ یہ بھی حکم دیتا ہے کہ رات کا بڑا حصہ بھی جاگتے اور عبادت مین گذارا جاوے اور ایسے اوقات نماز کے مقرر کرتا ہے جب ایک نفسانی آدمی کسی شرابخانہ مین یا چکلہ مین شراب سے بدمست پڑا ہو۔ پھر نماز کے علاوہ روزون کا حکم دیتا ہے اور سال مین ایک پورے مہینے کے روزے ہر مسلمان کیلیے فرض قرار دیتا ہے۔ کیا یہ ایک نفسانی اور آسان مذہب کی علامتین ہین۔ سچ تو یہ ہے کہ بہت سارے لوگونکے اسلام قبول کرنے مین بڑی روک انہی اسلامی فرایض کی بجا آوری ہے اور دوسرے مذاہب مین ایسے فرایض سے آزادی ملجانا بہت سے لوگونکے لیے ان مذاہب کو اختیار کرنیکے لیے ایک کشش ہے اور حق یا تو یہ ہے کہ بغیر ان مشقتون اور ریاضتونکے تزکیۂ نفس ممکن ہی نہین۔

یہ احکام نماز اور روزے کے اسلام نے صرف اس غرض سے دیئے ہین کہ تا انسان بدی سے بچے جیسا کہ قرآن شریف فرماتا ہے کہ ان الصلوٰۃ تنھٰی عن الفحشاء والمنکر۔ یعنی نماز اسلیے فرض نہین کی گئی کہ کوئی ناحق کا بوجھ انسانون پر ہو بلکہ اسکی اصل غرض یہ ہے کہ تا نماز کے ذریعہ انسان بدی اور برائی سے بچا رہے اور پھر اسکے ساتھ ہی فرماتا ہے کہ منیب اللہ تعالےٰ کو یاد رکھنا جیسا کہ نماز مین ہوتا ہے ایک بڑا بھاری

فرض ہے اسی طرح پر روزے اسلیے فرض کیے گئے ہین کہ تا انسان کو ایک عملی طریق برائیون سے بچنے کا بتایا جائے۔ کیونکہ جب ایک انسان کو اسقدر طاقت اپنی خواہشات پر حاصل ہو جاوے کہ وہ ایک حکم کی پیروی مین اپنی تمام خواہشات کو چھوڑ سکتا ہے گو ایسی خواہشات عام حالات کے ماتحت ناجایز بھی نہ ہون تو پھر اسکے لیے ناجایز خواہشات پر قابو پانا اور انکو دفع کرنا نہایت آسان امر ہو جاتا ہے یہ وہ عملی طریق ہے جسپر چلکر انسان بہت سی بدیونسے بچ سکتا ہے اور یہ اسلام کی ہی خصوصیت ہے کہ اس پاک مذہب مین خیالی طور پر ہی نیکی کی تعلیم نہین دیگئی بلکہ وہ عملی طریق بھی بتائے گئے ہین جن پر چلکر انسان بدی سے نجات پا سکتا ہے اور نیکیو نپر قایم ہو سکتا ہے۔ یہ خصوصیت اسلام کی منجملہ ان خصوصیات کے ہے جو اسکو دوسرے تمام مذاہب سے ممتاز کرتی اور اسکا خدا کیطرفسے ہونا بتاتی ہین چنانچہ قرآن شریف فرماتا ہے

واستعینوا بالصبر والصلوٰۃ وانہا لکبیرۃ الا علی الخشعین الذین یظنون انہم ملقوا ربہم وانہم الیہ راجعون (البقرۃ ۴۵-۴۶)

ان آیات کا مفہوم یہ ہے کہ بدیونسے بچنے کیلیے صبر (روزے) اور نماز کا سہارا پکڑو اور یہ فرض شاق ہے مگر انپر نہین جو فرمانبرداری اختیار کرتے ہین اور یہ یقین رکھتے ہین کہ وہ اپنے پروردگار سے ملنے والے اور اسی کے حضور لوٹ کر جانیوالے ہین گویا نماز بھی وہ ذریعہ ہے جس سے انسان اللہ تعالے سے حقیقی تعلق پیدا کر سکتا ہے اور بد خواہشات اور بدیو نپر غالب آسکتا ہے پس اسلام کی تعلیم کا اصل مدعا اور غرض ان فرایض کے قایم کرنیسے صرف یہی ہے کہ انسان نفسانی زندگی سے پاک ہو کر حقیقی پاکیزگی حاصل کرے اور ایسے مذہب کو نفسانی مذہب کہنا جاہلانہ تعصب ہے۔

ممانعت شراب سے کیا شہادت پیدا ہوتی ہے

ان عام وجوہات کے علاوہ جنکا ذکر اوپر کیا گیا ہے اور جنسے ثابت ہوتا ہے کہ اسلام کے اصول اور فرایض انسان کو نفسانی زندگی سے نکالتے اور اس مین حقیقی پاکیزگی سچی فروتنی اور راستبازی کی روح پھونکتے اور اسکو بدیون پر غالب آنے کی طاقت بخشتے ہین اور بھی وجوہات ایسی ہین جنسے بالخصوص یہی شہادت پیدا ہوتی ہے۔ مثلاً اسلام مین مسکرات کی ممانعت صاف طور پر بتاتی ہے کہ اس پاک مذہب کو شہوانیت سے کسقدر نفرت ہے۔ ہم اس جگہ یہ سوال نہین کرتے کہ اگر موجودہ عیسائی مذہب نفسانیت کی راہ نہین بتاتا تو کیون اس مین شراب جیسی بری چیز کی کوئی ممانعت نہین کیونکہ یہ مضمون اسوقت زیر بحث نہین۔ مگر ہم یہ پوچھتے ہین کہ اگر شراب شہوانی خیالات کو ابھارنے والی ہے جیسا کہ کل دنیا تسلیم کر رہی ہے تو کیا کسی مذہب کا شراب سے منع کرنا اور شراب خوری کو قطعاً روک دینا

اس امر کی یقینی اور قطعی شہادت نہیں کہ وہ شہوانی خیالات سے چھڑانیوالا اور راستبازی اور روح اور دل کی پاکیزگی کیطرف بلانیوالا ہے۔ اگر اسلام ایک نفسانی مذہب تھا اور اسکی غرض یہی تھی کہ شہوانی خواہشات کو پورا کرنیکے ذریعے بتاوے اور ان کی راہ کھول دیوے تو پھر اس نے شراب کو کیوں منع کیا اور شراب خوری کو کیوں جڑ سے کاٹا ہے اور بھی تعجب آتا ہے جب ہم بعض نام کے مسلمانوں کو یہ کہتے ہوئے سنتے ہیں کہ اسلام کے اصول ایک ابتدائی سوسائیٹی کے لیے تجویز کیے گئے تھے جسکا مطلب دوسرے لفظوں میں یہ ہے کہ گویا یہ اصول ایک وحشی قوم کیلیے تجویز کیے گئے تھے اور آج کل کی مہذب اقوام کیلیے وہ موزون نہیں۔ بہر حال ان مہذبوں سے جو آج شراب خوری سے تباہ ہو رہے ہیں یہ وحشی قوم ہی اچھی رہی افسوس ہے کہ یہ لوگ واقعات کی بنا پر نتائج پیدا نہیں کرتے بلکہ جو ایک خیال دل میں بیٹھ گیا ہے اسی کی پیروی کرتے ہیں۔ کوئی پاکیزگی اس پاکیزگی کے برابر نہیں جس کی اسلام نے تعلیم دی ہے مگر اس حقیقی... پاکیزگی کو نفسانیت کہا جاتا ہے۔ حالانکہ اس شہوانیت کو جس کی طرف شراب خوری انسانوں کو لے جا رہی ہے۔ پاکیزگی کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ شراب ہی وہ چیز ہے جو انسان کے نفسانی جذبات کو جوش میں لاتی ہے۔ اور شراب خوری کی علت کو جڑ سے کاٹ کر اسلام نے انسان کو حیوانی جذبات سے آزاد کر دیا ہے ابھی تک دنیا اس حقیقی پاکیزگی کے نور سے بیخبر ہے مگر وہ زمانہ بہت قریب آتا جاتا ہے جب دنیا کی آنکھیں اس نور کے دیکھنے کیلیے کھول جائینگی اور جب اسلام کے اصل اصول دنیا کو معلوم ہونگے تب اسے سمجھ آئیگا کہ وہ پاکیزگی ان لوگوں کے وہم و گمان سے بھی برتر ہے جو اسلام سکھاتا ہے۔

تعدد ازدواج کی اجازت کے متعلق دو رائیں

اس زمانہ میں جبکہ مختلف مذاہب کے مطالعہ کرنیوالوں نے کسیقدر روشنی اسلام کی تعلیم پر ڈالی ہے اور پرانے بیہودہ خیالات دلوں سے بہت کچھ دور کر دیے ہیں مغربی دنیا میں اسلام کے اندر تعدد ازدواج کی اجازت کے متعلق دو رائیں ہیں جن کے رو سے تعدد ازدواج کو ایک برائی قرار دیا جاتا ہے۔ عام اور زیادہ مقبول رائے یہ ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم تعدد ازدواج کو برا تو سمجھتے تھے لیکن اسوقت جب انسانی سوسائیٹی ہنوز ابتدائی حالت میں تھی۔ تعدد ازدواج کو دور کرنا آپکے لیے ناممکن تھا۔ اور دوسری رائے یہ ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم خود ایسے زمانہ میں پیدا ہونیکے سبب تعدد ازدواج کی برائیوں پر مطلع نہیں ہو سکتے تھے۔ اور عجیب بات یہ ہے کہ ترقی کے مدعی مسلمانوں کے اندر بھی بعض لوگوں نے ایک نہ ایک حد تک ان دونوں رایوں سے اتفاق کیا ہے کیونکہ ان لوگوں کے نزدیک مغربی خیالات کی اندھا دھند پیروی کرنا عین تہذیب ہے۔ اور وہ کبھی اس بات کی پروا نہیں کرتے اور نہ غور کرتے ہیں۔

کہ جن رواجونکو وہ منسوخ کرنا چاہتے ہین انکے اندر کیا کیا فواید ہین یا جن باتونکو وہ مروج کرنا چاہتے ہین انمین کیا کیا نقص ہین مسٹر امیر علی تعدد ازدواج کو انصاف کے خلاف قرار دیتے ہین اور ان کی رائے مین تعدد ازدواج کی اجازت اسلیے دیگئی کہ انسانی تہذیب کے اس مرحلہ پر اسکا منسوخ کرنا ناممکن تھا۔ یہ رائے انہون نے مغربی لوگونکے نقش قدم پر چلکر قایم کی ہے۔ اب ہم یہ ثابت کرکے دکھاینگے کہ یہ دونون رائین ویسی ہی غلط ہین جیسی کہ وہ پہلی رائے جس کی تردید اب خود عقلمند عیسائی کرتے ہین یعنی یہ کہ اسلام مین تعدد ازدواج کی اجازت اسلیے ہے کہ یہ ایک نفسانی مذہب ہے اور ہر قسم کے حیوانی جذبات کو پورا کرنے کی راہ اس مین کھلی ہے۔

تعدد ازدواج کے رواج کی حد

پہلی رائے یہ ہین کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی طاقت مین یہ نہ تھا کہ تہذیب کے اس مرحلہ پر تعدد ازدواج کے رواج کو منسوخ کرسکتے سب سے پہلے یہ فرض کرلیا گیا ہے کہ تعدد ازدواج استثنا کے طور پر نہ تھا جیسا کہ اب ہے بلکہ اسوقت ہر ایک انسان تعدد ازدواج کا پابند تھا ورنہ اور کوئی مشکل نہین کیونکہ جس رواج کے جاری رہنے سے صرف معدودے چند آدمی فایدہ اٹھا سکتے تھے جنکی تعداد دوسرے لوگونکے مقابل کچھ بھی نہ تھی اس رواج کے منسوخ کرنے مین بڑے مشکلات کا سامنا نہین ہو سکتا تھا خصوصاً ان رواجونکے بالمقابل جو سوسائٹی مین عام طور پر مروج تھے۔ اب یہ ایک امر واقعہ ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے وقت مین بھی تعدد ازدواج کی رسم اسی طرح استثنائی رنگ مین ہی مروج تھی جیسے اب ہے۔ اگرچہ ہمین شک نہین کہ خانہ جنگیونکی کثرت کی وجہ سے مردونکی تعداد عورتونسے بڑھ جانیکے باعث اسکا رواج بہ نسبت موجودہ کے کسیقدر زیادہ ہوگا۔ مگر تاہم ایک ایسی سوسائٹی مین جس مین نکاح کو ضروری سمجھا جاتا تھا یہ ممکن ہی نہین کہ عورتونکی تعداد اسقدر زیادہ ہو کہ تمام مرد ایک سے زیادہ بیویان رکھ سکین پس یہ کہنا کہ ایک ایسی رسم کو جسکا پابند آبادی کا ایک بہت تھوڑا سا حصہ تھا دور کرنا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی طاقت سے باہر تھا اور اسلیے اگرچہ آپ اسکو برا تو سمجھتے تھے مگر یہ طاقت نہ رکھتے تھے کہ کھلے طور پر اسکی مخالفت کرین کیونکہ سوسائٹی سے ڈرتے تھے پرلے درجہ کی حماقت ہے بلکہ اصل بات یہ ہے کہ اگر آپ تعدد ازدواج کو برا سمجھتے تو اسکو دور کرنے مین کوئی مشکل ہی نہ تھی۔

اسلام نے کسقدر بدیون کو دور کیا

اب ہم اسی سوال پر ایک اور پہلو سے نظر کرتے ہین یہ کہا جاتا ہے کہ تعدد ازدواج کی رسم عرب مین اسقدر دیرینہ اور مضبوط تھی کہ کوئی مصلح صرف چند باتونسے اسکو دور نہ کرسکتا تھا ایک حد تک تو یہ بات سچ ہے یعنی وہ مصلح جو خود مصلح بن بیٹھتے ہین اس آسمانی کشش سے خالی ہوتے ہین جو انبیاء علیہم السلام کو دیجاتی ہے اور جو سب سے بڑھکر

ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کو دیگئی اور اسلیے دیرینہ بد رسوم کو جو طبیعتوں کے اندر راسخ ہوگئی ہین دور کرنا اُن کا کام نہین لیکن خدا کے برگزیدہ نبیوں کو اللہ تعالے کیطرف سے وہ خارق عادت طاقت دیجاتی ہے جسکے ساتھ وہ ایک ہی لفظ سے ان بدیوں کو دور کر دیتے ہین جو مدتوں سے کسی قوم مین جڑ پکڑ چکی ہوئی ہوتی ہین اور یہ ایک امتیازی نشان ان مین اور انکے غیر مین ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس طاقتور ہستی کے بھیجے ہوئے ہین جسکے رسول ہونیکا وہ دعوے کرتے ہین اگر ہم پہلے عرب کی اس وحشتناک حالت کو بیان کرین جو اسلام سے پہلے یعنی ایام جاہلیت مین تھی اور پھر اس حالت کا مقابلہ اس بدلے ہوئے نقشہ سے کرین جب اسلام اپنا کام کر چکا تھا تو ایک الگ مجلد ضخیم تیار ہوتا ہے۔ تاریخ کے پڑھنے والے پر پوشیدہ نہین کہ عربون مین کسقدر بدیان تھین اور وہ کسقدر گہری جڑ پکڑ چکی تھین۔ مگر صرف ایک تئیس سال کے عرصہ مین کیونکر سب کی سب نیست و نابود ہوگئین ایسی مکمل اور وسیع تبدیلی کی جو ایک عظیم الشان قوم کی زندگی مین واقع ہوئی ہو نظیر تلاش کرنا عبث ہے اور سوائے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات کے ایسا نظارہ اور کسی مصلح یا نبی کی زندگی مین نظر نہین آتا۔ ایک بت پرستی کو ہی لے لو۔ بت پرستی نے عربونکے اندر اسقدر گہری جڑ پکڑی ہوئی تھی کہ اسکا اثر انکے ہر ایک رواج اور ہر ایک فعل پر تھا۔ سچ تو یہ ہے کہ اگر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا مقصد صرف بعض تمدنی اصلاحین کرنا ہی ہوتا تو ان مشکلات مین سے جو آپکو نبوت کے زمانے مین پیش آئین کوئی مشکل بھی پیش نہ آتی جن غیر لوگون نے اسلام پر قلم اٹھائی ہے انہون نے غلطی سے یہ خیال کیا ہے کہ بت پرستی کے دور کرنے مین کئی طرح سے آپکو خارجی مدد پہنچ چکی تھی اور اگر آپکو اس خارجی امداد کا بھروسہ نہ ہوتا تو آپ نعوذ باللہ بت پرستی کے دور کرنیکا لفظ ہی منہ سے نہ نکالتے۔ یہ محض نافہمی کی بات ہے۔ یہ سچ ہے کہ عرب ایک اعلے ہستی کے قایل تھے اور اسی کے نیچے اپنے بتونکو چھوٹے چھوٹے خدا سمجھتے تھے اور عربون پر کیا منحصر ہے دنیا کی قریباً تمام بت پرست قومونکا یہی حال ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالے کی ہستی اور توحید کے مسایل مین گھڑت نہین بلکہ ابتدا سے ہی فطرت انسانی مین منقش چلے آتے ہین اور یہ بھی سچ ہے کہ اسیوقت کے قریب بعض اور لوگونکے دلون مین بھی بت پرستی سے بیزاری اور اسکی بیخکنی کا خیال پیدا ہوا تھا اور یہ اس انتشار روحانیت کا ثبوت ہے جو رسالت پناہ صلے اللہ علیہ وسلم کے وجود مبارک سے دنیا مین پیدا ہوا۔ مگر ان دونو باتوں سے یہ نتیجہ نکالنا کہ یہی خارجی معاون بت پرستی کی بیخ کنی کے ہوگئے تھے سخت غلطی ہے۔ بت پرستونکے نزدیک خدا کو مانکر بھی بت معبود تھے۔ پس ان کا اعلے ہستی کو ماننا بت پرستی کے دور کرنے مین کسی طرح مدد نہ دے سکتا تھا اور باقی رہا چند آدمیونکے دل مین شرک سے بیزاری کا خیال پیدا ہونا یہ بجائے خود ایک بالکل بے حقیقت

بات تھی اور دو یا چار آدمیونکے وجود سے قوم کے خیال مین کوئی تبدیلی واقع نہ ہوئی تھی۔ ہان اگر یہ خارجی معاون واقعی کچھ حقیقت رکھتے تو وہی لوگ جو حنیف کہلاتے تھے کامیاب ہوکر کیون توحید کے قایم کرنیوالے نہ ہوجاتے۔ مگر ایک طرف انکا ناکام رہنا اور دوسری طرف بت پرستی کی جڑ کاٹنے مین آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا وہ مصایب اور شداید اٹھانا جنکی نظیر کوئی نہین۔ اور چوتھائی صدی تک اس مقابلہ کا جاری رہنا کھلی کھلی شہادتین اس بات کی ہین کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے نہ کبھی کسی خارجی اعانت کا خیال کیا اور نہ ہی عملی طور پران خیالی خارجی معاونات نے بت پرستی کے دور کرنے مین کوئی حصہ لیا بت پرستی ہی وہ بات تھی جسکی خاطر آپنے سخت ترین مصایب اٹھائے۔ اور یہانتک تکلیفین آپ کو دیگئین کہ مارنے مین بھی کوئی کسر باقی نہ رکھی گئی۔ اور آپکے صحابہ کو ظلم سے بھیڑون بکریونکی طرح ذبح کیا گیا اور گھرون سے نکالا گیا۔ اور کسی بدی کے دور کرنیمین ان مصایب اور تکالیف کا سامنا آپ کو نہین ہوا جو بت پرستی کے دور کرنے اور اللہ تعالے کی توحید کے قایم کرنے مین ہوا۔ مگر آپنے کبھی کسی تکلیف کی پروا نہین کی اور نہ ہی اپنی زندگی کی پروا کی۔ اور شروع سے اخیر تک ایک ہی بلند ہمتی سے توحید کا وعظ کرتے رہے یہانتک کہ جزیرہ نماے عرب کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک لا الہ الا اللہ محمد الرسول اللہ کی آواز گونج اٹھی۔ کیا یہ اولوالعزم انسان ڈر سکتا تھا کہ مین تعدد ازدواج کے دور کرنیمین کامیاب نہین ہو سکونگا۔ کونسی اصلاح ہے جو آپنے کرنی چاہی اور جسکی اسوجہ سے تکمیل نہین ہوئی کہ لوگون نے آپ کا مقابلہ کیا۔ اگر کوئی بدی ایسی تھی جسکا دور کرنا بمقابلہ دوسری بدیونکے زیادہ مشکل تھا تو یہ بت پرستی تھی مگر آپنے ایک لمحہ کیلیے بھی ان مشکلات کا خیال نہین کیا جو آپ کو پیش آنیوالی تھین۔ کوئی مقابلہ اور کوئی مشکل آپ کو کسی کام سے نہین روک سکی۔ کیا تعدد ازدواج کی اصلاح کرنا بت پرستی کی اصلاح سے بھی زیادہ مشکل کام تھا۔ یا خونخوار اور خاندانی دشمنون مین وحدت پیدا کرنیسے زیادہ دشوار تھا۔ یا دختر کشی قمار بازی اور شراب خوری کے بالمقابل بھی اسکی کچھ حقیقت تھی۔ غور کا مقام ہے کہ تعدد ازدواج مین اصلاح کرنا اس عظیم الشان انسان کے لیے مشکل کام بتایا جاتا ہے۔ جس نے چند ہی سال کے عرصہ مین ایک وحشی قوم کو تہذیب کے معراج پر پہونچا دیا۔

دوسری راے مندرجہ بالا بیان سے یہ ظاہر ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے تعدد ازدواج کو بدی نہین سمجھا اور اگر وہ اسکو برا سمجھتے تو اسی طرح اسکو دور کر سکتے تھے جیسے اور ہزارون بدیون کو دور کیا۔ نہ ہی یہ کہنا درست ہے کہ آپنے اس مسئلہ پر غور نہین کیا کیونکہ یہ ثابت ہے کہ اس وقت کے مروج رسم مین آپنے بہت سی اصلاحین کین جس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ آپنے اسپر غور کیا اور ضرورت سمجھکر

اسکی اجازت دی اور ساتھ ہی اسکی بد استعمالی کو جہانتک ممکن تھا روکا۔ اب ہم دوسرے اعتراض پر بحث کرتے ہین جسکا یہ منشاء ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا علم نعوذ باللہ ایسا ناقص تھا کہ آپ تعدد ازدواج کی برائیوں پر مطلع نہ ہو سکے۔ مفصل بحث اس مضمون پر تیسرے حصہ مضمون مین ہوگی جہان تعدد ازدواج پر اعتراضوں کا جواب دیا جاویگا۔ اس حصہ مین ہم یہ ثابت کرکے دکھادینگے کہ تعدد ازدواج کی برائیان اصل مین کوئی وجود نہین رکھتین بلکہ انکا وجود صرف ان لوگونکے خیال تک ہی محدود ہے جنکے خون مین اسکی مخالفت رچی ہوئی ہے اور یا ان لوگونکے جو اندھا دھند انکی پیروی کر رہے ہین اور یون بلا وجہ ایک مقدس اور پاکیزہ رواج سے بیزار ہو رہے ہین یہان دو اور پہلوؤنکے لحاظ سے ہم مختصراً کچھ بیان کرینگے۔

حیوانی جذبات کے محرکات اور اسلام مین ان کا علاج

تعدد ازدواج کے خلاف سب سے بڑا اعتراض یہ ہے کہ اس سے حیوانی جذبات کو تحریک ہوتی اور شہوانی خیالات بڑھتے ہین یہان اس اعتراض کا جواب دینا ہمارا مقصود نہین بلکہ صرف یہ دیکھنا ہے کہ آیا یہ ممکن تھا کہ اگر واقعی تعدد ازدواج کا ایسا برا اثر ہوتا تو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اس سے بے خبر رہ سکتے تھے اس مین کسی کو شک نہین ہو سکتا کہ جہان مختلف مذاہب مین نجات کے لیے مختلف حیلے تجویز کیے گئے ہین۔ اسلام مین نجات کو صرف پاکیزہ زندگی سے وابستہ کیا گیا ہے۔ جیسا کہ آیت قرآنی قد افلح من زکھا اسپر شاہد ہے۔ اسلام نے اس قسم کے باطل خیالونکو ایک لحہ کیلیے بھی قبول نہین کیا۔ کہ ایک شخص گناہون مین غرق ہو کر کسی کے خون کے کفارہ سے بھی نجات پا سکتا ہے پس چونکہ مذہب اسلام کی بنیاد جیسا کہ اسکے نام سے ظاہر ہے (جسکا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالے کی رضا پر چلنا اور ہر ایک نفسانی خواہش کو ترک کرنا) نفس کی حقیقی پاکیزگی پر رکھی گئی ہے اور اسکے سوائے کوئی ذریعہ نجات کا تجویز نہین کیا گیا۔ اسلیے اس پاکیزہ مذہب کے لیے یہ ضروری تھا کہ وہ تمام تجاویز پیش کرتا جو حیوانی جذبات اور نفسانی خواہشات کو دبانے والی ہو سکتی ہین۔ چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا اور ہر ایک سوراخ جسکے ذریعہ بدخواہش انسان کے دل کے اندر گھس سکتی تھی بند کیا۔ یہی وجہ ہے کہ کسی اور مذہب نے عملی طور پر اتنے طریق حقیقی پاکیزگی کے حاصل کرنے اور بدخواہشات سے بچنے کے نہین بتائے جسقدر اسلام نے بتائے ہین۔ یہ دعوے بلا دلیل نہین لیکن اسپر مفصل بحث اس مختصر مضمون مین نہین ہو سکتی اسپر روشنی ڈالنے کیلیے ہم دو محرکات جذبات حیوانی کو لیکر دکھائینگے کہ کس طرح اسلام نے حیوانی جذبات کو دور کرنیکے لیے انسانی فطرت کے مختلف شعبوں پر غور کیا ہے یہ دو محرکات نظر بجز ری

اور مردون اور عورتونکا کھلا میل جول ہین خصوصاً کھیل تماشون اور عیش و عشرت کے موقع پر جب حیوانی جذبات خود ہی تحریک مین ہوتے ہین امراول تو ایک ایسی بدیہی بات ہے کہ کوئی عقلمند آدمی آج اس بات سے انکار نہین کرسکتا کہ شرابخوری نسل انسانی کی سخت ترین دشمن اور جذبات حیوانی کی خطرناک محرک ہے سوائے اسلام کے وہ کون مذہب ہے جس نے اس بدی کو جسکے دور کرنیکے لیے آج تمام انسانی کوششین ناکام ثابت ہورہی ہین ایک ہی لفظ سے نابود کردیا اور ان لوگونکو جنکی گھٹی مین شراب پڑی ہوئی تھی ایک دم مین شراب سے ایسا متنفر کردیا کہ ہمیشہ کیلیے وہ اسکے سخت ترین دشمن ہوگئے۔ ایک ہی لفظ پر کہ اسلام مین شراب منع ہے کیونکہ وہ انسان کی دشمن ہے شراب کے مٹکے اور پیالے اس طرح پر توڑ ڈالے گئے جیسے کسی چیز سے سخت نفرت پیدا ہوجاتی ہے۔ کیا کوئی انسانی کوشش آج تک یہ کام کرسکی ہے اور باوجود اسکے اس انسان اور اسکے ان رفیقون کو نفسانی جذبات کے پیرو کہا جاتا ہے۔ اور یہ کہا جاتا ہے کہ چونکہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم مین یہ طاقت نہ تھی کہ اپنے صحابہ کے نفسانی جذبات کو روک سکتے اسلیے تعدد ازدواج کو جایز رکھا گیا۔ اس سے بڑھکر دنیا مین کونسا ظلم ہوسکتا ہے۔ کوئی انصاف سے اس بات کا جواب ہمین دے کہ تعدد ازدواج کا روکنا زیادہ مشکل امر تھا یا شرابخوری کا۔ اور جواب دینے سے پہلے اس بات پر بھی غور کرلے کہ تعدد ازدواج کی ممانعت سے یورپ مین کیسی خطرناک زناکاری پھیلی ہے! اور یہ بھی سوچ لے کہ شراب کی ممانعت انسان کو کس حقیقی پاکیزگی کی طرف لیجاتی ہے۔ جن لوگونمین تعدد ازدواج کے مسئلہ کو صحیح تسلیم کیا گیا ہے انمین دس فیصدی سے زیادہ لوگ اسپر عمل کرنیوالے نہین پائے جائینگے۔ یہ نسبت مارمنونکی ہے۔ جنکے درمیان تعدد ازدواج صرف جایز ہی نہین بلکہ ضروری اور فرض کی طرح ہے۔ مگر ان لوگونکے درمیان جنکے اندر اسلام کی طرح تعدد ازدواج صرف ضرورت کیلیے جایز رکھا گیا ہے۔ تعدد ازدواج پر عمل کرنیوالونکی نسبت بہت ہی کم ہوتی ہے۔ پس تعدد ازدواج کو روکنا کوئی مشکل امر نہین اور ہر ایک گورنمنٹ آسانی سے تعدد ازدواج سے لوگونکو روک سکتی ہے لیکن کوئی انسانی گورنمنٹ کوئی واعظ کوئی لیکچرار شرابخوری کے دور کرنے مین کامیاب نہین ہوسکا۔ ساری دنیا کی تاریخ کی ورق گردانی کرلو۔ صرف ایک ہی مثال ملے گی۔ جہان اس بدی کو جڑ سے کاٹا گیا ہے اور وہ ہے اسلام کا مقدس مذہب جو صرف لفظونسے خوش نہین ہوتا بلکہ انسان سے حقیقی پاکیزگی چاہتا ہے دوسری بڑی بھاری روک جو اسلام نے حیوانی جذبات کو دبانے کیلئے تجویز کی ہے۔ وہ مردون اور عورتونکے کھلے میل جول کو بند کرنا ہے جسکو دوسرے لفظونمین پردہ کہا جاتا ہے۔ اب چاہو تو پردہ کو غلطی کہہ لو مگر اتنا تسلیم کرنا پڑیگا کہ یہ غلطی بھی حقیقی پاکیزگی کی

طرف لیجانیوالی ہے اور حیوانی جذبات کو روکنے والی ہے۔ پھر ایک یہ بھی اعتراض کیا جاتا ہے کہ پردہ سے عدم اعتبار ثابت ہوتا ہے ہم مانتے ہیں مگر عدم اعتبار کس امر کا ہے۔ عام انسانوں کے حیوانی جذبات اور نفسانی جوشوں پر عدم اعتبار ہے۔ اور اس عدم اعتبار پر سوائے اس شخص کے کوئی اعتراض نہیں کریگا۔ جو فطرت انسانی سے ناواقف ہے۔ پردہ جو کچھ ہے مگر یہ بات تو یقینی ہے کہ حقیقی پاکیزگی تک پہونچنے کیلیے پردہ کا حکم دیا گیا ہے اور پردہ کا اثر عورتوں کی تعلیم اور ترقی پر جو کچھ ہو سو ہو پر اس بات سے انکار نہیں ہو سکتا کہ نفسانی جذبات اور حیوانی خواہشات کو روکنے کیلیے پردہ ہی ایک علاج اور پردہ ہی ایک راہ ہے پس بہرحال یہ تو ثابت ہے کہ اسلام نے اسقدر کوشش انسانوں کو پاکیزگی تک پہونچانے کے لیے کی ہے جو کسی دوسرے مذہب نے نہیں کی اور ہر پہلو سے اصلاح کا ارادہ کیا ہے ایک شخص جسکے نزدیک اس حقیقی پاکیزگی کی کچھ قدر و قیمت نہیں یہ الزام اگر اسلام پر دے کہ پاکیزگی کو پیدا کرنے کیلیے اسلام بہت دور چلا گیا ہے تو اسکا الزام بجا ہے کیونکہ وہ حیوانی جذبات سے الگ نہیں ہوا اور معذور ہے۔ علاوہ ازین پردہ کے مضمون مین مفصل بحث کر کے ہمنے یہ ثابت کر دیا ہے کہ پردہ کا حکم انسانی فطرت کے گہرے مطالعہ پر مبنی ہے اور مردوں اور عورتوں کے کھلے میل جول سے کبھی دل کی وہ پاکیزگی حاصل نہیں ہو سکتی جو اسلام کا اصل مقصد اور منشا ہے۔ پس جس مذہب کی نگاہ ایسی باریک ہے اور جس نے جذبات کے روکنے کیلیے جسقدر ممکن اصلاحین تھین کین اسکی نسبت یہ کہنا کہ وہ تعدد ازواج کی فرضی برائیوں پر مطلع نہیں ہو سکا محض حماقت ہے حقیقی پاکیزگی تک پہنچنے کیلیے اسلام نے جسقدر راہین تجویز کی ہین وہ عین صواب ہین۔ حق بات یہ ہے کہ اگر اسلام تعدد ازواج کو روکتا تو جیسا کہ اس مضمون کے پہلے حصہ مین دکھایا جا چکا ہے وہ حقیقی پاکیزگی تک پہنچنے کی ایک ضروری راہ کو بند کرنیوالا ہوتا۔ کیونکہ جس صورتمین خاص حالات کے ماتحت تعدد ازواج ایک انسانی ضرورت ہو جاتی ہے تو اسکی ممانعت کا نتیجہ سوائے کثرت زناکاری کے اور کیا ہو سکتا ہے اور اسکی شہادت ان عیسائی ممالک سے ملتی ہے جہان تعدد ازواج کی ممانعت کیگئی ہے چنانچہ کئی دفعہ عیسائیوں کی شہادت ان صفحات مین ہم نقل کر چکے ہین اور اس موقعہ پر کلیسیا کے ایک عظیم الشان عہدیدار کی شہادت اور نقل کرتے ہین پادری اسک ٹیلر نے کلیسیا کے ایک مجمع مین لیکچر دیتے وقت کہا "تعدد ازواج کی وجہ سے اسلامی بلاد پیشہ ور زانیہ عورتوں سے پاک ہین اور یہ واقعہ عیسائی مذہب کے لیے بہت بڑھکر شرم کا موجب ہے بہ نسبت اسکے جو تعدد ازواج اسلام کے لیئے ہے مسلمانوں کے درمیان تعدد ازواج کا رواج جو مقید بہ شرائط ہے عورتوں کے لیے نہایت ہی کم باعث ذلت اور مردوں کے لیے نہایت ہی کم باعث نقصان ہے اس زناکاری کی حالت سے جس مین ایک

عورت کئی کئی خاوند رکھتی ہے۔ (یعنی خاوند کے علاوہ آشنا رکھتی ہے) جو عیسائی بلاد کیلیے باعث لعنت ہے
اور جس سے اسلام بالکل پاک ہے۔ وہ انگریز جو کئی کئی ایک ایک عورت سے زنا کرتے ہین یہ حق نہین رکھتے کہ
ان مسلمانون پر جو تعدد ازدواج کے پابند ہین کوئی الزام لگاوین ہمین چاہیے کہ اپنے بھائی کی آنکھ کے تل کو
کچھ نہ کہین جبتک کہ پہلے اپنی آنکھ کا شہتیر نہ نکال لین"۔ ہم بڑی خوشی سے اس بات کو تسلیم کرینگے کہ اسلام
ناقص تہذیب کے سبب سے تعدد ازدواج کے نقصون پر آگاہ نہین ہوسکا۔ اگر یہ ثابت کردیا جاوے کہ اس ترقی
تہذیب کے زمانے مین تعدد ازدواج کی ممانعت زناکاری کو زیادہ نہین بلکہ کم کرنیوالی ہے۔ لیکن واقعات پر
غور کرنیسے نتیجہ اس سے برعکس پیدا ہوتا ہے جو تعدد ازدواج کے دشمن فرض کررہے ہین۔

عورتون کے حقوق

دوسرا بڑا اعتراض تعدد ازدواج کے خلاف یہ ہے کہ اسمین عورت کی حق تلفی ہے
اس اعتراض کا بھی اس جگہ ہم جواب نہین دینا چاہتے بلکہ اس پہلو سے اسپر غور
کرینگے کہ آیا اسلام کا عام میلان عورت کی حالت کے متعلق کیا تھا یعنی اسلام کے اصول عورت کو اسکے حقوق
دینے اور اسکی حالت کی اصلاح کرنیوالے تھے یا اسکی حق تلفی کرنیوالے کیونکہ تمام اصول کا منشا انجام کار
ایک ہی ہونا چاہیے یہ ایک مسلم امر ہے کہ اسلام سے پہلے عورت سخت ذلت کیحالت مین تھی۔ وہ انسانی...
سوسائیٹی کا ایک ممبر نہ سمجھی جاتی تھی بلکہ جایداد اور مال کی طرح ایک چیز سمجھی جاتی تھی چنانچہ کسی شخص کے مرنیکے
بعد اسکی بیویان اسکے بیٹے کے ورثہ مین آتی تھین اور یون ایک ناپاک رسم کی بنیاد پڑ گئی تھی جسے قرآن
شریف نے حرمت علیکم امہاتکم کہکر دور کیا۔ لیکن اسلام کے ساتھ ہی ایک حیرت انگیز تبدیلی عورت کی
حالت مین نظر آتی ہے دختر کشی کی رسم جڑ سے اکھاڑ ڈالی گئی اور عورت کا ورثاے متوفی کے قبضہ مین آنا
موقوف ہوا۔ جنسیت کے فرق کو اس طرح دور کیا گیا کہ نیک اعمال سے عورت وہی مقام حاصل کرسکتی ہے
جو مرد کرسکتا ہے۔ لیکن اس سے بھی بڑھکر اسلام نے عورت کیحالت مین یہ اصلاح کی کہ یا تو وہ مال اور جایداد کی
طرح خود ورثہ مین جاتی تھی اور یا اب مردوارثون کی طرح اور انکے ساتھ وہ بھی وارث ٹھہرائی گئی اور اسکو تمام وہ
اختیارات جایداد کے متعلق دیے گئے جو مردونکو حاصل تھے۔ غرضیکہ اسلام نے عورت کو وہ حقوق دیئے
ہین جو اسوقت کے اعلے درجہ کی تہذیب کے نیچے بھی اسکو نہین ملے۔ بچے کا بوجھ اٹھانے اور جننے اور پالنے
کی جسقدر تکالیف عورت کو برداشت کرنی پڑتی ہین انکی وہ قدر کیگئی ہے جو اور کسی نے نہین کی چنانچہ
ایک حدیث مین آیا ہے ان للحامل منکن اجر الصایم القایم فاذا ضربھا الطلق لم یدر
احد مالھا من الاجر فاذا ارضعت کان لھا بکل مصۃ اجر احیاء نفس یعنی
حاملہ عورت کیلیے وہ اجر ہے جو اس آدمی کیلیے ہے جو دن کو روزہ رکھتا اور رات کو عبادت مین کھڑا ہوتا ہے

پھر جب عورت کو درد زہ لگتی ہے تو کوئی نہیں جانتا کہ اسکا اجر کتنا بڑا ہے پھر جب وہ بچہ کو دودھ پلاتی ہے تو ہر ایک گھونٹ کے عوض جو بچہ چوستا ہے اسکے لیے ایسا اجر ہوتا ہے جیسے ایک نفس کو زندہ کرنیکا کیا ان سب امور سے یہ صاف طور پر معلوم نہیں ہوتا کہ اسلام نے عورت کی اصل جگہ اور اسکی اصل قدر و منزلت کو پورے طور پر پہچانا ہے۔ ایکطرف یہ عورت کو اسکے سارے حقوق دیتا ہے اور یوں سوسائٹی مین اسے اسکی اصلی جگہ دیتا ہے اور دوسریطرف گھر کے اندر اسکے حقوق کی پوری نگہداشت کرتا ہے اور یہ امر واقع ہے کہ ایک خاوند کی دو عورتین ہونیسے کسی طرح انکی حق تلفی نہیں ہوتی بلکہ انکے حقوق وہی رہتے ہین جو ایک بیوی کے ہوتے ہین۔ دوسری عورت ہونیسے اسکی کوی کم قدری نہیں ہوتی بلکہ اگر غور کیا جاوے تو تعدد ازدواج کی اجازت عورت کے قدر کو بڑھانیوالی ہے وہ لاکھون عورتین جو مہذب ممالک مین اوٹ کاسٹ (مردود) کے نام سے مشہور ہین تعدد ازدواج سے نیک بیبیان اور قابل قدر مائین بن سکتی ہین پس وہ طریق جس سے لاکھون عورتونکے حالات کی اصلاح ہو سکتی ہے۔ اسپر تو یہ الزام لگایا جاتا ہے کہ اسمین عورت کی حق تلفی اور کم قدری ہے اور ان ہزار ہا زانیہ عورتون کے وجود کو جنکے سبب سے ایک بڑا حصہ نسل انسانی کا چارپایونکی حالت سے بھی نیچے گرا ہوا ہے انسانی سوسائٹی کی بہتری کا موجب سمجھا جاتا ہے۔ مگر اسلام عورتونکو اس وحشیانہ حالت مین ناپاک زندگیان بسر کرنیسے روکتا ہے اور جس طرح سے ہو انکو انسانی دایرہ کے اندر لاتا ہے خواہ یہ غرض تعدد ازدواج کی مدد سے حاصل ہو اور خواہ بغیر اسکے۔

قرآن شریف نے تعدد ازدواج کی بنا کیا رکھی ہے

اس مختصر بحث کے بعد اب ہم اصل سوال کیطرف آتے ہین یعنی قرآن کریم نے تعدد ازدواج کی اجازت کس بنا پر دی ہے اس سوال کے جواب کے لیے ضروری ہے کہ اس آیت پر غور کیا جاوے جس مین یہ اجازت دیگئی ہے یہ آیت سورہ النساء کی تیسری آیت ہے اور سورہ شریف ان الفاظ سے شروع ہوتی ہے

یاایھا الناس اتقوا ربکم الذی خلقکم من نفس واحدۃ وخلق منھا زوجھا وبث منھما رجالا کثیرا ونساء واتقوا اللہ الذی تساءلون بہ والارحام ان اللہ کان علیکم رقیبا (النساء) اے لوگو تقوے اختیار کرو اپنے پروردگار کا جس نے تمھین ایک نفس سے پیدا کیا اور اسی سے اسکی بی بی کو پیدا کیا اور پھر ان دو (میان بی بی) سے بہت سے مرد و عورت پھیلا دیے۔ اور تقوے اختیار کرو اس خدا کا جسکے نام سے تم سوال کرتے ہو اور رحمونکا (پاس ملحوظ رکھو) بیشک اللہ تعالے تمپر نگہبان ہے۔“ سورہ شریف کو اس آیت سے شروع کرنیمین قرآن کریم

کی ایک خاص غرض معلوم ہوتی ہے! اس آیت مین دو دفعہ تقوے اللہ کی تاکید کی گئی ہے یعنی ایک تو ابتدا مین اور پھر درمیان مین اسی نصیحت کا اعادہ کیا ہے اور اخیر پر فرمایا کہ اللہ تمپر نگہبان ہے یعنی تمہارے پوشیدہ کامون سے اور تمہارے دل کی باتون سے بھی وہ واقف ہے پس تم ایسے کام نہ کرو کہ لوگونکی نظرونمین تو اچھے رہو اور اللہ تعالے کے نزدیک تمہارا دل پاک نہو۔ نیز اس آیت مین یہ بیان فرمایا ہے کہ میان بی بی کا تعلق اللہ تعالے نے اسلیے کیا ہے کہ تا ان دونو سے نسل انسانی کا سلسلہ زمین پر بڑھے غور کرنیسے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالے نے تعدد ازدواج کی علت غائی کو ان الفاظ مین بیان فرمایا ہے پس اس حکم کی بنیاد دوسرے تمام احکام کی طرح تقوے ہی ہے اور تعدد ازدواج کی اجازت تقوے کی غرض سے ہی دیگئی ہے انسان کی زندگی کا بڑا مقصد اللہ تعالے سے تعلق پیدا کرنا ہے اور یہ پاک تعلق حاصل نہین ہو سکتا جبتک انسان اس اعلے درجہ کی پاکیزگی کے مقام پر نہ پہنچ جائے جہان کوئی بدخیال اسکے دل کیطرف راہ نہ پاسکے اسی مقام کے حصول کے لیے یہ اجازت دیگئی ہے کہ انسان دو تین یا چار بیویان حسب ضرورت کرے مگر تمام بدخیالات اور نفسانی شہوات سے اپنے دل کو پاک رکھے۔

نکاح کی اصل غرض تقوے ہے

قرآن شریف کی اور بہت آیات سے یہی نتیجہ پیدا ہوتا ہے کہ بڑی غرض نکاح کی اسلام مین تقوے ہے چنانچہ سورہ نور مین اللہ تعالے فرماتا ہے ولیستعفف الذین لا یجدون نکاحا حتیٰ یغنیہم اللہ من فضلہ (النور-۳۳) اور جو لوگ نکاح کرنیکا مقدور نہین رکھتے انکو چاہئے کہ (اور ذرائع سے) عفت طلب کرین یہانتک کہ اللہ تعالے اپنے فضل سے انکو غنی کردے۔ اس آیت کے معنونکی تشریح ایک حدیث شریف سے ہوتی ہے۔ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا معشر الشباب من استطاع منکم الباءۃ فلیتزوج فانہ اغض للبصر و احصن للفرج و من لم یستطع فعلیہ بالصوم فان الصوم لہ وجاء اما الذی لا تتوق نفسہ الی النکاح فان کان ذلک لعلۃ بہ من کبر او مرض او عجز یکرہ لہ ان ینکح لانہ یلتزم ما لا یمکن القیام بحقہ۔ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے جوانونکے گروہ جو شخص تم مین سے نکاح کی طاقت رکھتا ہے اُسے چاہئے کہ نکاح کرے کیونکہ نکاح انسان کی نگاہ کو بہت نیچے رکھنے والا اور اسکی شرمگاہ کو بہت محفوظ رکھنے والا ہے اور جس شخص کے پاس نکاح کے ذرائع نہ ہون تو اسکو چاہئے کہ روزے رکھے کیونکہ روزے اسکے قواے شہوانی کو دبانے والے ہونگے۔ اور وہ شخص جسکا نفس نکاح کی

طرف مائل نہین ہوتا اور یہ کسی سبب کیوجہ سے ہو مثلاً بڑھاپے کے سبب سے یا بیماری کے سبب سے یا کمزوری کے سبب سے تو اسکے لیے نکاح کرنا اچھا نہین کیونکہ اگر وہ نکاح کرے گا تو اپنے ذمے ایک ایسی چیز ڈال لیگا۔ جسکے حقوق وہ ادا نہین کر سکتا۔ اب اس آیت اور حدیث سے یہ صاف معلوم ہوتا ہے کہ اسلام مین نکاح کی بھاری اور اصلی غرض خواہ ایک بیوی سے ہو یا ایک سے زیادہ کے ساتھ تقوے اور پرہیزگاری کا قایم رکھنا اور شہوانی خیالات اور حیوانی جذبات سے بچنا ہے مثلاً قرآن کریم کا یہ حکم ہے کہ کوئی مرد غیر عورت کیطرف نظر اٹھا کر نہ دیکھے کیونکہ اس سے آخر کار بدی پیدا ہونیکا اندیشہ ہے اور مذہب اسلام انسان سے ایسی عفت چاہتا ہے کہ شہوانی خیالات کو مطلقاً انکے دلونکی طرف راہ نہ ملے۔ پاکیزگی کے اس اعلےٰ مرتبہ کے حاصل کرنیکے لیے ضروری ہو کہ مختلف حالات کے ماتحت مختلف انسانون کو مختلف ذرایع میسر آسکین۔ مثلاً عام انسانون کیلیے تو صرف یہی نصیحت ہے کہ وہ نکاح کرلین پھر جو لوگ قوے تو پورے رکھتے ہین۔ مگر نکاح کی استطاعت نہین رکھتے انکو حکم دیتا ہے کہ وہ روزے رکھین اور جو لوگ بوڑھے ہو چکے ہین یا قدرتی طور پر یا بیماری سے انکے قوے قایم نہین انکو نکاح سے منع کیا گیا ہے۔ ساتھ ہی ایک ایسی جماعت ہے جسکو تعدد ازواج کی اجازت دیگئی ہے۔ یعنی انکے لیے ایک بیوی کو ناکافی سمجھکر ایک سے زیادہ نکاح کرنیکی اجازت ہے۔ اب اس تقسیم سے جو اسلام نے کی ہے۔ صاف ظاہر ہے کہ اس اخیری جماعت مین وہ لوگ شامل ہین جنکے قوے جیسا کہ مضمون کے پہلے حصہ مین ثابت کیا جاچکا ہے۔ ایک ہی عورت پر جسکے ساتھ طرح طرح کے قدرتی عوارض لگے ہوئے ہین۔ صبر نہین کرسکتے کیونکہ جیسا کہ اللہ تعالےٰ کی مخلوق مین وہ انسان موجود ہین جنکو ایسے قوے سے محروم کیا گیا ہے اور جنکو مذہب اسلام نے نکاح کرنیسے منع کیا ہے ایسا ہی دوسری طرف قوی الشہوت لوگ بھی موجود ہین جنکے لیے ایک عورت کافی نہین اور اسلیے ضروری تھا کہ انسان کو ایک سے زیادہ نکاح کرنیکی اجازت دیجاتی۔ کیونکہ مذہب نے انسانی ضروریات کے پورا کرنیکا راہ بتانا ہے نہ یہ کہ ان ضروریات کا گلا گھونٹ کر یہ کہا جاوے کہ خواہ ضرورت ہو یا نہ ضرورت ہو اس سے آگے کوئی راہ کھلی نہین جسکا نتیجہ آخر یہ ہوگا کہ وہ لوگ جایز طریقون سے روکے جاکر ناجایز طریقون کی طرف رجوع کرینگے قرآن کریم یہ چاہتا ہے کہ ہر ایک انسان ایسا پاک نفس ہو کہ اسکے دل مین کبھی یہ خیال بھی پیدا نہ ہو کہ غیر عورتون کی طرف محض انکی خوبصورتی کیوجہ سے انکو دیکھے کیونکہ جو خوشی انسان کو اس طرح سے حاصل ہوتی ہے وہ دراصل ایک گندی اور شہوانی خوشی ہے خواہ مہذب سوسائیٹی مین کوئی نام اسکا تجویز کرلیا جاوے پس اس قسم کے تمام ناپاک خیالات کی جڑ کاٹنے کیلیے یہ امر ضروری تھا کہ تعدد ازواج کی اجازت دیجاتی۔

ہان اگر اس اعلے درجہ کی پاکیزگی کی کچھ پروا نہ کیجاوے، تو بیشک تعدد ازدواج کا دروازہ بند ہوسکتا ہے اور ان دو دروازون مین سے ایک کا کھلا رہنا ضروری ہے یعنی تعدد ازدواج کا دروازہ یا بدکاری کا دروازہ۔
یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ اسلام انسان کو صرف زنا سے ہی منع نہین کرتا۔ بلکہ اسقدر کو بھی کافی نہین سمجھتا کہ شہوانی خیالات سے غیر عورتونکی طرف نہ دیکھے اور یہ چاہتا ہے کہ بلا کسی ضرورت کے انسان قطعاً غیر عورت کی طرف نظر اٹھا کر دیکھے اور وہ راستہ اختیار کرے جو سوسائیٹی کے لیے اول درجہ کا مامون اور دل کی پاکیزگی کے لیے اول درجہ کا محافظ ہے پھر دوسری بات یہ ہے کہ اسلام ایک عملی مذہب ہے اور وہ یہ نہین چاہتا کہ سب لوگ راہبانہ زندگی اختیار کرلین یا فطرت پر جبر کرین اور انپر کوئی ایسا بوجھ نہین ڈالتا جسکی وہ برداشت نہ کرسکتے ہون بلکہ ایک ایسی راہ بتاتا ہے جسپر دنیا کے کاروبار کرنیوالے انسان آسانی سے چل سکتے ہین۔ مذہب اسلام کو یہ ایسی فوقیت حاصل ہے کہ تمام دوسرے مذاہب اس سے خالی ہین یعنی ایک طرف تو یہ مذہب اعلے درجہ کی حقیقی پاکیزگی پر پہونچنے کی تعلیم دیتا ہے اور دوسری طرف ایسے عملی طریق بتاتا ہے جن پر چلکر انسان اس حقیقی پاکیزگی کو پاسکتا ہے۔ بدیونسے بچنے کا اسکا عام اصول دوسرے مذاہب پر ایک فوقیت رکھتا ہے۔ چنانچہ ایک حدیث شریف مین آیا ہے۔
من حام حول الحمی یوشك ان یقع فیہ۔ یعنی جو شخص محرمات الٰہی کے گرد پھرتا ہے قریب ہے کہ وہ انکے بیچ پڑجاوے۔ پس اسلام صرف یہی نہین کہتا کہ تم فلان فعل بد مت کرو بلکہ اس فعل بد کے قریب آنے سے بھی روکتا ہے اور ان تمام راہونکو بند کرتا ہے جن پر چلکر انسان کی بدکاری کا مرتکب ہونیکا اندیشہ ہو۔ گویا جیسا کہ ہم پہلے بھی کہہ چکے ہین بدی کو اس جگہ روکتا ہے جو روکنے کی جگہ ہے یعنی اسکے منبع پر کیونکہ اگر بدی کو اسکے پھوٹ نکلنے کی جگہ پر نہ روکا جاوے گا تو وہ پھر کمزور اور غیر محسوس سا خیال آہستہ آہستہ بڑا ہوتا ہوتا جذبات کا وہ تند و تیز سیلاب ہوجاویگا جسکا روکنا نہایت ہی مشکل ہوجاویگا چنانچہ زنا کے متعلق قرآن کریم یہ فرماتا ہے کہ لا تقربوا الزنا۔ یعنی زنا کے قریب بھی نہ جاؤ۔ پس اسلام نہ صرف زناکاری سے روکتا ہے بلکہ ان تمام افعال سے بھی روکتا ہے جنکا نتیجہ یہ فعل بد ہو۔ یہ ایک ایسا پختہ اور مضبوط اصول بدکاری سے بچنے کا ہے کہ اسلام کے اندھے دشمنونکے سوا خواہ وہ مسلمان کہلاوین۔ یا غیر مسلمان کوئی منصف اس سے انکار نہین کرسکتا۔ اور جبتک زنا اور اسکی تمہیدات کو ایسی نفرت کی نگاہ سے دیکھا جاوے تب تک تعدد ازدواج کا دروازہ بند نہین ہوسکتا۔ جو شخص خدا کی ہستی کو مانتا ہے وہ غور کرے کہ آیا وہ اعلے درجہ کی حقیقی پاکیزگی جسکی تعلیم اسلام دیتا ہے۔ اللہ تعالے سے سچا تعلق پیدا کرنیکے لیے ضروری نہین اور جو شخص ہستی باریتعالے کا منکر ہے وہ بھی سوچے کہ آیا انسانی ترقی اس پاکیزگی سے وابستہ نہین؟

سلسلہ النسل انسانی کے بقا کی ضرورت

اب مذکورہ بالا بیان سے یہ تو ثابت ہوگیا کہ اسلامی شریعت نے تقوے اور پاکیزگی کیلیے تعدد ازدواج کو جایز رکھا ہے ان دلایل کے علاوہ جو اوپر دیگئی ہین یہ امر قرآن کریم کے پڑھنے والے پر پوشیدہ نہین کہ قرآن کریم کس طرح بار بار تقوے پر زور دیتا ہے اور ظاہر ہے کہ تقوے کا حصول محض ایک خیالی امر ہی رہتا جبتک تعدد ازدواج کی اجازت نہ دیجاتی - اگر قرآن کریم کا منشا رانا جیل کی طرح یہ ہوتا کہ چند دل خوش کن فقرونسے لوگونکو خوش کرے - جیسے مثلاً ایک گال پر طمانچہ کھاکر دوسری بھیر دینا جسپر عمل کرنیوالا کوئی عیسائی دنیا مین آج تک پیدا نہین ہوا - تو ایک آسان امر تھا کہ تعدد ازدواج کے دروازے کو بند کر دیا جاتا مگر مذہب اسلام کی غرض انسان کو واقعی ایک اعلے مقام پر پہنچانا تھا اور اس لیے جہان ایکطرف اس مقدس مذہب مین یہ زور دیا گیا کہ تم تقوے اختیار کرو اور نفسانی خیالات اور حیوانی جذبات کو مغلوب کرو اور ہر ایک قسم کی بدخواہش یا بدنظری سے اپنے آپ کو پاک رکھو دوسری طرف یہ امر بھی ملحوظ رکھ لیا گیا کہ فطرت انسانی کے تقاضے کیا کیا ہین اور وہ کس طرح سے احسن طریق سے پورے ہوسکتے ہین اسلیے جہان ہر ایک بدی کو جڑ سے کاٹ گیا - تعدد ازدواج کو قطعاً منع نہین کیا گیا اور جیسا کہ سورہ نسار کی اس آیت سے ظاہر ہے جو تعدد ازدواج کی اجازت سے ایک آیت پہلے مذکور ہے تقوے کی خاطر یہ اجازت دیگئی ہے ساتھ ہی اسکے اشارۃ النص کے طور پر قرآن کریم نے یہ بھی بیان فرمادیا ہے کہ چونکہ مرد اور عورت کا جوڑ نسل انسانی کے پھیلانے کا ذریعہ ہے پس اگر کبھی خاص حالات کے ماتحت ایک بیوی سے اولاد پیدا نہ ہو تو اور نکاح کرنیکی بھی اجازت ہے تا وہ غرض مفقود نہ ہوجاوے - جو نکاح کے ذریعہ سے حاصل ہوتی ہے اس آیت کے علاوہ قرآن شریف کے دیگر مقامات سے بھی سلسلہ اولاد کیلیے تعدد ازدواج کی اجازت اشارۃ النص کے طور پر معلوم ہوتی ہے - مثلاً قرآن کریم یہ دعا سکھاتا ہے - ربنا ھب لنا من ازواجنا و ذریتنا قرۃ اعین و اجعلنا للمتقین اماما (الفرقان - ۷۴) اے ہمارے پروردگار ہمکو ہماری بیبیونسے اور ہماری اولاد سے آنکھونکی ٹھنڈک عنایت فرما اور ہمکو پرہیزگارونکا پیشوا بنا - ایسا ہی حضرت ذکریا کی یہ دعا قرآن شریف مین بیان فرمائی گئی ہے - رب ھب لی من لدنک ذریۃ طیبۃ - اے میرے پروردگار مجھے اپنی جناب سے صالح اولاد عطا فرما - ان آیات سے جنمین اولاد صالح کے پیدا ہونیکی ترغیب دیگئی ہے صفائی سے ثابت ہوتا ہے کہ نیک اولاد کیلحاظ بھی قرآن شریف نے تعدد ازدواج کو جایز رکھا ہے اب جیسا کہ مضمون کے پہلے حصہ مین ہمنے دکھایا تھا - تقوے اور اولاد کا پیدا ہونا ہی تعدد ازدواج کی ضرورت کو ثابت کرنیوالی دو بڑی باتین ہین اور انکا ذکر قرآنشریف نے کھولکر کردیا ہے اور چونکہ مختلف واقعات جو انسانونکو تعدد ازدواج کی ضرورت کیلیے مختلف حالات کے نیچے پیش آتے ہین ان سب کا بیان کرنا ناممکن امر ہے

اِسلیے قرآن شریف نے اس اجازت تعدد ازدواج کو دو یا چار باتونکے ساتھ محدود نہین کیا کیونکہ اگر ایسا کیا جاتا تو اصلی غرض پھر مفقود ہوجاتی بلکہ خود ہر انسان کو یہ اختیار دیا ہے کہ وہ اپنی ضروریات کو دیکھکر اور تقوے اللہ کو مدنظر رکھکر تعدد ازدواج کی اجازت سے فایدہ اٹھا سکتا ہے۔

آیت کے معنے اب ہم اصل آیت کے معنو نپر غور کرتے ہین جس مین تعدد ازدواج کی اجازت دیگئی ہے وان خفتم الا تقسطوا فی الیتمٰی فانکحوا ما طاب لکم من النساء مثنٰی وثلٰث وربٰع فان خفتم الا تعدلوا فواحدۃ او ما ملکت ایمانکم ذٰلک ادنٰی الا تعولوا (النسآء - ۳) اور اگر تم کو اس بات کا اندیشہ ہو کہ یتیم لڑکیون کے بارے مین انصاف قایم نہ رکھ سکوگے۔ تو دوسری عورتون مین سے جو تم کو پسند ہون۔ دو دو تین تین چار چار عورتون سے نکاح کرلو لیکن اگر تمکو اس بات کا اندیشہ ہو کہ انصاف قایم نہ رکھ سکوگے تو ایک ہی بی بی پر کفایت کرو یا وہ چیز جسکے تمھارے دہنے ہاتھ مالک ہوئے۔ یہ تدبیر نامنصفانہ برتاؤ سے بچنے کے لیے انسب ہے اس آیت کے پہلے حصہ مین جو یتامٰی کا ذکر ہے اس سے مراد یتیم لڑکیان ہین جیسا کہ اس سورۃ کی ایک اگلی آیت سے ظاہر ہے۔ ویستفتونک فی النساء قل اللہ یفتیکم فیھن وما یتلٰی علیکم فی الکتٰب فی یتٰمی النساء الّٰتی لا تؤتونھن ما کتب لھن وترغبون ان تنکحوھن (النسآء - ۱۲۷) اور پوچھتے ہین تم سے یتیم عورتونکے ساتھ نکاح کرنیکے بارہ مین۔ کہدے اللہ تم کو انکے بارہ مین اجازت دیتا ہے اور پہلے قرآن مین جو حکم تمکو سنایا جا چکا ہے۔ سو وہ ان یتیم عورتونکے بارہ مین ہے جنکو تم ان کا حق جو انکے لیے ٹھہرایا گیا ہے نہین دیتے اور باوجود اسکے انکے ساتھ نکاح کرنے کی طرف راغب ہو۔ یہان جس پہلے حکم کا ذکر ہے کہ یتیم لڑکیونکے بارہ مین دیا گیا ہے وہ اسی آیت سورہ نساء کیطرف اشارہ ہے جس مین تعدد ازدواج کا بھی ذکر ہے ان آیات سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ لوگ ان یتیم لڑکیونکو جو انکے سپرد ہوتی تھین نکاح مین تو لے آتے تھے مگر چونکہ انکے کوئی رشتہ دار ایسے نہ ہوتے تھے جو انکے حقوق کا مطالبہ کرسکین اسلیے ان پر اکثر ظلم ہوتا تھا۔ ان آیات مین اور خصوصاً اول الذکر آیت مین اس بدی کی اصلاح مطلوب تھی کیونکہ جہان یتامٰی پر اور ظلم دور کیے گئے وہان اسکا دور کرنا بھی ضروری تھا اور جب یتیم لڑکیونکے ولی خود انسے نکاح کرتے تو اس قسم کے ظلم کا خطرہ باقی نہ تھا کیونکہ پھر دہی ولی خود انکے حقوق کے محافظ ہو جاتے۔

تعدد ازدواج کس وقت جایز ہے یہان اس بات کا بیان کردینا بھی ضروری ہے کہ تعدد ازدواج سے اگر کوئی خطرہ پیدا ہو سکتا ہے تو وہ یہی ہے کہ دوسری شادی

کرنیسے پہلی عورت کی حق تلفی نہ ہوجاوے اسکے علاوہ باقی تمام نقصانات محض خیالی ہین اور اس خطرہ کو قرآن شریف نے خود محسوس کیا ہے کیونکہ تعدد ازدواج کی اجازت کے ساتھ ہی پھر یہ لفظ بڑھا دیئے ہین فان خفتم الا تعدلوا فواحدۃ۔ لیکن اگر تم کو اس بات کا اندیشہ ہو کہ عدل نہ کرسکوگے تو پھر ایک ہی بی بی پر کفایت کرو۔ اب اس آیت مین دو باتون کا ذکر ہے یعنی ایک یتیم لڑکیونسے نکاح کرنیکا اور دوسرا ایک سے زیادہ بیبیان کرنیکا اور ان دونون باتونمین سے مسلمانونکو کسی سے قطعی طور پر روکا نہین گیا مگر ایسے الفاظ ضرور ہین کہ جنسے یہ معلوم ہوتا ہے کہ سوائے ضرورت کے ان دونون باتونسے بچنا چاہیئے کیونکہ دونون مین ناانصافی کا خطرہ ساتھ لگا ہوا ہے جو اللہ تعالے کے نزدیک بڑا گناہ ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انکی اجازت صرف ضرورت کی حالتونمین ہے کیونکہ سوائے ضرورت کے انسان کو ایسی بات مین پڑنا ہرگز جایز نہین جس مین گناہ کا اندیشہ ہو۔ ہان ضرورت کے وقت یا جب کسی اور گناہ مین پڑنیکا اندیشہ ہو ایسا فعل ضروری ہوجاتا ہے۔ اب قابل غور یہ امر ہے کہ ان دونون باتونکے متعلق ایک ہی قسم کے الفاظ استعمال کیے گئے ہین۔ وان خفتم الا تقسطوا یعنی اگر تمکو اندیشہ ہو کہ انصاف نہ کرسکوگے تو ان یتیم لڑکیونسے جو تمہاری زیر نگرانی ہین نکاح مت کرو بلکہ اور عورتونسے نکاح کرو۔ اور تعدد ازدواج کے متعلق بھی قریبًا قریبًا یہی لفظ ہین فان خفتم الا تعدلوا یعنی اگر تمکو یہ اندیشہ ہے کہ عدل نہ کرسکوگے تو ایک سے زیادہ بی بی مت کرو بلکہ ایک ہی پر کفایت کرو۔ ممانعت دونون صورتون مین نہین مگر سفارش یہی کی گئی ہے کہ حتے الوسع نہ یتیم لڑکیونسے نکاح کیا جاوے اور نہ ایک سے زیادہ بیبیان کیجاوین ہان ضرورت کے وقت دونون باتین جایز ہین کیونکہ فی نفسہ یہ امور گناہ نہین اگر ضرورت ہو اور ایک آدمی دیکھتا ہے کہ مین ایک یتیم لڑکی کو نکاح مین لاکر اسکے حقوق کو اسی طرح ادا کرونگا جیسے اور کسی عورت کے حقوق کو تو وہ اس سے نکاح کرسکتا ہے اور اگر ضرورت ہو اور ایک آدمی دیکھتا ہے کہ مین اس بات پر قادر ہون کہ پہلی عورت کے حقوق کو فراموش نہین کرونگا اور سب بیبیونمین عدل قایم رکھ سکونگا تو اسکو اجازت ہے کہ وہ دوسرا نکاح کرے۔ یہ ایک بالکل صاف امر ہے جس مین کسی قسم کے شک اور شبہ کی گنجایش نہین۔

بلا ضرورت تعدد ازدواج جایز نہین ہمنے اوپر یہ بیان کیا ہے کہ اگرچہ قرآن شریف تعدد ازدواج کی اجازت دیتا ہے مگر اسکا یہ منشا نہین کہ بلا ضرورت تعدد ازدواج جایز رکھا جاوے جیساکہ سورہ نسار کی اس آیت سے ثابت کیا گیا ہے جس مین تعدد ازدواج کی اجازت دیگئی ہے اسی آیت کے آخری الفاظ سے اور بھی اس بات کی تصریح ہوتی ہے۔ چنانچہ یہ کہنے کے بعد

کہ اگرتمہین یہ اندیشہ ہو کہ عدل نہین کرسکو گے تو ایک ہی بی بی پر کفایت کرو اللہ تعالے فرماتا ہے ذلک ادنی الا تعولوا یعنی یہ تدبیر (کہ ایک ہی بی بی پر کفایت کیجاوے) نامنصفانہ برتاؤ سے بچنے کے لیے بہتر ہے اصل بات یہ ہے کہ تعدد ازدواج کے مسئلہ مین بہت ساری مشکلات ہین ایکطرف تو انسانی ضروریات ہین جن کو کوئی سچا مصلح یونہی رد نہین کرسکتا اور دوسری طرف وہ خطرات ہین جو تعدد ازدواج کے متعلق کوئی روک نہ ہونیسے پیدا ہوسکتے ہین ان مشکلات کے درمیان اسلام نے وسط کا راہ اختیار کیا ہے یعنی تعدد ازدواج کو بند تو نہین کیا مگر چونکہ اس سے عورتون کے ساتھ نامنصفانہ برتاؤ کا اندیشہ تھا۔ اسلیئے ساتھ یہ قید لگادی ہے کہ جس شخص کو اندیشہ ہو کہ وہ عدل نہ کرسکیگا۔ وہ تعدد ازدواج نہ کرے بلکہ ایک ہی بی بی پر کفایت کرے۔ اور پھر آیت کے اخیر پر یہ کہا ہے کہ بہتر اور انسب تجویز یہی ہے کہ سوائے اسکے جو کسی شخص کو ضرورت ہو وہ تعدد ازدواج کی اجازت سے فایدہ نہ اٹھاوے اسی مضمون کے متعلق آگے چلکر اسی سورہ شریفہ مین اللہ تعالے فرماتا ہے۔ ولن تستطیعوا ان تعدلوا بین النساء ولو حرصتم فلا تمیلوا کل المیل فتذروھا کالمعلقۃ و ان تصلحوا و تتقوا فان اللہ کان غفورًا رحیما۔ (النساء - ۱۲۹) جسکا مطلب یہ ہے کہ تم ایسی طاقت نہین رکھتے کہ عورتون کے درمیان پورے پورے عدل پر قادر ہو خواہ تمہارا دل بھی چاہتا ہو پس اگر دوسری بی بی کی ضرورت آبھی پڑی ہے تو ایسا نہ کرنا کہ بالکل ایک ہی طرف کو جھک جاؤ اور دوسری کو اس طرح چھوڑ بیٹھو کہ نہ وہ خاوند والیوں مین داخل ہو اور نہ انمین جنکے خاوند نہین اور اگر موافقت کرو اور تقوے اختیار کرو تو بیشک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ اس آیت کے الفاظ بہت قابل غور ہین کیونکہ اسمین تعدد ازدواج کے دونون پہلوؤن پر غور کیا گیا ہے۔ اس سے ایک ایسی حالت معلوم ہوتی ہے کہ گویا تعدد ازدواج کی ضرورت اور اس عدل کے قایم رکھنے مین جو قرآن شریف چاہتا ہے ایک جھگڑا ہے یعنی ایک طرف ضرورت اجازت کو چاہتی ہے اور دوسری طرف پورا عدل قایم رکھنے کے مشکلات ہین اس جھگڑے مین یہ آیت بطور فیصلہ کے ہے۔ عدل کے بارہ مین یہ آیت کہتی ہے کہ تمام انسان یہ طاقت تو رکھ نہین سکتے کہ پورا عدل کرنے پر قادر ہون پھر کیا تعدد ازدواج کی ممانعت کی گئی ہے نہین بلکہ ضرورت کو بھی تسلیم کیا گیا اور ساتھ یہ شرط لگادی کہ ایسا نہ ہو کہ پھر ایک ہی طرف کو جھک پڑو بلکہ جہانتک انسانی طاقت مین ہے عدل کیا جاوے پھر جو نقص رہ جاویگا اللہ تعالے اسکو بخشدیگا بشرطیکہ آدمی تقوے اختیار کرے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تعدد ازدواج کو معمولی بات نہین سمجھا گیا کہ جو چاہے اسے اختیار کرلے۔ کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو پھر عدل کی شرط کو اسطرح پیرایہ نرم نہ کیا جاتا بلکہ ضرور تھا کہ اس صورت مین یہ کہا جاتا کہ جب تم اپنی خواہش سے ایک کام

کہتے ہو کہ کسی ضرورت کے سبب یا مجبور ہو کر اور تم شرط کو پورا نہیں کر سکتے تو پھر اس کام کو کیوں کرتے ہو۔ ہمنے تو عدل کی شرط لگائی ہے پس جو شخص عدل کرنے پر قادر ہے خواہ اسے ضرورت ہو یا نہ ہو وہ ایک سے زیادہ بیبیاں کر سکتا ہے مگر کلام الٰہی یہاں اسطرح پر واقع ہوا ہے کہ گویا انسان .... کسی مجبوری میں پھنسا ہوا ہے اسلیے اللہ تعالےٰ بھی اس سے نرم سلوک کرتا ہے یعنی جبکہ سے واقعی تعدد ازدواج کی ضرورت پیش آئی ہے اور اسنے اپنے آپکو پورا قادر عدل کرنے پر نہیں پایا ہے تو چونکہ وہ ضرورتاً ایک کام کو کرتا ہے جسکی اجازت خدا نے دی ہے پس اللہ تعالےٰ بھی اس سے نرم سلوک کرتا ہے اور جو کوئی نقص بتقاضائے فطرت انسانی واقع ہو اسے اللہ تعالےٰ معاف کر دے گا ساتھ ہی اسی جگہ تقوے کی شرط بھی لگا دی گئی ہے۔ کیونکہ اگر ایک شخص نے تقوے کی ضرورت کو مدنظر رکھکر ہی نکاح ثانی کیا ہے تو اسپر چھوٹی چھوٹی باتونکی جو اسکی طاقت سے باہر ہیں کوئی گرفت نہیں انسان تقوے اختیار کرتا ہے تو اللہ تعالےٰ بھی اسکے ساتھ مہربانی سے پیش آتا ہے کیونکہ یہ بات ظاہر ہے کہ غفران الٰہی کا مستحق بھی وہی شخص ہے جو کسی طرح سے قابل معافی ہو اور تعدد ازدواج کی صورتمیں انسان اس وقت بیشک قابل معافی ہے جب وہ ضرورت کیلیے تعدد ازدواج کرتا ہے۔ اس آیت سے یہ صاف شہادت ملتی ہے کہ تعدد ازدواج کی اجازت قرآن شریف صرف ضرورت کے لیے ہی دیتا ہے۔ قرآن شریف کے اور کئی موقعونسے بھی یہی بات ثابت ہے جیسا کہ آیت والذین ھم عن اللغو معرضون سے ظاہر ہے کیونکہ بلا ضرورت کسی فعل کا کرنا لغو میں داخل ہے اور لغو سے اللہ تعالےٰ منع فرماتا ہے۔ پس ہر ایک پہلو سے غور کرنیسے یہی بات ثابت ہوتی ہے کہ قرآن شریف عام طور پر یہی چاہتا ہے کہ ایک ہی بی بی سے نکاح کیا جاوے ہاں ایسی انسانی ضرورتوں کے لیے جنسے انکار نہیں ہو سکتا تعدد ازدواج کو جایز رکھتا ہے اور ایسے خاص حالات میں اسکی اجازت دیتا ہے۔

او ما ملکت ایمانکم

ان الفاظ پر غور کرنا ابھی باقی ہے۔ خود قرآن کریم اسکی تشریح ان الفاظ مین کرتا ہے۔ ومن لم یستطع منکم طولا ان ینکح المحصنٰت المؤمنٰت فمن ما ملکت ایمانکم من فتیٰتکم المؤمنٰت واللہ اعلم بایمانکم بعضکم من بعض ..... ذٰلک لمن خشی العنت منکم وان تصبروا خیر لکم واللہ غفور رحیم (النساء - ۲۵) اور تم میں سے جسکو مسلمان بیبیونسے نکاح کرنیکا مقدور نہ ہو تو وہ ان مسلمان لونڈیونسے نکاح کر سکتا ہے جو تمہارے قبضہ میں آچکی ہیں (یعنی کفار کے ساتھ جنگ میں بطور اسیر کے تمہارے ہاتھ لگی ہیں اسی لیے ملکت ایمانکم کے الفاظ استعمال کیے ہیں

یعنی جنکے تمہارے داہنے ہاتھ مالک ہوئے ہین -) اور اللہ تعالیٰ تمہارے ایمان کو خوب جانتا ہے تم ایک دوسرے کی جنس سے ہو ۔۔۔۔۔ یہ اجازت اسکے لیے ہے جسے بدکاری مین پڑنیکا اندیشہ ہو اور اگر تم صبر کرو تو تمہارے حق مین بہتر ہے اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے" اس آیت سے دو باتین معلوم ہوتی ہین ایک تو یہ کہ جب ایک شخص اسقدر مقدرت نہ رکھتا ہو کہ مسلمان آزاد عورت کے ساتھ نکاح کر سکے - تو اس صورت مین اسے مسلمان لونڈی کے ساتھ نکاح کرنیکی اجازت ہے - اگر اسکو یہ اندیشہ ہو کہ شادی نہ کرنیکی صورت مین وہ بدکاری مین مبتلا ہو جاوے گا - دوم اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ نکاح کی بڑی ضرورت قرآن کریم کے نزدیک یہ بھی ہے کہ تا انسان زنا مین یا اور بدکاریون مین مبتلا نہ ہوپس جو ضرورت نکاح کی ہے وہی ضرورت بدرجہ اولے تعدد ازدواج کی ہے - پس جب لونڈی کے ساتھ نکاح کرنے مین بظاہر کوئی ہرج بھی معلوم نہین ہوتا اور قرآن کریم نے خود بھی اسکے متعلق یہی کہا ہے کہ بعضکم من بعض یعنی تم ایک دوسرے کی جنس سے ہو پس کیا مضایقہ ہے کہ لونڈی کے ساتھ ہی نکاح کر لیا جاوے تاہم اسکی اجازت صرف اس صورت مین دی ہے جب کسی کو یہ اندیشہ ہو کہ وہ زنا مین مبتلا ہوگا اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ تعدد ازدواج کی اجازت بھی اسی لیے دی گئی ہے کہ تا انسان کسی بدکاری مین مبتلا نہ ہو -

قرآن شریف عورتون کے حقوق کی کس قدر نگہداشت کرتا ہے

اوپر بیان ہو چکا ہے کہ تعدد ازدواج کی اجازت کے متعلق جو آیت واقع ہوئی ہے وہ سورہ نساء مین واقع ہوئی ہے اور یہی سورت ہے جس مین عورتونکے حقوق وراثت کی نگہداشت قرآن شریف کرتا ہے اور انہین جایداد کے پیدا کرنے یا وصیت کرنے یا خرید و فروخت کرنے کے وہی اختیار دیتا ہے - جو مردونکو حاصل تھے - اور یون تعدد ازدواج کی اجازت دینے کے ساتھ ہی عورتونکو وہ حقوق دیتا ہے جو اسوقت تک دنیا کی کسی قوم نے نہین دیئے تھے اور جو اب بھی کلی طور پر عورتونکو حاصل نہین ہوے اس ترتیب آیات سے بھی یہی شہادت پیدا ہوتی ہے کہ اسلام مین تعدد ازدواج کا منشا، سوسائیٹی کی اصلاح اور عورتونکی حالت کو بہتر کرنا تھا - ایک اور پہلو سے غور کرنیسے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس سورت مین اور خصوصاً اس موقعہ پر قرآن کریم کا منشا یہی ہے کہ عورتونکے حقوق کی پوری پوری نگہداشت کیجاوے چنانچہ اس سورت کی سب سے پہلی آیت کو ہم اوپر نقل کر چکے ہین جسمین اللہ تعالے بار بار تقوے کی تاکید فرما کر یہ سمجھاتا ہے کہ اسکے احکام اور اجازتین صرف اسی غرض سے ہین کہ تا انسان سچے تقوے پر قایم رہے اور یہی غرض تعدد ازدواج کی اجازت دینے مین بھی

ہے مگر اس آیت میں ایک اور لفظ قابل غور ہے۔ کیونکہ جہاں یہ حکم دیا گیا ہے کہ واتقوا اللہ یعنی اللہ سے ڈرو اسکے ساتھ ہی یہ بھی فرمایا ہے کہ رحموں کا پاس بھی ملحوظ رکھو ان دونوں باتوں کو ایک ہی جگہ جمع کرنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ رحموں کے تعلقات کو قرآن شریف کسقدر عظمت دینی چاہتا ہے کہ اسکا ذکر بھی تقوے کے ساتھ ہی کیا ہے گویا یہ بھی سچے تقوے کی ایک بڑی بھاری علامت ہے کہ انسان رحم کے تعلقات کو پورے طور پر قایم رکھے۔ ایک اور موقعہ پر بھی اسی طرح قرآن شریف نے اللہ تعالے کی فرمانبرداری کو والدین کی فرمانبرداری کے ساتھ ملحق کیا ہے اور اس جگہ بھی ان دونوں باتوں کو اکٹھا کرنے سے مقصد یہی ہے کہ تا والدین کے حقوق کی عظمت کو انسان سمجھیں اسی عظمت کو اس جگہ بھی بیان کیا گیا ہے۔ اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عورتوں کے حقوق کے ادا کرنے پر قرآن شریف کسقدر زور دیتا ہے اور یوں بیوی اور والدہ کے ذریعہ سے جو تعلقات پیدا ہوتے ہیں کہانتک انکی پاس خاطر کا حکم دیتا ہے۔ اسکے متعلق ایک واقعہ یاد آگیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس مطہر قلب میں جسپر یہ وحی نازل ہوئی ان احکام کی کسقدر عظمت تھی اور اسکے پاک اخلاق کا دایرہ کسقدر وسیع تھا جب حضرت عمر کے عہد میں اسلامی فوجوں نے مصر کو فتح کیا تو انکو حکم تھا کہ مصریوں کے ساتھ خاص طور سے نرمی سے سلوک کریں۔ جب سکندریہ کے بڑے پادری نے اسکی وجہ دریافت کی تو اسکو یہ جواب دیا گیا کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے جس وقت مصر کے فتح ہونیکی بشارت دی تھی تو ساتھ یہ بھی تاکید فرمائی تھی کہ مصریوں کے ساتھ بہت نرمی کیجاوے کیونکہ حضرت ہاجرہ رضی اللہ تعالے عنہا مصر سے آئی تھیں اور وہ حضرت اسمعیل علیہ السلام کی والدہ ہونیکے سبب سے کل عرب کی ماں تھیں جسپر پادری نے اقرار کیا کہ ایسے اخلاق سوائے سچے پیغمبر کے اور کسی کے نہیں ہو سکتے۔ غرضیکہ تعدد ازواج کی اجازت سے پہلے اور پیچھے عورتوں کے حقوق پر بہت زور دیا گیا ہے علاوہ ازیں اس حکم کا کہ رحموں کا پاس ملحوظ رکھو۔ یہ منشا بھی ہے کہ عورت کے رشتہ داروں کو کسی طرح دکھ نہ دیا جاوے اور چونکہ بلا ضرورت دوسرا نکاح کرنے میں ان لوگوں کو بھی دکھ ہو پہنچیگا اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ تعدد ازواج کی اجازت خاص ضرورتوں کے لیے ہے جب انسان یہ سمجھے کہ اسکا نہ کرنا اسکے لیے باعث گناہ ہوگا۔

تعدد ازواج کے مسئلہ سے بیجا فایدہ اٹھانے کو روکنے والی کیا چیز ہے؟

اب اس جگہ ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ کونسی چیز ہے جو بلا ضرورت تعدد ازواج کو روک سکتی ہے۔ ایک شخص یہ سوال کرے گا کہ کیوں تعدد ازواج کی اجازت کو مثلاً اس شرط سے وابستہ نہ کر دیا گیا کہ جس شخص کو ایسی ضرورت محسوس ہو وہ قاضی یا ایک عدالت کے سامنے اپنی ضرورت بیان کرے عدالت

اجازت حاصل کرنیکے بعد دوسرا نکاح کرے ایسی تجویزین دل خوش کرنیکے لیے تو اچھی ہین مگر سوال یہ ہے کہ عملی طور پر یہ کبھی چل بھی سکتی ہین اگر یہ ممکن ہے کہ خیالی قوانین عملی ضروریات کو پورا کر سکین تو ایسے سوالات کے اٹھانیسے بھی کوئی فایدہ ہو سکتا ہے۔ اگر ایک بی بی سے نکاح کرنا کسی عدالت یا گورنمنٹ کی اجازت پر منحصر نہین تو یہ فیصلہ کہ آیا وہ واقعات پیدا ہو گئے ہین یا نہین جنسے کسی خاص آدمی کو تعدد ازدواج کی ضرورت پیدا ہو گئی ہے وہی آدمی کر سکتا ہے جسکو ایسے واقعات پیش آوین اور دوسرے کسی شخص کی طاقت مین نہین کہ اسکا اندازہ کر سکے خواہ قاضی ہو.... اور خواہ عدالت ہو کیونکہ ان واقعات کا ہر مرد کی اندرونی زندگی سے اسقدر تعلق ہے کہ دوسرا آدمی کبھی پورے طور پر نہ اپنر مطلع ہو سکتا ہے اور نہ انکو سمجھ ہی سکتا ہے۔ پھر ایک اور امر قابل غور ہے کہ جب کوئی حکومت اس بات مین دخل نہین دیتی کہ کوئی مرد نکاح کرے یا نہ کرے تو کیا وجہ ہے کہ اس بات مین وہ دخل دے کہ وہ تعدد ازدواج کرے یا نہ کرے کیون دونون صورتون مین ایک سے ہی حقوق اسکو نہ دیے جاوین جس صورت مین تسلیم کیا جاتا ہے کہ ایک مرد اور ایک عورت کا جوڑ ضروری امر ہے اور تجرد باعث نقصان ہے تو جو شخص تجرد اختیار کرتا ہے اسکو کیون مجبور نہین کیا جاتا کہ وہ ضرور نکاح کرے حالانکہ جو شخص نکاح نہین کرتا اس سے اسوجہ سے کہ وہ کسی فعل بد کا مرتکب ہو سوسائیٹی کو بہت زیادہ نقصان پہنچنے کا احتمال ہے بہ نسبت اسکے جو کوئی شخص بلا ضرورت تعدد ازدواج اختیار کرے پس اگر پہلی صورت مین حکومت کا کسی شخص کو مجبور کرنا کہ وہ ضرور نکاح کرے داخل نا انصافی ہے تو پھر کسی شخص کو اس بات پر مجبور کرنا کہ وہ تعدد ازدواج نہ کرے اس سے بھی بڑھکر نا انصافی ہے لیکن یہانتک اس سوال پر ہم عام طور پر بحث کرنا نہین چاہتے کیونکہ سوال کے اس حصہ پر بحث کی اصلی جگہ اس مضمون کا تیسرا حصہ ہے اس جگہ ہم صرف یہ دیکھنا چاہتے ہین کہ قرآن شریف نے تعدد ازدواج کو مشروط بہ ضرورت کرنیکے لیے کیا تجویز کی ہے۔ سب سے پہلے مالی حالات کا لحاظ ضروری ہے۔ شریعت اسلامی نے خاوند پر بعض ایسی مالی مجبوریان ڈالی ہین کہ اسکے لیے اس بارہ مین حد سے بڑھنا سخت مشکل کام ہے مثلاً مرد کے لیے ضروری ہے کہ عورت کا حق مہر ادا کرے اور نیز اسکو نان و نفقہ دے اسلامی شریعت کا یہ منصفانہ اور دور اندیشی کا اصول عورت کو محنت اور تکلیف سے بچاتا ہے اور اسکے قدرتی فرائض کو جو بچہ جننے اور پالنے کے متعلق ہین ایک اعلے درجہ کی خدمت تصور کرکے انکا ایک معاوضہ نان و نفقہ کی صورت مین دیتا ہے اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ شریعت اسلامی کو عورت کے حقوق کی کسقدر رعایت ہے کیونکہ خاوند کیلیے اسبات کو لازمی قرار دینے سے کہ وہ عورت کو گذارہ دے شریعت نے عورت کو سخت محنت

اور مزدوری کے کامون سے نجات دیدی ہے جنکے لیے اسے قدرت نے بنایا بھی نہین - مہر اور نان ونفقہ کی ادائیگی ایک ایسا ضروری امر ہے کہ قرآن شریف نے صاف الفاظ مین ان لوگونکو جو ایسی استطاعت نہین رکھتے نکاح کرنیسے منع کیا ہے اور تقوے قایم رکھنے کیلیے انکو روزے رکھنے کی نصیحت فرمائی ہے - اب ظاہر ہے کہ معمولی حالات کے نیچے عام آدمیونکو اسقدر وسعت ہرگز نہین ہوتی کہ وہ دو دو بیبیونکے اخراجات کو برداشت کرسکین - پس یہ بوجھ جو خاوند پر ڈالا گیا ہے اسکی راہ مین ایک ایسی روک ہے کہ بلا ضرورت وہ دوسرا نکاح نہین کریگا - بعض مفسرین نے جنمین امام شافعی بھی داخل ہین - ذلک ادنی الا تعولوا کے معنے بھی اسی کے مطابق کیئے ہین وہ اسکے معنے کرتے ہین کہ ایک ہی نکاح تمہارے لیے بہتر ہے تاکہ تم بہت عیالدار نہ ہوجاؤ اور اس طرح پر تمہاری مالی مشکلات نہ بڑھ جاوین - اب سوچ کر دیکھ لینا چاہیئے کہ جس حالت مین تعدد ازواج کے لیے شریعت نے یہ ذمہ داریان رکھ دی ہین تو ایک شخص جسکی غرض محض شہوت رانی ہے کب اسقدر بوجھ کو اٹھا سکتا ہے ایسے لوگونکے لیے تو آسان طریق زناکاری ہے جس مین نہ کوئی مہر نہ نان ونفقہ نہ بچونکی پرورش کی ذمہ داری - پھر شریعت اسلامی یہ بھی چاہتی ہے کہ جو شخص دوسرا نکاح کرے وہ دونون بیویونمین پورا عدل قایم رکھے اور اس شرط کو بھی ایسا ضروری ٹھہرایا گیا ہے کہ صاف الفاظ مین یہ کہدیا گیا ہے کہ جسکو یہ اندیشہ بھی ہے کہ مین عدل کو قایم نہین رکھ سکونگا اسکو نہین چاہیئے کہ وہ تعدد ازواج اختیار کرے - پس یہ ایک دوسری روک ہے کہ کوئی شخص بلا ضرورت تعدد ازواج نہ کرے - علاوہ ازین قرآن کریم صاف الفاظ مین یہ بھی فرماتا ہے کہ ان لوگونکی خاطر کو جنکے آدمی کے ساتھ رحم کے تعلقات ہین اچھی طرح مدنظر رکھا جاوے اور کوئی ایسا فعل بلاوجہ اور ضرورت نہ کیا جاوے جو انکو دکھ دینے کا موجب ہے - یہ ایک تیسری روک ہے ایسا ہی مختلف انسانونکو مختلف حالات کے نیچے ایسے واقعات پیش آتے رہتے ہین جو انکو بلا ضرورت تعدد ازواج کیطرف مایل ہونیسے روکتے ہین اور ان سب کی تصریح اسجگہ ضروری نہین -

کیا ابتدائی اسلامی سوسائیٹی مین بلا ضرورت تعدد ازواج جایز تھا؟

مذکورہ بالا دلایل سے یہ تو معلوم ہوگیا کہ تعدد ازواج کے مسئلہ سے صرف خاص حالتونمین اور ضرورت کیوقت ہی فایدہ اٹھایا جاسکتا ہے اور یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ تعدد ازواج کی اجازت جذبات شہوانی کی محرک نہین بلکہ بسبب اپنی کثیر ذمہ داریون کے جذبات شہوانی کو بہت حد تک دبانیوالی ہے - بعض یہ خیال کیا کرتے ہین کہ ابتدائی اسلامی سوسائیٹی مین تعدد ازواج کی اجازت سے

بلا ضرورت فایدہ اٹھایا جاتا تھا مگر یہ ایک غلطی ہے جو اصلی واقعات کی لاعلمی سے پیدا ہوتی ہے یہ مسلم امر ہے کہ عرب کی مختلف اقوام کثرت سے خانہ جنگیوں مین گرفتار تھین اور دو افراد مین جو دو مختلف قومونکے ہون ایک معمولی جھگڑے کا یہ نتیجہ ہوتا تھا کہ ہزار ہا جانین ضایع ہوجاتی تھین یہی وجہ تھی کہ باوجود دخترکشی کی رسم کے عورتون کی تعداد مردونسے بہت بڑھی ہوئی تھی جیسا کہ اسوقتمین تعدد ازدواج کی رسم سے صاف ظاہر ہوتا ہے اسلام کی پیدایش کے ساتھ کچھ اور مشکلات بھی پیدا ہوگئین اول اول تو اسکے دشمنون نے طرح طرح کی ایذا رسانیونسے یہ کوشش کی کہ اسلام کو نیست و نابود کیا جاوے مگر جب یہ کوششین کارگر نہ ہوئین اور مسلمانون کی تعداد دن بدن بڑھنے لگی تو وہ آخر جنگ پر اتر آئے اور نئے مذہب کو تلوار سے نیست و نابود کرنا چاہا۔ ان مشکلات کے اندر اسلام کو بھی اپنی حفاظت کیلیے تلوار اٹھانی پڑی تا کہ ان لوگونکو جنھون نے تلوار سے حق کو نیست و نابود کرنا چاہا تھا تلوار سے ہی سزا دیجاوے۔ اس جنگونکے سلسلہ مین جو اس طرح شروع ہوا سینکڑون بلکہ ہزارون جانین تلف ہوئین اور اس طرحسے مردونکی تعداد اور بھی کم ہوگئی اور عورتون کی تعداد بڑھ گئی۔ اسکا علاج سوائے تعدد ازدواج کے اور کچھ نہین ہوسکتا تھا کیونکہ مسلمانونکے تمام تعلقات اپنے رشتہ دارونسے کٹ چکے تھے اور یہ ممکن نہ تھا کہ مسلمانون اور کافرونکے درمیان شادیان ہوسکین۔ ان واقعات سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ابتدائی اسلامی سوسائٹی مین تعدد ازدواج کی ایک بڑی بھاری ضرورت پیدا ہوگئی تھی اور یہی وجہ تھی کہ ان پہلے مسلمانون مین تعدد ازدواج کا رواج کسیقدر زیادہ تھا۔ ان واقعات کو نہ صرف ان مصنفین نے ہی نظرانداز کیا ہے جنہون نے امیر علی اور دلاور حسین کی طرح تعدد ازدواج کو برا کہا ہے بلکہ اس الزام کے نیچے وہ لوگ بھی ہین جو بظاہر تعدد ازدواج کے حامی ہین اور اسکو انسانی سوسائٹی کیلیے ضروری ٹھہراتے ہین۔ جیسے سرسید احمد خان مرحوم مگر ساتھ ہی اس بات پر اظہار خوشی کرتے ہین کہ تعدد ازدواج اب اس کثرت سے مروج نہین جس کثرت سے اسلام کے ابتدائی دنون مین تھا جس سے صاف یہ منشا انکا معلوم ہوتا ہے کہ اسوقت گویا تعدد ازدواج بلا ضرورت ہی کیا جاتا تھا۔ حالانکہ حق بات یہ ہے کہ ابتدائی اسلامی سوسائٹی باقی عرب سے کٹ کر ایسی الگ ہوچکی تھی کہ ناطہ وغیرہ کے تمام تعلقات منقطع ہوچکے تھے اور مسلمان عورتونکا کافرونکے ساتھ نکاح کرنا ناممکن ہوگیا تھا۔ یہ ایسی باتین ہین جن کی بنا مسلم الثبوت واقعات پر ہے۔

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی غرض تعدد ازدواج مین کیا تھی۔

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے نکاحونکے متعلق بڑی غلط فہمی ہوئی ہے آپکے نکاح جن کی اصل غرض یا تو محض ہمدردی اور ترحم تھا اور یا مختلف قومونکو ایک کرنا اور جنمین علاوہ انکے اور کئی

ملکی مصالح اور نیک دینی اغراض تھین۔ انکی بنا نفسانی خواہشات بتائی جاتی ہین یہ امر مسلم ہے کہ جسوقت آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ۲۵ برس کی عمر مین نکاح کیا تو آپ عفت اور پرہیزگاری مین تمام عرب مین مشہور تھے پھر اسکے بعد پچیس سال تک یعنی جبتک حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالے عنہا زندہ رہین آپنے دوسری بی بی سے نکاح نہین کیا۔ حالانکہ عرب مین تعدد ازواج کی رسم بلا قید کسی شرط کے مروج تھی ان لوگونکا جو ناحق نیک افعال مین بد اغراض تلاش کرتے ہین۔ یہ فرض ہے کہ وہ اسکا سبب بھی تلاش کرین کہ کیون آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے پچپن سال کی عمر تک یعنی اس عمر تک جب آپ بوڑھے ہوچکے تھے۔ ایک سے زیادہ بی بی سے نکاح نہ کیا۔ اگر نفسانی خواہشات کسیوقت ایک شخص کے دل پر غلبہ پا سکتی ہین تو وہ جوانی کا وقت ہوتا ہے جب جذبات جوانی جوش مین ہوتے ہین مگر اس جوانی کے وقت مین آپنے ایک بی بی پر ایسا اکتفا کیا کہ جسوقت قریش نے جمع ہوکر آپ کو یہ کہا کہ آپ بت پرستی کو برا کہنا چھوڑ دین۔ تو ہم آپ کو اپنا سردار بنا لیتے ہین اور خوبصورت سے خوبصورت عورتین آپکے نکاح کرنیکے لیے حاضر کرتے ہین تو آپنے کچھ بھی پروا نہ کی بلکہ یہی کہا کہ اگر سورج کو میرے داہنے اور چاند کو بائین ہاتھ رکھدیا جاوے تو بھی مین اس تبلیغ کو نہین چھوڑ سکتا جسپر اللہ تعالے نے مجھے مامور کیا ہے اس سے کسی کو انکار نہین ہوسکتا کہ نفسانی خواہشات کے غلبہ کا وقت جوانی کا وقت ہے اور چونکہ آپکے اس زمانہ کی نسبت آپکے سخت ترین دشمنونکو بھی اقرار ہے کہ آپ اسوقت طہارت پاکیزگی اور عفت کا نمونہ تھے اسلیے یہ الزام کہ نفسانی خواہشات کو پورا کرنیکے لیے آپنے شادیان کین آپ کی ذات عصمت آب پر سخت بہتان ہے۔

ان نکاحون مین آپ کی اغراض کیا تھین

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ابتدائی زمانے اور آخری زمانے کے حالات مین بڑا بھاری تغیر واقع ہوچکا تھا ابتدائی سالون مین جب مکہ مین آپنے تبلیغ شروع کی تو اگرچہ کفار کیطرف سے مسلمانونکو طرح طرح کے دکھ اور اذیتین پہنچتی تھین مگر رشتہ داری کے تعلق بکلی منقطع نہین ہوچکے تھے۔ خصوصاً ایسے لوگ جو ذی وجاہت تھے وہ نسبتاً کفار کے حملونسے محفوظ تھے اور ان سے تعلقات بھی رکھتے تھے چنانچہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک لڑکی ایک کافر سے بیاہی ہوئی تھی اور حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالے عنہ کی لڑکی عایشہ کی منگنی بھی ایک کافر کے لڑکے جبیر ابن مطعم سے ہوئی ہوئی تھی۔ مگر مطعم نے بدینوجہ انکار کیا کہ اس تعلق سے خوف ہے کہ لڑکا نئے دین مین چلا جاےگا اسکے بعد ہی حضرت عایشہ رضی اللہ تعالے عنہا کا نکاح آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے ہوا۔ اگرچہ ابتدا مین ایسے تعلقات تھے مگر آہستہ آہستہ یہ تعلقات بالکل

منقطع ہو چکے تھے اور کسی مسلمان عورت کا کفار کے ہاتھ میں پڑ جانا اسکے لیے ہلاکت کا موجب تھا پھر آپ کی ہجرت سے رہے سہے تعلقات بھی کٹ گئے پس مسلمان لڑکیوں یا بیوہ عورتوں کیلیے ضروری تھا کہ مسلمان خاوند ہی ہوں۔ ان واقعات کو مدنظر رکھکر ہمنے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے نکاحوں کو دیکھنا ہے۔ اس سے کسی کو انکار نہیں کہ سوائے حضرت عائیشہ صدیقہ رضی اللہ تعالے عنہا کے آپ کی ساری بیویاں بیوہ عورتیں تھیں۔ انکو ہم ... الگ الگ جماعتوں پر تقسیم کرتے ہیں اول وہ عورتیں جنہوں نے اپنے خاوندوں کے ساتھ حبش یا مدینہ کیطرف ہجرت کی تھی اور دوسری وہ عورتیں جو کسی قوم کے سردار کی لڑکیاں یا بیوہ تھیں اور جنکے خاوند لڑائیوں میں مارے گئے ان کا ذکر ہم اس ترتیب سے کرتے ہیں جس ترتیب سے انکے نکاح ہوئے۔ ام المومنین خدیجہ رضی اللہ تعالے عنہا کی وفات کے بعد سب سے پہلے آپنے ام المومنین سودہ رضی اللہ تعالے عنہا سے نکاح کیا۔ سودہ اور اسکا خاوند ابتدا میں ہی ہجرت کرکے حبش کو چلے گئے تھے اور اسی جگہ وہ بیوہ ہوگئیں۔ واپس آنے پر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے آپ سے نکاح کیا اسکے بعد ام المومنین حفصہ رضی اللہ تعالے عنہا سے آپکا نکاح ہوا۔ یہ حضرت عمر کی لڑکی تھیں انہوں نے بھی اپنے خاوند کے ساتھ ہجرت کی۔ جب آپ بیوہ ہوگئیں تو حضرت عمر نے پہلے حضرت عثمان کو اور پھر حضرت ابوبکر کو آپ سے نکاح کرنیکے لیے کہا مگر ان دونوں نے انکار کیا اسکے بعد آپ کا نکاح رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم سے ہوا۔ حضرت عمر کا خود حضرت عثمان اور ابوبکر کو کہنا صاف بتاتا ہے کہ مسلمانوں کو کسقدر مشکلات تھیں۔ اسکے بعد ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ تعالے عنہا ہیں۔ وہ بھی اپنے خاوند کیساتھ اس پہلے گروہ میں شامل تھیں جو سب سے اول کفار کے ظلم سے تنگ آکر حبش کو ہجرت کر گیا۔ ام سلمہ کے خاوند کی موت کا موجب ایک زخم ہوا جو انکو ایک لڑائی میں لگا تھا۔ ام سلمہ کے بعد ام حبیبہ سے آپنے نکاح کیا۔ یہ قریش کے مشہور سردار ابوسفیان کی لڑکی تھیں۔ آپ مع اپنے خاوند کے اس دوسرے گروہ میں شامل تھیں جو ہجرت کرکے حبش کو چلا گیا تھا۔ وہاں انکا خاوند عیسائی ہو گیا اور تھوڑی دیر بعد مر گیا لیکن وہ اسلام پر قایم رہیں اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں آئیں اس کے بعد آپکا نکاح ام المومنین زینب بنت حجش سے ہوا اسپر ہم اخیر میں غور کرینگے۔ اسکے بعد ام المومنین زینب سے نکاح ہوا جو ام المساکین کے نام سے مشہور ہیں آپ کا خاوند احد کی جنگ میں شہید ہو گیا تھا۔ آپ خود بھی نکاح سے دو تین ماہ بعد ہی فوت ہوگئیں۔ ام المومنین میمونہ رضی اللہ تعالے عنہا بھی مہاجرات میں سے تھیں اور بیوہ ہونیکے بعد آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں آئیں اب اس فہرست سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ جسقدر عورتیں آپکے ازواج مطہرات میں شامل ہوئیں

وہ سب کی سب ایسی تھیں جو ابتدا میں ہی مسلمان ہوئی تھیں اور آخر کفار کے ہاتھ سے طرح طرح کے دکھ اٹھا کر جلاوطنی اختیار کر کے دوسرے ملکوں میں انہوں نے پناہ لی۔ وہ سب کی سب قریش کے شریف خاندانوں سے تھیں۔ ایک طرف تو وہ اپنے گھر بار کو چھوڑ چکی تھیں اور اپنی جایداد آسایش کو قربان کر کے صرف دین کی خاطر جلاوطنی قبول کی تھی۔ اب دوسری مصیبت یہ آپڑی کہ انکے خاوند جو محنت مشقت کر کے انکو کھلاتے تھے وہ بھی یا مر گئے یا جنگوں میں شہید ہو گئے اس بیکسی کی حالت میں ان کی تکالیف کا اندازہ کون کر سکتا ہے۔ کیا جایز تھا کہ ان عورتوں کو کفار کی طرف واپس بھیجدیا جاتا تاکہ وہ طرح طرح کے دکھ دیکر انکو مار ڈالتے یا کیا یہ درست تھا کہ انکو بغیر خبر گیری کے چھوڑ دیا جاتا تا خود وہ خستہ حال ہو کر تباہ ہو جائیں نہیں نہیں اسلام یہ نہیں چاہتا تھا کہ ان لوگوں کو جنہوں نے مذہب اور دین کی خاطر طرح طرح کے دکھ اٹھائے تھے یوں ذلت اور کس مپرسی کی حالت میں تباہ ہونیکے لیے چھوڑا جاتا یا خود اپنے ہاتھوں انکو دشمنوں کے حوالے کر دیا جاتا کہ جو ظلم چاہیں ان پر کریں۔ ان کی اس بیکسی کی حالت پر رحم کھا کر ہی اس رسول کریم نے انکو اپنے ازواج مطہرات ہونیکا شرف بخشا تا جس عزت کو انہوں نے گھر بار چھوڑ کر دین کی خاطر چھوڑا تھا اس سے بھی دہ چند عزت انکو اس دنیا میں دیجاوے۔ یاد رہے کہ اس جگہ ہمنے اس سوال کے کہ آنحضرت کی اغراض ان نکاحوں میں کیا تھیں صرف ایک پہلو پر غور کیا ہے کیونکہ مضمون اسقدر وسیع ہے کہ بجائے خود ایک رسالہ کا محتاج ہے اور مفصل بحث اسجگہ اسپر نہیں ہو سکتی۔

ملکی تعلقات اور وحدت کا قایم کرنا

ام المومنین جویریہ اور ام المومنین صفیہ رضی اللہ تعالے عنہما ان عورتوں میں سے ہیں جو قوم کے سرداروں کی لڑکیاں تھیں اور جنگوں میں گرفتار ہو کر مسلمانوں کے قبضہ میں آئیں۔ ان میں سے اول الذکر ایک کافر کی بیوہ تھیں جو لڑائی میں مارا گیا۔ مال غنیمت میں وہ ثابت بن قیس کے حصہ میں آئیں ثابت نے بہت سا روپیہ رہا کرنیکے معاوضہ میں ان سے مانگا جسے وہ دے نہ سکتی تھیں چنانچہ آپ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں اور سارا قصہ آنحضرت کے روبرو بیان کیا اور یہ بھی بیان کیا کہ میں اپنی قوم کے سردار کی لڑکی ہوں۔ پس آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے مناسب نہ سمجھا کہ وہ اپنی قوم میں واپس جاوے تا کوئی اور فساد نہ ہو اور خود روپیہ دیکر آپ اس سے نکاح کر لیا کیونکہ عربوں کی غیرت یہ برداشت نہ کر سکتی تھی کہ ایک رئیس کی لڑکی ہو کر کسی کم درجہ کے آدمی کے نکاح میں جاوے۔ ام المومنین صفیہ خیبر کی لڑائی میں ہاتھ آئی تھیں پہلے دحیہ نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ قیدی عورتوں میں سے ایک مجھے دیجاوے جسپر آپ نے اسکو کہا کہ جسے چاہو لے لو۔ اس نے صفیہ کو چنا مگر لوگوں نے آنحضرت صلے اللہ

علیہ وسلم سے عرض کیا کہ وہ ایک سردار کی لڑکی ہے اور مناسب نہین کہ آپکے سوا کسی دوسرے کے قبضہ مین وہ آئے یا نکاح کرے اسپر آپنے اس سے نکاح کیا۔ ان دونون نکاحونسے صاف ثابت ہوتا ہے کہ ان مین آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی غرض یہ تھی کہ تا اس ایک تعلق سے وہ کل کی کل قوم فساد سے رک جاوے اور اس طرح پر وہ قومین جنکی عمرین جنگون مین گذرتی تھین ایک ہو جاوین۔ یہ امر کہ اس ذریعہ سے آپنے پوری کامیابی حاصل کی ایسا بدیہی اور صاف ہے کہ جسکے بیان کرنے کی کچھ حاجت نہین۔

ام المومنین زینب بنت جحش کا نکاح اب اس مضمون کو زینب بنت جحش رضی اللہ تعالے عنہا کے ذکر سے ختم کرتے ہین۔ زینب پہلے زید کے نکاح مین تھین اور نہ صرف اس وجہ سے قابل رحم تھین کہ آپنے ابتدا ہی مین اسلام لا کر طرح طرح کی تکالیف برداشت کین اور ہجرت کی بلکہ اس وجہ سے بھی کہ آپ کا نکاح زید کے ساتھ خود آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ہی کرایا تھا لہذا ان کی طلاق اور بھی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے رحم اور شفقت کے بڑھانیکی وجہ ہو گئی اسکے علاوہ آپ کا بہت قریبی تعلق رشتہ داری کا بھی آنحضرت سے تھا اسکے متعلق مفصل مضمون ہمنے اس رسالہ کی کسی گذشتہ اشاعت مین لکھا ہے۔ ناظرین وہان سے دیکھ لین اس جگہ ہم ایک عیسائی کے الفاظ اسکے متعلق نقل کرتے ہین۔ باسورتھ سمتھ اپنے لکچرون مین جو اس نے اسلام اور بانی اسلام پر دیئے ہین کہتا ہے "مگر اس واقعہ کے تمام حالات پر پورا پورا تدبر کرنیکے بعد مین اطمینان سے اس نتیجہ پر پہنچتا ہون کہ جس رنگ مین عیسائی اسکو پیش کرتے ہین وہ صحیح نہین ہے ایام جہالت کے عربون مین اس نکاح نے شور ضرور پیدا کیا۔ مگر نہ اسلیے کہ کبھی انکو یہ شک ہوا ہو کہ آپنے سازش کر کے زینب کو طلاق دلوائی ہے بلکہ اس لیے کہ وہ متبنی کو حقیقی بیٹے کی طرح سمجھتے تھے اور اسلیے اس نکاح کے متعلق ان کا یہ خیال تھا کہ وہ ایک ایسی عورت سے ہوا ہے جو آدمی کیلیے حرام ہے اس حد بندی کو محمد صلے اللہ علیہ وسلم نے بیوجہ سمجھا اور اپنے نکاح سے اسکو ہمیشہ کیلیے دور کر دیا نہ صرف اپنے فایدہ کے لیے بلکہ تمام عرب کے فایدے کیلیے"۔ پھر حاشیہ مین ہی مصنف لکھتا ہے "یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے متعدد نکاحونکی وجہ جہان کوئی اور غرض بھی ہو سکتی ہے اس کی ایک تشریح یہ بھی ہو سکتی ہے کہ ان عورتونکی بیکسی کی حالت پر ترحم کر کے آپ انکو نکاح مین لائے۔ وہ قریباً سب کی سب بیوہ تھین جو نہ اپنی خوبصورتی کیلیے اور نہ ہی مالدار ہونیکی وجہ سے مشہور تھین بلکہ انکی حالت اس سے برعکس تھی۔ جب ہم اس بات کو مدنظر رکھین اور ساتھ ہی یہ بھی غور کرین کہ کس طرح آپنے ایک مدت تک ایک بیوی سے تجاوز نہین کیا یہانتک کہ آپ پچاس سال کی عمر تک پہنچ گئے تو اس سے اور بھی

تائید اس بات کی ہوتی ہے کہ زینب کے قصے مین یا آپ کے متعلق غلط فہمی ہوئی ہے یا آپ پر بہتان لگایا گیا ہے۔ بہرحال یہ ایک یقینی امر ہے کہ اگر زید کو وہی شک ہوتا جو عیسائی کرتے ہین یعنی یہ کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے خود اسکی بیوی کی محبت کو اس سے توڑا ہے تو وہ جس صبر اور استقلال سے ایک پرجوش اور مخلص مرید کی طرح مرتے دم تک آپکی خدمت کرتا رہا یہ ہرگز نہ ہوتا؟" (باقی آئندہ)

بنی اسرائیل کی گم شدہ اقوام

اس عنوان کے نیچے ایک دلچسپ مضمون نیو ایرا ایک یہودی میگزین کے فروری کے پرچہ مین نکلا ہے۔ راقم مضمون نے بڑی قابلیت سے اس سوال پر یہودیون اور غیر یہودیونکی رائے پر بحث کی ہے وہ لکھتا ہے کہ "وقتاً فوقتاً ان گم شدہ اقوام کی کبھی دنیا کے کسی کونے مین پائے جانے اور کبھی کسی کونے مین پائے جانیکے متعلق خبرین سنی جاتی ہین مشکل سے کوئی سال ایسا گذرتا ہے کہ جب کوئی نہ کوئی سیاح جسکا وہم اسکی قوت فیصلہ پر غالب آجاتا ہے یہ کہانی لیکر مہذب ممالک مین پر نہین آتا کہ کس طرح اس نے گم شدہ اقوام اسرائیل کو کسی عجیب و غریب دنیا کے کونے مین دریافت کیا اور جب کبھی کوئی غیر مشہور جگہ خاص طور پر پبلک کی توجہ کو اپنی طرف کھینچتی ہے تو سب سے پہلی کہانی جو اسکے متعلق سنائی جاتی ہے وہ یہی ہوتی ہے کہ اسکے باشندے بنی اسرائیل کے خاندان سے ہین چنانچہ گذشتہ چند ماہ کے اندر قریباً ایک درجن ریاستون مین یہ خیال پیدا ہو گیا ہے کہ جاپانی لوگ بنی اسرائیل مین سے ہین۔ پھر اسکے بعد یہ بھی کہا گیا ہے کہ ملک تبت مین بھی بنی اسرائیل ہی جاکر آباد ہوئے ہین چند سال کا عرصہ ہوا جب دنیا کی آنکھین جنوبی افریقہ کی طرف لگی ہوئی تھین تو اسوقت یہودیون اور ہاٹن ٹاٹ اقوام کے درمیان مشابہت پر زور دیا جاتا تھا۔ سترھوین صدی عیسوی کے نصف مین انگریزی پبلک مین دو فریق ہو گئے تھے جن مین اس امر کی تائید اور تردید مین مباحثات کا زور شور تھا کہ آیا بر اعظم امریکہ کے اصلی باشندے اسرائیلی نسل سے ہین یا نہین چین۔ افغانستان اور صحرا مین بنی اسرائیل کے آباد ہونیکے قطعی اور یقینی ثبوت بہم پہونچائے گئے ہین۔ بعض لوگون نے یہ بھی یقین دلانا چاہا ہے کہ انگریز یا آئرلینڈ کے باشندے اور بعض دوسری یوروپین اقوام اسرائیل کی نسل سے ہین۔"

یہودی قصون اور روایتوں پر بحث کرنے کے بعد راقم مضمون اس رائے پر غور کرتا ہے کہ افغان بنی اسرائیل کی گم شدہ اقوام ہین اور اس رائے کو دوسری سب رائوں پر ترجیح دیتا ہے اس حصہ مضمون پر مکمل بحث نہین کیگئی مگر راقم اس نتیجہ پر پہنچا ہے کہ یہ رائے صحیح اور مضبوط واقعات پر مبنی ہے اور جو روایات اسکے متعلق ہین وہ بھی دوسری روایات سے زیادہ قابل اعتبار ہین سب سے بڑی شہادت اس رائے کی صحت کی یہ ہے کہ بہت سارے مقامات کے نام جو افغانستان کشمیر اور تبت مین واقع ہین قدیم فلسطین کے نامون سے بہت ہی ملتے جلتے ہین جسپر مفصل بحث اس رسالہ مین گذشتہ سال مین کیگئی تھی۔ مگر راقم مضمون اس کے بعد جیسا معلوم ہوتا ہے وہ لکھتا ہے۔ "بہت ساری اور رائون مین سے جو بنی اسرائیل کو مختلف اقوام کے ساتھ ملاتی ہین مین صرف دو پر بحث کرنا چاہتا ہون جن مین افغانون اور نسطوری فرقہ کے عیسائیون کو بنی اسرائیل کی نسل سے کہا گیا ہے۔ یہ دونون رائین یقیناً اور سب رائونسے زیادہ معقول اور مدلل ہین اور جن روایتون پر انکی بنا رکھی گئی ہے وہ بہت کچھ قابل وقعت ہین۔ افغانونکا اپنا یہ بیان ہے کہ وہ ملک سالوت یعنی بادشاہ ساؤل کی نسل سے ہین انمین یہ روایت چلی آتی ہے کہ اسرائیل اور امالیق کے مابین ایک جنگ تھا جس مین موخر الذکر غالب آئے لوٹ کے مال مین فاتحین کو تابوت بھی ہاتھ لگ گیا جسکو امالیق نے برباد کرنیکی کوشش کی۔ ......

شاہ ساؤل اسوقت ایک گلہ بان تھا اور جو گائین اسکے سپرد تھین انمین سے ایک اس سے گم ہوگئی اسکی تلاش کیلیے اسنے سموئیل سے مدد طلب کی اور اس نبی نے اسکے قد و قامت کو دیکھکر اسے اسرائیل کا بادشاہ مقرر کیا۔ کچھ عرصہ سلطنت کرنیکے بعد ساؤل دشمنونکی جنگ مین مارا گیا اور داؤد اسکا جانشین ہوا ساؤل کے دو بیٹون برخیا اور ارمیا نے داؤد کی ملازمت قبول کی اور داؤد علیہ السلام بھی ان سے محبت رکھتے تھے۔ برخیا کا ایک بیٹا تھا جسکا نام افغان تھا اور وہ خصوصاً اپنی شہ زوری مین یگانہ زمان تھا وہ اکثر کوہستان مین حملے کیا کرتا تھا جہان اسکی اولاد اسکے مرنیکے بعد آباد ہوگئی اور قلعے بنالیے اور زمین کے مالک ہوگئے۔

یہ بھی ایک روایت ہے کہ یہودی حکومت کی تباہی کے بعد بخت النصر نے اسرائیلیون کو شہر غور مین جلاوطن کردیا تھا جو بامیان کے نزدیک واقع ہے۔ افغان نام افغانہ سے لیا گیا ہے جو انکا ایک سردار تھا اور برخیا کا پوتا تھا۔ افغان یہوواہ کے پرستار رہے یہانتک کہ اسلام کے آنے پر خالد یا خلیفہ نے انکو کفار کے برخلاف جنگ کرنیکیلیے بلایا۔ آج کل کے افغان اپنے آپکو بنی اسرائیل کہتے ہین اگرچہ یہودیونسے وہ سخت نفرت رکھتے ہین اور یہ قرین قیاس نہین کہ باوجود اس نفرت کے وہ اپنا تعلق یہودیونسے بلاوجہ بتلاتے

ہون۔ وہ یہودیون سے بہت امور مین مناسبت رکھتے ہین اور موسوی شریعت کے مطابق بڑے بھائی کی موت پر چھوٹا بھائی اسکی بیوہ کو نکاح مین لاتا ہے! افغانستان کے ایک بڑے حصہ کے نام اور اس نام مین مطابقت معلوم ہوتی ہے جہان اسدراس کے قول کے مطابق یہ گم شدہ اقوام آکر آباد ہوئی تھین۔ علاوہ ازین ہمین کچھ شک معلوم نہین ہوتا کہ خواہ ان اقوام کے ایک حصہ کا کچھ ہی حال ہوا ہو ایک حصہ ضرور اسجگہ کے قریب ہی رہا ہوگا۔ جہان وہ قید کیے گئے تھے اور اس طرح پر افغانستان کے ایک بڑے حصہ مین آباد ہوگیا ہوگا۔"

کیا حضرت مسیح بیوی رکھتے تھے

ایک زمانہ وہ تھا جب یہ کہنا کہ حضرت مسیح کے اور بھی بھائی اور بہنین تھین انکی شان کی ہتک سمجھا جاتا تھا کیونکہ اس بات کو ناممکن سمجھا جاتا تھا کہ خدا کی ماں نے فانی بچے جنے۔ مگر اب یہ صورت نہین کیونکہ عیسائی صاحبان نے اب تسلیم کرلیا ہے کہ حضرت مریم صدیقہ کی سوائے مسیح کے اور اولاد بھی تھی لڑکے بھی اور لڑکیان بھی۔ مگر اس امر کو کہ حضرت مسیح بیوی رکھتے تھے ابتک بری نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ کیونکہ اس بات کو انکی شان الوہیت کے خلاف سمجھا جاتا ہے کہ خدا ہوکر وہ بیوی بھی رکھتے ہون اور حقوق زوجیت کو بھی ادا کرتے ہون حالانکہ شان الوہیت کو صدمہ پہنچانیوالی سب سے بڑی بات یہ ہے کہ حضرت مسیح کو بھوک بھی لگتی تھی اور کھانا بھی کھاتے تھے۔ بلکہ انجیل مین تو لکھا ہے کہ جی اٹھنے کے بعد بھی آپکو بھوک لگتی تھی اور آپ کھانا کھاتے رہے اور ایسا ہی جب آپکو پیاس لگتی تو آپ پانی پیتے تھے پس جس شخص کو یہ دو بشری تقاضے لگے ہوئے تھے وہ باقی بشریت کے تقاضوں سے خالی نہ ہوسکتا تھا۔ چنانچہ قرآن شریف نے نہایت خوبصورت اور مختصر الفاظ مین انکی الوہیت کے بطلان مین صرف اسیقدر فرمایا ہے اور اسکو پھیلاؤ تو کئی جلدین دلایل کی تیار ہوسکتی ہین کہ کانا یاکلن الطعام یعنی حضرت مسیح اور انکی والدہ دونون کھانا کھاتے تھے پس جو شخص دو یا تین وقت روٹی کھاکر بھی خدا رہ سکتا ہے بیوی رکھنے سے اسکی کسر شان ہوسکتی ہے۔ مگر کلیسیا نے حضرت مسیح کے نکاح کے انکار پر اصرار کو ہی مفید سمجھا ہے۔ اور یہ کبھی خیال نہین کیا کہ اس انکار کا نتیجہ تو یہ ہے کہ کمال انسانی تجرد مین ہے نہ نکاح اور ادائیگی حقوق زوجیت مین۔ علاوہ ازین اگر مسیح نے نکاح نہین کیا تو ہر ایک سچے

عیسائی کا فرض ہے کہ وہ بھی اپنے آقا اور مرشد کے نقش قدم پر چلے اور نہین تو یہ فایدہ تو اسکا ضرور ہوگا کہ اس طرق سے دنیا اس جھوٹے عقیدہ والونسے خالی ہوکر ایک غلط عقیدہ سے نجات پا جائیگی۔ ہان عیسائیونمین فرقہ مارمن ایسا پیدا ہوا ہے کہ اسکی تعلیم عیسائیونکے اس خیال پر پانی پھیرتی ہے۔

اخبار اگناسٹک جرنل ۱۸ مارچ کے پرچہ مین ایک مضمون مارمنون پر لکھتا ہے جسکے اثنائے مین یہ دکھایا گیا ہے کہ حضرت مسیح نے صرف نکاح ہی نہین کیا بلکہ ایک ہی وقت مین کم از کم انکی تین بیبیان ضرور تھین۔ عیسائی اس بات کا منہ پر لانا بہت برا سمجھتے ہین مگر برا ماننے کی اسمین کیا بات ہے حضرت مسیح کے وقت مین تعدد ازدواج کا عام رواج تھا۔ اور آپنے کبھی صراحتًا یا کنایتًا ایک لفظ بھی نہین کہا جس مین تعدد ازدواج کی مخالفت پائی جاتی ہو پس اگر وہ اسکے مخالف نہ تھے تو لازمی نتیجہ یہ ہے کہ وہ تعدد ازدواج کے حامی تھے۔ پھر اسپر عمل کرنا کونسی تعجب کی بات ہوسکتی ہے۔ مارمنون کے پریزیڈنٹ ارسن ہائیڈ کا ایک قول نقل کیا گیا ہے کہ اسنے اپنے وعظ مین جو ایک عام جلسہ مین ۱۸۵۴ء مین بیان کیا یہ کہا تھا "مریم اور مارتھا۔ اور دوسری عورتونکے متعلق جو مسیح کے ساتھ ساتھ رہتی تھین کیا کہنا چاہیئے پہلے زمانے مین اور یہ رواج آجتک چلا جاتا ہے۔ عورتین اپنے خاوندونکو لارڈ (آقا) کے نام سے پکارتی تھین جیسا کہ سایرہ کی مثال سے ظاہر ہے۔ لفظ لارڈ (آقا) بعض زبانونمین لفظ ہسبنڈ (خاوند) کا مترادف ہے۔ اور ماسٹر (مالک) لارڈ (آقا) اور ہسبنڈ (خاوند) کے ایک ہی معنے ہین۔ جب مریم ہفتہ کے پہلے دن قبر پر آئی تو بجائے یسوع کے اس نے دو فرشتونکو سفید کپڑونمین دیکھا اور انہون نے اسے کہا کہ اے عورت تو کیون روتی ہے اس نے جواب دیا اسلیے کہ وہ میرے آقا یعنی خاوند کو لیگئے ہین اور مین نہین جانتی کہ انہون نے اسے کہان رکھدیا ہے اور جب وہ یہ کہہ چکی ... تو اسنے پھر کر دیکھا کہ یسوع کھڑا ہے مگر اس نے اسے پہچانا نہین۔ یسوع نے اسے کہا کہ اے عورت تو کیون روتی ہے اور کسے تلاش کرتی ہے اس نے اسے باغبان سمجھ کر کہا کہ اگر تو نے اسے یہانسے اٹھایا ہے تو مجھے بتا کہ تو نے اسے کہان رکھا ہے اور مین اسے لیجاؤنگی۔ یسوع نے اسے کہا مریم۔ اس نے پھر کر دیکھا اور کہا ربونی یعنی اے میرے مالک۔ کیا یہ الفاظ اس محبت کو ظاہر نہین کرتے جو بیوی کو خاوند سے ہوتی ہے ضرور کرتے ہین اور صاف طور پر ان یگانگت اور ہمدردی کے تعلقات کو ظاہر کرتے ہین جو شوہر اور بی بی مین ہوتے ہین۔ محض اشتراک مذہب کی بنا پر ایسی محبت (ایک عورت اور مرد کے درمیان) ہرگز نہین ہوسکتی۔

اسکے بعد اور ثبوت حضرت مسیح کے نکاح کرنیکا اوراق انجیل سے ہی دیا گیا ہے اور اسکے لیے

انجیل یوحنا کے دوسرے باب کی ابتدائی آیتوں کا حوالہ دیا گیا ہے جہان ایک دعوت کا ذکر ہے جو کسی شادی کی تقریب پر ہوئی تھی۔ یہ عجیب بات ہے کہ اس دعوت مین ایکطرف تو حضرت مسیح اور آپکی مان شریک ہین اور دوسری طرف آپکے حواری بھی اسمین شامل ہین دولہا کا نام تو نہین دیا گیا مگر ان قراین سے اسکے نام کی تعیین ایک حد تک ضرور ہو سکتی ہے وہ کون شخص ہو سکتا ہے جسکی خاطر ایک طرف تو حضرت مسیح کی مان شامل دعوت ہو اور دوسری طرف وہ لوگ بھی شامل ہون جنہون نے مذہبی طور پر آپسے تعلق پیدا کیا تھا یعنی آپکے حواری۔ ان دو فریقونکے لیے ایک ہی جگہ جمع ہونیکے لیے باعث کشش سوا حضرت مسیح کے اور کوئی نہ ہو سکتا تھا اسکے علاوہ وہ وجوہات ہین جو مارمن پریزیڈنٹ نے اپنے وعظ مین بیان کیے تھے۔ وہ کہتا ہے کہ انجیل مین یہ لکھا ہے کہ "جب انکو شراب کی ضرورت ہوئی تو یسوع کی مان نے کہا کہ شراب نہین رہی" اگر یسوع کی مان معمولی مہمانونکی طرح اس دعوت مین آئی تھی تو اسکو شراب کے ختم ہو جانے پر کیون تشویش ہوئی اور کیون اس انتظام کی فکر پڑی کہ اور شراب مہیا ہو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مہمانداری کا انتظام اسی کی طرف سے تھا۔ اور حضرت مسیح کو خطاب کر کے کہنے سے یہ پتہ بھی لگتا ہے کہ یہ انہین کی شادی کی تقریب تھی وو یسوع نے اسے کہا کہ اے عورت میرا تجھ سے کچھ کام نہین میرا وقت ابھی نہین آیا۔ اسکی مان نے نوکرونکو حکم دیا کہ جو کچھ یہ یعنی یسوع تمسے کہے تم وہی کرو" اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ نوکر مریم کے ہی تھے جنکو یہ حکم دیا گیا کیونکہ اگر وہ کسی اور کے نوکر ہوتے تو مریم کو یہ کہنے کا حق کیا تھا۔ علاوہ ازین یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ انکو بیٹے کا یہ جواب پسند نہین آیا اور اسلیئے انہون نے نوکرونکو کہا کہ جو یسوع کہتا ہے وہی کرو۔ گویا انکا منشا یہ تھا کہ مین اب دخل نہین دیتی تم جس طرح چاہو انتظام کر لو۔ اور وہان چھ پتھر کے مٹکے تھے جو یہودیونکی رسم کے مطابق رکھے ہوئے تھے اور انمین سے ہر ایک مین دو یا تین مشکین پانی کی تھین اور یسوع نے انکو کہا کہ ان مٹکونکو پانی سے بھر دو۔ اور انہون نے انکو لبالب بھر دیا۔ پھر اس نے انکو کہا کہ اب نکال لو اور دعوت کے منتظم کے پاس لیجاؤ۔ اور جب اس منتظم نے پانی کو جو شراب بنایا گیا تھا چکھا۔ اور اسکو معلوم نہین تھا کہ کہان سے آیا ہے (مگر نوکرونکو جنہون نے پانی نکالا تھا علم تھا) تو دعوت کے منتظم نے دولہا کو بلایا اور اسکو کہا کہ ہر ایک آدمی شروع مین اچھی شراب دیتا ہے اور جب لوگ اچھی طرح سے پی لین تو پھر وہ جو ناقص ہوتی ہے مگر تو نے ابتک عمدہ شراب دی ہے صاحبان انجیل کی اس عبارت کی صفائی سے پتہ لگتا ہے کہ اس موقعہ برات کا دولہا خود مسیح ہی تھا کیونکہ شراب کا مہیا کرنا دولہا کا کام تھا جیسا کہ یہان سے معلوم ہوتا ہے اور اس موقعہ پر شراب کا مہیا کرنیوالا خود یسوع تھا پس جسقدر کھلے لفظون مین اناجیل کے مترجم اور کونسلین اس مطلب کو ادا کر سکتی تھین انہون نے ادا کر دیا ہے اور اصل راز بتا دیا ہے مین اسبات کو برا نہین سمجھتا کہ ابراہیم کا بیٹا کہلاؤن یا اپنی نجات دہندہ کا بیٹا یا بھائی یا اسکی نسل سے کہلاؤن اگرچہ مریم اور مارتھا اور بہت ساری اور عورتین اسکی بیویان تھین اور اگرچہ اسنے انہین مین سے ایک مین سے سات شیطان بھی نکالے تھے میرے نزدیک یہ سب برابر ہے"

پردہ کے نہ ہونے کا ایک نقصان

لنڈن کے ایک رسالہ گرینڈ میگزین مین ایک مضمون "ہمارے ہسپتالونمین خطرناک امور" کے عنوان کے نیچے نکلا ہے جسکا ایک حصہ ہم نیچے نقل کرتے ہین۔ یہ مضمون ایک ایسے شخص کا لکھا ہوا ہے جو بحیثیت ایک میڈیکل پریکٹیشنر ہونیکے اس معاملہ مین ذاتی تجربہ رکھتا ہے۔ وہ لکھتا ہے:۔

"ہر ایک ہسپتال مین جس مین طبی کونسل نے تعلیم کا دیا جانا منظور کیا ہے۔ بیمارون کا علاج اصلی غرض نہین رہی بلکہ اس اصلی غرض کو طالب علمونکی تعلیم کے ماتحت کیا گیا ہے۔ اگر کوئی عورت پچیس یا تیس نوجوانون کے سامنے کپڑے اُتارنے سے انکار کرے تو اسے فی الفور ہسپتال سے خارج کردیا جاتا ہے۔ یہ کہنا بالکل حق ہے کہ ان ہسپتالونمین نوجوان لڑکیون اور عورتونکا جسمانی علاج سے فایدہ اٹھانا تو ایک شکی امر ہے مگر اس شکی فایدہ کیلیے انکی روحونکی ہلاکت یقینی ہے مین پوچھتا ہون کہ ایک نوجوان باحیا لڑکی کے اخلاق پر اس بات کا کیا اثر ہوگا جو ہسپتال مین کسی چھوٹی سی بیماری کے علاج کیلیے جاتی ہے مگر جب وہان پہنچتی ہے تو اسے یہ کہا جاتا ہے کہ کمر تک ننگی ہو کر کئی درجن نوجوانونکے سامنے کھڑی ہووے۔ تا وہ اسکو اچھی طرح سے دیکھین اور اسپر جس طرح چاہین ہاتھ ڈالین اور جبتک انکے دلی جذبات نہ نکل لین اسکو نہ چھوڑین۔ یہ مطلق پروا نہین کیجاتی کہ آیا اسکو سینہ کی کوئی شکایت بھی ہے یا واقعی اسکے سینے مین کوئی آفت بھی ہے وہ اپنی ایسی ہی دوسری بدبخت بہنونکے ساتھ طالبعلمونکی تعلیم کیلیے ایک عمدہ سامان سمجھ لیجاتی ہے اور پھر اگر ذرہ شکایت یا انکار اسکی طرف سے ہو تو فوراً اخراج کا حکم صادر ہوجاتا ہے۔ چند مہینونکا ذکر ہے جب مین ایک بڑے ہسپتال مین ان امور پر غور کر رہا تھا تو ایک نوجوان اندر آیا اور ڈاکٹر سے جو اسوقت بیمارون کو دیکھ رہا تھا کہا کہ وہ بعض دلونکا معاینہ کرنا چاہتا ہے اسپر اس ڈاکٹر نے جسکے متعلق سمجھا جاتا ہے۔ کہ وہ ہر ہفتہ مین تین دفعہ غربا کیخدمت کیلیئے آتا ہے۔ جواب دیا کہ ہان مین ہر طرح سے تیار ہون مگر مین ڈرتا ہون کہ کوئی عمدہ بیمار نہین ہے مگر تم دیکھ سکتے ہو۔ اسپر ہر ایک لڑکی اور عورت کو جو اس بات کی منتظر تھی کہ اسکا امتحان ہو حکم دیا گیا کہ وہ پردہ کے پیچھے چلی جائے۔ اور کمر تک سب کپڑے آتار کر ننگی ہو جاوے۔ ایک موقعہ پر مین نے چودہ نوجوان عورتونکو جنکی عمر بارہ سے پچیس سال کے اندر اندر تھی اسطرح پر ننگے کھڑے دیکھا۔ ایک لڑکی نے جسکی عمر ۱۸ سال کی تھی مجھے یہ کہا کہ وہ تین سال سے زیادہ باقاعدہ مہینہ مین دو دفعہ ہسپتال مین آتی رہی ہے غور کرنیکا مقام ہے کہ برابر کئی سال سینکڑون نوجوان طالب علمونکے سامنے اسطرح اپنی عورت کو ننگا کرنیسے اسمین کسقدر حیا

باقی رہ گیا ہوگا صحت یا بہتری کی کچھ بھی امید اسقدر عرصہ مین نہین ہوئی اور اسکو محض اسلیئے ننگا کیا جاتا تھا کہ وہ ایک دلچسپ مریض ہے۔ مریضہ نکے حالات مین یہ ایک معمولی بات ہے کہ سرجن یا ڈاکٹر جب آتا ہے تو لحاف یا اوڑھنی کو مریض کے اوپر سے اٹھا دیتا ہے اور نیچے ایک عورت سر سے پاؤن تک ننگی نظر آتی ہے مین نے بچشم خود یہ سینکڑون دفعہ ہوتے دیکھا ہے"

جو لوگ بلا سوچے سمجھے اسلامی اصولونکی بیخکنی کے درپے ہوجاتے ہین وہ غور کرین کہ یہ افسوسناک حالت ایک مہذب ملک کی کسقدر صراحت سے اس بات کو ثابت کرتی ہے کہ پردہ کے نہ ہونیسے سخت اخلاقی نقصان پہنچ رہا ہے۔ ان ممالک مین جہان عورتونکو آزاد خیال کیا جاتا ہے۔ محض اسوجہ سے کہ وہان پردہ کی پابندی نہین۔ وہان عورتین ہر وقت مردونکے حیوانی جذبات کا شکار ہوتی رہتی ہین اور اس اس قسم کی بے حیائی کی باتین عورتونسے کھلے طور سے کیجاتی ہین جن کا پردہ دار ممالک مین نام ونشان بھی نہین۔ اگر غور سے دیکھا جاوے کہ پردہ کی منسوخی پر اسقدر زور کیون دیا جاتا ہے تو اسکی وجہ سوائے اسکے کچھ معلوم نہین ہوتی۔ کہ عورتون اور مردون کے کھیل تماشون اور خوشی کے موقعونپر ملنے جلنے کو روکنے سے حیوانی خوشی کو روکا جاتا ہے۔ اس خوشی کا رونا تو بہت ہے مگر یہ نہین سوچا جاتا کہ اس خوشی کا حصول سوائے اسکے نہین ہوسکتا کہ اخلاقی حالتین تباہ ہوجائین۔ جیسا کہ انگلستان کے ہسپتالونکے اس نقشہ سے ظاہر ہے۔ پھر یہ بھی اکثر کہا جاتا ہے بلکہ مخالفین پردہ کا بڑا زور اسی بات پر ہے کہ تعلیم پردہ سے اچھا کام کرسکتی ہے مگر کیا وہ یہی تعلیم ہے جسکا نقشہ اس مضمون مین ایک صاحب تجربہ نے کھینچا ہے یا کوئی اور تعلیم ہے جسکا ابھی تک دنیا کو علم نہین۔ وہ نوجوان جو ایک دو سال کی اور تعلیم کے بعد ڈاکٹری جیسے نازک اور ذمہ داری کے عہدہ پر پہونچنے والے ہین انکی یہ حالت ہے کہ عورتونکو محض حیوانی جذبات کے تقاضا سے ننگا کرتے اور ناشایستہ حرکات کے مرتکب ہوتے ہین کیا یہی لوگ وہ پاک نظر ہین جنکے لیئے عورتونکو پردہ کرنے کی ضرورت نہین اور کیا آزاد خیال مسلمان انہین لوگونکے نقش قدم پر چلینگے افسوس کا مقام ہے کہ اندھا دھند ایک پاک اصول کی تردید اور ایک ناپاکی کی تقلید کیجاتی ہے۔ ہمارے خیال مین تو بہت ہی کم جاہل ایسے ہونگے جو ان مہذب تعلیم یافتہ نوجوانونکی ان ناشایستہ حرکات پر جنکا نقشہ اوپر کھینچا گیا ہے کانپ نہ اٹھینگے۔ مگر انکا بھی کیا قصور ہے نقص تو اس رواج کا ہے جو عورتون اور مردونکا اس طرح کھلا میل جول جایز رکھتا ہے بلکہ اسپر زور دیتا ہے۔ یہ میل جول قدرتی طور پر حیوانی جذبات کا..... محرک ہے +

الدّعوت

چونکہ میرا کام دعوت اور تبلیغ ہے اسلیے مین ظاہر کرتاہون اور مین قسم حضرت احدیت جلشانہ کی کھاکر کہتا ہون کہ میرے پر خدا نے اپنی وحی کے ذریعہ سے ظاہر فرمایا ہے کہ میرا غضب زمین پر بھڑکا ہے کیونکہ اس زمانہ مین اکثر لوگ معصیت اور دنیا پرستی مین ایسے غرق ہوگئے ہین کہ خداتعالے پر بھی ایمان نہین رہا۔ اور وہ جو اسکی طرفسے اصلاح خلق کیلیے بھیجا گیا ہے اُس سے ٹھٹھا کیا جاتا ہے اور یہ ٹھٹھا اور لعن طعن حد سے گذر گیا ہے پس خدا فرماتا ہے کہ مین ان سے جنگ کرونگا اور میرے وہ حملے ابنر ہونگے جو انکے خیال و گمان مین نہین کیونکہ انہون نے جھوٹ سے اسقدر دوستی کی کہ سچائی کو اپنے پاؤن کے نیچے پامال کرنا چاہا پس خدا فرماتا ہے کہ مینے اب ارادہ کیا ہے کہ اپنے غریب گروہ کو ان درندونکے حملونسے بچاؤن اور سچائی کی حمایت مین کئی نشان ظاہر کرون اور وہ فرماتا ہے کہ دنیا مین ایک نذیر آیا پر دنیا نے اسکو قبول نہ کیا لیکن خدا اُسے قبول کریگا اور بڑے زور آور حملونسے اسکی سچائی ظاہر کردیگا پس تم سوچکر دیکھو کہ یہ دن کیسے ہین جو تم دیکھ رہے ہو سچ کہو کہ کیا کبھی تمہارے باپ دادون نے سنا تھا کہ جس زور سے اب ملک کو طاعون کھا رہی ہے کبھی پہلے بھی ایسا زور ہوا تھا اور جس طرح ابھی ۴۔ اپریل ۱۹۰۵ء کو ایک شدید زلزلہ نے تمہارے دلونکو ہلا دیا اور عام نقصان پہنچایا اور لوگون کو دیوانہ سا کر دیا کبھی پہلے بھی تمنے یا تمہارے بزرگون نے اس ملک مین دیکھا تھا؟ اور یاد رکھو کہ یہ تمام آفات صرف تکلف اور بناوٹ سے پیشگوئیان قرار نہین دیئے گئے بلکہ سالہا سال انکے وجود سے پہلے براہین احمدیہ مین خبر دیگئی تھی اور ایسا ہی دوسری کتابونمین جو میری تالیف ہین یہ خبرین شایع ہو چکی ہین اور یہ تو پرانی باتین ہین ممکن ہے کہ اکثر لوگونکو بھول گئی ہونگی کیونکہ غفلت اور عداوت اور بدظنی یہ تینون جس جگہ اکٹھی ہو جائین وہان حافظہ کب درست رہ سکتا ہے خدا کے وعدے بھی ایمانداری سے ہی یاد رہتے ہین ورنہ جس شخص کا دل ایمان سے خالی ہو وہ ہزار نشانونکو بھی آنکھونسے دیکھکر ایسا دل سے اتار دیتا ہے جیسا کہ ایک تنکا توڑ کر پھینکدیا جائے۔ غرض مین اسوقت پرانی پیشگوئیونپر اکتفا نہین کرتا بلکہ مین ان پیشگوئیونکو پیش کرتا ہون جن کے شایع کیے جانے پر قریبًا ایک مہینہ گذرا ہے دیکھو میرا اشتہار الوصیت جسکو مین نے ۲۷۔ فروری ۱۹۰۵ء کو شایع کیا تھا یہی اشتہار الحکم نمبر ۷ جلد ۹ کے صفحہ ۱۱ پر ۲۸۔ فروری ۱۹۰۵ء کو شایع ہوا اور پھر دوبارہ الحکم مورخہ ۲۴۔ مارچ ۱۹۰۵ء کے صفحہ ۲ کالم ۲ مین وہی الہام شایع ہوا ہے ان پیشگوئیونمین سے ایک خبر کے الفاظ یہ ہین کہ ۲۶۔ فروری ۱۹۰۵ء کی رات کو جسکی صبح کو ۲۷۔ فروری ۱۹۰۵ء تھی مین نے بطور کشف دیکھا کہ دردناک موتونسے عجیب طرح پر شور قیامت برپا ہے میرے منہ پر یہ الہام الہی تھا کہ موتاموتی لگ رہی ہے اور مجھے دکھایا گیا کہ یہ ملک عذاب الہی سے مسٹ جانیکو ہے نہ مستقل سکونت امن کی جگہ رہے گی نہ عارضی سکونت بمقامو نیز اور

عارضی سکونت گاہوں پر آفت آئیگی اور پھر مارچ کے مہینہ مین خدا تعالیٰ نے اپنی پاک وحی سے یہ خبر بھی ظاہر کیا کہ مکذبون کو ایک نشان دکھایا جائیگا اور یہ پیش گوئی بھی اسی الحکم ۲۴- مارچ مین شایع ہو چکی ہے - اب اے عزیزو! سوچ لو کہ کیا یہ زلزلہ جو ۴- اپریل ۱۹۰۵ء کی صبح کو اس ملک مین ظاہر ہوا وہی نشان نہین ہے جسکی خدا نے پہلے سے خبر دی ہے دیکھو کتابون مین لکھا گیا تھا کہ مہدی موعود کے زمانہ مین رمضان مین کسوف خسوف ہوگا اور مسیح موعود کی نسبت خود عیسائی صاحبونکی انجیل مین ہے کہ مسیح کے وقت مین مری پڑیگی یعنی طاعون - اور ایک بادشاہ دوسرے بادشاہ پر چڑھائی کریگا اور سخت زلزلے آئینگے پس تمنے ان تمام علامتونکو اپنی آنکھونسے دیکھ لیا پھر جبکہ تمام نشان ظاہر ہو چکے ہین اور ان دونون منصبونکا مدعی مین ہون جو تم مین اسوقت پچیس سال سے موجود ہون پس میرے بعد کس کا انتظار کرو گے؟ ان تمام علامتونکا مصداق تو وہ ہے جو ان نشانونکے ظہور کیوقت موجود ہے نہ وہ کہ جبتک ابھی دنیا مین نام و نشان نہین یہ عجیب سخت دلی ہے جو سمجھ مین نہین آتی جبکہ میرے دعوے کے ساتھ سب نشان ظاہر ہو چکے اور میری مخالفت مین کوششین بھی ہو کر انہین نامرادی اور ناکامی رہی مگر پھر بھی انتظار کسی اور کی ہے؟ ہان یہ سچ ہے کہ مین نہ جسمانی طور پر آسمان سے اترا ہون اور نہ مین دنیا مین جنگ اور خونریزی کرنیکے لیے آیا ہون بلکہ صلح کیلیے آیا ہون مگر مین خدا کی طرف سے ہوں مین یہ پیشگوئی کرتا ہون کہ میرے بعد قیامت تک کوئی ایسا مہدی نہین آئیگا جو جنگ اور خونریزی سے دنیا مین ہنگامہ برپا کرے اور خدا کیطرف سے ہو اور نہ کوئی ایسا مسیح آئیگا جو کسی وقت آسمان سے اتریگا ان دونون سے ہاتھ دھو لو یہ سب حسرتین ہین جو اس زمانہ کے تمام لوگ قبر مین لیجائینگے نہ کوئی مسیح اتریگا اور نہ کوئی خونی مہدی ظاہر ہوگا جو شخص آنا تھا وہ آچکا وہ مین ہی ہون جس سے خدا کا وعدہ پورا ہوا جو شخص مجھے قبول نہین کرتا وہ خدا سے لڑتا ہے کہ تو نے کیون ایسا کیا حالانکہ ایسی غلطیان یہود سے بھی ہوتی رہی ہین اور انکے علما بھی پیشگوئیونکے سمجھنے مین ٹھوکر کھاتے رہے ہین کہ سمجھا کچھ اور آخر ظاہر ہو گیا کچھ عزیزو!! شرم اور حیا کرو کہ خدا کے دن آگئے اور آسمان تمہین وہ کرشمے دکھا رہا ہے جنکی تمہارے آباؤ اجداد کو خبر نہ تھی مبارک وہ جو میرے بارے مین ٹھوکر نہ کھاوین - والسلام علے من اتبع الہدے -

المشتہر خاکسار مرزا غلام احمد - ۵- اپریل ۱۹۰۵ء -

الانذار

غور سے پڑھو کہ یہ خدا تعالیٰ کی وحی ہے

آج رات تین بجے کے قریب خدا تعالیٰ کی پاک وحی مجھ پر نازل ہوئی جو ذیل مین لکھی جاتی ہے تازہ نشان تازہ

نشان کا دھکہ۔ زَلْزَلَةُ السَّاعَةِ۔ قُوْا اَنْفُسَكُمْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الْاَبْرَارِ۔ دَنٰى مِنْكَ الْفَضْلُ۔ جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ۔ ترجمہ مع شرح یعنی خدا ایک تازہ نشان دکھائیگا۔ مخلوق کو اس نشان کا ایک دھکہ لگیگا وہ قیامت کا زلزلہ ہوگا۔ مجھے علم نہین دیا گیا کہ زلزلہ سے مراد زلزلہ ہے یا کوئی اور شدید آفت ہے جو دنیا پر آئیگی جس کو قیامت کہہ سکینگے اور مجھے علم نہین دیا گیا کہ ایسا حادثہ کب آئیگا اور مجھے علم نہین کہ وہ چند دن یا چند ہفتون تک ظاہر ہوگا یا خدا تعالی اس کو چند مہینون یا چند سال کے بعد ظاہر فرمائیگا بہرحال وہ حادثہ زلزلہ ہو یا کچھ اور ہو قریب ہو یا بعید ہو پہلے سے بہت خطرناک ہے سخت خطرناک ہے اگر ہمدردی مخلوق مجھے مجبور نہ کرتی تو مین بیان نہ کرتا وہ پہلی پیشگوئی جو مین نے الحکم اور البدر مین حادثہ سے پانچ ماہ پہلے ملک مین شایع کرکے خبر دی تھی کہ ملک مین بڑی تباہی پیدا ہوگی اور شور قیامت برپا ہوگا اور یکدفعہ موتا موتی ظہور مین آجائیگی دیکھو وہ نشان کیسا پورا ہوا! اور جیسا کہ مین نے ابھی لکھا ہے یہ پیشگوئی مذکورہ اخبار الحکم اور البدر مین اس زلزلہ سے قریبًا پانچ ماہ پہلے شایع کردیگئی تھی اور پیشگوئی مذکور یہ ہے عَفَتِ الدِّيَارُ مَحَلُّهَا وَمُقَامُهَا یعنی بہت سی مخلوق کو مٹا دینے والی تباہی آئیگی جس سے مکانات بے نشان ہو جائینگے اُن مکانون اور گھرون کا پتہ نہ ملیگا کہ کہان تھے۔ دیکھو کیسی صفائی سے یہ باتین پوری ہوگئین اگر تم عربی دان نہین ہو تو عربی دانون سے پوچھ لو کہ اس وحی الہی کے کیا معنے ہین؟ کہ عفت الدیار محلها و مقامها۔ اے عزیزو! اسکے یہی معنے ہین کہ محلون اور مقامون کا نام و نشان نہین رہیگا۔ طاعون تو صرف صاحب خانہ کو لیتی ہے مگر جس حادثہ کی اس وحی الہی مین خبر دیگئی تھی اسکے تو یہ معنے ہین کہ نہ خانہ رہیگا نہ صاحب خانہ۔ سو خدا تعالی کا فرمودہ جسطور سے اور جس صفائی سے پورا ہوگیا آپ صاحبونکو معلوم ہے اسکی نسبت اشتہار الوصیت مین بھی خبر دیگئی تھی وہ تو جو ہوا سو ہوا۔ مگر اسکے بعد جو آنیوالا حادثہ ہے وہ بہت بڑھکر ہے۔ خدا تعالی لوگونپر رحم کرے اُنکو تقوے اور نیک اعمال کا خیال آجاوے)+ بقیہ ترجمہ عربی وحی کا یہ ہے کہ خدا تعالے فرماتا ہے کہ نیکی کرکے اپنے تئین بچالو قبل اسکے جو وہ ہولناک دن آوے جو ایکدم مین تباہ کر دیگا۔ اور فرماتا ہے کہ خدا انکے ساتھ ہے جو نیکی کرتے ہین اور بدی سے بچتے ہین اور پھر اس نے مجھے مخاطب کرکے فرمایا کہ میرا فضل تیرے نزدیک آگیا کہ تو کامل طور پر شناخت کیا جاوے حق آگیا اور باطل بھاگ گیا۔

حاصل مطلب یہ ہے کہ جو کچھ نشان ظاہر ہوا اور ہوگا اس سے یہ غرض ہے کہ لوگ بدی سے باز آوین اور اس خدا کے فرستادہ کو جو انکے درمیان ہے شناخت کرلین پس اے عزیزو! جلد ہر ایک بدی سے پرہیز کرو کہ پکڑے جانیکا دن نزدیک ہے ہر ایک جو شرک کو نہین چھوڑتا وہ پکڑا جائیگا۔ ہر ایک جو فسق و فجور مین مبتلا ہے وہ پکڑا جاویگا ہر ایک جو دنیا پرستی مین حد سے گذر گیا ہے اور دنیا کے غمون مین مبتلا ہے وہ پکڑا جائیگا۔ ہر ایک جو خدا کے وجود سے منکر ہے وہ پکڑا جائیگا ہر ایک جو خدا کے مقدس نبیون اور رسولون اور مرسلونکو بدزبانی سے یاد کرتا ہے اور باز نہین آتا وہ پکڑا جائیگا۔ دیکھو! آج مینے بتلا دیا زمین بھی سنتی ہے اور آسمان بھی کہ ہر ایک جو راستی کو چھوڑکر شرارت پر آمادہ ہوگا اور ہر ایک جو زمین کو اپنی بدیون سے ناپاک کریگا

نوٹ۔ یہ خبر زلزلہ کی براہین احمدیہ مین بھی مینے دی تھی جسکو شایع ہوئے قریبًا پچیس برس گذر گئے جیسا کہ اسی وحی الہی مین خبر ہے۔ واصنع الفلک باعیننا ووحینا ولا تخاطبنی فی الذین ظلموا ... انهم مغرقون۔ اور ایک وحی الہی جو اخبارون مین اس ہولناک زلزلہ کی نسبت شایع ہو چکی ہے یہ ہے چونکا دینے والی خبر ہے

وہ پکڑا جائیگا۔ خدا فرماتا ہے کہ قریب ہے جو میرا قہر زمین پر اترے کیونکہ زمین پاپ اور گناہ سے بھر گئی ہے پس اٹھو اور ہوشیار ہو جاؤ کہ وہ آخری وقت قریب ہے جسکی پہلے نبیوں نے بھی خبر دی تھی۔ مجھے اس ذات کی قسم ہے جسنے مجھے بھیجا کہ یہ سب باتین اسکی طرف سے ہین میری طرف سے نہین ہین کاش یہ باتین نیک ظنی سے دیکھی جاوین کاش مین انکی نظر مین کاذب نہ ٹھہرتا تا دنیا ہلاکت سے بچ جاتی یہ میری تحریر معمولی تحریر نہین دلی ہمدردی سے بھرے ہوئے نعرے ہین اگر اپنے اندر تبدیلی کروگے اور ہر ایک بدی سے اپنے تئین بچا لوگے تو بچ جاؤگے کیونکہ خدا حلیم ہے جیسا کہ وہ قہار بھی ہے اور تمسے اگر ایک حصہ بھی اصلاح پذیر ہوگا تب بھی رحم کیا جائیگا ورنہ وہ دن آتا ہے کہ انسانونکو دیوانہ کر دیگا نادان بدقسمت کہیگا کہ یہ باتین جھوٹ ہین ہائے وہ کیون اسقدر سوتا ہے آفتاب تو نکلنے کو ہے جب خدا تعالی اس وحی کے الفاظ میرے پر نازل کر چکا تو ایک روح کی آواز میرے کان مین پڑی جو کوئی ناپاک روح تھی اور مین نے اسکو یہ کہتے سنا کہ مین سوتے سوتے جہنم مین پڑ گیا انسان کا کیا حرج ہے کہ اگر وہ فسق و فجور کو چھوڑ دے کونسا اسمین اسکا نقصان ہے اگر وہ مخلوق پرستی نکرے آگ لگ چکی ہے اٹھو اور اس آگ کو اپنے آنسوؤنسے بجھاؤ۔ بنی اسرائیل مین جو شخص گناہ کرتا تھا اسکو حکم ہوتا تھا کہ اپنے تئین قتل کر دے پس گو یہ حکم تمہارے لیے نہین ہے مگر یہ تو ضرور چاہیئے کہ اسقدر توبہ استغفار کرو کہ گویا مر ہی جاؤ تا وہ حلیم خدا تمپر رحم کرے۔ آمین۔

والسلام علے من اتبع الہدے۔ راقم خاکسار **مرزا غلام احمد قادیانی** ۸- اپریل ۱۹۰۵ء

رؤیا والہامات حضرت مسیح موعود علیہ السلام

۳- مارچ ۱۹۰۵ء۔ کوئی شخص ہے اس سے مین کہتا ہون کہ تم حساب کر لو مگر وہ نہین کرتا۔ اتنے مین ایک شخص آیا اور اسنے ایک مٹھی بھر کر روپے مجھے دیئے ہین اسکے بعد ایک اور شخص آیا جو الٰہی بخش کیطرح ہے مگر انسان نہین بلکہ فرشتہ معلوم ہوتا ہے اسنے دونون ہاتھ روپیوں سے بھر کر میری جھولی مین ڈالدیئے ہین تو وہ اسقدر ہو گئے ہین کہ مین انکو گن نہین سکتا پھر مین نے اسکا نام پوچھا تو اسنے کہا میرا کوئی نام نہین دوبارہ دریافت کرنے پر کہا کہ میرا نام ہے ٹیچی۔ مینے بہت سا مال دیکھکر دلمین کہا کہ فلان حاجتمند کو کچھ دیدونگا! اور ایک حاجتمند دکھایا گیا جسکا حال قابل رحم +

۶- مارچ ۱۹۰۵ء۔ تھوڑی سی غنودگی ہوئی تو دیکھتا ہون کہ یہ مکان جواب بن رہا ہے (جسکا اشتہار کشتی نوح مین دیا تھا) سامنے آگیا ہے اسپر ایک معمار بیٹھا ہے اسنے کہا مبارک۔ مین نے کہا خیر مبارک +

۱۹- مارچ بوقت شب (۱) سنتا ہے اور دیکھتا ہے (۲) لا تیئسوا من روح اللہ (۳) ایک عربی الہام تھا جسکا مفہوم یہ تھا کہ خدا مکذبونکو ایک نشان دکھائیگا + ۲۰ مارچ بعد دوپہر* **شکار مرگ**۔

۲۶- مارچ ۱۹۰۵ء۔ **چودھری رستم علی** + ۲۹- مارچ۔ **سلاماً سلاماً**۔

*اس سے ایک روز پہلے سے حضرت اقدس مرض حرقت بول سے سخت بیمار تھے اسی تکلیف کیحالت مین یہ الہامات ہوئے ہیں ۲۰- مارچ کو مینے منشی محمد افضل صاحب مرحوم کی بیماری کا حال حضرت اقدس کیخدمت مین لکھا تھا اسکے تھوڑی دیر بعد حضرت اقدس کا ایک رقعہ میرے پاس پہونچا جسکے آخری الفاظ یہ تھے "خدا تعالے بہتر جانتا ہے" مگر جسوقت یہ الہام ہوا کہ شکار مرگ تو پہلے ...... اس سے محمد افضل کی بیماری کا کوئی ذکر کرتا تھا۔ چنانچہ اسی تقدیر مبرم کے مطابق جسکا اظہار اللہ تعالے نے اپنے برگزیدہ پر پہلے ہی کر دیا تھا منشی صاحب مرحوم ۲۱ مارچ کو عصر کی نماز کے بعد فوت ہوگئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون +

(ایڈیٹر)

یکم اپریل محونا نار جہنم

۳-اپریل- **موت دروازے پر کھڑی ہے-**

" رویا[1] دیکھا کہ مرزا نظام الدین کے مکان پر مرزا سلطان احمد کھڑا ہے اور اس کا سب لباس سرتا پا سیاہ ہے- ایسی گاڑھی سیاہی کہ دیکھا نہیں جاتا- اسیوقت معلوم ہوا کہ یہ ایک فرشتہ ہے- جو سلطان احمد کا لباس پہنکر کھڑا ہے- اسوقت مین نے گھر مین مخاطب ہوکر کہا کہ یہ میرا بیٹا ہے- تب دو فرشتے اور ظاہر ہوگئے اور تین کرسیان معلوم ہوئین اور تینون پر وہ تین فرشتے بیٹھ گئے اور بہت تیز قلم سے کچھ لکھنا شروع کیا جس کی تیز آواز سنائی دیتی تھی انکے اس طرز کے لکھنے مین ایک رعب تھا مین پاس کھڑا ہون- کہ بیداری ہوگئی+

۵-اپریل[2]- کففت عن بنی اسرائیل

۶-اپریل[3]- کوئی روح کہتی ہے کہ "**ہمنے وہ جہان چھوڑ دیا ہے**"

۸-اپریل[4]- تازہ نشان- تازہ نشان کا دھکا- زلزلۃ الساعۃ قوا انفسکم ان اللہ مع الابرار دنی منك الفضل- جاء الحق و زھق الباطل-

" ایک روح کی یہ آواز میرے کان مین پڑی کہ "**مین سوتے سوتے جہنم مین پڑ گیا**"

۹-اپریل بوقت نصف شب- **بخور انچہ ترا بخورانم** لك درجۃ فی السماء و فی الذین ھم یبصرون- نزلت لك- لك نری ایات و نھدم مایعمرون- قل عندی شھادۃ من اللہ فھل انتم مومنون- کففت عن بنی اسرائیل

۱۰-اپریل[5]- ان فرعون وھامان وجنودھما کانوا خاطئین-

۱۴-اپریل- رویا- قادیان کے بازار مین ایک گاڑی مین چلے جاتے ہین کہ معلوم ہوا کہ زلزلہ آیا ہے مگر ہمنے اسکا کوئی نقصان کچھ نہیں ہوا- ۱۸-اپریل- انی مع الافواج اتیك بغتۃ-

[illegible]

---

[1] اس رویا کی یہ تعبیر بیان فرمائی کہ سلطان احمد سے مراد ایسے دلایل اور براہین ہین جو دلون پر تسلط کرتے اور دلونکو پکڑ لیتے ہین- اور نظام الدین سے مراد ایسا نشان ہے جس سے دین اسلام کی صلاحیت ہوگی یا وہ اسکا نظام درست ہوجائیگا- سیاہ کپڑونسے مراد دراز والا نشان ہے یہ جو کہا کہ یہ میرا بیٹا ہے اس سے یہ مراد ہے کہ یہ ہماری دعاؤنکا نتیجہ ہے کیونکہ بچہ کو بھی نتیجہ کہتے ہین ۱۴-اپریل کے زلزلہ کی خبر ہے

[2] بنی اسرائیل سے مراد وہ قوم ہے جسپر اس قسم کے واقعات تکلیف وارد ہوگئے ہون جیسے کہ بنی اسرائیل پر- ہماری جماعت بنی اسرائیل سے مشابہ ہے مراد یہ ہے کہ ایسے نشان ظاہر ہونگے کہ وہ لوگ جو ہماری جماعت پر بیجا حملے کرتے ہین رک جائینگے اور ایسے نشان ظاہر ہونگے کہ انکی باتون کا-

[3] فرمایا یہ میرے ساتھ عادت اللہ ہے کہ کشف مین اس دنیا کو وہ جہان کے نام سے پکارا جاتا ہے-

[4] اسکے متعلق مفصل دیکھو اشتہار الانذار جو دوسری جگہ درج ہوچکا ہے-

[5] فرمایا یہ الہام ۹-اپریل والے الہام کا متمم ہے اسکے معنے یہ سمجھائے گئے کہ یہ لوگ کہتے ہین کہ ہم پر تباہی آئیگی- مگر غلطی پر یہ لوگ خود ہین نہ ہم+

ضروری اطلاع

رسالہ نورالدین جس مین فاضل مصنف نے بعد نظر ثانی کسیقدر اضافہ کیا ہے خوشخط وعمدہ کاغذ پر چھپکر تیار ہے قیمت علاوہ محصول ڈاک ۱۲ر خواستین اس پتہ پر ہون +

سیٹھ عبدالاحد ہدایت اللہ جنرل مرچنٹ کمیشن ایجنٹ کٹڑہ جیمل سنگھ امرتسر +

حکیم فضلدین صاحب ... نے مطبع ضیاء الاسلام مین چھپوا کر ... میگزین کیلیئے چھپایا

آؤ لوگو کہ یہیں نور خدا پاؤ گے — لو تمہیں طور تسلی کا بتایا ہم نے

ریویو آف ریلیجنز

یعنی دنیا کے مذاہب پر نظر

جلد ۴ — بابت ماہ مئی ۱۹۰۵ء — نمبر ۵

فہرست مضامین

قادیان ضلع گورداسپور سے ۲۰ مئی ۱۹۰۵ء کو منیجر میگزین کے اہتمام سے شایع ہوا۔ چندہ سالانہ ۲ روپیہ

تعلیم الاسلام کالج

دو سال گذر چکے ہیں جب اس کالج کی بنیاد پہلے رکھی گئی تھی۔ اور ابھی تک یہاں کو اس کی تعلیمی حالت کا صحیح اندازہ لگانے کا موقعہ نہ ملا تھا مگر [illegible]ء کے امتحان یونیورسٹی نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ علاوہ دینی تعلیم اور تعلیم قرآن شریف کے جو اس کالج کے خاص اغراض میں سے ہے یہاں کی معمولی تعلیم بھی اعلیٰ درجہ کی ہے اور کالج کا سٹاف خصوصاً قابل تعریف ہے۔ اس سال اس کالج سے چار طالب علم امتحان ایف اے میں شامل ہوئے تھے جن میں سے تین کامیاب ہوئے جہاں عام طور پر ایف اے کے امتحان میں ۳۸ فیصدی طالب علم پاس ہوئے ہیں اور بڑے بڑے مشہور کالجوں میں بھی نصف کے قریب قریب ہی تعداد پاس شدگان کی ہے۔ ہمارے کالج کا نتیجہ ۷۵ فیصدی کامیاب بنتا ہے +

نئی فرسٹ ایئر کلاس ۱۵ مئی سے کھل گئی ہے اس لیے عام طور پر اطلاع دی جاتی ہے کہ جو طالب علم داخل ہونا چاہیں وہ پرنسپل صاحب تعلیم الاسلام کالج قادیان سے خط و کتابت کر کے پراسپکٹس منگوا سکتے ہیں۔ **زمانہ کی زہرناک ہواؤں کے اثر سے بچنے کے لیے یہ جگہ خدا کے فضل سے نہایت عمدہ ہے +**

عمارت کے سلسلہ کو بھی وسیع کرنا پڑا ہے اور مدرسہ اور بورڈنگ ہوس کے لیے کمرے بنوانے پڑے ہیں اسلیے سب دوستوں کی خدمت میں التماس ہے کہ فراہمی چندہ میں خاص طور پر کوشش کریں۔

ماہوار چندوں میں بہت تساہل ہو رہا ہے سب احباب اپنے اپنے بقایا کو جلدی ادا کرنے کی کوشش کریں۔ چندہ بھیجتے وقت یہ اطلاع ساتھ دیا کریں کہ کس کس ماہ کا چندہ ہے۔ ترسیل زر بنام اکونٹنٹ صاحب مدرسہ تعلیم الاسلام ہونی

مسکین فنڈ اور یتیم فنڈ کیطرف جماعت کی بہت بڑی توجہ درکار ہے۔ اگر ان مدات میں خیرات صدقات زکوٰۃ وغیرہ کا روپیہ سب احباب کیطرف سے آنا شروع ہو جاوے تو بہت سے مستحق فایدہ اٹھا سکتے ہیں ابتک یہ فنڈ بہت کمزوری کی حالت میں ہیں۔ اور خاص توجہ کل جماعت کی چاہتے ہیں۔

ضرورت ہے ایک جونیئر ٹرینڈ ٹیچر کی جو ایف اے پاس ہو۔ ایک ورزش ماسٹر کی جو سند یافتہ ہو۔ خط و کتابت بنام ہیڈ ماسٹر مدرسہ تعلیم الاسلام ہونی چاہیے +

خاکسار محمد علی سکرٹری منیجنگ کمیٹی مدرسہ تعلیم الاسلام

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

تعدد ازواج

۳- تعدد ازواج پر اعتراضون کا جواب

ایک غلط فہمی کا ازالہ

مارچ کے رسالہ مین جو تعدد ازواج کی ضرورت پر ایک مضمون لکھا گیا تھا اسکے متعلق بعض لوگون کو ایک غلط فہمی ہوئی ہے اور قبل اسکے کہ اور اعتراضونکا جواب دون پہلے مین اسی غلط فہمی کو دور کرنے کی کوشش کرون گا۔ رسالہ کے معزز ناظرین مین سے ایک صاحب نے جو اس مضامین کے سلسلہ کو جو پردہ سے شروع ہوا ہے بڑی دلچسپی سے پڑھتے رہے ہین مجھے ایک خط لکھا ہے جس مین تعدد ازواج کی ضرورت کے مضمون کو "نہایت مدلل" ان کر وہ لکھتے ہین "لیکن مین یہ کہتا ہون کہ آپ کی اپنی تحریر کے بموجب عام قاعدہ یہی رہے گا کہ ہر شخص ایک ہی بی بی سے نکاح کرے۔ اسکے بعد مین آپ کو قانون کے اُس مسلم اصول کی طرف توجہ دلاتا ہون جو بینتھم صاحب نے اپنے مسئلہ وضع قوانین مین لکھا ہے کہ سب سے عمدہ قاعدہ وہ ہے جسکا مقصد بڑی سے بڑی تعداد کو بڑے سے بڑا فایدہ پہنچانا ہے۔ خود قدرت کا بھی یہی منشا معلوم ہوتا ہے کہ عام قاعدہ ایک بی بی سے نکاح کرنیکا ہی ہے کیونکہ قدرت نے مردون اور عورتون کی تعداد مین عورتون کی تعداد کو مردون کی تعداد سے تھوڑا ہی زیادہ رکھا ہے۔" مجھے سمجھ نہین آتا کہ یہ غلط فہمی کیونکر پیدا ہوئی ہے۔ مین نے کبھی یہ نہین لکھا کہ تعدد ازواج عام قاعدہ ہونا چاہئے یا ہوسکتا ہے۔ بلکہ برخلاف اسکے مین نے صاف الفاظ مین اپنے مضمون مین لکھدیا تھا کہ.... عام قاعدہ واحد زوج کا ہی رہیگا اور تعدد ازواج اس قاعدہ کے لیے بطور استثنا کے رہیگا اور اسی دعویٰ کی تائید مین میرے تمام دلایل تھے ایسا ہی دوسرے مضمون مین جس کا عنوان اسلام مین تعدد ازواج تھا۔ یہ وضاحت سے بیان کردیا گیا ہے کہ قرآن کریم تعدد ازدواج کی اجازت دیتا ہے اور اسکو

فرض نہین ٹھہرتا۔ اب جب تک یہ ثابت نہ کر دیا جائے کہ کوئی وجہ ایسی نہین جس کی بنا پر تعدد ازواج کو ایک استثناء کے رنگ مین رکھا جاوے یا جو دلایل دیے گئے ہین وہ صحیح نہین مجھے کسی بات کا جواب دینے کی ضرورت نہین امر تنقیح طلب یہ نہین کہ تعدد ازواج یا واحد زوج کے قاعدہ مین سے کس کو عام قاعدہ بنایا جاوے کیونکہ یہ بحث کبھی کسی نے نہین کی کہ تعدد ازواج دنیا کے لیے عام قاعدہ ہو سکتا ہے امر فیصلہ طلب یہ ہے کہ جس صورت مین واحد زوج کے قاعدہ کو دنیا کے لیے عام قاعدہ تسلیم کیا جاتا ہے آیا کافی وجوہات اس امر کے موجود نہین کہ تعدد ازواج ایک ضروری استثناء کے طور پر ہے۔ مین اس سوال کا جواب دے چکا ہون اور منتظر ہون کہ تعدد ازواج کے مخالف اسکا کیا جواب دیتے ہین ساتھ ہی مین اپنے اس دوست کی خدمت مین جس کو یہ غلط فہمی ہوئی ہے یہ عرض کرتا ہون کہ جس صورت مین وہ یہ تسلیم کرتے ہین کہ عورتون کی تعداد مردون کی تعداد سے کسی قدر زیادہ ہے تو تعدد ازواج کو استثناء کے رنگ مین خود انہون نے مان لیا ہے +

تعدد ازواج فرض نہین

یہ غلطی جس کا اوپر ذکر کیا گیا ہے تعدد ازواج کے تمام مخالفین نے کی ہے وہ تعدد ازواج کو استثناء سمجھ کر اسپر اعتراض نہین کرتے بلکہ اسکو ایک عام قاعدہ فرض کر کے ناحق اعتراض اٹھاتے ہین اسلام نے یہ نہین کیا کہ زوج واحد کے قاعدہ کو منسوخ کر کے تعدد ازواج کے قاعدہ کو رواج دیا ہو۔ بلکہ صرف ان نقصون کی اصلاح کے لیے تعدد ازواج کی اجازت دی ہے جو بعض اوقات زوج واحد کے قاعدہ سے پیدا ہوتے ہین۔ عرصہ نہین ہوا کہ مسٹر دلاور حسین نے بڑے زور شور سے تعدد ازواج پر حملے کیے مگر اسلامی مسایل سے ان کی واقفیت کا یہ حال ہے کہ انکے نزدیک تعدد ازواج کو اسلام نے ایسا ضروری قرار دیا ہے جسپر عمل کرنا ہر زمانہ اور ہر ملک کے مسلمانون کا فرض ہے۔ حالانکہ جیسا مفصل گذشتہ اشاعت مین دکھایا جا چکا ہے اسلام صرف یہ اجازت دیتا ہے کہ ضرورت کے وقت تعدد ازواج جایز ہے۔ یہ سچ ہے کہ ہر ایک قاعدہ جو سوسایٹی کے لیے تجویز کیا جاوے وہ ایسا ہونا چاہیے جس سے بڑی سے بڑی تعداد کا بڑے سے بڑا فایدہ منصور ہو لیکن استثناء کا منشاء یہ ہوتا ہے کہ جن نقصون کی اصلاح قاعدہ سے نہین ہو سکتی ان کو دور کیا جاوے۔ اس اصول کے مطابق جہان زوج واحد کے قاعدہ سے اغراض نکاح حاصل نہین ہو سکتے۔ وہان تعدد ازواج کا مسئلہ ضرورتون کو پورا کرنے والا ہوتا ہے۔ پس یہ ایک قسم کا علاج ہے اور اسکے متعلق ہمنے صرف اسیقدر دیکھنا ہے کہ آیا جن بیمار یونکے لیے یہ علاج تجویز کیا گیا ہے ان مین یہ مفید بھی ہے یا نہین۔ ہان اگر قرآن شریف تعدد ازواج کو ہر مسلمان

پر فرض کر دیتا تو اسوقت یہ سوال اٹھایا جا سکتا تھا کہ آیا زوج واحد کے قاعدہ سے زیادہ فایدہ متصور ہے یا تعدد ازدواج کے قاعدہ سے۔ اور ان دونون مین کونسا وہ طریق ہے جو سوسائیٹی کے لیے زیادہ امن اور فایدہ کا باعث ہو سکتا ہے مگر موجودہ حالات کے ماتحت سوال اس قدر پیدا ہوتا ہے کہ آیا کوئی ایسے واقعات انسانی سوسائیٹی مین پیدا ہو سکتے ہین جو تعدد ازدواج کو ضروری ٹھہراتے ہون اور آیا یہ علاج ٹھیک ہے یا نہین اور انہی سوالون کا جواب اس مضمون کے پہلے حصون مین دینے کی کوشش

زوج واحد کے قاعدہ کی عمومیت

تعدد ازدواج کے مسئلہ کو کیون ناجایز قرار دیا جاتا ہے یہ ایک ایسا سوال ہے جسکا جواب آج تک نہین ملا۔ بڑا زور اس بات پر دیا جاتا ہے کہ زوج واحد کا قاعدہ ایسا وسیع اور عام ہے جسکو توڑنا کسی صورت مین جایز نہین مگر یہ جواب اسیوقت تک ہے جبتک تعدد ازدواج کی مذمت مقصود ہو۔ اگر کوئی قوم یا کوئی حکومت دنیا پر ایسی ہوتی جو زوج واحد کے قاعدہ کی ایسی توسیع اور عمومیت کی قایل ہوتی کہ اسکو کسی صورت مین توڑنا جایز نہ سمجھتی تو ایسی قوم یا حکومت تعدد ازدواج کی ممانعت کرنے مین معذور ہوتی مگر ایسا ہرگز نہین۔ زوج واحد کے قاعدہ کو مین بھی عام قاعدہ مانتا ہون مگر دوسرے قواعد کی طرح یہ بھی استثنا کا محتاج ہے اور بغیر استثناء کے ہرگز درست نہین ٹھہرتا مثلاً دنیا مین کسی قوم یا کسی گورنمنٹ نے تجرد کو جرم قرار نہین دیا حالانکہ تجرد بھی زوج واحد کے قاعدہ کے لیے بطور استثنا کے ہی ہے کیونکہ زوج واحد کا قاعدہ یہ چاہتا ہے کہ ہر ایک مرد کا ایک عورت سے پیوند نکاح ہو۔ مگر جو شخص تجرد اختیار کرتا ہے وہ اس قاعدہ کو توڑتا ہے۔ یہ امر بھی قابل غور ہے کہ جو بد نتائج تجرد سے پیدا ہونے کا احتمال ہے وہ تعدد ازدواج کے موہوم ضرر سے کہین بڑھکر ہین۔ جو شخص باوجود قوائے رجولیت کے شادی نہین کرتا اس سے یہ اندیشہ ہے کہ کسی بدکاری مین مبتلا ہو کر سوسائیٹی کو سخت نقصان پہنچاے مگر باوجود اسکے دنیا کا کوئی قانون اسے مجبور نہین کرتا کہ وہ ضرور نکاح کرے اور اپاہج ہی رکھے۔ اگر کسی امر کے روکنے کی ضرورت صرف یہی ہوتی ہے کہ اس سے سوسائیٹی کو مضرت کا احتمال ہے اور جسقدر زیادہ نقصان کا اندیشہ ہو۔ اسیقدر یہ ضرورت بھی زیادہ ہوتی ہے تو پھر مقدم ممانعت تجرد کی ہے نہ تعدد ازدواج کی۔ کیونکہ تجرد کے نقصان بمقابلہ تعدد ازدواج کے بہت ہی زیادہ ہین اور کوئی سوسائیٹی یا کوئی ملک ایسا نہین جہان تعدد ازدواج سے وہ نقصان پیدا ہوئے ہون جو مثلاً پادریون جیسی بزرگ جماعت کے تجرد سے عیسائی ممالک مین پیدا ہوتے رہے ہین۔ یہ کہا جایگا کہ پادریونکو تجرد پر مجبور کیا جاتا تھا حالانکہ تعدد ازدواج کے لیے کوئی انسان مجبور نہین کیا جاتا۔ مگر اس خیال کو چھوڑ کر بھی تجرد کے نقصان اسقدر

ہین جن کو کسی صورت مین نظر انداز نہین کیا جا سکتا۔ تعدد ازدواج مین اور اس مین بڑا بھاری فرق یہ ہے کہ تعدد ازدواج کا کوئی نقصان فرضی طور پر ہو بھی تو وہ اس شخص کی ذات تک محدود ہے جو اس مسئلہ پر عمل کرتا ہے اور سوسائیٹی کو اسکا کوئی نقصان نہین مگر جو شخص تجرد اختیار کرتا ہے اس سے سوسائیٹی کو خطرہ ہے کیونکہ وہ زنا مین مبتلا ہو کر ایک قوم کو نقصان پہنچائے گا۔ پس اگر زوج واحد کا قاعدہ ایسا عام اور وسیع ہے جو کسی صورت مین توڑا نہین جا سکتا اور جسکے لیے کوئی استثنا نہین تو قومون کا پہلا فرض یہ ہے کہ وہ تجرد کو جرم قرار دین۔ مگر کیا دنیا کا کوئی مصلح اس امر کے لیے تیار ہے؟ نہین بلکہ ایسی تجویز پر ہنسا جاوے گا۔ حالانکہ اگر غور کیا جاوے تو اس سے بہت زیادہ ہنسی کے قابل وہ قوانین ہین جو تعدد ازواج کو جرم قرار دیتے ہین۔ پس یہ کسقدر حماقت ہے کہ جس قاعدہ کو خود یہ لوگ بکثرت توڑ رہے ہین۔ جب تعدد ازدواج کو اسی قاعدہ کے لیے استثناء قرار دیا جاتا ہے تو اسپر تعجب کیا جاتا ہے اور یہ بیہودہ عذر تراشا جاتا ہے کہ زوج واحد کا قاعدہ کسی صورت مین ٹوٹنا نہین چاہیے۔ مین تسلیم کرتا ہون کہ دنیا مین ایسے آدمی موجود ہین جو یا تو نکاح کر نہین سکتے اور یا انکو نکاح کرنا نہین چاہیئے مگر ساتھ ہی اسکے ایسے لوگ بھی بکثرت ہین اور ان کی تعداد یوماً فیوماً یورپ اور امریکہ کے مہذب ممالک مین ترقی کرتی جاتی ہے جو نکاح کی قید کو صرف اسکی ذمہ داریون کی وجہ سے برا سمجھتے ہین اور جن کی غرض سوائے اسکے کچھ نہین کہ کسی طریق سے جذبات شہوانی کی خواہشات کو پورا کر لیا جاوے۔ اب ان لوگون کا وجود سوسائیٹی کے لیے ایک مہلک اور خطرناک وبا ہے مگر تاہم انکے انسداد کے لیے یہ قانون تجویز کرنا کہ ہر ایک شخص کو جو بالغ ہو کر نکاح نہ کرے مجرم قرار دیا جاوے ظلم ہوگا۔ ایسا ہی ہر سوسائیٹی مین کم و بیش ایسے آدمی بھی ہو سکتے ہین جو محض جذبات شہوانی کو پورا کرنیکے لیے ایک بیوی کو چھوڑ کر دوسرا نکاح کرین۔ اگرچہ انکی تعداد بسبب ان بھاری ذمہ داریونکے جو تعدد ازدواج کے ساتھ لگی ہوئی ہین بہت ہی کم ہوگی اور دوسری طرف وہ آدمی بھی ہین جو واقعی تعدد ازدواج کی ضرورت کو محسوس کرتے ہین۔ اب مین پوچھتا ہون کہ کیا یہ انصاف ہے؟ کہ پہلے گروہ کے انسداد کیلیے قانون ایسا تجویز کیا جائے جو دوسرے گروہ کی ضرورت حقہ کو بھی نظر انداز کر دے اور انکو مجرم قرار دے۔ یہ دونون سوال ایک ہی رنگ کے ہین اور ان کا ایک ہی جواب ہو سکتا ہے۔ پس جس پہلو سے تعدد ازدواج کے مسئلہ پر غور کیا جاوے یہی ثابت ہوتا ہے کہ تعدد ازدواج کی ممانعت کی کوئی وجہ نہین۔

سوسائیٹی کے لیے زیادہ مفید کیا ہے؟

اصل بات یہ ہے کہ جو امر سوسائیٹی کی بڑی سے بڑی تعداد کو بڑے سے بڑا فایدہ پہنچا سکتا ہے

وہ قانون نکاح ہے نہ زوج واحد کا قاعدہ۔ ہان اس مین شک نہین کہ نکاح کے اغراض اکثر ایک ہی بی بی سے پورے ہوجاتے ہین مگر ہمیشہ اور ہر حال مین یہ بات صحیح نہین ٹھہرتی اسکا ثبوت مضمون کے حصہ اول مین دیا جاچکا ہے پس تعدد ازدواج کا مسئلہ زوج واحد کے قاعدہ کے لیے بطور تتمہ کے ہے اور اس سے ان نقصانون کا جبر ہوتا ہے جو بعض وقت زوج واحد کے قاعدہ سے پیدا ہوتے ہین پس اگر تعدد ازدواج کے دروازے کو قطعاً بند کردیا جائے تو زیادہ سے زیادہ تعداد نکاح کے اغراض سے کیونکر فایدہ اٹھا سکتی ہے بلکہ اس طرحسے ضرور ایک جماعت ان اغراض کے حصول سے محروم رہجائے گی اور نہ ہی وہ فایدہ جو تعدد ازدواج کی ممانعت سے پیدا ہوگا۔ بڑے سے بڑا فایدہ کہلا سکتا ہے کیونکہ اسکے ساتھ بہت ساری مضرتین ملی ہوئی ہونگی جن کا علاج سوائے تعدد ازدواج کے اور کوئی نہین۔ یورپ کے ممالک مین زنا کی کثرت پر افسوس کرنیوالے تو بہت ہین مگر اس کے اصل وجوہات کیطرف توجہ کوئی نہین کرتا۔ اور پھر اصرار یہی کیا جاتا ہے کہ تعدد ازدواج کی ضرورت کوئی نہین

کیا تعدد ازدواج محرک جذبات شہوانی ہے

تعدد ازدواج پر ذیل کے اعتراض میان دلاور حسین کی تحریر سے لیے گئے ہین جن کو اسلام کے اصول پر اعتراض کرنے مین خاص مشاقی حاصل ہے چنانچہ تعدد ازدواج کے متعلق وہ لکھتا ہے۔

"تعدد ازدواج کا اثر یہ ہوتا ہے کہ انسانون کے دل بہت زیادہ شہوانی جذبات کیطرف پھر جاتے ہین۔ اور جن لوگونکو روپیہ یا مرتبہ یا وجاہت کے سبب سے کچھ مقدرت حاصل ہوتی ہے وہ بہت جلد شہوانی خوشیون مین پڑجاتے ہین" یہ معترض کا دعوے ہے مگر تعجب اس دعوے کی دلیل پر ہے چنانچہ وہ کہتا ہے کہ "بنگال کے مسلمان زراعت پیشہ آبادی تعدد ازدواج کی کثرت کی وجہ سے بالکل تباہ ہوچکی ہے اور یہ لوگ ظلم اور بدکاری اور شرارت اور ارتکاب جرایم مین حد سے گذر چکے ہین" تعجب اس بات پر ہے کہ دعوے تو یہ تھا کہ دولت یا وجاہت یا مرتبہ کے سبب سے لوگ تعدد ازدواج کیطرف زیادہ مایل ہوجاتے ہین اور اس کی دلیل مین دیہاتی آبادی زراعت پیشہ لوگون کی پیش کی گئی ہے جن کی مفلسی حد سے گذری ہوئی ہے۔ اب بالفرض جیسا کہ معترض کا بیان ہے اگر واقعی ان لوگون کی اخلاقی حالتین بہت پستی کی حالت مین ہی ہین تاہم معترض کا فرض تھا کہ یہ تحقیقات کرتا کہ اس کی وجہ تعدد ازدواج یا تعدد ازدواج کی کثرت ہی ہے اور اسی طبقہ کے غیر مذاہب کی آبادیون سے مقابلہ کرکے دکھاتا کہ مسلمان زراعت پیشہ آبادی کے بالمقابل غیر مسلمان زراعت پیشہ آبادی اپنی اخلاقی حالتونکے لحاظ سے قابل تعریف ہے۔ مگر جب تک یہ امر ثابت نہین بلکہ برعکس اسکے

اسی طبقہ کی غیر مسلمان آبادی کی اخلاقی حالتیں اور بھی گری ہوئی ہیں تو اس بدکاری کی وجہ تعدد ازدواج میں تلاش کرنا معترض کی حماقت ہے مگر خدا جانے کیا وجہ ہے اور اسلام کے ساتھ مسٹر دلاور حسین کو کیا عداوت ہے کہ اس کی ہر ایک خوبی اس کی نظر میں بدی ہے اور ہر ایک بدی کی وجہ پردہ طلاق یا تعدد ازدواج ہے۔ یہ تو سمجھ میں نہیں آتا کہ اسکو اس بات کا علم نہ ہو کہ عام طور پر ادنے طبقہ کے لوگوں کی ہندوستان میں کیا حالت ہے۔ اور یہ بھی معترض پر مخفی نہیں کہ ان مہذب ممالک میں جنکی مدح سرائی میں وہ شب و روز مصروف ہے ادنے طبقہ کے لوگ وحشیون کی طرح زناکاری اور بدکاری میں مبتلا ہیں پس ان واقعات کے ہوتے ہوئے یہ دعوے کرنا کہ مسلمان ادنے طبقہ کی آبادی تعدد ازدواج کیوجہ سے بدکاری میں مبتلا ہے کسی طرح ٹھیک نہیں ہو سکتا۔ ہان اگر کوئی واقعات ایسے ہیں جو اس دعوے کے موید ہیں تو وہ پیش کرنے چاہیئے۔ برخلاف اسکے یہ امر ثابت ہے کہ جن ممالک میں تعدد ازدواج کا رواج ہے وہان ان ممالک کی نسبت جہان اس کی ممانعت ہے زناکاری بہت ہی کم پائی جاتی ہے اور ایسا ہی شراب خوری اور دوسری شہوانی بدکاریان نسبتاً بہت ہی کم ہیں اس کی شہادت میں خود عیسائی بلکہ پادری صاحبان کے قول کئی دفعہ اسی رسالہ میں نقل کیے گئے ہیں جنہون نے صاف الفاظ میں تسلیم کیا ہے کہ مسلمان ممالک عیسائی ممالک کی نسبت بدکاری اور شراب خوری سے بہت پاک ہیں۔ پھر تعدد ازدواج کا نیک اثر مارمنون کی حالت سے بھی صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کیونکہ یہ ایک ایسا فرقہ ہے جو عیسائی مذہب رکھتا ہے اور عیسائی ملک میں رہتا ہے۔ امریکہ کی ریاست ہائے متحدہ میں ایک ریاست ہے جس میں کثرت آبادی کی مارمنون کی ہے۔ یہ لوگ انہیں حالات کے ماتحت اپنی زندگیان بسر کرتے ہیں جیسا انکے ارد گرد کے عیسائی فرقے۔ اگر فرق ہے تو صرف اسقدر کہ ان میں تعدد ازدواج کا رواج ہے اور دوسری ریاستون میں اس کی ممانعت ہے۔ عملی طور پر یہی ایک بات ہے جو مارمنون کو دوسرے عیسائی فرقون سے الگ کرتی ہے۔ قریباً نصف صدی تک یہ لوگ بلا روک ٹوک تعدد ازدواج پر عمل کرتے رہے اور اس اثنا میں تحقیقات سے یہ ثابت ہوا کہ ان کی ریاست بمقابلہ دوسری ریاستون کے شراب خوری زناکاری قمار بازی وغیرہ بدکاریون سے قریباً آزاد رہی اسکے متعلق مفصل مع حوالجات کے کسی گذشتہ اشاعت میں لکھا جا چکا ہے۔ مین نہیں سمجھتا کہ اس سے بڑھکر مین ثبوت تعدد ازدواج کے نیک اثر کا اور کیا ہو سکتا ہے۔ ایک قوم جو اپنی تعلیم اپنے رواجون اور اپنے ارد گرد کے حالات کے لحاظ سے دوسری عیسائی اقوام سے کسی طرح علیحدہ نہیں سوا اسکے کہ تعدد ازدواج کو رواج دینے مین یہ ان سے الگ ہو گئی ہے اپنے اعلے اخلاق اور بدکاری سے زیادہ بچا رہنے سے یہ صاف ثبوت دیتی ہے کہ یہ صرف اس رواج کا نتیجہ

ہے جس مین اس نے دوسروںسے اختلاف کیا ہے۔

ان واقعات کو جن کا ذکر اوپر کیا گیا ہے الگ رکھکر اگر صرف ہم اس دعوے پر ہی غور کرین جو معترض نے کیا ہے تو اس کا بطلان صاف نظر آتا ہے کیونکہ اگر یہ دعوے صحیح ہے کہ تعدد ازدواج محرک جذبات شہوانی ہے تو پھر یہ بھی صحیح ہونا چاہئے کہ نکاح ہی ان جذبات کا محرک ہے۔ اتنی ہی بات سے اس دعوے کی اصلیت کھلجاتی ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ تعدد ازدواج اور نکاح ہر دو محرک جذبات شہوانی نہین بلکہ ان جذبات کو دبانے والے ہین۔ کیونکہ مثلاً اگر ایک آدمی کو دوسری بی بی کی حاجت ہے اور قانون مانع نہین تو دوسرے نکاح سے نئے جذبات شہوانی پیدا نہین ہو جائینگے ہان اس کی فطرت ہی بد ہو تو الگ بات ہے مگر جب ایک شخص نکاح ثانی کر لیتا ہے تو وہ سوسائیٹی کا ایسا ہی اچھا ممبر ہے جیسا وہ آدمی جسکے ایک ہی بی بی ہے اسکے جذبات شہوانی بجائے جوش مین آنیکے دب جائینگے کیونکہ اس نے سچا علاج اختیار کیا ہے۔ لیکن اگر ایک شخص کو ضرورت نکاح ثانی کی ہے اور قانون مانع ہے تو ضرور ہے کہ وہ ان کو پورا کرنیکے لیے ناجایز وسایل اختیار کرے گا۔ اب کوئی عقلمند انصاف کرے کہ آیا تعدد ازدواج کی اجازت محرک جذبات شہوانی ہے یا اس کی ممانعت۔ تعجب ہے کہ ایک فاش غلطی کو حق سمجھا جا رہا ہے۔ اگر یہ عذر کیا جاوے کہ اگرچہ تعدد ازدواج اس شخص کے لیے تو بطور علاج ہے جس کو اس کی ضرورت ہے لیکن اس کا اثر ان لوگون پر جنھین اس کی حاجت نہین مضر ہو گا۔ تو جواب یہ ہے کہ یہ خیال بھی غلط ہے۔ جب کوئی قانون تجویز کیا جاتا ہے تو ذوی العقول اور سوچنے سمجھنے والے انسانون کے لیے تجویز کیا جاتا ہے جو اپنے فرایض کو جانتے اور اپنی ذمہ داریون کو سمجھتے ہین۔ تعدد ازدواج ایک ایسا امر ہے جسکو خواہ مخواہ ہر ایک انسان اختیار نہین کرے گا۔ جیسا کہ گذشتہ اشاعت مین ہم نے ثابت کیا ہے۔ جو ذمہ داریان اسکے ساتھ لگی ہوئی ہین وہ اسقدر اور اتنی بڑی ہین کہ کوئی شخص محض شوق کے طور پر اور بلا ضرورت اسکو اختیار نہین کر سکتا۔ جو شخص ایک بیوی رکھتا ہے وہ کم از کم یہ تو سمجھتا ہے کہ گھر کی ذمہ داریان کسقدر ہوتی ہین۔ اب نکاح ثانی سے نہ صرف یہ ذمہ داریان دوچند ہو جاتی ہین بلکہ انکے علاوہ بہت ساری اور نازک ذمہ داریان پیدا ہو جاتی ہین پس اور تمام باتون کو جنکا ذکر گذشتہ اشاعت مین کیا جا چکا ہے۔ نظر انداز کرکے ان ذمہ داریون کا وجود ہی ایک ایسا امر ہے جو تعدد ازدواج کو بلا ضرورت اختیار کرنے سے مانع ہو گا۔ اب ایک ایسی سوسائیٹی مین جہان تعدد ازدواج کی اجازت ہے۔ زنا تو اس طرح کم ہو گا کہ سوسائیٹی کی کل اخلاقی طاقت اسکے خلاف صرف ہو گی کیونکہ ہر شخص زانی کو ملامت کرے گا کہ جس صورت مین تعدد ازدواج کی اجازت ہے تو اس نے فعل بد کا ارتکاب کیون کیا۔ اور دوسری طرف

تعدد ازدواج کی نازک اور بھاری ذمہ داریاں بلاضرورت تعدد ازدواج اختیار کرنے سے مانع ہونگی۔ اس طرح پر تعدد ازدواج کا رواج ایک نہایت ہی مفید رواج ہے جیسا کہ عملی طور سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ جہاں تعدد ازدواج کی اجازت دیگئی ہے وہاں زنا کے جرم کی سزا بھی زیادہ سنگین تجویز کی گئی ہے اور ان ممالک مین جہاں تعدد ازدواج کی اجازت نہین۔ اول تو غیر شادی شدہ مرد اور عورت کا ناجایز تعلق زنا نہین کہلاتا اور مزید بران یہ کہ شادی شدہ مرد اور عورت کا ناجایز تعلق بھی بہت سارے ممالک مین فوجداری جرم ۔۔۔ نہین رہا پس سزا کی سختی تو نہ تھی مگر سزا بھی نہ رہی یہ واقعہ زنا کی کثرت کا موید ہے۔ کیونکہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سوسائیٹی زنا کو کچھ ایسی نفرت کی نگاہ سے نہین دیکھتی اس لیے ارتکاب زنا کے لیے جرأت بھی بڑھ جائے گی۔ ان دلایل سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ ممانعت تعدد ازدواج محرک جذبات شہوانی ہے اور اس کی تائید اس امر سے بھی ہوتی ہے کہ ایسے ممالک مین حرامی بچون کی نسبت کل تعداد پیدایشون سے چوتھائی تہائی بلکہ بعض جگہ نصف سے بھی زیادہ ہے۔ مسٹر دلاور حسین اور دوسرے مخالفین تعدد ازدواج غور کرین کہ آیا ممانعت تعدد ازدواج ہی وہ امر نہین جو لوگون کے خیالات کو شہوانی جذبات کیطرف زیادہ پھیرتا ہے۔ اور یہ جو کہا گیا ہے کہ صاحب دولت وثروت اور صاحب مرتبہ اور ذی وجاہت لوگ تعدد ازدواج کی اجازت سے آسانی سے دو دو تین تین بیویان کرنے لگین گے۔ خواہ ان کو ضرورت ہو یا نہ ہو۔ اول تو واقعات سے اسکا کوئی ثبوت اس عمومیت کے رنگ مین نہین جس عمومیت سے دعوے کیا گیا ہے اور دوسرا مین کہتا ہون کہ صاحب دولت اور صاحب مرتبہ لوگ اون ممالک مین جہان تعدد ازدواج کی ممانعت ہے کیا کمی کرتے ہین ہان نام مین فرق ہے یعنی ایک شخص تو دوسری بی بی سے نکاح کر لیتا ہے اور دوسرا شخص تین چار آشنا عورتون سے ناجایز تعلق رکھتا ہے۔ فرق ہے تو صرف یہ کہ وہ اس کی بیبیان نہین کہلاتین اور کوئی ذمہ داری انکے متعلق اسکے گلے نہین پڑتی۔ اب مسٹر دلاور حسین بجائے خود غور کرین کہ انکے نزدیک ایسے لوگون کے لیے کونسا طریق بہتر اور مفید ہے اور سوسائیٹی کو کس طریق مین زیادہ امن کی امید ہو سکتی ہے۔

تعدد ازدواج کا اثر عورت کی حیثیت پر کیا پڑتا ہے۔

وہی معترض جس کا ذکر اوپر آیا ہے تعدد ازدواج کے خلاف دوسرا اعتراض یہ کرتا ہے کہ اس سے عورت محض مال کی طرح مرد کے تصرف مین رہتی ہے اور عورت کو اس سے زیادہ کوئی وقعت نہین دیجاتی کہ وہ مرد کی آسایش کے لیے ایک چیز بنائی گئی ہے جسے جب اسکا جی چاہے

وہ الگ کرسکتا ہے اور اگر ظاہر طور پر (طلاق دیکر) الگ نہ بھی کرے تو بھی اصل مین وہ اسوقت سے الگ ہی ہوتی ہے جب اپنے مالک اور خاوند کو خوش نہ کرسکے" جو کچھ ہمنے اوپر لکھا ہے وہ اس اعتراض کی تردید کے لیے کافی ہے کیونکہ یہ دعوے بلا دلیل ہے اور معترض نے یہ اپنے دل سے ہی فرض کرلیا ہے کہ مرد ایسا کرسکتا ہے اور ایسا کرسکتا ہے۔ ثبوت اور واقعات پیش نہین کیے اگر یہ دلیل صحیح ہے تو اس کا اطلاق اس صورت مین بھی ہوسکتا ہے جہان ایک مرد ایک ہی بی بی رکھتا ہو۔ کیونکہ اسی طرح پر ایک شخص یہ بھی کہہ سکتا ہے کہ جب بی بی سے اس کو خوشی حاصل نہ ہوسکیگی تو وہ ایک آشنا رکھے گا۔ اور اصلی بی بی خواہ کھلے طور پر الگ نہ کی جاوے۔ مگر اصل مین وہ الگ ہی ہوگی۔ معترض کے دل مین اگر دلایل کا کچھ بھی ادب باقی ہے تو اسے یہ ثابت کرنا چاہیے کہ ان ممالک مین جہان تعدد ازدواج کی اجازت ہے ایسے واقعات اکثر پیش آتے رہتے ہین۔ اور ان ممالک مین جہان اسکی ممانعت ہے ایسے واقعات کبھی پیش نہین آتے یا آتے ہین تو شاذ و نادر اس کے علاوہ ہمنے یہ نہین دیکھنا کہ تعدد ازدواج کی اجازت سے ممکن طور پر کیا کیا فرضی نقصان پیدا ہوسکتے ہین بلکہ دیکھنا یہ ہے کہ جس رنگ مین اسلام نے تعدد ازدواج کی اجازت دی ہے۔ اس حد تک تعدد ازدواج کو ماننے کیا نقص پیدا ہوتے ہین۔ اگر اس بات کو مدنظر رکھا جاوے۔ تو اعتراض خود ہی دور ہو جاتا ہے کیونکہ تعدد ازدواج کی اجازت دیتے وقت سب سے پہلی شرط قرآن کریم نے یہی قرار دی ہے کہ سب بیبیونکو برابر رکھا جاوے اور کسی کو معلقہ کی طرح الگ ہی نہ کردیا جاوے جس کا ترجمہ بعینہٖ وہی ہے جو مسٹر دلاور حسین نے اپنے اعتراض مین لکھا ہے۔ یعنے ظاہر طور پر تو بی بی رہے اور حقیقت مین نہ رہے۔ پس یہ اعتراض جو معترض کے دل مین پیدا ہوا ہے اس کی اپنی اسلامی اصول کی ناواقفیت کے سبب سے ہوا ہے۔

کیا تعدد ازدواج سے قوم کمزور ہو جاتی ہے؟

مسٹر دلاور حسین کے بعض اعتراض تو ایسے ہین کہ ایک سنجیدہ آدمی کو بھی ان سے ہنسی آجاتی ہے اس کی متعصب آنکھ کو ایک تل بھی پہاڑ نظر آتا ہے۔ چنانچہ وہ لکھتا ہے کہ "تعدد ازدواج کا نتیجہ یہ ہے کہ جسم اور دل دونون کمزور ہو جاتے ہین اور پھر افراد کی کمزوری سے تدریجاً جماعتون کی جماعتین کمزور ہو کر آخر کار کل کی کل قوم نکمی ہو جاتی ہے۔" اگر معترض ان الفاظ کو خود ہی ٹھنڈے دل کے ساتھ دوبارہ پڑھتا تو کچھ نہ کچھ ضرور اپنے الفاظ کی اصلاح کرتا۔ دو یا تین فیصدی آدمیونکے تعدد ازدواج سے تو قوم کی قوم نکمی اور تباہ ہو جاتی ہے۔ مگر بیس یا تیس یا پچاس

فیصدی آدمیون کی زناکاری سے معترض کی رائے مین نہ قوم کی اخلاقی حالتین گرتی ہین اور نہ ہی کوئی اور نقصان پہنچتا ہے۔ معترض کو چاہیے تھا کہ کم از کم عرب کیحالت پر ہی غور کر لیتا کہ تعدد ازواج نے ان کو کمزور اور بودے اور سست کر دیا تھا یا اسکے خلاف اثر ظاہر ہوا تھا۔ ایک طرف تو انہون نے علمی ترقی وہ دکھائی جو اُس زمانہ مین اپنی نظیر نہین رکھتی اور صدیون تک علوم فنون مین دنیا کے معلم بنے رہے یہانتک کہ یورپ کی تہذیب کا بجھا ہوا لمپ بھی انہین کی روشنی سے روشن ہوا۔ اور دوسری طرف فتوحات مین وہ کارنامے دکھائے کہ بڑی سے بڑی منتظم سلطنتوں اور قواعد دان فوجون کو کیڑون کی طرح پامال کر دیا اور ایک مدت تک دنیا کے ایک عظیم الشان حصہ پر اپنی حکومت کا سکہ جمائے رکھا۔ کیا یہی لوگ دل اور جسم کے کمزور تھے۔ معترض کا فرض ہے کہ یہ دکھائے کہ تعدد ازواج نے ان لوگون پر کونسا اثر کیا تھا جس سے وہ اب ڈرا رہا ہے۔ جواب دیتے وقت انکو یہ بات بھی فراموش نہین کرنی چاہئے کہ اسلام سے پہلے عرب مین تعدد ازواج کا رواج اسلام سے بھی۔۔ زیادہ تھا اور پھر اسکا سلسلہ دو یا چار یا دس پشتون پر ختم نہین ہوتا بلکہ جہان تک تاریخ کا پتہ چلتا ہے تعدد ازواج کا رواج اسی طرح سے دکھائی دیتا ہے پس اگر تعدد ازواج کا اثر کسی قوم کی تباہی ہو سکتی ہے تو چاہئے تھا کہ بجائے اسکے کہ عرب دنیا کے فاتح بنتے وہ سب قومون کے مغلوب اور مفتوح ہوتے اور جہالت کی تاریکی سے کبھی باہر نہ نکلتے نہ یہ کہ دنیا مین علوم کی روشنی پھیلانے والے ہوتے۔ اور جیسا قومون پر تعدد ازواج کی اجازت کا اثر برا نہین ایسا افراد پر بھی اسکا اثر برا نہین۔ معترض سخت دھوکہ مین پڑا ہوا ہے اور اس کو خبر ہی نہین کہ کس بات کو کس کا نتیجہ کہنا چاہئے۔ اب بھی روئے زمین پر وہ اقوام موجود ہین جن مین تعدد ازواج کا رواج ہے اور ہر ایک شخص جانتا ہے کہ طاقت مین وہ ان قومون سے کسی طرح کم نہین جو تعدد ازواج کو جایز نہین رکھتین بلکہ بہت ساری ایسی قومون سے وہ اس میدان مین۔۔۔ فوقیت رکھتی ہین۔

تعدد ازواج کے رواج کا نیک اثر

جیسا کہ مین نے پہلے بھی ذکر کیا ہے۔ کئی ایک وجوہات کے لحاظ سے تعدد ازواج کے نیک اثر کی ایک مثال اس زمانہ مین قوم مارمن مین پائی جاتی ہے۔ یہ ایک عیسائی فرقہ ہے جو عیسائی ملک مین رہنے والا ہے اور جس نے تعدد ازواج کی ضرورت حقہ کو محسوس کر کے اور تمام قومی تعصبات کو چھوڑ کر اس پاک اصول پر عمل کرنا اپنا فخر سمجھا ہے اور تجربہ سے یہ معلوم کر لیا ہے کہ بیشمار بدیان

اور بدکاریون کا سچا علاج تعدد ازدواج ہی ہے۔ اس جگہ مین اس بات کے ثابت کرنے کے لیے کہ کیونکر انھون نے تعدد ازدواج کو اپنے لیے نہایت ہی مفید علاج پایا ہے۔ ایک مارمن عہدیدار جارج کینن کے الفاظ نقل کرتا ہون جو اسکے ایک لکچر سے لیے گئے ہین جو مارمنون کے جلسہ مین ۶۹ سنہ ۱۸ء مین دیا گیا تھا۔ وہ کہتا ہے۔

"جب ہم اپنے ارد گرد نظر کرتے ہین اور عیسائی ممالک کی روزمرہ زندگی کے واقعات کو دیکھتے ہین تو معلوم ہوتا ہے کہ ہر قسم کے جرایم اور خطرناک سے خطرناک بدکاریان دن رات ہوتی رہتی ہین۔ اور ان پر نہ کسی کو تعجب ہوتا ہے اور نہ کوئی نکتہ چینی کیجاتی ہے۔ قتل ڈاکہ زنا اغوا اور ہر ایک قسم کی بیحیائی کے افعال جو جرایم کی فہرست مین داخل ہین روزمرہ کے معمولی واقعات سمجھے جاتے ہین۔ مگر یوٹا کے باشندونکے خلاف ایک شور ساری عیسائی دنیا مین اٹھا ہوا ہے کہ جو سزا ان کو دیجاوے تھوڑی ہے خواہ جرمانہ ہو یا قید یا شہر بدر کرنا یا جلاوطنی۔ صرف اسوجہ پر کہ وہ خدا کے احکام کی پیروی کرتے ہین جب اس نے ان دنون مین کلام کی ہے اور اپنی مرضی ہم پر ظاہر فرمائی ہے ۲۵ برسون تک بڑی غربت سے اس تمام تکلیف اور دشنام دہی کو برداشت کرتے رہے ہین مگر اب وہ تمام ذوی العقول سمجھدار آدمیون کے سامنے اپنے اس دکھ کو پیش کرتے ہین اور درخواست کرتے ہین کہ ان کی سوسائیٹی کا باقی عیسائی دنیا کی کسی سوسائیٹی سے جو دنیا کے کسی گوشہ مین ہے مقابلہ کرکے دیکھا جاوے اور وہ یقیناً جانتے ہین کہ تمام منصف مزاج اتفاق رائے سے انکے حق مین فیصلہ دینگے۔ دنیا کے ہر ایک مہذب ملک مین یہ بدکاری پھیلی ہوئی ہے کہ اغوا کرنے والا طرح طرح کے حیلون سے اپنے شکار کو دام مین پھنساتا ہے اور آخر اسکو بالکل تباہ کرکے ہی چھوڑتا ہے اور یہ بھی ایک مسلم اور مشہور بات ہے کہ بڑے بڑے آدمی جو بڑے نازک اور ذمہ داری کے عہدونپر ہین اور جو سوسائیٹی مین نہایت معزز اور مکرم سمجھے جاتے ہین اپنی بیبیونسے دغابازی کرتے ہین اور نکاح کے معاہدہ کو توڑکر خفیہ آشنائیان اور ناجایز تعلقات پیدا کرتے ہین۔ مگر یوٹا کے لوگونکے خلاف جہان اس قسم کی باتون سے نفرت کیجاتی ہے دیوانون کی طرح شور مچایا جاتا ہے کیونکہ وہ تعدد ازدواج کے مسئلہ پر عمل کرتے ہین جو خود خدا نے بذریعہ الہام بتایا ہے .... میرے سامنے کئی دفعہ یہ اعتراض پیش کیا گیا ہے کہ دنیا کی کسی بڑی قوم نے تعدد ازدواج کے مسئلہ کو رواج نہین دیا۔ جو لوگ ایسا دعوے کرتے ہین وہ تاریخ سے بالکل جاہل ہین مین پوچھتا ہون وہ کونسی قومین ہین جنھون نے ہماری قوم کی تاریخ پر سب سے گہرا اثر چھوڑا ہے؟ صرف وہی قومین جنکے درمیان تعدد ازدواج کا رواج رہا ہے کیونکہ انھون نے یہ اجازت دیکر کہ ایک

آدمی ایک سے زیادہ بیبیان بھی کر سکتا ہے۔ زناکاری کی جڑ کاٹ دی ہے۔ مین جانتا ہون کہ عیسائی دنیا کی ظاہری شان و شوکت کو دیکھ کر لوگون کی آنکھیں چندھیا جاتی ہین۔ اور ہم اپنے زمانہ پر مفتون ہو رہے ہین۔ ہر ایک نسل کی طرح جو اس زمانہ سے پہلے گذر چکی ہے۔ موجودہ نسل کا یہ خیال ہے کہ یہی دنیا مین سب سے دانا اور سب سے افضل ہے اور اس کا تعلق خداے تعالے سے پہلی تمام نسلون سے بڑھکر ہے۔ یہ ایک قدرتی امر ہے کہ ایسا خیال کیا جاوے اور یہ انسانی فطرت کی کمزوری ہے۔

چند دن ہوئے مین نے ایک سیاح کو جسکے ساتھ مین باتین کر رہا تھا یہ کہتے سنا کہ ”مینے ایشیائے کوچک اور روم کے بہت سے حصون مین سفر کیا ہے اور مجھے بہت دفعہ شرم آئی ہے جب مین نے ان کے رواجون کا مقابلہ اپنے ملک ریاست ہائے متحدہ کے رواجون سے کیا ہے۔..... اس نے مجھے یہ بھی کہا کہ ان قومون کے درمیان جن کو ہم نیم تہذیب یافتہ کہتے ہین نہ شرابخانے ہین نہ چکلے ہین نہ ہی شرابخواری ہے۔ اور بہت ساری دوسری بدیون سے بھی جو ہمارے درمیان پائی جاتی ہین وہ بالکل پاک ہین“

.... مین سوال کرتا ہون کہ کیا ہمارے ملک مین کل جنس عورت کی اس طرح عزت کیجاتی ہے؟ نہین نہین ہرگز نہین کوئی شخص جو سفر کرے گا اور غور کی نظر سے دیکھے گا۔ اسے معلوم ہو جائے گا کہ ہزارون عورتین اس قسم کی موجود ہین جو نہایت ذلیل سمجھی جاتی ہین اور جنہین آدمیون نے اسقدر خراب کیا ہے کہ گویا وہ انسانون مین ہی نہین ......غور کرنے کا مقام ہے کہ صرف ایک ہی ریاست مین گذشتہ مردم شماری مین عورتون کی تعداد مردون سے ۱۱۳۰۱۶ بڑھکر تھی۔ یہ بالکل سچ ہے کہ اس ریاست کا قانون ان ۱۱۳۰۱۶ عورتون کو اس بات پر مجبور کرتا ہے کہ یا تو وہ زنا کا پیشہ اختیار کرین یا اپنی طبیعتوں پر جبر کرکے ساری عمر کنوارپنے مین گذارین کیونکہ قانون یہ کہتا ہے کہ وہ کسی ایسے آدمی سے شادی نہین کر سکتین جس کی بیوی پہلے موجود ہو۔ اس ظلم پر غور کرو۔ اور پھر یہ بات ایک ریاست پر کیا منحصر ہے کم و بیش سب ریاستون کا یہی حال ہے کیونکہ عورتون کی آبادی مردون سے زیادہ ہے......

اس رواج کا ایک اور نیک اثر اس ریاست مین یہ ہے کہ تم ہمارے سارے علاقہ مین سفر کرو اور تم دیکھو گے کہ یہان نیکوکاری ہی نیکوکاری ہے ہمارے جوان شادی کے وقت تک نیک زندگی بسر کرتے ہین لیکن جہان تعدد ازدواج کی ممانعت ہے وہان حالت اس کی بالکل برعکس ہے۔ چارون طرف شہوات کو ابھارنے والے سامان موجود ہین۔ اور جوان آدمی بدکاریون کا شکار ہو رہے ہین نیویارک کے ایک میڈیکل کالج کے ایک مشہور پروفیسر نے اپنی جماعت کو لیکچر دیتے ہوئے تھوڑا عرصہ ہوا یہ بیان کیا تھا کہ اگر یہ ضرورت ہو کہ پچیس برس کی عمر کا کوئی ایسا جوان آدمی ملے جس مین ایک

خاص بیماری نہ پائی جاتی ہو تو مجھے نظر نہین آتا کہ ایسا آدمی کہان سے مل سکے گا۔ یہ کسقدر خطرناک امر ہے مگر ہماری قوم مین ایسی بات ہرگز نہین پائی جاتی ؛؛

اخیری ریمارک

ان مضمونون سے زیادہ واضح مثال تعدد ازدواج کے نیک اثر کی اور کیا ہو سکتی ہے اصل بات یہ ہے کہ معترض ٹھوکر اس بات سے کھا رہے ہین کہ جو قومین اسوقت مادی ترقی مین سب سے بڑھی ہوئی ہین ان مین تعدد ازدواج برا سمجھا جاتا ہے اور اس سے یہ باطل نتیجہ نکالا جاتا ہے کہ ضرور ہے کہ ان کی ترقی کا اصل باعث تعدد ازدواج کی ممانعت ہو اور پھر ان کی ترقی کو دیکھ کر آنکھین ایسی چندھیا جاتی ہین کہ وہ یہ بھی نہین دیکھ سکتے کہ . . . . عفت کے معاملہ مین یہی مہذب قومین تاریک گڑھے مین گری ہوئی ہین۔ تعدد ازدواج کی اجازت یا ممانعت کا نیک یا بد اثر معلوم کرنے کے لیے دیکھنا یہ چاہیئے کہ اس قوم کی اخلاقی حالت پر خصوصاً عفت کے معاملے مین اس کا کیا اثر پیدا ہوا ہے نہ یہ کہ کسقدر مادی ترقی اس قوم نے کی ہے۔ آخر سبب اور نتیجہ مین کوئی تعلق بھی تو ہونا چاہیئے۔ یہ بھی جاننا چاہیئے کہ دنیا کی تاریخ مین ایسی قومون کی مثالین بہت موجود ہین جو ایک طرف تو اوج ترقی اور تہذیب پر پہونچی ہوئی تھین اور دوسری طرف اخلاقی حالتین ان کی پستی کی حالت مین تھین اور آخر یہی کیڑا انکو کھا گیا۔ پس اصلیت کو معلوم کرنے کیلیے ظاہری شان و شوکت پر نہ بھولنا چاہیئے پس جب ہمنے یہ امر تنقیح طلب قایم کر لیا کہ تعدد ازدواج کا اثر دیکھنے کے لیے قوم کی اخلاقی حالتین خصوصاً عفت کے معاملہ مین دیکھنی چاہیئین تو اب سوال ایک آسان صورت اختیار کر لیتا ہے کیونکہ یہ عام طور پر مانا گیا ہے اور عیسائیون نے بھی تسلیم کیا ہے کہ باوجود اپنی گری ہوئی حالت کے عفت کے معاملہ مین مسلمان قومین عیسائی قومون سے جن مین تعدد ازدواج کی ممانعت ہے بدرجہا بہتر ہین۔ یہ بھی اکثر کہا جاتا ہے کہ مسلمان عورتین بڑی ذلت کیحالت مین ہین۔ اور اسکا سبب پردہ اور تعدد ازدواج بتایا جاتا ہے۔ مگر یہ محض حماقت ہے۔ مسلمان عورتون کی گری ہوئی حالت کی وجوہ وہی ہین جو عام مسلمانون کے زوال کا باعث ہو رہی ہین اور وہ ہین اصول اسلام پر کاربند نہ ہونا۔ مگر اس پہلو کو چھوڑ کر بھی مین اس امر کو تسلیم کرنے کے لیے ہرگز تیار نہین کہ عیسائی ممالک مین عورت کی حالت قابل تعریف ہے۔ یہ کہ معدودے چند عورتون نے سوسائیٹی مین امتیاز حاصل کر لیا ہو یا ناول لکھکر تصنیف مین شہرت حاصل کر لی ہو یا اعلے درجہ کے اخلاقی یا ذہنی قوے حاصل کر لیے ہون۔ اس سے مجھے بحث نہین کیونکہ اس سے عام عورتون کی حالت کا اندازہ نہین لگ سکتا۔ ہان مین اس بات سے انکار کرتا ہون کہ عورتون کی عام حالت ان مہذب ممالک مین ایسی

ہے جس کی پیروی ہم مسلمانون کو کرنی چاہئے۔ کیونکہ خود عیسائیون کی تجربون سے یہ بات قطعی اور یقینی طور پر ثابت شدہ ہے کہ ان ممالک مین بکثرت ایسی عورتین موجود ہین جو بدکاری اور پستی کے اتھاہ کنوئین مین پڑی ہوئی ہین۔ اور جنسے بڑھکر ذلیل حالت عورت کی تصور مین نہین آسکتی اگر یہ نقص ان تمدنی اصولون کا نہین جن کی بنا پر قانون نکاح تجویز کیا گیا ہے تو کیون تہذیب کی تمام قوتین اس کے علاج سے رہ گئی ہین کیون دولت تعلیم اور ترقی کی متحدہ قوت اس بدکاری کو دور نہین کر سکتی سمجھلو اور خوب سمجھلو کہ مہذب ممالک کے قوانین اس بارے مین ہرگز کامل نہین بلکہ جس بات کو ان کی خوبی سمجھا جارہا ہے وہی اسکے نقص ہین اور تعدد ازواج جسکو عیب سمجھا جاتا ہے یہی وہ چیز ہے جو عام طور پر عورت کی حالت کو بہتر کر سکتی ہے اور عام عورتون کو معزز ... بیبیان اور مائین بنا سکتی ہین اور اسکی ممانعت سے ایک بڑی جماعت عورتونکی ایسی چھوڑدی جاتی ہے جن کو مرد سمجھکر بزبان حال یہ کہا جاتا ہے کہ ہمارے پاس .... تمہین نیک بنانے کا کوئی علاج نہین پس تم اسیطرح بدکاری مین گرفتار رہکر خود تباہ ہو اور ساتھ دوسرونکو تباہ کرو زوج واحد کا ایسا تنگ قاعدہ جو تعدد ازواج کو روکتا ہے .... بیشمار انسانون کو اپنے دائرے سے خارج کرکے وحشیون سے بدتر بنا دیتا ہے اور ان کی دستگیری صرف تعدد ازواج سے ہی ہوسکتی ہے کیونکہ تعدد ازواج کی اجازت سے نکاح کا دائرہ ایسا وسیع ہوجاتا ہے کہ اس سے باہر کوئی انسان نہین رہ جاتا۔ یہ سخت غلطی ہے جو یہ خیال کیا جاوے کہ زوج واحد کے محدود اور بلا استثنا قاعدہ سے عورت کی حالت بہتر ہوجاتی ہے۔ ہرگز نہین بلکہ واقعات بتاتے ہین کہ اس سے عورت کی عام حالت کی اصلاح نہین ہوتی بلکہ اس کی حالت پستی کیطرف گرتی چلی جاتی ہے یہ ایک خیالی تسلی ہے کہ تعدد ازواج کی ممانعت سے مرد و عورت برابر ہوجاتے ہین۔ دیکھنا یہ چاہیئے کہ عملی طور پر کیا اثر پیدا ہوتا ہے اور اگر اس پہلو سے غور کیا جاوے تو بڑی آسانی سے سمجھ مین آسکتا ہے کہ تعدد ازواج کی ممانعت عورت کیحالت کو پستی مین گرانیوالی اور اس کی اجازت اس کی حالت کو بہتر کرنے والی ہے مزید برآن یہ بالکل جھوٹ ہے کہ دوسری عورت سے نکاح کرنے سے مرد و عورت کے حقوق مین فرق آجاتا ہے یعنے مرد کے حقوق بڑھ جاتے ہین اور عورت کے کم ہوجاتے ہین اور نہ ہی کوئی عورت ایسی ہے جو یہ سمجھتی ہو کہ اسکے خاوند کے دوسرا نکاح کرنے سے اس کی حالت پستی کیطرف منتقل ہوگئی ہے۔ اخیر پر مین میان دلاور حسین کو مخاطب کرکے ایک دو باتین کہنی چاہتا ہون وہ اب بھی اسی غلطی مین پھنسا ہوا ہے کہ تعدد ازواج کے

رواج کو قایم رکھنے کے لیے تعدد ازدواج اور زوج واحد کے قاعدون مین مقابلہ کرنا چاہیئے اور دیکھنا چاہیئے کہ ان دونون مین سے بہتر کون ہے اور بار بار اسی بات پر زور دیتا ہے کہ واحد زوج کا قاعدہ تعدد ازدواج سے بہتر ہے اگر اسکا یہ سوال صحیح ہے تو مین اسے اسی قسم کا سوال پوچھنا ہون کہ آیا زوج واحد کے قاعدہ اور تجرد کا مقابلہ کرنیسے ان دونون مین سے بہتر کونسا معلوم ہوتا ہے اب اس سوال کا جواب جو چاہو دو ۔ یعنی خواہ زوج واحد یعنی نکاح کو اچھا ٹھہراؤ اور خواہ تجرد کو مگر میان دلاور حسین کے بحث کی طرز پر چلکر نتیجہ یہ ہوگا کہ ان دونون یعنی نکاح اور تجرد مین سے ایک کی ممانعت ضرور ہونی چاہیئے ۔کیونکہ بعینہ اسی طرح بحث کر کے وہ تعدد ازدواج کی ممانعت نکالتا ہے ۔صرف دو باتین نہین جیسا کہ وہ خیال کرتا ہے بلکہ تین باتین ہین یعنی زوج واحد کا قاعدہ تعدد ازدواج اور تجرد ۔ اگر معترض حق جوئی کی راہ سے اعتراض کر رہا ہے تو اسکا فرض ہے کہ ان تینون کا باہمی مقابلہ کر کے ایک کو باقی دو سے اچھا قرار دے کر یہ تجویز پیش کرے کہ اس ایک کی اجازت ہونی چاہیئے ۔اور باقی دو کی ممانعت ۔ ورنہ یہ مانے کہ زوج واحد کا قاعدہ عام قاعدہ رہے گا نہ کلیہ بلکہ اکثریہ اور تعدد ازدواج اور تجرد دونون بطور استثناؤن کے رہین گے اور دونون مین سے کسی کی ممانعت کرنا نافہمی پر مبنی ہے ۔ اگر وہ ان باتون کا جواب نہ دے کر پھر بھی اپنی بات پر اصرار کرتا جائے گا تو اسے یاد رکھنا چاہیئے کہ اس کی بات بڑے سے بڑھ کر کوئی وقعت پبلک کی نگاہ مین نہین رکھ سکتی ۔ افسوس ہے کہ اسلامی اصول سے ناواقفیت کے سبب سے اس نے ایک ایسا پہلو بحث کا اختیار کیا ہے جس سے ہٹنا اب اسے مشکل نظر آتا ہے ۔اسلام نے وہ پہلو اختیار کیا ہے جسپر کسی صورت مین اعتراض آہی نہین سکتا یعنی واحد زوج کے قاعدہ کو بطور عام قاعدہ کے مانکر تعدد ازدواج اور تجرد کو اسکے لیے دو ضروری استثناء مین قرار دیا ہے ۔ چنانچہ قرآن کریم مین وہ صورتین بھی بتائی گئی ہین جہان ایک آدمی کو تجرد اختیار کرنا چاہیئے مین اس مضمون کو اسجگہ ختم کر کے منتظر ہون کہ میری کن دلایل کا جواب دیا جاتا ہے تا اگر ضرورت ہو تو اور بحث کر کے اس مضمون پر زاید روشنی ڈالی جا سکے ۔

آریہ سماج کے اغراض نکاح

آریہ پترکا کی غلط بیانی ایک شخص پر کیا منحصر ہے ہر آدمی جس کو عفت یا اخلاق کا کچھ بھی

پاس ہے وہ آریہ سماج کے نکاح کے تصور کو نفرت کی نگاہ سے دیکھیگا مگر اس مضمون کے لکھنے کا محرک یہ امر نہین ہوا۔ آریہ سماج کو اختیار ہے جس قسم کے عقاید چاہے رکھے اور جو رواج اپنی سوسائٹی مین چاہے جاری کرے اگرچہ اس مین شک نہیں کہ جیسا کہ تھوڑا عرصہ ہوا۔ برہمو سماج کے لیکچرارو اور اخبارون نے زور دیا تھا۔ یہ بالکل سچ ہے کہ نیوگ کی تعلیم پبلک پر ایسا مضر اثر ڈالنی ہے کہ پبلک کا یہ فرض ہوجاتا ہے کہ وہ آریہ سماج سے اس غلطی کے دور کرانے کی کوشش کرے مگر اس مضمون کے لکھنے کی تحریک اس طرح پر ہوئی کہ آریون کے انگریزی اخبار آریہ پترکا نے میرے مضمون ضرورت تعدد ازواج پر نکتہ چینی کرتے ہوئے بعض ایسی غلط بیانیوں سے کام لیا ہے جنکی اصلاح ضروری ہے، اسی اثنار مین چونکہ اسلام کی اغراض نکاح پر حملے کئے گئے ہین اسلیے یہ بھی ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کی اغراض نکاح کا آریہ سماج کے اغراض نکاح سے مقابلہ کیا جاوے آریہ پترکا کا یہ تردیدی مضمون ۱۵۔ اپریل ۱۹۰۵ء کے پرچہ مین شایع ہوا ہے۔ اور اس مضمون کا عنوان "تعدد ازواج اور واحد زوج کے قاعدہ کا مقابلہ" خود یہ ظاہر کرتا ہے کہ راقم مضمون نے بالکل اس بات کو نہین سمجھا کہ اسلام مین تعدد ازواج کس طرح پر مانا گیا ہے۔ اسپر مفصل بحث اسی رسالہ مین اور جگہ ہوچکی ہے اور اسکے یہان دُھرانے کی ضرورت...... نہین۔ مجھے خصوصًا اس بات پر تعجب ہے کہ نیوگ جیسی خطرناک تعلیم کا ایک حامی تعدد ازواج پر یہ اعتراض کرتا ہے۔ کہ اس کی تائید کرنا تہذیب کی روشنی کے خلاف چلنا ہے اور اسی بنا پر وہ سلسلہ احمدیہ کو جہالت کا سلسلہ کہتا ہے۔ اس نفاق کے زمانے مین حضرت مسیح کا وہ قول کسقدر صادق آتا ہے کہ دوسرے کی آنکھ کا تنکا تو نظر آجاتا ہے مگر اپنی آنکھ کا شہتیر نظر نہین آتا۔ لیکن اس سے بھی زیادہ رنجیدہ بات یہ ہے کہ آریہ اخبار نے میری تحریر کے متعلق سخت غلط بیانی کی ہے۔ یہ نقص آریہ سماج کی کل جماعت مین پایا جاتا ہے کہ وہ بحث مین اپنے مخالف کے متعلق جسقدر ممکن ہو غلط بیانی سے کام لیتے ہین اور کسی فقرہ کو جسپر ان کی سمجھ مین کوئی اعتراض وارد ہوسکتا ہو عبارت سے ایسا الگ کرتے ہین کہ گویا کوئی تعلق ہی نہ تھا۔ مینے تعدد ازواج کی ضرورت پر مضمون لکھتے وقت اغراض نکاح کو شروع مین ان الفاظ مین بیان کیا تھا۔ "مثال کے طور پر نکاح کے فوائد مین سے ایک یہ ہے کہ تا سلسلہ نسل انسانی کا اس طریق سے جاری رہے جس سے تعین والدین بھی ہوسکے اور تا وہ خوشی جو مرد و عورت کو ایک دوسرے کی محبت سے حاصل ہوتی ہے قائم رکھی جاوے۔ اور تا انسان پاک دل ہون اور بد خیالات سے بچے رہین اور جیسا عام طور پر ان فواید کا حاصل

ہونا نکاح پر موقوف ہے ایسا ہی خاص حالات مین یہ فواید سوائے تعدد ازدواج کے حاصل نہین ہوسکتے۔ ان مین سب سے زیادہ ضروری اس غرض کا حاصل ہونا ہے جس کا ذکر سب کے اخیر کیا گیا ہے۔ اور اس لیے ہم پہلے اسپر غور کرین گے۔ جو خواہش مرد کے دل مین عورت کے لیے یا عورت کے دل مین مرد کے لیے ہے وہ تقاضائے فطرت انسانی ہے اور اس خواہش کا جایز ذریعہ یعنی نکاح کے ذریعہ سے پورا کرنا انسان کے دل مین سچی محبت اور پاکیزگی کے خیالات کو پیدا کرتا ہے اور اسی کا ناجایز تعلقات سے پورا کرنا انسان کو ناپاکی کی طرف لے جاتا اور اسکے دل مین بدخیالات پیدا کرتا ہے ……… پس اولاً نکاح مرد و عورت کی اس فطری خواہش کے تقاضا کو پورا کرنیکا جایز طریق ہے" ان الفاظ کو آریہ پتر کا اون بگاڑ کے لکھتا ہے کہ گویا آخری فقرہ جس مین نکاح کی ایک غرض پر بحث شروع کی گئی ہے میرے نزدیک نکاح کی تعریف ہے یعنی اسکے سوائے نکاح کی کوئی غرض ہی نہین چنانچہ فخر کے طور پر یہ بھی بیان کرتا ہے کہ دیکھو ویدک دھرم نے نکاح کے مفہوم کو کیسا اچھا سمجھا ہے کیونکہ اس نے صرف بقائے نسل انسانی کو غرض نکاح مانا ہے اور اسکے بالمقابل اسلام نے نکاح کو سفلی خواہشات کے پورا کرنیکا طریق مانا ہے اور اس سے بڑھکر کچھ نہین۔ ناظرین انصاف کر سکتے ہین کہ میرے الفاظ مین صراحت سے اور غرضین بھی بیان کی گئی ہین اور جس غرض پر ویدک دھرم کو فخر ہے وہ بھی مین نے بیان کی تھی مگر اسکے متعلق آگے چلکر لکھا جاوے گا۔ ان غلط بیانیون کے ساتھ ہی میرے ساتھ گویا ہمدردی کے رنگ مین یہ بھی راقم مضمون لکھتا ہے کہ مین نے شروع مین ہی ٹھوکر کھائی اور نکاح کی اصلی غرض کو نہ سمجھا اسلیے میرا سارا مضمون بنائے فاسد پر ہے۔ مین اس کی ہمدردی کا تو مشکور ہون مگر اسکی اس شرمناک کارروائی کا اظہار بھی مین نے ضروری سمجھا ہے جو عمداً غلط بیانی کرکے اس نے کی ہے۔

فطری خواہش کا تقاضا

آریہ پتر کا کے نزدیک وہ خواہش جو اللہ تعالے نے مرد و عورت کے دل مین ایک دوسرے کے لیے رکھی ہے ایک گندی خواہش ہے مگر اس خواہش کو گندی کہنا خود بحیثیت ایک انسان ہونیکے اپنی ہتک آپ کرنا ہے ہم مسلمان اس فطری خواہش کو گندی یا شہوانی خواہش نہین کہتے اور اس شخص کو غلطی پر سمجھتے ہین۔ جو ایسا کہتا ہے اسپر پہلے بھی کسی قدر لکھا جا چکا ہے اب اگر نکاح کی غرض وہی سمجھ لیجاوے جو آریہ پتر کا کے نزدیک ویدک دھرم کی بھی غرض ہے یعنی اولاد کا پیدا کرنا اور اس سے بڑھکر کچھ نہین تاہم اس سوال کا جواب باقی رہتا ہے اور مین امید کرتا ہون کہ سماج کیطرف سے ……

اس کا صاف صاف جواب دیا جاوے گا۔ کہ آیا آریہ سماج کے ممبرون مین وہ انسانی فطری خواہش
مرد و عورت کی ایک دوسرے کے لیے جس کو گندی اور شہوانی خواہش کہا جاتا ہے موجود ہے
یا نہین۔ اگر موجود نہین تو خیر آریہ سماج کی زندگی بھی موجودہ نسل کی زندگی سے ہی وابستہ ہے
نہ آگے یہ سلسلہ چلے گا اور نہ ان اصولون کا قایل کوئی پیدا ہو گا کیونکہ بغیر اس طبعی تقاضا کے
پیدا ہونیکے سلسلہ نسل قایم ہی نہین رہ سکتا اور اگر ان کے اندر بھی یہ بالفاظ آریہ نیز کا
گندی اور شہوانی خواہش موجود ہے اور نکاح کے ذریعہ سے انکے زن و مرد اسکو پورا بھی کر رہے
ہین بلکہ شاید نکاح کے علاوہ بعض اور ذریعون سے بھی پورا کر رہے ہین جیسا کہ نیوگ کی تعلیم
سے ثابت ہوتا ہے تو پھر کوئی یہ سمجھائے کہ فرق کیا ہوا۔ خواہش بھی موجود ہے اور اسے پورا
بھی کیا جاتا ہے۔ اور ایک حد تک نکاح کے ذریعہ سے ہی پورا کیا جاتا ہے تو اس بات سے کیا
حاصل کہ یہ کہدیا جاوے کہ ہم نکاح اس خواہش کو پورا کرنے کی غرض سے نہین کرتے اس کی
تو وہی مثال ہے کہ ایک شخص کہے کہ مجھے بھوک بھی لگی ہوئی ہے اور روٹی بھی کھاؤن گا مگر مین
اس غرض سے نہین کھاتا کہ میری بھوک دور ہو جاوے اگر یہ حماقت نہین تو دنیا مین اور کیا
حماقت ہوگی۔ یہ محض اسی نفاق کا رنگ ہے جو آج کل دنیا مین بکثرت پایا جاتا ہے کہ اندر کچھ
ہے اور دکھایا کچھ جاتا ہے اگر آریہ سماج کے ممبر اس خواہش سے جسکو وہ سفلی کہتے ہین پاک
ہو چکے ہین اور مردون اور عورتون کے یہ قوے بالکل مسلوب ہو چکے ہین تو بھی ہم خوش ہی ہین
اور اگر ابھی تک موجود ہین تو سیدھے الفاظ مین ماننے سے کیا ہرج ہے۔ اصل بات یہ ہے
جیسا کہ بار بار بیان کیا جا چکا ہے کہ یہ خواہش جو خود خدا نے نفس انسان کے اندر مرکوز کی ہے
اس سے انسانون کے نہایت بلند اور اعلےٰ مقاصد وابستہ ہین۔ پس اس کا جایز استعمال کسی
صورت مین برا نہین کہلا سکتا ہان اگر اسی خداداد قوت کو ناجایز طریق پر استعمال کیا جاوے۔ تو
اسے گندی یا سفلی یا ناپاک یا شہوانی خواہش سب کچھ کہا جا سکتا ہے۔ مخالفت بھی انسان کو کیسا
اندھا کر دیتی ہے کہ ایک پاک اصول کی تردید صرف اسوجہ سے کی جارہی ہے کہ وہ اسلام نے
پیش کیا ہے۔ اس اصول کی صداقت کی اور بھی وضاحت ہو سکتی ہے اور وہ اس طرح
کہ سماج اس بات کی تفتیش کر سکتی ہے کہ آیا وہ لوگ جو اسکے رہبر بنے ہوئے ہین اور جنکو اس نے
مقدس اور راستباز سمجھا ہوا ہے انکے اندر بھی یہ خواہش موجود تھی اور ہے یا نہین۔ ہندوستان
مین رامچندر کے نام کی بڑی عزت کیجاتی ہے۔ مگر ایک بچہ بھی جانتا ہے کہ یہ مقدس انسان بھی

بدی رکھتا تھا اور اسلیے اس مین بھی یہ فطری خواہش موجود تھی جسکو آج وہ لوگ جو زبان کی چالاکی رکھتے ہین اور دل روحانیت سے خالی ہین گندی اور سفلی خواہش کہہ رہے ہین اگر یہ خواہش واقعی سفلی اور شہوانی خواہش ہوتی تو اسکا وجود ان راستبازون مین ہرگز نہ پایا جاتا جنہون نے اپنے نفسونکو ہر ایک بدی اور ہر ایک گند سے پاک کیا۔ تعجب ہے کہ آریہ سماج کس طرح موٹی موٹی باتون مین بھی ٹھوکر کھا رہا ہے۔ جو کچھ مین نے یہان لکھا ہے وہ آریہ پتر کا کے دعوے کو مان کر لکھا ہے مگر حق یہ ہے کہ یہ دعوے بالکل فضول اور سراسر باطل ہے۔

اغراض نکاح آریہ پتر کا نے اسلام کے متعلق جسقدر بدزبانی کی ہے اسکی وجہ یہ بتائی گئی کہ اسلام نے اولاد پیدا کرنیکے سوائے نکاح کے اور اغراض کیون قرار دیے ہین اور خود اس ایک غرض کو اتنا بڑھایا ہے کہ اسکے حاصل کرنیکے لیے جایز اور ناجایز ذرایع مین بھی کوئی فرق نہین رکھا۔ یہ تو مین نے بھی بیان کیا تھا کہ نکاح کے اغراض مین سے یہ بھی ہے کہ تا سلسلہ نسل انسانی منقطع نہ ہو مگر چونکہ یہ سلسلہ بغیر نکاح کے بھی جاری رہ سکتا تھا جیسا کہ حیوانون مین اسلیے یہ غرض قرار دی گئی تھی کہ بقائے نسل انسانی تعیین والدین کے ساتھ ہو سکے مگر اخبار آریہ پتر کا نے باوجود میری اس تحریر کے تعیین والدین کے الفاظ کو چھوڑ دیا ہے اور محض اسیقدر غرض نکاح کی بموجب ویدک دھرم بیان کے ہے کہ اولاد پیدا ہو جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آریہ سماج تعیین والدین کی چندان پروا نہین کرتا۔ اور در حقیقت نیوگ کے ہوتے ہوئے تعیین والدین ہو بھی کس طرح سکتی ہے کیونکہ نیوگ کی اولاد مین اصلی باپ کا نام گم ہی ہو جاتا ہے۔ مگر تعیین والدین کے نہونے سے وہ امتیاز دور ہو جاتا ہے جو حیوانون اور انسانون کے درمیان ہے۔ پس ایک ایسی غرض مقرر کر کے جس مین قدم حیوانون سے آگے نہین رکھا گیا۔ یہ فخر کرنا کہ بس جو کچھ ہے ویدک دھرم ہی ہے اور اس ویدک دھرم کو آریہ سماج نے ہی سمجھا ہے لاف ہی لاف رہ جاتی ہے۔ ایک اور غرض نکاح کی جو بیان کی گئی تھی یہ تھی کہ تا مرد اور عورت کی رفاقت آخر تک رہے۔ لیکن آریہ پتر کا کے نزدیک یہ غرض بھی نکاح کی نہین ہونی چاہیے کیونکہ اسکو بھی اس نے میرے مضمون مین سے عمداً ترک کیا ہے۔ قرآن کریم نے مرد و عورت کو ایک دوسرے کا زوج کہا ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مرد اور عورت کی رفاقت نکاح کی بڑی بھاری اغراض مین سے ہے۔ ایسا ہی ایک جگہ خدا تعالی کی نشانیان بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے۔ ومن آیاتہ ان خلق لکم من انفسکم ازواجا لتسکنوا الیہا وجعل بینکم مودۃ ورحمۃ

ترجمہ - اور اس کی قدرت کی نشانیون مین سے ایک یہ بھی ہے کہ اس نے تمہارے لیے تم سے ہی بیبیان پیدا کین تاکہ تم کو ان سے راحت اور سکون ملے - اور تم (میان بی بی) مین محبت اور رحمت پیدا کی - مگر آریہ سماج مین اسے کبھی نکاح کی غرض قرار نہین دیا جاتا . . . . .

. . . . سچ تو یہ ہے کہ نکاح کی تمام نیک غرضونکو اولاد کی جھوٹی خواہش کے لیے رد کیا گیا ہے اور مسئلہ نیوگ اسپر شاہد ہے نیوگ کے ماننے سے مرد اور عورت مین کبھی وہ رفاقت قایم نہین ہو سکتی جو قرآن کریم کا منشا ہے کیونکہ نیوگ یہ چاہتا ہے کہ ایک بیاہی ہوئی عورت جو چنگا بھلا مضبوط خاوند رکھتی ہے صرف اسوجہ سے کہ اس سے لڑکے پیدا نہین ہوتے خاوند کے سوا کسی اور سے ہم بستر ہو کر اولاد پیدا کرے - اخبار آریہ پتر کا نے آریہ سماج مین نکاح کے اعلے مقصد کے متعلق لاف زنی کرتے ہوئے یہ بھی لکھا ہے کہ "ہم دوسرون کی خاطر بیاہ کرتے ہین" اور ایک طرح سے یہ سچ بھی ہے کیونکہ نیوگ کے قاعدہ سے ایک بیاہی ہوئی عورت اپنے خاوند کے علاوہ کئی مردون کی بی بی ہو سکتی ہے - پس آریہ سماج کے نزدیک عورت خاوند کی رفیق نہین بلکہ لڑکے پیدا کرنے کی ایک کل ہے اور جب اسکا خاوند اس کل کو چلانے کا کام نہ دے سکے تو پھر دوسرے لوگونکی مدد سے اسے چلانا ضروری سمجھا جاتا ہے جسقدر یہ تعلیم عورت کو ذلیل کرنے والی ہے ایسا ذلیل اسے وحشی سے وحشی اقوام مین سمجھا گیا ہے - کیا ایک ایسی عورت کے دل مین جو اولاد پیدا نہ ہونے کی صورت مین ہر وقت خاوند کے علاوہ کسی اور مرد کی تلاش مین رہیگی خاوند کے لیے سچی محبت کبھی پیدا ہو سکتی ہے ہرگز نہین پس ایسی عورت خاوند کی رفیق کیونکر ہو سکتی ہے ایک اور غرض نکاح کی یہ بیان کیگئی تھی کہ نکاح سے نیک خیالات دل مین پیدا ہوتے اور بد خیالات رکتے ہین مگر آریہ پتر کا اسکو بھی تسلیم نہین کرتا - ان سب کی وجہ اگر تلاش کیجاوے تو نیوگ ہی نکلے گا - ساتھ ہی اسکے مین یہ بھی کہنا چاہتا ہون کہ یہ بالکل جھوٹ ہے کہ آریہ سماج کی غرض نکاح سے سوائے اولاد پیدا کرنیکے اور کچھ نہین کیونکہ نکاح کی پہلی غرض یہ کبھی ہو ہی نہین سکتی - اولاد تو ایک نتیجہ ہے اور اصل محرک وہی فطری خواہش ہے -

نیوگ کیا ہے؟

نیوگ کو آریہ سماج کے بانی نے دو قسمون پر تقسیم کیا ہے ایک بیوہ سے اور دوسرا بیاہی ہوئی عورت سے - اس رسم کا اصل مغز یہ ہے کہ ایک مرد اپنی بی بی کے سوائے دوسری عورت سے یا ایک عورت اپنے خاوند کے سوا دوسرے مرد سے ہمبستر ہو -

اس طرح پر نیوگ نکاح کے بالکل مخالف رسم ہے۔ دوسرا بڑا بھاری فرق نکاح اور نیوگ مین یہ ہے کہ نکاح مین ایک عورت کا ایک ہی خاوند ہو سکتا ہے مگر نیوگ ایک عورت گیارہ مختلف مردون سے کر سکتی ہے چنانچہ مرد اور عورت تو ہر ایک پر یہ لازم ہے کہ وہ نیوگ کرے یا کراوے لیکن منکوحہ عورتون کو مندرجہ ذیل حالات کے ماتحت اس فعل شنیع کا ارتکاب کرنا چاہیئے۔" جب خاوند اولاد پیدا کرنیکے ناقابل ہو تب اپنی عورت کو اجازت دے کہ اے نیک بخت عورت! خوش نصیبی کی خواہش کرنے والی عورت! تو مجھ سے علاوہ دوسرے خاوند کی خواہش کر کیونکہ اب مجھ سے اولاد پیدا کروانے کی امید مت رکھ۔ لیکن اس بیاہے ہوئے قابل تعظیم خاوند کی خدمت مین کمربستہ رہ۔ اسی طرح جب عورت بھی بیماری وغیرہ مین مبتلا ہوکر اولاد پیدا کرنیکے ناقابل ہو تب اپنے خاوند کو اجازت دے کہ اے سوامی آپ اولاد کی خواہش مجھ سے چھوڑ کر کسی دوسری بیوہ عورت سے نیوگ کرکے ... ... اولاد پیدا کیجیئے" (ستیارتھ پرکاش باب ۴)۔ نیوگ شدہ خاوندون کے نام بھی بتا دیے گئے ہین:" اے عورت تجھے شادی مین جو خاوند پہلے ملتا ہے اسکا نام سکمارتا وغیرہ صفات کے ہونے کے سبب سے سوم ہے۔ جو دوسرا نیوگ سے حاصل ہوتا ہے وہ گندھرب ایک عورت سے سماگم کرنے (ہم بستر ہونے) سے گندھرب۔ جو دو کے بعد تیسرا خاوند آتا ہے وہ بہت سی حرارت والا ہونے سے اگنی نام سے موسوم ہوتا ہے اور جو تیسرے چوتھے سے لے کر گیارھوین تک نیوگ سے خاوند ہوتے ہین منش نام سے نامزد ہوتے ہین" ان حوالجات سے صاف پایا جاتا ہے کہ بیاہی عورت کے جب اسکا خاوند اولاد پیدا نہ کر سکے دو قسم کے خاوند ہونگے یعنے ایک تو وہ خاوند جسکے ساتھ وہ بیاہی گئی ہے اور جسکے گھر مین رہتی ہے اور دوسرے دس یا گیارہ خاوند جو واقعی خاوند کا کام دیتے ہین اور جو نیوگ کے ذریعے حاصل ہوتے ہین۔ بیاہتے خاوند کے ساتھ عورت کے تمام تعلقات زناشوی اسوقت سے کٹ جاتے ہین جب نیوگی خاوندونکا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے کیونکہ آریہ سماج کے دعوے کے رو سے مرد و عورت کا تعلق سوائے اولاد پیدا کرنے کی غرض کے منع ہے اور جب خاوند اولاد پیدا کرنیکے ناقابل ثابت ہوا تو اسے یقیناً یہی ٹھہرا کہ اپنی عورت کو چھو سکے۔ ہان اسکو کھلانا پلانا اور اس کی خبرگیری سب اسی کے ذمے رہین گے۔ پس اسوقت سے خاوند کا نام تو بیاہتے خاوند کو حاصل رہیگا۔ مگر خاوند کا کام کرنے والے اور لوگ ہونگے۔ کس خاوند کی غیرت اس امر کو برداشت کر سکتی ہے کہ اسے خود تو اس عورت کو جو اسکی بی بی کہلاتی ہے ہاتھ لگانے کی اجازت نہ ہو۔ اور اجنبی لوگ جب چاہین اسکے گھر آئین اور

جو چاہیں کریں کیا آریہ سماج میں ایک بھی آدمی ایسا نہیں جو اس رواج کی بیخکنی کے لیے جرات کرے نیوگ کی حقیقت کیا ہے؟ یہ کہ ایک بیاہی ہوئی عورت سوائے اپنے خاوند کے کسی دوسرے سے تعلق رکھے۔ انگریزی زبان میں اس عبارت کو ویسٹبر نے اپنی مشہور ڈکشنری میں ایڈلٹری کے معنوں میں بیان کیا ہے جسکے معنے اردو زبان میں زنا ہیں بانی آریہ سماج کو خود بھی یہ بات کھٹکی ہے اور انہوں نے دو تین دفعہ خود ہی یہ سوال بھی اٹھایا ہے کہ نیوگ زنا معلوم ہوتا ہے اور پھر یہ بھی کہا ہے کہ اس طرح عورت کا غیر مردوں سے تعلق رکھنا بیسواؤں کا سا کام معلوم ہوتا ہے۔ مگر ایک بڑے بھدے عذر پر کہ چونکہ ہم نے یہ قاعدہ باندھ لیا ہے اسلیئے زنا نہیں رہا۔ اس کی اجازت نہیں بلکہ اسکا حکم دیا ہے۔ امید ہے کہ سمجھدار آریہ سماج ضرور اس مسئلہ کا انکار کر کے ویدک دھرم کا ایک بھاری داغ دور کرینگے۔ میں یہ بھی تسلیم کرتا ہوں کہ آریہ سماج نے بہت سی ان رسوم کو جو بیہودے درجہ کی بدکاری کی طرف لے جانے والی تھیں چھوڑ دیا ہے۔ مثلاً پرستش کی بعض فحش اقسام جیسے مرد و عورت کے عضو تناسل کی پرستش۔ اور پھر شراب سے بدمست ہو کر مردوں اور عورتوں کا روشنی بجھا کر حیوانوں کی طرح ایک دوسرے پر گر پڑنا خواہ کسی کی اپنی ماں یا بہن ہی ہو۔ جیسا کہ ابتک بعض ہندو فرقوں میں یہ وحشیانہ رسوم چلے آتے ہیں مگر جہاں ہم آریہ سماج کی ان اصلاحوں کے لیے تعریف کرتے ہیں۔ یہ جتلا دینا بھی اپنا فرض سمجھتے ہیں کہ نیوگ بھی انہیں وحشیانہ رسوم کا بقایا ہے۔ اور کبھی ملک میں سچی پاکیزگی پھیل نہیں سکتی جبتک کہ اس رسم کو دور نہ کیا جاوے گا۔ اس صورت کے علاوہ جسکا ذکر اوپر ہو چکا ہے مندرجہ ذیل صورتوں میں بھی آریہ سماج نیوگ کی اجازت دیتا ہے ”اگر بیاہا خاوند دھرم کی غرض سے غیر ملک میں گیا ہو تو بیاہی عورت آٹھ برس اور اگر علم و نیک نامی کے لیے گیا ہو تو چھ برس۔ اور دولت وغیرہ بھوگ کے لیے گیا ہو تو تین برس تک انتظار کر کے پھر نیوگ کر کے اولاد پیدا کرے۔ ۔۔۔۔ عورت بانجھ ہو تو آٹھویں برس اولاد پیدا ہو کر مر جائے تو دسویں برس جب جب اولاد ہو تب لڑکیاں ہی ہوں لڑکے نہ ہوں تو گیارھویں برس تک اور جو بدکلام کرنے والی ہو۔ تو جلدی ہی اس عورت کو چھوڑ کر دوسری عورت سے نیوگ کر کے اولاد پیدا کرلے۔ ویسے ہی اگر مرد نہایت تکلیف دہندہ ہو تو عورت کو چاہیئے کہ اسکو چھوڑ کر دوسرے مرد سے نیوگ کر کے اولاد پیدا کر کے۔ اسی بیاہے خاوند کی وارث اولاد کر لے۔“ یہ عجیب بات ہے کہ خاوند کو خبر بھی نہ ہو اور بی بی کہے تو میں تمہارے لیے لڑکے لے آئی ہوں۔ (ستیارتھ پرکاش باب ۴)

آریہ سماج نے نہایت بدپہلو اختیار کیا ہے

آریہ پتر کا تعدد ازدواج کی ضرورت کو تو تسلیم نہین کرتا۔ مگر نیوگ کی ضرورت کو تسلیم کرتا ہے۔ چنانچہ لکھتا ہے "البتہ ویدک دھرم نے ان مردون اور عورتون کے لیے راہ نکالا ہے جنکے اولاد پیدا نہ ہوسکے اون کو حکم ہے کہ وہ نیوگ کرین۔ مگر وہان بھی حیوانی خواہشات کے پورا کرنے کا خیال ہرگز نہین پایا جاتا ہے۔ یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ جہان اسلام نے تعدد ازدواج کی صرف اجازت دی ہے اسکے بالمقابل آریہ سماج نے نیوگ کو لازمی قرار دیا ہے اور اسلیئے یہ ایک ایسا فرض ہے جو ہر آریہ سماجی کو حالات مذکورہ کے ماتحت ادا کرنا پڑتا ہے خواہ اسکا دل اسکو مانتا ہو یا نہ مانتا ہو۔ اس اخبار مین واقعات کو چھپانے کی بہت کوشش کی گئی ہے یہ بالکل غلط ہے کہ نیوگ کا حکم صرف انہین صورتون کے لیئے ہے جب مرد یا عورت اولاد پیدا کرنیکے ناقابل ہو بلکہ ستیارتھ پرکاش مین صریح الفاظ ہین ان صورتون مین بھی نیوگ کا حکم دیا گیا ہے جہان صرف "شہوانی جذبات" کو پورا کرنیکا ہی خیال ہو۔ یا تو راقم مضمون نے ستیارتھ پرکاش کو غور سے نہین پڑھا اور یا وہ عمداً بانی سماج کی پردہ پوشی کرنا چاہتا ہے۔

چوتھے سملاس کے فقرہ نمبر ۱۴۶ پر آریہ صاحبان غور کرین۔ جہان سوامی جی نے پہلے یہ سوال کیا ہے۔ کہ "جب ایک بیاہ ہوگا ایک مرد کے لیے ایک عورت اور ایک عورت کے لیے ایک مرد رہے گا۔ اس عرصہ مین عورت حاملہ دایم المریض یا مرد دایم المریض ہو جائے اور دونو نکا **عالم شباب ہو اور رہا نہ جائے** تو پھر کیا کرین" اور پھر اسکا جواب یون شروع کرتا ہے کہ "اسکا جواب نیوگ کے مضمون مین دے چکے ہین" اب سوال کے الفاظ **عالم شباب** اور **رہا نہ جائے** سے صاف پایا جاتا ہے کہ شہوات کا غلبہ ہو اور عورت کے حاملہ ہونے کی صورت بھی یہی چاہتی ہے کیونکہ حمل تو ہی اور اولاد کی بچتہ امید مگر پھر بھی بسبب جوان ہونیکے دونونسے رہا نہین جاتا۔ کیونکہ جذبات شہوانی غالب آتے ہین اس کا جواب سوامی جی کے الفاظ کے مطابق نیوگ مین ہی آیا پس نیوگ نہ صرف اولاد پیدا کرنیکے لیے ٹھہرا بلکہ نفسانی شہوات کو سدھ کرنیکا ذریعہ بھی ہوگیا۔ پھر اسی جواب کے اثنا مین بانی سماج نے اور بھی اپنے الفاظ کی تشریح کر دی ہے چنانچہ وہ کہتے ہین "اگر حاملہ عورت سے ایک سال صحبت نہ کرنیکے عرصہ مین مرد سے یا دائم المریض مرد کی عورت سے رہا نہ جائے تو کسی سے نیوگ کرکے اسکے لیے اولاد پیدا کر دے" اس حالت مین نیوگ کی کھلی کھلی غرض شہوت رانی ہوئی اور اولاد کا بہانہ بھی نہ رہا۔ آریہ پتر کا تو یہ انکار

کرنا مثلاً نکاح کی غرض بھی ویدک دھرم میں یہ نہیں اور یہاں اس غرض کو پورا کرنے کے لیے نیوگ کا
حکم بھی جاری ہو گیا۔ غرض ان امور سے ثابت ہوتا ہے کہ بانی سماج نے تعدد ازدواج کی ضرورت کو
تو محسوس کیا۔ ہاں ان ضروریات کا علاج اس نے بجائے تعدد ازدواج کے نیوگ کو بنایا کیونکہ تعدد
ازدواج کی ضرورت ایک ایسی بدیہی بات ہے کہ جن قوموں میں اس ضرورت کا کوئی علاج تجویز
نہیں بھی کیا گیا ان میں بھی اس ضرورت کو محسوس ضرور کیا گیا ہے۔ دنیا میں وہ قومیں بھی ہیں۔
جنہوں نے تجربہ سے تعدد ازدواج کی ضرورت کو معلوم بھی کیا ہے مگر تعصب ان کو اجازت نہیں دیتا
کہ کثرت زنا کاری کے روکنے کے لیے تعدد ازدواج کی اجازت دیں۔ مگر آریہ سماج نے سب سے
عجیب طریق اختیار کیا ہے۔ اسکا دعویٰ یہ ہے کہ تعدد ازدواج کی نسبت نیوگ عمدہ علاج ہے گویا ضرورت
کو محسوس بھی کیا ہے اور اسکے لیے ایک علاج بھی اپنی طرف سے تجویز کیا ہے۔ لیکن جب ہم نیوگ
کو دیکھتے ہیں تو اس ایک لفظ کے اندر تین مختلف الفاظ کی تعریفیں شامل ہیں۔ ایک شوہر کے ایک سے
زیادہ بی بی ہونا۔ ایک بی بی کا ایک سے زیادہ شوہر ہونا۔ اور اڈلٹری یعنی زنا۔ ایک ہی شوہر کی
ایک سے زیادہ عورتیں اس لیے کہ (اگرچہ افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ ان پر یہ لفظ اپنے مشہور معنوں میں
صادق نہیں آتا اور محض اسوجہ سے اسجگہ یہ لفظ بول دیا گیا ہے کہ مرد کے ان عورتوں کے ساتھ
وہ تعلقات ہوتے ہیں جو خاوند اور عورت کے ہونے چاہیئے) نیوگ کرنیوالے مرد کی کم سے کم دو
عورتیں ضرور ہونگی ایک وہ جو بذریعہ نکاح اسکے قبضہ میں آئی ہے اور دوسری وہ جو بذریعہ نیوگ
ہاتھ لگی ہے اور پھر صرف دو تک ہی یہ حد نہیں بلکہ گیارہ مختلف عورتوں سے نیوگ کرنے والا مرد اسی
قسم کے تعلقات پیدا کر سکتا ہے۔ ایک بی بی کے ایک سے زیادہ شوہر اسلیے کہ (یہاں بھی لفظ شوہر
اپنے حقیقی معنوں کے رو سے نہیں بولا گیا) نیوگ کرنے والی عورت کے تعلقات کم سے کم دو مردوں سے ضرور
ہونگے ایک اپنے بیاہتے خاوند سے اور دوسرا اس سے جو بذریعہ نیوگ مالک بن بیٹھا ہے اور پھر
ان شوہروں کی تعداد جو نیوگ کے ذریعہ عورت پر تصرف کرتے ہیں۔ صرف دو تک ہی محدود نہیں
بلکہ ایک ہی عورت گیارہ مختلف آدمیوں سے اس قسم کا تعلق پیدا کر سکتی ہے اور یوں وہ گیارہ کے
گیارہ اسکے شوہر کہلانے کے مستحق ہونگے۔ اڈلٹری یعنی زنا کی تعریف اسلیے نیوگ کے اندر
آتی ہے کہ نیوگ میں ایک بیاہا ہوا آدمی اپنی بی بی کے سوائے دوسری عورت سے یا ایک بیاہی
ہوئی عورت اپنے خاوند کے سوا دوسرے مرد سے ہم بستر ہوتی ہے اور یہی ویبسٹر کی ڈکشنری
کے رو سے لفظ اڈلٹری یعنی زنا کی تعریف ہے پس جن لوگوں نے تعدد ازدواج کے پاک اصول کو

چھوڑا ہے۔ وہ مقدس اصول جس پر ہر زمانہ ہر ملت اور ہر قوم کے پاک لوگ کاربند رہے آخر
انکو طرح طرح کے گندے اصول اختیار کرنے پڑے کوئی شخص کسی کو مجبور نہیں کر سکتا
کہ وہ غلطی کو چھوڑ کر راہ راست پر آوے ہاں آریہ سماج کے اس قابل نفرت پہلو کو اختیار کرنے پر
افسوس ضرور آتا ہے کیا ہم امید کر سکتے ہین کہ یہ قوم جسے اعلے درجہ کی تہذیب یافتہ ہونیکا دعوے
بھی ہے۔ نیوگ کے ناپاک اصول کو جو کسی قوم کی اخلاقی حالت کیلئے ایک سخت دھبہ ہے
چھوڑنے کی جرأت کرے گی۔

زلزلہ کا دھکا

اس خطرناک زلزلہ کے متعلق جو ۴۔ اپریل ۱۹۰۵ء کو اس ملک مین محسوس ہوا اخبارون مین اسقدر
لکھا جاچکا ہے کہ ایک ماہوار رسالے کے لیے کچھ باقی نہین رہا تاہم مختصر طور پر اس کا اور اس
سے جو نتائج پیدا ہوتے ہین ان کا ذکر خالی از فایدہ نہ ہوگا۔ ان نہایت پرانی عمارتون کی تباہی
اور شکستگی سے جو صدہا سال سے قدرت کی ہر ایک طاقت کا مقابلہ کر رہی تھین۔ اب یہ امر تو قطعی
طور پر ثابت ہوگیا ہے کہ اس قسم کی کوئی شدید آفت اس ملک پر جہان تک تاریخ پتہ دیتی ہے
کبھی نہین آئی۔ ہندوؤن کا مشہور معبد کانگڑہ بھون جہان دور دراز جگہون سے جاتری آتے
تھے اور جو ایک نہایت مضبوط عمارت تھی اسکا کوئی نشان باقی نہین رہا اس مندر کا گرنا یہ شہادت
دے رہا ہے کہ ملک پنجاب مین اس قسم کا زلزلہ پہلے کبھی محسوس نہین ہوا۔ قریب نوسو سال ہوئے
جب محمود غزنوی نے اسکو لوٹا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسوقت بھی یہ مندر موجود تھا۔ مگر اب خود
خدا تعالے کے طاقتور ہاتھ نے اسکو زمین سے ملا دیا ہے تا دنیا کو معلوم ہو جائے کہ بت کچھ چیز نہین
اگرچہ زلزلہ کا بڑا زور کانگڑہ مین تھا مگر ملک کے دور دور حصون مین خطرناک نقصان عمارتون کے
گرنے اور پھٹ جانے اور کسی قدر نقصان جانون کے تلف ہونے کا بھی ہوا ہے۔ جو تباہی اس زلزلہ
سے آئی ہے اس مین جانون کا نقصان ہزارون تک پہونچا ہے اور اسوقت کا تخمینہ پچیس ہزار
موت کا ہے۔ مگر نقصان مال کروڑون سے گذر کر اربون تک پہونچ گیا ہے۔ لیکن اگر کوئی یہ کہے کہ
ان دو باتون کے بیان کر دینے سے زلزلہ کی کیفیت کا پتہ لگ سکتا ہے تو یہ بالکل جھوٹ ہے۔

اس وقت کی کیفیت کو کوئی الفاظ بیان نہین کر سکتے جب ہزارہا میلون کے اندر ایک متنفس بھی ایسا نہ تھا جو یقین نہ رکھتا ہو کہ اس کا آخری وقت آپہونچا اور کوئی عمارت ایسی نہ تھی جو چند سیکنڈ مین ہی گر کر اپنے ساکنین کی قبر بننے کے لیے تیار نہ ہو۔ بعد از وقت فہرستین بھی بن سکتی ہین۔ اور اندازے بھی لگ سکتے ہین کہ کسقدر آدمی مرے اور کسقدر نقصان ہوا۔ مگر ان کروڑہا انسانون کی ہمہ خوف اور تحیر تسکل کو کون کھینچ سکتا ہے جنکے دلون مین کوئی شبہ باقی نہ رہ گیا تھا کہ واقعی قیامت

ضلع کانگڑہ کے بہت سارے قصبے بالکل نیست ونابود ہو گئے ایسا ہی حال دیہات کا بھی ہوا۔ گو وہان موت نسبتاً کم ہوئی۔ ان مین سے ایک یعنی خود کانگڑہ کی تباہی کا حال بھی قیاس کر لینا چاہیئے " جب مین اپنے خیمہ کی جگہ سے اس خوبصورت اور درختونسے سرسبز پہاڑی کی طرف دیکھتا ہون جسپر شہر اور مندر آباد تھے تو عمارت کا کوئی نشان باقی نظر نہین آتا۔۔۔۔۔۔ تھوڑی دور آگے اینٹون اور چونے کے ڈھیر سے مسٹر سیسٹن کی کوٹھی اور پادریونکے مکانات کے کھنڈر کا پتہ لگتا تھا۔ دائین طرف کو ہسپتال اور اسکے قریب ہی تھانہ اور بائین طرف کو خزانہ کی عمارت سب کی سب تباہ ہو چکی تھین یہ دونون عمارتین نہایت ہی مضبوط بنی ہوئی تھین۔ اور بڑے بڑے پتھر اور مضبوط شہتیر لگائے گئے تھے مگر چھتین واقعی طور پر پاش پاش ہو چکی تھین۔ اور پتھر چونہ سے الگ ہوئے ہوئے تھے۔ گویا ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کسی زبردست طاقت نے پتھرونسے چونہ کو جھٹک کر الگ کر دیا ہے اور یہ بات شہر اور پہاڑی کے ہر ایک حصہ پر صادق آتی ہے۔۔۔۔۔ اس سڑک پر چلتے ہوئے جو مندر کو جاتی ہے ہر طرف زلزلہ کے آثار نظر آتے تھے ایک بھی مکان ایسا نہین تھا جو کھڑا ہوا اور پھر انکے کھنڈر زمین سے ایسے ملے ہوئے تھے کہ انکو دیکھ کر ایک مہیب اثر انسان پر ہوتا تھا۔ ان کھنڈرات کے درمیان سے گذرتا ہوا مین بڑے مندر کی شکستہ عمارت پر پہونچا جو بالکل کھنڈر ہو چکی تھی اور سوائے لکڑی چونہ اور پتھرونکے ملے جلے ڈھیر کے اور کچھ نظر نہ آتا تھا۔ بڑی بڑی موٹی دیوارین پاش پاش ہو چکی تھین۔ اور چھوٹے چھوٹے مندر تمام ٹوٹ چکے تھے۔ اور صرف ایک بہت چھوٹا سا مندر باقی تھا وہ بھی پورا نہین بلکہ بہت سا حصہ اسکا بھی ٹوٹا ہوا تھا۔ سنہری چھت اور گنبد کھنڈرونکے اوپر گرے ہوئے تھے۔۔۔۔۔ دیوارونکی موٹائی بہت ہی زیادہ تھی۔ کیونکہ یہ عمارت نہایت ہی مضبوط بنائی گئی تھی مگر باوجود اسکے یہی دیوارین ایسی پاش پاش ہوئی پڑی تھین کہ گویا نہایت ہی کمزور بنائی گئی تھین۔ مندر کے نیچے اور کھنڈرات نظر آئے۔ معلوم ہوا کہ یہ جاتری لوگونکے رہنے کی جگھین تھین

پی۔ او۔ مرنے کا نامہ نگار ہے جس نے یہ خطوط کانگڑہ سے لکھے اور اس نے اپنی آنکھون سے خود کانگڑہ کی تباہی کا حال

اور ان مین سے ابھی مردے نکالے جانے باقی ہین- (۱۹- اپریل)- وہ لوگ جو وہان ہلاک ہوئے آناً فاناً ہی ہلاک ہو گئے ہونگے- کیونکہ تباہ شدہ عمارت کا ڈھیر اب بھی ایسا ہے کہ اوپر سے بالکل بند ہے- اور اندر کا کچھ پتہ نہین لگتا- ان مکانون کی بلندی نے انکے گرنے کو اور بھی خطرناک بنا دیا...... سنہری مندر شاید پھر بنایا جائے اور اسکے گرد پھر ایک قصبہ آباد ہو جائے مگر اسوقت ایک ویرانہ پڑا ہوا نظر آتا ہے کہا جاتا ہے کہ ان کھنڈرات کے نیچے کئی لاکھ روپے کے خزانے اور جواہرات دبے ہوئے ہین اور انکے نکالنے کی بھی ابھی کوشش کی جائیگی- بطاہر وہ بہت بچ رہا ہے اور دور دور کے ہندو اسکے نذرین دینگے کیونکہ کانگڑہ بھون بہت ہی مقدس جگہ تھی- اور جنوبی ہندوستان کے دور دور کے حصون سے بھی جاتری لوگ یہان آتے تھے- کہا جاتا ہے کہ ایک وقت رنجیت سنگھ بھی یہان آیا تھا اور آج سے نوسو برس پہلے محمود غزنوی رح نے اس کی دولت کے سبب سے اسپر یورش کی اور نذرکوٹ کو جو اس کا پہلا نام تھا لوٹا- اور ایک بڑا بت اور بہت سا روپیہ اپنے ساتھ لے گیا- مندر سے آگے بڑھتا ہوا اور درختون مین ہوتا ہوا اور اوپر چڑھتا ہوا مین امریکن مشن سکول کی جگہ پر پہنچا- کوٹھیٔین اور کھیلنے کی عمارتین بہت مضبوط بنی ہوئی تھین مگر اب وہ صرف پتھرونکے ڈھیر ہین- یہان سے ہوتا ہوا مین پہاڑی کی چوٹی پر پہنچا- جہان دیوی کا چھوٹا مندر بالکل ٹوٹا پڑا تھا- اور گرجا کے کھنڈرات ساتھ ہی موجود تھے- جہان ٹوٹے ہوئے پتھرون کے درمیان گھنٹی بھی پڑی نظر آتی تھی- گرجا اور مندر پاس پاس ہوا کرتے تھے- اور اب انکے کھنڈرات بھی ملے جلے ہین- چوٹی سے ذرا نیچے مشن ہوس ہے- جہان ایک پادری اور دو پادری عورتین مرچکی تھین- اب وہ برآمدہ نظر آتا ہے جہان یہ دونون عورتین زلزلہ کے آنیکے وقت بیٹھی ہوئی تھین اور اس بات سے کہ وہ برآمدہ سے باہر بھی نہ نکل سکین- معلوم ہوتا ہے کہ کسقدر اچانک اور ناگہانی طور پہ یہ زلزلہ آیا- یہان چوٹی پہ بڑی بڑی لمبی مگر تنگ دراڑین نظر آتی ہین اور بڑ ھ اور پیپل کے بڑے بڑے درختونکے ٹوٹے ہوئے ٹھنے نظر آتے ہین......"

زلزلون کا آنا مسیح کی آمد کے نشانون مین سے ایک نشان ہے اور اس نشان کو جیسا مسلمانون نے مانا ہے ویسا ہی عیسائیون نے بھی تسلیم کیا ہے کیونکہ یہ ہر دو مذاہب کی معتبر کتابون پر مبنی ہے- یون تو زلزلے دنیا مین سدا آتے ہی رہتے ہین اسلیے معمولی زلزلون کا آنا کوئی نشان نہین ہو سکتا لہذا پیش گوئی مین زلزلون سے مراد غیر معمولی شدید زلزلے ہین جس کی ایک مثال ہمین پنجاب کے اس زلزلے مین ملتی ہے- گذشتہ بیس سال کے عرصہ مین ملک ہند مین تین سخت زلزلے آچکے ہین

یعنی اول زلزلہ کشمیر جس سے بہت سی تباہی ملک کشمیر مین ہوئی۔ دوسرا زلزلہ آسام و بنگال جو ۱۸۹۷ء
مین آیا۔ تیسرا ۴ اپریل کا زلزلہ۔ ان سب مین سے آخری زلزلہ نے سب سے زیادہ بربادی اور
تباہی ملک مین پھیلائی ہے۔ یہ زلزلہ کا سلسلہ جس کی نظیر پہلے اس ملک مین نہین ملتی ثابت کرتا
ہے کہ یہ اس قسم کے شدید زلزلون مین سے ہے جیسے پیشگوئی کا منشاء ہے اور اگر یہ زلزلے
ان پیشگوئیون کو پورا کرنے والے نہین جو مسیح کی آمد کے متعلق ہین تو پھر ان پیشگوئیونکے پورا
ہونیسے ہاتھ دھو لینے چاہیئے۔ بعض دوسرے امور سے یہ بات اور بھی واضح ہو جاتی ہے
مسیح کے وقت کے لیے یہ بھی پیشگوئیان ہین کہ اس زمانے مین قحط پڑینگے اور سخت مری پڑے گی
اور زلزلے آئین گے۔ اب ہندوستان مین یہ تمام نشان جمع ہوگئے ہین عرصہ نہین ہوا کہ سخت
قحط اس ملک مین پڑا ابھی یہ بلا موجود تھی کہ وبا نے قدم آ دھرا۔ اور ایسا جمایا کہ گیارہ بارہ سال سے
لاکھون جانین ہر سال تلف ہوتی ہین اور اس کی شدت ابھی یوماً فیوماً بڑھ رہی ہے۔ ان دو مصیبتون
کے اندر اب ایک تیسری مصیبت اس ملک پر زلزلہ کی آپڑی ہے۔ جس نے پہلی دونون سے
بڑھکر دلونکو ہلا دیا ہے۔ ہزارہا جانین آنکھ جھپکنے مین تلف ہوگئین اور آباد شہر ایک لمحہ مین خاک
سے ملگئے اور ان کا نشان بھی باقی نہ رہ گیا۔ کیا ابھی وہ وقت نہین آیا کہ لوگ آنکھین کھولکر دیکھین
کہ وہ کس زمانے مین ہین اور کس صفائی سے تمام نشان پورے ہو رہے ہین۔ ہندوستان مین
بالخصوصیت ان سب نشانون کا جمع ہونا یہ صاف بتا رہا ہے کہ وہ وعدہ کی زمین جس مین مسیح موعودؑ
پیدا ہونے والا ہے وہی خوش قسمت یا بد قسمت زمین ہے۔

اس کے بعد یہ سوال پیدا ہوگا کہ پھر وہ مسیح کہان ہے کیونکہ اگر نشان ظاہر ہوگئے تو یقیناً وہ
مدعی بھی موجود ہونا چاہیئے جسکی صداقت کی تصدیق کے لیے یہ نشان دکھائے گئے ہین۔ مین کہتا ہون
کہ وہ تو موجود ہے اور وہ تمہین پکار پکار کر بلا بھی رہا ہے۔ پر تم نے اس کی طرف سے ایسا کانونکو
بند کیا ہے کہ اس کی آواز کو نہین سنتے۔ کیون؟ اسلیے کہ تم خدا کے انتخاب کو پسند نہین کرتے اور
خدا پر یہ اعتراض کرتے ہو کہ فلان شخص کو موعود کیون بنایا گیا یا کیون مسیح موعود اس طرح نہین
آیا جس طرح ہم چاہتے ہین۔ مگر یہ غلطی ہے وہ جو آیا ہے وہ خدا تعالی کی سنت قدیم کے مطابق آیا
ہے۔ اور جس طرح ابتدا سے اللہ تعالے اپنے وعدونکو پورا کرتا رہا اسی طرح اب بھی اس نے پاک وعدہ
کو پورا کیا۔ مگر اس بحث کا یہان موقعہ نہین۔ لیکن اس زلزلہ کے مضمون کے متعلق ایک پہلو ایسا
ہے جو اس مدعی کی صداقت پر روشنی ڈالتا ہے۔ ان زلزلون سے اور خصوصاً اس آخری سخت

زلزلے سے بہت مدت پہلے ایک مدعی نے ان سب باتون کی خبر دی اور انکو اپنی صداقت کا نشان ٹھہرایا۔ اور یہ کہا کہ ان باتون کا ظہور آیندہ زمانہ مین دلیل ہوگی اس بات پر کہ مین اس خدا کیطرف سے ہون جسکے ہاتھ مین زمین و آسمان کی حکومت ہے چنانچہ زلزلہ کے متعلق سب سے پہلے ۱۸۸۲ء کے قریب آپکو یہ الہام ہوا جو براہین احمدیہ مین جو اسوقت زیر تالیف تھی شایع کیا گیا وہ الہام الٰہی یہ ہے ولما تجلٰی ربہ للجبل جعلہ دکا۔ یعنی جب اللہ تعالے پہاڑ پر اپنی تجلی کریگا تو اسے پاش پاش کردے گا۔ وہ خطرناک زلزلے جنہون نے اس بیس سال کے اندر اندر ان پہاڑون کے سلسلے کے اندر جابجا تباہی ڈالی ہے۔ اس عظیم الشان پیشگوئی کو پورا کرنے والے ہین اور اس شخص کی صداقت کا نشان ہین جس کو اتنے سال پہلے ان امور کی اطلاع دی گئی۔ سب سے بڑھکر اس پیش گوئی کی تصدیق ۴-اپریل کے زلزلے سے ہوتی ہے۔ اس خطرناک زلزلہ کی خبر جو ان تینون زلزلون مین سے اخیری ہے۔ تازہ وحی الٰہی مین بھی دی گئی تھی۔ چنانچہ سنہ ۱۹۰۱ء مین آمین مین آپنے یہ اشعار لکھے تھے۔ جو صاف طور پر اس خطرناک زمانہ کیطرف اشارہ کر رہے ہین۔

"دکھاؤ جلد تر صدق و انابت کرو توبہ کہ تا ہو جائے رحمت کھڑی ہے سر یہ ایسی ایک ساعت
کہ یاد آجائے گی جس سے قیامت مجھے یہ بات مولے نے بتا دی فسبحٰن الذی اخزی الاعادی"

ان اشعار مین ایک ایسی آنیوالی گھڑی کی خبر دی ہے جو دنیا کو قیامت یاد دلادے گی۔ اور ایسا ہی ہوا کہ ۴-اپریل کی صبح کو ایک دنیا چلا اٹھی کہ قیامت آگئی بلکہ وہ لوگ جو قیامت کو مستبعد سمجھتے تھے وہ بھی چیخ اٹھے کہ خدا تعالے ایک لمحہ مین سب دنیا کو تباہ کرکے قیامت قایم کرسکتا ہے۔ ہندو مسلمان۔ عیسائی سب لوگون نے بالاتفاق اس زلزلہ کو نمونہ قیامت کہا ہے۔ عالم الغیب حقیقی کے سوائے اور کون ہوسکتا تھا۔ جو چار برس پہلے اس بات کی ایسے صحیح الفاظ مین خبر دیتا۔ مین نہین سمجھتا کہ کوئی پیش گوئی اس سے بڑھ کر صفائی سے اور کیا پوری ہوگی۔ وہی لفظ جو خدا کے برگزیدہ نے برسون پہلے کہے تھے وہی الفاظ آخر دنیا نے بھی بولے اور اس طرح پر اس کی صداقت پر اپنے مونہون سے شہادت دی۔ مخالفین کا اگر زور چلتا تھا تو کیون انہون نے دنیا کے منہ کو بند نہ کردیا کہ اس زلزلہ کو قیامت کا نمونہ نہ کہین مگر خدا کا ہاتھ زبردست ہاتھ ہے اور طوعاً کرہاً آخر سب کو ماننا ہی پڑتا ہے۔ اب بھی اگر کوئی شخص پیچھے ہٹتا ہے تو یہ محض اس کی شقاوت ہے اس پیشگوئی کے بعد دسمبر سنہ ۱۹۰۳ء مین آپنے ایک اور پیشگوئی کی اور وہ بھی اسیوقت شایع ہوگئی جسکے الفاظ یہ تھے۔ زلزلہ کا دھکا۔ وحی الٰہی کے انہین الفاظ پر مین نے اس مضمون کا عنوان

بھی رکھا ہے۔ اسکے بعد شروع مئی ۱۹۰۵ء مین ایک اور پیشگوئی شایع کی گئی جس سے اس زلزلہ کی خبر ملتی ہے اور جس نے نہایت مختصر مگر جامع الفاظ مین اس زلزلہ کی تباہی کو بیان کیا ہے اس وحی کے الفاظ یہ ہین۔ عفت الدیار محلها و مقامها۔ یعنی گھرونکے نام ونشان مٹ گئے کیا عارضی جائے سکونت اور کیا مستقل جائے سکونت۔ یہ الفاظ زلزلہ سے گیارہ ماہ پہلے دنیا مین شایع ہوچکے تھے۔ اب ہر ایک شخص بجائے خود ان الفاظ کے معنے معلوم کرے اور پھر اس تباہی پر نظر ڈالے جو اس سے ہوئی تو وہ دیکھ لے گا کہ اس زلزلہ کی تباہی کو اس سے زیادہ موزون الفاظ مین بیان نہین کیا جا سکتا جو وحی الہی مین اختیار کیئے گئے ہین۔ اگر محض اسیقدر پیشگوئی ہوتی کہ زلزلہ آئے گا تو معترض کو یہ کہنے کی گنجایش ہوتی کہ زلزلے دنیا مین ہمیشہ آتے ہی رہتے ہین پس اس پیشگوئی مین کوئی ایسی غیب کی بات نہین جس پر انسان مطلع نہ ہوسکے۔ مگر خدا تعالے نے اسیقدر پر کفایت نہین کی بلکہ زلزلہ کے دھکّہ کی پیشگوئی کے بعد پھر ایسے صریح اور بیّن الفاظ مین اسکے نتیجہ کو بھی بتادیا گویا یہ سمجھا دیا کہ یہ زلزلہ معمولی زلزلہ نہین ہوگا بلکہ ایسا ہوگا کہ ملک کے ایک بڑے حصہ مین گھرونکے نام ونشان مٹ جائینگے اب یہ کس انسان کی طاقت مین ہے کہ ایسی بات گیارہ مہینے پیشتر بتادے اور پھر تحدی سے ملک مین اسکی اشاعت کرے کہ ایسا ضرور ہوگا۔ اور اسے اپنی صداقت کا نشان ٹھہراوے۔ کیا کوئی منجم یا کوئی علم طبقات الارض کا واقف اس زور سے یہ دعوے کرسکتا ہے یا کبھی کسی نے کیا۔ اس پیشگوئی مین بعینہ وہ نقشہ ملک کا کھینچ دیا گیا ہے جو گیارہ ماہ بعد نظرونکے سامنے آنے والا تھا۔ کس طرح خدا نے پہلے یہ بتایا کہ مین مکانات کا نام ونشان مٹادونگا۔ اور پھر گیارہ ماہ بعد جب لوگون نے ان باتون پر ہنسی کی تو اپنے الفاظ کو پورا کرکے دکھایا۔ پایونیر کے نامہ نگار کے سب سے پہلے لفظ یہ ہین کہ "خیمون کی جگہ سے نیچے اس پہاڑی کیطرف دیکھ کر جو نہایت خوبصورت درختون کے ساتھ سرسبز ہو رہی تھی اور جہان قصبہ اور مندر آباد تھے عمارات کا کوئی بھی نشان نہ ملتا تھا"۔ بعینہ یہی بات خدا نے اپنے مامور کو گیارہ ماہ پہلے بتائی جبکہ وہی شہر جو اب جنگلون کی طرح سنسان پڑے ہین خوب آباد تھے اور کسیکو خواب خیال بھی نہ تھا کہ کوئی ایسی بات پیدا ہونے والی ہے ایسا ہی اس صوبہ کے لفٹنٹ گورنر صاحب نے اپنی تقریر مین جو زلزلہ زدگان کی امداد کے لیے ایک جلسہ مین کیگئی تھی بیان کیا۔ "آپ سب لوگون نے اخبارونکے ذریعہ اس خطرناک مصیبت کے حالات کو پڑھ لیا ہوگا جس نے تین ہفتے ہوئے واقعی آنکھ جھپکنے کی دیر مین اس صوبہ کے سب سے خوبصورت ضلع کے سب سے آباد اور سرسبز حصّہ کو آ دبایا۔ جو سخت تباہی اور ویرانی دھرم سالہ کانگڑہ وغیرہ بہت سے دوسرے

مقامات مین ہوئی ہے اس کی نسبت مبالغہ کرنا تو یکطرف رہا - اسکا پورا پورا نقشہ بھی الفاظ مین نہین کھینچا جا سکتا نہ تحریر مین اور نہ تقریر مین - ملک کے اندر پھرنے سے نظر آتا ہے کہ وہ تباہی جو اس جگہ واقع ہوئی ہے اپنی نظیر کہین نہین رکھتی - جدھر جیسے جاؤ گانون کے گانون ایسے تباہ ہوئے ہین کہ ایک مکان بھی کھڑا نہین رہ گیا - سڑکین اور پل تمام ٹوٹ گئے ہین اور ہر طرف تباہی اور ویرانی ہی نظر آتی ہے اس رقبہ کے اندر جہان سب سے زیادہ نقصان پہنچا ہے جو قریباً ۷۰۰ مربع میل ہے اور ۲۵۰۰۰ کی آبادی رکھتا ہے ہر ایک گھر اور عمارت بلا استثنا یا تو بالکل زمین کے ساتھ ملگیا ہے اور یا ایسی خطرناک صورت مین پڑا ہے کہ رہایش کے قابل نہین رہا" آسام مین جو زلزلہ ۱۸۹۷ء مین آیا تھا وہ بمقابلہ اس زلزلہ کے بہت ہی خفیف تھا کیونکہ اس مین کل پندرہ سو جانونکا نقصان بتایا جاتا ہے اور یہان پچیس ہزار جانین تباہ ہوئین - غرضیکہ اس سخت تباہی کا نقشہ جو الفاظ عفت الدیار محلها ومقامها مین کھینچا گیا ہے - اس سے بہتر اور کوئی نقشہ کھینچا نہین جا سکتا - پھر خدائے عالم الغیب کے سوائے کسکو یہ طاقت تھی کہ ایسا نقشہ پہلے کھینچتا اور اپنے مامور کی زبان سے پہلے سے ہی دنیا مین اسکا اعلان کرتا - اب سوال یہ ہے کہ وہ جس کی خاطر یہ نشان ظاہر کیے جا رہے ہین کون ہو سکتا ہے سوائے اسکے جس نے پہلے سے ان نشانون کی خبر بھی دی اور اپنی تائید مین انکو نشان بھی قرار دیا - یہ تسلیم کیا جاویگا اور خود عیسائیون نے بھی یہ امر تسلیم کر لیا ہے کہ یہ زلزلہ نشان تو ضرور ہے پر اگر یہ اسکا نشان نہین جس نے بہت مدت پہلے سے یہ خبر دی کہ میری تائید مین اللہ تعالے ایسے ایسے نشان ظاہر کریگا تو پھر کس کا ہے - کیا یہ بھی ہو سکتا ہے کہ نشان ظاہر ہو رہے ہون اور جس کی تصدیق کے لیے ظاہر ہوتے ہین - اسکا دنیا مین وجود ہی نہ ہو - ایسا خیال کرنا محض حماقت ہے - سچا مدعی موجود ہے اور اس نے یہ خبر دی کہ میری تائید مین ایسے ایسے نشان ظاہر ہونگے اور عین اسکے کہنے کے مطابق برسون بعد وہ باتین وقوع مین آئین اب بھی شک کرنا سنگدلی ہے - بعض لوگ یہ کہدیتے ہین کہ جھوٹے مسیح بھی تو ظاہر ہونے ہین پر مین پوچھتا ہون کہ کیا وہ نشان جنکا وعدہ دیا گیا ہے سچے کی خاطر ظاہر ہونگے یا جھوٹونکی خاطر - بفرض محال اگر یہ بھی تسلیم کر لین کہ جھوٹے بھی کوئی نشان دکھا دینگے تو سوال یہ ہے کہ وہ موعود نشان جنکی سینکڑون برس پہلے خبر دی گئی - وہ بھی جھوٹونکی خاطر ہی ظاہر ہونگے اگر ایسا ہے تو پھر نشانونکی پیشگوئی کرنے والے نے مخلوق کو دھوکا دیا کہ جو نشان ... جھوٹون کی خاطر ظاہر ہونے تھے وہ سچے کے نشان قرار دیدیئے - افسوس ہے کہ تعصب نے

ان لوگون کی کیا حالت کر دی ہے اور اگر یہ مدعی جھوٹا ہے تو پھر سچا بھی تو بیش کرنا چاہیئے کہ وہ فلان جگہ موجود ہے نہ یہ کہ محض اپنے باطل عقاید کے توہمات سے ایک موعود تراش لیا جاوے اور سچے موعود کو جھوٹا کہا جاوے۔ مین یہ نہین کہتا کہ جھوٹے دعویدار پیدا نہ ہونگے صادقین کے ساتھ پہلے بھی جھوٹے پیدا ہوتے رہے اور اب بھی ہوئے اور ہونگے مگر عقلمند کو چاہیئے کہ امتیازی نشان قایم کرے اس سے جھوٹون اور سچونکو پرکھے۔ پھر کیا یہ امتیازی نشان نہین کہ سچے مدعی نے برسون پہلے انہی نشانون کی خبر دی جو اس کی آمد کے لیے مقرر کیے گئے تھے اور ان کو اپنی صداقت کے نشان ٹھہرایا۔؟ اگر یہ مدعی صادق نہ ہوتا تو یہ امتیازی نشان کیون اس مین موجود ہوتا۔ نبیون نے موعود کی علامت کے طور پر ایک امر کے واقع ہونیکی خبر دی ایک مدعی نے جو عین موعودہ وقت پر پیدا ہوا اسی امر کے واقع ہونے کی برسون پہلے خبر دی اور اسکو اپنی صداقت کا نشان قرار دیا پھر وہ امر بعینہ جس طرح پیشگوئی کی گئی تھی واقع ہوگیا۔ اب بھی اگر کوئی آنکھ اسکو نہین دیکھ سکتی تو اسکا علاج مشکل ہے۔

ان دلایل سے حضرت مسیح موعود کی صداقت روز روشن کی طرح چمکتی ہے کیونکہ یہ تمام پیشگوئیان برسون پہلے کتابون مین چھپکر شایع ہو چکی تھین اور وہ کتابین ابتک موجود ہین مگر حق ایک ایسی شے ہے کہ ایک سے بڑھکر دوسری روشن دلیل اسپر پیدا ہوتی جاتی ہے یہانتک کہ شک کرنے والونکے لیے اگر وہ عقل سے کام لین اور تعصب کی پٹی آنکھون پر نہ باندھ لین شک کی کوئی وجہ باقی نہین رہ جاتی۔ دوسری دلیل جس کا مین نے ذکر کیا ہے یہ ہے کہ ۴۔ اپریل کے زلزلہ کے بعد اس موعود نے ایک اور اس سے بھی بڑھکر خطرناک حادثہ کی خبر دی ہے جو اس ملک مین آنیوالا ہے اور اسی خدا کے حکم سے جس نے اپنے مامور پر اس امر کو ظاہر فرمایا ہے یہ پیشگوئی کروڑون انسانون مین شایع بھی ہو چکی ہے۔ اب ایک طرف تو منجم اور علم طبقات الارض کے ماہر یہ یقین دلاتے ہین کہ اب کوئی خطرہ نہین اور دوسری طرف ایک شخص خدا سے اطلاع پاکر یہ کہتا ہے کہ ابھی ایک اور سخت مصیبت اس ملک پر آنیوالی ہے جو پہلی مصیبت کو بھی بھلا دے گی۔ جسکا نام خدا نے اپنی وحی مین زلزلہ اور زلزلۃ الساعۃ رکھا ہے۔ ایک دفعہ نہین بلکہ کئی دفعہ خدا تعالےٰ اسکی اطلاع دے چکا ہے اور کئی دفعہ مختلف اشتہارات کے ذریعہ ملک مین اس کی اشاعت بھی ہو چکی ہے۔ مگر کیا کسی نے گذشتہ واقعہ سے عبرت حاصل کی نہین بلکہ وہی سلوک ہوا جو پہلے انبیاء کے ساتھ ہوتا رہا یعنی اس بات پر

بھی استہزا اور تمسخر کیا گیا۔ بعینہ اس زلزلہ کی مانند طاعون کی خبر بھی پہلے دیگئی یعنی اول تو براہین کے
زمانہ مین جب اس ملک مین طاعون کا نام بھی کوئی نہ جانتا تھا اور دوسری دفعہ اسکے سخت زور سے
پھیل جانے کی خبر جواسوقت دیگئی جب پنجاب مین ابھی اس نے قدم ہی رکھا تھا اور ایک نہایت
محدود دائرے کے اندر بند تھی بلکہ گورنمنٹ کو اپنی ان کوششوںمین جو اسکے روکنے کے لیے وہ کر رہی تھی
کامیابی کی امید معلوم ہونے لگی تھی۔ عین ان حالات کے ماتحت وہ اشتہار دیا گیا تھا جس مین یہ خبر دیگئی تھی
کہ ملک پنجاب کے مختلف مقامات مین بہت زور شور سے یہ مرض نمودار ہوگی اور تمام ملک مین پھیلجائیگی
جیسا اب زلزلہ کی دوبارہ خبر پر ہنسی کیجاتی ہے ایسا ہی اسوقت طاعون کی خبر پر بھی ہنسی کی گئی تھی مگر
ان استہزاؤن سے خدا کا غضب اور بھی زیادہ بھڑکتا ہے اس ہمدردی کا عوض اس مخبر صادق کو یہ دیا
گیا کہ گالیان نکالی گئین اور تمسخر کیا گیا۔ مگر آخر ہوا وہی جو کہا گیا تھا۔ اور ان باتونکو بچشم خود سارے
ملک نے دیکھا جنپر اسوقت ہنسی کیجاتی تھی کہ یہ ناممکن امور ہین۔ غرضیکہ اس زلزلہ کے نئے حملے کے متعلق حضرت
مسیح موعود کیطرف سے تین اشتہار چھپ چکے ہین جن کی اشاعت نصف لاکھ سے بڑھ کر ہوچکی ہے اور
شاید ابھی اور بہت سی ہوجائے۔ اسکے متعلق انگریزی مین آپ کی طرفسے نہ صرف پاینیر مین چھٹی چھپ
چکی ہے بلکہ اس ہمدردی اور خیر خواہی کے تقاضا سے جو آپ کو گورنمنٹ کے ساتھ ہے آپنے سرکار عالیہ
کو بھی ان امور کی اطلاع دیدی ہے۔ چنانچہ اس چیٹھی کے جو گورنمنٹ کو لکھی گئی ہے اخیری الفاظ یہ ہین۔
وہ جس زلزلہ کی مجھکو اب خبر دیگئی ہے وہ معمولی زلزلہ نہین ہے بلکہ وحی الہی مین عربی مین یہ لفظ ہے کہ
زلزلة الساعة یعنے ایسا زلزلہ جو قیامت کا نمونہ ہوگا اور اس وحی الہی مین یہ بھی خبر دیگئی ہے کہ خوفناک
طور پر مکانات اس سے مسمار ہونگے پہاڑون پر خوفناک صورت ہوگی پہلا زلزلہ اس کی نسبت کچھ بھی
چیز نہین ہوگا۔ یہ خبر نہ ایکدفعہ بلکہ کئی دفعہ دی گئی ہے اسلیے ہمدردی اور خیر خواہی نے مجھے مجبور کیا کہ قبل
اسکے جو وہ دن آوے مین گورنمنٹ کو اطلاع دون۔ جس بات پر میرا پورا یقین ہے اسمین غفلت کرنا مین گناہ
سمجھتا ہون۔ میرے نزدیک گورنمنٹ کو کوئی ایسی تجویز کرنی چاہیئے کہ جس سے گورنمنٹ کے حکام خطرہ
کی حالت مین پہاڑون پر نہ رہین مثلاً جنوری سنہ ۱۹۰۶ء تک پہاڑونسے اجتناب کیا جاوے۔ اور اسکی بجا کوئی اور بندوبست

کیا یسوع کی موت انشقاق القلب سے واقع ہوئی تھی؟

سخت ترین مشکلات مین سے جو عیسائی مذہب کو ابتدائے زمانہ سے در پیش رہی ہین ایک مشکل مسیح

کی موت کا ثبوت ہے مگر باوجود کسی ثبوت کے نہ ہونیکے متعصب فرقہ عیسائیان کا عقیدہ یہی رہا ہے۔ کہ مسیح علیہ السلام واقعی صلیب پر مر گئے تھے اگرچہ اصل سبب موت کے متعلق اختلاف چلا آیا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ ابتدا میں ہی ایسے لوگ بھی موجود تھے جو یہ کہتے تھے کہ مسیح صلیب پر نہیں مرا کیونکہ وہ کافی وقت لٹکایا نہیں گیا۔ اور اسی کے دفیعہ کے لیے یوحنا نے اپنی انجیل مین پہلو چھیدے جانے کا ذکر کیا ہے تا یہ امر اس کی قطعی موت پر دلیل ہو۔ کیونکہ باقی تین انجیلین جو اس سے پہلے کی ہین وہ اس بارے مین بالکل خاموش ہین۔ اس واقعہ کے متعلق بہت سی بحث ہوئی ہے اور اس کی بنا پر طرح طرح کے مسئلے تراشے گئے ہین جنمین سے سب سے آخری یہ خیال ہے کہ خون اور پانی کے نکلنے سے یہ شہادت پیدا ہوتی ہے کہ یسوع کی موت انشقاق القلب سے واقع ہوئی تھی۔ یہی خیال کچھ عرصہ ہوا ایک عیسائی ڈاکٹر نے اخبار ایپی فینی مین پیش کیا تھا۔ جس کی تردید ان صفحات مین ایک ڈاکٹر نے بڑے مضبوط دلایل سے بحوالہ کتب طب کی تھی۔ اسکا کوئی جواب آج تک عیسائی صاحبان دے نہین سکے

ببلیوتھیکا سکرا ایک انگریزی عیسائی میگزین ہے جو امریکہ سے شایع ہوتا ہے اسکے جنوری کے پرچہ مین ایک دلچسپ مضمون اسی خیال کی تردید مین شایع ہوا ہے کہ یسوع کی موت کا باعث انشقاق القلب تھا۔ اس بات کے قبول کرنے مین کہ یسوع صلیب پر مر گیا تھا۔ تمام سمجھدار آدمیونکو ایک ہی مشکل نظر آتی ہے۔ راقم مضمون لکھتا ہے "معمولی انسانی تجربہ کے رو سے اگر دیکھا جاوے تو سمجھ مین نہین آتا کہ کیونکر مسیح جو ایک جوان آدمی اور توانا اور تندرست تھا۔ کیا بلحاظ جسم کے اور کیا بلحاظ دل کے صلیب پر چند گھنٹے کی تکلیف اٹھانے سے مر گیا جبکہ جو لوگ صلیب پر لٹکائے جاتے تھے۔ وہ دو دو تین تین دن تک نہین مرتے تھے۔ اس مشکل سے بچنے کے لیے ٹرٹولین سے شروع ہوکر بہت سارے مفسرین یہ اعتقاد رکھتے تھے کہ یسوع صلیب کے اثر سے نہین مرا بلکہ اس نے اپنی خوشی سے خود ہی اپنی جان دیدی تھی۔ چنانچہ ٹرٹولین نہایت مختصر الفاظ مین اسکے متعلق لکھتا ہے کہ "مسیح نے جب وہ صلیب پر چڑھایا گیا اپنے اختیار سے ایک ہی لفظ کے ساتھ اپنی روح کو اپنے اندر سے خارج کر دیا اور یون جلاد کے کام کو روک دیا" کالون اور اسکے اور ہم خیال یسوع کی موت کو جو تمام امیدون سے بڑھکر جلدی واقع ہوئی خدا کے "مخفی مشورون" کیطرف منسوب کرتے ہین۔ عقلی تشریح یہ کیجاتی ہے کہ مسیح صلیب کے واقعہ سے پہلے اسقدر کمزوری کیحالت مین تھا کہ صلیب پر چڑھنے کے بعد اس کی موت جلدی واقع ہوئی۔ یا یہ کہ برچھی کا زخم مرنے سے پہلا لگایا گیا تھا۔ اور وہی زخم موت کا باعث ہوگیا۔ ان عقلی تشریحون کو رد کرکے تمام عیسائی

اس بات پر متفق ہین کہ ایک حد تک مسیح کی موت ضرور فوق العادت طریق پر واقع ہوئی اور صرف صلیب ہی اسکا باعث نہین ہوئی"

اسکے بعد راقم مضمون انشقاق القلب کے مسئلہ پر بحث کرتا ہے "گذشتہ صدی کے نصف تک یہ حالات رہے جبکہ ایک انگریزی ڈاکٹر سٹراوڈ نام نے ایک کتاب بنام "مسیح کی موت کا طبعی سبب" شایع کی۔ اس کتاب مین یہ کوشش کی گئی کہ صلیب کے تمام واقعات مین تطابق پیدا کیا جاوے اور مذہبی طور پر انکے اثر کو اس طرح پر بڑھایا جاوے کہ یسوع واقعی انشقاق القلب سے مرا (یعنی اسقدر غمون کا بوجھ اسکے دل پر ہوا کہ بغیر کسی صدمہ بیرونی کے اسکا دل پھٹ گیا) اور اسکے جلدی مرجانے کی کیفیت کو یون بیان کرتا ہے۔ کہ پھٹے ہوئے مقام سے خون دل کے گرد جو غلاف ہوتا ہے۔ اس مین بہ گیا اور وہان لوتھڑا اور پانی الگ الگ ہوگیا اور اسی لیے پہلو مین زخم کرنے سے خون اور پانی نکلا تھا" اس کتاب کے شایع ہونے پر عیسائی دنیا مین اس خیال کی بہت قدر کی گئی کیونکہ اس سے واقعات اور عقیدہ مین تطابق پیدا ہوتا ہوا معلوم ہوتا تھا۔ مگر تھوڑی دیر بعد اسکا اثر بالکل جاتا رہا۔ "صحیح علم کی ترقی کے ساتھ اسکی بنیاد کھوکھلی ہوگئی اور اب عیسائی فاضل اسکو وہ وقعت نہین دیتے جو اس سے پہلے دیتے تھے۔ چنانچہ فاضل پادری ویسٹکاٹ یوحنا کی انجیل کی تفسیر کرتا ہوا سٹراوڈ کے خیال کے متعلق لکھتا ہے "مگر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ اور دوسری عقلی تشریحین صرف ناکافی ہی نہین بلکہ اصل واقعات کے خلاف بھی ہین۔ اس امر کی کافی شہادت موجود نہین کہ ان حالات کے ماتحت جو بیان کیے گئے ہین اس طرح پر خون اور پانی بہا کرتا ہے" ایک اور فاضل نے انہین دنون بڑی حقارت کی نگاہ سے اس خیال کو کہ مسیح کی موت انشقاق قلب سے ہوئی رد کیا ہے وہ اس کی بجائے یہ خیال پیش کرتا ہے کہ برچھی کسی آبلہ مین لگی ہوگی۔ جس کا نتیجہ پانی اور خون کا بہنا ہوا"

اسکے بعد راقم مضمون دلائل پیش کرتا ہے کہ مسیح کا انشقاق قلب نہین ہوا۔ "اول اس بات کے بیان کرنے مین کچھ ہرج نہین کہ انجیل کی تحریر مین کوئی لفظ ایسا نہین جس سے یہ استدلال کیا جاوے کہ برچھی بائین پہلو مین چبھوئی گئی تھی اور دائین مین نہین چبھوئی گئی تھی۔ بلکہ اگر پچھلی عیسائی روایتون کو کچھ وزن دیا جاوے تو زخم دائین طرف تھا۔ اسوقت بھی راقم مضمون نے بذات خود تحقیق کیا ہے کہ رومن کیتھولک کی تمام تصویرون بتون اور مصلوب ہونے کی شکلون مین زخم داہنے پہلو مین دکھایا گیا ہے" اس سے تو زخم کا قصہ طے ہوتا ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ جب زخم دائین پہلو مین تھا تو

برچھی دل مین نہین لگی اور اسواسطے خون اور پانی بھی دل سے نہین نکلا۔ اسکے بعد راقم مضمون سٹراوڈ کی اس دلیل کا بودا پن ظاہر کرتا ہے کہ سخت غم اور دماغی گھبراہٹ کیوجہ سے دل کی دیوارین پھٹ گئی تھین۔ تازہ ترین شہادت اس امر کے ثابت کرنے کے لیے پیش کی گئی ہے کہ ایک تندرست دل مین محض شدت غم یا کثرت افکار کیوجہ سے انشقاق کبھی واقع نہین ہوتا اسکے مفصل حوالجات انگریزی مضمون مین درج ہین۔ غرضیکہ یہ ثابت کیا گیا ہے کہ آج کل کا کوئی مشہور ڈاکٹر سٹراوڈ کی رائے کو صحیح تسلیم نہین کرتا۔ اسکے بعد انشقاق قلب کی علامات لے کر بحث کیگئی ہے " ان تمام حالات مین جہان انشقاق قلب پورے طور پر ہو جاوے اور فوری ہو موت فی الفور واقع ہوجاتی ہے۔ مریض ہاتھ کو یکایک سینہ کے سامنے لے جاتا ہے۔ ایک تیز چیخ مارتا ہے اور اعضا تشنج کیطرح مروڑے جاتے ہین اور جان نکلجاتی ہے یا مریض یکایک بیہوش ہو جاتا ہے اور پھر کبھی ہوش مین نہین آتا۔ اور مرجاتا ہے " اگر انشقاق ناقص ہو تو مریض فوراً نہین مرتا " اور اس صورت مین علامات سخت کمزوری کی ہوتی ہین نبض تیز اور کمزور ہوجاتی ہے۔ سخت گھبراہٹ اور کمزوری ہو کر جسم ٹھنڈا ہو جاتا ہے قے آتی ہے۔ تنفس مین دقت ہوتی ہے اور بعض وقت تشنج کبصورت بھی ہو جاتی ہے " مگر یسوع کی زندگی کے اخیری واقعات جو اناجیل مین مندرج ہین اُن مین ان مین سے ایک علامت بھی نہین پائی جاتی۔ بجائے اسکے کہ بیہوشی یا نیم بیہوشی کیحالت مین وہ چیخ مارتا اس نے بڑے اطمینان قلب سے یہ لفظ دُہرائے " اے میرے خدا میرے خدا تو نے مجھے کیون چھوڑ دیا " وہ اخیر تک بیہوش بالکل نہین ہوا بلکہ جیسا کہ راقم مضمون لکھتا ہے یسوع نے یہ معلوم کرکے کہ اب تمام باتین پوری ہوچکی ہین (جیسا کہ انجیل مین لکھا ہے) اسلیے کہ خدا کا کلام پورا ہو یہ کہا کہ مجھے پیاس لگی ہے اور جب اسے سرکہ دیا گیا تو اس نے کہا یہ پورا ہوچکا ہے اور پھر کچھ وقفہ کے بعد اسنے اپنا سر جھکایا اور یہ کہہ کر اپنی روح چھوڑ دی کہ اے باپ مین اپنی روح تیرے ہاتھون مین سونپتا ہون۔ یہ تمام ہوش اور اطمینان قلب کی باتین ہین اور اس قسم کی کامل ہوش انشقاق قلب اور موت کے درمیان کبھی نہین ہوسکتی " اسکے بعد یہ دکھایا گیا ہے کہ جسقدر مثالین دیگئی ہین وہ غلط ہین اور اخیر پر یہ بیان کیا گیا ہے کہ کوئی ڈاکٹر محض علامات کو دیکھکر کبھی یہ رائے نہین لگا سکتا کہ مریض انشقاق القلب سے مرا ہے بلکہ اسکے لیے ضروری ہے کہ موت کے بعد اسکو چیر کر دیکھا جاوے اور دل کی اصلی حالت ملاحظہ کیجاوے۔ یسوع کی موت کے انشقاق القلب سے واقع ہونے کا خیال یون تھوڑے ہی عرصہ مین پیدا ہو کر خود بخود ہی قریباً مر گیا ہے۔ موت کو ثابت کرنیکے لیے یہ جو طرح طرح کے حیلے تراشے جاتے ہین جو آخر غلط ثابت ہوتے ہین ان سے صرف یہ شہادت پیدا ہوتی ہے

کہ یسوع کا صلیب پر مرنا ہرگز ثابت شدہ امر نہین۔ اور جس طرح ڈوبتا ہوا آدمی تنکون کا سہارا ڈھونڈھتا ہے۔ یہی حال عیسائی صاحبان کا ہے کہ ایک غلط عقیدے کو قایم رکھنے کے لیے طرح طرح کی باتین پیدا کی جاتی ہین اور آخر وہ غلط ثابت ہوتی ہین۔ مگر اب جب یہ ثابت ہوگیا کہ وہ مقدس انسان خانیار کے کوچہ مین سویا پڑا ہے تو اس سے بڑھ کر اور کسی شہادت کی ضرورت نہین کہ واقعی حضرت مسیح ؑ صلیب پر فوت نہین ہوئے +

نیا عہدنامہ

جیوش انسکلوپیڈیا (یعنے دایرۃ المعارف یہودیہ) کی نوین جلد مین جو ابھی شایع ہوئی ہے۔ نئے عہدنامہ پر ایک دلچسپ مضمون لکھا گیا ہے۔ خود یہ نام یعنی نیا عہدنامہ عیسائی مذہب کی پیدایش کے قریباً دو سو سال بعد تجویز ہوا۔ اور اس سے پہلے موجودہ مجموعہ اناجیل و اعمال و خطوط ایک مجموعہ نہ تھا۔ اس نام کے تجویز کرنے مین یہ امر مدنظر تھا کہ مسیح کی آمد سے موسوی سلسلہ ختم ہوگیا اور اسلیے حضرت موسےٰ کی شریعت جو....... خدا کیطرف سے انسانون کی نجات کے لیے ایک عہدنامہ تھا پرانی اور منسوخ ہوگئی اور اسکی بجائے نیا عہدنامہ خون مسیح کا تجویز کیا گیا۔ حواریونکے زمانے مین ایسی تبدیلی نہ ہوسکتی تھی اور نہ ان لوگونکے زمانے مین جنھون نے حواریونکے زمانہ کو پایا تھا کیونکہ وہ لوگ یہود کی طرح حضرت موسےٰ کی شریعت پر عمل کرتے اور انکے ساتھ ہیکل مین جاتے تھے مگر دو تین نسلونکے گذر جانیکے بعد جیسے جیسے عیسائی فرقہ پرانے یہودیونسے بُعد اختیار کرتا گیا ویسے ویسے اس شریعت کو بھی چھوڑتا گیا۔ یہودی راقم مضمون شروع مین ناظرین کو آگاہ کرتا ہے۔ کہ یہودی ان ہر دو مجموعہ کتب کو پرانا عہدنامہ اور نیا عہدنامہ اس مفہوم کے لحاظ سے نہین پکارتے جو عیسائیون نے تجویز کیا ہے بلکہ صرف معرفت کے لیے۔ وہ لکھتا ہے کہ "ابتدا مین کلیسیا کے ہاتھ مین کوئی اور کتب مقدسہ نہ تھین سوائے انکے جنکو یہودی تسلیم کرتے اور اپنی عبادات مین پڑھتے تھے اور انہین کتب مقدسہ سے مسیح کی صداقت کا ثبوت بھی پیش کیا جاتا تھا کہ گویا اسکے آنے سے نوشتونکے وعدے پورے ہوگئے۔ مگر آہستہ آہستہ جب عیسائیون نے دیکھا کہ یہودی واعظین کتب مقدسہ کے علاوہ دوسرے مکاشفات وغیرہ کو اپنی عبادات مین پڑھتے ہین تو انکی دیکھا دیکھی انھون نے بھی مسیح کی آمد اور اسکے کامونکے قصص کو اس طرح پڑھنا شروع کیا یہانتک کہ آہستہ آہستہ وہ ایک لازمی جزو عبادت بنگئے۔ پرانے عہدنامے سے

ایک آیت بطور ایک پیشگوئی کے پڑھی جاتی تھی اور نئے عہدنامے سے اسکے پورا ہونے کی تصدیق کیجاتی تھی۔ چارون انجیلونکے لکھا جانے کی تاریخ ۷۰ء اور ۱۱۵ء عیسوی کے درمیان مقرر کیگئی ہے۔ ان باتونکو معرض تحریر مین کون لایا اسکے متعلق یہودی فاضل کی وہی رائے ہے جو آج کل محقق عیسائیونکی ہے۔ وہ لکھتا ہے "اناجیل مین یہ دعوے نہین کیا گیا کہ ان کا لکھنے والا حواریونمین سے کوئی تھا۔ بلکہ انکی زبانی روائتون کی بنا پر دوسرے لوگونسے انکا لکھا جانا خود اناجیل سے ثابت ہے چنانچہ لوقا ۱-۳ بہت ساری انجیلون کے موجود ہونے کیطرف اشارہ کرتا ہے جو رویت کے گواہون اور شاگردون کی زبانی روایتون پر مبنی ہین" اور پے پیئس دوسری صدی عیسائی کا ایک مصنف بیان کرتا ہے کہ "مرقس نے جو کچھ پطرس سے سنا ہے جوڑ لکھدیا اور متی نے مسیح کے اقوال کا ایک مجموعہ عبرانی زبان مین تیار کیا تھا۔ مگر اسمین تاریخی بنا نہین رکھی گئی اور اسکو مختلف مفسرون نے مختلف رنگون مین دیا ہے" یہ امر کہ متی نے عبرانی مین ایک الگ مجموعہ اقوال یسوع کا تیار کیا تھا بہت قابل توجہ ہے مگر افسوس ہے کہ یہ مجموعہ گم ہے اور ملتا نہین۔ مگر یہودی فاضل اناجیل کی اصلیت اور انکی وقعت کے پرکھنے کے لیے ایک اور معیار پیش کرتا ہے وہ لکھتا ہے "باریک نگاہ اور تحقیق سے وہ اصول بالکل صحیح ثابت ہوتا ہے جسے یہودیون نے بطور اصول مسلمہ کے مانا ہوا ہے کہ جسقدر کوئی روایت زیادہ پرانی اور زیادہ قابل اعتبار ہے خواہ وہ زبانی ہو یا تحریری اسیقدر اس مین یہودیون اور یہودیت سے زیادہ گہرا رشتہ اور دوستانہ تعلقات پائے جاتے ہین اور جیسے جیسے کوئی بات مسیح کے زمانے اور اسکی تبلیغ سے پیچھے پیدا ہوئی ہے اتنی ہی زیادہ اسمین یہود سے نفرت اور موسوی شریعت سے دشمنی پائی جاتی ہے کیونکہ جیسے جیسے نئے فرقہ کا میلان بدلتا گیا ویسے ویسے ہی اسکا اثر روایتون پر پڑتا گیا اور یہی وجہ ہے کہ مروجہ اناجیل اور انجیلی قصص مین پہلو بہ پہلو متضاد بیانات پائے جاتے ہین" اسکی تشریح مین یہ مثال بیان کی گئی ہے کہ کس طرح موسوی شریعت کے متعلق کہین اسکی تائید مین اور کہین تردید مین اناجیل مین مختلف بیانات پائے جاتے ہین۔ ایکطرف تو حضرت مسیح انجیل مین کہتے ہین کہ مین شریعت کو منسوخ کرنے نہین آیا بلکہ اسکو پورا کرنیکے لیے آیا ہون یعنی اسپر عمل کرنیکے لیے۔ اور اسکے صحیح اور معتبر ہونے کی تائید مین نہ صرف ابتدائی عیسائیونکا ہی عمل ہے بلکہ خود مسیح نے بھی شریعت پر عمل کرکے دکھا دیا کہ اسکا کیا منشاء تھا۔ اور اس عمل کا ثبوت کئی موقعہ پر خود اناجیل سے ملتا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جس بات سے حضرت مسیح منع کرتے تھے وہ شریعت کا غلط استعمال تھا نہ خود شریعت کیونکہ یہودی اسوقت اسقدر ظاہر پرست ہوگئے تھے کہ وہ شریعت کے الفاظ پر تو عمل کرتے تھے مگر مغز شریعت سے جو روحانیت ہے بالکل بے بہرہ تھے

اسی کی تائید مین حضرت مسیح کے وہ اقوال بھی ہین جن مین اس کی یہودیون سے خاص محبت ظاہر ہوتی ہے اور غیر یہود اقوام سے بے تعلقی پائی جاتی ہے۔ دیکھو اس نے کیسے صاف الفاظ مین بیان کر دیا ہے کہ مین تو صرف بنی اسرائیل کی گم شدہ بھیڑونکے لیے بھیجا گیا ہون اور پھر کہا کہ یہ مناسب نہین کہ بچون کی روٹی کتون کے آگے ڈالیجاوے اور کتونسے مراد اسکی غیر یہودی اقوام تھی۔ پھر علاوہ ازین اس نے اپنے حواریونکو بھی یہی نصیحت کی کہ تم نے صرف قوم یہود کی اصلاح کی فکر کرنا۔ لیکن دوسری طرف انہی اناجیل مین ایسے بیانات بھی پائے جاتے ہین جو انکے مخالف ہین کیونکہ یہ لکھا گیا ہے کہ انجیل کی منادی تمام قومون مین کرنی چاہیے بلکہ یہ بھی کہ خدا کی سلطنت یہودیونسے چھین کر ایک اور قوم کو دیجائے گی۔ (اس فقرہ کا مطلب راقم مضمون نے نہین سمجھا کیونکہ اسمین تو یہ پیشگوئی تھی۔ کہ اب نبوت اسرائیل کے گھرانے سے منقطع ہو کر ایک دوسری قوم یعنی اسماعیل کے گھرانے مین چلی جاوے گی۔ اور یہ وعدہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پورا ہوا)۔ بہرحال یہ قول کہ تمام اقوام مین انجیل کی منادی کیجاوے مسیح کیطرف منسوب نہین ہو سکتا۔ کیونکہ وہ اپنا منشا اسکے مخالف الفاظ مین ایک دفعہ نہین بلکہ کئی دفعہ ظاہر کر چکا ہے اور خود فیاس بھی یہی چاہتا ہے کہ جب یہودیون نے مسیح کو نہ مانا تو آخر پر جوش شاگردون مین سے بعض نے یہ سوچا کہ دوسری اقوام کیطرف توجہ کیجاوے اور اس مین کامیابی ہوتی دیکھکر اپنے مطلب کی روائتین بھی بنالین +

اسکے بعد یہودی فاضل مسیح کے اقوال پر جو اناجیل مین بیان کیے گئے ہین بحث کرتا ہے یہ امر ثابت ہے کہ اناجیل مین لکھے جانے سے پیشتر یہ اقوال اکھٹے ہو چکے تھے اور پہلے پہل عبرانی زبان مین ان کا مجموعہ تیار ہوا تھا۔ اور اسکی تائید مین مرقس کی انجیل مین بعض نشان پائے جاتے ہین (دیکھو ۳ و ۴ و ۴ و ۵) جن لوگون نے انکو یونانی مین ترجمہ کیا وہ فاضل نہ تھے کیونکہ بہت ساری غلطیونکا ثبوت دیا گیا ہے۔ اسکے بعد یہ بیان کیا گیا ہے کہ یسوع کے اقوال کہان کہان سے لیے گئے ہین اسکے متعلق یہودی فاضل لکھتا ہے کہ "بہت سارے قول جو یسوع کیطرف منسوب کیے جاتے ہین لفظ بلفظ ڈائیڈیک سے لیے گئے ہین۔ بعض فریسیونکی تعلیم سے لیے گئے ہین اور اس کا ثبوت بہت سے فاضل مصنفون نے دیا ہے جیسے لایٹ فٹ۔ شوٹگن۔ نورک۔ زیپسر وانش وغیرہ۔ شرائیر نے لکھا ہے کہ مسیح کے اقوال تو صرف دعاوی ہی ہین جن کی تائید نوشتونسے نہین کی گئی مگر ربیون کے اقوال مقدس کتب کی بنا پر ہین اور اسلیئے اصل ربیون کے اقوال ہین اور مسیح کے اقوال ربیون سے نقل کیے گئے ہین۔ مسیح کے اقوال کو پانچ قسم پر تقسیم کیا گیا ہے۔ یعنی

اخلاقی تعلیم تمثیلین۔ مکاشفات کے رنگ مین اقوال اور مباحثات۔ ان مین سے اخلاقی تعلیم کے متعلق اوپر لکھا جا چکا ہے کہ اسکا ماخذ طالمود اور دوسرے یہودی ذریع ہین۔ مثالون کی غرض بھی اخلاقی تعلیم ہی ہے اور ان مین بھی ربیونکی نقل کیگئی ہے۔ چنانچہ اسی انسکلوپیڈیا مین دوسری جگہ تمثیل کے مضمون پر لکھتے ہوئے یہ بیان کیا گیا ہے کہ اگرچہ پرانے عہدنامہ مین صرف پانچ تمثیلین ہین۔ مگر طالمود اور مدراش مین ایسی تمثیلین بکثرت ملتی ہین۔ جہان قریبًا ہر ایک مذہبی خیال اور ہر ایک اخلاقی تعلیم کے ساتھ اسکو واضح کرنیکے لیے ایک تمثیل بیان کی گئی ہے" یہودی فاضل یہ بھی لکھتا ہے کہ "بعض تمثیلین مسیح کی تمثیلون سے ملتی جلتی پہلی صدی کے ربیون کے اقوال مین بھی ملتی ہین۔ ایسا ہی مسیح کے الہامی اقوال کے متعلق یہودی فاضل یہ بیان کرتا ہے کہ وہ بھی یہودیون سے لیے گئے ہین اور وہان سے اٹھا کر انجیلون مین مسیح کے اقوال دکھائے گئے ہین"

اناجیل کی خصوصیات کو بیان کرنیکے بعد جن مین متی کی انجیل کا یہ خاصہ قابل ذکر ہے کہ وہ یہودی طرز زندگی اور یہودی طرز خیال سے بہت ہی قریب واقع ہے اور اصل عبرانی پر اسکی نبا ہی۔ اور دوسری طرف یوحنا کی انجیل مین جسکو آج تک عیسائی محققون نے پایہ اعتبار سے گری ہوئی مانا ہے۔ کہین کہین ایسی روایات کا پایا جانا دکھایا گیا ہے جو دوسری اناجیل کی نسبت قدیم اور زیادہ معتبر ہین۔ فاضل یہودی اعمال کی کتاب پر بحث کرتا ہے اور اسکو لوقا کی انجیل کی روایت کے سلسلہ مین مانتا ہے اس کتاب مین پولوس کی کارروائیونکا بیان کرنا اصل مقصود ہے اور اس اثنائے مین دوسرے حواریون کی کارروائیون کا بھی کسیقدر ذکر ہے۔ پولوس ایک خواب کی بنا پر۔ عیسائی ہوا۔ اور عیسائی بھی ایسا پرجوش کہ اپنے مرشد کے حکم کے خلاف تبلیغ مذہب شروع کردی ابتدا مین پطرس نے اسکا مقابلہ کیا مگر آخر ایک خواب کی بنا پر پطرس نے بھی پولوس کے ساتھ کھانے کی چیزون مین حرمت کے حکم کو توڑنے مین اتفاق کیا۔ اس خواب نے عیسائی مذہب کا رنگ ہی پلٹ دیا۔ اور اگرچہ عیسائیت کا وہ فرقہ جو یہود عیسائی کے نام سے پکارا جاتا ہے ایک عرصہ تک آزاد خیال والونکا مقابلہ کرتا رہا اور یعقوب حواری حضرت مسیح کا بھائی اسکا پیشوا رہا مگر آخرکار اس بے قیدی کے مذہب کے سامنے جسکی طرف پولوس لوگونکو بلاتا تھا اسکا نام ونشان مٹنا شروع ہوگیا۔ باوجود اسکے ابتدا مین عیسائیت کیطرف لوگونکو کھینچنے کا ذریعہ یہودی مذہب کی اشاعت ہی تھا۔ چنانچہ یہودی فاضل اعمال کے ان مقامات کے حوالے دیتا ہے جن مین پولوس اور برنباس یروشلم کے پاک معبد کے لیے جو یہودیونکا معبد تھا چندے اکٹھے کرتے ہین اور ایسا ہی نماز

اور روزونکے ذریعے سے روح القدس کا اترنا بیان کرتے ہین اور یہودی معبد مین ایکیل کا وعظ کرتے ہین معلوم نہین آج کل کے عیسائی روزون اور نمازون کے ذریعے سے روح القدس کے اترنے کو کیسا سمجھتے ہین +

ریویو

سید وزارت حسین صاحب اوریین ضلع منگیر بنگال کی طرف سے کتاب مراۃ الجہاد جو ابھی شایع ہوئی ہے ریویو کے لیے مجھے پہونچی ہے۔ مین سیّد وزارت حسین کو مبارکباد دیتا ہون کہ انہون نے بہت محنت اور جانفشانی سے ایک ایسی تالیف کی ہے جو ایک بڑی ضرورت کو پورا کرتی ہے۔ جہاد پر آئے دن کوئی نہ کوئی رسالہ نکلتا ہی رہتا ہے مگر جیسی مبسوط بحث اس مسئلہ کے ہر پہلو پر اس کتاب مین ہوئی ہے خصوصاً آریہ سماج وغیرہ کے جواب مین پہلے دیکھنے مین نہین آئی۔ آریہ سماج کو دھوکا دینے کی بہت عادت ہے کہ اسلام پر فلان اعتراض ہے۔ فلان اعتراض ہے حالانکہ وہ اعتراض اسلام پر نہین بلکہ خود سماج کی کتابون اور اصول پر ہوتے ہین اس دھوکے کی حقیقت کو مصنف مراۃ الجہاد نے خوب کھول کر دکھایا ہے۔ ابتدائی مسلمانون کی تکالیف۔ اسلامی جنگون کے اسباب۔ آنحضرتؐ کے غزوات۔ خلفائے راشدین کے جنگونکے اسباب۔ ذمیون کے حقوق وغیرہ بیان کرنیکے بعد آریہ سماج کے اعتراضونکا مفصل جواب دیا گیا ہے اور انکے گھر کی حقیقت کو بھی کھول کر دکھایا ہے کتاب ...... واقعی قابل تعریف ہے۔ کاغذ اور چھپائی معمولی۔ قیمت ایک روپیہ آٹھ آنہ .... کتاب کا حجم تین سو صفحوں سے اوپر ہے۔ مصنف یا مطبع الحکم قادیان سے مل سکتی ہے۔

رؤیا و الہامات حضرت مسیح موعود علیہ السلام

یکم اپریل۔ محو نانار جھنّم۔ ۲۔ اپریل۔ **موت دروازے پر کھڑی ہے۔**

۳۔ اپریل ۱؎۔ رؤیا دیکھا کہ مرزا نظام الدین کے مکان پر مرزا سلطان احمد کھڑا ہے اور اسکا سب لباس سیاہ ہے

۱؎ اس رؤیا کی یہ تعبیر بیان فرمائی کہ سلطان احمد سے مراد ایسے دلایل اور براہین ہین جو دلونپر تسلط کرتے اور دلونکو پکڑ لیتے ہین اور نظام الدین سے مراد ایسا نشان ہے جس سے دین اسلام کی صلاحیت ہوگی اور اسکا انتظام درست ہو جائیگا سیاہ کپڑونسے مراد ڈرانے والا نشان ہے۔ یہ جو کہا کہ یہ میرا بیٹا ہے اس سے یہ مراد ہے کہ یہ ہماری دعاؤنکا نتیجہ ہے کیونکہ بچے کو بھی نتیجہ کہتے ہین۔ ۱۴ اپریل کے زلزلہ کی خبر ہے

ایسی گاڑھی سیاہی کہ دیکھا نہیں جاتا۔ اسیوقت معلوم ہوا کہ یہ ایک فرشتہ ہے جو سلطان احمد کا لباس پہن کر کھڑا ہے اسوقت میںنے گھر میں مخاطب ہوکر کہا کہ یہ میرا بیٹا ہے تب دو فرشتے اور ظاہر ہوگئے اور تین کرسیاں معلوم ہوئیں اور تینوں پر وہ تین فرشتے بیٹھ گئے اور بہت تیز قلم سے کچھ لکھنا شروع کیا جس کی تیز آواز سنائی دیتی تھی انکے اس طرز کے لکھنے میں ایک رعب تھا میں پاس کھڑا ہوں۔ کہ بیداری ہوگئی + ۵۔ اپریل[۲] کففت عن بنی اسرائیل + ۶۔ اپریل[۳] تازہ نشان تازہ نشان کا دھکا زلزلۃ الساعۃ قوا انفسکم ان اللہ مع الابرار دنی منک الفضل جاء الحق وزھق الباطل۔ ایک روح کی یہ آواز میرے کان میں پڑی کہ "**میں سوتے سوتے جہنم میں پڑ گیا**"[۴] ۹۔ اپریل۔ بوقت نصف شب **بخور انچہ ترا بخور انم** لک درجۃ فی السماء وفی الذین ھم یبصرون۔ نزلت لک۔ لک نری ایت ونھدم مایعمرون۔ قل عندی شھادۃ من اللہ فھل انتم مومنون۔ کففت عن بنی اسرائیل ۱۰۔ اپریل[۵]۔ ان فرعون وھامان وجنودھما کانوا خاطئین + ۱۴۔ اپریل۔ رویا۔ قادیان کے بازار میں ایک گاڑی میں چلے جاتے ہیں معلوم ہوا کہ زلزلہ آیا ہے مگر ہمنے اسکا کوئی نقصان محسوس نہیں کیا + ۱۵۔ اپریل انی مع الافواج اتیک بغتۃ۔ ۱۸۔ اپریل۔ رویا۔ ایک بہت بلند درخت ہے جسکے نیچے میں کھڑا ہوں اور اسکے اوپر ایک اور شخص ہے میں نہایت بلند آواز سے اللہ اکبر اللہ اکبر (اذان) کہہ رہا ہوں۔ اور وہ درخت کے اوپر اسی زور سے وہی کلمات دہراتا جاتا ہے جو میں کہہ رہا ہوں۔ اسکے بعد میںنے اسی زور سے درود شریف پڑھنا شروع کیا اور اسنے بھی درود شریف پڑھنا شروع کیا۔ اسکے بعد وہ درخت سے اُتر آیا اور اسنے کہا کہ سید محمد علیشاہ آگئے ہیں + پھر رؤیا دیکھا کہ ایک نہایت ہی شدید زلزلہ آیا ہے اور زمین اس طرح اُڑ رہی ہے جس طرح روئی دھنی جاتی ہے + جب خواب سے بیدار ہوئے تو یہ مصرعہ زبان پر جاری تھا۔ ع ہے سر راہ پر تمہارے وہ جو ہے مولا کریم + ۲۱۔ اپریل۔ امن است در مکان محبت سرائے ما + ۲۲۔ اپریل جاءک الفتح ۲۳۔ اپریل۔ بھونچال آیا۔ اور بڑی شدت سے آیا + ۲۵۔ اپریل۔ قل مالک حیلۃ + ۲۸۔ اپریل۔ رؤیا میں دیکھا کہ ایک سفید سا کپڑا بچھا ہوا ہے اسپر کسی نے ایک انگشتری رکھدی ہے + اسکے بعد یہ وحی نازل ہوئی "**فتح نمایاں**" "**ہماری فتح**"۔ صدقت الرؤیا (سچا کیا تونے خواب کو) انی[۶] مع الافواج اتیک بغتۃ + ۲۹۔ اپریل۔ رؤیا گذشتہ رات کو ۲ بجنے میں ۷ منٹ باقی تھے جبکہ میںنے یہ رؤیا دیکھا کہ زمین ہلتی ہے۔ پہلے میںنے خیال کیا کہ شاید ویسے ہی کچھ حرکت ہوئی ہے مگر پھر زور سے ایک دھکا لگا۔ تب یقین ہوا کہ زلزلہ ہے اور میں گھر کے آدمیوں کو جگاتا ہوں اور کہتا ہوں کہ اٹھو زلزلہ آیا مبارک کو بھی اٹھا لو۔ اور یہ بھی رؤیا میں کہتا ہوں کہ جوتشی کسقدر جھوٹے ہیں پنڈت نے تو اخبار میں چھپوایا تھا کہ اب زلزلہ نہیں آئیگا اسکے بعد بیداری ہوگئی۔

[۲] بنی اسرائیل سے مراد وہ قوم ہے جسپر اس قسم کے واقعات تکلیف وارد ہوئے ہوں جیسے کہ بنی اسرائیل پر ہماری جماعت بنی اسرائیل سے مشابہ ہے مراد یہ ہے کہ ایسے نشان ظاہر ہونگے کہ وہ لوگ جو ہماری جماعت پر بیجا حملے کرتے ہیں رک جائینگے اور ایسے نشان ظاہر ہونگے کہ انکی باتوں کا لوگوں کے دلوں پر کچھ اثر نہیں ہوگا + [۳] فرمایا یہ میرے ساتھ عادت اللہ ہے کہ کشف میں اس دنیا کو وہ جہان کے نام سے پکارا جاتا ہے + [۴] اسکے متعلق مفصل دیکھو اشتہار الانذار جو پچھلے میگزین میں درج ہوچکا ہے + [۵] فرمایا یہ الہام ۹ اپریل والے الہام کا متمم ہے اسکے معنے یہ سمجھا گئے کہ یہ لوگ کہتے ہیں کہ ہمپر تباہی آئیگی۔ بدر غلطی پر یہ لوگ خود ہیں نہ ہم + [۶] یعنی میں اپنی فرشتوں کی فوج کے ساتھ اسوقت آؤنگا کہ کسیکو گمان بھی نہ ہوگا کہ ایسا حادثہ ہونے

یکم مئی۔ ایک اشتہار دیکھا جسکے اوپر لکھا ہوا ہے "المبارک" پھر الہام ہوا بـرکۃ زائدۃ علی ھذا الرجل۔ ۳ مئی۔ وما رمیت اذ رمیت ولکن اللہ رمٰی۔

" کسی نے ایک لکھا ہوا کاغذ دکھایا جسپر لکھا ہوا ہے "آہ نادر شاہ کہاں گیا"

۹ مئی۔ .... و یستنبئونک احق ھو قل ای وربی انہ لحق۔

" پھر بہار آئی خدا کی بات پھر پوری ہوئی + ۱۰ مئی۔ کیا عذاب کا معاملہ درست ہے اور اگر درست ہے تو کس حد تک

۱۴ مئی۔ رؤیا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا میرا ایک مقدمہ ہے جس حاکم کے سامنے ہے وہ قایم علی (ایک پرانا ای اے سی) معلوم ہوتا ہے اور اسکے سرشتہ دار میرے بھائی میرزا غلام قادر مرحوم ہیں ہم تینوں قریب قریب ہی زمین پر بیٹھے ہیں حاکم نے سرشتہ دار کو کہا کہ پچیس روپے طلبانہ کے داخل کریں۔ میں نے دیکھا تو جیب میں روپے موجود تھے سو میں نے نکالکر دیدیئے + ۱۴ مئی کو

رجسٹرڈ ایل نمبر ۳۰۲

شکریہ معاونین

جیساکہ پچھلے پرچے کے مطالعہ سے واضح ہوا ہوگا اپنی جماعت کے بعض مخلص احباب محض ابتغاء لمرضاۃ اللہ حضرت اقدسؑ کے حکم کی تعمیل مین اس رسالہ کی کثرت اشاعت کی غرض سے جدید خریدار پیدا کرنے اور اعانت مین حصہ لینے کی سعی فرما رہے ہین لیکن ایسے احباب کی تعداد ابھی بہت ہی کم ہے۔ کاش اپنی جماعت کا ہر ایک فرد حضرت اقدسؑ کے اس تاکیدی ارشاد کی تعمیل مین اس کار خیر مین حسب استطاعت و توفیق خود حصہ لیکر حسنات دارین کا مستحق بنتا جملہ بھائیونکی ایسی مجموعی کوشش سے ہرگز بعید نہ تھا کہ تعداد اشاعت رسالہ کی جلد تر دس ہزار تک پہنچ جاتی لیکن موجودہ حالات ظاہر کرتے ہین کہ ابھی اپنے بھائیونمین زیادہ ہمت پیدا ہونیکی سخت احتیاج ہے بعض معزز احباب مثلاً ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحب اسسٹنٹ سرجن لاہور وچودھری رستم علی صاحب انبالہ و ڈاکٹر سید جلال صاحب برار و بابو برکت علی صاحب کلرک شملہ ایک معقول رقم ماہواری چندہ اعانت کی بھیجتے ہین۔ ڈاکٹر نعمت علی خان صاحب و ٹر بیزری اسسٹنٹ پشاور نے اپنی ترقی تنخواہ کے موقعہ پر چالیس روپیہ بطور اعانت میگزین کو بھیجا ہے (اللہ تعالیٰ دیگر احباب کی پر جوش روحونکو انکی پیروی کی تحریک کرے۔ آمین) منشی ذوالفقار علیخان صاحب انسپکٹر آبکاری میرٹھ و شیخ محمد رشید صاحب احمدی میرٹھ و ماسٹر ہدایت اللہ صاحب جہلم ومیان غلام دستگیر صاحب میڈیکل سٹوڈنٹ لاہور۔ و منشی غلام سرور خان صاحب قانونگو ڈیرہ اسمعیل خان۔ قاضی محمد یوسف صاحب پشاوری و ڈاکٹر عباد اللہ صاحب امرتسر ہمیشہ رسالہ کی اعانت و جدید خریدار پیدا کرنے مین ہمہ تن ساعی رہتے ہین۔ بابو عبد الرزاق صاحب بخشی بنارس و چودھری عبد العزیز بٹالوی و میان عبد اللہ تیماپور ریاست نظام و میان سلطان حامد قتال پور (ملتان) نے بھی جدید خریدار دیئے۔ جن احباب نے پچھلے ماہ مین اعانت کا روپیہ بھیجا ہے انکے نام معہ تعداد روپیہ اعانت کے ہم آئندہ پرچہ مین درج کرینگے۔ اللہ تعالیٰ سب کو اس کی جزائے خیر دے۔ اور دیگر بھائیونکو انکے نقش قدم پر چلنے کی توفیق بخشے۔ آمین ثم آمین۔

ضروری اطلاع

رسالہ نور الدین جس مین فاضل مصنف نے بعد نظر ثانی کسی قدر اضافہ کیا ہے خوشخط عدہ کاغذ پر چھپکر تیار ہے۔ قیمت علاوہ محصولڈاک ۸/ ہے۔ درخواستین اس پتہ پر ہون + سیٹھ عبد الاحد ہدایت اللہ جنرل مرچنٹ و کمیشن ایجنٹ کٹرہ جیمل سنگھ امرتسر۔

حکیم فضل دین صاحب نے اپنے مطبع ضیاء الاسلام مین منیجر میگزین کیلئے چھاپا۔

آؤ لوگو کہ یہین نور خدا پاؤ گے ۔:۔ لو تمہین طور تسلّی کا بتایا ہمنے

ریویو آف ریلیجنز

یعنی دنیا کے مذاہب پر نظر

جلد ۴	بابت ماہ جون ۱۹۰۵ء	نمبر ۶

فہرست مضامین

قادیان ضلع گورداسپور سے ۲۰ جون ۱۹۰۵ء کو مینیجر میگزین کے اہتمام سے شایع ہوا۔ چندہ سالانہ عہ

سلسلہ احمدیہ ممالک غربی مین

ہمارے دوست جنکے اخراجات سے میگزین انگریزی ممالک غربی مین بھیجا جاتا ہے اس خبر کو سن کر بہت خوش ہونگے کہ خدا کے فضل و کرم سے ان ممالک مین وہ انسان پیدا ہوتے جاتے ہین جن کے دلون مین نہ صرف اس سلسلہ کی صداقت ہی اثر کر گئی ہے بلکہ اس کی اشاعت کا جوش بھی پیدا ہو گیا ہے۔ چارلس سیورایٹ صاحب جو ملک اسٹریا کے رہنے والے ہین اور جو گذشتہ سال مین اس ملک ہند مین بھی آئے تھے اور مختلف جگہون پر لکچر دیتے تھے اب خدا کے احسان سے بصدق دل اس سلسلہ مین داخل ہو چکے ہین ان کا اسلامی نام عبد الحق ہے۔ انکے تازہ ترین خطوط جو اس عاجز کے نام آئے ہین ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ اب انکے دل مین یہ تڑپ لگ رہی ہے کہ اس سلسلہ کی اشاعت امریکہ اور دیگر ممالک مین کرین اور لوگونکو اس صداقت کیطرف بلائین۔ اسوقت وہ اسٹریلیا سے نکلکر ... نیوزیلینڈ پہونچ چکے ہین اور عازم امریکہ ہو رہے ہین۔ نیوزیلینڈ سے انکے دو خط راقم کے نام آئے ہین۔ جو اخبار بلد سما مین شائع ہونیکے لیے دیدیے گئے ہین۔ ان خطوط سے یہ ایک عجیب بات معلوم ہوتی ہے کہ کس طرح اللہ تعالے جن لوگون پر اپنا فضل کرنا چاہتا ہے انکے دلونکو کھولدیتا اور انکو شرح صدر عطا فرماتا ہے جس سے انکے دل انوار الہی کی قبولیت کیلیے تیار ہو جاتے ہین عجیب بات ہے کہ اس ملک مین وہ طبیعتین موجود ہین جو باوجود سمجھانیکے نہین سمجھتین۔ اور ایک ایسے دور دراز ملک مین خدا تعالے نے ایک شخص کو جسکا قادیان مین قیام صرف ایک رات کیلیے تھا وہ شرح صدر عطا فرمایا ہے کہ وہ ان نشانونکے پورا ہونے پر خوشی ظاہر کر رہا ہے مسٹر عبد الحق نے صرف اشتہار الوصیت پڑھا ہے جو مارچ کے رسالہ مین شایع ہوا تھا۔ اور جس مین حضرت اقدس کا یہ کشفی نظارہ کہ دردناک موتون سے عجیب طرح پر شور قیامت برپا ہے اور آپ کا یہ الہام کہ:— عفت الدیار محلها و مقامها شایع ہوا تھا۔ ادھر اس رسالہ کے پہونچنے کے ساتھ ہی انہون نے اخبارون مین ۴- اپریل کے زلزلہ کی جو سچ مچ نمونہ قیامت تھا خبرین پڑھین اور انکی حق پسند طبیعت نے معًا سمجھ لیا کہ یہ وہی خدا کا کلام پورا ہوا جس کی خبر الوصیت مین دیگئی تھی۔ چنانچہ اس پیش گوئی کے پورا ہونے پر انہون نے اپنے خط مین بہت ہی اظہار خوشی کیا ہے اور سجدات شکر بجا لائے ہین اور انہون نے لکھا ہے کہ مین اس عظیم الشان نشان کے پورا ہونیکی خبر ہر جگہ اپنے دوستون کو لکھ رہا ہون۔ اس سے قیاس کیا جا سکتا ہے کہ ان مغربی ممالک مین کثرت سے ایسی حق پسند اور مستعد طبیعتین ہین جو صرف پیغام کے پہونچنے کی منتظر ہین۔ یہی وہ لوگ ہین جنکی خبر اللہ تعالے اس سے پچیس سال پہلے براہین احمدیہ مین الہام ثلة من الآخرین مین دیچکا ہے یعنی ایک جماعت مسیح موعود کو ان لوگونکی دیجاویگی جو پیچھے آنیوالے ہونگے یعنی غیر اقوام مین سے اس سلسلہ کو قبول کرکے اسلام مین داخل ہونگے ایسا ہی ایک اور خط ایک لیڈی کا ہے جسکا نام ر ج وے ہے جو اپنی خوشی اسی امر مین ظاہر کرتی ہین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہٗ و نصلی علی رسولہ الکریم

پردہ اور تعدد ازدواج کے متعلق چند اور باتین

قوانین نکاح کا جو اثر انسان کی تمدنی ترقی پر پڑتا ہے اسکے متعلق مغربی ممالک مین آج کل خاص طور پر بحث چھڑی ہوئی ہے اور اگرچہ پردہ اور تعدد ازدواج کے مضمونون پر اس رسالے مین ہر پہلو سے بحث ہو چکی ہے مگر مغربی مباحثات کو مدنظر رکھکر یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ چند متفرق باتین اور اس جگہ اکٹھی کر دیجاوین۔ ولایت کے مشہور رسالہ فارٹنائٹلی ریویو مین ایک نامہ نگار لکھتا ہے کہ "موجودہ طرز زندگی کے بہت کم پہلو ایک غور کرنیوالے انسان کو اسقدر حیرت مین ڈالتے ہین جیسے کہ وہ رواج جسکے رو سے مروجہ قوانین نکاح پر کوئی بحث کرنا اس علمی زمانہ مین بہت برا سمجھا جاتا ہے" اور پھر آگے چلکر لکھتا ہے کہ "اس خاموشی کی کوئی وجہ ان واقعات کو تلاش کرنیسے نہین ملتی جو سوسائٹی کی سطح کے نیچے اپنا اثر پیدا کر رہے ہین۔ یہ ایک ایسا مضمون ہے کہ اس کی طرف پبلک کو توجہ دلانیکے لیے کسی مبالغہ آمیز بیان کی ضرورت نہین اور نہ کسی واقعہ کو ڈراؤنے رنگ مین پیش کرنے کی ضرورت ہے بلکہ ہماری روزمرہ زندگی کے بعض پہلو ایسے ہین کہ ان کا بیان کر دینا ہی بیسوین صدی کی تہذیب کی افسوسناک حالت کو ظاہر کرتا ہے۔ اُس چیز کی موجودگی جس کو تمدنی بدی کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ اور اس کے بدنتائج خواہ وہ بلاواسطہ پیدا ہوتے ہین یا بالواسطہ وہ عام طور پر پھیلی ہوئی خفیہ بدکاری جو بیاہے ہوؤن اور نہ بیاہے ہوؤن مین یکسان طور پر موجود ہے۔ وہ اوباشی جو حل بلکر کیجاتی ہے اور جس نے سچی فطرت کو بھی آخر کار رد کر دیا ہے۔ یہ سب باتین اس یقینی اور قطعی نتیجہ پر پہنچاتی ہین کہ مرد و عورت کے تعلقات کے سوال کا ابھی تک سوسائٹی نے جرأت سے سامنا نہین کیا۔" مگر ان افسوسناک واقعات نے جو مہذب سوسائٹی کی جڑ مین کیڑے کیطرح لگے ہوئے ہین اور اسے دن بدن کمزور کر رہے ہین۔ آخر ایسا نمایان اثر دکھا دیا ہے جسکو دیکھکر مجبوراً یورپین اقوام کو اپنے قوانین نکاح اور مرد و عورت کے تعلقات کے رواجون کی غلطی کو۔۔۔۔

تسلیم کرنا پڑا ہے اور ان قوانین کو از سر نو بنانے کی ضرورت پیش آئی ہے اور مہر خاموشی کو آخر توڑنا پڑا ہے
چنانچہ چند ہی سال کے عرصہ مین یہ سوال اب عام طور پر پوچھا جانے لگا ہے کہ یورپ کے مروجہ قوانین نکاح
کس حد تک قابل تسلیم ہین اور سوسائیٹی مین جن بدکاریون کے پھیلانے کا یہ موجب ہوئے ہین وہ نہ صرف
ناولون اور کہانیونکے رنگ مین ہی کھول کھولکر بیان کیجانے لگی ہین بلکہ بڑے بڑے فلاسفرون اور مشہور
مصنفون نے بھی آخر اس طرف توجہ کی ہے ! اور تشخیص مرض کیلیے مختلف کوششین کیجا رہی ہین - عام طور پر
موجودہ رواجون سے بیزاری ظاہر کیجا رہی ہے اور نئے قانونکے مروج کرنیکی تجویزین پیش ہو رہی ہین مگر
جیسا کہ ان حالات کے ماتحت ہوا ہی کرتا ہے پہلی کوششین جو اس بارے مین کی گئی ہین ان مین اکثر غلط پہلو اختیار
کیا گیا ہے اگرچہ ساتھ ساتھ ہی صداقت کی شعاعین بھی اپنی چمک دکھانے لگی ہین جس سے امید ہوتی
ہے کہ جلدی ہی اس سوال پر پوری روشنی پڑکر ملک کی بہتری کا موجب ہو گی ؛

اسی رسالہ کے نامہ نگار نے جس کا حوالہ ابتدائے مضمون مین دیا گیا ہے "معاہدہ نکاح اور اسکا اثر انسانی
تمدنی ترقی پر" کے عنوان کے نیچے ایک مضمون لکھا ہے جس مین وہ اس نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ چونکہ زنا کاری
انسانی کوششون سے تو رک نہین سکی پس اب اسکے جواز کا کوئی طریق نکالنا چاہیئے چنانچہ وہ لکھتا ہے کہ "بدکاری
چلی جاتی ہے اور صدیون تک ہزار ہا منبرون سے پر زور تقریرون نے اسکے روکنے مین ناکامی ہی ناکامی دیکھی
ہے" یہ بالکل سچ ہے مگر افسوس کہ اسکی اصل وجہ تلاش نہین کیگئی اصل سبب اسکا یہ ہے کہ بدکاری اور
زناکاری کے اسباب کو تلاش نہین کیا گیا - اور نہ ان اسباب کے دور کرنے کی کوئی کوشش کی گئی ہے - افسوس
یہ ہے کہ جو لوگ بڑی جرأت سے موجودہ امراض کے علاج کیلیے اٹھتے ہین انکے خیالات بھی تعصب سے پاک
نہین - اور یہی وجہ ہے کہ وہ آخر ایک غلط نتیجہ پر پہنچے ہین مگر اسی نامہ نگار کے مضمون سے باوجود تعصب کے
یہ پتہ لگتا ہے کہ یورپ مین بھی لوگون نے عام طور پر یہ تو محسوس کر لیا ہے کہ ان بدکاریونکا علاج سوائے
تعدد ازواج کے کچھ نہین - وہ لکھتا ہے کہ "ان لوگونکے خلاف جو نکاح کے موجودہ رواجون کو تنقید کے نیچے لاکر
ان کی غلطی ظاہر کرتے ہین - عموماً یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ ان رواجون کی صحت مین شبہ کرنے سے یہ لازم آتا
ہے کہ تعدد ازدواج کو رواج دیا جاوے جسکے متعلق یہ بالکل سچ کہا گیا ہے کہ اسکو یعنی تعدد ازدواج کو تمام ترقی کرنے
والی قومون نے رد کر دیا ہے - مین کہتا ہون کہ مہذب دنیا کا تعدد ازدواج کو پھر اختیار کرنا ایسا ہی بعید از قیاس ہے
جیسا کہ موجودہ اسلحہ حرب کو چھوڑ کر تیر و کمان کو پھر رواج دینا" راقم مضمون کو اس موقعہ پر سخت غلطی لگی ہے اور
اس دلیل مین عجیب قسم کا گڑبڑ ڈالدیا ہے اگر تعدد ازدواج کو اسوجہ پر رد کیا جا سکتا ہے کہ تمام ترقی کرنیوالی
قومون نے اسکو رد کیا ہے تو خود راقم مضمون کو کیا حق پہونچتا تھا کہ وہ انہین ترقی کرنیوالی اقوام کے قوانین

اور رواجون پر اعتراض کرتا کیونکہ اس اصول کے رو سے تو پھر انکے تمام مسلمہ رواج قابل تسلیم اور تمام رد کردہ امور قابل رد ہونے چاہئے۔ مگر افسوس ہے کہ خود راقم مضمون نے انکے مسلمہ رواجون پر اعتراض کیا اور واقعات سے اس اعتراض کو سچا ثابت کرکے دکھایا اور پھر خود ہی اس تعصب کیوجہ سے جو تعدد ازدواج کے خلاف ہے یہ دلیل پیش کرتا ہے کہ جس رواج کو ہماری قوم نے رد کر دیا ہے وہ ضرور ہی رد کئے جانے کے قابل ہے۔ بات یہ ہے کہ ایک قوم جو ایک پہلو مین ترقی کر رہی ہو ضروری نہین کہ وہ ہر پہلو مین ہی ترقی کر رہی ہو اور اس کی ہر بات نقص سے خالی ہو۔ عیسائی قومین بیشک تجارتی اور مادی رنگ مین حیرت انگیز ترقی کر رہی ہین مگر عفت اور اخلاق کے معاملہ مین وہ بہت ہی گری ہوئی حالت مین ہین اور اس امر سے کسی دانا عیسائی نے بھی آجتک انکار نہین کیا بلکہ خود راقم مضمون بھی اسکو تسلیم کرتا ہے پھر یہ کیسی غلطی ہے کہ ایک ایسے رواج کو جو مرد وعورت کے تعلقات کے متعلق ہے اسوجہ پر رد کیا جاوے کہ عیسائی اقوام نے جنہون نے اس معاملہ مین سخت ٹھوکر کھائی ہے جیسا کہ ہم آگے چلکر دکھا دینگے اسکو رد کر دیا ہے اسی سے اندازہ لگ سکتا ہے کہ تعدد ازدواج کے خلاف کسقدر دلایل سے کام لیا جاتا ہے اور کسقدر تعصب سے۔

اب یہ امر غور طلب ہے کہ اگر اس نامہ نگار کے نزدیک تعدد ازدواج اس کی قوم کی بدکاریون کا سچا علاج نہین تو پھر وہ خود کونسا علاج پیش کرتا ہے اس کی تجویز عملی طور پر یہ ہے کہ زنا کو برا نہ سمجھا جاوے اور سوسائیٹی اس بات کی کچھ پروا نہ کیا کرے کہ کوئی بچہ زنا کی اولاد ہے یا نکاح کی اولاد۔ بلکہ ولد الحرام بچونکو کسیقدر ترجیح دیا کرے۔ وہ کہتا ہے کہ "محبت کو ضوابط اور مذہبی ممانعت کی قیدون سے آزاد کرنا چاہئے اور اسکو اپنی مناسب جگہ پر لانا چاہئے یعنی یہ کہ دو افراد کے درمیان یہ ایک پرائیویٹ معاملہ سمجھا جاوے"۔ اس بیان کا مطلب یہ ہے کہ آدمی اور عورت کا کسی ضابطہ اور قاعدہ کے نیچے لاکر نکاح کرنا یا یہ کہ مذہبی رنگ مین بغیر نکاح کے مرد وعورت کے تعلقات کو منع کرنا یہ باتین نہ ہون بلکہ ہر شخص کو آزادی ہو کہ جہان جس قدر عرصہ کیلیے اسے کسی دوسرے مرد یا عورت سے محبت ہو وہان ہی مرد وعورت کے تعلقات بھی ہون پھر دوسری جگہ اگر وہ صرف اسقدر لکھتا کہ نکاح کے بعد جب بعض ضرورتین نکاح کو منسوخ کرنے کی پیش آتی ہین تو اسکے لیے کوئی راہ ہونی چاہئے تو یہ بات الگ تھی۔ مگر وہ خود نکاح کی ذمہ داریونکو ہی دور کرنا چاہتا ہے۔ یا یون کہو کہ نکاح کو ہی پسند نہین کرتا چنانچہ اسکے مندرجہ ذیل الفاظ سے یہ صاف نتیجہ نکلتا ہے "ایک عورت جسکا گناہ صرف اسیقدر ہوتا ہے کہ یا وہ ناواقفیت کے سبب سے کسی پھسلانے والے کے دام مین پھنس جاتی ہے یا اس کی محبت پر زیادہ اعتبار کرکے اپنے آپ کو اسکے حوالہ کر دیتی ہے اسکو پھر معزز سوسائیٹی سے الگ کر دیا جاتا ہے اس غلطی کی اصل وجہ تو یہ ہے کہ ہر ایک عورت کو ایک خاص آدمی کی محتاج سمجھا جاتا ہے اور اسیوجہ کو دور کرنیسے اصلاح بھی ہو سکتی ہے۔ لندن مین اس امر سے بہت خوف ظاہر کیا جاتا ہے کہ پیدائشون مین کمی ہو رہی ہے اور جو اولاد پیدا ہوتی ہے وہ مضبوط نہین ہوتی ۔۔۔۔ مگر یقیناً ہمارے خیالات پیچھے

اخلاق فاضلہ کے متعلق بالکل اُلٹے ہوئے ہوئے ہین کیونکہ اس امر مین تو کچھ حرج نہین سمجھا جاتا کہ ایک بوڑھی عورت ایک شرابی خاوند کے ساتھ تعلق رکھکر بیمار بچے پیدا کرتی چلی جاوے مگر جب کوئی عورت اپنے قدرتی قویٰ اور جذبات کے زور کیوجہ سے پوشیدہ طور پر تعلق کرکے بچہ پیدا کرتی ہے تو اسکے ساتھ ایسا سلوک ہوتا ہے کہ یا تو وہ دریا مین جاکر ڈوب مرتی ہے اور یا بازارون مین اسے بھیک مانگنے یا بدکاری کا ارتکاب کرنا پڑتا ہے۔ برنارڈ شا کہتا ہے کہ ہر ایک عورت کو جو ایک اچھا ذہین مضبوط قوے والا اور عمدہ ہاضمہ والا رعایا کا ممبر پیدا کرسکتی ہے اس قومی خدمت کے عوض مین سلطنت کیطرفسے کافی معاوضہ ملنا چاہیئے تاکہ وہ پھر بھی اس خدمت کو دوبارہ ادا کرسکے "

ان الفاظ سے مطلب یہ ہے کہ عورت کو بجائے اسکے کہ اس امر پر ملزم ٹھہرایا جائے کہ اس نے ناجایز تعلق پیدا کرکے ولد الحرام اولاد پیدا کی ہے اسکو انعام دینا چاہیئے اور اسکے اس فعل کو مذموم نہین بلکہ محمود تصور کرنا چاہیئے ایک طرف تعدد ازدواج ہے اور دوسری طرف یہ تجویز جسکے روسے حکومت کا فرض ہونا چاہیئے کہ وہ ولد الحرام بچون کی پیدائش پر انعام دیکر اس فعل قبیح کی لوگون کو ترغیب دے - ان دونون تجویزون مین سے ہمارے مدعیان اصلاح کا اختیار کرنے اور خصوصاً مسٹر ولاور حسین سے میری یہ استدعا ہے کہ وہ بھی کھولکر اپنی رائے بیان کرین کہ ان دونون باتون مین سے انہین کونسی بات پسند ہے کیا تعدد ازدواج کے رواج کو منسوخ کرکے یہ لوگ ان باتون کو خوشی سے رواج دینا پسند کرتے ہین - اور کیا یہ تبدیلی مسلمانون کی بہتری کا باعث ہوگی - کیا یہی وہ تہذیب ہے جس کی طرف وہ مسلمانون کو بلا رہے ہین - خود عیسائیون نے بھی آخر صدیون کے تجربہ کے بعد یہ محسوس کرلیا ہے کہ یا تو انہین تعدد ازدواج کو رواج دینا پڑے گا اور یا بدکاری کو جایز رکھنا پڑے گا -

دنیا کے ہر ایک ملک مین جہان تعدد ازدواج کو روکا گیا ہے رنڈی بازی اور زناکاری بہت ہی کثرت سے پھیلی ہوئی ہے - بلکہ مہذب ممالک مین تو اب یہان تک نوبت پہونچی ہے کہ لوگ یہ کہنے لگ گئے ہین کہ رنڈی بازی سوسائیٹی کا جزو لازمی ہے - غالباً سب سے پہلے رومیون نے تعدد ازدواج کے اصول پر عمل کرنا چھوڑا - ان کی اخلاقی حالت کی یہ شہادت تاریخ سے ہمین ملتی ہے جیسا کہ لیکی کہتا ہے٭ کہ "تاریخ مین ایسے زمانے تو بہت ہین جب نیکی اس سے بھی کم ہوگئی جس قدر رومی قیصرون کے ماتحت تھے - مگر ایسا کوئی زمانہ نظر نہین آتا جب بدکاری اور فواحش اسقدر کھلے اور اسقدر حد سے گذرے ہوئے ہون جیسا کہ رومیونکے زمانے مین ..... رومیون مین تین قسم کی شادی تسلیم کی گئی تھی جس مین تیسری قسم یہ تھی کہ صرف محبت کے ارادے کے اظہار سے مرد و عورت کا تعلق جایز سمجھ لیا جاتا تھا - یہ صورت نکاح کی درحقیقت ایک قسم کی زناکاری ہے رومی سلطنت مین بالکل عام ہوگئی تھی - سسرو کا یہ خیال تھا کہ کم از کم جوان آدمیون کی صحت کے لیے یہ ضرور ہے کہ وہ عورتون سے صحبت کرین - وہ کہتا ہے کہ اگر کوئی شخص یہ خیال کرتا ہے کہ جوان آدمیونکو کسبیون کی صحبت سے روکنا چاہیئے

٭ مندرجہ ذیل واقعات کا کثیر حصہ ڈاکٹر فوٹ کے ہوم سائیکلوپیڈیا سے لیا گیا ہے اور متن مین جو حوالے صفحونکے ہونگے وہ اسی کتاب کے صفحونکے ہونگے +

تو وہ بیجا تشدد کرتا ہے۔ الگزنڈر سویرس کا جو رومی بادشاہون مین بدکاری کے خلاف قانون بنانے مین سب سے زیادہ مشہور ہے۔ ذکر ہے کہ کسی صوبہ کا گورنر مقرر کرتے وقت وہ علاوہ گھوڑے اور خدمتگار دینے کے گورنر کو اس صورت مین کہ وہ بیاہا ہوا نہ ہو ایک لونڈی بھی ساتھ دیا کرتا تھا۔ (صفحہ ۹۱۳) روم مین اگسٹس کے ماتحت قانون مین کسبی کا پیشہ اختیار کرنے یا رنڈی بازی کی کوئی سزا نہ تھی اور جنکے اولاد کچھ زیادہ ہوتی تھی ان کو کچھ انعام بھی ملتا تھا۔ ان دونون باتون کے ملنے سے بعض لالچی خاوندون کی جو خود اولاد پیدا کرنیکے قابل نہ ہوتے یہ حالت ہوگئی تھی کہ وہ اپنی عورتونکو بازار مین کسبیونکے طور پر بٹھا دیتے تھے تاکہ بہت ساری اولاد پیدا ہو سکے۔

یونان کے متعلق جہان عملی طور پر تعدد ازدواج کی سب سے پہلے ممانعت کی گئی وہی مصنف لکھتا ہے۔ "جب یونانی سوسائیٹی اس حالت پر پہونچی اور لونڈیون کا رکھنا غیر مروج ہوگیا اسوقت ان کے نکاح۔۔۔۔ زوج واحد کے ایسے ہی سخت قاعدہ کے ماتحت تھے جیسے ہمارے آج ہین۔ نکلوس اس زمانے مین یونان کی حالت کے متعلق لکھتا ہے" ایتھنز مین جو یونان کا سب سے زیادہ مہذب شہر تھا۔ رنڈی بازی ایسی ہی عام تھی جیسے اب نیویارک یا لنڈن یا پیرس مین ہے۔ یونان کی ان اقوام کی مانند جو بدکاری مین مشہور تھین اس زمانہ مین ہر ایک مہذب ملک کے دارالخلافہ مین اسی قسم کے لوگ بکثرت موجود ہین لیکن ہمارا معیار اخلاق خاص رسوم اور قواعد کا پابند ہے جن کی پرواہ تو کہین نہین کیجاتی مگر ان کا یہ اثر ضرور ہماری زندگی پر پڑتا ہے کہ لگاتار نفاق کی کمینگی نے ہمارے چال چلن کو نہایت درجہ ذلیل کر دیا ہے۔ ڈاکٹر بینیکو سٹی کہتا ہے کہ پیریکلیز کے زمانہ مین ایتھنز مین عورتون کی ایک ایسی جماعت پیدا ہوئی اور پھر بہت ترقی کر گئی جو اوباشی اور بدکاری مین بے لگام ہونے پر فخر کرتی تھین۔ ایشیائی یونانی نوآبادیون مین زمینی زہرا (یعنی زناکاری) کے نام پر مندر بنائے گئے۔ اور ان مین کسبیان نہ صرف رہتی ہی تھین بلکہ انہین دیوی کے مظہر سمجھ کر ان کی حیثیت ان مندرونکے پروہت ہونیکی عزت کیجاتی تھی۔ کارنتھ کا دولتمند اور تجارتی شہر کسبیونکی پرورش اور تعلیم پانے کی جگہ تھی۔ سٹریبو کہتا ہے کہ زہرا کے مندر مین ایک ہزار ایسی خوبصورت نوجوان عورتین تھین جو دیوی کا قرب حاصل کرنیکے لیے روپے لیکر کسبیون کا پیشہ کرتی تھین۔ ایتھنز مین چکلون کی تعداد بے حد بڑھی ہوئی تھی۔ سولن نے ضروری سمجھا کہ کسبیون اور رنڈیون کو زناکاری کی غرض سے عبادت خانون اور عام چوکون مین آنے کی اجازت ہونی چاہیئے۔ (صفحہ ۸۶۰-۸۶۱)

یہ تو ان ابتدائی قومون کی حالت تھی جنہون نے تعدد ازدواج کو اپنے قوانین نکاح سے خارج کیا اور شاید تعدد ازدواج کے دشمن یہ کہنے کیلیے تیار ہونگے کہ اب اس تہذیب کے زمانے مین اس قسم کی قومونکی یہ حالت

نہین رہی اس لیے مین اب یہ دکھاؤنگا کہ تہذیب کی ترقی سے اس پہلو مین کوئی ترقی نہین ہوئی "لیڈی گسٹس ہملٹن انیسوی صدی کے ابتدا مین لکھتے ہوئے نیدرلینڈ کے ان عام چکلونکے متعلق جہان سرکاری لیسنس سے شہر کی لڑکیان جاتی تھین لکھتی ہے۔ کہ ان مقامات مین بڑے بڑے لوگ بغیر کسی خوف یا کسی شرم کے چلے جاتے تھے اور کسی شخص کا ان مقامات مین دیکھے جانا ایسا ہی سمجھا جاتا تھا جیسے کسی کھیل تماشے یا بہلاوٹ کی جگہ مین یہان کے شغل راگ اور ناچ تھے اور جو ناچ مین مشغول نہ ہوتے وہ کمرونکے گرد گرد اپنی اپنی آشناؤنکو لیکر بیٹھے ہوتے۔ جس شخص کا جی چاہتا کہ ان مین سے کسی کے ساتھ خلوت کرے اسکے لیے ساتھ ہی چھوٹے چھوٹے کمرے موجود ہوتے تھے جہان بستر اور دوسرے آسایش کے سامان موجود ہوتے۔ ان کمرون مین داخل ہونے یا ان سے باہر نکلنے پر اس سے زیادہ توجہ نہ ہوتی تھی جیسے کوئی کسی دوست کے ساتھ گفتگو کرنیکے لیے ذرا الگ ہو جائے۔ عام رائے وہان یہ تھی کہ اگر مردون کو ان امور کی اجازت نہ دیجاوے تو پھر انکی عورتین پاک دامن نہ رہ سکتی تھین (صفحہ ۹۴۹)

اب جاپان کیحالت کو دیکھتے ہین کیونکہ یہ بھی ان قومون مین سے ایک ہے جنکو ترقی کرنیوالی قومونکے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔ ۱۸۷۰ء سے پہلے جاپان مین یہ دستور تھا کہ ایک مرد کی ایک منکوحہ عورت ہوتی تھی اور اسکے ساتھ وہ اسقدر لونڈیان رکھ سکتا تھا جسقدر اسکے ذرایع آمدنی اسے اجازت دیتے۔ جب کسی لڑکی کے رشتہ دار اسقدر غریب ہوتے کہ وہ اسکے اخراجات کی برداشت نہ کر سکتے تو وہ بجائے بھیک مانگنے کے دوسری یا تیسری بی بی بن جاتی۔ مگر اس کی اولاد اصل بی بی کی اولاد سمجھی جاتی تھی۔ مگر آخر یہ رواج ۱۸۸۰ء مین منسوخ ہوگیا۔ اسکی منسوخی کی تجویز پر بہت مخالفت ہوئی۔ چنانچہ اسکے متعلق امریکہ کے ایک اخبار نے لکھا تھا کہ جاپانی لوگ کہتے ہین کہ اس طریق کے روکنے کا نتیجہ یہ ہوگا کہ خاوند بعض وقت ایک بی بی پر کفایت نہ کرکے زیادہ مخفی تعلقات پیدا کرے گا جو بہت مضر ہونگے۔ اس کی زندگی ایک دوھری زندگی ہوگی یعنی بظاہر تو ایک بی بی ہوگی مگر تعلقات اورون سے بھی ہونگے۔ اور ان مخفی تعلقات مین روپیہ بھی بہت ضایع ہوگا۔ اور بعض وقت حرامی بچہ نکال ایک کنبے کا کنبہ اسکا ہو جائیگا۔ اور جاپان مین ایک ایسی جماعت پیدا ہو جائے گی جس کا ابتک وہان نام و نشان نہین یعنی وہ بدقسمت بیگناہ انسان جن پر اسوجہ سے ظلم ہوتا ہے کہ انکے والدین نے گناہ کیا۔ ایسا ہی مرد چکلو نمین جائیگا یا اپنے ہمسائے کی لڑکی یا عورت کیطرف بدنظری سے دیکھے گا جسکا نتیجہ سوائے خرابی کے کچھ نہ ہوگا۔ مگر آخر فریق مخالف غالب آگیا اور یہ رواج جو دراصل تعدد ازدواج کی ایک ادنے قسم تھی ۱۸۸۰ء مین منسوخ ہوگیا۔ اور اب جاپان کی یہ حالت ہے کہ رنڈی بازی کے گورنمنٹ نے باقاعدہ لایسنس جاری کر رکھے ہین۔ اور اس غرض کے لیے جو گھر ہین یعنی چکلے وہ تعداد مین اتنے اور ایسے وسیع ہین کہ شہرون مین بڑی بڑی جگہ انہون نے روکی ہوئی ہے" (صفحہ ۹۲۵)

انگلستان کے متعلق زیادہ لکھنے کی ضرورت نہین کیونکہ بار بار اسی رسالہ مین بحوالجات تحریرائے انگریزی لکھا

جا چکا ہے۔ ڈاکٹر فوٹ کے چند الفاظ نقل کیے جاتے ہین وہ کہتا ہے "انگلستان مین ہمارے ملک کی طرح قانون تو زوج واحد کے قاعدہ کا ہی ہے مگر عام رائے خاوندون کے لیے تعدد ازدواج کو جایز سمجھتی ہے۔ اور پھر طلاق کے قانون پر بحث کرتا ہوا لکھتا ہے کہ زانیہ عورت کا خاوند اگر عورت کا زنا ثابت کرے تو طلاق حاصل کر سکتا ہے خواہ اسکا اپنا چال چلن بھی برا ہو۔ ایک نئے بل پر بحث کرتے ہوئے ایک ممبر پارلیمنٹ نے جو لفظ کہے ان کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر عورت کو بھی خاوند کا زنا ثابت کر کے طلاق حاصل کرنے کی اجازت ہو تو اس پارلیمنٹ کے کمرہ مین ایک جنٹلمین بھی ایسا نہ ہوگا جس کی عورت قانوناً اس سے طلاق حاصل نہ کر سکے" (ص ۹۴۹)

یہ واضعان قوانین ہین جو تعدد ازدواج کے خلاف قانون بناتے ہین یا مین نہین سمجھتا کہ ہمارے ملک کے مخالفین تعدد ازدواج کہانتک انکے نقش قدم پر چل چکے ہین یا چلنے کا ارادہ رکھتے ہین۔

"ہسپانیہ مین بیاہے ہوئے مردون عورتون مین عصمت کا نام کوئی نہین جانتا۔ یہان غیرت کبھی اٹھتی ہی نہین اور بیاہی ہوئی عورتون کو جو آزادی حاصل ہے اس کی کوئی حد نہین سوائے اسکے جو وہ خود اپنی مرضی یا سمجھ پر اس آزادی مین اپنے آپ کو کہین روک دین مگر ان کی گرم طبیعتین ان کو رکنے نہین دیتین لارڈ بایرن نے اپنی والدہ کے نام ایک خط مین جس مین ہسپانیہ کے باشندون کے رسوم کو اس نے بیان کیا یہ لکھا تھا کہ یہان زندگی کا مقصد ہی سازش کرنا سمجھا جاتا ہے۔ جب ایک عورت نکاح کر لیتی ہے تو وہ سب قیدون اور روکون کو پرے پھینک دیتی ہے۔ لیکن یہ میرا یقین ہے کہ نکاح سے پہلے انکے چال چلن اچھے ہوتے ہین ہسپانیہ مین یہ امر مردون کے آداب صحبت مین سمجھا جاتا ہے کہ جس عورت سے انہین ملنے کا اتفاق ہو اس سے اظہار عشق و محبت کرین۔ بلکہ ہسپانیہ کے ایک بڑے معزز اور بڑے پایہ کی عورت نے یہ کہا ہے کہ مین اس آدمی کو دلی نفرت سے دیکھتی ہون جس کو مناسب موقعہ ملے اور وہ بڑے اصرار سے مجھ سے ایسے سلوک اور ان باتون کی درخواست نہ کرے جو مین اس سے کر سکتی ہون + مگر ہسپانیہ مین خاوندون کی آزادی ان معاملات مین عورتون سے بھی بڑھی ہوئی ہے جیسا کہ دوسرے ممالک مین (صفحہ ۹۵۲-۹۵۳)

فرانس مین مردون اور عورتون کے تعلقات کے متعلق وہی مصنف ایک عورت کی چٹھی نقل کرتا ہے۔ یہ پیرس مین لکھی ہوئی تھی۔ وہ لکھتی ہے کہ یہان بیاہی عورتون کے ساتھ اجنبی مردون کی گفتگو ہم سے بہت زیادہ آزادی کے ساتھ ہوتی ہے۔ بہت ساری باتین جو ہین تو معمولی مگر جنکا ذکر مجلس مین کرنا آداب کے خلاف سمجھا جاتا ہے یہان انکا نام لیکر بڑے اطمینان سے ذکر کیا جاتا ہے۔ یہ آزادی جو گفتگو مین پائی جاتی ہے باقی امور مین بھی نظر آتی ہے۔ بیاہی ہوئی عورتین جس اجنبی مرد کے ساتھ جہان چاہین جا سکتی ہین اور عموماً حد سے زیادہ خاوند کی غیر محتاجی ظاہر کرتی ہین" (ص ۹۵۵)

پیرس کی وہ بدقسمت لڑکیاں جو زناکاری کا پیشہ کرتی ہیں اور جنکے تھا بازار اور گلیاں کوچے بھرے ہوئے ہیں۔ عموماً بیماری یا مفلسی سے نہایت مصیبت کیحالت میں مرجاتی ہیں کبھی ہسپتال میں کبھی اور جگہ جسکا پتہ کوئی نہیں بتاسکتا۔ پیرس میں ایک جگہ بنی ہوئی ہے جو ولدالحرام بچوں کے لینے اور انکے پالنے کے لیے مخصوص ہے اس جگہ مفلس عورت اسلیے آتی ہے کہ وہ اپنے بچے کی جو زنا سے پیدا ہوا ہے پرورش نہیں کرسکتی اور دولتمند عورت اسلیے کہ اس کی وجاہت اسکو اجازت نہیں دیتی کہ اپنی بدکاری کے نتیجہ کو کھلے طور پر دکھاسکے۔ ریل کی ایک چھوٹی سی پٹری ہے جسپر ایک چھوٹی سی گاڑی ہے اسمیں بچے کو رکھکر باہر سے اس مکان کے اندر دھکیل دیا جاتا ہے اور اندر کوئی نہیں جانتا کہ کس شخص نے اس بچے کو وہاں رکھا۔ میری رائے میں اس مکان پر زدن کتبہ یہ ہوگا کہ امیر اور غریب اپنے شیطانی افعال سے ایک ہی جگہ جمع ہوجاتے ہیں۔ (ص ۹۵۶)

پرتگال کے متعلق لکھا ہے کہ اس جگہ نکاح کے دایرہ کے اندر وہی بدکاری اور حرامکاری ہوتی ہے جیسے کہ ہسپانیہ میں۔ (ص ۹۵۸)

اٹلی کے متعلق یہ کہا گیا ہے کہ یہاں نکاح پابندی کے اندر نہیں لاتا بلکہ اسکا الٹ ظہور میں آتا ہے جبتک لڑکی کا بیاہ نہ ہوا اسوقت تک وہ خانقاہ میں یا اپنے ماں باپ کے گھر میں قیدی کی طرح ہوتی ہے اور مردوں سے مل جل نہیں سکتی۔ لیکن جب بیاہ ہوجائے تو پھر وہ علاوہ خاوند کے ایک سے لیکر تین عاشق کھلے طور پر رکھ سکتی ہے۔ وینیس سے لکھتا ہوا بایرن ایک چھٹی میں لکھتا ہے کہ اخلاق کی عام حالت اسجگہ ویسی ہی ہے جیسی کہ ڈوگ کے وقت میں۔ جو عورت خاوند اور ایک ہی عاشق پر کفایت کرے وہ پاکدامن کہلاتی ہے۔ جن کے دو تین یا زیادہ عاشق ہوں ان کو ذرا زیادہ آزاد سمجھا جاتا ہے۔ لیکن بدکاری کا الزام کسی عورت پر اسیوقت عائد ہوگا جب وہ بالکل بے تمیزی سے ایسے تعلقات قایم کرتی چلی جاوے۔ کسی عورت کو یہ یقین دلانا ناممکن ہے کہ عاشق رکھنے سے وہ راستی اور نیکی کے راہ سے الگ ہوجاتی ہے۔ بڑا گناہ یہ سمجھا جاتا ہے کہ عاشق رکھکر اس امر کو مخفی کیا جاوے یا ایک سے زیادہ عاشق رکھے جاویں بشرطیکہ اس امر کو پہلا دعویدار جانتا یا تسلیم نہ کرتا ہو۔ (ص ۹۵۹)

آسٹریا ہنگری میں قانونی طور پر زوج واحد کا سخت قاعدہ مروج ہے مگر ولدالزنا بچوں کی فیصدی تعداد بہت زیادہ ہے۔ ۱۸۵۳ء میں شہر وائینا میں جو آسٹریا کا دارالخلافہ ہے ان بچوں کی تعداد جنکی ولادت ناجائز تھی۔ ولدالزنا بچوں کی تعداد کے قریباً قریباً برابر تھی۔ نئی فہرستوں سے کسیقدر بہتری معلوم ہوتی ہے۔ ۱۸۸۵ء میں کل سلطنت میں فی سو بچوں میں سے ۱۴ ولدالزنا تھے۔ (ص ۹۶۱)

سویڈن اور ناروے میں زوج واحد کا قاعدہ قانون ہے مگر عملی طور پر اس قاعدہ کی پابندی نہیں۔ ملک سویڈن میں اگرچہ قانون اجازت نہیں دیتا مگر آزادانہ محبت کا رواج ہے یعنی جس مرد کی جس عورت سے

محبت ہوا ن دونون مین تعلقات زنا شوی قایم ہوجاتے ہین۔ بیارڈ ٹیلر ایک چٹھی مین جو سٹاک ہالم سے اس نے لکھی ہے یون رقمطراز ہے "سٹاک ہالم کے لوگون کے اطوار کو بیان کرنیکے بعد اس چٹھی کو ان کے اخلاق کے بیان کیئے بغیر ختم کرنا ٹھیک معلوم نہین ہوتا۔ اس شہر کو یورپ مین سب سے بڑا منبع فسق وفجور کہا گیا ہے اور یہ بھی بات یہ ہے کہ ایسا کہنے مین لوگ حق پر ہین۔ بیاہے ہوئے مردون اور عورتون مین جو کثرت زناکاری ہے۔ اس مین وائنا اس شہر سے بڑھا ہوا ہے مگر عام بدکاری مین یہ شہر یقیناً اول نمبر پر ہے۔ ان پیدائشون مین سے جن کا اندراج ہوتا ہے قریباً نصف حرامی بچے ہوتے ہین اور انکے علاوہ وہ بچے ہین جو اصل مین ولدالزنا ہوتے ہین مگر انکے ماں باپ بیاہے ہوئے ہوتے ہین۔ خدمتگار لڑکیون۔ دکانون کے ملازمون۔ اور درزنون مین سے مین یقیناً کہہ سکتا ہون کہ سو مین سے ایک بھی بمشکل ایسی ہوگی جو زنا سے بچی ہوئی ہو۔ اور اوباش جوان لوگ کہتے ہین کہ معزز گھرانون کی لڑکیون مین سے جو درمیانی درجہ سوسائیٹی مین ہین بکثرت ایسی ہین جن کی حالت اول الذکر سے اچھی نہین مردون کی حالت عورتون سے بھی بدتر ہے اور پیرس مین بھی اوباشی کا ظاہر انشا اسقدر نہین پایا جاتا جیسا اس جگہ یہان تباہ شدہ جوان آدمیون اور بوڑھے بدکارون کی تعداد جن کی نظر بھی جاتی رہی ہے حیرت مین ڈالتی ہے مین نے کوئی ایسی جگہ نہین دیکھی جہان فسق اس قدر کھلا اور ظاہر ہو۔ اور پھر باوجود اس کھلی بدکاری کے بناوٹی اخلاق کا ایسا دعوے ہو۔ آرامگاہون مین جوان اوباش مرد عورت خدمتگارون کو کھانا لانیکے لیے کہتے ہین تو بڑی بے حیائی سے ان سے بغلگیری کیجاتی ہین ہوتے ہین اور بوڑھے آدمی اس سے بھی زیادہ بیحیائی کے ساتھ ان کی چھاتیون کو ہاتھ لگاتے ہین ایسی صورتین کوئی تعجب کی بات نہین کہ کوئی جوان آدمی پیرس اور وائنا کے سخت آزمایش کے موقعون سے پاک صاف نکل آئے اور سٹاک ہالم مین آکر تباہ ہو۔ (ص ۱۶۱ - ۱۶۲)"

ان اقوال سے جو یہان نقل کیے گئے ہین یہ امر بالکل واضح ہے کہ زوج واحد کے قاعدہ کی سخت پابندی سے پرانی دنیا کے کسی ایک ملک مین بھی نیک اثر نہین ہوا بلکہ تعدد ازدواج کی ممانعت سے سخت درجہ کی بدکاری اور بیحیائی پھیلی ہے چنانچہ یہ شہادت جو اوپر نقل کی گئی ہے ایک ایسی کتاب سے ہے جو امریکہ مین لکھی گئی ہے۔ اسکے بعد وہی مصنف ملک کینیڈا کی حالت کو بیان کرتا ہوا لکھتا ہے کہ کینیڈا مین نہایت سخت قاعدے حفاظت اخلاق کیلیے جاری کیے گئے ہین مگر نتیجہ پھر بھی بالکل اطمینان بخش نہین اور ان لوگونکے خلاف ہے جو یہ چاہتے ہین کہ زوج واحد کے قاعدے کے ساتھ تعدد ازدواج کی اجازت نہین ہونی چاہئے۔ جہان قانون کی کھلی مخالفت ثابت ہوجاے وہان سزا ضرور ہوجاتی ہے۔ مگر ان لوگون کی مخفیہ کارروائیان جو نہ قانون کی پرواکرتے ہین اور نہ اخلاق کا پاس ویسی ہی ہین جیسے ریاست ہاے متحدہ مین یا دوسرے ممالک مین جہان زوج واحد کے سخت قاعدہ کی پابندی ہوتی ہے (ص ۱۶۲)

یہی حال ریاست ہاے متحدہ امریکہ کا ہے مارمنونکا ذکر کرتے ہوئے ڈاکٹر فٹ لکھتا ہے کہ آخر حکومت کیطرف سے

مجبور ہو کر انہون نے اپنے عزیز رواج پر جو تعدد ازدواج سے متعلق تھا ظاہر طور پر عمل کرنا چھوڑ دیا ہے مگر یہ امر کہ در پردہ اب بھی وہ اسپر عمل کرتے ہین خود اس بات سے ظاہر ہے کہ ان کا تو یہ مذہبی عقیدہ ہے حالانکہ ریاست ہائے متحدہ کے ہر ایک شہر مین جہان اس امر کو قانونی طور پر اور مذہبی طور پر سخت مذموم سمجھا جاتا ہے کہ کوئی شخص سوائے ایک بی بی کے کسی دوسری عورت سے تعلق رکھے عملی طور پر ایک ایک مرد اسقدر عورتون سے تعلق رکھتا ہے کہ ریاست یوٹا کے مارمنون مین تعدد ازدواج پر عمل کرنیوالے بھی اتنی بیویان نہین رکھتے۔ اگر ان شہرون مین ایک آدمی عام رائے قانون اور کانشنس کی ظاہر رعایت کر سکتا ہے حالانکہ در پردہ اس کی زندگی منافقانہ ہو۔ تو پھر ان لوگون سے کیسی امید رکھنی چاہیئے جنکا مذہب اور اخلاق تعدد ازدواج کی اجازت دیتے ہین پہلی صورت مین تو نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ایک عورت ایک مرد کی ناجایز محبت کا شکار ہو کر یا اسقاط کرتی ہے اور یا ایسی اولاد پیدا کرتی ہے جو بڑے بڑے شہرون کے کارخانون اور جیلخانون مین بھرتی ہوتے ہین اور دوسری طرف عمدہ اولاد پیدا ہوتی ہے جس کی پرورش ایک محبت اور پیار کرنیوالی مان کے ہاتھ مین ہوتی ہے جس نے نہ اپنی عزت کو کھویا ہوتا ہے اور نہ ہی سوسائیٹی مین اپنے مرتبہ کو کم کیا ہوتا ہے ایک بیرونی آدمی کی سمجھ مین جس کو وحشی کہا جائیگا۔ یہ باتین نہین آسکتین (ص ۸۷۳)

کبھی کبھی ایسا بھی ہو جاتا ہے کہ ان ممالک مین دو مرد اپنی بیبیان ایکدوسرے سے بدل لیتے ہین خواہ عارضی طور پر خواہ مستقل طور پر۔ نیو انگلینڈ کے ایک شہر مین ایک دفعہ دو مرد رہتے تھے جو سوسائیٹی مین عزت رکھتے تھے۔ انہون نے اپنی بیبیو نکو کل فریقونکی رضامندی سے اول بدل کر لیا ایسا ہی ہینے ریاست الینائیس کے دو خاوندونکا ذکر پڑھا ہے جنہون نے اسی طرح بیبیان بدل لین اور ایک نے بی بی کے ساتھ کچھ زاید معاوضہ بھی حاصل کیا بڑے بڑے شہرونکے بیاہے ہوئے آدمیون مین بیویونکی عارضی تبدیلیان عام ہین لیکن مستقل تبدیلیان سوائے ایسی حالت کے جہان اغوا ہو شاذ و نادر ہین ایک مورخ کہتا ہے کہ مشہور واضع قوانین لائی سرگس کا یہ خیال تھا کہ کھلے طور پر ایک مرد کا اپنی بی بی دوسرے کے حوالے کر دینا حسد کا سب سے عمدہ علاج ہے اور ان لوگون پر وہ ہنستا تھا جو عورت کے ناجایز تعلق پیدا کرنیکو اپنے لیے ایک ایسا صدمہ سمجھتے ہین جس کی برداشت نہین ہو سکتی جو لوگ آج کل بیویون کی تبدیلی کو جایز رکھتے ہین وہ اسیکے شاگرد معلوم ہوتے ہین (ص ۹۷۵)

بعض استثناؤنکے ساتھ امریکہ کی عورتین اپنے خاوندونسے وفاداری دکھاتی ہین اور بہت سارے خاوند بھی خصوصًا دیہاتی اضلاع کے رہنے والی عورتونسے وفاداری دکھاتے ہین مگر یہ امر کہ ہزارون کسبیان اور محبوبہ بڑے بڑے شہرون اور انکے قریب قریب کے دیہات مین رکھی جاتی ہین اس یقینی اور قطعی نتیجہ پر پہنچاتا ہے کہ اگرچہ بظاہر حکومت اور سوسائیٹی نے زوج واحد کا قاعدہ رکھا ہوا ہے مگر عملی طور پر بکثرت مرد ایسے مین جو ایک ہی بی بی پر کفایت نہین کرتے۔ نیویارک مین یہ ایک ضرب المثل ہے کہ اس شہر کی کسبیونکو عمومًا ان لوگونسے مدد پہنچتی ہے جو

دارالخلافہ کو دیکھنے کے لیے آتے ہین بعض واقعات جدیدہ سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ بعض عورتین بھی مردونکے نقش قدم پر چلتی ہین یعنی ناجایز تعلق پیدا کرتی ہین (ص ۹۷۶)

کیوبا کے متعلق ایک نامہ نگار کی چٹھی سے معلوم ہوا کہ کیوبا مین ایک پندرہ سال کی لڑکی فنیس داخل کر کے کسبی بن سکتی ہے۔ مگر ۲۰ سال کی عمر مین وہ بغیر والدین یا ولی کی اجازت کے جایز نکاح نہین کر سکتی اس نامہ نگار نے مجھے یہ بھی لکھا ہے کہ کیوبا مین مرض آتشک سخت زور پر ہے۔ اور تحقیقات سے ثابت ہوا ہے کہ ۸۰ فیصدی عورتین اس بلا مین گرفتار ہین۔ (ص ۹۸۶)

پورٹوریکو کے متعلق شرمان کہتا ہے کہ ان لوگون مین ولدالزنا بچونکی تعداد ولدالحلال بچونسے بڑھی ہوئی ہے (ص ۹۸۲)

ان واقعات کو ذکر کرنیکے بعد جس مین مختلف عیسائی ممالک کی حالتین بیان کی گئی ہین جہان تعدد ازدواج کی ممانعت ہے۔ ہوم سائیکلو پیڈیا لکھتا ہے کہ اب ہم یہ پوچھتے ہین کہ کیا ان قومونمین جو نام کو سچے عیسائی کہلاتی ہین پاکدامنی کی نیکی پائی جاتی ہے۔ اگر ہے تو پھر اسکا وجود کہان ہے۔ یقیناً یہ ہمارے بڑے بڑے شہرون مین تو نہین وہ اسکے نام سے ایسے خالی ہین جیسے اگسٹس کے زمانے مین۔ روما اور ایتھنز خالی تھے۔ نہ ہی یہ ہمارے دیہات مین ہے جہان ہر روز ایسے واقعات پیش آتے رہتے ہین جن کے گندے تذکرے مجلسون اور مجمعونمین ہوتے رہتے ہین۔ نہ ہی خاص طور پر اسکا وجود دیہاتی اضلاع مین پایا جاتا ہے۔ اسکے علاوہ بکثرت جوان عورتون کی طرف سے یہ دردناک آوازین آتی رہتی ہین۔ کیا بڑے شہرونسے اور کیا چھوٹے قصبون سے کہ ہمین کوئی ایسی تدبیر بتاؤ جو ہمارے نام کو آنیوالی ذلت سے بچائے۔ (ص ۱۰۲۴) اسکا مطلب یہ ہے کہ کثرت سے عورتین ڈاکٹرونکے پاس ایسی آتی ہین جو چاہتی ہین کہ ولدالزنا بچونکے اسقاط کی کوئی تجویز کیجاوے اس کتاب کا مصنف ایک ڈاکٹر ہی ہے اور وہ اپنا تجربہ بیان کر رہا ہے+

مگر کوئی شخص ایسا ہونا چاہیئے جو یہ اخلاقی جرات رکھتا ہو کہ پرانے قوانین نکاح کے کھول کھولکر نقص بیان کرے اور مرد و عورت کے تعلقات کے متعلق نئے قاعدے اور رواج پیش کرے کیونکہ یہ یقینی بات ہے کہ ہم بڑی تیزی سے ان بدکاریون اور بدعادات کیطرف لوٹ رہے ہین جنہون نے پیریکلز کے زمانے مین یونانیون کو تباہ کیا تھا۔ اور پھر ان کی بدعادتین تو ہمنے لے لی ہین مگر ان کی نیکی اور دیانتداری سے کوئی حصہ نہین لیا عفت کے پہلو سے لنڈن پیرس اور نیویارک آج قدیم ایتھنز سے بھی بدتر ہین۔ کیونکہ کام تو انکے وہی ہین جو یونانیونکے تھے مگر وہ اپنی بدکاریونکو تسلیم کرتے تھے اور ہم خطرناک سیہ کاریان کر کے انپر پردہ ڈالنا چاہتے ہین اور خاوند اور عورت ایکدوسرے کو دھوکا دینا چاہتے ہین اور نفاق آمیزی سے زندگیان بسر کر رہے ہین۔ (۹۹۲)

قبل اس کے جوان بدکاریون کے وجوہات اور علاج بیان کیا جاوے چند اور واقعات پر غور کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ عیسائی ممالک کے اندر قوانین نکاح کو از سر نو تجویز کرنیوالونکو یہ امر مدنظر رکھنا چاہیئے کہ مردون اور

عورتون کی تعداد مین نسبت کیا ہے اور آبادی کا میلان مردون کی زیادتی کیطرف ہے یا عورتون کی اس مضمون کو کسی قدر تعدد ازدواج کی ضرورت پر بحث کرتے ہوئے پہلے بھی بیان کیا جا چکا ہے اسلیے اس جگہ مین صرف ہوم سائیکلوپیڈیا سے ڈاکٹر فوٹ کے چند الفاظ نقل کرتا ہون وہ کہتا ہے:۔ کہ اسوقت تمام دنیا مین سوائے ان قطعات کے جو نئے آباد ہوئے ہین اور جہان روپیہ کمانے کی غرض سے مرد زیادہ جاتے ہین ہر ایک ملک مین آبادی کا میلان یہ ہے کہ بلوغت کی عمر مین عورتونکی تعداد مردونسے بڑھ رہی ہے۔ جولائی ۱۹۰۹ء مین نیویارک ٹریبون نے لکھا تھا کہ عورتونکی ملازمت کے لیے جو انجمن بنائی گئی ہے اسکے سالانہ اجلاس مین انجمن کے پریزیڈنٹ سر اوون رابرٹس نے بیان کیا کہ انگلستان مین عورتون کی تعداد مردون سے بیس لاکھ زیادہ ہے اور نو آبادیون مین بھی اسی نسبت سے عورتونکی تعداد مین زیادتی ہے۔ ایسا ہی ایک اخبار نویس نے تیس سال ہوئے اس مضمون پر لکھتے ہوئے کہ عورتونکو اس قابل بنانا چاہیے کہ وہ اپنا گذارہ آپ کر سکین یہ لکھا تھا کہ اسوقت تمام گنجان آبادی کا میلان یہ ہے کہ عورتونکی تعداد مردون سے دن بدن بڑھ رہی ہے اور ہمین ان زاید عورتونکے لیے کوئی شغل نکالنا چاہیئے جب ہم بیرونی ممالک کیطرف نظر کرتے ہین تو معلوم ہوتا ہے کہ پندرہ سال کی عمر سے نیچے لڑکون کی تعداد لڑکیونسے زیادہ ہے مگر پندرہ سال سے اوپر عورتون کی تعداد مردونسے بڑھکر ہے اور نوّے برس کی عمر تک یہی حال ہے۔ سو یہ بیرونی قومون پر یہی بات صادق آتی ہے انگلستان مین عورتونکو مردون سے ۳ اور ۲ کی نسبت ہے یعنی ہر دو مردونکے لیے تین عورتین موجود ہین۔ اور فرانس مین جہان عموماً عمرین زیادہ ہوتی ہین عورتون کی نسبت اس سے بھی بڑھکر ہے ریاست مساچوزٹس مین بیس ہزار عورتین مردونسے زیادہ ہین (۱۹۰۸ء مین عورتون کی زیادتی ساٹھ ہزار تک پہنچ گئی تھی) کنکٹیکٹ مین ۴۱۱۴ عورتین زیادہ ہین (۱۹۰۸ء مین ۲۱۸۷ کی زیادتی ہو گئی تھی) ورمانٹ اور مینی ریاستون مین مردون کی تعداد مین خفیف سی زیادتی ہے۔ مگر نیویارک کی ریاست مین ۴۳۲۵ عورتین مردون سے زیادہ ہین (۱۹۰۸ء کی آبادی مین عورتون کی زیادتی ۷۰۶۴ تک پہنچ گئی تھی)۔ صرف ایک شہر نیویارک مین بیس ہزار عورتون کی زیادتی ہے۔ یاد رہے کہ اخبار نویس کی یہ تحریر بہت مدت کی ہے اور جب سے بڑا نیویارک پیدا ہو گیا ہے عورتونکی تعداد مین بہت ہی زیادتی ہو گئی ہے۔ یہ ثابت کیا گیا ہے کہ میلان آبادی یہ ہے کہ عورتونکی تعداد مردونسے بڑھتی جاتی ہے پس جیسا جیسا ہم تہذیب مین ترقی کرینگے یہ تعداد اور بھی بڑھتی جاوے گی۔ مین (مصنف کتاب) اسقدر اور بڑھاتا ہون کہ میری لینڈ۔ نیو جرسی۔ نارتھ کیرولاینا۔ سوتھ کیرولاینا اور ورجینیا ان تمام ریاستون مین اس وقت عورتون کی تعداد مردون سے بہت بڑھی ہوئی ہے (ص ۱۰۱۷)

جن باتون کا ان واقعات سے ثبوت ملتا ہے انکو سب لوگ جانتے ہین مگر مین نے مفصل طور پر خود مغربی مصنفونکے قول اسلیئے نقل کیے ہین کہ عفت کے معاملہ مین مہذب اقوام کی گری ہوئی حالت کو بیان کرنے مین یہ الزام مجھپر عاید

نہ ہو کہ مینے طرفداری یا تعصب سے کام لیا ہے۔ ان واقعات کو بیان کر دینے کے بعد اب یہ ضروری ہے کہ مغربی رواج نے وہ نقص اور کمزوریان معلوم کیجاوین جن کا نتیجہ سوسائیٹی کی یہ قابل افسوس حالت ہے اور ان علامات سے مرض کی تشخیص کر کے علاج کیطرف توجہ کیجاوے مین ان واقعات پر بہت غور کرنیکے بعد مفصلہ ذیل نتایج پر پہنچا ہون جنسے کسی سمجھدار آدمی کو انکار نہین ہو سکتا۔ اول یہ کہ تمام مہذب سوسائیٹیون مین بیاہے ہوئے مرد اور عورتین نہ صرف اجنبیونکے ساتھ آزادانہ تعلقات رکھتے ہین بلکہ واقعی طور پر نکاح کے دایرے کے اندر اور باہر بھی پاک دامنی نایاب ہو رہی ہے اور اخلاقی حالتین اس معاملہ مین بہت گری ہوئی حالت مین ہین۔ دویم یہ کہ ان سوسائیٹیو مین زندگی کا وہ حصہ جو خاوند اور عورت کے تعلقات کے متعلق ہے بہت ہی تلخ ہو رہا ہے اور اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ خاوند یا عورت مین سے دونون یا ایک اجنبیونسے وہ تعلقات پیدا کر لیتے ہین جو خاوند یا بیوی سے ہونے چاہیئے۔ سویم یہ کہ جس حد تک ان ممالک مین سے کسی مین مرد و عورت کے کھلے تعلقات کو روکا گیا ہے اس حد تک مردون اور عورتون کی زندگیان کم لوث ہین۔ چہارم یہ کہ جن قومون نے تعدد ازواج کی قطعی ممانعت کر دی ہے ان مین بدکاری اور زناکاری کیا بیاہے ہوؤن مین اور کیا بن بیاہوں مین بہت کثرت سے پھیلی ہوئی ہے۔ پانچوین یہ کہ اس قسم کی تمام قومونکو رنڈی بازی کی قانوناً اجازت دینی پڑی ہے۔ چھٹے یہ کہ بیاہے ہوئے مردون اور عورتون مین مرد بہ نسبت عورتونکے زیادہ خاین ہین۔ ساتوین یہ کہ زناکاری کا پیشہ عموماً ان عورتون نے اختیار کیا ہے جنکو جایز طور پر خاوند نہین ملے اور جنکو وہ ذرائع میسر نہین آسکے جنسے وہ معزز طور پر مائین یا بیویان بن کر نیک زندگیان بسر کر سکین۔ آٹھوین یہ کہ تمام مہذب ممالک مین جہان تعدد ازواج کی ممانعت کیگئی ہے عورتونکی تعداد مردونسے بہت بڑھی ہوئی ہے۔

یہ نقص ان قوانین نکاح مین نظر آتے ہین جو اسوقت مغرب مین مروج ہین ان مین سے پہلے تین عنوانونکے ماتحت جو باتین بیان کیگئی ہین انپر بحث اکٹھی کیجاوے گی۔ اس سے تو کیسیکو انکار نہین کہ گھرونکے اندر خاوندون اور عورتون مین اکثر رنجدہ واقعات پیدا ہوتے رہتے ہین جنسے زندگی دوبھر ہو جاتی ہے مگر اسکے علاج مین غلط پہلو اختیار کیا جاتا ہے مثلاً ایک علاج یہ تجویز کیا گیا تھا کہ نکاح چند روزہ ہوا کرین اور کچھ مدت گذر جانیکے بعد خاوند اور عورت کے تعلق خود بخود ختم ہو کر فریقین کو اجازت ہونی چاہیئے کہ وہ از سر نو اپنے اپنے تعلقات حسب خواہش خود پیدا کرین اس تجویز سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ ان ممالک مین عموماً بیاہ کے بعد گھر کے اندر کی حالت ایسی بگڑ جاتی ہے کہ خاوند اور عورت کا اکٹھا رہنا مشکل ہو جاتا ہے ابھی کل ہی سول ملٹری گزٹ لاہور مین مینے ایک قصہ پڑھا ہے جو بطور ناول لکھا گیا ہے مگر جس کی غرض یہ ہے کہ بیاہ کے بعد گھر کی اندرونی زندگی پر روشنی ڈالے اور ان واقعات کو ظاہر کرے جو اکثر انگریز گھرونکے اندر روزمرہ پیش آتے ہین اس قصہ مین شادی کے چند سال بعد عورت کی

محبت خاوند سے ٹوٹ جاتی ہے کیونکہ اسکے دل مین کسی اور کا عشق پیدا ہو جاتا ہے یہ تو ایک قصہ ہے اس قسم کے
ہزار ہا ناول آج کل لکھے جاتے ہین جن مین مہذب زندگی کے اس پہلو کی اصل حالت کو ظاہر کیا گیا ہے شادی
کے بعد خاوند کی محبت کسی نقالن سے ہو جاتی ہے یا وہ کسی اور کو اپنی محبوبہ بنا لیتا ہے اور مرد و عورت دونون
کی زندگی اسی دنیا مین ایک دوزخ کا نمونہ ہو جاتی ہے ان واقعات کا آخر یہ اثر ہوا ہے کہ نکاح سے دن بدن
نفرت بڑھتی جاتی ہے اور مہذب ممالک مین ایسے مردون اور عورتونکی کثرت ہوگئی ہے جو باقاعدہ نکاح کرنیکے
بغیر اپنی ساری زندگی بسر کرتے ہین یہ جو تہذیب کا میلان مجرّدانہ زندگی کیطرف ہو رہا ہے اسکا بد اثر ایک سطحی
نظر سے بھی معلوم ہو سکتا ہے۔ یعنی اگر یہ تجرد واقعی اور حقیقی ہو تو نتیجہ یہ ہوگا کہ انسانی نسل کا خاتمہ ہو جاوے
اور اگر صرف دکھانیکے لیے تجرد ہے اور اندرونی زندگی اَور رنگ کی ہے تو ولد الزنا بچونکی کثرت سے آخر ایک ایسی نسل
پھیل جائے گی جو والدین کا امتیاز نہ ہونیکے سبب سے وحشیونکی طرح ہوگی۔ ان واقعات کے تحت چند روزہ نکاحون
کی تجویز پیش کرنا یا یہ کہنا کہ نکاح مطلقاً ہو ہی نہ بلکہ جہان تعلقات محبّت ہون وہین تعلقات زن وشوئی
بھی ہون جسکو آج کل مہذب ممالک مین آزادانہ محبت کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ یہ بیماری کا علاج نہین بلکہ
اسکو اور بھی بڑھانے کی تجویزین ہین۔ جو لوگ قوم مین اصلاح کرنا چاہتے ہین ان کا فرض ہے کہ ٹھنڈے
اور بے تعصّب دل سے ان مشکلات کی اصل وجوہ کو تلاش کرین اور جن اسباب سے یہ امراض پیدا ہوتی ہین انکو
دور کرنے کی کوشش کرین یہ ٹھیک نہین کہ ایک مرد اور ایک عورت کے تعلق مین جو بذریعہ نکاح پیدا ہوتا ہے۔
زندگی کا ایک ہی ڈھنگ رہنے سے طبیعت اکتا جاتی ہے اور اسوجہ سے جھگڑے پیدا ہوتے ہین اگر کوئی
خارجی واقعات ایسے پیش نہ آوین جن سے مرد یا عورت کی محبت اپنے جوڑے سے ٹوٹ کر اور جگہ پیدا ہو جاوے
تو اس قسم کے واقعات اندرونی فساد کے پیش نہین آسکتے کیونکہ نکاح مین محبت کا ایک بیج بویا جاتا ہے اور
جبتک کوئی ایسا جھگڑا نہین آتا جو اس نازک پودے کو جڑ سے اکھاڑ کر پھینک دے یا جبتک مرد و عورت
کی باہمی محبت کے پانی کو اسکی آبپاشی سے نہ روکا جاوے تب تک کوئی وجہ نہین کہ اس محبت مین بجائے
زیادتی کے کمی آوے۔ اگرچہ مین اس امر کو تسلیم کرتا ہون کہ خانگی تنازعات کے پیدا ہونے کی ایک وجہ نہین
بلکہ ہزار ہا وجوہ ہو سکتے ہین لیکن ان مین سب سے بڑی وجہ جسنے لاکھون آباد گھرونکو تباہ کیا ہے اور جو بیاہ
کے تعلقات کو جڑ سے کاٹتی ہے یہ ہے کہ خاوند اور عورت دونون یا دونون مین سے ایک کی محبت کسی اور جگہ
ہو جاتی ہے اور مہذب ممالک مین اس مرض کے کثرت سے پھیلجانے کی وجہ صرف یہی ہے کہ مردون اور عورتونکے
نامناسب طور پر کھلے تعلقات ہین جسقدر زیادہ آزادی ان تعلقات مین ہوگی اسیقدر زیادہ تباہی ڈالنے
والے نتائج ہونگے۔ چنانچہ پیرس کے متعلق ایک لیڈی کی رائے نقل کیجا چکی ہے کہ وہان کثرت بدکاری کی

جو نکاح کے دایرے کے اندر ہوتی ہے بڑی بھاری وجہ یہ ہے کہ بیاہی ہوئی عورتین غیر مردونسے گفتگو مین اور میل جول مین بہت ہی کھلے تعلقات رکھتی ہین یہانتک کہ جہان جی چاہے انکے ساتھ چلی جاتی ہین اس آزادی کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ بیاہے ہوئے مردون اور عورتون مین فرانس مین دیگر عیسائی ممالک کی نسبت بدکاری کی نسبت بھی بڑھی ہوئی ہے ایسا ہی ہسپانیہ اور اٹلی کے متعلق امریکہ کے ایک فاضل محقق نے پوری تحقیق کے بعد یہ رائے ظاہر کی ہے کہ وہان کنواری لڑکیان عموماً غیر مردون سے کم ملتی جلتی ہین اور اسلیے کنوارپن مین ان کی اخلاقی حالتین بھی اچھی ہوتی ہین اور وہ نسبتاً بہت پاکدامن ہوتی ہین مگر جونہی نکاح ہوا پھر عورت کو آزادی ہے جہان چاہے اور جسکے ساتھ چاہے تعلق رکھے۔ اور اس سے بیاہے ہوئے مردون اور عورتوںمین پرلے درجہ کی بیحیائی اور بدکاری پھیل گئی ہے پس ان واقعات سے ظاہر ہے کہ جسقدر مردون اور عورتون کے کھلے تعلقات کو روکا گیا ہے اسیقدر ترقی پاکدامنی مین بھی ہوئی ہے اور جسقدر ان تعلقات کی آزادی کو بڑھایا گیا ہے اسیقدر بدکاری بھی زیادہ پھیلی ہے پس اس بیماری کا علاج جو مہذب ممالک مین لاعلاج ثابت ہو رہی ہے سوائے پردہ کے اور کچھ نہین یعنی اجنبی مردون اور عورتونکے کھلے تعلقات کو روکدیا جاوے میرا یہ منشا نہین کہ پردہ ایسا علاج ہے کہ اس سے ساری بدکاریان ..... یک لخت ایسی دور ہو جاتی ہین کہ انکا نام و نشان بھی نہ رہے کیونکہ یہ کمال انسانی سوسایٹی کو اس دنیا مین ہرگز حاصل نہین ہو سکتا موجودہ انسانی فطرت جبتک رہے گی تب تک اس قسم کے واقعات کم و بیش پیش آتے ہی رہینگے ہان یہ ضرور ہے کہ پردہ ایک ایسا علاج ہے جو بہت کچھ اس معاملہ مین اصلاح کر سکتا ہے اور بدی کو بہت حد تک دور کر سکتا ہے پس جہانتک انسانی فطرت کو مدنظر رکھکر کوئی اصلاح مردون اور عورتونکے موجودہ تعلقات مین کیجا سکتی ہے پردہ ایک نہایت ہی عمدہ اور مفید علاج ہے کیونکہ پردہ بہت سے بدی کے مواقع کو دور کر دیتا ہے جنسے اگر پیش آجاوین تو بچنا کسی کا ہی کام ہے۔

پردہ کے مضمون پر مفصل بحث پہلے گذر چکی ہے۔ یہان صرف یہ دکھانا مقصود ہے کہ مہذب ممالک مین اس کے رواج دینے سے کیا کیا فواید ہو سکتے ہین اور مغربی سوسائیٹی کی کن امراض کا یہ سچا علاج ہے مغرب مین تمام بدکاریون اور گھر کے اندر کے فسادون کی جڑ صرف یہ ہے کہ مردون اور عورتونکو ہر وقت یہ موقع حاصل ہے کہ جہان چاہین تعلقات محبت پیدا کر لین اور وہ خوشی جو گھر کے اندر حاصل ہو سکتی ہے اسے گھر سے باہر حاصل کرین کیونکہ جس صورت مین جوان عورتین دلربائی کے تمام سامانون سے آراستہ ہوکر جوان مردونسے جو ہنوز اپنے نفسانی جذبات پر قابو نہین رکھتے ملین گی اور ان سے آزادانہ گفتگو کرینگی اور جہان ان کا جی چاہے تنہائی مین انکے ساتھ جا سکین گی تو آگے آزادی سے جو نتیجہ پیدا ہو سکتا ہے وہ ظاہر ہے اور یہ صرف قیاس نہین

بلکہ جو سوسائیٹی کا نقشہ خود یورپین لوگون نے کھینچا ہے اس سے ظاہر ہے کہ واقعی جسقدر بدنتیجہ کی امید کیجا سکتی ہے اس سے بھی بڑھکر بدنتائج مہذب اقوام مین اس بے پردگی سے پیدا ہو رہے ہین مین سمجھتا ہون کہ سادہ قومونکی نسبت ان مہذب اقوام مین پردہ کیضرورت اور بھی زیادہ ہوگئی ہے کیونکہ تہذیب کی ترقی سے بجاے سادگی کے زیب و زینت کے سامان بڑھتے جاتے ہین خوبصورتی نئے نئے انداز پیدا کر رہی ہے اور آرام اور آسایش کے اسباب کے بکثرت مہیا ہونیسے نفسانی خواہشان دن بدن بڑھ رہی ہین۔ یہ سب نفسانی خواہشات کے بڑہانیکے سامان ہین اور اسلیے جسقدر یہ سامان سہل الحصول ہوتے جاوینگے اسیقدر پردہ کی ضرورت بھی نسبتاً بڑھتی جاویگی یا یون کہو کہ پردہ کی عدم موجودگی سے اسیقدر بدکاریان اور فواحش زیادہ پھیلتے جاوینگے۔ معترضین کا بڑا زور تعلیم پر ہوتا ہے پر مین کہتا ہون کہ پہلے تعلیم کے کوئی نتائج پیش کرنے چاہئے اور پھر اسبات پر زور دینا بجا ہوگا کہ پردہ کی ضرورت کو بھی تعلیم نے پورا کر دیا ہے کیا تعلیم ہمارے ہان وہی اثر پیدا کرے گی جو اس نے سویڈن کی مہذب قوم کے بیے سٹاک ہالم مین پیدا کیا ہے یا اسٹریا کے مہذب قوم کیلیے وایانا مین۔ یا مہذب فرانسیسیونکے لیئے پیرس مین۔ یا مہذب انگریزونکے لیے لنڈن مین۔ یا مہذب امریکہ والونکے لیے نیویارک مین یہی شہر آج دنیا مین تہذیب کے بڑے مرکز ہین اور نہایت رنج اور افسوس سے ظاہر کرنا پڑتا ہے کہ بدکاری کے بڑے مرکز بھی دنیا مین آج یہی ہین۔ کیا انسان خدا کے قانون قدرت سے لڑ سکتا ہے اگر نہین تو پھر اصلاح کا وہ پہلو اختیار کرنا چاہیئے جو فطرت انسانی اور قانون قدرت کے مواقف ہو۔ قدرت نے تو انسان کے نفس کے اندر یہ بات رکھدی ہے کہ خوبصورت عورتونکے میل جول سے اسکے جذبات حیوانی جوش مین آوین کیا تہذیب نے اس قانون قدرت کو بدلدیا ہے نہین بلکہ اسکا زیادہ نمایان اثر مہذب ممالک مین ہی نظر آتا ہے نہ ہی تہذیب یا تعلیم نے ابتک مردون اور عورتونکو ایسے پاکدل بنا دیا ہے کہ ایکدوسرے سے ملکر انکے جذبات نفسانی کو تحریک نہ ہو اور کوئی بدخیال انکے دلون مین یا ان مین سے اکثرون کے دلون مین نہ گھس سکے پس سچی اصلاح یہ ہے کہ جہانتک ہماری طاقت مین ہے ہم ان مواقع کو دور کرین جنسے بدی پیدا ہوتی ہے اور یہی پردہ کی تعلیم دینے مین قرآن کریم کا منشا رہے۔ تجربہ بتاتا ہے کہ اول جوش محبت سے جو ایک جوان مرد اور عورت زندگی کی ایک صاف سڑک اپنے دل مین تجویز کر لیتے ہین وہ محض انکے جوشونکا ولولہ ہوتا ہے نکاح کے بعد چھوٹے چھوٹے رنجدہ واقعات کم و بیش ہر گھر مین پیدا ہوتے رہتے ہین اور جس خاوند اور عورت کے تعلقات سچے عشق پر مبنی ہوتے ہین ان مین بھی باہم کبھی نہ کبھی کچھ رنجش پیدا ہو جاتی ہے پس وہ خوشی جسکی گھر مین ملنے کی امید ہوتی ہے ہمیشہ امید کے مطابق حاصل نہین ہوتی اس قسم کے واقعات کے پیدا ہونے پر اگر خاوند اور عورت دونون کو یہ موقع حاصل ہے کہ جو خوشی گھر مین انکو نہین مل سکی وہ باہر تلاش کرین یعنی وہ خوشی جو مرد اور عورت کی محبت سے ایکدوسرے کو حاصل ہوتی ہے تو کوئی

وجہ نہین کہ وہ اس خوشی کو باہر کیون تلاش نہ کرین بلکہ اس قسم کا موقع ملنے سے چھوٹی چھوٹی رنجشین بڑے خطرناک پہلو اختیار کر لیتی ہین۔ معمولی شکایتین بلکہ ایسی شکایتین جن کا در اصل وجود ہی کوئی نہین ہوتا نازک صورت اختیار کر لیتی ہین اور بجائے اسکے جو تھوڑی دیر بعد وہی تعلقات محبت خاوند اور عورت مین دوبارہ قایم ہو جاوین جدائی بڑھتی جاتی ہے۔ سو خاوند خوشی حاصل کرنیکے لیے کہین پھر رہا ہے اور عورت اگر بڑی عفیف نہین تو وہ بھی اپنی خوشی کے حصول کیلیئے کوئی موقعہ تلاش کرتی رہتی ہے۔ بے پردگی کی صورت مین انسان اپنی حالت پر قانع کبھی نہین ہو سکتا اور اسسے تمام نقص پیدا ہوتے ہین مین جانتا ہون کہ مخالفین پردہ کا سب سے بڑا اعتراض پردہ کے خلاف یہی ہے کہ عورتونکے پردہ مین رہنے سے وہ خوشی حاصل نہین ہو سکتی جو مردون اور عورتونکے میل جول سے پیدا ہوتی ہے لیکن پہلے مضمون مین یہ ثابت کر دیا گیا ہے کہ یہ خوشی اس اصلی اور حقیقی خوشی کو قربان کرکے حاصل ہو سکتی ہے جو انسان کو اپنے گھر مین ملتی ہے۔ مین چاہتا ہون کہ کوئی شخص اس مضمون پر قلم اٹھاوے کہ وہ کونسا مفصلہ اعتراض پردہ کے خلاف ہے اور جس صورت مین پردہ خطرناک امراض سوسائیٹی کا علاج ہے پھر اسکے اختیار کرنیسے کونسا امر مانع ہے۔ ساتھ ہی دوسرے پہلو پر بھی غور کرنا چاہیئے کہ پردہ کی عدم موجودگی مین آہستہ آہستہ سوسائیٹی کی یہ حالت ہو جائے گی کہ نکاح کے مقدس رواج کا خاتمہ ہو کر حیوانونکی طرح مردون اور عورتونکا بلا امتیاز میل جول ہوگا۔ ضرور ہے کہ ان دونون امور مین سے مہذب سوسائیٹی آخر ایک کو قبول کرے اور اگرچہ اسوقت میلان پردہ کے خلاف اور بیقیدی کیطرف ہے مگر ہمین مایوس نہین ہونا چاہیئے کہ عیسائی اقوام کبھی حق کو قبول نہ کرینگی کیونکہ جس قسم کی بیقیدی کیطرف اب مہذب سوسائیٹی حرکت کر رہی ہے وہ ہر ایک بے تعصب سمجھدار آدمی کو نفرت دلانے والی ہے۔

پردہ نہ صرف گھر کے اندرونی زندگی کی اصل خوشحالی اور حقیقی راحت کا ہی محافظ ہوگا بلکہ اسکے رواج دینے سے شریف عورتونکی عفت محفوظ ہو جائے گی۔ مہذب ممالک مین ہزارہا ایسی مثالین آئے دن دیکھی جاتی ہین کہ ایک معصوم لڑکی کی عصمت محض اس لیے برباد ہو گئی ہے کہ اسنے اپنے عاشق کی محبت پر بھروسہ کر لیا اور اپنے آپکو اسکے حوالے کر دیا۔ دنیا مین بہت سے ایسے بدمعاش ہین کہ سادہ لوح لڑکیونکو محبت اور شادی کی طلبگاری جتلا کر دام تزویر مین پھنسا لیتے ہین اور پھر جب انکی عزت و عفت برباد کر چکتے ہین تو الگ ہو جاتے ہین اور وہ بیچاری اگر شرم رکھتی ہین تو خودکشی کرتی ہین یا اسقاط کے ذرایع اختیار کرکے خطرناک جرایم کی مرتکب ہوتی ہین اور یا آخر بدکاری کا پیشہ اختیار کرتی ہین یہ کسقدر ظلم ہو رہا ہے مگر اسکی اصلاح کیطرف مطلق توجہ نہین کیجاتی۔ یہ بیچاری لڑکیان قابل رحم اسیلیے ہین کہ اگر انکو ایسے امتحان مین نہ ڈالا جاتا تو بہت ساری ان مین سے بالکل بچی رہتین مگر مغرب کے رواج ایسے ہین کہ پہلے ان غریبونکو شیطان کے تسلط مین دیدیا جاتا ہے اور جب شیطان ان پر غالب

آجاتا ہے۔ تو پھر اُن پر بدنامی کا دھبہ لگایا جاتا ہے حالانکہ اصل قصور ان کا نہین بلکہ ان رواجون کا ہے جو سادہ لوح عورتون کو اس طرح پر از جذبات جوانون سے تعلق محبت پیدا کرنے اور ہر قسم کی آزادی رکھنے کا موقعہ دیتے ہین۔ یورپ مین نکاح سے پہلے جو محبت یا عشق ظاہر کرنیکا طریق اختیار کیا گیا ہے وہ جوان مردون اور عورتون کیلیے نہایت خطرناک ثابت ہوا ہے کیونکہ ممکن ہی نہین کہ جب دونو طرف پوری طرح حیوانی جذبات کے نیچے ہون اور جوانی کو پہونچکر انکی خواہشات نفسانی انپر غالب ہو چکی ہون تو پھر تخلیہ مین وہ بچ سکین یہی وجہ ہے کہ ولد الحرام بچون کی تعداد دن بدن بڑھ رہی ہے۔ بیقیدی کے ساتھ جوان مرد اور عورت کا ملنا اور تخلیہ مین ایکدوسرے سے اظہار محبت کرنا آخر یہانتک ترقی کر گیا ہے کہ ویلز اور جرمنی کے بعض حصون مین یہ طریق مروج ہے اور انگلستان کے بعض حصون مین آج سے کچھ مدت پہلے بھی یہی طریق مروج تھا کہ عاشق رات کے وقت آکر اپنی محبوبہ کے ساتھ اسی بستر پر سوجاتا۔۔۔۔ اور پھر اسی حالت مین اسپر اپنے عشق کا اظہار کرتا۔۔۔۔ کوئی کہہ سکتا ہے کہ اس حالت مین دونون فریق اپنے جذبات پر قابو رکھ سکین گے اور کسی بدکاری کے مرتکب نہین ہونگے مگر ثابت شدہ ہے کہ ولد الزنا بچون کی تعداد دونون طریقون مین ایک سی ہی ہے یعنے خواہ اظہار محبت عاشق اور معشوقہ کا دنکے وقت تخلیہ مین ہو یا رات کے وقت بستر پر۔ اخلاقی امراض کا علاج اسی طرح پر ہونا چاہئے جیسے جسمانی امراض کا یعنی انکے اسباب کیطرف توجہ کرنی چاہئے۔ اور اس بات پر نہین بھولے رہنا چاہئے کہ تعلیم ہی ہر ایک مرض کا علاج ہو گی۔ تعلیم آخر فطرت انسانی کو نہین بدل سکتی اور نہ خدا کے مقرر کردہ قانون کو توڑ سکتی ہے۔ جذبات اپنا کام تعلیم یافتہ مردون اور عورتون مین اسی طرح کرتے ہین جیسے بھوک اور پیاس۔ اور اگر ہم خود جوان مردون اور عورتونکو ایسے موقعہ دین کہ وہ ایسی حالتون مین اکٹھے ہون جہان انکے جذبات کو تحریک دینے والی توسب باتین موجود ہون اور روکنے والی کوئی چیز نہ ہو پھر اگر وہ پھسل جاوین تو یہ ایسا انکا قصور نہین جیسا اس رواج کا جسکے ماتحت انکو ایسی آزادی اور بیقیدی دیگئی ہے۔ میری سمجھ مین جوان مردون اور عورتونکی پاکدامنی کا محافظ صرف پردہ ہی ہو سکتا ہے اور بہت سی سادہ لڑکیونکو پردہ ہی ذلت سے بچا سکتا ہے اور ولد الزنا بچونکی تعداد کے کم کرنیکا ذریعہ پردہ ہی ہو سکتا ہے اگر پردہ کے سوا کسی اور بات سے بھی یہ فواید حاصل ہو سکتے تو یقیناً مہذب ممالک مین انکا وجود نظر آنا چاہئے تھا۔

اس تحقیقات سے یہ بات ظاہر ہے کہ ان اخلاقی اور تمدنی امراض کا علاج جو مغرب مین پھیلی ہوئی ہین ایک حدتک پردہ ہو سکتا ہے۔ مگر اکیلا پردہ ہی ان تمام امراض کے علاج کیلیے کافی نہین اسلیے اب باقی پانچ باتونپر غور کرکے یہ معلوم کرنا ضروری ہے کہ پردہ کے علاوہ اور کونسا علاج ہے جسکو اختیار کرنیسے یہ امراض جڑ سے کٹ سکتے ہین یہ تو ہم دیکھ چکے ہین کہ مغرب کی مہذب عیسائی اقوام مین پاکدامنی مردون اور عورتون کے درمیان بہت ہی کم ہو گئی ہے کیا نکاح کے دایرہ کے اندر اور کیا اس سے باہر۔ اور رنڈی بازی جیسی سیہ کاری کی آخر قانون

کو اجازت دینی پڑی ہے اور یہ بھی امر ثابت ہے کہ نکاح کے دایرہ کے اندر مرد عورتون کی نسبت زیادہ زنا کے مرتکب ہوتے ہین اور عورتون مین زیادہ تعداد بدکاری مین مبتلا ہونیوالی ان عورتونکی ہے جنکو خاوند نہین ملتے اور یہ بھی معلوم ہوچکا ہے کہ عورتونکی تعداد تمام مہذب ممالک مین مردونسے زیادہ ہے۔ ان تمام باتونکا علاج تعدد ازدواج ہے اور اسکے وجوہات حسب ذیل ہین۔ عورتون کی تعداد مردون کی تعداد سے بہت بڑھی ہوئی ہے۔ اور زوج واحد کے قاعدہ کے ماتحت ایک کثیر تعداد ایسی عورتونکی رہجاتی ہے جنکو خاوند تلاش کرنیسے بھی نہین مل سکتے۔ اگر مردونکی تعداد عورتونسے بڑھکر ہوتی تو زوج واحد کا قاعدہ درست رہتا کیونکہ مرد بہ سبب اشغال جنگ اور دوسرے اشغال کے جن کی وجہ سے انکو باہر رہنا پڑتا ہے عورتونکی نسبت کسیقدر زیادہ ہی درکار ہین۔ مگر واقعات اسکے خلاف ہین اور ایک دو نہین بلکہ کل کے کل عیسائی ممالک مین عورتونکی تعداد مردونسے بہت زیادہ ہے اور آگے آبادی کا میلان یہ ہے کہ عورتونکی زیادتی روز بروز ترقی پر ہے باقی ہے وہ ممالک جہان تعدد ازدواج کی اجازت ہے سو اس رواج کی موجودگی ہی اس امر پر شاہد ہے کہ وہان عورتونکی تعداد مردونسے زیادہ ہے یہ خیال بالکل غلط ہے کہ موخر الذکر ممالک مین بعض لوگ کئی کئی بیبیان کرلیتے ہین اور بعض بالکل محروم رہجاتے ہین کیونکہ جبتک کسی عورت کو ایسا خاوند حسب منشا مل سکتا ہے جسکے پہلے بیوی نہین تو وہ یقیناً سوت بننا پسند نہین کریگی۔ الغرض اسمین شک نہین ہوسکتا کہ دنیا مین عورتونکی تعداد مردونسے زیادہ ہے۔ اور ابھی دن بدن عوتون کی تعداد مین اور بھی زیادتی ہورہی ہے بلکہ کہا جاتا ہے کہ عورتونکی تعداد مین ترقی تہذیب کی ترقی سے وابستہ ہے یہ وہ امر ہے جسکو عیسائی مصنفین نے تسلیم کیا ہے اور جو کچھ ہی اسکی وجہ ہے۔ عیسائیون کو جنہون نے تعدد ازدواج کو رد کیا ہے ملزم کرنیکے لیے یہ کافی ہے وہ تعدد ازدواج کے منکر ہوتے تھے مگر اب خدا نے ایک ایسی بات پیدا کردی ہے جسکا علاج سوائے تعدد ازدواج کے کچھ نہین +

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ زاید عورتونکو کیا کیا جاوے۔ اس سوال نے عیسائی مصنفین کو حیرت مین ڈالدیا ہے اور اسکا جواب جو ابتک انہون نے دیا ہے صرف یہ ہے کہ انکے گذارہ کیلیے کوئی شغل یا ملازمت تلاش کرنی چاہیئے لیکن جہان کسی پیشہ یا ملازمت کے اختیار کرنیسے ان عورتونکے گذارہ کی سبیل نکل آئیگی کیا ان اشغال سے ان کی فطری خواہش جو مرد کیلیے ہے وہ بھی پوری ہوجاوگی؟ اگر کوئی شخص دنیا مین ایسا موجود ہے جسکا یہ خیال ہو کہ ملازمت یا پیشہ کے اختیار کرنیسے عورت کی فطری خواہش مرد کیلیے بھی پوری ہوجاوے گی تو مین اسکا جواب سننے کیلیے منتظر ہون خواہ وہ مسٹر دلاور حسین ہو یا کوئی اور دشمن تعدد ازدواج مشرقی ہو یا مغربی اور اگر اشغال انکے فطری جذبات کو پورا نہین کرسکتے تو پھر یہ سوال ہوتا ہے کہ آیا خدا تعالے نے یہ زاید عورتین ایسی پیدا کی ہین کہ ان مین وہ فطری خواہش ہی نہ رکھی ہو جو باقی عورت ذات مین موجود ہے۔ کیا قدرت نے کوئی انکی

پیدائش مین ہی ایسا امتیاز رکھدیا ہے کہ اس سے معلوم ہو جاوے کہ اسقدر عورتین نکاح کرنیکے لیے پیدا کی گئی ہین اور اس قدر زاید ہین جن کے پیدا کرنیسے غرض صرف اسیقدر ہے کہ وہ کوئی ملازمت کرکے اپنا پیٹ بھر لیا کرین اور مرد کی خواہش ان کے دلون مین کبھی پیدا ہی نہین ہوتی اگر ان دونون باتون مین سے کوئی بھی سچ نہین جیسا کہ ہر ایک سمجھدار آدمی کو اقرار کرنا پڑیگا تو پھر تعدد ازدواج کو کیونکر روکا جاسکتا ہے کیونکہ پھر اس رواج کی ممانعت سے یہ لازم آتا ہے کہ ان عورتون پر جبر کیا جاوے کہ وہ اپنے جذبات کو کبھی ظاہر نہ ہونے دین مگر ایسی صورت مین انکے لیے ملازمت یا کوئی اور پیشہ تلاش کرنے کی فکر کیون پڑرہی ہے کیونکہ اگر وہ ایک فطری خواہش پر غالب آسکتی ہین تو یقیناً دوسری فطری خواہش پر بھی جو کھانے پینے کی خواہش ہے غالب آسکین گی۔ قدرت نے تو دونون خواہشین یکسان اینن رکھی ہین اگر ان کی بھوک پیاس کا فکر ہے تو انکے فطری جذبات کا فکر پہلے کرنا چاہیئے کیونکہ یہ انکی فطرت مین مرکوز ہے اور یہ غلط خیال ہے کہ جبتک ہم اس زمین پر رہتے اور کھاتے پیتے ہین کوئی ایسا نسخہ بھی ایجاد ہو جاوے جس سے مرد اور عورت کی فطری خواہشین ایکدوسرے کیلیے سرے سے نابود ہی ہو جاوین اگر کہین کہین کوئی ایسی عورت بھی ہو جسکو اصطلاح مین بوڑھی کنواری کہا جاتا ہے یعنی جس کی ساری عمر ہی کنوارپن مین گذر جاتی ہے اور وہ واقعی ان الفاظ کی مصداق بھی ہو تو اس سے کوئی عام قاعدہ نہین نکالا جاسکتا بلکہ یہ ایک استثناء ہے جیسے مردون مین بھی بعض نامرد ایسے ہوتے ہین جن کے دلون مین عورت کے لیے کبھی خواہش پیدا ہوتی ہی نہین اور اگر یہ دونون باتین نہین تو جذبات کے روکنے کا اثر اسکی صحت پر ضرور برا ہوگا کیونکہ قدرت نے یہ جذبات پورے کیے جانیکے لیے ہی رکھے ہین اور جسطرح بھوک کے وقت اگر انسان روٹی نہ کھائے تو اسکا برا اثر اس کی صحت پر ہوتا ہے۔ ایسے ہی ان جذبات کے سچے تقاضا کو روکنے کا اثر برا ہوتا ہے۔ ایک عیسائی واعظ نے بھی اسبات کو تسلیم کیا ہے وہ کہتا ہے کہ "انسان مجموعہ قوے انسانی کا نام ہے اسمین کوئی چیز زاید نہین بلکہ اگر دوبارہ انسان کو بنایا جاوے تو انہین موجودہ قوے کے ساتھ ہی دوبارہ اسے بنانا پڑیگا اسکے تمام قوے کسی غرض کیلیے بنائے گئے ہین اور نقص ان قوے مین نہین بلکہ ان کے ناجایز استعمال مین ہے انسانی تکمیل کیلیے ہر ایک قوت کا ہونا ضروری ہے مذہب صرف اخلاقی احساسات سے ہی تعلق نہین رکھتا بلکہ قوت متفکرہ سے بھی۔ اور صرف اخلاقی احساسات اور قوت متفکرہ سے ہی نہین بلکہ اسکی عقل سے بھی اور ان تینون سے ہی نہین بلکہ محبت سے بھی اور ان سب کے مجموعہ سے بھی نہین بلکہ تمام حیوانی جذبات اور جسمانی خواہشات سے بھی بشرطیکہ انکو مناسب طریق مین اور مناسب اغراض کے لیے استعمال کیا جاوے۔ مگر بہرحال جذبات اور خواہشات تکمیل انسانی کیلیے ضروری ہین۔ کیونکہ انکے بغیر انسان ایسا ہے جیسا ایک درخت جڑ سے اکھاڑا ہوا جبتک انسان کو اس مادی زمین پر رہنا ضروری ہے اور ایک جسمانی بناوٹ پر ہی اسکی قوت متفکرہ اور خیالیہ اور فعلیہ کا مدار ہے تب تک ضروری ہے کہ اس مین جذبات بھی

ہون اور خواہشات بھی۔" اسکے بعد ڈاکٹر فٹ جو اس واعظ کا حوالہ دیتا ہے لکھتا ہے کہ "اس مین شک نہین ہوسکتا کہ انسانی بناوٹ کی ابتدا مین ہی یہ غرض رکھی گئی تھی کہ اسکے تمام اعضا محفوظ رہین اور اپنے اپنے کام مین لگے رہین ورنہ انسانی بناوٹ کے اندر وہ نہ رکھے جاتے۔ اور اگر انسانون کے طبعی تقاضون کو روکنا بھی انسانیت مین ہے تو پھر بازو یا کسی اور عضو کو کاٹ دینے مین بھی کوئی ہرج نہین ہونا چاہئے ہان یہ سب قوٰے ایسے طور پر استعمال کیے جاسکتے ہین کہ جس سے تمہارے ہمسایہ کو کوئی نقصان نہ پہنچے۔ دکھ اور ابتری اور بیماری صرف انکے غلط استعمال سے پیدا ہوتی ہے۔ (ص ۲۲۳)

اسکے بعد ایک ڈاکٹر کا قول نقل کیا گیا ہے کہ "انسان پر ایک ایسا وقت آتا ہے کہ جب وہ اپنے آپ کو اس محبت کے دایرہ مین نہ پانے سے جسکے لیے وہ بنایا گیا تھا۔ گھٹنا شروع ہوتا ہے اور عورتین مردونسے بھی بڑھکر اس ضرورت کو محسوس کرتی ہین تب بیچاری جوان عورتین سوسائٹی کے ایک مہلک تجربہ کے نیچے آتی ہین اور وہ روح جو انکی روح کا اصل سہارا ہوتی ہے انکے اندر سے نکل جاتی ہے +

یہ وہ باتین ہین جن سے ایک دانا دل جس مین تعصب اور ضد کو جگہ نہین جھٹ ایک سچے نتیجہ پر پہنچ جاتا اور حق کے قبول کرنیکے لیے تیار ہوجاتا ہے۔ مگر اسکے علاوہ واقعی طور پر دنیا مین یہ شہادت مل رہی ہے کہ عورتونکا بغیر خاوندکے رکھنا نہایت خطرناک نتایج پیدا کر رہا ہے اور یہ واقعات ایسے ہین جنسے ایک متعصب انسان بھی انکار نہین کرسکتا زنا اور رنڈی بازی دن بدن ترقی پر ہین اور ولد الزنا بچونکی تعداد اس خطرے مین ڈال رہی ہے کہ کسی دن سوسائٹی کا نقشہ وحشیون کا سا نہ ہوجائے۔ مگر کیا ہم سب الزام عورتونکے سر پر دیسکتے ہین۔ ہرگز نہین اصل قصور تو ان رواجون مین ہین جو ان واقعات کا پیدا کرنیکا موجب ہورہے ہین خاوند تو مل سکتے ہین مگر قانون اور رواج انکو اس جائز طریق سے روک کر زناکاری مین ڈال رہے ہین۔ ایک صدی کا عرصہ ہوا یا اس سے کچھ زیادہ کہ ایک عورت پر ولد الزنا بچہ جننے کا الزام لگایا گیا۔ اسوقت قانون نے اس بات کو جرم مین داخل کر رکھا تھا گو اب نہین۔ یہ اس عورت کا پانچوان حرام کا بچہ تھا۔ ملزم نے بڑے دردانگیز طریق سے اس امر کو ججونکے سامنے بیان کیا کہ وہ کیون اس جرم کا ارتکاب کرنے پر مجبور ہوئی۔ اُسنے عدالت کو مخاطب کرکے کہا "آپ سمجھ سکتے ہین کہ مین بیوقوف نہین۔ اور مین پرلے درجہ کی حماقت کی مرتکب ہوتی اگر مین نکاح کے معزز طریق کو اپنی موجودہ طرز زندگی پر ترجیح نہ دیتی۔ مین ہمیشہ رضامند رہی ہون اور اسوقت بھی اس بات پر رضامند ہون کہ کوئی مرد مجھسے نکاح کرلے اور مین یہ بھی یقین کرتی ہون کہ مین نکاح کرکے اپنے خاوند سے نہایت عمدہ سلوک کرونگی کیونکہ مجھ مین محنت ہنر اور دیانت وہ سب اوصاف موجود ہین جو نیک بی بی کے لیے ہونے چاہئے۔ مین دعوی کرتی ہون کہ کوئی آدمی ایسا نہین جو کہہ سکے کہ اُسنے کبھی مجھ سے نکاح کی خواہش ظاہر کی ہو۔ اور مینے نہ مانا ہو۔ بلکہ صرف ایکہی دفعہ مجھ سے ایک شخص نے نکاح کی درخواست کی اور مینے اسے خوشی سے قبول کیا۔ اسوقت مین کنواری تھی مینے اسکی نیک نیتی پر حد سے بڑھکر بھروسہ کیا اور اپنی عزت کو

برباد کر دیا کیونکہ مین اس سے حاملہ ہو گئی تو اس نے مجھے چھوڑ دیا۔ اس شخص کو آپ سب لوگ جانتے ہین وہ اب اس ملک مین مجسٹریٹ ہو گیا ہے اور مجھے امید تھی کہ وہ بھی آج عدالت مین ہوتا تو عدالت کو میرے ساتھ نرم سلوک کرنیکی ترغیب دیتا۔" یہ ایک ہی واقعہ ایسا ہے جو پردہ اور تعدد ازدواج دونون کی ضرورت کو ثابت کرتا ہے کیونکہ ان مین سے پردہ تو عورت کی عفت کا محافظ ہوتا ہے اور اسے مرد کے جذبات کا شکار بننے سے بچاتا ہے اور تعدد ازدواج ایسا رواج ہے جو ہر صورت مین ۔۔۔۔ خاوند کی ضرورت کو پورا کر سکتا ہے۔ الغرض عورتونکی تعداد کا مردونسے بڑھکر ہونا قطعی طور پر اس بات کو ثابت کرتا ہے کہ تعدد ازدواج کا ہونا ضروری ہے اور اگر اب بھی اس کا انکار ہی کیا جاویگا تو سوسائیٹی دن بدن اور بھی نیچے گرتی چلی جاوے گی اور بدکاریونکا ارتکاب دن بدن بڑھتا چلا جاویگا۔ اگر یہ زیادتی صرف چند ریاستون تک محدود ہوتی تو باہمی نکاح سے کمی بیشی پوری ہو سکتی تھی مگر یہ زیادتی عالمگیر ہے اور اب عیسائی اقوام کو تعدد ازدواج کے سوال کا سامنا کرنا پڑا ہے جس سے انکار کی صورت مین زناکاری اور رنڈی بازی کو قبول کرنا پڑیگا۔ دیکھئے مسٹر دلاور حسین ان دونون باتون مین سے کس باتکے اختیار کرنیکی سفارش کرتے ہین۔ ہان ایک سوال میرا اس جگہ آریہ ورتکا سے بھی ہے اور وہ یہ ہے کہ عورتون کی اس بڑھی ہوئی تعداد کیلیے بانی سماج نے کیا علاج تجویز کیا ہے کیا وہ سب کی سب نیوگ کرائین۔ مگر ستیارتھ پرکاش کو پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ کنواری نیوگ نہین کرا سکتی بلکہ خاوند کا ہونا نیوگ کے لیے شرط ہے خواہ وہ موجود ہو یا نہ ہو۔ یہ بات عجیب تو معلوم ہوگی کہ خاوند والی عورت کو دوسرے مرد سے ہمبستر ہونے کی ہدایت ہو اور بلا خاوند کو ایسی اجازت نہ ہو۔ مگر دنیا مین ہر طرف ایسی ہی عجیب متضاد باتین نظر آتی ہین۔ ادھر ایشیا مین تعدد ازدواج کو برا سمجھنے والونکا یہ حال ہے کہ نیوگ جیسی بلا انکے گلے پڑی اور پھر عورتونکی زاید تعداد کیلیے کوئی علاج نہین ادھر مغرب کی مہذب اقوام نے تعدد ازدواج کو رد کر کے زناکاری اور رنڈی بازی جیسی بدکاریونکو جایز رکھا۔ وہی قانون جو تعدد ازدواج کو روکتا ہے رنڈی بازی کی اجازت دیتا ہے اور جنکو برا نہین سمجھتا اور پھر عجیب تر یہ کہ جو لوگ تعدد ازدواج کو جایز رکھتے اور زناکاری اور رنڈی بازی پر لعنت بھیجتے ہین انکو وحشی کہا جاتا ہے۔ مگر ایسی تہذیب سے یہ وحشی پن ہی اچھا ہے۔

ایک اور امر ہے جس کی طرف مین اب ناظرین کو توجہ دلانا چاہتا ہون ان واقعات سے جو اوپر نقل کیے گئے ہین کہ بیاہے ہوئے مرد بہ نسبت بیاہی ہوئی عورتونکے زیادہ بدکاری مین مبتلا ہوتے ہین۔ عیسائی ممالک کی حالت عجیب ہے کہ جوش سے کبھی ایک پہلو اختیار کیا جاتا ہے اور کبھی دوسرا اور حق کی تلاش کی رغبت بہت کم ہے۔ ایک وقت تھا جب عورت کو شیطان مجسم کہا جاتا تھا مگر اب یہ حالت نہین۔ اب عورت تو فرشتہ بن گئی ہے اور شیطان بننے کے لیے مرد رہ گئے ہین۔ پہلے عورت کو سب بدکاریونکی جڑ کہا جاتا تھا اب یہ الزام مرد کے سر پر ہے۔ یا تو یہ عقیدہ تھا کہ عورت مین شیطانی اوصاف ہین اور یا اب یہ عقیدہ ہے کہ عورت مین فوق العادت

نیکی کی قوت رکھی گئی ہے۔ بہرحال اصل بات کیطرف کبھی توجہ نہین ہوتی جیسا کہ مینے دکھایا ہے کہ بیاہی ہوئی عورتونکے زیادہ بدکاری مین مبتلا ہونیکی وجہ کوئی ان کی فطری شرارت نہین بلکہ رواجون اور قانون کا نقص ہے ایسا ہی یہ امر بھی ثابت کیا ہے ہو۔ کہ مردون مین بیاہی ہوئی عورتون کی نسبت زیادہ بدکاری ہونیکی اصل وجہ بھی نہین رواجون اور قوانین کا نقص ہے کیونکہ یہ رواج اور قوانین مرد کو اپنی فطری خواہشونکے پورے تقاضے کو جایز طریق سے پورا ہونیسے روکتے ہین اول تو انکے جذبات کیلیے یہ امر محرک ہے کہ عورتین ہر طرح سے زیب و زینت کرکے انکے ساتھ ملتی جلتی ہین اور دونون جنسون کا ایسا خلا ملا ہوتا ہے جو اکثر لغزش کا باعث ہو جاتا ہے۔ مگر ان قوانین مین مردونکے ساتھ ایک اور نا انصافی کیجاتی ہے یعنی انکو مجبور کیا جاتا ہے کہ خواہ وہ واقعی تعدد ازدواج کی ضرورت محسوس بھی کرتے ہون مگر تاہم الکو زوج واحد پر ہی اکتفا کرنا چاہیئے۔ ضرورت تعدد ازدواج پر بحث کرتے ہوئے یہ پہلے دکھایا جاچکا ہے کہ عورتونکے ساتھ بعض عوارض ایسے لگے ہوئے ہین جن کی وجہ سے وہ بعض ایام مین مستقل طور پر بلکہ بعض وقت لمبے عرصہ کیلیے تعلقات زن و شوی کے قابل نہین ہوتین ایسی حالت مین ایک خاوند جسکو قدرت نے ان قوے سے زیادہ حصہ دیا ہے دوسری عورت کی ضرورت محسوس کریگا اور اگرچہ قانون قدرت الہی نے تو اسکے لیے سامان مہیا کر رکھا ہے یعنی عورتین مردونسے زیادہ پیدا کی ہین مگر سوسائیٹی نے قوانین اور رواج ایسے تجویز کر رکھے ہین جو اسکو اس جایز فایدہ کے حاصل کرنیسے روکتے ہین لیکن ان قوانین سے صرف یہی فایدہ ہوتا ہے کہ مرد ظاہر طور پر اپنے قوے کے تقاضونکو پورا نہین کر سکتا اور خفیہ طور پر انکے پورا کرنیکی کوشش کرتا ہے کیونکہ جو بات خدا تعالے نے اس کی فطرت مین رکھدی ہے اسکے خلاف وہ نہین چل سکتا یہی وجہ ہے کہ بیاہے ہوئے مرد بیاہی ہوئی عورتون کی نسبت زیادہ زناکاری مین مبتلا ہین کوئی قانون قانون قدرت کو نہین ٹال سکتا۔ قدرت اپنا تقاضا پورا کرکے رہیگی پس رواجون اور قانونون کو قانون قدرت کے ماتحت کرنا چاہیئے نہ کہ اُلٹا قانون قدرت کو اپنے وضع کردہ قوانین کے ماتحت رکھنے کی کوشش کیجاوے جسکا نتیجہ ایسا برا ثابت ہو رہا ہے یعنی تعدد ازدواج کی ممانعت سے آخر چھپی ہوئی بدکاری زور پکڑ گئی ہے اور ایک آدمی جسکو سیدھے طریق سے روکا جاتا ہے آخر کسی معزز خاندان کی عزت کو برباد کرتا ہے +

جیسا کہ مین نے شروع مین کہا تھا اس ظلمت کے اندر روشنی کی کرنین بھی ہین اور امید کامل ہے کہ آخر حق جوئی تعصب پر غالب آجائیگی۔ نہ صرف عیسائی ممالک مین عیسائیت کا وہ فرقہ پیدا ہوگیا ہے جو کھلے طور پر تعدد ازدواج کی تعلیم دیتا ہے اور جبتک قانون ملک نے نہین روکا تعدد ازدواج کے پاک اصول پر عمل کرتا رہا۔ بلکہ ان لوگون مین سے جنہون نے ان مسایل پر غور کیا ہے بعض بڑے بڑے فاضل ایسے ہین جو تعدد ازدواج کی ضرورت محسوس کرتے ہین۔ ڈاکٹر ذنٹ جسکی کتاب ہوم سائیکلوپیڈیا سے بہت سے اقوال نقل کیے گئے ہین۔ مہذب ممالک

کی اخلاقی اور تمدنی بدیون کا علاج اور نئے قوانین نکاح تجویز کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ "جیسا کہ پہلے گذر چکا ہے ہمین مارمنون کو تعدد ازواج کی اجازت دینی چاہیئے اس مہذب زمانہ مین اس اجازت کا یہ نتیجہ نہین ہوسکتا کہ کل کی کل عورتین چند مردون کی ہی ملک مین آجاوین۔ اور عورتون کا قحط پڑ جاوے۔ اسوقت تمام دنیا مین میلان آبادی اسی طرف ہے کہ عورتونکی تعداد بڑھ رہی ہے" پھر لکھتا ہے کہ "ان اعداد سے جو مردون اور عورتونکی مردم شماری کو ظاہر کرتے ہین یہ معلوم ہوگا کہ ہمارے درمیان بڑے وسیع پیمانے پر تعدد ازواج کی گنجایش ہے۔ اس ملک مین ذرہ بھی خطرہ نہین کہ تعدد ازواج کے اختیار کرنیسے عورتون کی کمی ہوجاوگی۔ اگر کوئی ایسی عورت ہے جو اس طرح پر نکاح کرنا بہتر سمجھتی ہے کہ اسے خاوند کا ایک حصہ ہی ملجاوے بہ نسبت اسکے کہ اسے ساری عمر بغیر خاوند کے ہی بسر کرنی پڑے۔ اگر کوئی ایسی غریب لڑکی ہے جو اسبات کو پسند کرتی ہے کہ بجائے اسکے سلائی کرکے اپنا پیٹ بھرے اسے ایسا خاوند ہی ملجائے جسکی محبت کا ایک حصہ اسکے لیے ہو اور کافی طور پر گذارہ ملتا رہے۔ پھر اگر تم اسکو رد کوگے تو نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ سخت بدکاری مین گرفتار ہوگی۔ یاد رکھو کہ بہرحال تعدد ازواج عورتکے لیے اس سے بہتر ہے کہ وہ زنا کرکے روپیہ کمائے۔ اگر ایک عورت ایسی ہے جو بجائے بے اولاد رہنے کے اس بات کو پسند کرتی ہے کہ اسکا نکاح ہوجائے خواہ سارے کا سارا خاوند اسکے حصہ مین نہ ہی آئے تو ہم کیون مداخلت کرین ہمین اس سے کوئی نقصان نہین پہنچتا۔ وہ خوشی جو اسکو تجرد کی زندگی مین نہین مل سکتی ایک پیارے بچہ کے گود مین ہونیسے ملجاتی ہے اور تعدد ازواج مین دوسری بیبیونکے ساتھ ہونیسے اسکو وہ گھبراہٹ بھی نہ ہوگی جو بعض وقت زوج واحد ہونیسے ہوتی ہے۔ یہ تعصب جو تعدد ازواج کے خلاف آج کل بے تکلف پیدا کیا جاتا ہے اور اگر اسکی وجہ پوچھی جاوے کہ کیون تمہین تعدد ازواج سے نفرت ہے تو سوائے غلط بیانی یا ناحق ایک چیز کو برا کہنے کے اور کوئی وجہ بیان نہین کیجاتی۔

اخیر پر یہ امر بھی بیان کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ تعدد ازواج کی ممانعت نے کس طرح پر موجودہ زور پکڑا ہے۔ ابتدا اسکی کثرت بدکاری ہے اور پھر آہستہ آہستہ عیسائیون نے نکاح کے اصل مفہوم کے متعلق غلط پہلو اختیار کرکے تعدد ازواج کی ممانعت کو اپنا مذہبی عقیدہ بنا لیا۔ وہ قومین جنھون نے پہلے دنیا مین تعدد ازواج کو رد کیا رومی اور یونانی تھے جو آج تک اپنی بدکاریون مین ضرب المثل ہین۔ اور جہان کسی قوم کا سخت بدکاری مین گرفتار ہونا بیان کرنا مقصود ہوتا ہے تو اسے انہین قومونسے مشابہت دیجاتی ہے۔ عیسائیت بھی رومی سلطنت مین پیدا ہوئی۔ یہ نیا مذہب یہودی مذہب کا ایک فرقہ تھا جہان تعدد ازواج کو ضروری تسلیم کیا گیا تھا کیونکہ اسرائیل کے بزرگ نبیون حضرت ابراہیم موسٰے اور دیگر انبیاء علیہم السلام کی شہادت اسکی تائید مین تھی۔ مسیح نے ایک لفظ بھی اسکے خلاف نہین کہا۔ بلکہ حواریون نے بھی اسکی ممانعت نہین کی۔ اور اگرچہ کلیسیا کے بڑے بڑے عہدیدارون نے

لیے یہ قید لگا دی گئی تھی کہ وہ زوج واحد کے قاعدے کے پابند رہین مگر عوام الناس کو کبھی تعدد ازواج سے یقین روکا گیا جس سے حواریون کے نزدیک تعدد ازواج کے جواز کا صاف ثبوت ملتا ہے یہی وجہ تھی کہ عیسائی دنیا مین تعدد ازواج کا رواج تھوڑا تھوڑا چلا آیا اور مجلس کے سامنے یہ سوال پیش ہوا تو انہون نے بھی یہی فیصلہ کیا کہ "انا جیل صاف الفاظ مین تعدد ازواج سے کہین نہین روکتین اور کلیسیا کے بڑے بڑے عہدیدار ایک سے زیادہ بیبیان کرتے رہے ہین" اس طرح پر عیسائیت مین بھی تعدد ازداج کو مذہبی طور پر تسلیم کیا گیا تھا۔ مگر ان واقعات کے ساتھ ساتھ ایک اور سلسلہ واقعات کا بھی پیدا ہو گیا تھا جس نے خود نکاح کے مفہوم کو ہی بگاڑ دیا اور عیسائیونکے دلونمین نکاح سے ایک گونہ نفرت پیدا کر دی۔ عام خیال حضرت مسیح کے متعلق یہی تھا کہ انہون نے نکاح نہین کیا پھر سب سے زیادہ اثر عیسائیت پر پولوس کا پڑا جسکی کوششون سے عیسائی مذہب یہودیت سے الگ ہوا اس نے بھی آخر عمر تک نکاح نہین کیا اس لیے وہ دوسرونکو بھی تجرد کی ترغیب دیتا تھا۔ اسکا اثر کلیسیا پر یہ ہوا کہ نکاح برا سمجھا جانے لگا اور انسانی کمال تجرد مین سمجھا گیا اس سے آگے ہین پھر ہم سائیکلوپیڈیا سے نقل کرتا ہون "سینٹ جیروم نے جو چوتھی صدی عیسائی مین ہوا ہے اور جس کی بہت سی تصنیفون اور ترجمون کی وجہ سے عیسائی دنیا مرہون احسان ہے یہ لکھا ہے کہ ہمین چاہیئے کہ کلہاڑی ہاتھ مین لیکر نکاح کے نقصان دہ رواج کو دنیا سے نابود کر دین ابتدا مین خدا نے نکاح کی اجازت خاص اغراض کے لیے دی تھی۔ مگر مریم اور ۔ ۔ ۔ مسیح نے تجرد کو مقدس کر دیا ہے۔ گائیڈ کہتا ہے کہ چوتھی صدی کے عیسائی بزرگونکا یہ خیال تھا کہ نکاح آدم کے گناہ کی سزا ہے اور اگر آدم گناہ کا ارتکاب نہ کرتا تو بقائے نوع انسانی کی کوئی اور صورت ہوتی۔ ان بزرگونکی تحریرون سے آخر یہی قانون بن گیا اور کلیسیا نے اپنے عہدیدارونکو نکاح کرنے سے روکدیا۔ مگر چونکہ وہ عوام کو نکاح سے نہ روک سکتے تھے اسلیے طرح طرح کے حیلون سے وہان قیدین لگانی شروع کین ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ یہ ابتدائی عیسائیون کی بدقسمتی تھی کہ پولوس مجرد رہا جسکی وجہ غالبا یہ تھی کہ جوانی مین وہ کسی عورت پر عاشق ہو کر مایوس ہو چکا تھا۔ اور خود مجرد ہونیکی وجہ سے وہ تجرد کو ہی ترجیح دیتا رہا اسکی مثال اس گیدڑ کیطرح تھی جسکی دم کسی طرح سے کٹ گئی تو اسنے یہی پسند کیا کہ دوسرونکی دُمین بھی اسیطرح کٹ جائین۔ چنانچہ پولوس قرنتیونکو لکھتا ہے کہ آدمی کے لیے یہی بہتر ہے کہ وہ عورت کے نزدیک نہ جاوے۔ اس جھوٹے خیال کا جو عملی طور پر بد نتیجہ پیدا ہوا اور جو کچھ اسکا اثر کلیسیا کے عہدیدارونکے اخلاق پر ہوا وہ محتاج بیان نہین۔ سینٹ برنارڈ نے بڑے زور سے اس جھوٹے خیال کی تردید کی کہ فطرت انسانی کے خلاف چلکر پاکیزگی حاصل ہو سکتی ہے لیکی اس اثر کو بیان کرتا ہوا ایک دسوین صدی کے اٹلی کے بشپ کے الفاظ نقل کرتا ہے جسنے کہا تھا کہ اگر مین یہ چاہون کہ ان ناپاک لوگونکے خلاف جو کلیسیا کے عہدیدار ہین قوانین کو عملدر آمد مین لاؤن تو سوائے چھوٹے چھوٹے بچونکے ایک آدمی بھی نہ رہیگا اور اگر اس قانون کو عملدر آمد مین لاؤن

جو ولد الزنا بچونکے متعلق ہے تو لڑکے بھی خارج ہو جاوینگے (ص ۸۸-۸۹) کلیسیا نکاح سے اس نفرت کے گواہ آج کل بھی بعض فرقے موجود ہین جن مین سے ایک وہ فرقہ ہے جو شیکر کے نام سے موسوم ہے اس فرقے کا یہ اعتقاد ہے کہ "زن وشوی کے تمام تعلقات خواہ اولاد پیدا کرنیکی خاطر ہی ہون گناہ مین داخل ہین۔ اور نکاح کرنا شیطان کی تابعداری اختیار کرنا ہے" نکاح کے متعلق اس فاسد عقیدے کا یہ لازمی نتیجہ تھا کہ تعدد ازواج کے خلاف نفرت اور بھی بڑھتی جاوے اور یہی وجہ ہے کہ باوجود خود کلیسیا کے تعدد ازواج کی اجازت دینے اور اسپر عمل کرنیکے آج عیسائی دنیا کا یہ مذہبی عقیدہ ہو گیا ہے کہ تعدد ازواج بری چیز ہے۔ یہی ایک مذہب ہے جس نے تعدد ازواج کی ممانعت کو اپنے عقاید کا جزو قرار دیا ہے۔ باوجود اسکے ابتدائی عیسائیون مین اس قسم کا کھلا فسق و فجور ہوتا تھا۔ جیسا بعض ہندو فرقون مین ڈاکٹر فنٹ لکھتا ہے کہ "پہلے عیسائیون مین فرقونکی تقسیم اتنی ہی تھی جتنی آج ہے انکے درمیان ایک فرقہ آدمیونکا کہلاتا ہے جن کا یہ عقیدہ تھا کہ مسیح کی برکت سے ہم پھر آدم کی طرح ہو گئے ہین جب اس نے ابھی خلاف ورزی نہین کی تھی یہ لوگ بلا امتیاز مردون اور عورتونکے تعلقات کو ضروری سمجھتے تھے بلکہ اسطرح پر زناکاری کو اپنی نجات کا بھاری ذریعہ سمجھتے تھے۔ یہ فرقہ دو دفعہ بعد مین پھر زندہ ہوا۔ ایک دفعہ بارھوین صدی مین بمقام اینٹ ورپ اور دوسری دفعہ پندرھوین صدی مین جرمنی اور بوہیمیا مین۔ عیسائیت کے بعض اور فرقے جو دوسری صدی سے لے کر چھٹی صدی تک رہے اس بلا امتیاز خلط ملط کو صحیح سمجھتے تھے اور نکاح کرنا انکے عقیدہ کے رو سے برا تھا" (ص ۹۲)

النداء من وحی السماء

یعنے

ایک زلزلہ عظیمہ کی نسبت پیشگوئی بار دوم وحی الٰہی سے

۹۔ اپریل ۱۹۰۵ء کو پھر خدا تعالے نے مجھے ایک سخت زلزلہ کی خبر دی ہے جو نمونہ قیامت اور ہوش ربا ہوگا۔ چونکہ دو مرتبہ مکرر طور پر اس

لہ قرآن شریف مین اس نشان زلزلہ کی نسبت ایک صاف پیشگوئی سورۃ النازعات مین درج ہے سبحان اللہ تعالیٰ نے فرشتونکی قسم کھا کر جو

علیم مطلق نے اِس آیندہ واقعہ پر مجھے مطلع فرمایا ہے اِس لیے مین یقین رکھتا ہون کہ یہ عظیم الشان حادثہ جو محشر کے حادثہ کو یاد دلائیگا دُور نہین ہے۔ مجھے خدائے عزوجل نے یہ بھی فرمایا ہے کہ یہ دونون زلزلے تیری سچائی ظاہر کرنیکے لیے دو نشان ہین انہین نشانون کی طرح جو موسٰی نے فرعون کے سامنے دکھلائے تھے اور اس نشان کی طرح جو نوحؑ نے اپنی قوم کو دکھلایا تھا۔ اور یاد رہے کہ اِن نشانون کے بعد ابھی بس نہین ہے بلکہ کئی نشان ایکدوسرے کے بعد ظاہر ہوتے رہین گے یہان تک کہ انسان کی آنکھ کھلے گی اور حیرت زدہ ہوکر کہیگا کہ یہ کیا ہوا چاہتا ہے ہر یک دن سخت اور پہلے سے بدتر آئیگا۔ خدا فرماتا ہے کہ مین حیرتناک کام دکھلاؤنگا اور بس نہین کرونگا۔ جبتک کہ لوگ اپنے دلون کی اصلاح نہ کرلین اور جس طرح یوسفؑ نبی کیوقتمین ہؤا کہ سخت کال پڑا۔ یہان تک کہ کھانیکے لیے درختون کے پتّے بھی نہ رہے اسیطرح ایک آفت کا سامنا موجود ہوگا اور جیسا کہ یوسف نے اناج کے ذخیرہ سے لوگون کی جان بچائی اسی طرح جان بچانیکے لیے خدا نے اس جگہ بھی مجھے ایک روحانی غذا کا مہتمم بنایا ہے جو شخص اس غذا کو سچے دل سے پورے وزن کے ساتھ کھائیگا مین یقین رکھتا ہون کہ ضرور اس پر رحم کیا جائیگا۔ بعض نادان کہتے ہین کہ پھر کئی لوگ احمدی جماعت مین سے طاعون سے کیون مرگئے۔ پس یاد رہے کہ ابتک ایک فرد بھی ہماری جماعت مین سے طاعون یا زلزلہ سے نہین مرا جسنے عملی حالت کو محبّت کاملہ اور قوت ایمان اور پورے صدق وصفا اور دین کو مقدم رکھنے کے ساتھ جمع کیا ہوا اور جس کو مین نے ان علامات کے ساتھ شناخت کر لیا ہو یا مجھ کو اس مرتبہ کی خبر دیگئی ہو۔ ہان چونکہ لاکھون انسان اس جماعت مین داخل ہو چکے ہین اور اکثر وہ ہین جو ایک بچہ کی طرح کمزور ہین اور ایسے بھی ہین جو کسی ابتلا کیوقت ثابت قدم بھی نہین رہ سکتے اور ایسے بھی ہین جو تھوڑے سے امتحان مین پڑکر مرتد ہونیکو تیار ہوتے ہین اور ایسے بھی ہین جو یہ اقرار کرکے جھوٹ بولتے ہین جو ہم نے دین کو دنیا پر مقدم کر لیا ہے حالانکہ ابھی تک وہ دنیا کے گند مین پڑے ہین۔ ہرگز دین کو دنیا پر مقدم نہین کیا دنیائے مردار مین مبتلا اور اسی غم وہمّ مین گرفتار ہین اور ان کی عملی حالت اسی پر گواہی دے رہی ہے کہ انہون نے دین کو دنیا پر مقدم نہین کیا۔ ہرگز نہین کیا لیکن مین امید رکھتا ہون کہ آہستہ آہستہ بڑی بڑی روحانی ترقی کرلین گے۔ غرض ممکن نہین اور بالکل ممکن نہین کہ جس شرط پر مین لوگون کو بیعت مین داخل کرتا ہون اور جس راہ پر چلانا چاہتا ہون اس پر مضبوط پنجہ مار کر پھر بھی کوئی شخص مورد عذاب الٰہی ہو۔ ہان کمزوری کی حالت مین ان کے لیے طاعون سے فوت ہونا ایک شہادت ہے جو گناہ سے صاف کرکے انکو بہشت مین پہنچائیگی اور یہی خبر خدا نے مجھے دی تھی جس کو مینے عام طور پر شایع کردیا تھا مگر لوگون نے جیسا کہ انکی عادت ہے اس الہام مین تحریف کرکے اپنی طرفسے یہ شائع کیا کہ گویا میرا یہ دعوے ہے کہ کوئی مرید میرا گو اسکی عملی یا ایمانی حالت کیسی ہی ہو طاعون سے نہین مریگا تعجب ہے کہ ہمارے مخالف لوگون مین افترا کی عادت کسقدر بڑھ گئی ہے اصل الہام جس سے مینے یہ نتیجہ نکالا تھا کہ خدا تعالے ہر یک کامل الایمان اور کامل العمل کو جو ہماری جماعت مین سے ہوگا طاعون کی موت سے بچائیگا۔ یہ ہے:۔ الذین امنوا ولم یلبسوا ایمانھم بظلم اولئک لھم الامن وھم مھتدون یعنے جنلوگون نے مجھے قبول کیا اور مجھپر ایمان لائے اور اپنے ایمان کو کسی ظلم اور قصور اور کسی نوع کے ایمانی یا عملی تاریکی یا نقص کے ساتھ مختلط نہین کیا وہ طاعون کے حملے سے امن مین رہین گے پس وحی سے کہان سے یہ ثابت ہے کہ جو لوگ اپنے اندر کچھ نقص اور ظلم رکھتے ہین یا کوئی ایمانی کمزوری وہ بھی اس وعدہ الٰہی کے نیچے داخل ہین۔ نعوذ باللہ من سوء الفھم وافراط الوھم —

مین ایسے چند لوگون کو بھی جانتا ہون جو پہلے اس جماعت مین داخل ہوئے تھے اور پھر مرتد ہو گئے اگر وہ اس جماعت مین رہکر طاعون سے مرجاتے تو جلد باز اور ناواقف لوگ یہی کہتے کہ دیکھو اس جماعت کے یہ لوگ تھے جو طاعون سے مرگئے حالانکہ ان کے اندر ایک خبیث مادہ تھا جسکو خدا جانتا تھا اور لوگ نہین جانتے تھے اور وہ اس پھوڑے کی طرح تھے جو اوپر سے بہت چمکتا ہوا اور اندر بجز پیپ کے اور کچھ نہ ہو بہرحال خدا نے مجھے یہ خبر دے رکھی ہے کہ طاعون اس جماعت کی تعداد کو بڑہائیگی اور دوسرے مسلمانون کی تعداد کو گھٹائیگی سو آخر یہ دیکھ لینا چاہئے کہ یہ پیش گوئی سچی نکلی یا جھوٹی مین سچ سچ کہتا ہون کہ اس ظلم کے سبب سے جو کیا گیا او طاعون کے نشان کو دیکھ کر لوگ ہنسی سے پیش آئے یہ دوسرا نشان زلزلہ کا ظاہر ہوا جس کی خبر آج سے قریبًا ایک برس پہلے اخبار الحکم اور البدر مین شایع کی گئی تھی اور پہلے اشتہار مین جو لکھا گیا کہ زلزلہ سے پانچ مہینہ پہلے الہام عفت الدیار محلھا و مقامھا ہوا تھا۔ وہ غلطی سے لکھا گیا تھا بلکہ مئی سنہ ۱۹۰۴ء مین ان دونون اخبارون مین اس خوفناک زلزلہ کی خبر شایع ہوئی تھی ساتھ اسکے یہ بھی الہام تھا کہ ”زلزلہ کا دھکا“ اور عربی الہام مذکورہ بالا کا مفہوم یہ تھا کہ زلزلہ کیوقت جو مکان بطور سرائے کے ہونگے یا جو مستقل طور پر سکونت کے مکانات ہونگے وہ حادثہ زلزلہ سے نابود ہو جائینگے ان کا نام نشان نہ رہیگا اور پھر اشتہار الوصیت مین بھی زلزلہ سے پہلے شایع کیا گیا تھا کہ موتا موتی کا واقعہ آنیوالا ہے جس سے شور قیامت برپا ہوگا

غرض اے ناظرین آپ صاحبان بچشم خود دیکھ چکے ہین کہ وہ پیشگوئی جو مین نے الحکم اور البدر مین شدید زلزلہ کے بارہ مین آج کی تاریخ سے ایک برس پہلے کی تھی وہ کس زور سے پوری ہوئی اور جو سخت حادثے کانگڑہ اور بھاگسو اور پالم پور اور سوجان پور تیرہ اور دیگر مقامات جیساکہ کلو اور رہلو مین ہوئے انکی تفصیل کی اس جگہ حاجت نہین یہ ایک ایسی پیشگوئی تھی جس سے دلون پر بہت اثر ہونا چاہئے تھا۔ مگر مین نے سنا ہے کہ اسکا نتیجہ یہ ہوا کہ لاہور اور امرتسر مین اس پر بھی بہت ساٹھٹھا کیا گیا خاص کر پیسہ اخبار کے ایڈیٹر نے اس ٹھٹھے سے بہت سا حصہ لیا اور رد کیطور پر لکھا کہ ایسے زلزلے ہمیشہ آتے ہین اور جاپان مین بہت زلزلے آیا کرتے ہین اس شخص نے دیدہ و دانستہ سچائی کا خون کرنا چاہا ہے۔ یہ تو سچ ہے کہ دنیا مین کوئی نئی بات نہین نوح کے طوفان تک کا بھی پہلے ایک نمونہ گذر چکا ہے۔ مگر خدا تعالے جب کسی ایسے شدید حادثہ کی قبل از وقت خبر دیتا ہے جو اس ملک کے رہنے والے اسکو ایک غیر معمولی واقعہ اور ایک انہونی بات خیال کرتے ہون اور اپنے ملک مین انکے باپ دادون نے اسکی نظیر نہ دیکھی ہو اور ایسا امر انکے ملک مین ظاہر ہو جو انکے خیال و گمان مین بھی نہ ہو وہ امر واقع ہو جائے اور وہ پیشگوئی پوری ہو جائے تو پھر بھی اسکو معمولی بات سمجھنا اگر ہٹ دھرمی نہین تو اور کیا ہے مگر مین جانتا ہون کہ اس درجہ کا تعصب رکھنے والے اور دانستہ حق کو چھپانیوالے دنیا مین بہت کم ہونگے شاید ایڈیٹر صاحب پیسہ اخبار اس اپنی سیرة مین لاہور مین ایک ہی یا چند آدمی جو انگلیون پر شمار ہو سکتے ہین ان کے ہم مشرب ہون +

بہرحال جبکہ پہلی پیشگوئی کو ڈرنیوالے دل کے ساتھ نہین دیکھا گیا اور مجھکو بقول پیسہ اخبار دکاندار یا فقر کے کامونکا تاجر ٹھیرایا گیا ہے تو خدا تعالے نے چاہا کہ اب دوسرا نشان دکھاوے تا ماننے والونپر اسکا رحم ہو اور توبہ کرنیوالے توبہ کرلین اور نادان لوگ جو کئی منزلونکی چھتون کے نیچے سوتے ہین وہ کسی اور جگہ ڈیرے لگالین اسوقت بجز توبہ کیا علاج ہے اس آنیوالے حادثہ کیلیے کوئی تدبیر کارگر بھی تجویز نہین ہو سکتا ہے جس سے تسلی ہو پس مین محض خیر خواہی مخلوق کیلیے ہمدردی سے بھرے ہوئے دل سے

ساتھ یہ اشتہار شایع کرتا ہون کہ جہانتک ممکن ہو اپنی اصلاح کرنی چاہئے کم سے کم ظلم اور تعدّی اور فسق و فجور اور ٹھٹھے اور ہنسی سے دستکش ہو جانا چاہئے بہتر ہے کہ ہر ایک شخص اپنا صدقہ دے اور اگر قربانی بھی کرے تو بہتر ہے اور ٹھٹھے والی مجلسون سے الگ ہو جائے یاد رہے کہ اگر کسی کا مذہب اور عقیدہ ناراستی پر ہے مگر وہ ٹھٹھے کرنیوالی مجلسون میں نہین بیٹھتا اور بدزبانی کرنیوالونکی ہان مین ہان نہین ملاتا اور فسق و فجور اور ظلم و تعدی اور ہر ایک قسم کی شرارتون سے اور جھوٹی گواہیون اور ناحق کے خون اور چوری سے دستکش ہے اور غربت اور مسکینی اور شرافت سے گذارہ کرتا ہے وہ اگرچہ بباعث اپنی مذہبی غلطی کے روز آخرۃ مین مواخذہ کے لایق ہوگا مگر دنیا مین خدا تعالے جو کریم و رحیم ہے دوسرونکی نسبت اسپر رحم کرے گا بشرطیکہ شریر جماعتونکے ساتھ اسکا پیوند اور تعلق نہو۔* خوب یاد رکھو کہ جن قومونکو خدا تعالے نے اس سے پہلے عذاب مین مبتلا کیا تھا جیسا کہ نوحؑ کی قوم اور فرعون کی قوم اور لوطؑ کی قوم وہ اس لیے ہلاک نہین کی گئی تھین کہ محض مذہبی اختلاف درمیان تھا بلکہ وہ اپنی شوخیون اور شرارتونکی وجہ سے ہلاک کی گئی تھین۔ نوحؑ کی قوم نے نہ صرف حضرت نوح کو مفتری سمجھا بلکہ دن رات ٹھٹھا ہنسی ان کا پیشہ ہو گیا اور فرعون اور اس کی قوم نے پہلے سے زیادہ بنی اسرائیل پر ظلم کرنا شروع کیا اور لوطؑ کی قوم نے فسق و فجور مین جہانتک نوبت پہنچائی اور جب انکو سمجھایا گیا تو لوطؑ اور اسکے اصحاب کی نسبت انہون نے اپنے رفیقونکو وہ کہا جو قرآن شریف مین درج ہے۔ اخرجوھم من قریتکم انھم اناس یتطھرون یعنی ان لوگونکو اپنے گاؤنسے باہر نکالو یہ تو طہارت اور تقوے کے پیچھے پڑے ہین یعنی ہمارے مخالف اور اور باتین لوگونکو کہتے ہین پس خدا کا غضب ان قومون* پر بھڑکا اور انکو صفحہ زمین سے نابدید کر دیا۔ پس کیا تم ان لوگونسے زیادہ سخت ہو یا تمہارے پاس خدا تعالے سے مقابلہ کا کچھ سامان موجود ہے اور انکے پاس موجود نہ تھا اور یا تم عذاب سے بری کیے گئے ہو اور یا خدا تعالے مین اب وہ عذاب دینے کی قوت نہین جو پہلے تھی مین سچ سچ کہتا ہون کہ اس آنیوالے نشان کے بعد جو مجھکو قبول کریگا اسکا ایمان **قابل عزت نہین** جیسے کان پر سُنے۔ خدا تعالے فرماتا ہے کہ میرا غضب زمین پر بھڑکا ہے کیونکہ **زمین والون نے میری طرف سے** منہ پھیر لیا ہے۔ پس جب ایک انسانی سلطنت عدول حکمی سے ناراض ہو جاتی

ف۵ آیت قرآنی وما کنا معذبین حتی نبعث رسولا سے صاف ظاہر ہے کہ اس قسم کے قہری عذاب کے نازل ہونیسے پہلے خدا کیطرف سے کوئی رسول ضرور مبعوث ہوتا ہے جو خلقت کو آنیوالے عذاب سے ڈراتا ہے اور یہ عذاب اسکی تصدیق کیواسطے قہری نشانات ہوتے ہین اسوقت خدا کا ایک رسول تمہارے درمیان ہے جو مدت سے ملکوان عذابونکے آنیکی خبر دے رہا ہے پس سوچو اور

: درحقیقت اس حادثہ مین اس عادۃ اللہ کی مثال ڈپٹی عبداللہ آتھم اور پنڈت لیکھرام ہین۔ عبداللہ آتھم نے پیشگوئی کو سنکر کوئی شوخی نہین دکھلائی تھی بلکہ روتا رہا اسیلیے خدا نے جو رحیم و کریم خدا ہے اسکی میعاد مین تاخیر ڈالدی جیسا کہ پہلے الہام مین اسکا وعدہ تھا مگر لیکھرام نے شوخی دکھلائی اور پیشگوئی کو سنکر بدزبانی مین بہت بڑھ گیا اور ہر مجلس مین گالیان دینا اپنا شیوہ اختیار کر لیا اسلیے غیور خدا نے اسکی اصل میعاد بھی پوری نہ ہونے دی اور ابھی پانچ برس ہی گذرے تھے جو اپنی سزا کو پہونچگیا اور وہی زبان کی چھری دوسرے رنگ مین اسکو لگ گئی۔ منہ

ہے اور ہولناک سزا دیتی ہے پھر خدا کا غضب کیسا ہوگا پس توبہ کرو کہ دن نزدیک ہیں اور اس بارہ میں جو عربی میں مجھے وحی الٰہی ہوئی اس جگہ میں اس کو معہ ترجمہ لکھ کر اس اشتہار کو ختم کرتا ہوں اور وہ یہ ہے۔ بخور آنچہ ترا بخورانم + لک درجۃ فی السماء وفی الذین ھم یبصرون + نزلت لک لک نری اٰیاتٍ ونھدم ما یعمرون + قل عندی شھادۃ من اللّٰہ فھل انتم مومنون۔ کففت عن بنی اسرائیل + ان فرعون وھامان وجنودھما کانوا خاطئین + انی مع الافواج اٰتیک بغتۃً + یعنی جو کچھ میں تجھے کھلاتا ہوں وہ کھا تیرا آسمان پر ایک درجہ ہے اور نیز ان میں درجہ ہے جو آنکھیں رکھتے ہیں اور دیکھتے ہیں اور میں تیرے لیے زمین پر اترونگا تا اپنے نشان دکھلاؤں ہم تیرے لیے زلزلہ کا نشان دکھلائینگے اور وہ عمارتیں جن کو غافل انسان بناتے ہیں یا آیندہ بنائینگے گرا دینگے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک زلزلہ نہیں بلکہ کئی زلزلے ہونگے جو عمارتوں کو وقتاً فوقتاً گرائینگے اور پھر فرمایا کہ میں تیری جماعت کے لوگوں کو جو مخلص ہیں اور بیٹوں کا حکم رکھتے ہیں بچاؤنگا۔ اس وحی میں خدا تعالےٰ نے مجھے اسرائیل قرار دیا اور مخلص لوگوں کو میرے بیٹے اس طرح پر وہ بنی اسرائیل ٹھہرے۔ اور پھر فرمایا کہ میں آخر کو ظاہر کر دونگا کہ فرعون یعنی وہ لوگ جو فرعون کی خصلت پر ہیں اور ہامان یعنی وہ لوگ جو ہامان کی خصلت پر ہیں اور انکے ساتھ کے لوگ جو ان کا لشکر ہیں یہ سب خطا پر تھے۔ اور پھر فرمایا کہ میں اپنی تمام فوجوں کے ساتھ یعنی فرشتوں کے ساتھ نشانوں کے دکھلانے کیلیے ناگہانی طور پر تیرے پاس آؤنگا یعنی اسوقت جب اکثر لوگ باور نہیں کرینگے اور ٹھٹھے اور ہنسی میں مشغول ہونگے اور بالکل کام سے بیخبر ہونگے تب میں اس نشان کو ظاہر کر دونگا کہ جس سے زمین کانپ اٹھے گی تب وہ روز دنیا کیلیے ایک ماتم کا دن ہوگا۔ مبارک وہ جو ڈریں اور قبل اسکے جو خدا کے غضب کا دن آوے توبہ سے اسکو راضی کر لیں کیونکہ وہ حلیم اور کریم اور غفور اور تواب ہے جیسا کہ وہ شدید العقاب بھی ہے۔

یاد رہے کہ ان دونوں زلزلوں کا ذکر میری کتاب براہین احمدیہ میں بھی موجود ہے جو آج سے پچیس برس پہلے اکثر ممالک میں شایع کی گئی تھی اگرچہ اسوقت اس خارق عادت بات کیطرف ذہن منتقل نہ ہو سکا لیکن اب ان پیشگوئیوں پر نظر ڈالنے سے بدیہی طور پر معلوم ہوتا ہے کہ وہ آیندہ آنیوالے زلزلوں کی نسبت پیشگوئیاں تھیں جو اسوقت نظر سے مخفی رہ گئیں چنانچہ پہلی پیشگوئی ان میں سے براہین کے صفحہ ۵۱۶ میں موجود ہے جسکی عبارت یہ ہے۔ فبراہ اللّٰہ مما قالوا وکان عند اللّٰہ وجیھا الیس اللّٰہ بکافٍ عبدہٗ فلما تجلی ربہ للجبل جعلہ دکًّا واللّٰہ موھن کید الکافرین یعنی خدا اپنے اس بندہ کو ان تہمتوں اور بہتانوں سے بری کریگا جو اسپر لگائے جائینگے وہ خود اپنے بندہ کیلئے کافی ہے۔ پس جب خدا پہاڑ پر تجلی کریگا تو اسکو پارہ پارہ کر دیگا اور جو کچھ مخالف لوگ ناحق کے الزاموں میں مبتلا کرنا چاہیں گے ان کے سب مکر سست کر دیگا اب چونکہ انہیں دنوں میں مخالف لوگ طرح طرح کی تہمتیں لگانے میں حد سے بڑھ گئے ہیں اور اسی زمانہ میں خدا نے زلزلہ شدیدہ کی مجھے ایک برس پہلے خبر دی چنانچہ مطابق اسکے پہاڑوں پر زلزلہ کی سخت آفت آئی لہٰذا اس سے صاف ظاہر ہے کہ اس جگہ پہاڑ ونکے پارہ پارہ کرنے سے مراد یہ زلزلہ تھا جسکی الحکم وغیرہ میں ایک برس

پہلے خبر دیگئی۔ دوسری پیشگوئی براہین احمدیہ مین زلزلہ کے بارہ مین یہ ہے ٭ مین اپنی چمکار دکھلاؤن گا۔ اپنی قدرت نمائی سے تجھ کو اٹھاؤن گا۔ دنیا مین ایک نذیر آیا پر دنیا نے اسکو قبول نہ کیا لیکن خدا اسے قبول کریگا اور بڑے زور آور حملون سے اسکی سچائی ظاہر کر دیگا۔ الفتنۃ ھٰھنا فاصبر کما صبر اولوا العزم فلمّا تجلّی ربّہ للجبل جعلہ دکًّا قوۃ الرحمٰن لعبید اللّٰہ الصمد۔۔۔۔۔عربی کا ترجمہ یہ ہے۔ کہ خدا فرماتا ہے کہ ان دنون مین تیرے پر ایک فتنہ برپا کیا جائیگا۔ پس خدا تجھے بری کرنیکے لیے ایک نشان دکھائیگا اور وہ یہ کہ پہاڑ پر اسکی تجلی ہوگی اور وہ پہاڑ کو پارہ پارہ کر دیگا یہ خدا کی قوت سے ہوگا تا وہ اپنے بندہ کیلیے نشان دکھاوے۔ دیکھو براہین احمدیہ صفحہ ۵۵۷ اور پھر رسالہ **آمین** مین جو مطبع ضیاء الاسلام قادیان مین چھپکر ۱۹۰۱ء مین شایع ہوا تھا یہی خبر نظم مین دیگئی تھی اور وہ شعر یہ ہین

کرو توبہ کہ تا ہو جائے رحمت ٭ دکھاؤ جلد تر صدق و انابت ٭ کھڑی ہے سر پہ ایسی ایک ساعت ٭ کہ یاد آجائیگی جس سے قیامت

مجھے یہ بات مولٰے نے بتادی ٭ فسبحٰن الذی اخزی الاعادی

اب سنو اے عزیزو! کہ آج مینے تبلیغ کا حق ادا کر دیا۔ اب چاہو ٹھٹھا کرو گالیان دو تہمتین لگاؤ اور مفتری نام رکھو اور چاہو تو قبول کرو مینے قبل از وقت بتا دیا اے بدقسمتو! تم آنیوالے عذاب سے بھاگ نہین سکتے خدا برحق ہے اور اسکے وعدے برحق والسلام علی من اتبع الہدےٰ۔ (راقم خاکسار مرزا **غلام احمد قادیانی**) ۲۱۔ اپریل ۱۹۰۵ء

زلزلہ کی خبر بار سوم

آج ۲۹۔ اپریل ۱۹۰۵ء کو پھر خدا تعالیٰ نے مجھے دوسری مرتبہ کے زلزلہ شدیدہ کی نسبت اطلاع دی ہے۔ سو مین محض ہمدردی مخلوق کیلیے عام طور پر تمام دنیا کو اطلاع دیتا ہون کہ یہ بات آسمان پر قرار پا چکی ہے کہ ایک شدید آفت سخت تباہی ڈالنے والی دنیا پر آویگی جس کا نام خدا تعالیٰ نے بار بار زلزلہ رکھا ہے۔ مین نہین جانتا کہ وہ قریب ہے یا کچھ دنون کے بعد خدا تعالیٰ اسکو ظاہر فرماوے گا مگر بار بار خبر دینے سے یہی سمجھا جاتا ہے کہ بہت دور نہین ہے۔ یہ خدا تعالیٰ کی خبر اور اسکی خاص وحی ہے جو عالم الاسرار ہے اسکے مقابل پر جو لوگ یہ شایع کر رہے ہین کہ کوئی سخت زلزلہ آنیوالا نہین ہے وہ اگر منجم ہین یا کسی اور علمی طریق سے اٹکلین دوڑاتے ہین وہ جھوٹے ہین اور لوگونکو دھوکہ دیتے ہین۔ درحقیقت یہ سچ ہے اور بالکل سچ ہے کہ وہ زلزلہ اس

لہ پہلے اکثر مسلمان جو اپنی غلط فہمی سے حضرت عیسیٰ کو آسمان سے اتار رہے تھے وہ بات صحیح نہ تھی۔ بلکہ خدا تعالیٰ کیطرف سے مسیح ہو کر آنیوالا یہی راقم تھا لیکن ان لوگونکا کچھ قصور نہین کیونکہ قبل از وقوع کسی پیشگوئی کے معنے کرنے مین عوام تو ایکطرف بعض اوقات انبیاء بھی اجتہادی غلطی کر بیٹھتے ہین مگر بعد اسکے پیشگوئی کے وقوع کے وقت معنے کھلجاتے ہین ٭

ملک پر آنیوالا ہے جو پہلے کسی آنکھ نے نہیں دیکھا اور نہ کسی کان نے سنا اور نہ کسی دل میں گذرا۔ بجز توبہ اور دل کے پاک کرنیکے کوئی اسکا علاج نہیں۔ کوئی ہے جو ہماری اس بات پر ایمان لائے؟ اور کوئی ہے جو اس آواز کو دل لگا کر سنے؟ یہ بھی ملک کی بدقسمتی ہے جو خدا کے کلام کو ٹھٹھے اور ہنسی سے دیکھتے ہیں اور انکے دل ڈرتے نہیں خدا فرماتا ہے کہ میں چھپ کر آؤنگا۔ میں اپنی فوجوں کے ساتھ اسوقت آؤنگا کہ کسیکو گمان بھی نہ ہوگا کہ ایسا حادثہ ہونیوالا ہے۔ غالباً وہ صبح کا وقت ہوگا یا کچھ حصہ رات میں سے یا ایسا وقت ہوگا جو اس سے قریب ہے۔ پس اے عزیزو! تم جو خدا تعالے کی وحی پر ایمان لاتے ہو ہوشیار ہو جاؤ اور اپنی توبہ کے جامہ کو خوب پاک اور صاف کر دکہ خدا تعالے کا غضب آسمان پر بھڑکا ہے وہ چاہتا ہے کہ دنیا کو اپنا چہرہ دکھائے بجز توبہ کے کوئی پناہ نہیں۔ ہلاک ہو گئے وہ لوگ جنکا کام ٹھٹھا اور ہنسی ہے جو گناہ اور معصیت سے باز نہیں آتے اور انکی مجلسیں ناپاکی اور غفلت سے بھری ہوئی ہیں اور انکی زبانیں مردار سے بدتر ہیں وہ بار بار کی شوخیوں سے خدا تعالے کے غضب کو بھڑکاتے ہیں۔ وہ دلوں کے اندھے ہیں۔ اور خدا تعالے فرماتا ہے کہ اس روز میں ان پر رحم کرونگا جنکے دل مجھ سے ترسان اور ہراسان ہیں جو نہ بدی کرتے ہیں اور نہ بدی کی مجلسوں میں بیٹھتے ہیں اور خدا نے یہ بھی فرمایا کہ اس روز تیرے لیے فتح نمایاں ظاہر ہوگی۔ کیونکہ خدا اس روز وہ سب کچھ دکھلائیگا جو قبل از وقت دنیا کو سنایا گیا۔ خوش قسمت وہ جو اب بھی سمجھ جائے۔ یاد رہے کہ خدا کا غیب نہایت عمیق در عمیق ہوتا ہے۔ بجز ان خدا کے مرسلوں کے جو جناب الٰہی میں برگزیدہ ہوتے ہیں اور کسی پر نہیں کھلتا اور کسیکو اس خالص غیب کی اطلاع نہیں دیجاتی۔ پس مجھے خدا تعالے نے اطلاع دی ہے تا وہ جو خدا تعالے کو شناخت نہیں کرتے اور نہ مجھ کو۔ انکو پتہ لگجائے۔ میں محض ہمدردی کی راہ سے یہ بھی کہتا ہوں کہ اگر لوگ بڑے بڑے مکانوں سے جو دو منزلے سہ منزلے ہیں اجتناب کریں تو اس میں رعایت ظاہر ہے۔ آیندہ انکا اختیار۔ والسلام۔ المشتہر مرزا غلام احمد قادیانی۔ ۲۹۔ اپریل ۱۹۰۵ء بروز شنبہ۔

ضروری گذارش لائق توجہ گورنمنٹ +

یہ عجیب زمانہ ہے کہ ہمدردی کی بھی ناشکری کیجاتی ہے بعض اخباروں والے خاصکر پیسہ اخبار لاہور اس بات سے

+ ہماری جماعت کے ہر ایک ذی مقدرت لوگو نپر جو مختلف اضلاع میں رہتے ہیں واجب ہوگا کہ عوام کی غلطیاں دور کرنیکے لیے اور شریر لوگوں کے دھوکہ کے ازالہ کیلئے جو ناحق میرے اشتہارات کے الٹے معنے کر کے سادہ لوگوں کو تشویش میں ڈالتے ہیں اور گورنمنٹ کو بھی عمداً دھوکا دیتے ہیں کسی قدر اپنے طور پر بھی اشتہار لفظ بلفظ چھاپ کر اپنے گرد و نواح میں اور دور و نزدیک میں شائع کر دیں تا مستحق ثواب ہوں اور لوگوں کی غلط فہمی دور ہو جائے منہ

بہت ناراض ہوئے ہیں کہ میں نے دوسرے زلزلہ کی خبر کیوں شایع کی ہے حالانکہ انکو خوب معلوم ہے کہ جو کچھ میں نے شایع کیا وہ بدنیتی سے نہیں ہے اور کسیکو آزار دینا اور تشویش میں ڈالنا میرا مقصد ہے میں نے پہلے اس سے سنہ ۱۹۰۳ء میں ایک زلزلہ شدیدہ کی خبر شایع کی تھی جس کا یہ مضمون تھا کہ ایک زلزلہ سخت آنیوالا ہے جو ہولناک ہوگا اور پھر میں نے اُسی زلزلہ کے بارہ میں مئی سنہ ۱۹۰۴ء میں بذریعہ اخبار شایع کیا کہ وہ زلزلہ آنیوالا ایسا ہوگا کہ جس سے ایک حصہ ملک کا تباہ ہو جائیگا اور بڑی بڑی عمارتیں گر ینگی اور جو عارضی طور پر فرودگاہیں ہیں وہ بھی گرینگی اور جو مستقل سکونت کی عمارتیں ہیں وہ بھی نابود ہو جائینگی اور اس زمانہ سے پچیس برس پہلے بھی میں نے اپنی کتاب براہین احمدیہ میں اسی زلزلہ کی خبر دی تھی اور لکھا تھا کہ اس سے پہاڑ پھٹ جائیں گے - اور بڑی آفت پیدا ہوگی اور جب وہ پیشگوئی ۴ اپریل سنہ ۱۹۰۵ء کو پوری ہوگئی اور بندگان خدا کا وہ نقصان ہوا جس کی تحریر کرنیکی حاجت نہیں تب مجھے اس حادثہ سے اسقدر صدمہ پہنچا کہ جسکے بیان کرنیکے لیے الفاظ نہیں اور میں خیال کرتا ہوں کہ بہت کم ایسے لوگ ہونگے جنکو میری مانند ملک کی اس تباہی کا صدمہ پہنچا ہو کیونکہ اس زلزلہ کے بعد مجھے بار بار یہ خیال آیا کہ میں نے بڑا گناہ کیا کہ جیسا کہ حق شایع کرنیکا تھا اس پیش گوئی کو شایع نہ کیا کیونکہ وہ پیشگوئی صرف اردو کے دو اخبار اور دو رسالوں میں شائع ہوئی تھی اور یہ بھی فروگذاشت ہوئی ہے کہ عربی پیش گوئی کا ترجمہ بھی نہیں ہوا تھا اور یہ بھی بڑی غلطی ہوئی کہ انگریزی اخباروں میں اس کو شائع نہیں کیا گیا تھا اگرچہ میں اس وقت جانتا تھا کہ میرا کلام صاد لوگوں کو ایک واجبی احتیاط کی طرف مصروف نہیں کریگا کیونکہ قوم میری باتوں کو بدظنی سے دیکھتی ہے اور ہر ایک بھلائی کی بات جو میں پیش کرتا ہوں بجز گالیاں سننے کے میں اس کا کوئی صلہ نہیں پاتا تاہم میرے دل کو اس غم نے سخت گھیرا کہ جو خبر مجھے پہلے سے بہت صفائی سے خدائے علیم وحکیم کیطرف سے ملی تھی میں نے اسکی پورے طور پر اشاعت نہ کی اور اگر میں پورے طور پر اشاعت کرتا اور بار بار متنبہ کرتا تو ممکن تھا کہ اس پر کاربند ہو کر بعض جانیں بچ جاتیں چنانچہ جس قدر میری جماعت میں سے دھرم سالہ اور کانگڑہ اور کلو وغیرہ میں لوگ رہتے تھے یا ملازم تھے ایک بھی ان میں سے ضایع نہیں ہوا اسکی وجہ یہی ہوگی کہ وہ زلزلہ کی خبر کو پہلے سے یاد رکھتے ہونگے اور حتی الوسع اپنی باطنی اصلاح بھی کی ہوگی میں اسی غم اور پریشانی میں تھا کہ یکدفعہ پھر مجھے خدا تعالیٰ کیطرف سے خبر ملی کہ ایک زلزلہ اور آنیوالا ہے جو قیامت کا نمونہ ہوگا اس خبر کو سنتے ہی میرے بدن پر لرزہ پڑ گیا اور میرے دل کی وہ حالت ہوئی جسکو میرا خدا جانتا ہے - اور جیسا کہ میں لکھ چکا ہوں میں پہلے سے بہت شرمندہ تھا کہ میں نے زلزلہ کی پہلی خبر کو کماحقہ کیوں شائع نہ کیا اور کیوں بنی نوع کی پوری ہمدردی نہ کی - اب دوسرے زلزلہ کی خبر پاکر میرا دل اس بات کیلیے بے اختیار ہو گیا کہ پہلی فروگذاشت کا اب تدارک کروں اسی غرض سے میں نے تین اشتہار شائع کیے تا لوگوں کو متنبہ[ط] کروں کہ حتی المقدور اپنے اعمال کی اصلاح کریں اور جہانتک ممکن ہو ایسی عمارتوں سے

لہ اس کے واسطے کوئی تاریخ معین نہیں ہے کیونکہ خدا تعالیٰ نے کوئی خاص تاریخ میرے پر ظاہر نہیں فرمائی بعض لوگوں کو غلطی لگی ہے کہ ہم نے ۱۱ سے ۱۴ مئی مقرر کی تھی مگر یہ بالکل جھوٹ ہے ہمنے کوئی تاریخ نہیں لکھی ایسی پیشگوئیوں میں عموماً یہی سنت اللہ ہے چنانچہ انجیل میں بھی

بچین جو دو منزل سہ منزل ہین اور ابھی دفعہ مینے پہلی فروگذاشت کو پورا کرنیکے لیے کئی ہزار اشتہار شایع کیے اور اخبار ونمین بھی یہی مضمون شایع کرایا اور پایونیر وغیرہ انگریزی اخبار ونمین بھی شایع کرادیا بلکہ اس اطلاع کیلیے ایک چٹھی بخدمت جناب لفٹنٹ گورنر بہادر اور ایک چٹھی جناب نواب لارڈ کرزن والیسراے بالقابہ کیخدمت مین بھیجی گئی اور ابھی مین اس بات کیطرف متوجہ ہون کہ یا تو خدا تعالی اپنے فضل وکرم سے اس گھڑی کو ٹالدے اور مجھے اطلاع دے اور یا پورے طور پر بقید تاریخ اور روز اور وقت اس آنیوالے حادثہ سے مطلع فرماوے کیونکہ وہ ہر ایک بات پر قادر ہے۔ اب ناظرین سمجھ سکتے ہین کہ کسی بدنیتی یا دلازاری یا ستانے کیلیے مینے یہ کام نہین کیا اور جس آنیوالے زلزلہ سے مینے دوسرونکو ڈرایا اُس سے پہلے مین آپ ڈرا اور ابتک قریبًا ایکماہ سے میرے خیمے باغ مین لگے ہوئے ہین مین واپس قادیان مین نہین گیا کیونکہ مجھے معلوم نہین کہ وہ وقت کب آنیوالا ہے مینے اپنے مریدونکو بھی اپنے اشتہارات مین بار بار یہی نصیحت کی کہ جسکی مقدرت ہو اسے ضروری ہے کہ کچھ مدت خیمونمین باہر جنگل مین رہے اور جو لوگ بے مقدرت ہین وہ دعا کرتے رہین کہ خدا اس بلا سے ہمین بچاوے پس میری نیک نیتی پر اس سے زیادہ کون گواہ ہو سکتا ہے کہ اسی خیال سے مین مع اہل وعیال اور اپنی تمام جماعت کے جنگل مین پڑا ہون اور جنگل کی گرمی کو برداشت کر رہا ہون حالانکہ قادیان طاعون سے بالکل پاک صاف ہے مگر جس بات سے خدا نے ڈرایا اس سے ڈرنا لازم ہے اور جس ضرر کا یقین ہے اس سے بنی نوع کو ڈرانا بھی شرائط ہمدردی مین داخل ہے اگر مین دیکھون کہ کسی گھر کے کسی حصہ کو آگ لگنے کو ہے اور گھر کے لوگ خواب مین ہین ان کو کچھ خبر نہین اور مین ان کو اطلاع نہ دون کہ وہ تشویش مین پڑین گے تو مین ایک سخت گناہ کا مرتکب ہونگا۔ یہ بھی یاد رہے کہ کسی کمزور بنا پر پیشگوئی نہین کیگئی ہے بلکہ اگر حکام کیطرف سے کبھی میرے اس دعوی کی پڑتال ہو تو کم سے کم ہزار پیشگوئی ایسی ثابت ہوگی جو وہ سچی نکلی پس جبکہ مین صدہا پیشگوئیون کی سچائی کے تجربہ سے اسبات کے باور کرنیکے لیے ایک بھاری ثبوت اپنے پاس رکھتا ہون کہ جو کچھ خدا نے مجھے فرمایا ہے سچ ہے تو پھر اس سے لوگونکو متنبہ نہ کرنا ایک ظلم تھا کیونکہ یہ ایک زلزلہ کی پیش گوئی قطعی نہین بلکہ شرطی ہے ہر ایک شخص نیک چلنی اختیار کریگا وہ بچایا جائیگا پس ایسے شخص کو کیا غم ہے جو اپنے چال چلن کی درستی رکھتا ہے ہان وہ بدمعاش لوگ جو اپنا پیشہ بدکاری حرامخواری خونریزی وغیرہ رکھتے ہین البتہ ایسے اشتہارون سے وہ تشویش مین پڑینگے سو انکی تشویش کی نہ خدا کو پروا ہے اور نہ گورنمنٹ کو اگر انکو خوش رکھنا مقصود ہوتا تو انسانی گورنمنٹین ان کے لیئے جیلخانے کیون تیار کرتین ✤

✤ صرف یہ لکھا ہے کہ زلزلے آوینگے مگر تاریخ مقرر نہین ہے مجھے ابتک قطعی طور پر یہ بھی معلوم نہین کہ اس زلزلہ سے درحقیقت ظاہری زلزلہ مراد ہے یا کوئی اور شدید آفت ہے جو زلزلہ کا رنگ اپنے اندر رکھتی ہے بہرحال اس سے خوف کرنا لازم اور احتیاط رکھنا ضروری سمجھکر مین ابتک خیمونمین باہر جنگل مین گذارہ کرتا ہون اور خیمونکے خریدنے اور عمارتونکے بنانے مین ایکہزار روپیہ کے قریب ہمارا خرچ بھی ہو چکا ہے اور اسقدر حرج کون اٹھا سکتا ہے بجز اسکے کہ جو سچے دل سے ایک آنیوالے حادثہ پر یقین رکھتا ہے مجھے بعد مین زلزلہ کی نسبت یہ بھی الہام ہوا تھا "پھر بہار آئی خدا کی بات پھر پوری ہوئی" مجھے اسپر غور کرنیسے اجتہادی طور پر خیال گذرتا ہے کہ ظاہر الفاظ وحی الہی کے یہ چاہتے ہین کہ یہ پیشگوئی بہار کے ایام مین پوری ہوگی۔ شاید ان تحریکات کیلیے بہار کے ایام کو کچھ خصوصیت ہو اور ممکن ہے کہ اس وحی کے اور معنی ہون اور بہار سے مراد کچھ اور ہو منہ

میری سمجھ مین نہین آتا کہ یہ کس قسم کی بدظنی ہے جو مخالف لوگ مجھ پر کرتے ہین وہ کہتے ہین کہ ہمین اپنے اشتہار نے تشویش مین ڈالدیا ہے مین نہین سمجھ سکتا کہ یہ کیسی تشویش ہے مین منجم ہونیکا دعوے نہین کرتا نہ مجھے علم جیالوجی کی مہارت کا کوئی دعوے ہے صرف یہ دعوے ہے کہ مین خدا تعالیٰ کی طرف سے وحی پاتا ہون مگر اس دعوے کے یہ لوگ سخت منکر ہین اور اسی بنا پر مجھے کافر اور دجال کہتے ہین اور اسی بنا پر یہ لوگ میری تکذیب کر رہے ہین ان لوگون نے ہزارہا اشتہار میری نسبت شائع کیے ہین کہ اس دعویٰ مین یہ شخص جھوٹا ہے بلکہ اس قدر لعنتون اور گالیون سے بھرے ہوئے میری نسبت دنیا مین اشتہار شایع کر چکے ہین جنسے کم سے کم دس کوٹھے بھر سکتے ہین تو پھر کیا کوئی سمجھ سکتا ہے کہ میری ایسی پیشگوئیون سے وہ ڈرتے ہون جو شخص انکے نزدیک جھوٹا ہے اس سے ڈرنے کے کیا معنے٭ اگر مجھے بندگان خدا کی سچی ہمدردی مجبور نہ کرتی تو مین ایک ورق بھی شایع نہ کرتا مگر پہلی پیشگوئی کا بڑے زبردست طور سے پورا ہونا اور ہزارہا جانون کا نقصان ہونا مجھے کھینچکر اسطرف لایا کہ مین

٭ (نوٹ) اس جگہ نمونہ کے طور پر مخالفین مین سے ایک کا اشتہار نقل کیا جاتا ہے جس سے ظاہر ہوگا کہ ہماری پیشگوئیونکی جب اس طرح تکذیب کیجاتی ہے تو پھر یہ پیشگوئیان کیسے واسطے تشویش کا موجب نہین ہین اور نہ لوگ اس سے ڈرتے ہین۔ بلکہ اسپر ٹھٹھے اڑاتے ہین۔ چنانچہ ایک تازہ اشتہار کی کچھ عبارت ہم اسجگہ بطور نمونہ کے نقل کرکے دکھلاتے ہین کہ ایسے مخالفین پر ہماری پیشگوئیونکا کیا اثر پڑ سکتا ہے

اور وہ عبارت یہ ہے

مین آج ۶ مئی ۱۹۰۵ء کو اس امر کا بڑے زور اور دعوے سے اعلان کرتا ہون اور تمام لوگونکو اسبات کا یقین دلاتا ہون اور خوفناک اور سہمے ہوئے دلونکو اطمینان اور تسلی دیتا ہون کہ قادیانی نے ۵-۸-۲۱- اور ۲۹- اپریل ۱۹۰۵ء کے اشتہارون اور اخبارون مین جو لکھا ہے کہ ایک ایسا سخت زلزلہ آئیگا جو ایسا شدید اور خوفناک ہوگا کہ نہ کسی آنکھ نے دیکھا ہے نہ کسی کان نے سنا۔ گرچہ قادیانی زلزلہ کے آنے کی تاریخ یا وقت نہین بتاتا۔ مگر اس امر پر بہت زور دیتا ہے کہ زلزلہ ضرور آئیگا اسلیئے مین اُن بھولے بھالے سادہ لوح آدمیونکو جو قادیانی کی صرف لفاظیون اور اخباری رنگ آمیزیون سے خوفناک ہو رہے ہین۔ بڑے زور سے اطمینان اور تسلی دیتا ہوا خوشخبری سناتا ہون کہ خدا کے فضل و کرم سے شہر لاہور وغیرہ مین یہ قادیانی زلزلہ ہرگز نہین آئیگا! نہین آئیگا!! اور نہین آئیگا!!!- اور آپ ہر طرح اطمینان اور تسلّی رکھین۔ مجھے یہ خوشخبری حقیقی نور الٰہی اور کشف کے ذریعہ سے دیگئی ہے جو انشاء اللہ بالکل ٹھیک ہوگی۔ مین بھروسہ کرکے کہتا ہون اور اس نور الٰہی سے جو مجھے بذریعہ کشف دکھلایا گیا ہے مستفیض ہوکر اور اسکے اعلان کی اجازت پاکر ڈنکے کی چوٹ کہتا ہون کہ قادیانی ہمیشہ کی طرح اس زلزلہ کی پیشین گوئی مین بھی ذلیل اور رسوا ہوگا اور خداوند تعالےٰ حضرت خاتم المرسلین شفیع المذنبین کی طفیل سے اپنی گنہگار مخلوق کو اپنے دامن عاطفت مین رکھکر اس نارسیدہ آفت سے بچا لیگا۔ اور کسی فرد بشر کا بال تک بینکا نہ ہوگا +

ملا محمد بخش حنفی سکرٹری انجمن حامی اسلام لاہور

٭٭ اسی پیشگوئی کے متعلق جو زلزلہ ثانیہ کی نسبت شایع ہو چکی ہے آج ۲۲- مئی ۱۹۰۵ء کو بوقت ۵ بجے صبح خدا تعالیٰ کیطرف سے یہ وحی ہوئی۔ صدقت الرؤیا انا کذالک نجزی المتصدقین یعنی زلزلہ کی نسبت تیرے دیکھے ہوئے کو ہمنے سچا کرکے دکھلایا۔ اور اسی طرح ہم صدقہ دینے والونکو جزا دیتے ہین۔ منہ۔

دوسری پیش گوئی کے شایع کرنے مین کوتاہی نہ کرون اور کما حقہ شایع کر دون بعض نے میری نسبت خط لکھے کہ تو جھوٹا ہے ہم چاہتے
ہین کہ تجھے قتل کر دین لیکن اگر میرے اشتہارون سے کچھ لوگ احتیاط پر کاربند ہو جائین اور اپنی کچھ اندرونی اصلاح کرلین اور انکی جانین
بچ جائین تو میری جان کیا چیز ہے کیا مجھے کبھی مرنا نہین یا اپنی جان سے ایسی محبت رکھتا ہون کہ بنی نوع کی ہمدردی بھی چھوڑ دون
اور بعض نادان کہتے ہین کہ یہ اشتہار اس غرض سے لکھے گئے ہین کہ تا لوگ ڈر کر انکی بیعت قبول کرلین مگر اس حق پوشی کا مین کیا
جواب دون مین بار بار انہین اشتہارات مین لکھ چکا ہون کہ اصلاح نفس اور توبہ سے اس جگہ میری یہ مراد نہین ہے کہ کوئی ہندو یا
عیسائی مسلمان ہو جائے یا میری بیعت اختیار کرے بلکہ یاد رکھنا چاہیئے کہ اگر کسی کا مذہب غلطی پر ہے تو اس غلطی کی سزا کے لیے
یہ دنیا عدالت گاہ نہین ہے اسکے لیے عالم آخرۃ مقرر ہے اور جسقدر قومونکو پہلے اس سے سزا ہوئی ہے مثلاً آسمان سے پتھر برسے
یا طوفان سے غرق کیئے گئے یا زلزلہ نے انکو فنا کیا اس کا یہ باعث نہین تھا کہ وہ بت پرست تھے یا آتش پرست یا کسی اور مخلوق
کے پرستار تھے اگر وہ سادگی اور شرافت سے اپنی غلطیون پر قایم رہتے تو کوئی عذاب انپر نازل نہ ہوتا لیکن انہون نے ایسا نہ کیا۔ بلکہ
خدا تعالےٰ کی آنکھ کے سامنے سخت گناہ کیئے اور نہایت درجہ شوخیان دکھلائین اور انکی بدکاریون سے زمین ناپاک ہو گئی اس لیے
اسی دنیا مین ان پر عذاب نازل ہوا خدا کریم و رحیم ہے اور غضب مین دھیما ہے اگر اس زمانہ کے لوگ اُس سے ڈرین اور بدکاریون
اور ظلمتون اور طرح طرح کے بُرے کامون پر ایسی جرأت نہ کرین کہ گویا خدا نہین ہے تو پھر انپر کوئی عذاب نازل نہین ہوگا جیسا کہ وہ
فرماتا ہے مَا يَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ اِنْ شَكَرْتُمْ وَاٰمَنْتُمْ ۵ یعنے خدا تمہین عذاب دیکر کیا کریگا اگر تم شکر گذار رہو اور
خدا پر ایمان لاؤ اور اسکی عظمت اور سزا کے دن سے ڈرو ایسا ہی اسکے مقابل پر فرماتا ہے قُلْ مَا يَعْبَؤُا بِكُمْ رَبِّيْ لَوْلَا دُعَاءُ
كُمْ ۱۹ یعنی انکو کہدے کہ اگر تم نیک چلن انسان نہ بن جاؤ اور اس کی یاد مین مشغول نہ رہو تو میرا خدا تمہاری زندگی کی پروا کیا رکھتا
ہے اور سچ ہے کہ جب انسان غافلانہ زندگی بسر کرے اور اسکے دل پر خدا کی عظمت کا کوئی رعب نہ ہو اور بیقیدی اور دلیری
کے ساتھ اسکے تمام اعمال ہون تو ایسے انسان سے ایک بکری بہتر ہے جسکا دودھ پیا جاتا ہے اور گوشت کھایا جاتا ہے اور کھال
بھی بہت سے کامون مین آجاتی ہے۔ اور مین جانتا ہون کہ جسقدر مینے لکھا ہے وہ ان لوگونکے لیے بس ہے جنکے دل ٹیڑھے نہین
ہین اور جو جانتے ہین کہ خدا ہے۔ والسلام علیٰ من اتبع الہدیٰ +

المشتہر۔ مرزا غلام احمد قادیانی

مہذب ممالک کی عورتین

مسٹر مانٹلے نے پرچہ سکس مین نیویارک کی عورتون کے جو امریکہ کی تہذیب کا مرکز ہے ایسے حالات لکھے ہین جو
اس ملک مین بھی دلچسپی سے پڑھے جاوین گے اسی شخص نے پہلے ایک مضمون فضول خرچی کے متعلق لکھا تھا جس مین

اس نے یہ لکھا تھا کہ نیویارک کی عورتین ایک سمور کے کوٹ پر اٹھاران ہزار روپئے کے قریب خرچ کردیتی ہین اس پر بعض اخبارون نے نکتہ چینی کی اور اس امر کی صحت سے انکار کیا اسلیے مسٹر افٹ نے دوبارہ پوری تحقیق کے بعد پھر یہ مضمون لکھا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ "نیویارک کے ایک مشہور سمور فروش کی دکان پر ایک درمیانہ حیثیت کے کوٹ کی جو ہلکے چمڑے سے تیار ہوا تھا انتیس ہزار روپیہ قیمت بیان کیگئی۔ جب یہ پوچھا گیا کہ اس قسم کے عمدہ کوٹ پر کسقدر خرچ آتا ہے تو سمور فروش نے جواب دیا کہ عمدہ کوٹ کے تیار کرنے پر تینس روپے فی مربع انچ خرچ آتا ہے اس حساب سے اگر کوٹ ۳۰ انچ لمبا ہو تو اسکی قیمت ننانوے ہزار روپیہ ہوگی اور اگر ٹخنون تک لمبا کوٹ تیار کرایا جاوے تو اس کی لاگت ایک لاکھ بتیس ہزار روپیہ ہوگی۔ امیر عورتون کا کم سے کم سالانہ خرچ صرف لباس کا ایک لاکھ پندرہ ہزار آٹھ سو روپے ہوتا ہے ان واقعات کو مدنظر رکھ کر مسٹر افٹ اس نتیجہ پر پہنچا ہے کہ نیویارک مین چھ ہزار عورتین ہر سال باران کروڑ سے زیادہ روپیہ لباس پر اڑا دیتی ہین اور اسکے بعد وہ لکھتا ہے "اور یہ صرف ایک شہر کا قصہ ہے اور دوسرے بڑے بڑے شہرون مثلاً بوسٹن۔ شکاگو۔ فلاڈلفیا اور باقی ملک کے اخراجات علاوہ ہین۔ امریکہ مین یقیناً دس ہزار عورتین ایسی موجود ہین جو اپنے خرچ لباس کو درمیانہ درجہ پر لے آئینسے یعنی صرف نو ہزار روپیہ سالانہ لباس پر خرچ کرکے غربا کیلیے نو کروڑ روپیہ ہر سال بچا سکتی ہین۔ اور نو ہزار روپیہ لباس کیلیے کچھ تھوڑا خرچ نہین ہے" بالمقابل اسکے عام لوگون کی یہ حالت ہے کہ سات یا آٹھ گھر کے آدمیونکے لباس کا خرچ بمشکل ایکسو پچاس روپے تک پہنچتا ہے۔

اس فضولخرچی کو بیان کرنیکے بعد راقم مضمون ان لباسونکے پہننے کی اصل غرض کیطرف توجہ کرتا ہے اسکی رائے مین اسکی غرض خاوندون کو خوش کرنا نہین بلکہ اصل غرض یہ ہوتی ہے کہ تا جو لوگ ان فاخرہ لباسونکو دیکھین وہ ان کے پہننے والونکی تعریف کرین۔ وہ کہتا ہے کہ "ایک دفعہ مجھے نیویارک کی ایک سرائے مین ٹھہرنیکا اتفاق ہوا۔ اور کھانا کھانیکے وقت میرے پاس ہی اتفاقاً دو میان بیوی تھے جو عموماً الگ بیٹھتے تھے مینے غور کیا کہ ہر شام کو بیوی نیا لباس پہن کر آتی تھی۔ ایک ہفتہ کے بعد مینے یہ دیکھنا شروع کیا کہ آیا پہلے پہنے ہوئے لباسونکو ہی پھر دوبارہ پہن کر آتی ہے یا نہین۔ مگر چھ ہفتہ تک یعنی جبتک مین اس سرائے مین ٹھہرا رہا مینے دیکھا کہ ہر روز وہ عورت نیا لباس جو پہلے سے بڑھ چڑھ کر ہوتا پہن کر آتی۔ اور مین حیران ہی رہا کہ ایک معمولی سے خاوند کے ساتھ ان نہایت قیمتی اور نو بنو لباسونکو پہن کر آنیکے کیا معنے ہین" درحقیقت جیسا کہ اس پرچہ مین لکھا گیا ہے بیزار کردینے والی دکھاوٹ اور نمایش تہذیب یافتہ ممالک مین دن بدن ترقی پر ہے اور اسکی وجہ صرف یہی ہے کہ عورت کو اس دایرے سے باہر نکالدیا گیا ہے۔ جو قدرت نے اسکے لیے تجویز کیا ہے۔

امریکہ مین جو تہذیب مین اول نمبر پر ہے عورتونکی حالت دن بدن ایسی بگڑ رہی ہے کہ انگلستان مین بھی ان عورتون کو اخلاقی وبا کے نام سے پکارا جاتا ہے چنانچہ ایک عورت لیوکس میلٹ نے انہین خیالات کا اظہار اخبار فارٹنائیٹلی ریویو

کی تازہ اشاعت مین کیا ہے۔ وہ کہتی ہے کہ "ان عورتونکی بڑی سے بڑی آرزو صرف دنیا تک ہی محدود ہے۔ وہ باوجود ذرائع کے نہ ہونے یا کم ہونیکے اپنے سے اچھون کے لباس اور کھیلونمین نقل کرتی ہین۔ ناچ کو ایک ایسا دروازہ سمجھتی ہین جس مین داخل ہوکر ناجایز تعلقات کے پیدا کرنیکی آسان راہ کھل جاتی ہے۔ عورتون کی مجلسون مین شریک ہوکر اپنے اوقات ضایع کرتی ہین جس سے انتظام خانہ داری اور تربیت اطفال مین وہی نقص پیدا ہوتا ہے جو ان عورتون کی حالت مین ہوتا ہے جو شراب خانون مین اپنا وقت بسر کرتی ہین۔ سب سے بڑا دھوکہ جس مین وہ مبتلا ہین یہ ہے کہ وہ ظاہر شکل اور نمود کی پرستش کرتی ہین جس کا نتیجہ یہ ہے کہ انکے جوشون اور عشقون سے لیکر انکے اندر کے لباسون تک کسی بات مین کھراپن اور اصلی ہونا نہین پایا جاتا۔ انکی بڑی خواہش یہی ہوتی ہے کہ سوسائیٹی مین ہر شخص انکو جانتا ہو اور انکی شہرت عام ہو اور پھیرنے پھرانے مین سارا دن گذر جائے وہ چاہتی ہین کہ لوگ انکی طرف توجہ کرین اور انکی نسبت باتین کرین مگر یہ باتین بہت اخراجات کو چاہتی ہین خصوصًا اس حالت مین جبکہ ایک شخص مین ذاتی خوبی کوئی نہین کوئی ایسا ضرور ہونا چاہیئے جو انکے ان وسیع اخراجات کے بلون کو ادا کرے اور یہ بہانہ کرنا محض حماقت ہے کہ ان اخراجات کی برداشت ہمیشہ خاوند ہی کرتا ہے۔ یہ سخت باتین ہین (اور مہذب سوسائیٹی مین سخت قابل افسوس باتین) مگر افسوس ہے کہ انکی بنا واقعات پر ہے۔ ان عورتونمین سخت اصلاح کی ضرورت ہے اور مین چاہتی ہون کہ پریزیڈنٹ روسیولٹ کی تقریر کو نہ صرف پڑھا ہی جاوے بلکہ اسپر عمل بھی کیا جاوے"۔ یہ اشارہ ریاست ہائے متحدہ امریکہ کے پریزیڈنٹ کی اس تقریر کیطرف ہے جو اس نے حال مین ہی کی تھی اور جس مین اس نے خلوص دل سے عورتونکو نصیحت کی تھی کہ وہ فضولیون کو چھوڑکر اپنے اصلی فرایض کی طرف توجہ کرین یعنی بچونکی پرورش اور انتظام خانہ داری کی طرف) "اور مین نہایت سنجیدگی سے کہتی ہون کہ اور تمام عیبون کو چھوڑکر ظاہر پرستی اور نمود کا عیب ہی ایک بڑا عیب ہے اور اسکی جوابدہ خود عورتین ہی ہین کیا انہون نے تمام ضروریات کو صرف دو پر ہی محدود نہین کر دیا یعنی روپے کا حاصل کرنا اور تماش بینی اور کھیل تماشون مین وقت ضائع کرنا"۔ ہمارے لیے بڑی خوشی کا مقام ہے کہ اب تہذیب یافتہ اقوام اپنے نقصونکو آپ دیکھنے لگی ہین۔

ریویو:- تفسیر القرآن (اُردو) جسکو شیخ یعقوب علی صاحب نے مرتب کیا ہے سورہ بقرۃ کے اخیر تک تیار ہو چکی ہے۔ ماخذ اس تفسیر کا حضرت مولوی نورالدین صاحب کے نوٹ ہین جو یا تو انکے درس قرآن سے لیے گئے ہین اور یا پرانی یادداشتون سے شیخ صاحب نے ان نوٹونکو ترتیب اور وسعت دینے مین بے نظیر محنت کا ثبوت دیا ہے۔ خدا تعالےٰ انکی اس محنت مین برکت دے اور اسکو بہتونکی ہدایت کا موجب کرے۔ میرے نزدیک اس زمانہ مین ایسی تفسیر کی سخت ضرورت تھی جسمین مباحثات کا وہ نیا پیرایہ اختیار کیا جاوے جسکی ضرورت کا زمانہ مقتضی ہے اور قصّون

کسی جگہ وحی الہی کی بنا پر رکھا اسی طرح آپکے صحابہ رضی اللہ عنہم نے اسکو پڑھا اور پڑھایا اور جیسے یہ یقینی بات ہے جسکو میور جیسے دشمن اسلام نے بھی تسلیم کیا ہے کہ قرآن کریم کے الفاظ بغیر کسی شک اور شبہ کے وہی ہین جو آنحضرت صلعم کے منہ سے نکلے تھے ویسا ہی یہ امر بھی یقینی ہے کہ اسکی سورتون

رؤیا والہامات حضرت مسیح موعود علیہ السلام

یکم مئی۔ ایک اشتہار دیکھا جس کے اوپر لکھا ہوا ہے ”المبارک“ پھر الہام ہوا برکۃ زایدۃ علی ھذا الرجل۔
۳۔مئی۔ دمار میت اذ رمیت ولکن اللہ رمیٰ۔ ۳ مئی۔ کسی نے ایک لکھا ہوا کاغذ دکھایا جسپر لکھا ہوا ہے۔
”آہ نادر شاہ کہاں گیا“ ۹۔ مئی۔ ویستنبئونک احق ھو قل ای وربی انہ لحق + ۹ مئی ”پھر بہار آئی
خدا کی بات پھر پوری ہوئی“ ۱۰ مئی۔ کیا عذاب کا معاملہ درست ہے۔ اور اگر درست ہے تو کس حد تک + ۱۳ مئی۔ رؤیا الیسا
معلوم ہوتا ہے کہ گویا میرا ایک مقدمہ ہے جس حاکم کے سامنے ہے وہ قایم علی (ایک پرانا ای اے سی) معلوم ہوتا ہے اور اسکے
سررشتہ دار میرے بھائی میرزا غلام قادر مرحوم ہیں۔ ہم تینوں قریب قریب ہی زمین پر بیٹھے ہیں۔ حاکم نے سررشتہ دار کو
کہا کہ پچیس روپے طلبانے کے داخل کریں۔ مینے دیکھا تو جیب مین روپے موجود تھے سو مینے نکالکر دیدیئے +
۱۴ مئی۔ میاں محمود اور ایک اَور بچہ بیمار تھے دعا کی تو الہام ہوا۔ سلام قولاً من رب رحیم پر خدا کا رحم ہے۔ کوئی
بھی اس سے ڈر نہین + ۲۲۔ مئی۔ صدقت الرؤیا انا کذالک نجزی المتصدقین۔ (اس الہام مین تصدیق
خبر زلزلہ ہے) ۲۳۔ مئی۔ بوقت دوپہر ”زمین تہ و بالا کردی“ انی مع الافواج اتیک بغتۃ ”لنگر اٹھا دو“
۲۴ مئی۔ گذشتہ رات کو دیکھا کہ ایک لڑکی جسکا نام زینب ساتھ ہے۔ ایک کنوئین پر گئے ہین جو باغ کے باہر جنوب مغربی
کونہ پر واقع ہے۔ اور کہا کہ اس سے دور رہنا چاہیئے۔ ایسا نہ ہو کہ زلزلہ کے سبب یہ کنوان زمین کے اندر گر پڑے۔ گویا
زلزلہ کے سبب کنوئین کے زیر و بالا ہونیکا بھی اندیشہ ہے + فرمایا چند روز ہوئے ہم نے خواب مین دیکھا کہ ایک جگہ مردار پڑے ہین۔
(یھدم ما یعمرون والی پیش گوئی جو حضرت مسیح موعودؑ نے مطابق وحی الٰہی اشتہار النداء مین شایع کی تھی اور
اخبار بدر مورخہ ۱۴۔ اپریل ۱۹۰۵ء مین چھپی تھی پوری ہوئی یعنی دھرمسالہ مین مورخہ ۲۰ مئی ۱۹۰۵ء کو پھر سخت زلزلہ آیا
اور نئے مکانات جو رہایش کیواسطے بنائے گئے تھے کئی گر گئے۔ دیکھو اخبار سول ملٹری گزٹ مورخہ ۲۴ مئی ۱۹۰۵ء)۔
۲۵۔ مئی۔ اُرید ما تریدون۔ ۲۶۔ مئی۔ (۱) شر الذین انعمت علیھم۔
(۲) مین انکو سزا دونگا۔ (۳) ”مین اس عورت کو سزا دونگا“ معلوم نہین یہ کس کے متعلق ہے۔ پھر فرمایا
گھر مین طبیعت بہت علیل تھی مینے دعا کی تو انکے متعلق یہ الہام ہوا۔
رَدَّ الیہا رُوحہا وَرَیحانہا + اِنّی رَدَدتُ الیہا رُوحہا وریحانہا۔
رؤیا۔ اسیوقت جبکہ مذکورہ بالا الہام ہوا۔ دیکھا کہ کسی نے کہا کہ آنے والے زلزلے کی یہ نشانی ہے جب مین نے نظر اٹھائی
تو دیکھا کہ اس ہمارے خیمہ کے سر پر سے جو باغ کے قریب نصب کیا ہوا ہے ایک چیز گری ہے خیمہ کی چوب کا اوپر کا سرا

وہ چیز ہے۔ جب مینے اٹھایا تو وہ ایک لونگ ہے جو عورتوں کے ناک مین ڈالنے کا ایک زیور ہے اور ایک کاغذ کے اندر لپٹا ہوا ہے۔ میرے دل مین خیال گذرا کہ یہ ہمارے ہی گھر کا مدت سے کھویا ہوا تھا۔ اور اب ملا ہے اور زمین کی بلندی سے ملا ہے اور یہی نشانی زلزلہ کی ہے +

۲۷ مئی۔ عبد القادر رضی اللہ عنہ اری رضوانہ۔ اللہ اکبر۔ پہلی وحی کے متعلق فرمایا کہ خدا اپنی کچھ قدرتین میرے واسطے ظاہر کرنیوالا ہے اسواسطے میرا نام عبد القادر رکھا۔ رضوان کا لفظ دلالت کرتا ہے کہ کوئی فعل دنیا مین خدا کیطرف سے ایسا ظاہر ہونیوالا ہے جس سے ثابت ہو جائے اور دنیا پر روشن ہو جائے کہ خدا مجھ پر راضی ہے۔ دنیا مین بھی جب بادشاہ کسی پر راضی ہوتا ہے تو فعلی رنگ مین بھی اس رضامندی کا کچھ اظہار ہوتا ہے اسکے معنے یہ ہین کہ اس کی رضا پر دلالت کرنے والے افعال دیکھتا ہون۔

(مومن کو اللہ تعالے کی رضا بہت پیاری ہے۔ ایک حدیث مین آیا ہے کہ مومنین جب بہشت مین داخل کیئے جائینگے تو ان سے کہا جائیگا۔ کہ اب مانگو جو کچھ مانگنا چاہتے ہو تو وہ عرض کرینگے کہ اے ربّ تو ہم پر راضی ہو جا۔ جواب ملیگا اگر مین راضی نہ ہوتا تو تمکو بہشت مین کس طرح داخل کرتا۔)

۲۸ مئی۔ رؤیا۔ شیخ رحمت اللہ صاحب کی ایک گھڑی میرے پاس ہے اور ایک ایسی چیز جیسے ترازو کے دو پلڑے ہوتے ہین مثل جھیورونکی بہنگیھی کے۔ مین ایک ڈولی مین بیٹھا ہوا ہون۔ پھر کسی نے میان شریف احمد کو اس مین بٹھا دیا۔ اور اسکو جھکر دینا شروع کیا۔ اتنے مین گھڑی گر گئی اور اس جگہ کے قریب ہی گری ہے۔ مین کہتا ہون کہ اسکو تلاش کرو۔ ایسا نہ ہو کہ محمد حسین نالش کر دے۔

فرمایا کہ خیال گذرتا ہے کہ شاید گھڑی سے مراد وہ ساعت ہے جو زلزلہ کی ساعت ہے جو معلوم نہین واللہ اعلم۔ اور وہ رحمت کی ساعت ہے یعنی یہ ساعت ہمارے واسطے رحمت الٰہی کا موجب ہوگی۔

۲۹ مئی۔ یاتون من کل فج عمیق۔ یاتیک من کل فج عمیق۔ ۳۰ مئی۔ قبل ظہر فرمایا۔ آج ایک عجیب الہام ہوا ہے جو پہلے کبھی نہین ہوا۔ صلوٰۃ العرش الی الفرش یعنی رحمت الٰہی جو تیرے ہے اسکی کیفیت یہ ہے کہ وہ عرش سے لیکر فرش تک ہے۔ فرمایا اسمین کیفی مبالغہ ہے گویا اللہ تعالے کی رحمت نے وضا کو بھر دیا۔ یہ الہام آیندہ بشارت پر دلالت کرتا ہے یہ لفظی ہی نہین بلکہ عملی رنگ مین ظاہر ہونیوالا ہے اللہ تعالیٰ کی سنت ہے کہ جب وہ کسی سے خوش ہوتا ہے تو اسپر انعام و اکرام بھی کرتا ہے برخلاف اہل دنیا کے کہ وہ جب کسی سے کوئی عطیہ نذرانہ وغیرہ لے لیتے ہین تو صرف لفظون مین کہدیتے ہین ہم تمپر بہت خوش ہین غرض یہ بڑا مبشر الہام ہے عرش تو تجلی گاہ الٰہی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ زمین مین بھی قبولیت پیدا کر دیگا۔ جیسا کہ ایک حدیث مین آیا ہے کہ ایک شخص گمنامی کیساتھ متعین ہوتا ہے۔ اللہ تعالے جب اس سے راضی ہوتا ہے تو جبرئیل کہدیتا ہے کہ ملائکہ کو اسکی خبر کردو اسی طرح پر وہ دوسرے ملائکہ کو اور زمین مین اسکی قبولیت ڈالیجاتی ہے کل جو الہام ہوا ہے "یاتون من کل فج عمیق یاتیک

۲-جون - ینجی الناس من الامراض ترجمہ - لوگونکو بیماریون سے نجات دیتا ہے اور دیگا یعنی خدا تعالےٰ بہتونکو ہماری دعاؤن سے بیماریونسے نجات دے گا +

۹-جون - انی معك ومع اھلك ومع كل من احبك + ۱۳-جون - صبحکے وقت پانچ سطرین فارسی

(بقیہ صفحہ ٹائٹل) کہ انکو اس سلسلہ کی اشاعت کی توفیق ملے -

اسوقت احمدی قوم کا کیا فرض ہے - مجھے افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ اس فرض کی بجاآوری مین سستی ظاہر کیجا رہی ہے - جہان پہلے دو سو کے قریب رسالے باہر مفت بھیجے جاتے تھے اب اعانت کے کم ہو جانے کی وجہ سے منیجر مجبور ہو گیا ہے کہ ان رسالون کی تعداد مین کمی کرے - امید تو یہ تھی کہ پہلے جوش کے بعد جو حضرت اقدس کے پر زور الفاظ سے قوم مین پیدا ہوا تھا دن بدن ترقی ہو گی مگر خلاف توقع یہ سلسلہ اب بہت ہی رو بکمی ہو رہا ہے اسلیے مین اپنے سب احباب کو دوبارہ توجہ دلاتا ہون کہ یہ ایک نہایت ضروری امر تبلیغ سلسلہ کا ہے - مثلاً اسوقت مسٹر عبدالحق سیورایٹ صاحب کے نیوزیلینڈ و امریکہ وغیرہ جانیسے یہ ضرورت محسوس ہوئی ہے کہ بہت سے پرچے انکی معرفت ایسے لوگونکو بھجوائے جائین جنکو وہ قبولیت کیلیے کسیقدر مستعد پائین تا انکے شکوک رفع ہون لیکن اگر اعانت کی رفتار اسی طرح کم ہوتی گئی جس طرح ہو رہی ہے تو نہ صرف یہی ضرورت پوری نہ ہو سکے گی بلکہ جاری شدہ پرچہ انکا بڑا حصہ بھی بند کرنا پڑے گا - حالانکہ اگر قوم متفقہ کوشش کرے تو آٹھ دس ہزار رسالے بھی مفت جا سکتے ہین یہی وقت مدد کا ہے عنقریب وہ وقت آنیوالا ہے کہ خود ان ممالک مین پر ہمت معاون پیدا ہو جاوینگے اور اسوقت اس اعانت کی ضرورت بھی نہ رہیگی پس میری آخری التماس اپنے سب بھائیونسے پھر یہ ہے کہ پورا زور اس سلسلہ کی تبلیغ پر صرف کرین اگر انکی کوششونسے کچھ آدمی بھی دین حق قبول کر لین تو انہون نے اپنی مراد پالی - جنہون نے وعدے کیے ہین وہ ایفا کرین اور جنہون نے ابھی کچھ حصہ نہین لیا وہ بھی بقدر ہمت حصہ لین + والسلام -

محمد علی ۲-جون سنہ ۱۹۱۵ء

ضروری اطلاع

رسالہ نورالدین جس مین فاضل مصنف نے بعد نظر ثانی کسیقدر اضافہ کیا ہے خوشخط و عمدہ کاغذ پر چھپکر تیار ہے قیمت علاوہ محصولڈاک ۸/ ہے - درخواستین اس پتہ پر ہون +

سیٹھ عبدالاحد ہدایت اللہ جنرل مرچنٹ و کمیشن ایجنٹ کٹڑہ جیمل سنگھ امرتسر +

رجسٹرڈ ایل نمبر ۳۰۳

شکریہ معاونین

حضرت اقدس عم کے ارشاد کی تعمیل مین محض ابتغاء لمرضاۃ اللہ جو احباب اس رسالہ میگزین کی مختلف پیرائیون مین مثلاً خود خریدار بننے۔ دیگر خریدار پیدا کرنے اور اعانت کا روپیہ بھیجکر ولایت مین انگریزی پرچہ جات اور ہندوستان کے غیر مذاہب مین اردو انگریزی پرچہ جات مفت جاری کرا کر اس رسالہ کی کثرت اشاعت مین امداد فرماتے ہین وہ اس لایق ہین کہ صفحہ قرطاس پر انکی یادگار رہے تاکہ سابق بالخیرات ہونیکی حیثیت سے وہ آیندہ نسلونکے لیے ایک احسن نمونہ ٹھہرین اور انکی دعایئن تا قیام دنیا لیکر ثواب و حسنات دارین کی مستحق ٹھہرین۔ جن احباب نے حال ہی مین امداد کا روپیہ بھیجا ہے انکے اسماء بقید رقم عطیہ درج ذیل ہین اور تہ دل سے دعا ہے کہ اللہ تعالے انکو اسکی جزائے خیر دے۔ اور دیگر احباب کو انکے نقش قدم پر چلنے کی توفیق بخشے۔ آمین ثم آمین۔

(۱) ڈاکٹر نعمت خانصاحب وٹرنیری اسسٹنٹ پشاور للعہ (۲) جماعت پشاور معرفت مولوی غلام حسین صاحب سب جسٹرار عہ (۳) ڈاکٹر سید محمد حسین شاہصاحب لاہور ۱۸ (۴) جماعت شملہ معرفت بابو برکت علی صاحب کلرک۔ صہ ۸ (۵) بابو برکت علیصاحب کلرک شملہ للعہ (۶) بابو غلام حسین صاحب سٹیشن ماسٹر ٹوبہ ٹیک سنگھ للعہ (۷) جماعت جہلم معرفت ماسٹر ہدایت اللہ صاحب۔ ہلے (۸) میان دوست محمد صاحب جہلم۔ للعہ (۹) ماسٹر محمد دین صاحب سابق ٹیچر قادیان صہ (۱۰) منشی نواب دین صاحب نائب شرف پسرور للعہ (۱۱) شیخ نیاز احمد صاحب وزیر آباد۔ للعہ (۱۲) منشی حسین بخش صاحب تحصیلدار بندوبست پنڈی گھیب۔ صہ (۱۳) منشی عبدالعزیز صاحب ٹیلر ماسٹر متھرا ہے (۱۴) میان احمد بخش صاحب دھرمکوٹ رندہاوہ۔ عا (۱۵) سید محمد قاسم صاحب شاہجہانپور عا (۱۶) ہمشیرہ جناب مولوی محمد علیصاحب ایم اے۔ قادیان۔ عا (۱۷) میان فضل احمد صاحب ضلع گجرات عا (۱۸) منشی محمد جان صاحب اسسٹنٹ جیلر سنٹرل جیل لاہور عا (۱۹) میان محمد رمضان و نور محمد احمدیان محمود پور سامانہ عا (۲۰) میان غلام رسول صاحب بدوملی سیالکوٹ عا (۲۱) میان جامان ولد شرف پرم جیت پور عا (۲۲) میان نیاز اللہ صاحب۔ آسام عہ (۲۳) منشی فضل احمد صاحب پٹواری سکریالی ضلع گجرات عہ (۲۴) بابو محمد اسماعیل صاحب سب پوسٹماسٹر روجھان (۲۵) میان محمد دین صاحب بہلول پور۔ عہ (۲۶) میان عبداللہ صاحب عہ (۲۷) میان فتح محمد صاحب جگراؤن۔ عہ (۲۸) منشی ہاشم علی صاحب قانونگوے سردل گڈھ ضلع فیروز پور۔ عہ (۲۹) مولوی سکندر علیصاحب ٹیچر قادیان۔ ۸ (۳۰) مرزا ظہور علیصاحب شاہجہانپور۔ ۸

(باقی آیندہ)

مینجر

کتب ... قادیان سے مل سکتی ہین۔ حکیم فضل دین صاحب نے اپنے مطبع ضیاء الاسلام مین منیجر میگزین کیلیے چھاپا

آؤ لوگو کہ یہیں نور خدا پاؤ گے * لو تمہیں طور تسلی کا بتایا ہمنے

ریویو آف ریلیجنز

یعنے

دنیا کے مذاہب پر نظر

جلد ۴ | بابت ماہ جولائی سنہ ۱۹۰۵ء | نمبر ۷

فہرست مضامین

سلسلہ احمدیہ کی سچائی پر یہ ایک ہی دلیل کافی ہے

کہ ایک طرف تو مخالفین مذہب اسلام نے اسکے دلایل کے جواب سے اپنی عاجزی کو خاموشی کے رنگ مین ظاہر کیا ہے اور یا زیادہ سے زیادہ کچھ کیا ہے تو تمسخر اور استہزا جو ہمیشہ سے صادقین کے ساتھ ہوتا چلا آیا ہے اور دوسری طرف جن لوگون نے تعصب کو دل سے نکالکر اسکی تحریرونکو مطالعہ کیا ہے انہوں نے تسلیم کیا ہے کہ جو حمایت مذہب اسلام کی آج یہ سلسلہ کر رہا ہے کوئی مولوی یا ملا یا کوئی انجمن اسکا عشر عشیر بھی نہین کر رہی ہے اسکی ایک ہی مثال کافی ہے کس نے یہ کوشش کی کہ انگریزی زبان مین صرف مذہب اسلام کی سچائی ظاہر کرنے کیلیے یورپ اور امریکہ کے رہنے والون تک یہ پاک پیغام پہونچائے کہ سب غلطیوں سے پاک اور اللہ تعالے کے ساتھ تعلق پیدا کرنیوالا اور سچا روحانی مذہب صرف ایک ہی ہے یعنی اسلام اور پھر کس قوم نے یہ کوشش کی جیسا کہ ہماری قوم نے کی کہ ان رسالوں کی سینکڑون کاپیان مفت ان لوگونکے گھر مین پہونچائین۔ کاش مسلمان صرف اسی بات پر غور کرتے کہ یہ جوش سچائی کی حمایت کا اور یہ جوش باطل کی تردید کا کسی کاذب کے دل مین بھی ہو سکتا ہے اور پھر ایک دو دن یا ایک دو سال کیلئے نہین بلکہ چوتھائی صدی سے زیادہ عرصہ گذر جائے اور وہ جوش دن بدن ترقی پر ہو۔ اسجگہ مین ایک **تازہ شہادت** بیان کرنا چاہتا ہون کہ اس سلسلہ کی تحریرونکو ایک تعصب سے پاک دل کس وقعت کی نگاہ سے دیکھتا ہے اس سے پہلے امریکہ مین مسٹر ویب اور اسٹریلیا مین مسٹر سیورایٹ اور مسٹر ہنری بحل اور انگلستان مین مسٹر کوئلم کی شہادت کا کئی دفعہ اشتہارات وغیرہ مین ذکر آگیا ہے۔ حال مین ایک انگریز کی خط وکتابت ہمارے ساتھ شروع ہوئی ہے جسکے نام کو مین ابھی مصلحتاً ظاہر نہین کرتا۔ پہلا خط اسکا جو حضرت اقدس کے نام تھا اسمین وہ لکھتا ہے ”مین نے آپکے اس رسالہ یا اخبار کو جسکا نام ریویو آف ریلیجنز ہے اور جو اعلے درجہ کی قابلیت کے ساتھ لکھا گیا ہے پڑھا ہے ...... مجھے اسلام کا مطالعہ کرتے ہوئے تیرہ سال سے زیادہ عرصہ ہو گیا ہے۔ اور مینے جسقدر ممکن تھا کوشش کر کے انگریزی زبان مین جسقدر کتابین اسلام پر لکھی گئی ہین خواہ انکے مصنف مسلمان تھے یا غیر مسلمان سب جمع کی ہین اور اب اسلامی مذہب کی ایک خاصی لائبریری میرے پاس جمع ہو گئی ہے مگر ابتک مینے ایک بھی ایسی کتاب نہین پڑھی جسمین اسلام کی حمایت اسقدر زور کے ساتھ کیگئی ہو جیسا آپکے شاندار ریویو مین“ پھر دوسرے خط مین جو میرے نام تھا وہی صاحب لکھتے ہین ”مین آپکا شکریہ ادا کرتا ہون۔ ریویو آف ریلیجنز کے ان پرچونکے لیے جو آپنے مجھے بھیجے ہین۔ اور میری طرف سے مرزا صاحب کا بھی شکریہ ادا کرین اور انکی خدمت مین میرے دل سے نکلی ہوئی یہ مبارکباد پہونچا دین کہ انکی تصانیف نہایت ہی شاندار

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

طلاق

پردہ اور تعدد ازدواج پر بحث کرتے ہوئے مین یہ دکھا چکا ہون کہ جو اعتراض ان دونون کے خلاف پیدا ہوئے ہین وہ محض غلط فہمی کیوجہ سے ہوئے ہین طلاق کے مضمون پر غور کرنیسے بھی اسی بات کا ثبوت ملتا ہے۔ اس مین کسی کو کلام نہین ہوسکتا کہ جبسے سلسلہ نکاح جاری ہے اسیوقت سے سلسلہ طلاق بھی ساتھ ساتھ چلا آیا ہے اور طلاق کی ضرورت کو مہذب اور غیر مہذب کل کی کل اقوام نے مانا ہوا ہے۔ طلاق کے بارہ مین مذہبی جارت تحریرکے اندر سب سے پہلے حضرت موسیٰ کی شریعت مین ملتی ہے چنانچہ استثناء ۲۴ باب کی پہلی آیت مین یون رقوم ہے "اگر کوئی مرد کوئی عورت لیکے اس سے بیاہ کرے اور بعد اسکے ایسا ہو کہ وہ اس کی نگاہ مین عزیز نہ ہو اس سبب سے کہ اس نے اس مین کچھ پلید بات پائی۔ تو وہ اس کا طلاقنامہ لکھ کے اسکے ہاتھ دے اور اسے اپنے گھر سے باہر کرے۔"

اس فقرہ مین جس لفظ کا ترجمہ پلید بات کیا ہے اس کی ترمیم نئے انگریزی ترجمہ مین یہ کی گئی ہے کہ بجائے "پلید بات" کے "نامناسب امر" ڈالدیا گیا ہے۔ خود یہودی علماء کا بھی اس فقرہ کے معنے کرنیمین اختلاف رہا ہے چنانچہ ایک فرقہ یہود کا جس کا سرگروہ شمائی تھا اس سے مراد صرف اخلاقی نقص لیتا رہا۔ اور ایک دوسرا فرقہ جو ہلل کا فرقہ کہلاتا ہے اسکے معنون مین توسیع کا قایل رہا ہے اور اسلیے اس موخرالذکر فرقہ کے نزدیک یہودی شریعت مین مرد عورت کو چھوٹی چھوٹی باتون پر بھی طلاق دینے کا حق رکھتا ہے۔

قبل اس کے کہ یہ غور کیا جاوے کہ عیسائی مذہب نے موسوی قانون طلاق مین کیا تغیر کیا یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ رومیون کے درمیان رواج طلاق پر پہلے غور کیا جاوے۔ ابتدا مین رومیون کے درمیان طلاق کے بارہ مین اس قدر آزادی تھی کہ مرد عورت کو اپنے مقبوضات کے ایک حصہ کی طرح سمجھ کر جب چاہتا الگ کر دیتا پھر جب طلاق کا قانون تجویز کیا گیا تو اس مین بھی ایسی ہی آزادی رہی ہان یہ کہا جاتا ہے کہ خود بخود قوم آہستہ آہستہ اسقدر طلاق کے خلاف ہوگئی تھی کہ پانچسو برس کے عرصہ کے اندر ایک طلاق کا واقع ہونا بھی ثابت نہین

مگر یہ ایک غلطی ہے۔ طلاق کے واقع کا نہ ملنا اس وجہ سے نہین کہ اس زمانہ مین قطعاً کوئی طلاق ہی واقع نہ ہوتی تھی بلکہ اصل بات یہ ہے کہ اسوقت طلاق کے مقدمات عدالتوں مین پیش نہ ہوتے تھے اور خانگی طور پر اس قسم کے تمام فیصلہ ہو جاتے تھے اسیوجہ سے ان کی کوئی شہرت بھی نہ ہوتی تھی کچھ مدت کے بعد طلاقنامہ کا لکھا جانا ضروری کر دیا گیا اور اس پر سات گواہونکی شہادت ہونی لازمی تھی اور مردون کے ساتھ عورتون کے بھی حقوق طلاق قرار دیئے گئے۔

عیسائی مذہب کے سامنے اسکی پیدایش کیوقت یہودی اور رومی قوانین طلاق موجود تھے اور ان کے نقصونکی اصلاح کر سکنے کی کوشش مین عیسائیت نے سخت ٹھوکر کھائی کیونکہ تفریط کا پہلو اختیار کر کے اس نے ایسے قیود اور حدود طلاق کے معاملے مین لگا دیئے جن کی برداشت سوسائیٹی نہ کر سکتی تھی بانی مذہب کے جو الفاظ طلاق کے بارہ مین پیش کیے جاتے ہین وہ نہایت مختصر ہین مگر ان کے اختصار کی وجہ سے ہی انکے معنون مین طرح طرح کی پیچیدگیان ڈالی گئی ہین اور اختلاف کیے گئے ہین۔ متی باب ۵۔ آیت ۳۲ مین حضرت مسیح کیطرف یہ قول منسوب کیا گیا ہے "یہ بھی لکھا گیا ہے کہ جو کوئی اپنی جورو کو چھوڑ دے اسے طلاقنامہ لکھدے۔ پر مین تمہین کہتا ہون کہ جو کوئی اپنی جورو کو زنا کے سوا کسی اور سبب سے چھوڑ دیوے اس سے زنا کرواتا ہے اور جو کوئی اس چھوڑی ہوئی سے بیاہ کرے زنا کرتا ہے"

اس جگہ جو لفظ زنا کا استعمال ہوا ہے اسکے اصل سے مختلف مفہوم مراد لیے گئے ہین کئی صدیون تک کلیسیا کا یہی عقیدہ رہا کہ اس جگہ زنا سے مراد بیاہ سے پہلے کا زنا ہے جسکا خاوند سے اخفا کیا گیا ہو اور اس مین وہ زنا شامل نہین جو عورت بیاہے جانیکے بعد کرے۔ چنانچہ اسی بات پر آدھی عیسائی دنیا یعنی رومن کیتھولک فرقہ عقیدہ کے رو سے اب تک قایم ہے۔ کیونکہ اس فرقہ کے نزدیک نکاح ایک ایسا عہد نامہ ہے جو کسی صورت مین فسخ نہین ہو سکتا اور اس لیے کوئی وجہ جو نکاح کے بعد پیدا ہو اس کا اثر اس معاہدہ پر کچھ نہین ہو سکتا ہان اگر وجہ نکاح سے پہلے موجود تھی تو اس صورت مین یہ سمجھا جاویگا کہ معاہدہ ہوا ہی نہین اور نہ نکاح واقع ہوا ہے پس زنا سے صرف زنا قبل از نکاح ہی مراد لیا گیا اور لیا جاتا ہے اور اس مین زنا بعد از نکاح داخل نہین گویا اس فرقہ کے عقیدہ کے رو سے نکاح کے بعد زنا سے بھی طلاق کیلیے وجہ پیدا نہین ہوتی۔ چنانچہ اسی بنا پر یہ عقیدہ قایم کیا گیا ہے کہ جو مرد کسی عورت سے بیاہا گیا وہ پھر کسی صورت مین اس سے الگ نہین ہو سکتا مگر ایک دوسرے عیسائی فرقہ کا یہ عقیدہ ہے اور یہ فرقہ پراٹسٹنٹ عیسائیونکا ہے کہ ان الفاظ مین زنا بعد از نکاح بھی داخل ہے اس فرقہ کے نزدیک معاہدہ نکاح بالکل ناقابل انفساخ تو نہین مگر سوائے اسکے جو عورت کا زنا ثابت ہو اور کوئی وجہ طلاق کی نہین مگر وہ لوگ بھی عیسائیو مین ہوئے ہین جو ان الفاظ سے نہ صرف زنا اور اخلاقی نقص ہی مراد لیتے رہے ہین بلکہ ہر ایک ایسے نقص کو جو خاوند اور عورت کے تعلقات پر بد اثر ڈالے اور طلاق کی ضرورت پیدا کرے وہ مسیح کے الفاظ مین داخل سمجھتے رہے ہین اس خیال کا حامی انگلستان کا مشہور شاعر جان ملٹن ہوا ہے جو تعدد ازدواج کا بھی حامی تھا

وہ لکھتا ہے کہ خود مسیح نے زنا کی وجہ پر طلاق کو جایز رکھا ہے جو نکاح کے ناقابل الفسخ معاہدہ ہونیکی تردید کرتا ہے۔ مگر مشرقی زبانون کے محاورے کے مطابق زنا سے مراد صرف فعل زنا ہی نہین بلکہ ہر ایک وہ بات جس کو پلید بات کہا گیا ہے اس مین داخل ہے اور ایسا ہی کسی ایسے امر مین عورت کا نقص جو امر عورت مین ضرور ہونا چاہئیے وہ بھی اس مین داخل ہے یا اسکے یہ معنے لیے جا سکتے ہین کہ جو بات محبت یا عفت یا ایکدوسرے کی مدد یا تعلقات کے خلاف پیدا ہو یعنی ہر ایک ایسا امر جو اغراض نکاح کے خلاف ہو اس مین داخل ہے مگر یہ یاد رکھنا چاہئیے کہ یہ معنے بعد کے تجویز کردہ ہین اور اسوقت . . سوجھے ہین جب یہ ثابت ہوگیا کہ اس لفظ زنا کے معنونکو محدود رکھنے سے سوسائٹی کا انتظام درہم برہم ہوتا ہے۔ عیسائیت کا پہلا اثر نکاح پر یہی ہوا کہ نکاح کا معاہدہ کبھی صورت مین فسخ نہین ہوسکتا اور اگر کبھی اس کو کالعدم سمجھا بھی جاوے تو فریقین از سرنو نکاح نہین کر سکتے لیکن گریک چرچ رومن کیتھولک چرچ کے خلاف اس بات کا قایل رہا ہے کہ عورت کے زنا کے ثبوت پر کامل طلاق جس کے بعد فریقین نکاح کر سکین درست ہے بلکہ رومن کیتھولک چرچ نے بھی اپنا یہ خاص حق قایم رکھا ہے کہ خاص صورتون مین از سرنو نکاح کرنے کی اجازت دیجا وے +

یہ یاد رکھنا چاہئیے کہ یہودی شریعت مین مرد کو عورت کے طلاق دینے کا حق حاصل تھا مگر عورت کے لیے چارہ جوئی کی کوئی راہ شریعت کے الفاظ مین موجود نہ تھی۔ حضرت مسیح نے بھی اس نقص کو رفع نہین کیا اسمین شک نہین کہ انہون نے مرد کے اختیارات کی یہ حدبندی کردی کہ وہ زنا کے سوا عورت کو طلاق نہ دے مگر عورت پر خواہ کسیقدر ظلم ہو وہ کچھ نہ کر سکتی تھی۔ انگلستان مین جو قانون طلاق مروج ہے وہ بانی مذہب کے الفاظ سے الگ ہوکر خاص صورتون مین عورتونکی دادرسی بھی کرتا ہے مگر وہان سوائے اسکے کہ عورت اپنے شوہر کے زنا کے ساتھ یہ بھی ثبوت دے کہ اس کے ساتھ ظالمانہ اور بیرحمی کا سلوک کیا جاتا ہے عورت کو طلاق کیلیئے نالش کرنیکا حق حاصل نہین ایسا ہی دیگر عیسائی ممالک مین بھی کئی جگہ خاص خاص وجوہات عورتونکو طلاق حاصل کرنے کی اجازت ہے مگر ان قوانین کی بناء عیسائی کتب مقدسہ نہین بلکہ قومی ضرورتین ہین۔ مسیح نے حضرت موسیٰ کی شریعت مین سوائے اسکے اور کوئی تبدیلی نہین کی کہ مرد کو سوائے اس صورت کے اپنی عورت کو طلاق دینے کا حق حاصل نہین جب وہ مرتکب زنا ہو۔ مگر اس سے بڑھکر کچھ نہین کہا اور اسلیے یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ باقی باتون مین اس نے موسوی شریعت کو قایم رکھا الغرض حضرت مسیح کے جو الفاظ متی مین نقل کیے گئے ہین ان سے صرف یہی نتیجہ نکل سکتا ہے کہ خاوند عورت کو زنا کی صورت مین طلاق دیسکتا ہے مگر عورت کو طلاق حاصل کرنیکا کوئی حق ہرگز نہین دیا گیا خواہ مرد کیطرف سے اسپر کیسے ظلم ہوتے ہون پس نہ یہودی شریعت نے اور نہ ہی عیسائی مذہب نے عورت کیلیئے طلاق حاصل کرنیکی کوئی راہ کھلی رکھی ہے اور جو کچھ اختیار یا اجازت ان دونون مذہبون مین دیگئی ہے۔ وہ صرف مرد کو ہی دیگئی ہے +

یہودیون اور عیسائیون کے علاوہ تیسری قوم جو اسلام کی پیدائش کے وقت اسکے سامنے موجود تھی وہ عرب
کی بت پرست قوم تھی ایام جہالت مین عربون کے اندر عورت مال مویشی کی طرح سمجھی جاتی تھی اور خاوند کو کامل اختیار
تھا کہ جب چاہے اسے چھوڑدے اور جب چاہے واپس لے اور اس طرح بیچارہ عورتونکو سخت تکلیف دیجاتی تھی۔ عورت کا
ایسی ذلیل حالت مین ہونا خود اس بات سے ظاہر ہے کہ وہ جایداد کا حصہ سمجھی جاتی تھی اور جہان ورثہ مین دوسری چیزین
ملتی تھین عورتین بھی ورثہ کا ایک حصہ ہوتی تھین غرضیکہ ایکطرف یہودیون اور عیسائیون کے وہ قوانین طلاق تھے
اور ایک طرف عربون مین یہ رواج طلاق تھا یہی وہ قومین تھین جو ابتدا مین اسلام کے سامنے تھین اور ان مین افراط اور تفریط
کے دونون پہلو موجود تھے مگر ایک بات مین وہ سب متفق تھے یعنی عورت کسی صورت مین طلاق حاصل نہ کرسکتی تھی
اور طلاق کا اختیار صرف مرد کو ہی حاصل تھا پس اس حالت مین ایک ایسے کامل قانون طلاق کی ضرورت تھی جو مردون
اور عورتونکے حقوق پر برابر غور کرنیکے علاوہ عملی قواعد ایسے تجویز کرے جنسے نظام سوسائٹی احسن طریق پر چلتا
جائے اور اس ضرورت کو ہی اسلام کے مقدس مذہب نے پورا کیا۔

اسلام نے سب سے پہلے پوری صفائی سے ضرورت طلاق کو محسوس کیا۔ یہ ضرورت ایک ایسی عام ضرورت
ہے کہ دنیا کی اقوام مین سے کوئی قوم ایسی نہین جس نے اس ضرورت کو محسوس نہ کیا ہو اور طلاق کی اجازت نہ دی
ہو سوائے اس نئے ہندو فرقہ کے جو ہر حالت مین اور ہر شکل کیوقت نیوگ پر کاربند ہوتا ہے اس فرقہ کے عقاید کے
مطابق زنا سے بھی طلاق کی ضرورت پیدا نہین ہوتی اور ہو بھی کیونکر جب ایک بیاہی ہوئی عورت بہت سی
صورتون مین اپنے خاوند کے علاوہ دوسرے مردون سے ہمبستر ہوسکتی ہے اور ایک بیاہا ہوا آدمی اپنی عورت کے
سوائے دوسری عورتونسے اسی فعل کا ارتکاب کرسکتا ہے انکے نزدیک مسلم اصول یہ ہے کہ اگر مثلاً عورت یہ سمجھے
کہ اسکے خاوند کا سلوک اس سے اچھا نہین تو اسکو چاہیئے کہ اپنے خاوند کے ساتھ ہمبستر نہ ہو بلکہ اپنے گھر مین دوسرے
مرد کو بلا کر اس سے ہمبستری کرے اور جو بچے اس طرح پیدا ہون وہ اصل شوہر کے بچے سمجھے جائین اور اس کی جایداد
کے وارث ہون ایسا فرقہ اگر طلاق کی ضرورت کو محسوس نہ کرے بلکہ اسے عیب سمجھے تو عجیب بات نہین لیکن جن
اقوام نے طلاق کی ضرورت کو محسوس کیا ہے ان مین وجوہات طلاق کے متعلق بڑا بھاری اختلاف ہے حتی کہ
ایک ہی مذہب اور ایک ہی پیشوا کی پیرو قومون مین جو مختلف ملکون مین رہتی ہین بلکہ ایک ہی ملک کی مختلف ریاستون
کے رہنے والے لوگون مین اس بارے مین بڑا بھاری اختلاف ہے گو بنا ان سب کے قوانین کی ایک ہی عیسائی
عقیدہ ہے۔ انگلستان مین جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا ہے اگر عورت کا زنا ثابت ہو تو خاوند اسے عدالت مین چارہ جوئی
کرکے طلاق دے سکتا ہے لیکن اگر عورت طلاق لینی چاہے تو اسے یا تو یہ ثابت کرنا چاہیئے کہ اسکے خاوند نے
ان عورتون مین سے کسی کے ساتھ جو اسکی قریبی رشتہ دار ہونیکے سبب سے اسپر حرام کی گئی ہین زنا کیا ہے اور یا یہ

کہ علاوہ زنا کرنیکے اس کا سلوک بھی ظالمانہ ہے قانونی علیحدگی اسکے علاوہ اور صورتون مین بھی ہوسکتی ہے۔ سکاٹلینڈ مین قانون طلاق زیادہ وسیع ہے اور فریقین مین سے کسی کی درخواست پر طلاق واقع ہوسکتی ہے بشرطیکہ اس بات کا ثبوت ہو کہ فریقین مین سے کوئی زنا کا مرتکب ہوا ہے یا مرد نے عورت کو چھوڑ دیا ہے اور اسکی خبرگیری نہین کرتا ایسی طلاق کے بعد فریقین کو یہ اختیار ہے کہ وہ جس سے چاہین نکاح کرین مگر جس فریق کے زنا کے سبب سے طلاق واقع ہوئی ہو وہ اس شخص سے نکاح نہین کرسکتا جسکے ساتھ اس کا زنا ثابت ہے۔ ناقص طلاق ظلم کی وجہ پر مل سکتی ہے۔ آئیلینڈ مین زنا یا ارادتاً اور بدنیتی سے عورت کو چھوڑ دینے اور اسکی خبرگیری نہ کرنے یا جرایم خلاف وضع فطرت انسانی کا ارتکاب کرنے یا عمر کیلیے قید ہوجانیسے طلاق ہوسکتی ہے۔ پرشیا مین اس بارے مین باقی ممالک یورپ کی نسبت زیادہ آزادی حاصل ہے کامل طلاق مفصلہ ذیل وجوہات مین سے کسی پر ملسکتی ہے (۱) زنا یا جرم خلاف وضع فطرت انسانی کا ارتکاب کرنے۔ یا دو شخصون مین ایسا ناجایز تعلق ہونیسے جس سے زنا کے ارتکاب کا قیاس ہوسکتا ہو۔ (۲) عمداً علیحدگی اختیار کرنیسے یا حقوق زوجیت کے ادا کرنیسے انکار کے اصرار پر۔ (۳) نامردی سے خواہ وہ نکاح کے پہلے ہو اور خواہ بعد مین۔ (۴) لاعلاج جسمانی نقصون سے جو دلمین نفرت اور ڈر پیدا کرنیوالے ہون۔ (۵) دیوانگی سے جسکے علاج سے مایوسی ہو۔ (۶) فریقین مین سے ایک کے دوسرے کی جان لینے کی کوشش کرنیکی وجہ سے یا دوسرے کی عزت یا آزادی پر سخت اور ناجایز حملہ کرنیسے۔ (۷) مزاجونکی ناموافقت یا ایک کی طبیعت کا اس حد تک جھگڑالو ہونا جس سے زندگی یا صحت کو خطرہ ہو۔ (۸) کسی ایسے جرم کا ارتکاب جسکی سزا قید دیگئی ہو یا دوسرے فریق پر جھوٹا [illegible] لگانا۔ (۹) کوئی ذلیل پیشہ اختیار کرنا یا دوسرے فریق کی تجارت پیشہ عزت یا زندگی کو خطرہ مین ڈالنا۔ (۱۰) تبدیل مذہب ڈنمارک کے قانون کے رو سے محرمات سے زناکاری کا ارتکاب۔ جذام یا ارتکاب جرم کیوجہ سے جلاوطنی۔ عدالت کی جوابدہی سے بھاگ جانا بشرطیکہ تین سال گذر چکے ہون اور ایسی جلاوطنی جو ارتکاب جرم کیوجہ سے نہ ہو بشرطیکہ سات سال گذر چکے ہون۔ یہ سب وجوہات طلاق ہین۔ سویڈن مین صرف ارتکاب زنا سے طلاق ملسکتی ہے۔ روس مین زنا اور مزاج کی ناموافقت کیوجہ سے طلاق دیجا سکتی ہے۔ ہسپانیہ مین نکاح کا معاہدہ ناقابل فسخ ہے۔ اطالیہ مین طلاق کسی صورت مین نہین ملسکتی لیکن قانونی طور پر علیحدگی بعض وجوہات پر واقع ہوسکتی ہے۔ فرانس مین مرد عورت کی زناکاری ثابت کرکے طلاق حاصل کرسکتا ہے مگر عورت صرف اس صورت مین طلاق لے سکتی ہے کہ مرد کی زناکاری کے ساتھ یہ بھی ثابت کرے کہ اس نے اپنی محبوبہ کو گھر کے اندر داخل کیا ہے اسکے علاوہ اور وجوہات پر بھی طلاق واقع ہوسکتی ہے مثلاً تشدد یا ظالمانہ برتاؤ کے سبب سے یا ایسے الفاظ یا تحریرون یا افعال کی وجہ سے جو دوسرے زوج کی شہرۃ یا عزت کو نقصان پہنچانیوالے ہون اور قانونی سزا کیوجہ سے جسکا نتیجہ جسمانی طور پر حبس یا اخلاقی طور پر ذلت ہو۔ بلا وجہ اور بطور عادت حقوق زوجیت کے ادا کرنیکے انکار۔ بیماری کو دوسرے

زوج کی طرف منتقل کرنے ۔ نکاح کی کسی مذہبی رسم کی ادائیگی سے انکار کرنے اور عادتاً شراب خوری کیوجہ سے بھی طلاق قانوناً مل سکتی ہے ۔

یہ تو یورپ مین اختلاف وجوہات طلاق کا حال ہے امریکہ مین اس سے بھی زیادہ اختلاف نظر آتا ہے ۔ کیونکہ ریاستہائے متحدہ مین چھوٹی چھوٹی ریاستون نے الگ الگ قوانین طلاق تجویز کر رکھے ہین اور ایک ریاست دوسری کی وجوہات کو کافی یا ضروری نہین سمجھتی :-

زنا ۴۶ ریاستون مین طلاق کیوجہ قرار دیگئی ہے ۔ عورت کو چھوڑ دینا اور اسکی خبر گیری نہ کرنا ۴۴ ریاستون مین ۔ غایب ہوجانا ۴۲ مین ۔ ظلم یا تشدد کا خوف ۴۰ مین ۔ قید ۳۸ مین ۔ متوالا پن شراب خوری مین بے اعتدالی یا عادتاً شراب خوری ۳۷ مین ۔ نامردی ۳۳ مین ۔ نان و نفقہ مہیا کرنیکی ناقابلیت ۱۲ مین ۔ نکاح سے پہلے بدکاری ۱۲ مین ۔ ہتک کرنا ۷ مین ۔ دیوانگی ۵ مین ۔ کسی فرقہ مین شامل ہونا ۳ مین جب کسی دوسری ریاست مین طلاق حاصل کیگئی ہو ۳ مین ۔ الگ رہنا ۲ مین ۔ ادائیگی فرایض مین عمداً غفلت کرنا ۲ مین ۔ آوارگی کا مجرم ہونا ۱ مین ۔ عورت کا کسی دوسری ریاست مین جانیسے انکار کرنا ایک مین ۔ عورت کو گھر سے باہر نکالدینا ایک مین ۔ عادتاً سخت مزاجی ایک مین ۔ کوئی وجہ جو عدالت کی رائے مین کافی ہو ایک ریاست مین وجوہ طلاق سمجھی گئی ہین ۔ ایک ریاست مین کوئی قانون طلاق کا نہین ہے اکثر ریاستون مین ـــــت حاصل کرنیکے اخراجات بہت زیادہ نہین ہین اور نہ مقدمات کو وہ عام شہرت دیجاتی ہے جو انگلستان مین دیجاتی ہے اسلیے طلاقونکی تعداد ریاستہائے متحدہ مین بہ نسبت دوسرے عیسائی ممالک کے بہت زیادہ ہے ۔ کہا جاتا ہے کہ اکثر حالتون مین طلاق حاصل کرنیکی غرض کسی دوسرے مرد یا عورت سے نکاح کی ہوتی ہے ۔ یہ بھی امر واقعہ ہے کہ جسقدر کوئی قوم ذہانت مین ترقی کرتی گئی ہے اسیقدر اسمین طلاقونکی تعداد بڑھتی گئی ہے ۔ ڈاکٹر فٹ کا بیان ہے کہ مینے اس بیان کی تصدیق مین ایک دفعہ ایک بڑی عام مجلس مین فہرستین پیش کی تھین اور اسکو ثابت کر کے دکھایا تھا وہ یہ بھی کہتا ہے کہ مین ان طلاقونکی تعداد مین زیادتی کو اس قوم کیلیے فخر کا باعث سمجھتا ہون نہ ذلت کا اور اس سے گھر کے دایرہ کے اندر کے اخلاق اور تہذیب کی عمدگی کا پتہ ملتا ہے ۔ یہ امر قابل ذکر ہے کہ جیسے مرد کو طلاق حاصل کرنیکی اجازت ہے ویسے ہی عورت کو بھی طلاق لینے کا اختیار ہے ۔

میری غرض عیسائی ممالک کے مختلف وجوہات طلاق کے بیان کرنیسے یہ ہے کہ کوئی دو عیسائی ملک بھی اسبات پر اتفاق نہین رکھتے کہ کونسے وجوہات پر طلاق جایز ہونی چاہیئے ۔ اگر زنا کے علاوہ کسی اور وجہ پر طلاق کی اجازت بھی دیگئی ہے تو یہ فیصلہ نہین کیا گیا کہ کن وجوہات پر طلاق کا جواز ہونا چاہیئے اور کن پر نہین اور اسکے دلایل کیا ہین یہ ان قومونکی حالت ہے جو سب ایک ہی مذہب کی پیرو ہین اور تہذیب کے ایک ہی مرحلہ پر پہنچی ہوئی ہین اور پھر اکثر تمدنی اور اخلاقی امور ... پر انکے خیالات بھی ایک سے ہی ہین ۔ اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آیا طلاق کی وجوہات کی حدبندی

کرنا درست بھی ہے۔ یوروپ کے تمام ممالک اور امریکہ کی تمام ریاستون نے اس بارے مین عبث کوششین کرکے آخر یہ ثابت کردیا ہے کہ درست اصول اس ایک ریاست کا ہے جو آخر اس نتیجہ پر پہونچی ہے کہ جہان طلاق کی کافی وجہ موجود ہو وہان ضرور طلاق ملنی چاہیئے خواہ وہ وجہ بعینہ وجوہات کے اندر پائی جاتی ہو یا نہ پائی جاتی ہو۔ اگر یہ ممکن ہوتا کہ کل دنیا کے لیے طلاق کے وجوہات معین کیے جاسکتے تو اسقدر اختلاف اسقدر یکسان خیال کی قومون مین اس معاملہ مین ہرگز نہ پایا جاتا۔ خصوصاً جب ان اقوام کا یہ دعوے بھی ہو کہ ہم تہذیب کے اعلے معیار پر پہونچ چکے ہین پس اس سے صاف یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ طلاق کے وجوہات معین کرنا بڑی بھاری غلطی ہے کیونکہ ایسے وجوہات کل انسانی حالات پر حاوی نہین ہوسکتے۔ اسلام جسکا سرچشمہ وحی الہی تھی اور اسی لیے انسانی فطرت کے تمام پہلوؤن اور انسانی حالات کے ہر ایک قسم کے تغیر و تبدل پر اسکی پوری نظر تھی۔ اسنے سب سے پہلے مروجہ قوانین طلاق مین یہی اصلاح فرمائی کہ تعیین وجوہات طلاق کو جایز نہ رکھا۔ یہ مقدس مذہب کسی خاص قوم یا خاص ملک یا خاص زمانہ کے لیے نہ تھا کہ اسکے مطابق طلاق کے چند وجوہات کا نام لے دینا بلکہ اسکا دایرہ وسیع اور تمام زمین اور زمانے پر حاوی تھا اور اسی لیے دوربینی سے اسنے تعیین وجوہات طلاق کی غلطی کو سمجھ کر اس پہلو مین اصلاح کرنیکے کسی قسم کا خوف ظاہر نہین کیا اور طلاق کیلیے ہر ایسی وجہ کو جایز سمجھا جسکو کافی وجہ کہا جاسکتا ہو تاکہ اسکے مجوزہ قوانین تمام انسانی ضروریات کے پورا کرنیوالے ٹھہرین مین یہ کہنے کو بھی تیار ہون کہ واقعی بعض وقت ایک وجہ طلاق کی ایک قوم کیلیے ضروری ہوتی ہے حالانکہ وہی وجہ دوسری قوم کیلیے نہین ہوسکتی بلکہ قومونکو چھوڑکر افراد سوسایٹی مین بھی ایسے تغیرات پائے جاتے ہین مثلاً جو سلوک معمولی طور پر ایک جاہل مرد اپنی عورت سے کرتا ہے وہی ایک معزز گھر مین بیجا تشدد سمجھا جاویگا۔ اگر یہ ممکن ہوتا کہ ایک ہی قانون طلاق سب دنیا اور سب زمانونکے لیے کافی ہوتا تو یسوع مسیح کے اس قانون کو کہ زنا کے سوائے خاوند کسی صورت مین عورت کو طلاق نہین دیسکتا اسقدر دلیری سے اسکے پیرو نہ توڑتے یا مثلاً اگر یہ قانون بہت ہی محدود ہونیکی وجہ سے انسانی سوسائیٹی کے وسیع حالات کے مطابق ثابت نہ ہوا تھا اور اسکو توڑنا ہی پڑا تھا تو چاہیئے تھا کہ مہذب عیسائی اقوام کل کی کل کسی اور ایک ہی قانون کو اپنے لیے تجویز کرتین۔ اور وجوہات طلاق مین اسقدر اختلاف ایک دوسرے سے نہ کرتین۔ پھر اس اختلاف کے ہوتے ہوئے عیسائیونکی یہ محض حماقت ہے کہ وہ شریعت اسلام پر اس بنا پر اعتراض کرین کہ اس مین وجوہات طلاق کی تعیین نہین کیگئی کیونکہ ایسی تعیین تو خود عیسائی اقوام آجتک نہین کرسکین پس ایسا اعتراض اسوقت تک کچھ وقعت نہین رکھتا جبتک کل عیسائی اقوام متفق ہوکر پہلے یہ بیان نہ کرین کہ انکے نزدیک وجوہات طلاق کونکونسی ہونی چاہئین +

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام نے جو یہ تجویز کیا ہے کہ کافی وجہ پر طلاق ہونی چاہیئے اور ان وجوہات کی تعیین کو ترک کردیا ہے یہ قانون طلاق مین سب سے بڑی اصلاح ہے جسپر آخر عیسائی اقوام کو بھی کاربند ہونا پڑے گا۔ دوسرا اعتراض

اسلام پر عموماً یہ کیا جاتا ہے کہ اسلامی شریعت کے مطابق خاوند کو حق حاصل ہے کہ جب چاہے بلاوجہ ہی اپنی عورت کو طلاق دیکر اسے الگ کر دے ایسا اعتراض یا تعصب سے پیدا ہو سکتا ہے اور یا شریعت اسلامی کی ناواقفیت سے اسمین شک نہین کہ اسلام معاہدہ نکاح کو ناقابل فسخ نہین سمجھتا مگر ساتھ ہی اسکے وہ نکاح کو ایسا مقدس معاہدہ سمجھتا ہے جسکے توڑنے مین پرلے درجہ کے احتیاط اور حزم سے کام لینا چاہیئے۔ اسلام طلاق کے معاملہ مین افراط اور تفریط کے دونون پہلوؤن سے بچا ہوا ہے اگر آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ خیال ہوتا کہ خاوند عورت کو جب چاہے بلاوجہ بھی طلاق دے سکتا ہے تو آپ بار بار یہ تاکید کیون کرتے کہ حتے الوسع طلاق سے بچنا چاہیئے اصل بات یہ ہے کہ اسلام مین طلاق کی اجازت صرف اسی صورت مین ہے جب اس سے کسی ضرر کی اصلاح مقصود ہو جس ضرر کو اگر طلاق کے ذریعہ نہ روکا جاوے تو سوسائٹی کی ہلاکت کا باعث ہوگا اور اسکی اخلاقی حالتون کو نہایت پستی کی حالت مین گرا دینے والا ہوگا۔ بیاہ کے بعد بعض اوقات ایسے مشکلات اور تکلیفین پیش آجاتی ہین کہ جنکا علاج سوائے فسخ معاہدہ نکاح کے اور کچھ نہین ہوتا انہی صورتون مین اسلام کے اندر طلاق کی اجازت دیگئی ہے۔ بلکہ ان ضرورتون کے اوقات مین بھی اسلام یہی نصیحت کرتا ہے کہ سوائے سخت مجبوری کی حالت کے طلاق کیطرف رجوع نہین کرنا چاہیئے ابغض الحلال الی اللہ الطلاق ۔ ایک مشہور حدیث ہے جسکا منشاء یہ ہے کہ اگرچہ اللہ تعالے نے انسانی ضروریات کے سبب سے طلاق کی اجازت تو دی ہے مگر اللہ تعالی کی نظر مین یہ فعل پسندیدہ نہین کہ انسان بلاوجہ یا ذرا ذرا سی بات پر طلاق کیطرف رجوع کرے بلکہ ایسا فعل اللہ تعالے کو سخت ناراض کرنیوالا ہے اب یہ الفاظ بلاشبہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے منہ سے نکلے ہوئے ہین کیا یہ گمان ہو سکتا ہے کہ وہی شخص جو بلاوجہ طلاق کو اس نفرت کی نگاہ سے دیکھتا ہے اپنے پیرؤونکو یہ اجازت دے کہ تمہارا اختیار ہے جبتک چاہو عورتونکو رکھو اور جب چاہو طلاق دو۔ پھر ایسا الزام دینا اگر حماقت نہین تو اور کیا ہے۔ یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ شریعت اسلامی مین ایک لفظ بھی اس حدیث کے منشاء کے خلاف نہین ہے۔ یہ حدیث بطور ایک بنا کے ہے جس سے اسلامی شریعت کا سچا منشاء معلوم ہو سکتا ہے اصل بات صرف اسیقدر ہے کہ اسلام اس غلطی کا مرتکب نہین ہوا کہ عیسائیونکی طرح طلاق کیلیے چند وجوہ بیان کر دیتا اور پھر آئے دن مختلف قومونکے درمیان ان مین تبدیلی ہوتی رہتی +

اب ضروری سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اسلام جو طلاق کیلیے کافی وجہ چاہتا ہے پھر اسنے اپنے اس منشاء کو پورا کرنیکا کونسا طریقہ اختیار کیا ہے۔ یہ اعتراض کیا جائیگا کہ خواہ اسلام نے کافی وجہ کو طلاق کیلیے ضروری ہی سمجھا ہو مگر اسکا اختیار اسنے کلیتۃً ایک فرد کے ہاتھ مین دیدیا ہے جو جس طرح سے چاہے اپنے منشاء کو پورا کر سکتا ہے اور کسی قسم کی روک سپر ایسی نہین ڈالی گئی اور کہ زکم یہ کہ جب کوئی رنجش کا موقعہ پیدا ہوگا تو ہر ایک شخص

اپنے حق مین ہی فیصلہ کرے گا اور اسلیے عورت کا رکھنا یا اس کو طلاق دیکر نکال دینا اسکی مرضی پر منحصر ہوگا اس اعتراض کے جواب مین اول تو یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ طلاق اور نکاح شریعت اسلامی مین کسی فرد کے پرائیویٹ افعال نہین سمجھے جاتے بلکہ اسکے پبلک افعال ہین اور اسلیے شہادتون کا ہونا ضروری مانا گیا ہے اسی وجہ پر حکومت کو ان امور مین پوری مداخلت حاصل ہے اسکی عملی نظیرین خود ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانے مین پائی جاتی ہین اگر ہندوستان مین قانون طلاق کی بنا ان فیصلجات پر رکھی جاتی اور ان فیصلجات کو جو عموماً ناواقف آدمیونکے قلمونسے نکلے ہوئے ہین اصل شریعت نہ سمجھ لیا جاتا تو ہندوستان کا اسلامی قانون طلاق کچھ اور ہی ہوتا صحیح بخاری مین جو حدیث کی سب سے زیادہ معتبر کتاب ہے ایسی حدیثین موجود ہین جن سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے کئی دفعہ دی ہوئی طلاق کو کالعدم قرار دیکر فریقین کے نکاح کے معاہدہ کو قایم رکھا چنانچہ ایک ایسا واقعہ حضرت ابن عمر کے متعلق ہے۔ اس طرح پر طلاق کو ناجایز قرار دیکر بانی اسلام علیہ الصلوٰة والسلام نے یہ فیصلہ ہمیشہ کیلیے کر دیا ہے کہ طلاق کالعدم قرار دیجا سکتی ہے اور حکومت کو اس معاملے مین دخل حاصل ہے یہ غلطی ہوگی اگر ہم یہ کہین کہ انہین وجوہ پر طلاق کالعدم قرار دیجا سکتی ہے جن وجوہ پر خود آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اسے کالعدم قرار دیا کیونکہ آپنے تو اپنے فیصلونسے اصول فیصلہ مسلمانونکو بتا دیے ہین اور یہ ممکن ہی نہ تھا کہ ہر قسم کے واقعات آپکی مختصر زندگی مین پیش آکر سب فیصلے یکدفعہ ہی ہو جاتے۔ جو نتیجہ ان مقدمات سے پیدا ہوتا ہے جو آپکے سامنے آئے وہ یہ ہے کہ آپنے اس امر کو ضروری سمجھا کہ جہان طلاق ناجایز طور پر دیجاوے حکومت اسکو کالعدم قرار دیسکتی ہے مین نہین سمجھ سکتا کہ اس سے بڑھکر کونسی روک ایک آدمی پر ڈالی جا سکتی ہے کہ وہ سوچکر اور کافی وجوہات پر طلاق دے اور بلاوجہ اس ہتھیار کو نہ برتے

اسی امر کی تائید مین کہ حکومت کو طلاق کے معاملہ مین مداخلت کا اختیار ہے اور بھی واقعات ہین جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مین پیش آئے منجملہ انکے لعان کی صورت بھی ہے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایک شخص نے یہ دعوے کیا کہ مینے اپنی عورت کو زنا کرتے دیکھا ہے مگر میرے پاس کوئی شہادت اس امر کی موجود نہین اسپر وحی الٰہی کی بنا پر جیسا کہ قرآن کریم مین سورہ نور مین وارد ہے آپنے لعان کا حکم دیا جسکا آخری نتیجہ یہ تھا کہ مرد اور عورت الگ الگ کیے گئے اور طلاق واقع ہوگئی۔ اب اس سوال کے اٹھنے اور پھر اللہ تعالے کی طرف سے یہ فیصلہ نازل ہونے سے یہ شہادت پیدا ہوتی ہے کہ شریعت اسلام کے رو سے بلاوجہ کوئی مرد کسی عورت کو طلاق نہ دے سکتا تھا۔ اصل مشکل اس صورت مین یہ تھی کہ اگر مرد اپنی عورت کو زنا کا الزام دیکر اسے طلاق دے تو شہادت کے موجود نہ ہونیکی وجہ سے خود جھوٹا الزام لگانیوالا ٹھہر کر شرعی حد کے نیچے آتا ہے اور ویسے چونکہ اسکا اپنا نفس یقین کر چکا ہے کہ اسکی عورت زانیہ ہے وہ اسکے ساتھ رہ بھی نہین سکتا پس اس مشکل کی صورت مین شریعت اسلام نے لعان کا فتوے دیا ہے جسکی ضرورت اس صورت مین نہ ہوتی اگر طلاق بلاوجہ جایز ہوتی۔ شاید یہ کہا جائے کہ لعان کا حکم تو حد سے بچنے کے لئے ہے

یعنی اگر مرد حسب منشائے قرآن کریم قسم کھاوے کہ وہ سچا ہے تو اس پر جھوٹا الزام لگانیکی حد قایم نہ ہوگی اور اگر عورت مطابق حکم یہ قسم کھاوے کہ اسپر الزام لگانیوالا جھوٹا ہے تو اسپر زنا کی حد قایم نہ ہوگی۔ یہ بالکل صحیح ہے مگر دیکھنا یہ ہے کہ نتیجہ اسکا آخر طلاق ہے اور اگر بغیر جرم قایم کرنیکے طلاق ہو سکتی تو مرد کو الزام دینے کی ضرورت ہی کیا رہتی اور اسی بنا پر یہ استدلال بھی ہے۔

قرآن کریم سے یہ بھی ثبوت ملتا ہے کہ بعض وقت آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے قبل دینے طلاق کے بھی طلاق روکا۔ اور جبتک طلاق کا دینا مجبوری کی حد تک نہیں پہنچ گیا طلاق کی اجازت نہیں دی۔ میری مراد اس جگہ حضرت زید رضی اللہ عنہ اور ام المومنین حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے معاملہ طلاق سے ہے۔ زید اور زینب مین ایسی نااتفاقی ہوئی کہ آخر زید نے زینب کو طلاق دینے کا ارادہ کیا جب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر پہونچی تو آپنے جو جواب دیا اسکا ذکر قرآن کریم ان الفاظ مین کرتا ہے:- وَاِذْ تَقُوْلُ لِلَّذِیْٓ اَنْعَمَ اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاَنْعَمْتَ عَلَیْہِ اَمْسِکْ عَلَیْکَ زَوْجَکَ وَاتَّقِ اللّٰہَ (الاحزاب ۳۷) ترجمہ جب تم اس شخص (یعنی زید) کو سمجھاتے تھے جسپر اللہ نے انعام کیا (یعنی اسکو مسلمان ہونیکی توفیق دی) اور جسپر تمنے بھی احسان کیا (یعنی اسکی پرورش کی۔ اور پھر زینب سے اسکا نکاح کر دیا) کہ اپنی بی بی زینب کو اپنی زوجیت مین رہنے دے اور اللہ سے ڈر (اور اسکو طلاق نہ دے)" مگر جب کوئی صورت اصلاح کی نہ بن سکی اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے دیکھ لیا کہ طلاق کے بغیر کوئی صورت اصلاح کی نہین ہے تو پھر آپنے طلاق کی اجازت دیدی۔ اس جگہ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ طلاق کو روکتے وقت آپنے ساتھ یہ فرمایا کہ اللہ سے ڈرو۔ گویا آپکے نزدیک طلاق ایک بڑا ہی اہم معاملہ تھا کیونکہ اگر اسکے دینے مین انسان کو سخت مجبوری نہ ہو تب تک آپنے اسے جایز نہین سمجھا۔ ان دو واقعونسے یعنی ایک تو حضرت ابن عمر کی طلاق کا معاملہ اور دوسرا زید کی طلاق کا معاملہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ بانی اسلام علیہ السلام کا یہ منشاء تھا کہ حکومت کو طلاق کے معاملہ مین یہ اختیار دیا جاوے کہ اسکی بداستعمالی کو روک سکے خواہ طلاق کے واقع ہونیسے پہلے اسکو روک دینے سے اور خواہ طلاق ہو چکنے تو اس کو کالعدم قرار دیکر۔ یہ بیان کر دینا بھی ضروری ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم صرف ایک حاکم کا رنگ ہی نہ رکھتے تھے۔ بلکہ وہ مذہبی پیشوا اور شارع بھی تھے۔

پھر ایک اور روک طلاق کے ناجایز استعمال کو روکنے کیلیے وہ قرار دیگئی ہے جسے قرآن کریم نے نہایت صریح الفاظ مین بیان فرمایا ہے اور وہ یہ ہے کہ ہر ایک جھگڑے مین فریقین خود کوئی کارروائی نہ کرین بلکہ دو حکم تنازعہ کے فیصلہ کے لیے مقرر کیے جاوین اور ان کو پورے پورے اختیارات دیئے جاوین۔ جیساکہ فرماتا ہے۔ وَاِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَیْنِہِمَا فَابْعَثُوْا حَکَمًا مِّنْ اَھْلِہٖ وَحَکَمًا مِّنْ اَھْلِہَا اِنْ یُّرِیْدَآ اِصْلَاحًا یُّوَفِّقِ اللّٰہُ بَیْنَہُمَا اِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَلِیْمًا خَبِیْرًا (النساء ۳۵) جسکا ترجمہ یہ ہے کہ اگر تمکو میان بی بی مین فساد کے پیدا ہونیکا

اندیشہ ہو تو ایک پنچ مرد کے کنبے میں سے مقرر کرو اور ایک پنچ عورت کے کنبے سے۔ اگر ان دونوں کا ارادہ اصلاح کا ہوگا تو اللہ تعالیٰ بھی ان دونوں میں موافقت پیدا کر دیگا۔ بیشک خدا علیم و خبیر ہے۔ اس آیت میں ایک ضروری امر فیصلہ طلب یہ ہے کہ تم میں خطاب کسکو ہے یعنی حکم مقرر کون کرے۔ امام شافعی نے اس سے خطاب حکومت کو مراد لیا ہے یعنی حاکم کو چاہیے کہ وہ پنچ مقرر کرے۔ امام رازی اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں۔ قال الشافعی رضی اللہ عنہ المستحب ان یبعث الحاکم عدلین ویجعلھما حکمین والاولی ان یکون واحد من اھلہ و واحد من اھلھا لان اقاربھما اعرف بحالھما من الاجانب واشد طلبا للصلاح فان کان اجنبیین جائز وفائدۃ الحکمین ان یخلو کل واحد منھما بصاحبہ ویستکشف حقیقۃ الحال لیعرف ان رغبتہ فی الاقامۃ علی النکاح او فی المفارقۃ ثم یجتمع الحکمان فیفعلان ما ھو الصواب من ایقاع طلاق او خلع۔ اسی کی تائید میں حضرت علی کے سامنے ایک ایسے ہی واقع کا پیش ہونا بیان کیا گیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حکم مقرر کرنیوالا حاکم ہی ہونا چاہیئے۔ چنانچہ ساتھ ہی یہ لکھا ہے کہ حضرت علی کے پاس ایک مرد اور ایک عورت آئے اور ان دونوں میں سے ہر ایک کے ساتھ لوگوں کی ایک جماعت تھی حضرت علی نے حکم دیا کہ ایک پنچ مرد کے کنبے سے اور ایک عورت کے کنبے سے مقرر کیا جاوے۔ جب حکم مقرر ہو گئے تو آپنے انکو فرمایا تم جانتے ہو تمہارے فرائض کیا ہیں۔ تمہارا یہ فرض ہے کہ پہلے دیکھو کہ اگر کوئی صورت اصلاح اور اتفاق کی ہو سکتی ہے تو اتفاق کرا دو اور اگر یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ طلاق واقع ہو تو طلاق کرا دو۔

اس واقعہ سے صاف پتہ لگتا ہے کہ قرآن کریم کے حکم کا منشا کیا ہے۔ اب خواہ حاکم خود حکم مقرر کرے یا اسکے حکم کے مطابق کوئی دوسرا مقرر کرے اس سے کچھ فرق نہیں آتا بہر حال حکومت کی مداخلت طلاق کے معاملہ میں ایک صریح اور بیّن امر ہے جس سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا۔ اگر مرد کو قطعی اختیار ہر وقت عورت کو طلاق دینے کا ہوتا اور کسی وجہ کی ضرورت نہ ہوتی تو حکم مقرر کرنیکا کیا مطلب تھا۔ حکم تو اسی بات کے دیکھنے کیلیے مقرر کیئے جائینگے کہ آیا اصلاح ممکن ہے یا نہیں اور اگر نہیں تو کس فریق کا قصور ہے اور آیا طلاق ہونی چاہیئے یا خلع اگر مرد کا قصور ہے تو عورت کو مہر پورا دیا جاویگا اور اگر عورت کا قصور ہے تو خلع کی صورت ہوگی یہی طریق اللہ تعالیٰ نے طلاق کے معاملات میں پسند فرمایا ہے۔ اور اسکے مطابق کارروائی ہونے سے مرد اور عورت طلاق میں ناجائز فایدہ اٹھانیسے رک جائینگے۔

پھر طلاق کے لیے یہ ضروری قرار دیا گیا ہے کہ مرد تین طہروں میں عورت کو تین طلاقیں دے۔ اسقدر لمبا عرصہ رکھنے کا یہ منشا ہے کہ اگر کوئی ممکن صورت اصلاح کی ہو تو ہو جاوے۔ کیونکہ بعض وقت جلدی میں

انسان ایک معاملہ کے پس پیش کو نہیں سمجھتا بتدریج طلاق کی تکمیل سے یہ ایک عظیم الشان فایدہ ہے کہ چھوٹے چھوٹے اختلاف جو فساد کا باعث ہو گئے تھے آخر چند دن بعد خود ہی حقیر معلوم ہونے لگتے ہیں اور طلاق کے نتایج جوں جوں اسپر زیادہ غور کیا جاویگا بڑے معلوم ہونے لگینگے اور اسلئے اصلاح کا پورا موقعہ فریقین کو ملجاویگا اسی حکمت پر اللہ تعالےٰ نے یہ فرمایا۔ اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ فَاِمْسَاكٌۢ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌۢ بِاِحْسَانٍ ۭ وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَاْخُذُوْا مِمَّآ اٰتَيْتُمُوْھُنَّ شَـيْـــًٔا اِلَّآ اَنْ يَّخَافَآ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ۭ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ۙ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِـيْمَا افْتَدَتْ بِهٖ ۭ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَعْتَدُوْھَا ۚ وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاُولٰۗىِٕكَ ھُمُ الظّٰلِمُوْنَ (البقرۃ ۔ ۲۳۰) طلاق دو دفعہ ہے پھر اسکے بعد نیک برتاؤ کے ساتھ زوجیت میں رکھنا چاہیئے (یعنی دو دفعہ طلاق کے بعد رجوع ہو سکتا ہے) اور یا اگر یہ نہ ہو سکے تو حسن سلوک کے ساتھ رخصت کر دینا چاہیئے اور جو کچھ تم اپنی بیبیوں کو دے چکے ہو اس میں سے تمہیں کچھ بھی لینا جایز نہیں سوائے اس صورت کے جب اندیشہ ہو کہ میاں بی بی خدا کی قایم کی ہوئی حدوں پر قایم نہیں رہ سکینگے پس اگر تمہیں اس بات کا خوف ہو کہ وہ دونوں خدا کی باندھی ہوئی حدود پر قایم نہیں رہ سکینگے تو اگر عورت طلاق حاصل کرنیکے لیے کچھ مال خاوند کو دیدے تو ان دونو پر کچھ گناہ نہیں یہ خدا کی باندھی ہوئی حدیں ہیں انکو توڑو نہیں جو خدا کی باندھی حدوں کو توڑتے ہیں وہ ظالم ہیں"۔ اس آیت میں علاوہ اس بات کے بیان کرنیکے کہ طلاق دیتے وقت کیا طریق اختیار کرنا چاہیئے خداتعالےٰ نے یہ بھی خاوند کو حکم دیا ہے کہ طلاق دیتے وقت نہ صرف اس مال میں سے کچھ واپس نہ لے جو وہ عورت کو دیچکا ہے بلکہ چاہیئے کہ اسکو رخصت کرتے وقت احسان سے رخصت کرے یعنی کچھ اور بھی اسکے ساتھ حسن سلوک کرے چنانچہ دوسری جگہ نہ لینے کے متعلق فرمایا ہے۔ وَّاٰتَيْتُمْ اِحْدٰىھُنَّ قِنْطَارًا فَلَا تَاْخُذُوْا مِنْهُ شَـيْـــًٔا ط (النساء ۔ ۲۰) اگر تم نے بی بی کو بہت سارا مال بھی دیدیا ہو تو بھی اس سے کچھ واپس نہ لینا چاہیئے۔ یہ چھوٹی سی بات نہیں کیونکہ ممکن نہیں کہ انسان بغیر کسی مجبوری کے عورت کو بھی الگ کرے اور ساتھ اسکے مال بھی دے یہ طلاق کے ناجایز استعمال پر ایک اور روک ہے۔

علاوہ ازیں قرآن کریم بار بار تقوے کی ہدایتوں سے بھرا پڑا ہے اور کوئی سچا مسلمان یہ نہیں کرسکتا کہ ان ہدایتوں کی کچھ بھی پرواہ نہ کرے۔ قرآن شریف میں جس قدر احکام یا اجازتیں یا ممانعتیں دیگئی ہیں وہ سب تقویٰ کی شرط سے مشروط ہیں اور دراصل تقویٰ ہی ایک چیز ہے جو انسان کو کمال تک پہنچانیوالی ہے ورنہ اگر تقویٰ نہیں تو سختی سے سخت قاعدے اور روکیں بھی کچھ نہیں کرسکتیں۔ خدا کی سچی اور حکیم کتاب نے یہ راہ اختیار نہیں کیا کہ چند ظاہری قواعد اور بیرونی پابندیوں پر ہی سارا انحصار کر دے کیونکہ صرف اتنی بات سے انسان اس حقیقی پاکیزگی تک نہیں پہنچ سکتا جو اسکی زندگی کا اصل مقصد ہے بلکہ جہاں کسی قاعدہ کو بیان کیا ہے اسکے ساتھ ہی تقویٰ کی رعایت

کی شرط لگادی ہے تا تقوے کو اختیار کرکے انسان اس قاعدہ یا اجازت کی بداستعمالی سے بچ سکے۔ مذہب اسلام صرف ظاہری قواعد کی پابندی پر خوش نہین ہوتا کیونکہ یہ محض چھلکا ہے بلکہ اصل بات جو وہ چاہتا ہے وہ دل کی حقیقی پاکیزگی اور سچی تقوے۔ اور طہارت ہے جو احکام شریعت کا مغز ہے پس خواہ زندگی کے کسی پہلو کے متعلق کوئی حکم ہو کھانے پینے کے متعلق یا چلنے پھرنے بیٹھنے اٹھنے کے متعلق کام کرنے یا آرام کرنے کے متعلق نکاح یا طلاق کے متعلق ہر ایک حکم کے ساتھ تقوے کی شرط لگا دی گئی ہے۔ اگر انسان تقوے کے ساتھ کوئی کام کریگا تو وہ کبھی خدا کے احکام کو نہ توڑے گا اور نہ کسی نوع کو نقصان پہنچانیکی راہ اختیار کریگا۔ یہ امر کہ ہر ایک امر اور نہی اور اجازت کے ساتھ تقوی کی شرط لگائی گئی ہے قرآن کریم کی خصوصیت ہے اور دنیا کی کوئی اور کتاب خواہ وہ انسانی ہو اور خواہ الہامی ہونیکا دعوےٰ رکھتی ہو یہ خصوصیت اپنے اندر نہین رکھتی۔ پس یہ نہایت ضروری امر ہے کہ جب ہم مثلاً اسلام کے قانون طلاق پر بحث کرین تو اس امر کو مدنظر رکھین کہ اسکا بڑا بھاری پہلو شرط تقوے بھی ہے پس جو شخص تقوے کے خلاف اپنی کسی نفسانی خواہش کیلیئے اس اجازت سے اسکے منشار کے خلاف فایدہ اٹھانا چاہتا ہے وہ اسلام کے احکام کی خلاف ورزی کرتا ہے اور اسکی اس خلاف ورزی سے اسلامی قانون طلاق پر کوئی اعتراض وارد نہین ہو سکتا۔ جہان یہ غور کرنا ہے کہ اسلام نے طلاق کی اجازت دی ہے وہان یہ بھی دیکھنا ضروری ہے کہ اس اجازت کو کس شرط کے ساتھ مشروط کیا گیا ہے اور اس شرط کو الگ کرکے اسلامی قانون پر اعتراض کرنا حماقت ہے کیونکہ جبتک طلاق کا قانون تقوے کی شرط کے ساتھ مشروط ہے اسکی بداستعمالی رکی رہیگی اسلام مسلمانوں سے نہین چاہتا کہ وہ قرآن کریم کے ایک حصہ پر عمل کرین اور دوسرے حصہ کو چھوڑ دین پس ایک حصہ کو لیکر جو اعتراض کیا جاتا ہے وہ اسلام پر اعتراض نہین بلکہ ان مسلمانوں پر اعتراض ہے جو قرآن کریم پر عمل نہین کرتے۔ کسی اصول کی بداستعمالی کے وقت اعتراض اس اصول پر نہین کرنا چاہیئے بلکہ اس شخص پر اعتراض ہوگا جسنے بد استعمالی کی +

ایک امر بھی قابل غور ہے طلاق کو قرآن کریم نے تسریح باحسان کے نام سے پکارا ہے یعنی نیکی اور مروت کے ساتھ بی بی کو رخصت کرنا۔ حالانکہ مخالفین جس قسم کی طلاق کی اجازت اسلام مین سمجھتے ہین اسکے ظاہر کرنیکے لیے کوئی ایسے لفظ ہونے چاہیئے تھے جیسے گھر سے نکالدینا یا چھوڑ دینا۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ قرآن کریم تو یہ چاہتا ہے کہ اگر طلاق ہی دینی ہو تو پھر بی بی کو نیکی اور مروت سے رخصت کیا جاوے لیکن اگر کوئی شخص بلاوجہ ایک نیک بی بی کو گھر سے نکالتا ہے تو اسکی اس کارروائی پر احسان کا لفظ کبھی صادق آہی نہین سکتا کیونکہ اس نے تو بجائے نیکی اور مروت کے اسکے ساتھ شرارت اور ظلم کیا۔ چونکہ قرآن کریم کے الفاظ خدائے حکیم کے منہ کے لفظ ہین اسلیئے ان الفاظ مین ہی کتابوں کے مضمون بھرے ہوئے ہین اور ایک غور کرنیوالی طبیعت جب خدا سے مدد مانگکر بہت جلد اس نتیجہ پر پہونچ سکتی ہے کہ ایک خاص لفظ کے ایک خاص موقعہ پر رکھنے مین کیا حکمت ہے آخر اس جگہ جو طلاق کا

مفہوم ادا کرنیکے لیے قرآن کریم نے الفاظ تسریح باحسان استعمال کیے تو یہ ایک اتفاقی امر نہیں بلکہ عین اس مفہوم کے ادا کرنیکے لیے یہ الفاظ رکھے گئے ہیں جس مفہوم کا ادا کرنا اس جگہ مقصود ہے۔ جب اللہ تعالےٰ نے طلاق کا نام تسریح باحسان رکھا ہے تو کوئی طلاق اسلامی شریعت کے رو سے صحیح طلاق نہیں ہو سکتی جبتک اس میں نیکی اور حسن نہ پایا جائے اور یہ اسیصورت میں ہوگا جب طلاق میاں بی بی کے فایدہ کیلیے ہو کیونکہ طلاق میں نیکی صرف یہی ہو سکتی ہے کہ وہ کسی ضرر کے دور کرنیکا علاج ہو اور اگر کسی ضرر کا دور کرنا مقصود نہیں تو پھر ایسی طلاق تسریح باحسان کے نام سے پکارے جانے کی حقدار بھی نہیں پس قرآن کریم کے اس لفظ کو اختیار کرنیسے ہم اس صحیح نتیجہ پر پہونچ سکتے ہیں کہ اسلام میں طلاق کی اجازت صرف دفع ضرر کیلیے ہے یہ نتیجہ لفظ احسان سے نکلتا ہے اور اسکی مؤید شہادت لفظ تسریح کے معنوں پر غور کرنیسے پیدا ہوتی ہے کیونکہ تسریح کے معنے ہیں اونٹوں یا چارپائیوں کا چراگاہ کیطرف لیجانا۔ اسلیے جب استعارۃً یہ لفظ انسان کے متعلق بولا جائیگا تو اس سے یہ مراد ہوگی کہ ایک انسان کو ایک ضرر کیحالت سے نکالکر اچھی حالت کیطرف لیجانا کیونکہ مویشی جب بھوکے ہوتے ہیں تب ہی انکو چراگاہ کیطرف لیجاتے ہیں پس اس جگہ لفظ تسریح کے استعمال سے قرآن کریم نے یہ بیان فرمایا ہے کہ ایک عورت جو کسی تنگی یا مصیبت کیحالت میں ہے اسکو اس حالت میں نہیں رکھنا چاہئے بلکہ اسے نیکی اور مروت کے ساتھ رخصت کرنا چاہیے تا وہ دوسری جگہ نکاح کرکے آرام کے ساتھ زندگی بسر کرسکے پس ہر دو الفاظ یعنی تسریح اور احسان کے معنوں پر غور کرنیسے یہی معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کریم یہ ہدایت فرماتا ہے کہ جب مرد اور عورت میں کوئی ایسی صورت تنازعہ کی پیدا ہوجائے جو ان دونوں یا ایک کی تنگی اور تکلیف کا موجب ہو تو اس صورت میں طلاق ہی مفید ہے اور طلاق کے بغیر ضرر دور نہیں ہو سکتا ان امور پر غور کرنیسے انصاف پسند طبیعتیں دیکھ سکتی ہیں کہ اسلام پر یہ کسقدر جھوٹا الزام ہے کہ اسلام بلا وجہ طلاق کی اجازت دیتا ہے۔

یہ نتیجہ صرف الفاظ تسریح باحسان کے معنوں میں غور کرنیسے پیدا ہوا ہے انسے پہلے جو الفاظ استعمال ہوئے ہیں یعنی امساک بمعروف (نیک برتاؤ کے ساتھ زوجیت میں رکھنا) وہ بھی اسکے مؤید ہیں اس جگہ قرآن کریم یہ بیان فرماتا ہے کہ جب طلاق کے واقعات پیدا ہوجائیں تو تم یکمرتبہ طلاق مت دو بلکہ پہلے دو دفعہ دو طہروں میں طلاق دو۔ پھر اسکے بعد انسان کے لیے دو راہ کھلے ہیں پہلی راہ جو مقدم اور افضل ہے کیونکہ اسی کا پہلے بیان بھی کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ پھر خوب سوچو کہ آیا تم ایسی حالت میں بی بی کو رکھ سکتے ہو اسکے ساتھ نیکی سے برتاؤ کرو یعنی اسپر کسی قسم کا ظلم نہ ہو یا وہ کسی طرح کی تنگی اور تکلیف کیحالت میں نہ رہے اگر یہ ممکن ہے تو یہی راہ اختیار کرو اور اگر یہ نہیں کرسکتے تو پھر دوسری راہ تمہارے لیے یہ ہے کہ نیکی اور مروت کے ساتھ اسے رخصت کردو۔ پہلی شق کو مقدم کرنے اور دوسری کو مؤخر کرنیسے یہ صاف معلوم ہوتا ہے کہ دوسری شق صرف ایسی صورت میں اختیار کرنی چاہیے جب پہلی ممکن نہ ہو

گویا طلاق تب اختیار کرنی چاہیئے جب میاں بی بی کا برتاؤ نیکی اور سلوک کا نہ رہے جو نکاح کا اصل مقصد حاصل کرنیکے لیے ضروری ہے ایک دوسرے موقعہ پر بعینہٖ ایسے ہی الفاظ میں قرآن کریم نے طلاق کا ذکر فرمایا ہے۔ **فرماتا ہے**
وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَاَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ سَرِّحُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ وَلَا تُمْسِكُوْهُنَّ ضِرَارًا لِّتَعْتَدُوْا ۔ (البقرۃ ۔ رکوع ۲۹ ۔ آیت ۲۳۲) ترجمہ جب تمنے عورتونکو دو بار طلاق دیدی اور انکی عدت پوری ہونیکو آئی تو یا تو نیک سلوک کے ساتھ انکو اپنی زوجیت میں رہنے دو یا تکمیل طلاق کرکے انکو نیکی کے ساتھ رخصت کرو مگر ایسی طرح انکو اپنی زوجیت میں نہ رکھو جس سے انکو ایذا پہونچے جسکا نتیجہ یہ ہو کہ تم زیادتی کرنے لگو" ان الفاظ میں گویا اللہ تعالے نے طلاق کا فلسفہ بیان فرمایا ہے پہلے یہ تاکید فرما کر کہ انکو نیک سلوک کے ساتھ رکھو پھر دوبارہ یہی عادہ کیا ہے اور تاکیداً فرمایا ہے کہ ایسا ہرگز نہ ہو کہ تمہارا انکو زوجیت میں رکھنا انکے لیے ایذا دہی کا موجب ہو اور تم ناانصافی کرنیوالے ہو۔ گویا یہ پسند فرمایا ہے کہ بجائے اسکے کہ عورت کو ایسی صورت میں گھر میں رکھا جائے کہ وہ اسکی تکلیف دہی کا موجب ہو۔ بہتر یہی ہے کہ تم انکے ساتھ نیکی کرکے ان کو رخصت کردو۔ گویا کسی صورت میں عورت پر ظلم یا اسکی ایذا دہی روا نہیں رکھی اور نہ ہی یہ پسند کیا ہے کہ گھر جو خوشی اور آرام کی جگہ ہونی چاہیئے روز کے جھگڑوں اور فساد اور تکلیفوں اور ایذا کی جگہ ہو جاوے۔ تین احکام اس ایک آیت میں ہیں۔ اول اور سب سے مقدم یہ ہے کہ اگر کوئی فساد پیدا ہو کر دو دفعہ طلاق ہو بھی چکی ہے اور ابھی رجوع کا وقت باقی ہے تو تم رجوع کر لو ایسی صورت میں کہ ان کو نیک سلوک اور فیاضانہ برتاؤ کے ساتھ رکھ سکو یعنے انکے چھوٹے چھوٹے قصوروں اور کمزوریوں سے درگذر کرو اور چھوٹے چھوٹے اختلافات کو کوئی وقعت نہ دو۔ لیکن اگر یہ نہ کر سکو تو پھر تم انکے ساتھ یہ نیکی کر سکتے ہو کہ احسان کے ساتھ انکو رخصت کردو۔ اور پھر ایکدفعہ فرمایا کہ اصل منشاء صرف یہی ہے کہ عورتونکے ساتھ یا تو نیکی سے سلوک کیا جاوے اور یا اگر کوئی ایسے واقعات پیدا ہو گئے ہیں کہ میاں بی بی میں اتفاق اور ایک دوسرے کے ساتھ حسن معاشرت کی کوئی صورت نہیں رہی تو پھر طلاق ہی بہتر ہے۔ کیونکہ جب نکاح کی غرض ہی مفقود ہو گئی تو پھر فریقین کو اس بات پر مجبور کرنا کہ وہ ظاہر طور پر اکھٹے رہیں حالانکہ دراصل وہ بالکل الگ ہو چکے ہوئے ہیں محض ظلم ہے ایسی صورت میں زندگی ایک مصیبت ہو جاتی ہے اور اس دکھ اور تکلیف کا اثر نہ صرف میاں بی بی پر ہی ہوتا ہے بلکہ آیندہ نسل بھی اس سے متاثر ہو کر سوسائٹی کیلیے بجائے مفید ہونیکے مضر ہوتی ہے ایسی ہی صورتونمیں قرآن کریم طلاق کا حکم دیتا ہے اور اس حکم میں انسانوں کی بہتری اور نیکی اور عفت کا پاس ملحوظ رکھا گیا ہے۔ اگر اسلام میں طلاق کے متعلق کوئی آزادی ہے جسکا الزام دیا جاتا ہے تو وہ یہی آزادی ہے کہ جب میاں بی بی میں حسن معاشرت کسی صورت میں نہ رہ سکے تو اسوقت انکی علیحدگی کا حکم ہے۔ عیسائیت جو اپنے قانون طلاق پر فخر رکھتی ہے اسنے ایسے موقعہ کیلیئے کونسا علاج تجویز کیا ہے بس یہی کہ مرد اور عورت دلونمیں جتنا چاہیں بعد

اختیار کر چکے ہین مگر ظاہری طور پر انکو جکڑا رکھنا چاہیئے خواہ کیسے ہی بد نتایج اس سے پیدا ہون۔

اس غلط فہمی کے سبب جو عموماً اسلام کے قانون طلاق کے متعلق پیدا ہوئی ہوئی ہے مین اس بات کو مکرر بیان کرتا ہون کہ باوجود اس آزادی کے جو طلاق کے معاملہ مین قرآن کریم نے دی ہے اس بات پر اس کتاب حکیم نے بار بار زور دیا ہے کہ جہانتک ممکن ہو اصلاح کی فکر کرنی چاہیئے اور طلاق سے حتے الوسع بچنا چاہیئے۔ خصوصاً مردونکو یہ نصیحت کیگئی ہے کہ اگر انکو خلاف مزاج بھی بعض باتین پیش آجائین تو انہین چاہیئے کہ حوصلہ اور وسعت اخلاق سے انکی برداشت کرین کیونکہ جب اللہ تعالے نے ان کو قوی مین مضبوط بنایا ہے تو انکو بھی بڑا حوصلہ دکھانا چاہیئے چنانچہ ایک جگہ عورتون کے متعلق خاوندون کو یہ حکم دیا گیا ہے وَعَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ فَإِنْ كَرِهْتُمُوهُنَّ فَعَسَىٰ أَنْ تَكْرَهُوا شَيْئًا وَيَجْعَلَ اللَّهُ فِيهِ خَيْرًا كَثِيرًا ط (النساء۔ رکوع ۳۔ آیت ۱۹) اور بیبیونکے ساتھ حسن سلوک سے رہو اور اگر تمکو کسی وجہ سے بی بی ناپسند ہو تو بھی اسکو نیک سلوک کے ساتھ ہی اپنی زوجیت مین رکھو کیونکہ) عجب نہین کہ تم ایک چیز کو ناپسند کرو اور اللہ تعالے اسی مین بہت سی خیر و برکت دیدے" اب اس آیت مین مردونکو بالخصوص اللہ تعالے نے یہ حکم دیا ہے کہ اگر ان کو بی بی ناپسند بھی ہو تو بھی وہ اپنی ناپسندیدگی پر غالب آنے کی کوشش کرین اور اگر وہ ایسا کرینگے تو یہی بات انکے لیے خیر و برکت کا موجب ہو جائیگی اور انکی ناپسندیدگی بھی دور ہو جاوے گی۔ پھر اسی سورت مین آگے چلکر فرمایا۔ وَإِنِ امْرَأَةٌ خَافَتْ مِنْ بَعْلِهَا نُشُوزًا أَوْ إِعْرَاضًا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا أَنْ يُصْلِحَا بَيْنَهُمَا صُلْحًا ط وَالصُّلْحُ خَيْرٌ ط وَأُحْضِرَتِ الْأَنْفُسُ الشُّحَّ ط وَإِنْ تُحْسِنُوا وَتَتَّقُوا فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا ـ ...... وَإِنْ يَتَفَرَّقَا يُغْنِ اللَّهُ كُلًّا مِنْ سَعَتِهِ ط وَكَانَ اللَّهُ وَاسِعًا حَكِيمًا ـ (النساء۔ رکوع ۱۹۔ آیت ۱۲۸ و ۱۳۰) "اور اگر کسی عورت کو اپنے شوہر کیطرف سے زیادتی یا بے رغبتی کا اندیشہ ہو تو ان دونو پر کوئی گناہ نہین کہ آپس مین عمدہ طور پر صلح کرلین اور صلح بہت اچھی چیز ہے اور تھوڑا بہت بخل تو انسان کی طبیعت مین ہوتا ہی ہے (اسکی چندان پروا نہ کرنی چاہیئے) اور اگر ایک دوسرے کے ساتھ نیک سلوک کرو اور بدسلوکی سے بچے رہو تو اللہ تعالے بھی تمہارے تمام کامونسے باخبر ہے (اسکے مطابق ہی تمہین نیک اجر دیگا) ...... اور اگر (میان بی بی مین کوئی صلح کیصورت بن نہ پڑے اور) ایکدوسرے سے جدا ہو جائین تو اللہ تعالے ان دونو کو غنی کر دیگا (یعنے انکے لیے کوئی بہتر صورت پیدا کر دیگا) اور اللہ تعالے بڑی وسعت والا اور حکمت والا ہے" اسجگہ الصلح خیر کہکر تمام غلط فہمیوں کا ازالہ فرما دیا ہے۔ یعنی اللہ تعالے کے نزدیک بہت پسندیدہ طریق تو یہی ہے کہ صلح ہی کرلیجاوے اور علیحدگی کی اجازت صرف اسیصورت مین ہے۔ جب اصلاح کی کوئی صورت بن نہ پڑے کیا اسقدر صراحت کے باوجود بھی قرآن کریم پر کوئی عقلمند یہ الزام دیگا کہ وہ طلاق کی کھلی اجازت دیتا ہے۔ جب مرد چاہے عورت کو گھر سے باہر نکالدے۔ ہرگز نہین بلکہ جیسا کہ مین

بار بار کہہ چکا ہون اصل منشار تعلیم قرآنی کا یہی ہے کہ طلاق منع نہین مگر مجبوری کیحالت مین اسے اختیار کرنا چاہیئے۔
ان آیات کے اخیری الفاظ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ طلاق کی اجازت اس غرض کیلیئے ہے کہ وہ بہتری کا باعث ہو
نہ اسلیئے کہ کسی فریق کے نقصان کا ذریعہ اسے ٹھہرایا جائے کیونکہ اخیر مین یہ فرمایا ہے کہ جب واقعی طلاق کی ضرورت
محسوس ہوجائے تو پھر طلاق واقع ہونی چاہیئے کیونکہ اللہ تعالے جو بڑی وسعت اور حکمت والا ہے نئے اور
عمدہ تعلق ہر دو کے لیے ایسے پیدا کرسکتا ہے جو انکی بہتری اور آرام کا موجب ہون اور میان بی بی دونونکو غنی
کرسکتا ہے۔ درحقیقت اگر غور سے دیکھا جائے تو ہر جگہ جہان طلاق کی اجازت دی ہے قرآن کریم نے مقدم
اسی بات کو کیا ہے کہ پہلے صلح کی کوشش کرنی چاہیئے اور اگر باہمی اتفاق سے رہنے کی کوئی صورت پیدا
ہوجائے تو وہی اختیار کرنی چاہیئے اور طلاق کو ہمیشہ پیچھے بیان کیا ہے تا کلام الہی کا یہ منشاء معلوم ہوجائے
کہ طلاق کی اجازت انہین صورتون مین ہے جب صلح کی کوئی صورت بن نہ پڑے چنانچہ اس آیت مذکورہ بالا
مین صاف طور پر یہ بتایا گیا ہے کہ جہان کسی قدر فساد کی صورت پیدا بھی ہوجائے اور فریقین مین بے رغبتی
یا ناپسندیدگی معلوم ہوتی ہو تو بھی پہلے یہی کوشش کرنی چاہیئے کہ صلح ہوجائے کیونکہ افضل صلح ہی ہے۔ پھر جہان دو
حکم مقرر کرنیکا حکم دیا گیا ہے وہان بیان ہی یہ کیا ہے کہ وہ فریقین کے درمیان کوئی صلح کی صورت پیدا کرین اور
طلاق کا ذکر بھی نہین کیا اگرچہ اس مین کسی کو شک نہین ہوسکتا کہ طلاق بھی انکے اختیار کے اندر ہے پھر جہان تین طلاقین
دینے کا حکم دیا ہے وہان بھی دو دفعہ امساک بالمعروف کو ہی مقدم کیا ہے غرضیکہ اسقدر صراحت سے یہ بات بیان
کیگئی ہے کہ ایک حق پسند طبیعت کو یقین آجاتا ہے کہ قرآن کریم کی تعلیم یہ ہرگز نہین کہ جب چاہے طلاق دیدے
بلکہ یہ پاک کتاب طلاق سے اُس حد تک روکتی ہے جہانتک رکنا انسانی طاقت کے اندر ہے۔

یہ تمام شہادت طلاق کے بارہ مین مینے صرف قرآن شریف سے پیش کی ہے اور اسکو پڑھنے کے بعد حاجت
باقی نہین رہتی کہ احادیث کا بھی حوالہ دیا جاوے مگر مین مناسب سمجھتا ہون کہ اس بحث کو ختم کرنیسے پہلے دو تین
احادیث بھی بیان کردون ایک حدیث کا حوالہ پہلے بھی دیا جاچکا ہے یعنی ابغض الحلال الی اللّٰہ الطلاق
پھر ایک اور حدیث مین آیا ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ایما امراۃ سالت زوجھا الطلاق
فی غیر ما باس فحرام علیھا رائحۃ الجنۃ۔ یعنی جو عورت بغیر کسی ضرر یا تکلیف کے اپنے خاوند سے طلاق مانگے
اسپر جنت کی خوشبو حرام ہے پھر ایک اور حدیث مین فرمایا ہے:۔ لعن اللّٰہ الذواقین والذواقات۔ یہی حدیث
دوسرے الفاظ مین یون بیان کیگئی ہے:۔ ان اللّٰہ لا یحب الذواقین والذواقات۔ مگر مآل ایک ہی ہے۔
یعنی اللہ تعالے لعنت کرتا ہے یا محبت نہین کرتا ان مردون سے جو نفسانی خواہشات کیخاطر بار بار نکاح کرتے
اور طلاق دیتے ہین اور ان عورتون سے جو نفسانی خواہشات کیخاطر بار بار نکاح کرتی اور طلاق لیتی ہین۔ اس

حدیث کو بیان کرنیکے بعد صاحب حجت البالغہ نے لکھا ہے کہ اس قسم کے مرد اور عورتین زانی اور زانیہ ہوتے ہین۔

ایک اور اعتراض جو اسلام کے قانون طلاق پر کیا جاتا ہے یہ ہے کہ اسلامی شریعت کے رو سے عورت کو طلاق لینے کا کوئی حق حاصل نہین۔ اسلام مین جس قدر صراحت سے عورت کے حقوق اس معاملہ مین مذکور ہین انکے ہوتے ہوئے ایسی غلط فہمی کیونکر پیدا ہو گئی اسکا مین کچھ جواب نہین دے سکتا مگر تعجب یہ ہے کہ مسٹر داد و حسین باوجود اپنے اسلام کے بلکہ اسلام کی ترقی کے حامی ہونیکے دعوے کے بھی یہ کہتا ہے کہ جہان اسلامی قانون طلاق مرد کو کھلی اجازت طلاق کی دیتا ہے۔ عورت کو خواہ اسپر کتنا ہی ظلم ہو ایسا حق نہین دیتا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ معترض کو تمام اسلامی مسایل سے ایک سی ہی ناواقفیت ہے پھر یہ کسقدر حماقت ہے کہ باوجود جہالت کے اعتراض پر اعتراض کیے چلے جاتے ہین اعتراض سے پہلے کسیقدر قرآن شریف اور حدیث شریف سے واقفیت تو پیدا کر لی ہوتی۔ اس اعتراض کی تردید کیلیے اگر اور کوئی ثبوت ہم نہ بھی دین تو وہی احادیث کافی ہین جن کے حوالے اس سے پہلے فقرہ مین دیئے جا چکے ہین مثلاً اسی حدیث پر غور کرو کہ :- ایما امراۃ سالت زوجہا الطلاق فی غیر ما باس فحرام علیہا رائحۃ الجنۃ۔ یعنی جو عورت بغیر کسی ضرر یا تکلیف کے اپنے خاوند سے طلاق طلب کریگی اسپر جنت کی خوشبو حرام ہے۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ عورت کو طلاق مانگنے کا حق حاصل ہے اور اگر بلا وجہ وہ طلاق لے سکتی ہے جسکی ممانعت اس حدیث مین کیگئی ہے تو کافی وجہ کے ہوتے ہوئے اسے طلاق لینے سے کونسی چیز مانع ہو سکتی ہے ایسا ہی دوسری حدیث مین رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ان اللہ لا یحب الذواقین والذواقات۔ اس مین جیسے ان مردونکو ملامت اور ممانعت کی گئی ہے جو بلا وجہ بار بار طلاقین دیتے اور نکاح کرتے ہین ایسا ہی ان عورتون کو بھی ملامت اور ممانعت کی گئی ہے جو بلا وجہ بار بار طلاقین لیتی اور نکاح کرتی ہین اس حدیث سے تو معلوم ہوتا ہے کہ جیسا ناجایز استعمال طلاق کا مرد کر سکتے ہین ایسا ہی عورتین بھی کر سکتی ہین اور ذواقین اور ذواقات کے متعلق ایک ہی حکم بیان فرمایا ہے۔ اس سے بڑھکر وضاحت اور کونسے الفاظ سے ہو سکتی ہے اگر عورتین طلاق نہ لے سکتین تو یقیناً ان عورتونکا وجود ہی دنیا مین نہ ہوتا جنکو ذواقات کے نام سے پکارا گیا ہے۔ گر حدیث شریف کے الفاظ مردون اور عورتونکو ایک ہی حیثیت مین بیان کرتے ہین جس سے بتما متر صفائی یہ ثبوت ملتا ہے کہ جیسے مردونکو ضرورت اور مجبوری کے وقت طلاق دینے کا حق شریعت اسلام نے دیا ہے ویسے ہی عورتونکو بھی ضرورت اور مجبوری کیوقت طلاق لینے کا حق دیا ہے۔

اصل بات یہ ہے کہ اکثر ان صورتون مین جب طلاق کی صورت پیدا ہو سکتی ہے اسلام نے وہ راہ تجویز کیا ہے جس سے کلی اختیار نہ مرد کے ہاتھ مین رہتا ہے نہ عورت کے ہاتھ مین۔ طلاق کی کثیر وجوہات آخر مرد و عورت مین ناتفاقی کی صورت پیدا کرتی ہین اور اگر ناتفاقی کوئی نہین تو طلاق کی ضرورت بھی پیش نہین آئیگی مگر ناتفاقی کیصورت مین

قرآن کریم نے نہایت صاف الفاظ مین یہ فرمایا ہے کہ حکم مقرر کرنے چاہئے جن مین سے ایک مرد کے کنبہ سے ہو اور ایک عورت کے کنبہ سے اور انہین کا فیصلہ آخری فیصلہ ہوگا جیسا کہ اس مقدمہ طلاق سے بھی ثابت ہوتا ہے جو حضرت علی رضی اللہ تعالٰے عنہ کے سامنے آیا تھا جس مین آپنے حکم مقرر ہو جانیکے بعد مرد اور عورت دونوکو مخاطب کر کے فرمایا تھا کہ اب جو فیصلہ حکم کرین خواہ وہ صلح کا ہو اور خواہ طلاق کا تم دونوکو قبول کرنا ہوگا۔ اب یہ طریقہ حکم مقرر کرنیکا کئی وجوہ کے لحاظ سے نہایت ہی پسندیدہ طریق ہے کیونکہ اول تو مرد و عورت دونو کے اختیار پر ایک روک واقع ہو جاتی ہے اور کلی طور پر انکے ہاتھ مین یہ بات نہین رہتی بلکہ جو حکم مقرر کیے جاوین انکے ہاتھ مین کل اختیار آجاتا ہے اور اس سے طلاق کے قانون کی بد استعمالی بڑی حد تک رک سکتی ہے۔ دوسرے طرف عدالتو نمین چارہ جوئی کرنیسے دونون فریق بچ جاتے ہین اور اسلیے صلح کی امید بھی زیادہ ہوتی ہے اور اخراجات عدالت سے بھی سبکدوشی حاصل ہو جاتی ہے۔ یہ ایک روزمرہ تجربہ کی بات ہے کہ جو نہی خانگی تنازعہ کیصورت سے نکلکر ایک تنازعہ کی نوبت عدالت تک پہنچتی ہے تو فریقین ایکدوسرے کے خلاف قانونی ثبوت پیدا کرنیکے لیے ہر طرح کے حیلو نسے کام لیتے ہین جس سے کدورت باہمی اور بھی بڑھ جاتی ہے اور اصلاح قریبًا ناممکن ہو جاتی ہے۔ تیسرا فایدہ یہ ہے کہ حکم خاوند اور عورت کے کنبہ مین سے ہونگے سبب اصلی واقفات سے زیادہ باخبر ہونگے اور انکا فیصلہ بھی ایسا ہی ہوگا جس سے ہر دو فریق کی بہتری مقصود ہو کیونکہ وہ اس امر پر عدالت کی طرح مجبور نہین کہ کسی قانونی نکتہ پر فیصلہ کا مدار رکھین بلکہ عام اغراض نکاح اور فریقین کی بہتری کو مدنظر رکھکر عمدہ فیصلہ کرسکتے ہین اب یہ کسقدر جھوٹ ثابت ہوا۔۔۔۔ کہ مرد کے ہاتھ مین ہی کل اختیار طلاق کا ہے اور عورت بالکل بیدست و پا ہے مین یقین کرتا ہون کہ کوئی سمجھدار آدمی ان باتو نسے واقفیت حاصل کرنیکے بعد کبھی اسلام پر ایسا بیہودہ اعتراض نہین کریگا۔

اس سے بھی صاف لفظ قرآن شریف مین اور موجود ہین جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ مرد اگر عورت کیطرف سے بے رغبتی کرے یا اسپر ظلم کرے یا جھگڑے اور فساد کی صورت ہو تو عورت طلاق لے سکتی ہے ان آیات کا جنمین یہ ذکر ہے پہلے ایک اور بحث کرتے ہوئے حوالہ دیا جاچکا ہے۔ مگر اس مضمون کی اہمیت کیخاطر مین انکو دوبارہ نقل کرتا ہون۔ اللہ تعالٰے اپنی حکیم کتاب مین فرماتا ہے۔ وان امراۃ خافت من بعلہا نشوزًا او اعراضًا فلا جناح علیہما ان یصلحا بینہما صلحًا والصلح خیر۔ اور اسکے بعد فرماتا ہے۔ وان یتفرقا یغن اللہ کلًا من سعتہ۔ (النساء۔ رکوع ۱۹۔ آیت ۱۲۸۔۱۳۰) ان آیات کا ترجمہ حافظ نذیر احمد نے ان الفاظ مین کیا ہے "اور اگر کسی عورت کو اپنے شوہر کیطرف سے زیادتی یا بے رغبتی کا اندیشہ ہو تو میان بی بی دونون مین کسی پر کچھ گناہ نہین کہ اصلاح کی کوئی بات ٹھہرا کر آپس مین صلح کرلین اور صلح بہرحال بہتر ہے۔۔۔۔۔۔ اور اگر میان بی بی مین اصلاح کی کوئی صورت نہ بن پڑے اور ایکدوسرے سے جدا ہو جائین تو اللہ اپنے خزانہ غیب

سے بے نیاز کر دیگا" اس جگہ اللہ تعالے نے وہ صورت بیان کی ہے جب مرد کی طرف سے زیادتی ہو یا بے رغبتی ہو اور یہ ارشاد فرمانے کے بعد کہ پہلے کوئی صلح کی تجویز کریں کیونکہ صلح ہی بہتر ہے فرمایا کہ اگر صلح نہیں ہو سکتی تو پھر انکے حق مین طلاق ہی بہتر ہے اور طلاق سے اللہ تعالے دونوں کے مفید مطلب کوئی صورت پیدا کر دیگا اب اس سے صریح نص عورتوں کے حق طلاق پر اور کیا ہو سکتی ہے کیونکہ ان الفاظ مین وہی صورت اللہ تعالے نے بیان فرمائی ہے جب عورت پر زیادتی ہو اور اسکا اخیر علاج طلاق ہی بتایا ہے۔ معلوم ہوتا ہے حدیث تو ایک طرف رہی مسٹر ملاوحسین کو کبھی قرآن شریف پڑھنے کا اتفاق بھی نہیں ہوا۔ پھر یہ کیسی حماقت ہے کہ قرآن شریف کے قانون طلاق کی بجائے جس مین عورتوں کیلیے چارہ جوئی کی ویسی ہی راہ موجود ہے جیسے مرد کیلیے معترض مسلمانوں کیلیے انگریزی قانون طلاق پسند کرتا ہے جسمین عورت پر خواہ کتنا ہی ظلم ہو اسے طلاق کا حق نہیں پہنچتا اسلام پر یہ بیجا اور جھوٹا اعتراض کہ عورت پر تشدد اور ظلم کیحالت مین بھی عورت کو طلاق نہیں مل سکتی اور عیسائیت کی یہ بیجا اور جھوٹی تعریف کہ اسکا قانون طلاق عمدہ ہے یہ کس قسم کا اسلام ہے۔

اس مفصل بحث کے بعد کچھ ضرورت باقی نہیں رہی کہ مین ان تمام نظایر کو پیش کرون جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی زندگی مین وقوع مین آئین اور جن کا تذکرہ اتفاقاً احادیث مین آگیا ہے اتنا کہدینا کافی ہے کہ ناموافقت مزاج تشدد اور ظلم وغیرہ اسباب کیوجہ سے عورتین طلاق حاصل کر سکتی تھین کیونکہ یہ حق صاف الفاظ مین انکو قرآن کریم مین دیا گیا تھا اور خود وہ حدیثین جو عورتون کو قانون طلاق کے ناجایز استعمال سے روکتی ہین یہی ثابت کرتی ہین۔ نہ ہی مینے کھینچ تان کر یہ منشا قرآن کریم کے الفاظ سے نکالا ہے بلکہ صاف اور سیدھے الفاظ ہین جن کا ترجمہ خود انگریزون اور دوسرے لوگون نے یہی کیا ہے اور تمام مسلمان فاضلون کا ہمیشہ سے اسی بات پر اتفاق رہا ہے۔ یہ بھی سچ نہیں کہ عورت بغیر قاضی کے طلاق حاصل نہیں کر سکتی بلکہ عموماً ایسے واقعات طلاق کے عدالتوں سے باہر ہی ہوتے تھے اور ہوتے ہین چنانچہ خلع کے باب مین صحیح بخاری مین یہ صاف الفاظ موجود ہین کہ واجاز عمر الخلع دون السلطان یعنی حضرت عمر رضی اللہ تعالے عنہ نے خلع کی اجازت بلا وساطت سلطان یعنی حاکم کے دی۔ قرآن کریم مین اسکے متعلق صرف وہی احکام موجود نہیں جو اوپر ذکر کئے گئے بلکہ بہت جگہ اس مضمون کو اس پاک کتاب نے ادا فرمایا ہے۔ اور اسی لیے کسی مسلمان نے آجتک اس مسئلے مین اختلاف نہیں کیا سوائے ایسے اختلافات کے جو ناواقفیت سے پیدا ہوا ہو۔ چنانچہ کہین تو یہ فرمایا کہ عاشروھن بالمعروف بیبیوں کے ساتھ بہت نیکی کا سلوک کرو اور کہین یہ حکم دیا فامسکوھن بمعروف یعنی اگر عورتونکو اپنی زوجیت مین رکھو تو نیک برتاؤ کے ساتھ رکھو۔ اور پھر فرمایا ولا تمسکوھن ضرارًا لتعتدوا ومن یفعل ذالک فقد ظلم نفسہ ولا تتخذوا اٰیٰت اللہ ھزوًا۔ (البقرہ۔ رکوع ۲۹۔ آیت ۲۳۲) اور ایذادہی کیلیے انکو اپنی

زوجیت مین نہ رکھنا کہ اپنر زیادتی کرنے لگو اور جو ایسا کریگا وہ اپنی جان پر ظلم کرتا ہے اور اللہ کے احکام کو ہنسی کھیل نہ سمجھو" اس جگہ قرآن کریم متنبہ فرماتا ہے کہ یہ جو احکام عورتوں کے متعلق دیئے گئے ہین یہ کوئی ہنسی کھیل نہین کہ انکی خلاف ورزی پر گرفت نہ ہو گویا مسلمانونکو ہدایت فرماتا ہے کہ ان احکام کی خلاف ورزی نہ ہونے پائے اور جو کوئی خلاف ورزی کرے اسے مستوجب سزا قرار دیا جاوے۔ پس قرآن کریم کے نزدیک یہ امر سخت ممنوع ہے کہ عورتونکو ایسی صورت مین رکھا جاوے کہ اپنر کسی قسم کا ظلم یا تشدد ہو یا انکو کسی طرح پر ایذا دیجاوے ایسی صورت مین اگر حسن سلوک کا برتاؤ کسی طرح پر ممکن نہ ہو تو طلاق کا حکم ہے۔ ایسا ہی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لا ضرر ولا ضرار فی الاسلام۔ یعنی اسلام روا نہین رکھتا کہ کسی انسان کو کسی طرح کا دکھ دیا جاوے۔ پس جب دوسرے انسانونکو دکھ دینے سے روکا گیا ہے تو بیبیان سب سے پہلے حقدار ہین کہ انکو دکھ نہ دیا جاوے بلکہ یہانتک فرمایا ہے کہ خیرکم خیرکم باھلہ۔ یعنی اچھا وہی ہے جو اپنے اہل سے اچھا ہے۔ میری سمجھ مین بالفعل اسقدر بحث اس مضمون پر کافی ہے ضرورت ہوئی تو آیندہ اور بحث اسپر کی جاوے گی +

اسلام

(بجواب سیل صاحب)

پادری سیلؔ صاحب جنہون نے کتاب "فیتھ آف اسلام" یعنے مذہب اسلام لکھی ہے اب پھر بیدار ہوئے ہین اور ایک سلسلہ مضامین کا اسلام پر مدراس کرسچین کالج میگزین مین شروع کیا ہے اس سلسلہ کے دو مضامین ہمنے پڑھے ہین اور افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ پادری صاحب نے اسی اندھے تعصب سے اس مضمون مین کام لیا ہے جو ہمیشہ سے انکے پیشہ کا رویہ رہا ہے اور وہی اعتراض اس مضمون مین دوبارہ لکھے ہین جن کا نہ صرف مسلمانونکی طرف سے جواب ہو چکا ہے بلکہ جنکی غلطی کو اس زمانہ مین خود عیسائی محققین بھی تسلیم کر چکے ہین اس مضمون مین پادری صاحب نے یہ دعوے کیا ہے کہ عرب کی حالت مین ایک عظیم الشان تبدیلی واقع ہونیکے سامان پہلے ہی پیدا ہو چکے تھے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کوئی ایسی بات نہین لائے جو پہلے سے موجود نہ ہو اور یہ بھی لکھا ہے کہ مسلمان مورخین آپکی بعثت سے پہلے زمانہ کو

ایام جاہلیت کہنے مین غلطی پر ہین۔ ابتدائے مضمون مین وہ لکھتا ہے "مسلمان مورخ عرب مین (حضرت) محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کی آمد سے پہلے زمانے کو ایام جاہلیت کے نام سے پکارتے ہین اور یون اس کا مقابلہ اس روشنی اور تہذیب کے زمانے کے ساتھ کرتے ہین جو انکا دعوے ہے کہ آپکے وجود سے عرب مین آئی لیکن عیسائی اور یہودی حاکمونکے ماتحت عرب کے بعض حصے ایسے ہی مہذب تھے جیسے کہ بعد مین وہ کبھی ہوئے ہون نبی عربی (صلے اللہ علیہ وسلم) کی پیدایش سے پہلے دو صدیان عربونکا واسطہ یہودیونسے پڑ گیا تھا اور ایک ناقص عیسائیت نے بھی تہذیب کا نیک اثر ان پر ڈالا تھا۔ فن تحریر کا علم انکو حاصل تھا اور فن شاعری اپنے اوج پر تھا۔ اسلام سے پہلے کے اشعار اعلے درجہ کی قابلیت اور کمال شاعری ظاہر کرتے ہین۔ یہ سچ ہے کہ تاریخ اور فلسفہ اور علوم کی دوسری شاخونمین زبان عربی کا وسیع استعمال اسلام کے سبب سے ہوا مگر یہ خیال غلط ہے کہ ان ایام مین جن کو غلطی سے ایام جاہلیت کہا جاتا ہے کوئی عربی علم ادب موجود نہ تھا"۔ ایسا ہی اسی مضمون کے اثنا مین متفرق مقامات مین وہ لکھتا ہے کہ "توحید کا مسئلہ کوئی ایسا مسئلہ نہ تھا جو (حضرت) محمد (مصطفے صلے اللہ علیہ وسلم) نے ہی عرب مین پھیلایا ہو اور پہلے اسکے کسی کو اسکا علم بھی نہ ہو۔ اگر آپ یہودیونسے نہ ملے ہوتے تو یہ امر مشکوک ہے کہ پھر بھی آپ کی تعلیم توحید ایسی ہی زبردست ہوتی۔ مگر اس مین کچھ شک نہین کہ یہودیونکے تعلقات سے آپکی طبیعت کا شامی میلان ترقی کر گیا۔ اسلام اس امر کا دعوے کرتا ہے کہ اسکی بنا اللہ تعالے کی خاص وحی ہے مگر درحقیقت اس مذہب نے اپنے آپ کو عربونکے پرانے قصون اور رواجون پر اور ایسے دوسرے امور پر جنکے ماخذ یہودی اور عیسائی تھے قایم کیا۔ (حضرت) محمد (مصطفے صلے اللہ علیہ وسلم) سب سے پہلے عرب نہ تھے جنہون نے بت پرستی کے خلاف وعظ کیا ہو اور خدا تعالے کی توحید کا اقرار کیا ہو کیونکہ آپکے ظہور سے تھوڑے ہی دن پہلے ان لوگون نے جنکو حنیف کہا جاتا ہے ابراہیمی مذہب یا ملت مین اطمینان پایا تھا۔ انمین سے بعض تو عیسائی ہو گئے اور بعض موحد رہے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنے پچھلے ایام مین یہ دعوے کیا تھا کہ آپ کا مشن یہ ہے کہ عربونکو انکے جد اعلے یعنے حضرت ابراہیم کے مذہب پر قایم کرین چھٹی صدی کے آغاز مین عربی سوسائٹی کی حالت فی الجملہ لامذہبی کی سی تھی اور پولٹکل طور پر اسکے اجزا کے الگ الگ ہو جانیکا خطرہ بہت ہی قریب نظر آتا تھا۔ آپنے یہ دیکھا کہ صرف ایک نئی مذہبی بنا پر ہی ملک مین اتفاق اور مضبوطی پیدا ہو سکتی ہے خواہ کچھ ہی ہو یہ بہت ضروری معلوم ہوتا تھا کہ مکہ نئے زمانہ کا نہ صرف مذہبی مرکز ہی ہو بلکہ قومی مرکز بھی ہو۔ یہ تھی سوسائٹی کی حالت جب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے حنیفونکے خیالات سے متاثر ہو کر اور کم و بیش یہودیون کے خیالات سے واقفیت حاصل کر کے یہ محسوس کیا کہ آپ پیام رسالت کے پہونچانے کیلیے بلائے گئے ہین"۔

یہ وہ باتین ہین جن کے وجود قبل از بعثت نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے پادری سیل صاحب نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ عربی سوسائیٹی مین خود بخود ہی وہ حالات پیدا ہو گئے تھے جو عرب کیحالت مین تبدیلی کرنیکا موجب ہوئے جسقدر اعتراض ان عبارتون مین آئے ہین اُن مین سے ضروری ضروری اعتراضونکو لیکر مین ان پر بحث کرونگا۔ سب سے اول تو پادری سیل کا یہ اعتراض ہے کہ آپکی بعثت سے پہلے زمانہ کو زمانہ جاہلیت کیون کہا جاتا ہے اسکے نزدیک اس زمانہ مین عرب کے اندر تہذیب اور روشنی موجود تھی اور دلیل اس کی یہ ہے کہ عرب لوگ شاعری مین کمال رکھتے تھے اور فن تحریر سے بھی اُنکو واقفیت تھی مگر سب سے بڑھکر یہ کہ ایک ناقص عیسائیت کے نیک نمونہ اور تہذیب کے اثر کے نیچے وہ آچکے تھے۔ پادریصاحب کو بڑا دھوکہ لگا ہوا ہے (اور اگر وہ خود دھوکہ خوردہ نہین تو عمداً لوگونکو دھوکہ دے رہے ہین) کیونکہ وہ تہذیب کا معیار عمدہ شاعری کو ٹھہراتے ہین۔ شاعری کا پرجوش شوق اور دوسرے تمام علوم سے ناواقفیت تو اس بات کا ثبوت ہے کہ قوم ابھی تک بچپن کے زمانے مین ہے اور تہذیب سے اس نے حصہ نہین لیا۔ تمام اقوام قبل اسکے کہ وہ مہذب کہلانیکا حق رکھین اس حالت مین سے ہو گذری ہین جس حالت مین اسلام سے پہلے عربی سوسائیٹی تھی مگر پادریصاحبان کا منطق بھی الگ ہی ہے کہ خود اس بات کو تسلیم کرکے کہ علوم کی کسی شاخ مین بھی انکو دسترس نہ تھا صرف انکی شاعری سے انکے اعلے درجہ کے مہذب اور روشن خیال ہونیکا نتیجہ نکالتے ہین اور یہ بھی نہین سوچا کہ ان اشعار کی زبان خواہ کیسی ہی خوبصورت ہو مگر اسکا دائرہ اسی حد تک محدود تھا جس حد تک ایسے انسان کا خیال جاسکتا ہے جسنے ابھی تہذیب سے حصہ نہین لیا۔ کیونکہ ان مین یا تو میدان جنگ کی بہادریونکی تعریف ہے یا کسی کی فیاضی اور مہمان نوازی کی یا گھوڑون اور اونٹونکی یا خشک پہاڑیون اور ریتیلے جنگلونکے سنسان نظارے اور یا عورتون کی خوبصورتی۔

اس بات کے ثابت کرنیکے لیے کہ اسلام سے قبل عرب مین تہذیب کی روشنی موجود تھی اور ویسی ہی موجود تھی جیسے اسلام کے بعد جیسا کہ پادریصاحب کا خیال ہے انکا یہ فرض تھا کہ یہ ثابت کرتے کہ علوم مین عربونکی ترقی اس درجہ تک پہونچی ہوئی تھی۔ تمدن اور معاشرت مین یہ یہ عجیب قوانین انکے ہان موجود تھے۔ ملکی حالات انکے فلان اعلے اصول پر مبنی تھے اور مذہبی پہلو مین وہ اس علو تک پہنچ چکے تھے۔ اگر وہ ان باتو پر غور کرتے جنکا ہونا تہذیب کے لئے ضروری ہے اور پھر اسکے بعد عرب کی تاریخ پر ایک نظر ڈالتے تو اپنے دعوے بے دلیل کی بیہودگی کے خود ہی قایل ہو جاتے اور انکو پتہ لگ جاتا کہ تہذیب کے معاملہ مین عربونکی حالت نہایت پستی مین تھی یہ مین اس سے انکار نہین کرتا کہ ان مین کوئی بھی نیک اخلاق یا عمدہ وصف نہ پائے جاتے تھے کیونکہ مہمان نوازی۔ آزادی کی محبت۔ دلیری اور جوانمردی۔ قومی وفاداری۔ فیاضی۔ اور سخاوت وغیرہ کئی اوصاف مین وہ اپنی نظیر نہ رکھتے تھے مگر فرداً فرداً ان اوصاف کے پائے جانیکا نام تہذیب نہین رکھا جاسکتا اور علاوہ برین جہان یہ نیکیان

موجود تھیں اس کے ساتھ ہی وہ بدیان بھی تھیں جو انکے نیک اثر کو کالعدم کر دیتی تھیں۔ اگر کسی غریب مسافر کے ساتھ اعلے درجہ کی مہمان نوازی کا سلوک ہوتا تھا اور عزیز سے عزیز چیز بھی اسکی خاطر قربان کر دیجاتی تھی تو دوسری طرف یہ بات بھی موجود تھی کہ ایک بے گناہ راہ چلنے والیکو وہ لوٹ لیتے تھے اور اسکے کپڑے تک بھی نہ چھوڑتے تھے۔ اگر قومی وفاداری کا وصف پایا جاتا تھا تو ساتھ ہی یہ عیب بھی تھا کہ ایک فرد کو ذرہ سا نقصان پہنچنے پر قوموں مین جنگ ہو جاتی اور جبتک ان مین سے ایک صفحہ ہستی سے نابود نہ ہو جاتی جنگ کا خاتمہ نہ ہوتا تھا ایسا ہی کینہ وری مین وہ لوگ حد سے گذرے ہوئے تھے۔ مگر ان باتوں سے کسی قوم کے مہذب یا غیر مہذب ہونیکا فیصلہ نہیں ہو سکتا یہ نیک اوصاف اس اندھیری رات مین جو اسلام سے پہلے ملک عرب پر چھائی ہوئی تھی روشنی کی نہایت ہی کمزور شعاعوں کی طرح کبھی نظر آجاتے تھے اور کبھی پھر نظر سے گم ہو جاتے تھے۔

علوم اور فنون کے متعلق تو شاید پادری سیل جیسا کو بھی اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ سوائے شاعری کے جو تمام جاہل قومون پائی جاتی ہے وہ قطعاً جاہل تھے۔ فن تحریر ان مین تھا مگر کبھی ضروری واقعات کو معرض تحریر مین نہین لایا گیا اور علم تاریخ کے موٹے سے موٹے مفہوم کو بھی وہ نہ سمجھتے تھے سوائے اسکے کہ شعرون مین کسیقدر نام یا واقعات تاریخی یا نسب نامے وغیرہ محفوظ رہ گئے ہین اور انکے محفوظ رہنے کی وجہ بھی انکا تحریر مین آنا نہین بلکہ قوت حافظہ کا زبردست ہونا ہے جسکی وجہ سے ہزارون ہزار شعر عام طور پر انکے درمیان شہرت پا گئے تھے اور ضایع ہونیسے بچ رہے تھے۔ جہانتک مجھے علم ہے ایام جاہلیت کی ایک بھی نثر کی تصنیف نہین پائی جاتی۔ فلسفہ۔ ریاضی۔ ہیئت وغیرہ تمام علوم سے وہ محض نابلد تھے اور جس طرز پر انکی زندگی واقع ہوئی تھی ان علوم سے انکا واقف ہونا بھی مشکل ہی تھا۔

اسکے بعد اب یہ امر غور کرنیکے قابل ہے کہ آیا عرب جاہلیت کی پولٹیکل حالت ایسی تھی کہ ہم اسے ایک مہذب ملک کہہ سکین یا کم از کم جس سے یہ ظاہر ہو کہ یہ ملک تہذیب کا اثر قبول کرنیکے لیے تیار تھا۔ اس ملک مین باقاعدہ گورنمنٹ کوئی نہ تھی اور نہ کوئی انتظام یا امن کی صورت ہی تھی۔ ہر ایک قوم مین ایک الگ سردار تھا اور وہ بھی صرف اس غرض کیلیے کہ دوسری قومون سے لڑائی کیوقت وہی انکو آگے لیجانیوالا ہو حقیقی معنون مین کوئی گورنمنٹ موجود نہ تھی۔ انکا قانون طاقت ہی تھا اور جو شخص تلوار چلانے مین افضل ہوتا اسی کی بات بھی مانی جاتی تھی لیکن ایک فرد سے لیکر کل قوم تک حکومت کا جوا نہ اٹھا سکتے تھے اور آزاد ہی رہنا چاہتے تھے باہمی اقوام مین جنگون کا سلسلہ جاری رہتا تھا۔ اور کوئی صورت ایسی نہ تھی جس سے یہ امید ہو سکے کہ یہ اقوام کبھی ایک ہو کر تہذیب کے اثر کے نیچے آنیکو تیار ہین ولیم میور جو ایسا ہی متعصب عیسائی اور اسلام کا ایسا ہی پکا دشمن ہے جیسے سیل مگر تاریخی واقعات کے قبول یا رد کرنے مین موخر الذکر سے بہت زیادہ احتیاط سے کام لیتا ہے۔ وہ بھی اپنی سوانح عمری آنحضرت

صلے اللہ علیہ وسلم کے دیباچہ مین لکھتا ہے کہ "سب سے پہلی خصوصیت جو ہماری توجہ کو کھینچتی ہے وہ عربون کا بیشمار
جتھوں مین تقسیم ہونا ہے جو ایک ہی زبان کے بولنے والے اور اپنے حالات اور اطوار مین قریبًا یکسان ہین مگر ہر
ایک بجائے خود خود مختار ہے کبھی اپنی حالت پر قانع نہین اور اکثر ایکدوسرے کے ساتھ جنگ مین مشغول
ہین بلکہ جہان رشتہ داری کی وجہ سے یا کسی فائدہ کی غرض سے ایک قوم کے دوسری سے تعلقات بھی پیدا ہوئے
ہین وہان بھی چھوٹی چھوٹی بات پر تعلقات کو قطع کرنے اور جنگ کرنے کیلیے ہر وقت تیار بیٹھے ہین یہی حالت
اسلام کے زمانہ تک چلی آئی ہے کہ کبھی کوئی سی دو قومون مین باہم اتفاق ہوا بھی تو چند دنون مین ہی وہ خطرناک جنگ
مین مبتلا ہوگئی ہین اور تمام کوششین جو اسلام سے پہلے انکے ایک کرنیکے لیے کی گئین وہ بے سود اور ناکام ثابت ہوئین
اسکے بعد اب غور کرنا چاہیئے کہ وہ کیسی عظیم الشان طاقت تھی جس نے ان سب بکھرے ہوئے اجزا کو یون ایک کیا
کہ گویا وہ کبھی الگ تھے ہی نہین۔ چنانچہ اس وحدت کو اللہ تعالے نے قرآن کریم مین اپنی عظیم الشان نعمتون مین
سے ایک نعمت کے طور پر بیان فرمایا ہے جیسا کہ وہ فرماتا ہے:- وَاذْكُرُوا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَاءً
فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا ۚ وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا ۔
(آل عمران۔ رکوع ۱۱۔ آیت ۱۰۳) یعنے اللہ کا وہ احسان یاد کرو جب تم ایکدوسرے کے دشمن تھے پھر اللہ نے
تمہارے دلون مین الفت پیدا کی اور تم اسکے فضل سے بھائیونکی طرح ہو گئے اور تم آگ کے گڑھے کے کنارے
تھے (یعنی ہمیشہ کیلیے باہمی خانہ جنگیون مین مبتلا رہتے تھے) اب خدا نے تمکو اس سے بچا لیا۔

مگر اصل بات یہ ہے اور سیلؔ صاحب اس سے ناواقف نہین بلکہ وہ عمدًا اسکے بیان کرنے سے اعراض کرتا ہے
کہ جب مسلمان مورخین زمانہ قبل بعثت آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو ایام جاہلیت کے نام سے پکارتے ہین تو انکا منشا
یہ بیان کرنیکا ہوتا ہے کہ عرب لوگ اخلاقی اور تمدنی قوانین سے محض ناآشنا۔ اور حقیقی مذہب سے جاہل تھے اور علوم
فنون کی ناواقفیت مقصود بالذات نہین اگرچہ وہ بھی اسمین شامل ہے اس بات کو مدنظر رکھکر شاید سیلؔ صاحب
کو بھی انکار نہ ہوگا کہ وہ اس زمانہ کو زمانہ جاہلیت کے نام سے پکارنے مین بالکل حق پر ہین۔ شاعری نے انکو اخلاقی
یا تمدنی قوانین نہین دیدیئے تھے اور نہ ہی شعرگوئی سے انکی مذہبی جہالت دور ہوگئی تھی۔ خود پادری صاحب کو اقرار ہے
کہ عربون مین زندہ لڑکی کو دفن کرنیکی وحشیانہ رسم جاری تھی اور ایک ایک عورت کا کئی خاوندون سے تعلق ہوتا تھا۔
عرب مین قوانین نکاح کے متعلق پرلے درجہ کی آزادی تھی نہ نکاح کرنے مین کوئی روک تھی اور نہ طلاق دینے مین کوئی
روک تھی۔ خاوند جب چاہتا عورت کو چھوڑ سکتا تھا۔ عورتونکی حالت بہت گری ہوئی تھی۔ اور بعض وقت انسے
جو سلوک ہوتا تھا وہ انسان سمجھکر نہ ہوتا تھا بلکہ انکو جائیداد کا ایک حصہ تصور کر لیا جاتا تھا۔ اور باقی جائیداد کے ساتھ
وہ ورثہ مین جاتی تھین۔ اور وارث اگر چاہتا تو ...... انسے نکاح کر لیتا۔ خواہ وہ اس بات پر رضامند ہون

یا نہ ہون اسی قبیح رسم سے وہ وحشیانہ رسم بھی پیدا ہوگئی تھی لیتی بیٹے کا باپ کی عورتونسے نکاح کرلینا جسکے روکنے کے لیے قرآن شریف کو حرمت علیکم امھاتکم کہنا پڑا۔ زنا کی کثرت حد سے گذری ہوئی تھی۔ شراب خوری ایسی عام تھی جیسے اس زمانہ مین انگلستان مین ہے قمار بازی کی یہ حالت تھی کہ جائیداد کو ہار دینے کے بعد اپنی آزادی بدنے سے بھی دریغ نہ کرتے اور غلامی اختیار کرتے تھے مین سیلؔ صاحب سے پوچھتا ہون کہ کیا یہ سوسائیٹی اس قابل ہے کہ اسکا نام سوسائیٹی رکھا جاوے چہ جائیکہ اندھے تعصب سے اسکو مہذب سوسائیٹی کہا جاوے۔ پادریصاحب کو جاہلیت کے عربونسے کچھ مناسبت معلوم ہوتی ہے جو آپ اسقدر انکی حمایت مین تاریخ اور اپنے ہی بھائیونکی تحریرونکو بالائے طاق رکھ رہے ہین۔ اس زمانہ کو جس مین ہر قسم کی وحشیانہ اور قبیح رسوم زور پر تھین ایام جاہلیت کہنا۔۔۔ پادریصاحب کو برا معلوم ہوتا ہے اسلیئے نہین کہ واقع مین وہ ایام جاہلیت نہین تھے۔ بلکہ اسلیئے کہ ایسا کہنے سے اسلام کی عظمت کا قایل ہونا پڑتا ہے +

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے جو مذہبی عقاید عرب کے لوگونکے تھے اونسے اس سے بھی زیادہ صاف شہادت انکی جہالت اور توہم پرستی کی ملتی ہے انکے مذہب مین نہ صرف بتونکی پرستش ہی چلی آتی تھی بلکہ قدرتی طاقتون مثلاً ہوا وغیرہ اور سورج چاند ستارونکی پرستش بھی ہوتی تھی اور اس سے بھی بڑھکر یہ پتھرون درختون اور ڈھیرونکی پرستش کیجاتی تھی۔ جہان کہین ان کو اچھا پتھر نظر آتا اسکو سجدہ کرتے اور اگر یہ نہ ہوتا تو ریت کے ایک ڈھیر پر اونٹنی کا دودھ دوہ کر اسکی پرستش کرتے۔ انسانونکی قربانیان بھی انکے درمیان ہوتی تھین ہر ایک ضروری کام کے کرنیسے پہلے وہ اپنے بتونکی مرضی معلوم کرنیکے لیے تیرونکے ذریعہ فال نکالتے تھے ان سب توہم پرستیونکے باوجود وہ لوگ لامذہب بھی تھے انکے اندر وہ لوگ بھی تھے جو قیامت کے منکر تھے اور انکا مذہب یہی تھا کہ انسان کی زندگی کی غایت کھانا پینا ہی ہے۔ جو لوگ حیات بعد از موت کے قایل تھے انکا یہ دستور تھا کہ جب کوئی انمین سے مرجاتا تو اسکی قبر پر ایک اونٹ کو باندھ دیتے اور اسکو بھوکا پیاسا رکھکر مارتے کہ تا قیامت کے دن مردہ اسی پر سوار ہو۔ یہ بھی ان کا عقیدہ تھا کہ مردہ کی روح قبر پر الّو کی شکل مین اڑتی پھرتی رہتی ہے اور اگر مردہ مقتول ہو تو وہ اسقنی اسقنی پکارتا رہتا ہے جبتک کہ مقتول کا قصاص نہ لیا جاوے۔ یہ اکثر کہا جاتا ہے کہ وہ خدا پر بھی ایمان لاتے تھے مگر انکا خدا کی ہستی پر ایمان محض لفظ ہی لفظ تھے عملی طور پر وہ خدا کو کچھ نہین مانتے تھے کیونکہ انکا خیال تھا کہ اللہ تعالے نے تمام کامونکی انجام دہی مختلف بتون اور دیویون دیوتاؤنکے سپرد کر رکھی ہے اور اسلیئے خدا کی پرستش کی یا اس سے دعا مانگنے کی کوئی ضرورت نہین بلکہ بتونکی طرف ہی ہر حالت مین رجوع کرنا چاہیئے۔ القصہ انکا قومی مذہب سخت بت پرستی اور پرلے درجہ کی وحشیانہ توہم پرستی تھی۔

یہ تھی عرب کی مذہبی اور یہ انکی تمدنی اور اخلاقی حالت۔ ان پادریصاحبان کے سوا جنکے قوے روحانی انسان پرستی

سے بالکل مرچکے ہین اور کوئی شخص ان حالات پر غور کرکے یہ نہین کہہ سکتا کہ ان حالات کو جاہلیت کے نام سے پکارنے مین مسلمانون نے غلطی کی۔ اخلاقی تمدنی اور مذہبی پہلوؤنسے عرب پر بدکاری اور توہم پرستی کی ایک سخت تاریک رات چھائی ہوئی تھی جس مین سیاہ ابر نے رات کی تاریکی کو اور بھی بڑھادیا تھا۔ عرب کی شاعری اس گھٹا ٹوپ تاریکی کے اندر صرف ایسی تھی جیسے کہین سے بادل کا ٹکڑا ہٹ کر ایک دھیمے ستارے کی روشنی نظر آجاتی ہے۔ اس ستارے کو پادری سیل صاحب نے شمس نصف النہار بناکر دکھانیکی کوشش کی ہے۔

پھر پادریصاحب نے بار بار ایک ناقص عیسائیت کے نیک اثر کا ذکر کیا ہے مگر ابھی تک تو اس بات کا بھی جھگڑا ہے کہ آیا کامل عیسائیت دنیا پر کوئی تہذیب کا نیک اثر ڈال سکتی ہے جب پادریصاحب اس جھگڑے کا تصفیہ کر دکھائینگے تو پھر ناقص عیسائیت کے نیک اثر کا فیصلہ بھی آسانی سے ہوجائیگا۔ دوسری صدی عیسائی تک جو کلیسا کیحالت تاریخ سے معلوم ہوتی ہے اس سے تو پادریصاحب کے دعوی کی سخت تردید ہوتی ہے۔ اور اگر موجودہ عیسائیت کو بھی عیسائیت ہی سمجھا جائے خواہ کامل ہو یا ناقص تو اسکی شہادت بھی پادریصاحب کے خلاف ہی ہے ایک اثر عیسائی مذہب کا بیشک عام طور پر تسلیم کیا گیا ہے پادریصاحب چاہین تو اسے نیک اثر کہہ لین اور وہ یہ ہے کہ اسکے وجود سے دنیا مین شرابخوری قماربازی اور رنڈی بازی بہت پھیلی ہے اور جہان اسکا قدم گیا ہے وہان یہ تینون بدکاریان لازم طور پر ساتھ گئی ہین۔ اس بارے مین کہ آیا ایام جاہلیت مین جو عرب مین شرابخوری اور قماربازی کی کثرت ہوگئی تھی وہ بھی اسی مذہب کی طفیل تھی مین ابھی تک کچھ نہین کہہ سکتا کیونکہ اس معاملہ مین مین نے پوری تحقیقات نہین کی البتہ حضرت علی رضی اللہ تعالے عنہ کا ایک قول باسورتھ سمتھ نے دوزی کی سند پر نقل کیا ہے اور اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ واقعی عرب مین عیسائیت کی شرابخوری کی شہرت پہلے زمانے مین بھی تھی اور قرین قیاس ہے کہ عیسائیت کے آنیسے اس بدی مین عرب نے اور بھی ترقی کی ہو۔ باسورتھ سمتھ عرب مین عیسائیت کیحالت پر بحث کرتے ہوئے کہتا ہے کہ "حضرت علی اسبات کے کہنے مین حق پر معلوم ہوتے ہین کہ بنی تغلب عیسائی نہین انھون نے عیسائیت سے سوائے شرابخوری کے اور کچھ نہین لیا" جاہلیت مین عیسائی شاعر بھی تھے اور انکے شعر ونسے یہ صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ اگر عرب سے بڑھ کر نہین تو عرب کے برابر ضرور بدکاریون مین غرق تھے۔ میور جیسے متعصب عیسائی کو یہ کہنا پڑا ہے کہ "ساتوین صدی کی عیسائیت نہایت گری ہوئی اور فاسقانہ حالت مین تھی۔ مختلف فرقون کے جھگڑون سے یہ کسی کام کی نہ رہ گئی تھی۔ اور ابتدائی زمانہ کے پاک ایمان کی بجائے وحشیانہ توہم پرستی اس مین رائج ہوگئی تھی" اب اسکا فیصلہ پادریصاحبان آپ ہی کرین کہ عیسائیت کی وہ حالت تھی جسکا اقرار میور نے کیا ہے یا وہ جو اب سیل بناکر دکھانا چاہتا ہے۔ سیل نے یہ بھی لکھا ہے کہ عیسائیت کا یہ نیک اثر بعض غیر عیسائی عرب پر

بھی پڑا تھا جن کو حنیف کہتے ہین جنہون نے بت پرستی سے توبہ کرکے صرف اللہ کی پرستش اختیار کر لی تھی اگر پادری صاحب حنیفون کا پیدا ہونا یہودیت کا نتیجہ بتاتے تو انکا دعوے بظاہر نظر قرین قیاس بھی معلوم ہوتا مگر انکے عقاید کو عیسائیت کا اثر بتانا یہ پادری صاحب کی خوش فہمی ہے۔ عیسائیت خصوصًا اس زمانے مین جس کا ذکر پادری صاحب کر رہے ہین خود اللہ کے نام سے بے خبر تھی کیونکہ جس خدا کی پرستش عیسائی کرتے تھے وہ ایک مرا ہوا انسان تھا۔ اور مختلف عیسائی فرقونکے باہمی تمام جھگڑے یسوع اور اسکی الوہیت کے متعلق تھے نہ اللہ تعالے کی ہستی کے متعلق۔ عیسائیت شروع سے لوگونکو خدا کی طرف نہین بلاتی رہی بلکہ یسوع کیطرف بلاتی رہی ہے اور اسکا تمام زور یسوع پر ہی خرچ ہوا ہے۔ خدا کا تو شاید کبھی بھول کر ہی عیسائی صاحبان نام لیتے ہونگے۔ یہی وجہ تھی کہ عرب مین عیسائیت ناکام رہی کیونکہ جہان عربون نے بتون اور دوسری اشیاء کو چھوٹے چھوٹے خدا بنا رکھا تھا۔ عیسائی مذہب ایک مردہ انسان خدا کے طور پر پیش کرتا تھا اور کوئی وجہ نہ تھی کہ وہ لوگ اپنے پرانے بتون کو چھوڑ کر ایک نئے بت کے پیچھے لگتے الغرض باوجود عیسائی مذہب کے عرب مین موجود ہونیکے عرب اسی جہالت اور تاریکی کے گڑھے مین پڑے رہے جس مین وہ پڑے ہوئے تھے بلکہ شاید کچھ اور بھی پستی کی طرف ہی انکی حالت چلی گئی۔

اب اس حصہ بحث کا سب سے ضروری سوال پیش ہوتا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ آیا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ظہور سے پہلے عرب مین وہ حالات پیدا ہو چکے تھے جنہون نے عرب کیحالت مین ایک ایسی تبدیلی پیدا کی جو اپنی عظمت اور کمال اور سرعت مین دنیا کی کسی قوم مین نظیر نہین رکھتی اور یہ محض ایک اتفاقی امر تھا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے بھی عین اسیوقت بت پرستی کے خلاف وعظ شروع کر دیا یا کہ اس عظیم الشان تبدیلی کے ظاہر ہونے کی پہلے سے کوئی علامت موجود نہ تھی اور کوئی غور کرنیوالی طبیعت عرب کیحالت پر غور کرکے اس نتیجہ پر نہ پہنچ سکتی تھی کہ یہ وحشی قوم یکایک اس اوج ترقی پر پہنچ سکتی ہے اور اسکا ظہور صرف ایک ہی کامل انسان کے انفاس طیبہ اور قوت قدسی کی برکت سے ہوا۔ عرب کی جو حالت آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ظہور سے پہلے تھی اسکو مین بیان کر چکا ہون اور اس حیرت انگیز تبدیلی کو اچھی طرح سمجھنے کیلیے اب مین یہ بیان کرونگا کہ آپ سے پہلے ملک مین اتفاق پیدا کرنے اور اسکی اخلاقی تمدنی اور مذہبی حالت کی اصلاح کرنیکے لیے کس کس قسم کی کوششین ہو چکی تھین۔ بعد اسکے کہ عرب حضرت اسمٰعیلؑ کے پاک مذہب کو چھوڑ کر بت پرستی پر جم گئے تین بڑی تحریکین آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے انکی اصلاح کیلیے ہو چکی تھین یعنی اول یہودیون کی کوشش دوم عیسائیونکی کوشش اور تیسرے حنیفونکی جنمین سے تیسری کوشش ایک نہایت کمزور کوشش تھی۔ اور پہلی دو طاقتور اور زبردست کوششین تھین جنکے ساتھ حکومت کا رعب بھی تھا۔ ان تینونکا مین الگ الگ ذکر کرونگا

سب سے پہلی کوشش یہودی مذہب کیطرف سے تھی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے قریبًا سات سو سال پہلے یہودی عرب مین آباد ہوگئے تھے اور غالبًا بخت النصر کی تکلیف دہی کیوجہ سے اس ملک مین انہین امن تلاش کرنا پڑا۔ سب سے پہلے وہ خیبر مین آباد ہوئے جہان حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے زمانے تک وہ آباد رہے پہلے جلا وطنونکے بعد طیطوس اور ہیڈرین کیوقت مین بہت سے اور یہودیون نے عرب مین پناہ لی۔ جب انکے قدم اس جگہ جم گئے تو انھون نے یہودی مذہب کی تبلیغ اہل عرب کو شروع کی۔ ان کا مذہب خالص توحید تھی جو مشرکین سے بہت بڑھکر فوقیت رکھتا تھا۔ علاوہ ازین بنی اسرائیل اور عرب دو بھائیون کی طرح تھے کیونکہ عرب بنی اسمٰعیل تھے۔ اور اس طرح پر دونون کے جد اعلےٰ حضرت ابراہیم علیہ السلام تھے ایسی قرابت کی صورت مین عرب کا سلوک بنی اسرائیل سے وہ نہ ہوسکتا تھا جو اجنبیونکے ساتھ وہ کرتے تھے۔ یہود کو اول اول اپنی کوششون مین کامیابی بھی ہوئی۔ کیونکہ کئی امور مین پہلے بھی انکا اشتراک تھا۔ لیکن یہودی مذہب کے اندر سے وہ قوت زایل ہوتی گئی جو مذہب مین ایک روح کے طور پر ہونیسے دوسرونکو اپنی طرف کھینچنے کا ذریعہ ہوتی ہے چنانچہ ابتدا مین بعض عرب اقوام کے اندر یہودی مذہب کو قبولیت حاصل ہوئی مگر یہ سلسلہ جاری نہ رہا۔ اور عرب کی عام حالت مین یہودی مذہب کے اثر سے کچھ بھی تغیر واقع نہ ہوا۔ اور وہ اسی جہالت اور توہم پرستی مین غرق رہے جس مین یہود کے آنیسے پہلے وہ غرق تھے۔

یہودیت کی ناکامی کے بعد عیسائیت کا دورہ شروع ہوا۔ تیسری صدی عیسائی مین جب اندرونی فساد کے سبب سے ایک فرقہ کو دوسرے سے اذیت پہنچنے لگی تو بہت سے عیسائیون نے ملک عرب مین آکر پناہ لی۔ اور ممکن ہے کہ اس سے پہلے بھی یہان عیسائی موجود ہون کیونکہ پولوس نے بھی عرب مین آنیکا ذکر کیا ہے مذہب عیسوی شروع سے ہی اپنے پھیلانیکے لیے مضبوط اور باقاعدہ ذرایع اختیار کرتا رہا ہے مگر باوجود تمام کوششونکے عرب مین عیسائیت کو کبھی ترقی نہین ہوئی۔ حالانکہ کئی صوبون مین اسکی حکومت بھی ہو گئی تھی۔ اور ادھر قسطنطنیہ کے عیسائی قیصر کا دباؤ بھی عرب پر پڑتا تھا۔ اور دوسری طرف نجاشی شاہ حبش کا جو وہ بھی عیسائی تھا بلحاظ قرب اور تعلقات تجارتی وغیرہ اسباب کے عرب پر اثر تھا۔ غسان کی سلطنت جو شمال مین واقع تھی اور حیرا کی سلطنت جو شمال مشرق مین واقع تھی یہ بھی دونون عیسائی سلطنتین تھین۔ جنوب مین ایک مدت تک عیسائیت کا تسلط رہا تھا اور اسطرح پر چارونطرف سے عرب پر عیسائیت کا اثر پڑ رہا تھا اور ادھر وعظ کا سلسلہ بھی باقاعدہ جاری تھا۔ مگر یہ تمام طاقتین اور تمام اسباب ناکام ثابت ہوئے اور عرب کیحالت کو کچھ بھی نہ سنوار سکے۔ پوری پانچ صدیان اسلام سے پہلے عیسائی مذہب کو ملی تھین۔ کہ وہ عرب مین اپنے آپ کو قایم کرے اور عربونکو اخلاقی پستی سے نکالکر اوج ترقی پر لادے مگر ان پانچ صدیونمین بھی عیسائی مذہب کچھ

نہ کر سکا کیونکہ عرب کی بت پرستی اور وحشیانہ حالتین ایسا قوم مین اثر کر چکی تھین کہ کوئی انسانی کوشش انکے دور کرنے مین کامیاب نہ ہوسکتی تھی - چنانچہ میور لکھتا ہے کہ "عیسائی مذہب کے پانچسو برس کے وعظ کے بعد خال خال عیسائی ہمین نظر آتے ہین جیسے نجران مین بنی حارث - یمامہ مین بنی حنیفہ اور تیمہ مین بنی طے - اور انکے سوائے اور کوئی نظر نہین آتا"

اسطرح جبر دنیا کے دو بڑے مذہب عرب کو اپنی طرف کھینچنے کی کوشش کرکے ناکام ثابت ہو چکے تھے مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش سے تھوڑا عرصہ پہلے ایک اور فرقہ بھی پیدا ہو گیا تھا جنکو حنیف کہتے ہین جو نہ یہودی مذہب کو مانتے تھے اور نہ عیسائی مذہب کو بلکہ خدا تعالے کی توحید کے قایل تھے اور بت پرستی اور دوسری چیزونکی پرستش کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتے تھے - یہ تیسری کوشش عرب کیحالت کو صلاح پر لانیکی تھی جس مین کسی دوسرے مذہب کو قبول نہ کرنا تھا بلکہ صرف بت پرستی کو چھوڑ کر ایک ہی خدا کا اقرار کرنا ضروری تھا اور ان لوگونکو باقی رسوم عرب سے کبھی چندان تعلق نہ تھا وہ یہ کہتے تھے کہ ہم اصل ابراہیمی مذہب کے پیرو ہین اس وقت اس بحث کی ضرورت نہین کہ آیا ان لوگونپر یہودی مذہب کا اثر ہوا تھا یا عیسائی مذہب کا میری غرض صرف اسقدر ہے کہ یہ ایک تیسری تحریک اصلاح کی خود ملک عرب کے اندر پیدا ہوئی تھی اور یہودیت اور عیسائیت کیطرح بیرونی تحریک نہ تھی اور اسکی غرض یہ بھی نہ تھی کہ ملک کے رواجوں اور رسمونکو توڑے بلکہ صرف بت پرستی کی اصلاح کرنا انکا مقصود تھا - اور توحید کیطرف لوگونکو بلاتے تھے - مگر انکو بھی وہی ناکامی ہوئی جو انسے پہلے دو بڑے مذہبونکو ہو چکی تھی - اور اسیلیے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ظہور کیوقت عرب اسی پستی کی حالتین گرے ہوئے تھے جس مین وہ ہمیشہ سے پہلے آتے تھے اور کسی تحریک اصلاح سے انکی حالت مین کوئی بھی تغیر بہتری کی طرف نہ آیا تھا -

الغرض اصلاح کی تمام کوششین عرب کیحالت بدلنے مین بالکل ناکام ثابت ہوئین - یہودی مذہب کی خالص توحید اور اسکی پابندی شریعت عیسائی مذہب کا مسئلہ کفارہ اور اسکے ساتھ عملی زندگی مین آزادی حنیفونکا ابراہیمی مذہب اور اسکے ساتھ عرب کی پرانی رسوم اور رواج انمین سے کوئی بات بھی عربونکے لیے باعث کشش ثابت نہ ہوئی - ان سب کوششونکی ناکامی ایک غور کرنیوالی طبیعت کو اس نتیجہ پہنچاتی ہے کہ عرب کی اصلاح قریبًا ناممکن سی ہو گئی تھی حالانکہ انکا اپنا مذہب بمقابلہ ان مذہبونکے جنکی طرف سے یہ کوششین کیجاتی تھین نہایت گری ہوئی حالت مین تھا - تعجب ہے کہ عیسائی صاحبان ہر بات مین تاریخ کے خلاف پہلو اختیار کرتے ہین وہ کہتے ہین کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے دیکھ لیا تھا کہ عرب اسوقت ایک تبدیلی قبول کرنیکے لیے تیار ہی اور صرف اشارے کی ہی ضرورت ہے حالانکہ تاریخ صاف بتاتی ہے کہ اگر آنحضرت معمولی انسانی دور اندیشی سے کام لیتے

تو وہ دیکھ سکتے تھے کہ ان لوگوں کی اصلاح کا بیڑا اٹھانا ایک ناممکن امر کے حصول کیلئے ہاتھ ڈالنا ہے کیونکہ اصلاح کی کوئی صورت بھی انکے لیے کارگر ثابت نہ ہوئی تھی پس ایسے وقت مین اصلاح کا بیڑا اٹھانا ایک انسان کا کام نہ تھا بلکہ اللہ تعالے کا خاص ارادہ تھا تا وہ دکھاوے کہ جہان بڑی سے بڑی انسانی طاقتین دولت اور حکومت کے ساتھ ناکام ہوئین وہان اسنے اپنے ایک عاجز بندے سے جسکا سارا جزیرہ نما دشمن تھا کیسا عظیم الشان کام کر دکھایا یہ بجائے خود اللہ تعالیٰ کی ہستی کا عظیم الشان ثبوت ہے ان باتونکو کہ واقعی عرب کیحالت کسی اصلاح کی امید نہ دلاتی تھی میور صاحب نے بھی قبول کیا ہے چنانچہ وہ لکھتا ہے کہ "آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی جوانی کے ایام مین جزیرہ نمائے عرب کیحالت کسی تبدیلی یا ترقی کے قبول کرنیکے لایق نہ تھی شاید اس سے پہلے کسی زمانہ مین ان لوگونکی اصلاح سے اسقدر ناامیدی پیدا نہین ہوئی جیسی آپکے وقت مین بعض وقت جب ایک سبب کو ایک نتیجہ کے پیدا کرنیکے لیے ناکافی سمجھ لیا جاتا ہے تو اسکے لئے اور وجوہ اکٹھے کیے جاتے ہین مثلاً حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم کے متعلق کہا جاتا ہے کہ انکا اٹھنا تھا کہ ساتھ ہی سارے کا سارا عرب ایک نئے اور روحانی ایمان کیلئے اٹھ کھڑا ہوا اور اس سے یہ نتیجہ نکالا جاتا ہے کہ عرب اسوقت ایک بڑی بھاری تبدیلی کیلئے جوش مین تھا اور اسکے قبول کرنے کیلیے بالکل تیار تھا۔ ہمارے نزدیک جب ٹھنڈے دل کے ساتھ اسلام سے پہلے کی تاریخ کو مطالعہ کرتے ہین۔ تاریخ اس نتیجہ کو جھٹلاتی ہے۔ پانچ صدیون تک عیسائیونکی لگاتار کوششون اور وعظ کا نتیجہ یہ ہوا تھا کہ چند آدمی بعض اقوام سے اس مذہب مین داخل ہوئے۔ یہودی مذہب جو اس سے بھی بڑھکر طاقتور تھا اسنے بھی متفرق زمانون مین تھوڑی تھوڑی کوشش کر کے چند لوگونکو اپنے اندر شامل کیا مگر یہودی مذہب تبلیغ مین بہت سست ہو گیا تھا اس طرح عرب کی مذہبی سطح پر عیسائیت کی کمزور سی کوشش کی کبھی کبھی کوئی چھوٹی سی لہر نمودار ہوتی تھی بعض وقت زیادہ گہری موجین یہودیت کا اثر نمودار ہوتا تھا۔ مگر اندرونی بت پرستی اور اسمٰعیلی توہم پرستی کی موجین نہایت بلند تھین" پھر دوسری جگہ وہی مصنّف لکھتا ہے۔ کہ "آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے عرب کیحالت مذہبی تبدیلی کے قبول کرنیسے ایسی ہی دور پڑی ہوئی تھی جیسے باہمی اتفاق اور اتحاد پیدا کرنے سے دور تھی۔ عربونکے مذہب کی بنیاد ایسی سخت بت پرستی تھی جسکی جڑین نہایت گہری لگ چکی تھین جسنے صدیونتک مصر اور شام کے عیسائیونکی تمام کوششونکا ایسا مقابلہ کیا تھا کہ گویا انکا اسپر کچھ اثر ہی نہ تھا" پس اس امر سے کسی طرح انکار کی گنجایش نہین بلکہ مخالفین نے بھی اسکا اقرار کیا ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے عرب مین کوئی واقعات ایسے پیدا نہین ہو چکے تھے جو اسکی حالت مین کسی تبدیلی کے پیدا ہونیکی امید دلاتے بلکہ برعکس اسکے تمام حالات ایسے تھے جنسے عرب کی اصلاح کا کام دن بدن مشکل سے مشکل

ہوتا چلا جاتا تھا۔ اور کوئی انسانی تجویز انکو راہ راست پر لانے مین کامیاب نہ ہوتی تھی۔

ایسے وقت مین اللہ تعالےٰ نے اپنے خاص ارادہ اور منشاء سے اس قوم کی دستگیری فرمائی۔ سیل کہتا ہے کہ اسلام خاص وحی الٰہی کو اپنی بنا قرار دیتا ہے مگر اسکا یہ دعوے سچا نہین اسکے نزدیک اسلام کا منبع یہودیون اور عیسائیونکی تحریرین ہین نہ کہ وحی الٰہی۔ مگر سوال یہ ہے کہ اگر کسی آدمی کیلیے یہ ممکن تھا کہ وہ یہودیون اور عیسائیونکی روایتون سے چند باتین نقل کرکے اور عرب کی چند رسوم کو لیکر ملک عرب مین ایک عظیم الشان انقلاب پیدا کردیتا انقلاب بھی جسکی نظیر دنیا مین نہین ملتی تو پھر خود یہودی اور عیسائی انہین روایتونکو اپنے ہاتھ مین لیکر اور طرح طرح کے حیلے اور کوششین کرکے کیون کامیاب نہ ہوسکے یہ کیونکر ہوگیا کہ یہودی اور عیسائی اپنی روایتون اور تحریرون کو لیکر صدیون تک برابر چلاتے رہے اور اپنی گورنمنٹون کا رعب بھی دکھاتے رہے مگر عرب کیحالت مین ایک سرِ مو کے برابر بھی فرق نہ آیا اسیطرح ایک یونٹیرین مذہب بھی تو آخر عرب میز پیدا ہوا تھا جو عرب کی رسوم کو دور نہین کرنا چاہتا تھا بلکہ صرف بت پرستی کو دور کرکے توحید کو قایم کرنا چاہتا تھا اسے بھی اسی ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا جو یہودی اور عیسائی اس سے پہلے دیکھ چکے تھے۔ پس اگر یہودی اور عیسائی روایتونمین کوئی قوت قدسی موجود تھی تو یہ کیا ہوا کہ انکی قوت قدسی تو صدیون تک ظاہر نہ ہوئی اور ایک شخص نے جو انکے نزدیک جھوٹا ہے انہین روایتونکو چرا کر وہ پاکیزگی کی روح ایک قوم مین پھونک دی جو دنیا مین اپنی نظیر آپ ہی ہے اور جہان صدیون تک انکی متفقہ کوششین ایک بدی کو بھی دور نہ کرسکین ایک اکیلے آدمی نے چند سال کے عرصہ مین ہی تمام بدیونکو جڑ سے اکھاڑ کر دکھادیا۔ پس اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وہی ... باتین تھین جو صدیون تک یہودی اور عیسائی بھی کہتے چلے آئے تھے تو نتیجہ کے فرق سے ظاہر ہے کہ ان دونوںکے منبعے الگ الگ تھے۔ اور اس نتیجہ سے کسیکو انکار نہین ہوسکتا یہودیون اور عیسائیون کے منہ مین ان باتون نے کوئی نیک اثر نہ دکھایا اور کوئی پاکیزہ تبدیلی ...... پیدا نکی جس سے ظاہر ہے کہ انکی باتونکا سرچشمہ خود انسانی تھا مگر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے منہ سے جب یہ باتین نکلین تو انہون نے تمام دلونکے گند دھو کر انکو صاف اور پاکیزہ کردیا جس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ سرچشمہ جس سے آپ بولتے تھے الٰہی طاقت اور قدوسیت کا سرچشمہ تھا اور یہی باعث تھا کہ ان الفاظ نے وہ قوت قدسی دکھائی جو نہ یہود اور نہ عیسائیونکے الفاظ دکھا سکے تھے۔ یہودی عیسائی حنیف بھی توحید کیطرف ہی بلاتے تھے پر جس سرچشمہ سے انکا کلام نکلتا تھا وہ معمولی سرچشمہ تھا اور جب اسی توحید کیطرف آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے بلایا تو اسکا اثر حیرت انگیز اور معجزنما ہوا کیونکہ آپکا سرچشمہ اللہ تعالےٰ کی پاک اور خاص وحی تھی اور نتایج کا فرق منبعونکے فرق کو صاف بتاتا ہے۔ اگر سیلؔ اور میور دہریہ نہین اور اسبات پر ایمان لاتے ہین کہ خدا ہے جو اپنی پر حکمت مرضی

اور اپنے طاقتور ارادہ کے مطابق کرتا ہے جو کچھ کرتا ہے تو انکو تسلیم کرنا پڑے گا کہ وہ منبع جس سے اسلام کی تعلیم نکلی اُس منبع سے بہت برتر اور پاک ہے جس سے یہودیوں اور عیسائیوں کے الفاظ نکلتے تھے۔ تعجب ہے کہ اس صریح ثبوت کے ہوتے ہوئے وہ اسلام کے الٰہی سرچشمہ سے ہونیسے انکار کرتے ہیں کیا خدا تعالےٰ نے اپنے خاص منشا اور ارادہ سے یہ کام نہیں کیا کہ جس پاک تبدیلی کے پیدا کرنے میں یہودی اور عیسائی ناکام ہوں وہی عظیم الشان پاک تبدیلی بانی اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ذریعہ سے ملک عرب میں ہو۔ غور کا مقام ہے کہ اگر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم صرف اسیقدر کرتے کہ کوئی کہانی یہودیوں سے لیکر اور کوئی کہانی عیسائیوں سے لیکر کچھ جوڑ توڑ کر لیتے تو جو کام یہودی اور عیسائی نہ کر سکے تھے وہ کیونکر اسے ایک حیرت انگیز طریق میں کر دکھاتے۔ پھر غور کرو کہ یہودیوں اور عیسائیوں کے ساتھ حکومت اور طاقت بھی تھی مگر ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم بالکل اکیلے تھے اور چاروں طرف سے انکو دکھ دیا جاتا تھا۔ پھر یہ بھی غور کرو کہ یہودیوں اور عیسائیوں کو عرب نے تبلیغ مذہب سے روکا نہیں بلکہ انکو پوری آزادی تھی کہ جس طرح چاہیں تبلیغ کریں مگر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا اٹھنا تھا کہ ساتھ ہی چاروں طرف سے مخالفت کا شور اٹھ کھڑا ہوا یہانتک کہ وہ لوگ جو پہلے مصلح بنکر دکھاتے تھے وہ بھی انہیں بت پرستوں کے ساتھ مل گئے اور انکی بت پرستی اور بدکاریوں کے حامی بنکر اسلام کو جڑ سے کاٹنا چاہا۔ اب ایک شخص جسکے چاروں طرف دشمن ہی دشمن ہوں جو اسکے خون کے پیاسے ہوں اور دنیا میں اس کا حامی کوئی بھی نہ ہو۔ اگر خدا بھی اسکا حامی نہ ہو تو وہ کیونکر کامیاب ہو سکتا ہے۔ کامیاب ہونا تو ایک طرف وہ تو ایکدن بھی اپنے دشمنوں سے محفوظ نہیں رہ سکتا۔۔۔ اگر انسانوں سے بالاتر کوئی اور ہستی اسکی حافظ اور ناصر نہ ہو۔ اور کیونکر وہ ان لوگوں کو جو اسکے اور حقیقی پاکیزگی کے دشمن ہو گئے ہیں راہ راست پر لا سکتا ہے اگر اسکے الفاظ میں خدائی طاقت اور الٰہی جذبہ نہ ہو۔ عیسائیوں نے بہت سا وقت اس بات کے ثابت کرنے میں خرچ کیا ہے (اور میں دیکھتا ہوں کہ انکی یہ تمام محنت اکارت گئی ہے اور انکا وقت محض ضایع ہوا ہے) کہ قرآن کریم کا فلان قصہ فلان یہودی یا عیسائی تحریر سے ملتا ہے۔ اگر ہم تطابق کو مان بھی لیں تو اس سے کوئی نتیجہ خیز بات پیدا نہیں ہوتی۔ اسلام کا سرچشمہ معلوم کرنیکے لیے اسکی تعلیم کے نتیجہ کو دیکھو اور یہودی اور عیسائی تعلیم کے نتیجہ سے مقابلہ کرو کیونکہ اس میں شک نہیں کہ درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے اگر اسلامی تعلیم کا ماخذ یہودی اور عیسائی تحریریں ہوتیں تو اسکا اثر کم سے کم ان اصلی تحریروں سے کم ہونا چاہیئے تھا مگر یہودیوں اور عیسائیوں کو جو عرب میں ناکامی ہوئی اور اسلام کی عظیم الشان کامیابی کچھ اور ہی بتاتی ہیں۔ اور انسے یہ قطعی اور یقینی شہادت پیدا ہوتی ہے کہ اسلام کا منبع یہودیوں اور عیسائیوں کی تحریروں سے بہت برتر اور اعلےٰ اور پاک ہے ❊

برھمو سماج کی ناکامی

بابو پرتاب چندر موزمدار کی موت سے برھمو سماج کی متزلزل عمارت کو ایک اَور سخت صدمہ پہونچا ہے۔ بابو صاحب کیشب چندر سین کی زندگی مین بھی انکے دایان بازو تھے اور اسکی موت کے بعد اگرچہ وہ باقاعدہ انکی گدی پر نہین بٹھائے گئے مگر کیشب کے ساتھ گہرے تعلق اور اپنی ذاتی قابلیت اور شہرت کے باعث وہ برھمو سماج مین لیڈر ہی سمجھے جاتے تھے انکی ساری عمر برھمو سماج کی تائید مین ہی صرف ہوئی مگر آخر عمر مین برھمو سماج کی ناکامی اور روحانی تنزل کے سبب سے انکو رنج اور مایوسی نے آگھیرا اور ہونا بھی ایسا ہی چاہیئے تھا کیونکہ آخر کامیابی کے ساتھ اٹھنا اللہ تعالے نے انبیا کے ساتھ ہی مخصوص رکھا ہے اور جس شخص کو اس ذات پاک سے تعلق نہین اسکا انجام ہمیشہ ناکامی اور رنج مین ہی ہوتا ہے۔ میگزین ایسٹ اینڈ ویسٹ مین انکا ایک آخری مضمون شایع ہوا ہے جس مین انہون نے برھمو سماج کے از سر نو بنانیکی تجویز کی تھی اس مضمون مین یہ لکھا ہے کہ "کیشب چندر سین سے بعض گہرے تعلقات رکھنے والے روحانی طرز کے آدمی ہین۔ مگر انکے باہمی اختلافات اور ایکدوسرے کی تحقیر اسقدر گہری جڑ پکڑ گئے مین کہ سارے کا سارا سلسلہ اکثر دفعہ سخت بربادی اور تباہی کے کنارے تک پہونچ چکا ہے۔ بسبب ان عداوتونکے جو اسکے تام کے حواریونمین پیدا ہو رہی ہین" لمبے تجربہ نے آخر برہمو سماج کو اسبات کا بھی قایل کر دیا ہے کہ عبادت کے ظاہری افعال کے بغیر روحانیت کا حاصل ہونا ناممکن ہے چنانچہ اسی مضمون مین یہ بھی لکھا گیا ہے کہ "نئے قواعد برہمو سماج کے تمام ممبرون کو کیشب کی رسوم اور افعال کا ایسا سخت پابند کرتے ہین کہ پرانے معنوین آزادی تو بیا و بیا چھوڑنی ہی پڑی ہے"

ابتدا سے ہی برہمو سماج کو خوش قسمتی سے بڑے بڑے قایل لیڈر ملتے رہے ہین بنا اسکی راجہ رام موہن رائے نے رکھی پھر اسکے بعد کیشب چندر سین اور دیبندر ناتھ ٹیگور اسکے لیڈر رہے اور اگرچہ بابو پرتاب چندر ان جیسی قابلیت نہ رکھتا تھا مگر اپنے وقت مین اس نے بھی سماج کی بہت خدمت کی ہے مگر باوجود اس عظیم الشان علمی طاقت کے جو برہمو سماج کو اپنے لیڈرونکی قابلیت کے سبب حاصل رہی ہے اس فرقہ کا اثر کبھی کسی بڑی تعداد پر نہین ہوا اور اب آخر کار ناکامی اسے صاف منہ دکھا رہی ہے۔ اگر کوئی مذہب صرف کسی لیڈر کی قابلیت اور ذہانت کے باعث کامیاب ہو سکتا تو برہمو سماج بڑی کامیابی کا مستحق تھا۔ مگر برہمو سماج کے اصل اصول مین بعض ایسے نقص ہین کہ یہ مذہب نہ کبھی روحانیت کے سچے سرچشمہ تک پہونچ سکتا ہے اور نہ ہی سچی کامیابی حاصل کر سکتا ہے اور اسکے لیڈرونکی بڑی بڑی فاضلانہ تقریرون اور تحریرون کا انجام کار بے اثر ثابت ہونا صاف بتا رہا ہے کہ وہ

روحانی کشش اور الٰہی جذبہ انکے اندر ہرگز نہ تھا جو خدا کے مرسلوں اور ماموروں میں ہوتا ہے اور جہاں یہ موجود تھو قابلیت اور ذہانت کچھ کام [illegible]
سب سے بڑی اصولی غلطی جس میں برہمو سماج پھنسا ہوا ہے انکار وحی ہے اور یہی وجہ ہے کہ وہ خدا تعالیٰ کے اعلےٰ درجہ
کی روحانی برکات سے محض ناواقف ہے اور اس تعلق کو سمجھ بھی نہیں سکتا جو خدا کے پیاروں کو اپنے مولا اور آقا سے ہوتا ہے اس
روحانیت سے بے بہرہ ہونیکو آخر خود برہمو سماج نے اپنے زوال کا سبب بھی سمجھ لیا ہے مگر افسوس ہے کہ اسکی اصل وجہ کیطرف
توجہ نہیں کرتے اور اگر غور سے دیکھا جائے تو برہمو سماج کی اس غلطی کا موجب خود بعض وہ مذاہب ہوئے ہیں جو زمانہ موجود
میں وحی سے انکار کرتے ہیں اور زمانہ گذشتہ کے متعلق وحی کو تسلیم کرتے ہیں کیونکہ انکی اپنی بنا تو وحی پر رکھی گئی تھی مگر ابسبب
اللہ تعالےٰ سے دور جا پڑنیکے وہ اس نعمت سے محروم کیے گئے ہیں اور انکی محرومی ہی آخر انکے انکار کا باعث ہوگئی ہے
اسی انکار کی بنا پر برہموؤں نے وحی الٰہی سے قطعی انکار کر دیا ہے کیونکہ انکی دلیل یہ ہے کہ اگر خدا گذشتہ زمانہ میں اپنے
بندوں سے ہمکلام ہوتا تھا تو اب بھی اسکی ہمکلامی کا دروازہ بند نہیں ہو سکتا اور اگر اس زمانہ میں اللہ تعالےٰ وحی نہیں
کرتا تو اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ پہلے بھی اسنے کبھی وحی نہیں کی پس اگر اسنے اپنی مرضی بذریعہ وحی کے اپنے بندوں پر ظاہر
نہیں کی تو عقل انسانی ہی انسان کی رہبر ہونی چاہئیے اور اسلیے مذہب کی بنا بھی عقل پر ہی رکھنی چاہئیے گویا جو بزرگی
اللہ تعالےٰ کیلئے تھی وہ عقل انسانی کو دیگئی! اور یہی وجہ برہمو سماج کی روحانیت سے محرومی کی ہے کیونکہ جو مذہب انسان
کو خدا تعالےٰ کے اتنا قریب نہیں کرتا کہ اسے خدا تعالےٰ سے ہمکلامی کا شرف حاصل ہو اور وہ اپنی عاجزانہ دعاؤں
اور التجاؤں کا اللہ تعالےٰ کیطرف سے جواب پاوے اور غموم ہموم کیوقت میں اسکے شیریں کلام سے اسکی تسلی ہو وہ
مذہب مذہب نہیں بلکہ خشک لفظ ہیں...... جو کبھی سرسبز نہیں ہو سکتے۔ روحانیت کے بارے میں آریہ سماج
برہمو سماج سے بھی دور جا پڑا ہے۔ کیونکہ اُسنے خشک لفاظی کو ہی اپنا اصلی مقصد سمجھ لیا ہے اور اسی پر انکی ہمت
صرف ہوتی ہے اور حقیقی پاکیزگی یا حق سے یا اللہ تعالےٰ کا قرب حاصل کرنے سے ان لوگوں کو تعلق نہیں بلکہ مقربین
بارگاہ الٰہی کو گالیاں دینا شب و روز انکا کام ہے پس یہ مذہب یعنی آریہ سماج بھی کبھی سرسبز نہیں ہو سکتا اور اگرچہ
چند دن تک برہمو سماج کی طرح بہت جوش و خروش رہیگا مگر یہ یقینی امر ہے کہ آخر کار برہمو سماج سے بھی بڑھکر ناکامی
اور نامرادی اسے ہوگی کیونکہ جو مذہب اللہ تعالےٰ سے تعلق پیدا کرنیکی کوئی راہ نہیں بتاتا وہ کامیاب نہیں ہو سکتا +

مشنری اخبار

اکثر مشنری اخبار ونکی حالت ناگفتہ بہ ہے۔ پادری صاحبان کی تحریریں اکثر ایسی سطحی اور لغو اعتراضات سے پر ہوتی

ہین کہ انکے جواب کی کوئی ضرورت نہین ہوتی۔ مگر بعض وقت کوئی غلط فہمی دفع کرنیکے لیے انکا حوالہ دینا ضروری ہو جاتا ہے۔ انگریزی نور افشان مین ۲۳ جون کے پرچہ مین دو ایڈیٹوریل نوٹ ریویو آف ریلیجنز کے متعلق ہین جن مین سے ایک مین تعدد ازدواج کے مضمون پر بعض اعتراض کیئے گئے ہین۔ چار لمبے مضمونون مین سے جو اس مضمون پر اس رسالہ کے چار مختلف نمبرونمین مارچ سے شروع ہو کر جون تک ختم ہوئے ہین معترض نے صرف ایک کا حوالہ دیا ہے اور شاید یہ بھی سارا نہ پڑھا ہو۔ مگر یہ کوئی تعجب کی بات نہین کیونکہ پادریصاحبان کا کام یہ نہین کہ کوئی مدلل جواب دین بلکہ ایک کام کا کرنا انہون نے اپنا فرض منصبی سمجھا ہوا ہے خواہ اسکے لیے کوئی دلیل ہو یا نہ ہو وہ انہون نے کرنا ہے اسی نتیجے وہ مخالف کے دلایل کو پڑھنے کے بغیر بھی جواب خوب دیسکتے ہین مگر اس معاملہ مین پادریصاحب نے یسوع مسیح سے بھی بڑھکر قدم مارا ہے کیونکہ یسوع نے تو کبھی تعدد ازدواج کی مخالفت نہین کی مگر پادریصاحب نے اس مقدس رواج کی مخالفت کا بیڑا اٹھایا ہے۔ شروع مین ہی مین یہ بیان کر دینا ضروری سمجھتا ہون کہ رسالہ ہذا کے وہ تمام مضامین جن پر کسی دوسرے کا نام نہ لکھا ہوا ہو وہ ایڈیٹر کے اپنے ہوتے ہین اور اسلیئے پادریصاحبان اپنی عیسایانہ فیاضی سے مضمون کے لکھنے والونکو جتنا چاہین کوسا کرین نہ یہ کہ بلا وجہ ہر بات مین حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام ہمارے آقا اور مرشد کو گالیان دیکر ہمارے دلونکو دکھ پہنچاوین۔

نور افشان کے ایڈیٹر نے لکھا ہے کہ تعدد ازدواج کے مضمون مین جواب کوئی نہین دیا گیا صرف دل آزار حسین کو گالیان نکالی ہوئی ہین اسکا فیصلہ مین ناظرین پر چھوڑتا ہون۔ اس نوٹ مین دو اعتراض کیے گئے ہین۔ اور رکم انکم یہ اعتراض پادریصاحب کرنیکی جرات نہ کرتے اگر وہ میرے سارے مضمون کو پڑھ لیتے۔ انکا پہلا اعتراض یہ ہے کہ جن دلایل سے بعض آدمیونکی ضرورت ایک سے زیادہ بیوی کیلیے دکھائی گئی ہے انہین دلایل سے بعض عورتونکی ضرورت ایک سے زیادہ خاوند کیلیئے ثابت ہو سکتی ہے اس سے زیادہ ناسمجھی کا اعتراض تعدد ازدواج پر قیاس مین نہین آسکتا۔ اسکا دفیعہ مین نے سب سے پہلے مضمون مین خود ہی کر دیا تھا۔ اگر پادریصاحب اسکو پڑھ لیتے تو اخبار کی اسقدر سطرین سیاہ کرنیکی ضرورت انکو پیش نہ آتی۔ مینے یہ ثابت کر دیا تھا کہ ایک مرد کی ایک سے زیادہ بیویان ہونیسے نکاح کے اغراض کے حصول مین سوسائیٹی کو مدد ملتی ہے مگر ایک عورت کے ایک سے زیادہ خاوند ہونا اغراض نکاح کے بالکل مخالف پڑا ہوا ہے بھلا اگر ایک مرد کی کئی بیویان ہین تو جو اولاد پیدا ہوگی ان سب کے ماں اور باپ ایسے ہی متمیز ہونگے جیسے ایک بیوی والے مرد کے بچونکی۔ مگر بر عکس اسکے اگر ایک عورت کے کئی خاوند ہون تو تعیین والدین ہرگز نہین ہو سکتی۔ اور اسطرح سے نکاح کی سب سے بڑی غرض جو تعیین والدین ہے مفقود ہو جاتی ہے۔ پس ایک عورت کے ایک سے زیادہ خاوند ہونے مفہوم نکاح کے بالکل خلاف ہے۔ اور تعدد ازدواج کی بحث مین اس بحث کو چھیڑنا پادریصاحبان کی ناسمجھی ہے۔ پھر یہ بھی دکھایا گیا تھا کہ ایک مرد کی ایک سے زیادہ بیویان ہونیکی جو سب سے بڑی ضرورت ہے وہ عورت کیلیے ایک سے زیادہ خاوند

رکھنے کی دلیل ہرگز نہین بلکہ اسکی تردید کرتی ہے کیونکہ عورتونکے ساتھ بعض عوارض ایسے لگے ہوئے ہین جیسے حیض حمل اور وضع حمل کہ جنکے باعث عورتین اکثر اوقات زن وشوی کے تعلقات کے قابل نہین ہوتین مگر مردونکے ساتھ ایسے کوئی عوارض نہین لگے ہوئے ہین اگر پادریصاحب یہ ثابت کردیتے کہ وہ عوارض جو ہمنے عورتونکے ساتھ لگے ہوئے بیان کیئے ہین۔ وہ یسوع مسیح کے کفارہ سے عورتونسے منتقل ہوکر مردونکی طرف آگئے ہین تو مین بڑی خوشی کے ساتھ انسے اس بارہ مین متفق ہونگا کہ انکی عورتین بیشک ایک سے زیادہ خاوند کرین اور اب بھی کون مانع ہے کیونکہ پادری ٹیلر صاحب نے پادریونکے ایک مجمع کو ہی ایکدفعہ ان الفاظ مین شرم دلائی تھی کہ تم مسلمانونکے ایک سے زیادہ بیویان رکھنے پر اعتراض کرتے ہو حالانکہ تمہاری عورتونکی یہ حالت ہے کہ وہ کئی کئی خاوند رکھتی ہین۔ بہرحال قرآن شریف نے تعدد ازدواج کے قانون کو اگر جایز رکھا ہے تو اس وجہ پر کہ عورتونکے ساتھ وہ عوارض مخصوص ہین اگر پادریصاحب یہ دکھادین کہ وہ عوارض اب عورتونسے مخصوص نہین رہے بلکہ مردون اور عورتونمین مشترک ہوگئے ہین اور یا مردونسے ہی مخصوص ہوگئے ہین تو مین اپنی غلطی کو تسلیم کرلونگا اور اسصورتمین پادری صاحب قرآن کریم پر ایک واقعی اعتراض کرکے عیسائیت کی ایک ایسی خدمت کرینگے جس سے ہمیشہ کیلیئے عیسائیونمین انکی قدر کیجاویگی۔ مین پادریصاحب کے جواب کا منتظر رہونگا۔

اسی مضمون مین مینے قرآن شریف کی آیات کے حوالہ سے یہ بھی دکھایا تھا کہ قرآن شریف مسلمانونکو تاکید فرماتا ہے کہ اپنی عورتونسے پورے انصاف و عدل سے سلوک کیا کرین مگر پادریصاحب نے بغیر قرآن کریم پڑھنے کے یہ کہدیا ہے کہ ان آیات کو ہم کیا کرین جب قرآن شریف مین وہ قانون طلاق بھی موجود ہے جسکے روسے مرد جب چاہے عورت کو طلاق دیسکتا ہے مگر عورت کیلیئے طلاق حاصل کرنیکی کوئی راہ ہی نہین اس اعتراض کے جواب مین مضمون طلاق کا جو اس پرچہ مین لکھا گیا ہے حوالہ دیتا ہون اور دعوے سے کہتا ہون کہ قرآن کریم نے صریح الفاظ مین عورت کو طلاق حاصل کرنیکا حق دیا ہے اور ساتھ ہی اسکے یہ بھی دعوے سے کہتا ہون کہ حضرت مسیح کے الفاظ مین جو انجیل مین موجود ہین عورتونکو طلاق حاصل کرنیکا کوئی حق نہین دیا گیا اور ہرگز نہین دیا گیا۔ پادریصاحبان کو شرم کرنی چاہیئے کہ جو اعتراض اپنے پر وارد ہوتا ہے اسے دوسرونپر کرتے ہین حالانکہ ان پر وہ وارد نہین ہوتا اگر وہ ایسے اعتراض کرنیسے رکجاتے جو خود انہین پر آتے ہین تو انکے اخبارات کا اکثر حصہ سیاہ نکلنے کی بجائے سفید نکلتا۔ ان پادریصاحبان کو وہ رائے بھی پڑھنی چاہیئے جو انکے اپنے ملک کے بڑے بڑے فاضل لوگ انکے متعلق رکھتے ہین۔ پروفیسر سٹار مشنریونکے باہر بھیجنے کے متعلق لکھتا ہے کہ وہ یہ بڑی سخت غلطی ہے ایک افریقیہ کا باشندہ اپنی جھونپڑیمین افریقیہ کی زندگی کی طرز پر رہنے والا بہت اچھا ہے بہ نسبت اس حالت کے جب ایک انگریز مشنری جاکر وہان اپنا مذہب اپنی سطحی تہذیب اور اپنی شراب پھیلاتا ہے۔ ہم یہ خیال کرتے ہین کہ ہم خدا کے برگزیدہ ہین نہین جسقدر ہم دخل بیجا دیتے ہین ویسی آجتک دنیا مین کوئی قوم ہوئی ہی نہین گھر مین ہین تو ہم لوگونکی باتونمین ناحق دخل دیتے باہر ہین تو ہماری یہی حالت ہے غرضیکہ جہان کہین ہم ہین ہمارا کام بیجا دستاندازی کرنا ہوگیا ہے اور اسکی وجہ صرف زر اور زر پرستی ہے

رویا و الہامات حضرت مسیح موعود علیہ السلام

۲-جون- ینجی الناس من الامراض- ترجمہ- لوگونکو بیماریوںسے نجات دیتا ہے اور دیگا یعنی خدا تعالےٰ بہتوں کو ہماری دعاؤنسے بیماریوںسے نجات دیگا + ۹-جون- انی معک و مع اھلک و مع کل من احبک-

۱۳-جون- صبح کے وقت پانچ سطرین فارسی مین لکھی ہوئی دیکھین جو نظم اور نثر ملی جلی تھین انمین سے آخری سطر یہ ہے- **تو در منزل ما چو بار بار آئی- خدا ابر رحمت بباریدیا نے**

۱۶-جون- قبل از نماز صبح- رؤیا- مین اپنے مکان مین کمرے کے اندر کھڑا ہوں اسوقت دیکھا کہ باہر ایک عورت زمین پر بیٹھی ہے جو مخالفانہ رنگ مین ہے- وہ بہت بری حالت مین ہے اور اسکے سر کے بال مقراض سے کٹے ہوئے ہین کچھ زیور نہین اور نہایت ردی اور مکروہ حالت مین ہے اور سر پر ایک میلا کپڑا انگڑی کیطرح لپیٹا ہوا ہے اسکے ساتھ بات کرنیسے مجھے کراہت آتی ہے نماز عصر کا وقت ہے مین جلدی سے اٹھا ہوں کہ نماز کیلئے چلا جاؤں کچھ کپڑے پہنے ساتھ لیے ہین کہ نیچے جاکر پہن لونگا یہ جلدی اسلیے کی کہ اس عورت کو میرے ساتھ بات کرنیکا موقعہ نہ ملے پس مینے جلدی کے سبب پگڑی کو ہاتھ مین لیا اور پشمینہ کی سرخ چادر اوپر لے لی اور کمرے سے نکلا جب مین اسکے برابر سے گذرا تو میرے منہ سے یہ الفاظ نکلے یا آسمان سے یہ آواز آئی کہ لعنۃ اللہ علی الکاذبین- ساتھ ہی یہ الہام ہوا- کہ "ایسپر آفت پڑی آفت پڑی" اور دیکھا کہ وہ عورت ایک نہایت ذلیل شکل مین کوڑھیونکی طرح بیٹھی ہے (نوٹ- یہ وہی عورت معلوم ہوتی ہے جسکے متعلق پہلے بھی الہام شایع ہو چکا ہے کہ مین اس عورت کو سزا دونگا-)

۱۹-جون- فرمایا ہماری جماعت کے چار آدمیوں سے جو اس جگہ باغ مین بیمار ہوئے تھے ایک کے متعلق یہ الہام ہوا ہے "خدا نے اسکو اچھا کرنا ہی نہین تھا- بے نیازی کے کام ہین اعجاز المسیح" یعنی اسکی موت تو تقدیر مبرم کیطرح تھی- مگر خدا تعالےٰ نے یہ مسیح کا اعجاز ظاہر کیا ہے کہ اسکو ٹالدیا یہ اسکی بے نیازی ہے- (نوٹ- چار بیماروں مین سے ایک میاں محمد اسحاق صاحبزادہ جناب میر ناصر نواب صاحب تھے- جنکی مرض کیحالت ظاہری نظر مین واقعی یاوسی کی حد تک پہنچ چکی تھی- چنانچہ انہین ایام مین ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب اس جگہ تھے انہوں نے بھی اسکی مرض کا نہایت خطرناک ہونا کئی احباب کے سامنے بیان کیا- خدا تعالیٰ کی قدرت بھی عجیب ہے کہ ادھر طبی نظر سے یہ یاوسی اور ادھر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی دعا پر جو اسکی شفا کے لئے آپنے کی یہ الہام ہوا جو اسی رسالہ کے گذشتہ...... نمبر مین چھپ چکا ہے- سلام قولا من رب رحیم- پر خدا کا رحم ہے کوئی بھی اس سے ڈر نہین + ایک ہی وقت کی یہ دونوں باتین ہین جسکی شاہد یہاں کی کل جماعت ہے اور خود مرزا یعقوب بیگ صاحب بھی اسکے گواہ ہین الہام الٰہی سے بھی یہی ظاہر ہوتا تھا کہ بیماری تو واقعی خطرناک حالت تک پہنچ چکی ہے پر خدا کا رحم ہے سو آخر خدا نے اپنی اس وحی کے مطابق اس بچہ کو از سر نو زندگی بخشی-)

اور قابل قدر ہین۔ اور مین آپکو بھی اس قابل قدر پرچہ کا ایڈیٹر ہونیکی حیثیت سے مبارکباد دیتا ہون۔ مینے ابتک کوئی ایسی کتاب یا پرچہ نہین پڑھا جس مین اسلام کی حمایت اس طاقتور اور زبردست ہاتھ سے کی گئی ہو جیسے آپکے اس رسالہ مین کیجاتی ہے" یہ ایک ایسے آدمی کی شہادت ہے جسے ہمارے سلسلہ سے اسوقت تک کوئی تعلق نہین اور وہ محض ہماری تحریرون کا دوسری تحریرون سے مقابلہ کرکے اس نتیجہ پر پہنچا ہے مگر خدا جانے مسلمانون نے عناد کو کیون اس حد تک بڑھا دیا کہ اس سلسلہ کا نام بھی آجائے تو تحریر کو نہین پڑھتے۔ اگر شقاوت یہ کام ان سے نہین کراتی تو اور کیا ہے۔ اسی پنجاب مین ایک اور رسالہ مذہبی اردو مین نکلتا ہے جو اکثر ہمارے مضامین کو اور حضرت اقدس کی تحریرونکو لفظ بلفظ نقل کر دیتا ہے۔ مگر چونکہ وہ اس رسالہ کا یا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا نام ظاہر نہین کرتا اسلیے ہزارون خوشی سے ان تحریرونکو پڑھتے ہین مگر ایک حد تک جماعت کی اپنی کم توجہی بھی اسکا باعث ہے۔ اگر ہمارے احباب پورے زور اور کوشش سے دوسرے لوگونکو توجہ دلاوین تو بہت سے سعید فطرت بخوشی رسالہ کی خریداری کیلیے تیار معلوم ہونگے مگر جسصورت مین جماعت کی اپنی یہ حالت ہے کہ دو تین لاکھ آدمیون مین سے سولہ سو یا سترہ سو خریدار ہین تو دوسرون پر اسکا اثر کیا پڑ سکتا ہے مین کبھی یقین نہین کر سکتا کہ اتنی بڑی جماعت مین اگر کوشش کیجائے تو خود جماعت کے اندر ہی دس بیس ہزار رسالہ کی اشاعت نہ ہوجائے اور اس کثرت اشاعت کے ساتھ دوسرے لوگونکی توجہ خود ہوگی کیا کل جماعت مین صرف سترہ سو آدمی ہی ایسے ہین جو ۲۰ ہ ماہوار رسالہ کی خریداری کیلیے دیسکتے ہین نہین بلکہ بے توجہی ہے بعض مخلصین بیشک رات دن ساعی رہتے ہین مگر ابھی انکی تعداد بہت تھوڑی ہے خدا کرے کہ انکا سا یا ان سے بھی بڑھکر جوش دوسرونکے دلونمین ڈالے آمین (ایڈیٹر رسالہ)

۲۔ جون ۱۹۰۵ء۔ رؤیا۔ ایک بڑا دریا ہے اس مین سے کوئی چیز نکلی جس مین سے شعلے نکلتے ہین اور وہ چیز اسطرح میرے سامنے آئی جیسے دریا بطور تحفہ کے کوئی چیز پیش کرتا ہے اسے مینے لیلیا تو وہ ایک ٹوپی مچھلی کی کھال کی بنی ہوئی تھی اور مینے اسے سر پر رکھ لیا۔ اسکے بعد پھر ایک اور چیز دریا نے پیش کی جو مچھلی کے چمڑے کا بنا ہوا ایک چغہ ہے وہ بھی مینے لیلیا۔ (فرمایا۔ دریا سے مراد کوئی بڑا ذیشان آدمی یا اہل علم و فضل و کمال ہوتا ہے اور اسکے تحفہ دینے سے مراد حلقہ خادمون مین داخل ہونا یا معتقد ہونا یا رجوع لانا یا مالی خدمت کرنا ہے (واللہ اعلم) ۱۲۔ جولائی ۱۹۰۵ء۔ الہام۔ روحانی عالم کا دروازہ تیرے پر کھولا گیا۔ فبصرك اليوم حديد۔

مدرسہ:۔ اسوقت مدرسہ کے متعلق مین قوم کے سامنے دو قسم کی ضرورت پیش کرتا ہون ایک موجودہ مدرسہ کا استحکام اور دوسرا کالج بنانیکی کوشش پہلی ضرورت کیلیے مین جماعت کو یہ توجہ دلاتا ہون کہ ایک ہزار روپیہ کے قریب عمارت پر خرچ ہوکر مدرسہ کی مالی حالت پھر نازک ہوگئی ہے۔ ہر جگہ کی جماعت اور ہر ایک احمدی کا فرض ہے کہ بہت جلد بکمشت چندونسے ایک ہزار روپیہ کی کمی کو پورا کر دین۔ اور بقایا دار احباب اپنے بقایا بھی بہت جلد ارسال فرما دین۔ کالج کیلیے مینے یہ تجویز کی تھی کہ اگر ہر ایک

رجسٹرڈ ایل نمبر ۳۰۲

"معاونین میگزین"

چونکہ پچھلے پرچہ میں بعض ان احباب کا شکریہ ادا کیا گیا تھا جنہوں نے محض ابتغاءً لمرضاۃ اللہ حضرت اقدس ؑ کے حکم کی تعمیل میں حسب توفیق و استطاعت خود کم و بیش روپیہ اعانت کا بھیجا تھا۔ چونکہ اعانت کا روپیہ بھیجنے کے علاوہ خود خریدار رہنا اور دیگر خریدار پیدا کرنا بھی رسالہ ہذا کی کثرت اشاعت کا خاص ذریعہ و موجب ہے لہذا اس دفعہ ایسے جدید خریدار پیدا کرنیوالوں کے اسماء بقید تعداد خریداران کے جو انہوں نے دیئے خاص شکریہ کے ساتھ درج ذیل کیئے جاتے ہیں۔ اور دعا ہے کہ اللہ تعالے دیگر برادران و احباب کو بھی توفیق بخشے کہ وہ بھی اس کار خیر میں حصہ لیکر ثواب و حسنات دارین حاصل کریں۔ آمین۔

(۱) منشی ذوالفقار علیخان صاحب انسپکٹر آبکاری میرٹھ۔ ۹۔ (۲) میاں عبد الرشید صاحب میرٹھ۔ ۳۔ (۳) چودھری عبد العزیز صاحب بٹالوی۔ ۷۔ (۴) میاں دولت خان صاحب بیاس ضلع امرتسر۔ یک۔ (۵) حکیم محمد حسین صاحب قریشی لاہور۔ یک۔ (۶) میاں غلام دستگیر صاحب میڈیکل سٹوڈنٹ لاہور۔ ۲۔ (۷) بابو برکت علی صاحب کلرک محکمہ نہر گوجرانوالہ۔ یک۔ (۸) صوفی محمد عظیم صاحب لاہور۔ ۲۔ (۹) مولوی محمد حسین صاحب نمبردار پرم جنت پور۔ یک۔ (۱۰) میاں ابو الفتح عبد القادر صاحب بورینی۔ ۵۔ (۱۱) جناب خواجہ کمال الدین صاحب پلیڈر لاہور۔ ۲۔ (۱۲) میاں برکت علی صاحب ملازم "الحکم" یک۔ (۱۳) حافظ روشن علی صاحب قادیان۔ یک۔ (۱۴) میاں الٰہی بخش صاحب قادیان۔ یک۔ (۱۵) میاں نظام الدین صاحب عہدہ غلام نبی۔ یک۔ (۱۶) منشی عبد المجید صاحب کپورتھلہ۔ یک۔ (۱۷) ماسٹر ہدایت اللہ صاحب جہلم۔ ۶۔ (۱۸) حکیم فضل دین صاحب قادیان۔ یک۔ (۱۹) میر محمد سعید صاحب مدرس حیدرآباد دکن۔ یک۔ (۲۰) میاں محمد الدین صاحب مستری قادیان۔ یک۔ (۲۱) میاں محمد حیات صاحب سکنہ پیرکوٹ۔ ۳۔ (۲۲) میاں نور الدین صاحب پارچہ فروش سنتنا۔ ۴۔ (۲۳) ڈاکٹر سید ستار شاہ صاحب رعیہ۔ یک۔ (۲۴) جناب ڈاکٹر عباد اللہ صاحب امرتسر۔ ۶۔ (۲۵) مولوی عزیز بخش صاحب ڈیرہ غازیخان۔ ۲۔ (۲۶) بابو برکت علی صاحب کلرک شملہ۔ ۶۔ (۲۷) سید سرور شاہ صاحب باشندہ ضلع ہزارہ۔ یک۔ (۲۸) چودھری محمد نواب خانصاحب تحصیلدار گجرات۔ ۳۔ (۲۹) حافظ محمد عیسیٰ صاحب نقشہ نویس مردان۔ یک۔ (۳۰) دی عبد الحق صاحب سیدوالہ۔ ۵۔ (۳۱) میاں رحمت اللہ صاحب نبگہ۔ ۴۔ (۳۲) قاضی محمد یوسف طالبعلم پشاوری۔ ۴۔ (۳۳) بابو محمد عثمان صاحب ہیڈ ڈرافس مین الہ آباد۔ یک۔ (۳۴) سید محمد علیشاہ صاحب مدرس لسپرور۔ ۳۔ (۳۵) منشی غلام نبی صاحب پھلور۔ ۴۔ (۳۶) حکیم محمد عمر خانصاحب فیروزپور۔ ۲۔ (۳۷) منشی محمد شیر خان صاحب سردارپور ضلع شاہپور۔ یک۔ (۳۸) مولوی غلام امام صاحب منی پور آسام۔ یک عزیز نجات ۴۔ (باقی آیندہ) (منیجر)

آؤ لوگو کہ یہین نور خدا پاؤ گے — لو تمہین طور تسلی کا بتایا ہمنے

ریویو آف ریلیجنز

دنیا کے مذاہب پر نظر

جلد ۴ — بابت ماہ اگست ۱۹۰۵ء — نمبر ۸

فہرست مضامین

شکایت

میرا دل گوارا نہ کرتا تھا کہ ایک شایع شدہ تحریر کے ذریعہ سے اپنے بھائیونکی شکایت کرون مگر واقعات نے اس تحریر کیلیے مجھے مجبور کیا ہے اور مین یہ بھی دیکھتا ہون کہ چونکہ یہ میرا ذاتی معاملہ نہین بلکہ قوم کا ہی نقصان ہو رہا ہے اسلیے ضروری ہے کہ قوم کو اس حالت کی اطلاع دون۔ اکتوبر ۱۹۰۳ء مین حضرت مسیح موعودؑ نے نہایت پرزور الفاظ مین اپنی تمام جماعت کو اس رسالہ کی خریداری اور اعانت کے لیئے تحریک کی تھی اور یہ خواہش ظاہر کی تھی کہ اس رسالہ کی تعداد اشاعت اپنی جماعت مین کم از کم دس ہزار ہونی چاہیئے۔ چنانچہ آپکے اس مبارک ارشاد کے آخری لفظ یہ تھے کہ "اگر بیعت کرنیوالے اپنی بیعت کی حقیقت پر قایم رہکر اس بارہ مین کوشش کرین تو دس ہزار خریدار کا پیدا ہونا بڑی بات نہین ہے بلکہ جماعت موجودہ کی تعداد کے لحاظ سے یہ تعداد خریداری بہت کم ہے"۔ مگر اس وقت مین اس شکایت کو پیش نہین کرتا کہ کیون دس ہزار کی جگہ ابتک دو ہزار بھی تعداد پوری نہین ہوئی۔ افسوس یہ ہے کہ بعض صاحبان جنہون نے اس وقت خریداری منظور کی۔ تھوڑے دنونکے بعد انکا جوش یہانتک ٹھنڈا ہو گیا کہ چھوٹے چھوٹے عذر و نپر رسالہ بند کرنا شروع کر دیا۔ خیر یہ بھی اچھا ہوا۔ مگر بہت سے احباب ایسے ہین کہ رسالہ خریدتے بھی رہے لیکن جب قیمت طلب کی گئی تو جواب دیا۔ مین یہ نہین کہتا کہ واقعی انکا یہ منشا رہے کہ قیمت بھی ادا نہ کرین۔ مگر ایک شخص کو جسکے سپرد یہ ذمہ داری کا کام ہو یہی قیاس کرنا پڑتا ہے اول تو خود قیمتونکے دفتر مین موصول ہونیکا انتظار کیا جاتا ہے پھر بعد انتظار کے اطلاعی پوسٹ کارڈ بھیجے جاتے ہین کہ فلان تاریخ تک قیمت دفتر مین آجانی چاہیئے ورنہ پرچہ کو وی پی کر کے قیمت وصول کیجاوے گی۔ ان کارڈونکا جواب تو عموماً کچھ نہین دیا جاتا مگر جب اسقدر احتیاط کے بعد وی پی کیے جاتے ہین تو نہایت افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ دو تہائی وی پی انکاری ہو کر آتے ہین اور یون دفتر کو سخت نقصان پہنچایا جاتا ہے اگر کسی صاحب کو اپنے حساب مین کوئی غلطی معلوم ہو یا روپیہ موجود نہو تو کسقدر سیدھی بات ہے کہ اطلاعی کارڈ کے پہنچتے ہی جواب لکھدیا کرین۔ ایک ایک وی پی کے انکاری ہونیمین دو دو آنہ کا نقصان دفتر کو ہوتا ہے اور یون اگر ہر مہینہ مین سو وی پی بھی انکاری ہو کر آوے تو ساڑھے باران روپے ماہوار یا ڈیڑھسو روپیہ سالانہ کا یہ نقصان ہے۔ کیا قوم اس نقصان کو ہلکا سمجھکر گوارا کرتی ہے؟ اگر نہین تو سب احباب کو چاہیئے کہ اس نقص کے رفع کرنے مین کوشش کرین جس صورتمین خصوصیت سے دفتر سے اطلاعی کارڈ قبل وی پی بھیجنے کے روانہ ہوتے ہین تو سوا اسکے اور کیا ہے کہ محض سستی سے یا عمداً دفتر کو نقصان پہنچایا جاتا ہے اگر کوئی اور مزید احتیاط دفتر کیطرف سے ہونی چاہیئے تو مین اسکے سننے کا منتظر ہون اور اسپر عمل کرونگا کیونکہ مجھے اسقدر قومی نقصان سے سخت رنج پہنچتا ہے۔ اگر کوئی وجہ عذر ہو تو چاہیئے کہ فی الفور کارڈ کے پہنچنے کے ساتھ اس سے مطلع کر دیا کرین ۔ محمد علی منیجر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

غلامی

۱ — اسلام سے پہلے غلامی کی حالت

جن لوگون نے غلامی کے خلاف لکھا ہے انہون نے اسکی ایسی تقبیح کی ہے اور اسے سرتاپا ایسا خوبیون سے خالی اور مضرات سے پُر ثابت کرکے دکھانیکی کوشش کی ہے کہ جو شخص ٹھنڈے دل سے اور جوش سے خالی ہوکر اس مضمون پر قلم اٹھاوے اور جسکا مقصد یہ ہو کہ ہر شے کی تہ تک پہنچے اور بدی پر اسوقت بھی لعنت بھیجنے کیلیے تیار ہو جب وہ نیکی کا لباس پہن کر نکلے اور نیکی کی اس وقت بھی تعریف کرنیکے لیے آمادہ ہو جب دنیا اس نیکی کو برا سمجھ رہی ہو۔ اسکا یہ فرض ہے کہ ابتدا مین ہی اس غلط فہمی کو دور کرے کہ غلامی کا رواج سراسر لغو اور فضول تھا جس سے فایدہ کوئی نہ تھا بلکہ سراسر نقصان ہی نقصان تھا مین اس رائے کے ساتھ اتفاق نہین کرتا۔ حق یہ ہے کہ انسانی سوسائیٹی اپنی تدریجی ترقی مین ایسی حالتون سے ہو گذری ہے کہ ان حالات کے ماتحت غلام بنانے مین نہ صرف وہ حق پر ہی تھی بلکہ ضروری۔ غور کرو تو دل مین ایک دہشت سی پیدا کرتے ہین مگر تاہم بہت سی اغراض ترقی کیلیے ان کا جاری رہنا ضروری ہے جس وقت ایک فتحیاب جرنیل بڑے بڑے جہازون کو جن پر ہزارہا انسان ملک کے چیدہ اور بہادر نوجوان موجود ہوتے ہین ایک دم مین غرق کرکے سمندر کی تہ مین پہنچا دیتا ہے یا ایک بڑے شہر پر گولہ باری کرکے ہزارہا بے گناہ عورتون اور بچون کو تباہ کر دیتا ہے تو کبھی اسکی آنکھ مین ایک آنسو بھی نہین آتا۔ مگر ہر حالت مین یہ کہنا جایز نہ ہوگا کہ وہ ایک سخت دل ظالم اور بیرحم انسان ہے وہ لوگ جو اپنی رحمدلی کے سبب ایک انسان کے قتل کو برداشت نہین کر سکتے اور اسکے واقعات کو سن کر کانپ اٹھتے ہین وہی

دوسرے موقعہ پر ہزار ہا انسانوں کو اپنے ہاتھ سے قتل کرے یا اپنی آنکھوں کے سامنے قتل ہوتے دیکھکر کبھی لرزہ نہین کھاتے بلکہ بسا اوقات خوش ہوتے ہین جنگوں کا ہونا انسانی سوسائیٹی کی ضروریات مین سے رہا ہے اور ابتک یہی حال ہے۔

جون جون انسانی گذشتہ تاریخ کو مطالعہ کیا جاوے یہ معلوم ہوگا کہ لڑائیان انسان کی ابتدائی ترقی مین اس کی موجودہ حالت سے بڑھکر ضروری رہی ہین اور انہین جنگون کے لوازمات مین سے ہی غلامی بھی ہے یا تھی۔ بلکہ درحقیقت غلامی کا رواج انسانی ترقی مین ایک عظیم مرحلہ تھا کیونکہ اس رواج کے ساتھ وہ بیرحمی جاتی رہی جسکے رو سے کل کے کل اسیر جو کسی دوسری قوم کے ساتھ جنگ مین ہاتھ لگے ہون قتل کیے جاتے تھے۔ چنانچہ ایک عیسائی مصنف لکھتا ہے "مگر اس بات کو ابھی تک لوگون نے اچھی طرح نہین سمجھا کہ پچھلی تمدنی تدریجی ترقی مین جنگ ایک ضروری فرض کو ادا کرنیوالی تھی۔ اول اس لحاظ سے کہ جنگ کا اصلی مقصد یہ تھا کہ متفرق قومین ایک ہو جاوین اور اس لحاظ سے یہ ضروری تھا کہ مخالفین مین سے جو لوگ پکڑے جاوین وہ ایک ماتحتی کی حالت مین رکھے جاوین تا دوبارہ اس قوم کو سر اٹھانے کی طاقت نہ ہو اور یون جنگ کا اصل مقصد حاصل ہو۔ دوئم اس لحاظ سے کہ یہ مسلم امر ہے کہ ابتدا مین انسانی سوسائیٹی مین محنت اور مشقت کے کامون سے گریز کیا جاتا ہے اور عموماً آرام طلبی زیادہ ہوتی ہے پس جب ایک قوم کے لوگ اپنے مخالف لوگونکے درمیان آکر رہین گے۔ تو وہ سوائے مجبوری کے کبھی کام نہ کرین گے اسلیے ضروری ہوا کہ انکو غلام بناکر ان سے کام لیا جاوے۔ اس دوسرے امر کے متعلق اس قدر کہدینا کافی ہے کہ دنیا کی کسی قوم مین بھی خود بخود اور خوشی سے محنت کو اختیار نہین کیا گیا۔ بلکہ ہر ایک ملک مین جس کا ہمین علم ہے یہی نظر آتا ہے کہ زبردستون نے مجبور کر کے زیردستون کو کام پر لگایا ہے اور ان سے محنت شاقہ کے کام لیئے ہین اور آخر جب مدت تک یہ مجبوری چلی آئی تو پھر اس قوم کی عادت مین وہ امر داخل ہو گیا امر اول کے لحاظ سے آزاد آدمی لازماً جنگ پیشہ تھے اور غلام محنت کا کام کرنیوالے لوگ تھے اور یہ دونون گروہ ایک دوسرے کے لیے بطور معاون تھے اور ایک کا وجود دوسرے کے سہارے اور آسایش کیلیے اور اسکے کام پر لگا رہنے کیلیے ضروری تھا۔ اور یون بغیر مقابلے اور جھگڑے کے وہ دونون ایکدوسرے کے معاون ہو کر انسانی سوسائیٹی کی ترقی کے ذرائع تھے۔"

اسیران جنگ کے قتل کی بجائے انکے غلام بنا لینے کے رواج کی تدریجی ترقی اسرائیلی شریعت مین واضح طور پر نظر آتی ہے۔ اسیران جنگ کو الگ چھوڑ کر اول تو یہی حکم ہے کہ "جو کوئی فقط خداوند کے سوا کسی معبود کے لیے قربانی کرے وہ عذاب سے مار ڈالا جاوے" (خروج ۲۲/۲۰)۔ ایسا ہی استثنا ۱۳-آیت ۱۲-۱۸ مین یہ حکم ہے کہ جس شہر کے لوگ غیر معبودونکی پرستش کرنیوالے ہون "تو تو اس شہر کے باشندونکو تلوار کی دھار سے ضرور

قتل کریگا اور اس کی ساری لوٹ کو وہان کے کوچے کے بیچ و بیچ اکھٹا کریگا اور اس شہر کو اور وہین کی لوٹ کو خداوند اپنے خدا کے لیے آگ سے جلا دیگا اور وہ ہمیشہ کو ایک ٹیلا ہوگا پھر بنایا نہ جائیگا" پھر استثنا ۲۰ / ۱۶-۱۷ مین یہ لکھا ہو "لیکن ان قومون کے شہرون مین جنہین خداوند تیرا خدا تیری میراث کر دیتا ہے کسی چیز کو جو سانس لیتی ہے جیتا نہ چھوڑیو بلکہ تو ان کو حرم کیجیو۔ حتی اور اموری اور کنعانی اور فرزی اور حوی اور یبوسی جیسا خداوند تیرے خدا نے تجھے حکم کیا ہے۔" یہ احکام عمل مین بھی آتے رہے چنانچہ گنتی ۲۱ / ۳ مین مذکور ہے "چنانچہ خداوند نے اسرائیل کی آواز سنی اور کنعانیون کو گرفتار کر دیا اور انہون نے انہین اور ان کی بستیونکو حرم کر دیا" (حرم کر دینے سے مراد یہ ہے کہ ہر ایک جاندار شئے کو ہلاک کر کے تباہ کر دینا) پھر قاضیون ۱ / ۱۰ مین لکھا ہے "اور انہون نے ان کنعانیون کو جو صفت مین رہتے تھے جا مارا اور شہر کو حرم کر دیا" ایسا ہی دیکھو قاضیون ۲۱ / ۱۰-۱۲ جہان لکھا ہے "اور انہین حکم دیا کہ یبیس جلعاد کے باشندونکو جا کے عورتون اور بچون سمیت قتل کرو" یشوع ۶ / ۲۴ "پھر انہون نے اس شہر کو اس سب سمیت جو اس مین تھا پھونک دیا" اسموئیل ۱۵ / ۳ "سو اب تو جا اور عمالیق کو مار اور سب جو کچھ کہ ان کا ہے یک لخت حرم کر اور ان پر رحم مت کر بلکہ مرد اور عورت ننھے بچے اور شیر خوار اور بیل بھیڑ اور اونٹ اور گدھے تک سب کو قتل کر" ۱ تواریخ ۴ / ۴۱ "اور معونیم کو جو وہان ملے قتل کیا ایسا کہ وے آج کے دن تک نابود ہین" معلوم نہین ان پادری صاحبان کو ایسے ایسے واقعات پڑھ کر کچھ شرم آتی ہے یا نہین جو اسلام پر اسلیئے اعتراض کرتے ہین کہ اپنی حفاظت کیلیئے بھی تلوار کیون اٹھائی گئی۔ خیر یہ تو جملہ معترضہ ہے اسرائیلی شریعت کو غور کی نگاہ سے پڑھنے سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ آہستہ آہستہ اسیران جنگ کو بجائے قتل کرنیکے غلامی مین لینے کا نرم قانون بھی رواج ہونا شروع ہو گیا تھا اور یون ان کی زندگی بچ کر وہ اپنے آقا کی خدمت مین زندگی بسر کرتے اسی لیے غلامی کا قانون بھی حضرت موسےؑ کی شریعت مین پایا جاتا ہے مگر عام رسم اس زمانہ کی یہ معلوم ہوتی ہے کہ مردون کو قتل کر دیا جاتا اور عورتون اور بچونکو غلام بنا لیا جاتا۔ دیکھو استثنا باب ۲۰ آیت ۱۰-۱۴۔ مگر اسرائیلیون کے درمیان صرف جنگ ہی غلام بنانے کا ذریعہ نہ تھی بلکہ وہ دوسری قومونکے ساتھ غلامونکی خرید و فروخت بھی کرتے تھے اور بعض ایسی اقوام انکے قریب قریب آباد تھین جو غلامی کی تجارت مین بہت مشہور تھین۔ اس ذریعہ سے غلامون کی کثرت ہو گئی۔

مگر اسرائیلی شریعت مین غلام کیحالت ایسی خراب نہ تھی جیسا دوسری بعض قدیم اقوام کے اندر کل شامی قومونکے درمیان غلام کو خاندان کا ایک ممبر سمجھا گیا ہے اور اسی لیے ان اقوام کے اندر آقا کا سلوک غلام کے ساتھ عموماً نرم رہا ہے۔ اگرچہ مالک کو مملوک پر ہر طرح سے اختیار حاصل تھا مگر وہ اسکو جان سے نہین مار سکتا تھا صرف ایک استثنا تھی جو خروج باب ۲۱ آیت ۲۰-۲۱ مین مذکور ہے "اور اگر کوئی اپنے غلام یا لونڈی کو لاٹھیان مارے

ع اور اس عورت اور سب کچھ جو اس شہر مین ہے اور وہان کے مواشی کو تلوار کی دھار سے یکسر نیست و نابود کریگا

اور وہ لاٹھیاں کھاتی ہوئی مر جائے۔ تو اسے سزا دیجائے لیکن اگر وہ ایک دن یا دو دن جیوے تو اسے سزا نہ دیجائے اسلیے کہ وہ اسکا مال ہے"۔ اگر آزاد آدمی کسی دوسرے کے غلام یا لونڈی کو مار دیتا تو صرف خونبہا مالک کو دینا ہوتا تھا (خروج باب ۲۱- آیت ۳۲)۔ جو غلام قوم اسرائیل کے تھے اُنسے غیر اسرائیلیوں کی بنسبت عمدہ سلوک ہوتا تھا۔ چھ سال غلام رہنے کے بعد وہ بغیر فدیہ دینے کے آزاد سمجھے جاتے تھے (خروج باب ۱- آیت ۲) مگر عبرانی لونڈی کے ساتھ غیر اسرائیلی غلام شادی نہ کر سکتا تھا اور مالک یا مالک کا بیٹا ہی اسپر تصرف کر سکتا تھا۔ اسرائیلی غلام جب چھ سال بعد آزاد ہوتا تو مالک کو یہ بھی حکم تھا کہ اسے جاتے وقت کچھ ساتھ بھی دے (استثنا باب ۱۵ آیت ۱۳ و ۱۴) مگر دوسرے غلاموں کو ان حقوق مین سے کوئی حق حاصل نہ تھا۔ ہاں اس کو عبادت مین شریک کر لیا جاتا سو اسکی اصل وجہ یہ تھی کہ وہ کسی اور طرح پر پرستش کرنیکا مجاز ہی نہ تھا۔ بہر حال یون خاندان مین شامل ہو جانیسے غلام کو فائدہ ضرور پہونچتا تھا۔

یونانیون اور رومیون مین غلامی کے متعلق بھی چند لفظ بے موقعہ نہ ہونگے۔ یونان مین اسیران جنگ کے علاوہ کئی طرح سے لوگ غلام بنائے جاتے تھے آزاد ماں باپ اپنے بچے کو بیچکر غلام بنا دیتے تھے اسکے علاوہ اور غلام بھی بازار مین بکنے کیلیے ہر وقت موجود رہتے تھے۔ چُرا کر یا زبردستی چھین کر بھی غلام بنا لیے جاتے تھے۔ یونانی تہذیب کے بڑے بڑے مرکزون مین غلاموں کی تعداد بہت بڑھی ہوئی تھی۔ ایتھنز مین ۲۱۰۰۰ اصل باشندوں کی آبادی مین چار لاکھ غلاموں کا ہونا بیان کیا جاتا ہے۔ کارنتھ مین چار لاکھ ساٹھ ہزار۔ ایجینا مین چار لاکھ ستر ہزار غلاموں کی تعداد بتائی جاتی ہے۔ بعض مورخون نے ان اعداد مین کسی قدر مبالغہ بیان کیا ہے مگر کم سے کم اندازہ جو غلاموں کی آبادی کا کیا گیا ہے اسکے رو سے بھی غلاموں کی آبادی آزاد آبادی سے تگنی بیان کیجاتی ہے۔

رومیوں کے درمیان غلامی کا اصل منبع جنگ ہی تھی۔ مگر جون جون دولت بڑھتی گئی غلاموں سے خدمت لینے کی ضرورت بھی زیادہ ہوتی گئی اور یہ ضرورت دو طرح سے پوری ہوتی رہی یعنی ایک حد تک اسیران جنگ کی تعداد مین یوماً فیوماً ترقی ہوتی گئی اور دوسری طرف غلامی کی تجارت شروع ہو کر خرید کے ذریعہ سے غلام آنے لگے۔ انسکلوپیڈیا برٹینیکا مین لکھا ہے کہ "اپیرس مین ایمیلیس پالس کے فتوحات کے بعد ایک لاکھ پچاس ہزار قیدی بیچے گئے۔ دو اَور مقاموں پر بھی جنگ کے قیدیوں کی تعداد اسیقدر بیان کی گئی ہے۔ سیزر نے ایک ہی موقعہ پر ترسیٹھ ہزار قیدی فروخت کیے آگسٹس نے سلاسی کے ملک مین چوالیس ہزار قیدی گرفتار کیے۔ قحط اور تکلیفون اور اکھاڑونکی ہلاکت کے بعد بھی یہودی جنگ مین ستانوے ہزار غلام بنائے گئے"۔ ایکسو چھیالیس قبل مسیح اور سنہ ۵ عیسوی کے درمیان کے زمانے مین بحساب اوسط ہر ایک آزاد کے لیے تین غلام تھے یعنے کل آزاد آبادی اٹھتر لاکھ چوالیس ہزار اور غلاموں کی آبادی دو کروڑ آٹھ لاکھ تیئیس ہزار تھی۔ امرا کے پاس غلاموں کی ایک خاصی فوج

جمع ہوتی تھی اگسٹس کے زمانے مین ایک شخص چار ہزار ایک سو سولہ غلام چھوڑ مرا معلوم ہوتا ہے یونان اور اٹلی مین اس زمانے مین وسیع پیمانے پر غلامی کی تجارت ہوتی تھی۔

رومی سلطنت کی نسبت یونان مین غلامون کی حالت اچھی تھی مگر یونان مین بھی ان غلامون کے علاوہ جنسے گھر کے کام لیے جاتے تھے دوسرے غلامون سے سخت محنت لیجاتی تھی جو غلام زراعت کے کام مین لگائے جاتے تھے انکو اکثر زنجیرین ڈالکر کام پر لگایا جاتا تھا اور ان سے محض چارپایون کا سا سلوک ہوتا تھا۔ غلامون اور عورتونکی شہادت ان کو سخت اذیت پہنچا کر لیجاتی تھی اگر غلام کا کوئی عضو کاٹ دیا جاتا یا اسے کوئی ضرب شدید پہنچائی جاتی تو غلام کو کوئی حق نہ پہونچتا بلکہ اس کا معاوضہ مالک کو دلایا جاتا تھا۔ رومی قانون کے بموجب مالک کو مملوک پر پورا حق حاصل تھا یعنی جو چاہے اسے کرے یہانتک کہ اسے جان سے مار ڈالنے کا بھی اسے حق حاصل تھا۔ جب غلامونکی تعداد ترقی کر گئی تو چونکہ انکے کام کی نگرانی کا انتظام عمدہ نہ ہو سکتا تھا اسلیے یہ تجویز کی گئی کہ کام کے وقت غلام کو زنجیرین ڈالدیجاوین۔ اور یہ قاعدہ یہانتک وسیع ہوا کہ دروازہ پر جو غلام محافظ ہوتا اسکو بھی زنجیرین ڈالدیجاتین اس مین شک نہین کہ بعض اوقات غلامونسے نیک سلوک بھی کیا جاتا تھا۔ مگر غلامونکی عام حالت نہایت ہی ذلیل اور بری تھی۔ ہلکی سزا جو غلامونکو دیجاتی تھی، وہ یہ تھی کہ قصبہ سے نکالکر انکو دیہات مین مزدوری کے کام پر لگایا جاتا اور سخت سزا یہ تھی کہ انکو کارخانون یا کانون وغیرہ مین کام کرنیکے لیے بھیجدیا جاتا جہان مرد اور عورتین ملے جلے قریباً ننگے زنجیرونسے بندھے ہوئے ...... سپاہیونکی حفاظت اور کوڑون کے نیچے کام کرتے تھے اگسٹس کے زمانے مین ویڈیس پالیو کا ذکر ہے کہ وہ نہایت چھوٹے چھوٹے قصورون پر بلکہ اتفاقی غلطی کیوجہ سے بھی اپنے غلامونکو بحری اژدہاؤن کے آگے ڈالتا تھا۔

رومی سلطنت کے اندر ہی عیسائی مذہب بھی پیدا ہوا۔ اور اگر اسکا مشن غلامونسے حسن سلوک کا ہوتا تو سب سے اول یہی ملک تھا جو اس کی ایسی تعلیم کا محتاج تھا کیونکہ جسقدر غلامونکی حالت رومی سلطنت مین ابتر ہو رہی تھی ایسی اور کہین نہ تھی انکے ساتھ سخت سے سخت اور ظالمانہ سلوک ہوتا تھا پس ایک مصلح کا پہلا فرض ایسی حالت مین یہ تھا کہ اگر انکی آزادی پر نہین تو کم سے کم انکے ساتھ حسن سلوک پر ہی زور دیتا۔ اور ان مظالم کو جو غلامون پر ہو رہے تھے کھول کھولکر بیان کرتا۔ مگر یہ عجیب بات ہے کہ حضرت مسیح کے اقوال مین جو اسی زمانہ مین وعظ کر رہے تھے ایک لفظ بھی ایسا نہین پایا جاتا جس سے غلامون پر ظلم کے متعلق انکا اظہار ناپسندیدگی کا پایا جاتا ہو۔ کم سے کم جو اقوال آپکے اناجیل مین درج ہین ان مین ایک لفظ بھی غلامونکے ساتھ حسن سلوک کے بارے مین نہین۔ اور نہ ہی مالکون کو ان بیرحمیون اور ظلمونسے روکا گیا جو وہ غلامون پر کرتے تھے۔ تعجب ہے کہ سر ولیم میور جیسا مورخ اسلام پر یہ الزام دے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے غلامی کو دور نہین کیا درآنحالیکہ اسے علم ہے کہ بانی عیسائیت نے اپنے سارے وعظون مین ایک دفعہ بھی ان مظالم سے لوگونکو نہین روکا جو اس کی آنکھوں کے

سامنے غلامون پر ہوتے تھے۔ حضرت مسیح کی اس خاموشی کا عیسائی مذہب پر یہ اثر ہوا کہ بحیثیت مذہب غلامون ...... پر ظلم اور ان کی گری ہوئی اور ذلیل حالت سے اس نے کبھی نفرت ظاہر نہین کی۔ عیسائی صاحبان کا یہ دعوے ہے کہ چونکہ عیسائی مذہب نے بڑی بھاری تبدیلی جو دنیا مین کی وہ یہ تھی کہ سب انسان آپس مین بھائی ہین اس لیے اسی تعلیم کا بالواسطہ اثر غلامون کی حالت پر بھی پڑا اور اسکے ثبوت مین یہ امر پیش کیا جاتا ہے کہ عیسائیت کے زور پکڑنے کے ساتھ رومی سلطنت مین غلامونکے ساتھ نرمی کا سلوک دن بدن بڑھتا گیا مگر اول تو پہلا دعوے ہی غلط ہے۔ یہ بات کہ سب انسان بھائی ہین۔ تمام انبیاء کی تعلیم مشترک ہے اور مسیح سے پہلے سب نبیون نے یہی تعلیم دی اور جب سے خدا نے شریعت دنیا مین نازل فرمائی ہے اسکے دو حصے ہی قرار دیئے ہین یعنی اللہ تعالے کے ساتھ پاک تعلق اور اسکی مخلوق سے نیک سلوک۔ عیسائیت نے ہرگز اس بارے مین کوئی نئی تعلیم نہین دی۔ باقی رہا رومی سلطنت مین غلامونکی حالت کا تدریجاً بہتر ہوتے جانا سو اسکا عیسائیت سے کچھ تعلق نہین۔ یہ اصلاح تو عیسائی مذہب کے زور پکڑنے سے مدت پہلے شروع ہو چکی تھی۔ دوسری صدی عیسائی مین جب ابھی عیسائی مذہب کو اپنی زندگی کا فکر ہی پڑا ہوا تھا۔ قانون کا میلان آزادی کیطرف شروع ہو گیا تھا۔ لڑکون کے بیچنے وغیرہ کے رواج بند ہو چکے تھے کسی انسان کو غلامی کے لیے چرانا ایسا سنگین جرم قرار دیا جا چکا تھا کہ جس کی سزا موت تھی۔ مالک سے غلام کو جان سے مار ڈالنے کا اختیار چھین لیا گیا تھا۔ اور یہ ہیڈرین کے زمانے کا ذکر ہے جو ۱۱۷ء عیسوی مین تخت پر بیٹھا اس سے بہت مدت پہلے شہنشاہ نیرو نے جو ۵۴ء عیسوی مین تخت نشین ہوا عدالتونکو یہ ہدایت کی تھی کہ غلامون پر جو ظلم کیے جاتے ہین ان کے متعلق استغاثون کی سماعت کیجاوے۔ اب یہ سب تبدیلیان جو قانون غلامی مین واقع ہو رہی تھین یہ زمانہ کی اپنی رفتار کا نتیجہ تھین اور عیسائی مذہب کو اسنے کچھ بھی تعلق نہین کیونکہ عیسائی مذہب کی اپنی بنیاد ابھی متزلزل تھی اور اسکا اثر پڑنا شروع نہ ہوا تھا۔ اور سچی بات تو یہ ہے کہ عیسائی مذہب بجائے اپنے گرد و پیش کے خیالات پر اثر ڈالنے کے ہمیشہ دوسرون کے خیالات سے متاثر ہوتا رہا ہے۔ اسکے بنیادی اصول ہی اکثر ان کفار قوم سے لیئے گئے ہین جن کے درمیان یہ مذہب پیدا ہوا پھر اسکا اثر دوسرے رواج پر کیا ہونا تھا خصوصاً اس حالت مین جب اسکے بانی کے منہ سے ایک لفظ بھی غلامی کے دور کرنے یا غلامونسے حسن سلوک کرنیکے متعلق نہ نکلا ہو۔ نیک اثر تو ایک طرف رہا یہان تو تاریخ کے مطالعہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جو تغیر خود رفتار زمانہ سے غلامون کی بہتری کا پیدا ہو رہا تھا اسکو عیسائی مذہب نے ترقی دینے کی بجائے بہت کچھ روکا۔ چنانچہ رومی عیسائی بادشاہونکے بعض قوانین سے یہ ترقی معکوس صاف معلوم ہوتی ہے۔ مثلاً بچونکی فروخت کو روکنے کا قانون پہلے پاس ہو چکا تھا مگر قسطنطین نے اس قانون کو منسوخ کر کے پھر اس بات کو مروج کر دیا کہ آزاد

والدین اپنے بچونکو بیچ کر غلام بنا سکین - یہ جو کہا جاتا ہے کہ بہت سی غلامی کی سختیان عیسائیت کی ترقی سے دور ہو گئیں اس کی اصل حقیقت مین پہلے بیان کر چکا ہون کہ اصلاح تو پہلے ہی شروع ہو چکی تھی اور اسی رفتار سے تدریجاً ہوتی چلی گئی اور عیسائیت نے اس مین کوئی خاص حصہ نہین لیا نہ ہی کوئی خدمت قابل تعریف کی ہے - باقی رہی عیسائیت کی وعظ کہ تمام انسان بھائی ہین جس سے بڑے لمبے چوڑے نتیجے نکالے جاتے ہین سو یہ محض خشک الفاظ ہی رہے ہین اس کے ثبوت کیلئے ایک عیسائی کی شہادت کو پیش کرتا ہون " مذہبی اخوت جیسی آج کل اسلام مین ایک واقعی طاقت ہے ایسی ہی یہودیون مین بھی ایک واقعی طاقت تھی - اور عیسائیت کی مذہبی اخوت کے ادعا کی طرح خالی دعوے ہی دعوے اور خشک لفظ ہی نہین تھے " (دیکھو انسکلوپیڈیا ببلیکا کالم نمبر ۴۶۵۸) اور پھر جب ہم غلامونکے بارے مین اس سنگدلی اور بیرحمی کو دیکھتے ہین جس کا اظہار اکھاڑونمین ہوتا تھا - اور جو پورے زور شور کے ساتھ جسٹینین کے وقت تک جاری رہی تو اور بھی اس دعوے کی حماقت کی شہادت ملتی ہے -

ایک طرف قدیم زمانے کی دو بڑی مہذب اقوام یعنی رومیون اور یونانیون مین اور دوسری طرف قدیم زمانے کے دو بڑے مذہبون یعنی یہودیت اور عیسائیت مین غلامونکی حالت پر غور کرنیکے بعد ہم اس قابل ہین کہ ان مضرات کو سمجھ سکین جو رواج غلامی سے پیدا ہوتے تھے - کیونکہ جہان ایکطرف قدیم سوسائیٹی ثابت ہے - دوسری طرف اسکی بعض قباحتین بھی صاف نظر آتی ہین جن کے دور کرنیکے بغیر غلامی انسانونکے لیے واقعی لعنت کہی جا سکتی ہے - غور سے معلوم ہوتا ہے کہ غلامونکو اول تو جاہل اور تمام علوم سے محض نابلد رکھا جاتا تھا - پھر انکے ساتھ سخت ظلم کا برتاؤ کیا جاتا تھا - پھر یہ بھی سمجھا جاتا تھا کہ وہ ایسی مخلوق ہے جو صرف حقیر کام کرنیکے لیے اور ذلت مین زندگی بسر کرنیکے لیے پیدا ہوئی ہے اور انکو محض حیوانونکی طرح سمجھا جاتا تھا - دوسری طرف مالک کو مملوک پر کلی اختیارات حاصل ہونیکی وجہ سے مالک ایک چھوٹے سے ظالم بادشاہ کی طرح ہوتا تھا لیس اخلاقی لحاظ سے اور ایک حد تک تمدنی پہلو مین غلامی کے رواج کا اثر بہت ہی برا تھا اور سب سے بڑی اور ضروری اصلاح جسکا یہ رواج محتاج تھا وہ مالک اور مملوک کے تعلقات سے متعلق تھی - اس مین شک نہین کہ نسبتاً اسرائیلی شریعت مین بہت کچھ نرمی غلامو کے ساتھ کی گئی تھی - مگر عام اثر غلامی کا یہ ہو گیا تھا کہ مالک کے ساتھ سخت دلی اور مملوک کے ساتھ ذلت لگی ہوئی تھی - عیسائی مذہب نے باوجود ان بڑے بڑے دعوونکے جو آج پادری صاحبان منبرو نپر چڑھ کر کر رہے ہین - ان مضرات کے روکنے یا انکی اصلاح کی کوئی تدبیر نہ بتائی - اسلیے مین ان دوسری اصلاحونکو بیان کرنیسے پہلے جو غلامی مین اسلامی قانون اور ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے کین - یہ بیان کرونگا کہ غلامونکے ساتھ کیسا حسن سلوک اس پاک شریعت نے چاہا ہے - آقا اور غلام کے باہمی تعلقات مین عظیم الشان اصلاح اسلام نے کی ہے

اور اسی ایک اصلاح نے غلامی کی تمام بدیون اور مضرات کو جڑ سے کاٹ دیا اور خاص اغراض کیلئے ایک نہایت ہی محدود دایرے مین غلامی کی برداشت کر کے حسن سلوک کے متعلق ایسی شرایط لگا دین جنہون نے غلامی کی تمام اخلاقی اور تمدنی مضرات کو بیخ و بن سے اکھاڑ دیا۔

۲ - اسلام مین غلامون سے سلوک

یہ ایک امر واقعہ ہے جس کی تصدیق روزمرہ واقعات سے ہو رہی ہے کہ مسلمانون مین مالک اور مملوک کا تعلق مغرب مین آقا اور نوکر کے تعلق سے بدرجہا بہتر ہے جو لوگ صاحب مرتبہ یا صاحب ثروت ہین وہ غریب لوگونکو حقارت کی نظر سے دیکھتے ہین مگر یہ حقارت ان مغربی اقوام مین سب سے بڑھی ہوئی ہے جنکو اس بات پر فخر ہے کہ ہم غلامی کے رواج سے آزاد ہو چکے ہین۔ اس مین شک نہین کہ غلامی کے نام کو تو انہون نے دور کر دیا ہے مگر اس کی حقیقت اب بھی آقا اور نوکر کے تعلقات مین ویسے ہی پائی جاتی ہے۔ اور نام کی تبدیلی سے حقیقت مین کوئی تبدیلی واقع نہین ہوئی۔ ایک مہذب یوروپین جب ایک غیر قوم کے آدمی کو ملازم رکھتا ہے تو وہ اسے ایک وحشی سے بھی بدتر سمجھ کر سلوک کرتا ہے خصوصاً اس حالت مین جب ملازم کا کام ادنیٰ درجہ کا ہو۔ اور جہانتک سختی اور سلوک کا سوال ہے کوئی شخص امتیاز نہین کر سکتا کہ صاحب کا سلوک اپنے نوکر سے اچھا ہے یا قدیم زمانے مین ایک رومی مالک کا تعلق اپنے غلام سے اچھا تھا۔ شاید ہی کوئی موسم گرما ایسا گذرتا ہوگا جب یہ آواز ہمارے کانون مین نہ پڑتی ہو کہ ایک غریب پنکھا قلی کو صاحب بہادر نے مار مار کر صرف اسلیے ہلاک کر دیا کہ اس بدقسمت کو تھک کر ذرا اونگھ آ گئی تھی اس حالت مین مین نہین سمجھتا کہ رومی مالک کو وہ کونسا اختیار اپنے غلام پر حاصل تھا جو اب ایک مہذب عیسائی کو اپنے نوکر پر حاصل نہین یا کونسی بدسلوکی وہ کرتا تھا جو اب نہین کیجاتی۔ اور گالیان دینا یا معمولی طور پر مار لینا تو کوئی بات ہی نہین۔ مہذب یوروپین اقوام کو غلامی کے موقوف کرنے پر اسوقت تک فخر نہین کرنا چاہیئے جبتک کہ حقیقت غلامی یعنی نوکرونپر ظلم اور انکے ساتھ بدسلوکی سے وہ نجات حاصل نہ کر لین۔ اگر غلامی کے موقوف کرنے مین بڑی غرض یہ تھی کہ جو ظلم ایک مالک مملوک سے خدمت لینے مین کر سکتا ہے۔ انکو روکا جاوے۔ اور ان لوگونکو جو غلام کہلاتے ہین ان کی ذلیل حالت سے نکالکر دوسرے انسانونکی طرح انکو سمجھا جاوے تو مین دعوے سے کہتا ہون کہ یورپ مین سے ابھی تک غلامی کا رواج دور نہین ہوا اور ابھی تک یورپ نے وہ مقصد حاصل نہین کیا جو اسلام اس سے تیرہ سو سال پہلے حاصل

کر چکا ہے کیا یہ سچ نہین کہ یورپین لوگ دیسی ملازمون کو جن سے وہ خدمت کا کام لیتے ہین وحشیون سے اچھا نہین سمجھتے؟ پھر اتنی بات سے کیا فرق ہو جائیگا کہ وہ ان کا نام غلام نہین بلکہ خادم رکھتے ہین۔ آقا اور خادم کے سچے تعلقات کو سمجھنے مین یورپ ابھی اسلام سے باوجود تیرہ صدیان گذر جانیکے بہت پیچھے ہے۔ جو ذلت قدیم اقوام مین غلام کے نام سے لگی ہوئی تھی۔ اور پھر عیسائی نوآبادیون کی غلامی مین لگی رہی اور جو ذلت آج بھی غریب اور کم حیثیت آدمیونکی کی جاتی ہے اسلام نے اس کو غلامی کے نام سے قطعًا دور کر دیا اور نہ صرف لفظون ہی مین بلکہ عملی طور پر اسے جڑ سے کاٹ دیا اسلام کے ظہور سے آقا اور خادم یا مالک اور مملوک کے تعلقات سچے برادرانہ تعلقات سے بدل گئے۔ آقا اپنے غلام کی محنت کے کامون مین ...... شریک ہونے لگا اور غلام اپنے آقا کی وجاہت اور عزت مین شریک ہو گیا۔ یہ صرف انہین آقاؤن کی حالت نہ تھی جو سوسائیٹی کے درمیانی یا نچلے درجہ مین تھے بلکہ معزز سے معزز اور دولتمند سے دولتمند آقاؤن کا بھی یہی حال تھا۔

سب سے پہلے ہمین قرآن شریف کی تعلیم پر غور کرنا چاہیئے کہ وہ غلامونکے ساتھ کیسا سلوک چاہتا ہے اس بارے مین مندرجہ ذیل آیت قرآن کریم مین وارد ہوئی ہے۔ واعبدوا الله ولا تشركوا به شيئا وبالوالدين احسانا وبذي القربى واليتمى والمساكين والجار ذي القربى والجار الجنب والصاحب بالجنب وابن السبيل وما ملكت ايمانكم ان الله لا يحب من كان مختالا فخورا (النساء - ع ۶ - آیۃ ۳۶) یعنے اللہ ہی کی عبادت کرو اور اسکے ساتھ کسی چیز کو شریک مت ٹھہراؤ اور احسان کرو مان باپ کے ساتھ اور قرابت والون اور یتیمون اور محتاجون اور قرابت والے پڑوسیون اور اجنبی پڑوسیون اور پاس کے بیٹھنے والون اور مسافرون اور لونڈی غلامونکے ساتھ جو تمہارے قبضے مین ہین اللہ ان لوگون کو دوست نہین رکھتا جو اتراتے ہین (یعنی دوسرونکے حقوق کی پروا نہ کرین) اور بڑائی مارتے پھرین (یعنی دوسرونکو حقیر سمجھین)۔ اس آیت شریف مین دو قسم کے احکام ایک ہی جگہ اکٹھے کر کے بیان کیے گئے ہین یعنی اللہ تعالے کی عبادت اور اسکی مخلوق سے نیکی اور اس دوسرے حصے مین بعض وہ لوگ جنکے ساتھ انسان کو نیکی کرنی چاہئیے مخصوص کر کے بیان کیے گئے ہین تا انکی طرف زیادہ توجہ ہو۔ ان دونون احکام کو ایک ہی جگہ بیان کرنیسے یہ مقصود ہے کہ جیسا اللہ تعالے کی عبادت کرنا اور اسکا کوئی شریک نہ ٹھہرانا۔ اسلام لانیکے لیے ضروری ہے ویسا ہی مخلوق کے ساتھ نیکی کرنا بھی ضروری ہے کیونکہ یہی دو شریعت کے بھاری اجزا ہین یعنی اللہ تعالے سے سچا تعلق پیدا کرنا اور اسکی مخلوق سے نیکی کرنا۔

پس جہان انجیل غلامونکے ساتھ نیک سلوک کرنیکے متعلق ایک لفظ بھی نہین کہتی۔ قرآن کریم اسے ایسا ضروری قرار دیتا ہے جیسا والدین سے نیکی کرنا کیونکہ ایک سے ہی الفاظ مین دونون احکام بیان کیے گئے ہین

یہ اس قدر صاف حکم غلامون سے نیکی کرنے کا ہے جس سے کوئی دشمن اسلام بھی انکار نہین کر سکتا چنانچہ ہیوز نے اپنی ڈکشنری آف اسلام مین اس بات کو تسلیم کیا ہے۔ چنانچہ وہ لکھتا ہے کہ "یہ بالکل صاف امر ہے کہ قرآن شریف اور احادیث مین غلامون کے ساتھ نیکی کرنے کی بڑے زور سے تاکید کی گئی ہے" یہ امر بھی قابل غور ہے کہ غلام کو قرآن کریم الفاظ ما ملکت ایمانکم سے ہی عموماً بیان فرماتا ہے جس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ سوائے ان لوگون کے جو کفار کے ساتھ لڑائیون مین مسلمانون کے ہاتھ لگتے تھے اور کوئی غلام نہین بنایا جا سکتا تھا مگر اس حصہ پر ہم بعد مین بحث کرینگے۔ اس آیت کے آخری الفاظ مین اسی حسن سلوک کے حکم کو پھر موکد کیا ہے یہ فرما کر کہ تمہارے تمام افعال کی غرض تو یہ ہونی چاہیئے کہ تم اپنے حقیقی آقا کے پیارے بن جاؤ لیکن یاد رکھو کہ تم خدا کے پیارے کبھی نہین بن سکتے جبتک تم دوسرے لوگون کے حقوق کی پوری نگہداشت نہ کروگے اور دوسرے لوگون کو حقارت کی نگاہ سے دیکھنا نہ چھوڑوگے۔

اس کے علاوہ دینی اخوت کا سلسلہ جو اسلام نے قایم کیا وہ بجائے خود ایک زبردست محرک نیک سلوک کا تھا۔ آزاد عورتون اور غلامون کے درمیان اور آزاد مردون اور ۔۔ لونڈیون کے درمیان نکاح جایز قرار دیے گئے۔ ایک مشرکہ آزاد عورت اور مسلمان لونڈی مین نکاح کے وقت ترجیح لونڈی کو دیگئی۔ اور ایک مشرک مرد اور مسلمان غلام مین ترجیح غلام کو دیگئی۔ بات بات پہ غلامون کو آزاد کرنیکا حکم دیا گیا اور اسے بعض گناہون کا کفارہ قرار دیکر یہ سمجھایا گیا کہ غلامون کے ساتھ نیکی کرنا اور انکو آزاد کرنا اللہ تعالے کے نزدیک بہت ہی محبوب فعل ہے لونڈی اگر نکاح کے بعد فحش کی مرتکب ہو تو اس کی سزا آزاد عورت سے نصف رکھی گئی۔ غلامون کے نکاح کرنیکا خاص طور پر حکم دیا گیا۔ چنانچہ فرمایا۔ وَأَنكِحُوا الْأَيَامَىٰ مِنكُمْ وَالصَّالِحِينَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَإِمَائِكُمْ إِن يَكُونُوا فُقَرَاءَ يُغْنِهِمُ اللَّهُ مِن فَضْلِهِ (النور۔ رکوع ۴ آیت ۳۲) "اور تم مین سے جنکے ازواج نہین ان کے نکاح کردیا کرو اور اپنے غلامون اور لونڈیون مین سے جو نیک بخت ہون ان کے بھی نکاح کرو۔ اگر یہ لوگ محتاج ہونگے تو اللہ تعالے اپنے فضل سے انہین غنی کر دیگا" قبل از اسلام جو بدیان عرب مین لونڈی غلامون کے معاملے مین تھین ان سب کو دور کیا گیا۔ منجملہ انکے ایک یہ بد رسم بھی تھی کہ لونڈیون سے بدکاری کرا کر اس مال سے فائدہ اٹھاتے جسکی خاص طور پر ممانعت قرآن شریف مین کیگئی ہے۔

یہ ہین قرآن شریف کے احکام۔ ان مین سب سے پہلے یہ امر دیکھنا چاہیئے کہ ان احکام سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اور آپ کے متبعین نے کیا سمجھا اور انپر کیونکر عمل کیا۔ اس غرض کے لیے احادیث مین آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے اقوال اور آپکے عمل کو سب سے پہلے دیکھنا چاہیئے احادیث پر غور کرنیسے معلوم ہوتا ہے کہ جو زور ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے غلامون کے ساتھ حسن سلوک کرنے پر دیا ہے اور جو خود اس حسن سلوک کا

نمونہ دکھایا ہے اس سے اگر موازنہ کیا جائے تو یہی کہنا پڑے گا کہ کسی دوسرے مصلح نے آپکے بالمقابل کچھ بھی نہین کیا
سب سے پہلے مین صحیح بخاری کی احادیث کو بیان کرتا ہون اور پھر دوسری متفرق احادیث کو۔ رسول کریم صلے اللہ
علیہ وسلم فرماتے ہین۔ ان اخوانکم خولکم جعلہم اللہ تحت ایدیکم فمن کان اخوہ تحت یدہ فلیطعمہ مما یاکل ولیلبسہ مما
یلبس ولا تکلفوہم ما یغلبہم فان کلفتموہم ما یغلبہم فاعینوہم۔ یعنی تمہارے بھائی ہی تمہارے خدمتگار ہین۔
اللہ نے انہین تمہارے نیچے رکھا ہے پس جس شخص کا بھائی اسکے ہاتھ کے نیچے ہو اسے چاہیے کہ جو چیز آپ کھاتا
ہے اسی مین سے اسے بھی کھلاوے اور جو پوشاک آپ پہنتا ہے اسی مین سے اسے بھی پہناوے اور ان پر کوئی ایسا
بوجھ نہ ڈالو جو انکی طاقت سے زیادہ ہو اور اگر انکی طاقت سے زیادہ کام انکو دو تو پھر انکو مدد بھی دو + بتاؤ کہ کونسا ایسا
اور انسانون کا ہمدرد پیدا ہوا ہے یا کونسا مصلح ہے جسنے ایسی کامل اخوت آقا اور غلام مین پیدا کی ہو جو صرف
الفاظ تک ہی محدود نہین بلکہ عملی رنگ مین ہے کہ مالک اور مملوک کا ایک سا ہی لباس اور ایک سی خوراک ہو۔
یہی نہین بلکہ غلامونکی حالت بہت ہی قابل رشک معلوم ہوتی ہے۔ جب ہم آپکے یہ پیارے الفاظ پڑھتے ہین
والذی نفسی بیدہ لولا الجہاد فی سبیل اللہ والحج وبرّ امّی لاحببت ان اموت وانا مملوک۔ قسم ہے اس ذات پاک
کی جسکے ہاتھ مین میری جان ہے کہ اگر اللہ کی راہ مین جہاد اور حج اور ماں کے ساتھ نیکی نہ ہوتی تو مین پیار کرتا
کہ غلامی کی حالت مین ہی مرون + پھر غلام محض حیوان کی طرح ایک گونگا کارکن نہین بلکہ وہ اپنے آقا کا سچا مشیر
قرار دیا گیا ہے۔ قال اذا نصح العبد سیدہ واحسن عبادۃ ربہ کان لہ اجرہ مرتین۔ یعنی جو غلام اپنے آقا کو نیک
صلاح دیتا ہے اور اپنے پروردگار کی عبادت عمدہ کرتا ہے اسکو دوہرا اجر ملتا ہے۔ غلامون لونڈیونکے ساتھ حسن
سلوک صرف اسی حد تک محدود نہین رکھا گیا کہ ان سے کام لیا جائے اور انکے ساتھ نیکی کی جاوے بلکہ انکی عمدہ پرورش
کے لیے بھی جناب سالتمآب علیہ الصلوۃ والسلام نے خاص طور پر ارشاد فرمایا ہے۔ چنانچہ لونڈیونکے متعلق یہ ہدایت
فرمائی۔ قال النبی صلے اللہ علیہ وسلم ایما رجل کانت لہ جاریۃ ادبہا فاحسن تعلیمہا واعتقہا وتزوجہا فلہ
اجران۔ فرمایا نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے جس شخص کے پاس لونڈی ہو پھر وہ اسکی تادیب کرے یعنی اسے
اعلےٰ درجہ کے نیک اخلاق کی تربیت دے اور اسکو نہایت عمدہ تعلیم دے پھر اسکے بعد اسکو آزاد کرے اور اس سے نکاح
کرے اسکے لیے دوہرا اجر ہے۔ اس حدیث کیطرف مین خصوصیت سے اُن کو تنظر ونکو توجہ دلاتا ہون جو یہ کہا
کرتے ہین کہ اسلام عورت کو جاہل رکھنا چاہتا ہے وہ غور کرین کہ آزاد عورتین تو ایک طرف رہین اسلام تو لونڈیون
کے متعلق بھی یہ حکم دیتا ہے کہ انکو نہایت عمدہ تعلیم اور تربیت دیجاوے۔ اسی حدیث سے نہایت صفائی سے یہ
بھی ثابت ہوتا ہے کہ اسلام کا منشا غلامون اور لونڈیون کو کس درجہ تک ترقی دینے کا ہے۔
بہت سی اور حدیثین ہین جن مین غلامونکے ساتھ حسن سلوک کے بارہ مین تاکید کیگئی ہے۔ ان مین سے

مشکوٰۃ کی بعض حدیثون کا ترجمہ لین صاحب نے اپنے ترجمہ الف لیلہ کے نوٹون مین دیا ہے اور انہین کو ہیوز نے اپنی ڈکشنری آف اسلام مین نقل کیا ہے ان مین سے بعض کا اردو ترجمہ مین یہان دیتا ہون۔ "اپنے غلامونکو اس کھانے مین سے کھلاؤ جو تم خود کھاتے ہو اور وہ لباس پہناؤ جو تم خود پہنتے ہو اور انکو ایسا کام کرنیکو نہ دو جو انکی طاقت سے بڑھکر ہو" "جو شخص اپنے غلام کو بلاوجہ مارتا ہے یا اسکے منہ پیمارتا ہے اسکا کفارہ یہ ہے کہ وہ اسے آزاد کرے" "جو شخص اپنے غلام سے سختی کرتا ہے وہ جنت مین داخل نہین ہوگا" "جو شخص مان اور بیٹے مین جدائی پیدا کرتا ہے (یعنی لونڈی کو بیچکر) اللہ تعالےٰ قیامت کے دن اسے اپنے دوستون سے جدا کریگا"

ان تمام احادیث سے نہایت صاف اور یقینی شہادت اس بات کی ملتی ہے کہ مذہب اسلام مین غلام کو غلام سمجھا ہی نہین گیا بلکہ اسکے کام کو الگ چھوڑکر جو اسکے سپرد کیا گیا ہے وہ ہر طرح سے اپنے مالک کے برابر سمجھا گیا ہے تیرہ سو سال گذر چکے ہین جب پہلے ایک سچے ہمدرد بنی نوع انسان نے یہ ہدایتین جاری کین اور نہ صرف جاری کین بلکہ ان پر عمل کیا اور کرایا۔ مگر آج باوجود تیرہ سو سال کے گذر جانیکے اور باوجود بڑے بڑے ہمدردی کے دعووں کے کسی شخص مین اسقدر اخلاقی جرأت بھی نہین جو ان ہدایتون پر عمل کرنا تو ایک طرف رہا نوکرون کے متعلق اسی قسم کی ہدایتین دینے کی جرأت کرے۔ اب مین چند اور حدیثین نقل کرتا ہون تاکہ ناظرین کو معلوم ہو کہ ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے کسقدر تاکید بعد تاکید غلامون اور لونڈیون کے ساتھ حسن سلوک کے متعلق کی ہے۔ ایک روایت مین آیا ہے کہ مرض الموت مین آپکے منہ مین یہ الفاظ تھے۔ اتقوا اللہ فی الصلوٰۃ وفی ما ملکت ایمانکم۔ جسکا مطلب یہ ہے کہ ان دو چیزونکا خاص طور پر خیال رکھو یعنی قیام نماز اور غلامون لونڈیونکے ساتھ حسن سلوک۔ اس حدیث سے کیسی صفائی سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آپکے دل مین انسانونکے ساتھ اور خصوصاً اس جماعت کے ساتھ جسکو دنیا کی سب قومون نے ذلیل سمجھا اور ابتک ذلیل سمجھ رہی ہین (یعنی... غلام اور خادم) کیسا سچی ہمدردی کا جوش تھا اور کسقدر انکی بہتری کا فکر آپکو تھا کہ اخیر وقت مین بھی یہی لفظ آپکے منہ سے نکلے۔ آپ کیا چاہتے تھے ایک اور سے پتہ لگتا ہے۔ فرمایا لقد اوصانی حبیبی جبرائیل بالرفق بالرقیق حتی ظننت ان الناس لا تستعبد ولا تستخدم میرے دوست جبرائیل نے غلامونکے ساتھ نرمی کا سلوک کرنیکے لیے مجھے اسقدر وصیت کی کہ مینے گمان کیا کہ آیندہ کوئی غلام .... نہین بنایا جانا چاہیئے۔ جو لوگ ان صاف شہادتونکے ہوتے ہوئے بلا سوچے سمجھے اسلام پر یہ اعتراض کر دیتے ہین کہ غلامی شریعت اسلامی کا ایسا ضروری جزو ہے کہ اسکو جدا کرنیسے شریعت درہم برہم ہو جاتی ہے انکو کم سے کم یہ حدیث پڑھکر ضرور شرم کرنی چاہیئے کیونکہ اس سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی غلامونکے ساتھ نرمی کا اصل مقصد یہی معلوم ہوتا ہے کہ غلامونکو آزاد کر دیا جاوے اور آیندہ غلام بنانیسے لوگونکو روکا جاوے ایک شخص کا ذکر ہے کہ ایکدفعہ آپکے پاس آیا اور آپ سے پوچھا کہ مین کتنی مرتبہ اپنے غلام کو معاف کیا کرون آپنے منہ پھیر لیا

اور کوئی جواب اسکے سوال کا نہ دیا وہ دوسری دفعہ اور پھر تیسیری دفعہ سامنے آیا اور یہی سوال دہرایا اور آنحضرتؐ نے اسی طرح بغیر جواب دینے کے منہ پھیر لیا۔ چوتھی مرتبہ جب اسنے یہ سوال کیا تو آپنے فرمایا۔ اعف عن عبدک سبعین مرۃ فی کل یوم اذا اردت نوال الاجر والثواب۔ اگر تو اجر اور ثواب حاصل کرنا چاہتا ہے تو ہر روز ستر دفعہ اپنے غلام کو معاف کیا کر۔ مین پوچھتا ہون کہ کیا آج ان اقوام مین جو مہذب کہلاتی ہین ایک آدمی بھی ایسا ہے جو اپنے خدمتگار کو باوجود اسکے قصور کے ستر دفعہ معاف کرسکے مگر اسلام مین غلامون کے متعلق واقعی ایسا عملدرآمد ہوا۔ آپ کا دل یہ بھی گوارا نہ کرسکتا تھا کہ غلام کو غلام پکارا جاوے کیونکہ اس نام مین حقارت پائی جاتی تھی اور آپ پسند نہ کرتے تھے کہ کسی قسم کی بھی تحقیر انکی کیجاوے چنانچہ امام بخاری علیہ الرحمت نے یہ حدیث روایت کی ہے لایقل احدکم عبدی امتی ولیقل فتای وفتاتی وغلامی۔ چاہئے کہ تم یہ نہ کہو کہ اے میرے غلام یا اے میری لونڈی بلکہ یون کہو کہ اے میرے فتا یا اے میری فتاۃ یا اے میرے غلام (یہ لفظ ہر ایک جوانمرد اور جوان عورت پر بولے جاتے ہین۔ غلام کا لفظ بھی اسی طرح بولا جاتا ہے عربی مین غلام کا مفہوم عبد سے ادا ہوتا ہی) عبد اور امتہ کہنے سے اسلیے روکا کہ یہ الفاظ عموماً لونڈیون اور غلامون پر ہی بولے جاتے تھے اور وہ الفاظ جنکے بولنے کی ہدایت کی ہے وہ عام ہین۔ آزاد مردون اور عورتون پر بھی بولے جاتے ہین۔

اس کے بعد مین یہ بیان کرون گا کہ ان ہدایات پر عمل بھی کیا جاتا تھا یا نہین اور اگر کیا جاتا تھا تو کس حد تک۔ مگر قبل اسکے کہ مین عمل کی نظیرین پیش کرون ایک شبہ کا ازالہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اگر غلامونکو اسقدر حقوق دیئے گئے تھے اور انکی اسقدر رعایت ضروری تھی جیسا کہ حدیثونسے پتہ لگتا ہے تو پھر مالک اور مملوک مین فرق ہی کیا تھا اسکا جواب خود آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی حدیث مین موجود ہے اور یہ حدیث بھی صحیح بخاری مین مذکور ہے چنانچہ فرمایا۔ کلکم راع وکلکم مسئول عن رعیتہ فالامیر الذی علی الناس راع وہو مسئول عنہم والرجل راع علی اہل بیتہ وہو مسئول عنہم والمرأۃ راعیۃ علی بیت بعلہا وولدہ وھی مسئولۃ عنہم والعبد راع علی مال سیدہ وہو مسئول عنہ۔ یعنی تم مین سے ہر ایک حاکم ہے اور اس سے اپنی رعیت کے متعلق سوال کیا جاوے گا پس امیر لوگون پر حاکم ہے اور اس سے ان لوگون کے متعلق پوچھا جائیگا اور آدمی اپنے گھر کے لوگون پر حاکم ہے اور اس سے انکے متعلق پوچھا جائیگا۔ اور عورت اپنے خاوند کے گھر پر اور اس کی اولاد پر حاکم ہے اور اس سے انکے متعلق پوچھا جائیگا۔ اور غلام اپنے آقا کے مال پر حاکم ہے اور اس سے اسکے متعلق پوچھا جاوے گا۔ اس حدیث کے روسے ہر ایک شخص کے سپرد جدا جدا کام ہے اور ایک رنگ مین ایک شخص حاکم ہے اور دوسرے رنگ مین وہی محکوم ہے۔ اسلام ایسی مساوات کی تعلیم نہین دیتا جس سے چھوٹون بڑون کا امتیاز ہی اٹھ جاوے اور دنیا کے کاروبار بند ہو جاوین بلکہ ایک ایسی اخوت قایم کرتا ہے کہ

کام بھی سب کے الگ الگ رہیں اور سوسائیٹی میں بڑے بھی ہوں اور چھوٹے بھی مگر اسکے ساتھ ہی ان میں انسان اور بھائی بھائی ہونیکی حیثیت سے ایک مساوات بھی ہو۔ نہ ہی کام مقرر کرنیسے اسلام کی پاک تعلیم کا یہ منشاء ہے کہ آقا غلام کے کام کو ذلیل سمجھکر اسے ہاتھ نہ لگاوے اور آقا کا کام غلام کی عزت سے بڑھکر سمجھا جاوے بلکہ یہ بھی حکم ہے کہ ضرورت کے وقت آقا غلام کے کام میں اسکی مدد کرے اور جو فوائد آقا اٹھاتا ہے غلام کو انسے محروم نہ رکھا جاوے ہاں آقا کو یہ چاہئیے کہ وہ اپنے غلام سے نیکی اور احسان کرے اور غلام کا فرض ہے کہ وہ اپنے آقا کی سچے دل سے فرمانبرداری کرے وہ اپنے اپنے مفوضہ کاموں کو بجالاویں۔ باقی امور میں وہ مساوی ہیں۔

اب میں چند مثالیں بیان کرتا ہوں۔ ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم نہ صرف معلم ہی تھے بلکہ ہر بات میں خود ایک پاک نمونہ بھی تھے یہی وجہ تھی کہ آپکی تعلیم کا وہ زبردست اثر آپکے صحابہ اور مسلمانوں پر ہوا۔ یہ جو آپنے فرمایا تھا کہ میرے دوست جبرائیل نے یہانتک غلاموں کے ساتھ مجھے حسن سلوک کی تاکید کی ہے کہ میرا گمان ہوا کہ غلام بنانا ہی نہ چاہئیے یہ واقعی آپکے دل کی سچی خواہش اور تڑپ تھی۔ اور یہی آپکی غلاموں کے ساتھ نیکی کی تعلیم کا اصل مقصد تھا اور آپ تدریجاً دنیا کو اسیطرف مائل کر رہے تھے۔ چنانچہ ان سب باتوں کا ثبوت آپکے اپنے عمل سے ملتا ہے کہ آپنے کبھی کوئی غلام نہیں رکھا بلکہ جونہی کبھی کوئی غلام آپکے ملک میں آیا تو آپنے اسے فوراً آزاد کر دیا۔ اس سے زیادہ واضح ثبوت آپکی دلی خواہش کا اور کیا ملسکتا ہے۔ مگر اس مضمون پر یہ بحث کا موقعہ نہیں۔ غلام تو آپ سب آزاد کرتے رہے ہاں آپ کے خادم تھے اور چودہ یا پندرہ آدمیوں کے نام لیے گئے ہیں جنہوں نے وقتاً فوقتاً آپ کی خدمت کا شرف حاصل کیا۔ علاوہ انکے آپکے صحابہ اور متبعین میں سے ہر ایک شخص اسے اپنے لیے باعث فخر و عزت سمجھتا کہ کوئی کام آپ اسے فرمائیں۔ پھر آپکی پوزیشن دنیاوی لحاظ سے بھی اعلے درجہ کی تھی۔ مدینہ میں آپ گویا ایک چھوٹی سی جمہوری سلطنت کے اعلیٰ افسر تھے اور پھر بعد میں آپ کل عرب کے شہنشاہ ہوگئے۔ مگر باوجود ان سب باتوں کے آپ خود اپنے کپڑے مرمت کر لیتے۔ بکریوں کو دوہ لیتے اور اپنی بیویوں کو گھر کے کام کاج میں مدد دیتے تھے۔ جب کھانا کھانے بیٹھتے تو آپ ایک خادم کی طرح بیٹھتے۔ اور دوسروں کا کام کرنیکے لیے ہمیشہ اٹھنے کو تیار رہتے سوار ہوتے تو کسی اور کو اپنے پیچھے بٹھا لیتے۔ حضرت انس نے آپکے خادموں کے ساتھ نیکی کے کئی واقعات بیان کیے ہیں۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ میں دس سال تک آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کیخدمت کرتا رہا اس عرصہ میں کبھی آپنے مجھکو اف تک نہیں کہا۔ جب مینے کوئی کام کیا تو مجھے یہ نہیں کہا کہ یہ کام تمنے کیوں کیا اور اگر کوئی کام نہیں کیا تو یہ نہیں کہا کہ یہ کیوں نہیں کیا۔ اور آپکا سلوک تمام دنیا سے بڑھکر اچھا تھا۔ حضرت عایشہ رضی اللہ تعالے عنہا فرماتی ہیں کہ آنحضرت صلعم نے کبھی کسی خادم کو یا کسی عورت کو نہیں مارا +

آپکے صادق محب اور مخلص بھی آپکے نقش قدم پر ہی چلتے تھے ایکدفعہ کا ذکر ہے کہ آپنے اسیران جنگ مین سے ایک اسیر ایک صحابی ابوالہیثم رضی اللہ تعالے عنہ کو بطور غلام کے دیا اور اسے نصیحت کی کہ اس سے نیک سلوک کرے۔ ابوالہیثم اس غلام کو لیکر گھر گیا اور اپنی بی بی کو کہا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے مجھے یہ غلام دیا ہے اور ساتھ یہ وصیت کی ہے کہ اس سے حسن سلوک کرنا۔ بی بی نے کہا کہ اس نصیحت پر تم پورا عمل کیونکر کر سکتے ہو سوائے اسکے کہ غلام کو آزاد کر دو۔ چنانچہ ابوالہیثم نے وہ غلام اسیوقت آزاد کر دیا۔

زنباع نے اپنے ایک غلام کو ایک لونڈی کے ساتھ پایا اور اسکا ناک کاٹ ڈالا غلام آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس گیا آپنے پوچھا کہ کسنے تیرا یہ حال کیا ہے غلام نے کہا زنباع نے۔ چنانچہ اسیوقت زنباع کو طلب کیا گیا اسنے جو دیکھا تھا بیان کیا۔ آنحضرت نے غلام کو فرمایا کہ جا تو آزاد ہے پھر غلام نے کہا یا رسول اللہ مین کس کا مولی کہلاؤنگا۔ (یعنی میرا معاون اور مددگار کون ہوگا) آپنے فرمایا خدا اور اسکے رسول کا مولی۔ چنانچہ اسی وعدے کے مطابق آپ جبتک جیتے رہے اسکی مدد کرتے رہے آپکی وفات کے بعد وہ حضرت ابوبکر کے پاس آیا اور وہ واقعہ آپکو یاد دلایا اسپر حضرت ابوبکر رض نے اسکے اور اسکے عیال کیلیے گذارہ مقرر کر دیا۔ حضرت ابوبکر رض کی وفات کے بعد وہ حضرت عمر رض کے پاس حاضر ہوا آپنے پوچھا تو کہان جانا چاہتا ہے عرض کیا مصر مین اسپر حضرت عمر نے حاکم مصر کے نام حکم لکھدیا کہ اسکو اسکے گذارہ کیلیے زمین دیدو۔ سبحان اللہ کیسا پاک وعدہ تھا اور کیسا پاک ایفا اسکا ہوا +

ابو مسعود انصاری رضی اللہ تعالے عنہ فرماتے ہین کہ مین ایکدفعہ اپنے غلام کو مار رہا تھا کہ ناگہان مینے اپنے پیچھے سے یہ آواز سنی۔ ابو مسعود یاد رکھو کہ جسقدر طاقتور حاکم تم اسپر ہو اس سے زیادہ طاقتور حاکم خدا تمپر ہے۔ ابو مسعود فرماتے ہین جب مینے پیچھے پھر کر دیکھا تو آنحضرت صلعم تھے مینے عرض کیا یا رسول اللہ مینے اسیوقت اسکو خدا کیلیے آزاد کر دیا آپنے فرمایا اگر تم اسے آزاد نکرتے تو تم آگ مین پڑتے +

حضرت ابوہریرہ رض کے متعلق روایت ہے کہ آپنے ایکدفعہ دیکھا کہ ایک آدمی سوار ہے اور اس کا غلام اسکے پیچھے پیچھے بھاگ رہا ہے آپنے فرمایا اسے اپنے پیچھے بٹھا لو کیونکہ یہ تمہارا بھائی ہے اور اس کی روح بھی تمہاری روح کی طرح ہے۔

معرور کہتے ہین مینے ابوذر رض کو دیکھا کہ ایک نیا عمدہ لباس پہنا ہوا ہے اور آپکے غلام نے بھی ویسا ہی نیا اور عمدہ لباس پہنا ہوا ہے۔ مینے پوچھا تو فرمایا کہ ایک دفعہ مینے ایک آدمی (اس سے مراد آپکا غلام ہے) کو گالیان نکالین اسنے میری شکایت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس کی آپنے مجھے مخاطب کر کے فرمایا کہ تمنے اسکی مان پر عیب لگایا اور پھر فرمایا کہ تمہارے غلام اور نوکر چاکر تمہارے بھائی ہین پس جس شخص کا بھائی

اسکے ہاتھ کے نیچے ہو اسے چاہیئے کہ اپنے کھانے میں سے اسے کھلاوے اور اپنے لباس سے کپڑا پہناوے۔ تم اپنے غلاموں کو ایسا کام نہ دو جو انکی طاقت سے زیادہ ہو اور اگر دو تو پھر اسکے کرنے مین خود مدد دو۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ پیارا قول نقل کیا گیا ہے کہ مین شرمندہ ہوتا ہون۔ جب مین ایسے آدمی کو غلام بنا کر رکھتا ہون جو کہتا ہے کہ اللہ میرا رب ہے۔

حضرت عثمان رضی اللہ تعالے عنہ کے متعلق روایت ہے کہ آپنے ایک غلام کی نافرمانی کیوجہ سے اسکے کان مروڑا۔ اور پھر اپنے فعل سے توبہ کی اور اسی غلام کو کہا کہ تو بھی اسی طرح میرا کان مروڑ۔ مگر اسنے انکار کیا۔ آپنے اصرار کیا تو اسنے آہستہ آہستہ کان مروڑنا شروع کیا آپنے کہا زور سے مروڑو کیونکہ مین قیامت کے دن کی سزا برداشت نہین کر سکتا۔ غلام نے جواب دیا اے میرے آقا جس دن سے تو ڈرتا ہے اسی دن سے مین بھی ڈرتا ہون۔

حضرت زین العابدین کا ذکر ہے کہ ایکدفعہ انکے ایک غلام نے بھیڑ کو پکڑتے ہوئے اسکی ایک ٹانگ توڑ دی انہون نے کہا کہ تو نے کیون ایسا کیا کہا آپکو غصہ دلانیکے لیے آپ نے فرمایا جس نے تجھے یہ تعلیم دی مین اسے غصہ دلاؤنگا۔ یعنی شیطان کو جا اور تو خدا کے لیے آزاد ہے۔

غلامون یا آزاد کردہ غلامونکو بڑے بڑے عہدے دیئے جاتے تھے اسامہ کو جو حضرت زید کے بیٹے تھے خود آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک فوج کا افسر بنایا۔ قبل اس کے کہ یہ فوج روانہ ہو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہو گیا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالے عنہ کو لوگون نے کہا کہ آپ کسی اور بڑے آدمی کو افسر بنائین مگر آپ بہت ناراض ہوئے کہ جو کام میرے پیارے محبوب اور آقا نے کیا ہے مین اسے منسوخ کرون۔ جب فوج کی روانگی کا وقت آیا تو آپ اسامہ کے ساتھ ساتھ پیدل روانہ ہوئے اور وہ سوار تھے انہون نے عرض کی کہ اے خلیفہ رسول اللہ یا آپ بھی سوار ہو جاوین اور یا مجھے اجازت دین کہ مین بھی پیدل چلون مگر آپنے نہ مانا اور کچھ دیر تک نصیحت کرتے ہوئے اسی طرح ساتھ گئے۔ جب حضرت عمرو نے مصر کی فتح کا ارادہ کیا تو اول صلح کا پیغام دیکر ایک جماعت حاکم مصر کے پاس بھیجی جسکا سردار عبادہ رض کو قرار دیا جو حبشی تھے اور حبشی اس زمانے مین بطور غلامونکے فروخت ہوتے تھے جب یہ جماعت حاکم مصر کے سامنے آئی تو اس نے کہا کہ اس حبشی کو باہر نکالدو۔ انہون نے کہا یہی تو ہمارا سردار ہے اور جو کچھ یہ کہیگا یا کریگا اسکے ہم پابند ہین۔ مقوقس حیران ہوا اور پوچھا تمنے ایک حبشی کو اپنا سردار کیونکر بنا لیا انہون نے کہا سرداری ہمارے درمیان قومیت یا رنگ پر نہین بلکہ فضیلت پر ہے سو یہ ہم سب مین سے افضل الرائے ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالے عنہ جیسے عظیم الشان بادشاہ کا جو سلوک اپنے غلامونسے تھا وہ ظاہر کرتا ہے

کہ غلامون کی ابتدائی اسلامی سوسائیٹی مین کیا حیثیت تھی اور وہ لوگ کس طرح پر اپنے پیارے نبی کے لفظون پر عمل کرتے تھے۔ جب حضرت ابو عبیدہ رضؓ نے بیت المقدس کا محاصرہ کیا اور شہر کے لوگ تنگ آگئے تو انہون نے اس شرط پر شہر حوالہ کر دینے کا وعدہ کیا کہ خود حضرت عمرؓ آکر شرایط صلح طے کرین۔ ابو عبیدہؓ نے امیر المومنین کو لکھا تو آپ فی الفور روانہ ہو گئے۔ آپکے ساتھ آپکا غلام بھی تھا مگر سواری کیلیے اونٹ صرف ایک ہی تھا اسلیئے خلیفہ اور غلام باری باری اسپر چڑھتے اور جس کی باری نہ ہوتی وہ پیدل ہمراہ دوڑتا۔ جب آپ ابو عبیدہ کے ڈیرے کے قریب پہنچے تو اتفاقاً غلام کی باری سواری کی آگئی۔ آپ اتر کھڑے ہوئے اور غلام کو سوار کیا اور آپ پیدل ہمراہ بھاگتے تھے اور تمام نظرین آپکی طرف لگی ہوئی تھین۔ ابو عبیدہ نے اس بات سے ڈر کر کہ امیر المومنین کو اس طرح پیدل بھاگتا ہوا دیکھ کر یروشلم کے اہالی پر برا اثر نہ ہو اور مبادا جنگ رخ پلٹ دے عرض کیا کہ تمام نظرین آپکی طرف لگی ہوئی ہین اس صورت مین یہ مناسب نہین کہ آپ کا غلام تو سوار ہو اور آپ نوکرونکی طرح ساتھ ساتھ بھاگین۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالے عنہ اس بات کو سن کر غضب مین آئے اور فرمایا کہ تجھ سے پہلے ایسا مجھے کسینے نہین کہا اور یہ تیری بات مسلمانون پر لعنت لانیوالی ہے ہم سب لوگونسے زیادہ ذلیل اور حقیر اور سب سے تھوڑے تھے خدانے اسلام کے ذریعے ہمین بڑائی اور عزت دی۔ اور اگر ہم ان راہون سے الگ چلکر عزت تلاش کرینگے جو راہین اسلام نے ہمین سکھائی ہین تو پھر خدا ہمین ذلیل کریگا جس سے آپ کا یہ مطلب تھا کہ اسلام نے تو یہ تعلیم دی ہے کہ تم اپنی عزت اسی مین سمجھو کہ اپنے غلامونکو اپنے برابر رکھو۔ اگر ہم اس مساوات مین اپنی ذلت سمجھنے لگین گے تو پھر خدا ہمین ذلیل کریگا کیونکہ اسکی بتائی ہوئی راہ کو ہم چھوڑینگے مین پوچھتا ہون کہ آیا آج بھی دنیا مین کوئی ایسا فاتح موجود ہے۔ یا کوئی چھوٹی سی چھوٹی ریاست کا حکمران ایسا موجود ہے یا کوئی شخص جو کسی بڑے عہدے پر ممتاز ہوا ایسا ہے کہ وہ اخلاقی جرات دکھا سکے جو حضرت عمر نے دکھائی یا نیک سلوک کا وہ نمونہ دکھا سکے جو ایک بڑے شہنشاہ نے دکھایا۔ کیا حضرت عمر اس امر سے ناواقف تھے کہ ایک نئے فتح ہوئے ہوئے ملک پر رعب کا قایم رکھنا کسقدر ضروری ہے۔ نہین وہ خوب سمجھتے تھے بلکہ جیسا وہ ان معاملات کو سمجھتے تھے ایسا کوئی نہ سمجھتا تھا۔ مگر اسلام کے احکام کی سچی عظمت انکے دل مین تھی وہ صدق دل سے جانتے تھے کہ ہر ایک عزت اور شوکت انہین راہونپر چلنے سے ملے گی اور اگر پچھلے زمانے مین مسلمانون نے غلامون اور نوکرونکے ساتھ اس طریق برتاؤ کو چھوڑ دیا تو یہ وہی بات ہے جو حضرت عمر نے کہی تھی انہون نے اسلامی راہون کو چھوڑ کر اور راہونسے عزت تلاش کی پس وہ عزت کو کھو بیٹھے۔ اب بھی جو مسلمان غیر مسلمان اقوام کے نقش قدم پر چلکر دنیا مین معزز بننا چاہتے ہین اور اسلام کی راہونکو حقارت کی نگاہ سے دیکھتے ہین انہین یہی بات یاد رکھنی چاہیئے ✦

مگر باوجود ان غلطیونکے جن مین مسلمان پڑ گئے ہین اور مرور زمانہ سے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی تعلیم سے دور جا پڑے ہین یہ امر قابل غور ہے کہ آپکی نیک تعلیم ایسی انکے خونونکے اندر رچ گئی یا یون کہو کہ آپ کی قوت قدسی ایسی اپنر غالب آئی کہ اب بھی مسلمانون کا سلوک اپنے نوکرون اور غلامون سے غیر اقوام کے سلوک کی نسبت بدرجہا بہتر ہے اور یہ تشکر کا مقام ہے کہ ہمین اس کا ثبوت دینے کی کوئی ضرورت نہین خود عیسائیون نے اسکو تسلیم کر لیا ہے۔ لین الف لیلہ کے انگریزی ترجمہ کے نوٹون مین لکھتا ہے اور یہ وہ شخص ہے جو مدتون مصر مین رہا اور مسلمانون کے حالات کو غور کی نظر سے دیکھتا رہا وہ کہتا ہے کہ مسلمانون مین غلامون کے ساتھ عموماً نیک سلوک کیا جاتا ہے دوسرے ممالک کی نسبت وہ لکھتا ہے کہ جن سیاحون نے دوسرے اسلامی ممالک مین سفر کیا ہے ان کی شہادت مسلمانون کی اپنے غلامونکے ساتھ حسن سلوک کے متعلق بہت ہی قابل اطمینان ہے اور پھر لکھتا ہے کہ قرآن شریف اور احادیث مین جو ہدایتین غلامونکے ساتھ حسن سلوک کے متعلق ہین عموماً ان سب پر یا انکے زیادہ حصہ پر مسلمان لوگ عمل کرتے ہین جس سے صاف معلوم ہوتا ہے۔ کہ اسلام کی تعلیم غلامونسے حسن سلوک کے متعلق عیسائیونکے گال کے طمانچہ کی تعلیم کیطرح نہین کہ سراہنے سراہتے ہزار ہا کاغذ سیاہ کر دین اور جب عمل دیکھین تو ایک بھی عامل دنیا مین نظر نہ آئے۔ یہ تو ایک غیر متعصب عیسائی ہے مگر پادری ہیو کو بھی یہ امر تسلیم کرنا پڑا ہے جیسا کہ وہ لکھتا ہے کہ "مسلمان ممالک مین غلامونکے ساتھ سلوک بہت اچھا ہے۔ بمقابلہ اس سلوک کے جو امریکہ مین کیا جاتا ہے جہان غلامی کا رواج عیسائی اقوام کے نیچے رہا"

مگر پادری صاحب پیرون کو کیون ملزم کرتے ہین جب انکے مرشد کی تعلیم مین ایک لفظ بھی غلامونکے ساتھ حسن سلوک کے متعلق نہین پایا جاتا۔ ایسا ہی انسکلوپیڈیا ببلکا مین ایک عیسائی مضمون نویس مسلمانون کے درمیان غلامی کے رواج پر لکھتا ہوا کہتا ہے "مشرقی اسلامی ممالک کی غلامی عموماً کھیت مین مزدورونکی طرح کام کرنیکی غلامی نہین بلکہ گھر کے کاروبار کے متعلق ہے۔ غلام کو خاندان کے ایک ممبر کیطرح سمجھا جاتا ہے اور اسکے ساتھ محبت اور نرمی سے سلوک کیا جاتا ہے۔ قرآن شریف غلامونکے ساتھ نرمی اور مہربانی سے سلوک کرنیکی روح پھونکتا ہے اور غلام آزاد کرنیکی ترغیب دیتا ہے"

اب اس اسلامی تعلیم اور ان واقعات تفقیہی کو پیش کرنیکے بعد مین اپنے منصف مزاج ناظرین سے یہ سوال کرتا ہون کہ یہ غلامی جیسکے رواج کو ایک حد تک اسلام نے یک لخت روک نہین دیا کیا یہ ایسی غلامی ہے کہ اس لفظ کے معمولی مفہوم کے روسے جو دنیا مین سمجھا جاتا ہے اسکو غلامی کہہ سکین۔ نہین بلکہ جہانتک آجکل کے نوکرونکے ساتھ سلوک دیکھا جاتا ہے۔ مین سمجھتا ہون کہ اسوقت دنیا مین جس قدر لوگ خادم کے نام سے موسوم ہین وہ ایک اسلامی غلام پر رشک کرینگے اور اس خادمی کیحالت سے اُس غلامی کی

حالت کو بدرجہا بہتر سمجھینگے۔ غلامی کے عام مفہوم کے رو سے تو یہ کہنا بھی جایز نہین کہ ایک حد تک اسلام نے غلامی کی اجازت دی کیونکہ ہر ایک بدی جو اس سے پیدا ہوتی تھی اسلام کی تعلیم نے اس بدی کو جڑ سے کاٹ دیا۔ جو اپنے آقا کے برابر ہے اسکو غلام کیون کہا جائیگا۔ اور یہ مساوات اور خاندان کے ایک ممبر کیطرح ہونا صرف لفظ ہی لفظ نہ تھے۔ بلکہ عمل سے ہی یہ دونون باتین ظاہر ہوتی تھین۔ جو کھانا آقا کھائے وہی غلام کھائے جو لباس مالک پہنے وہی مملوک پہنے جہان وہ رہے اسی جگہ غلام بھی رہے۔ طاقت سے زیادہ کام نہ دینا کبھی سختی سے اسے مخاطب نہ کرنا اور نہ ہی مارنا۔ اس سے بڑھکر کونسی اصلاح کی دنیا خواہشمند ہو سکتی تھی یہ زمانہ لفظ پرست ہے اور بجائے مغز کے چھلکے پر خوش ہو جاتا ہے۔ نام کو تو غلامی موقوف کر دیگئی مگر افسوس ہے کہ غلامی کی حقیقت ابھی تک مہذب ممالک مین اسی طرح موجود ہے۔ عنقریب دنیا دیکھ لیگی کہ جبتک خادمون کے ساتھ وہ رفق اور نیکی کا طریق نہ برتا جائیگا جسکی تعلیم تیرہ سو سال ہوئے ایک انسانونکے سچے ہمدرد اور خدا کے برگزیدون مین سے سب سے بڑے برگزیدہ نے دی تھی تب تک غلامونکی موقوفی لفظی موقوفی ہے اور حقیقتاً اس سے وہ اصلاح نہین ہوئی جو دنیا کی اخلاقی ترقی کے لیے ضروری ہے۔ اسلام کی تعلیم ہی وہ عملی تعلیم ہے جس پر دنیا چل سکتی ہے۔ اور جسپر چلکر انسان انسانونکے لیے مفید اور خدا کا سچا بندہ بن سکتا ہے + (باقی آیندہ)

اسلام (۲)

بجواب پادری سیلؔ

یہ عجیب بات ہے کہ سیل جیسا مشہور پادری اسلام کا مشہور دشمن قرآن کریم سے اسقدر بیخبر ہو حالانکہ خود آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے حالات لکھتے وقت اس بات کا اعتراف بھی کرتا ہے کہ "آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی سب سے عمدہ سوانح عمری قرآن شریف ہے"۔ اسی بات کو میور نے بھی اپنی کتاب مین تسلیم کیا ہے کہ آنحضرت کے واقعات زندگی کی کنجی قرآن شریف ہی ہے۔ مگر اگر یہ لوگ قرآن کریم کو کچھ بھی تدبر سے اور

تعصب سے الگ ہوکر پڑھتے تو ایسے بیجا اعتراض انکی قلموں سے کبھی نہ نکلتے۔ مثلاً سیلؔ صاحب مسلمان مورخین کو اس بات کا الزام دیتے ہین کہ انہون نے یونہی اس پاک تبدیلی کی عظمت کو بڑھانیکے لیے جو آپ کے وجود مقدس کے ذریعہ سے عرب مین ہوئی زمانہ قبل بعثت آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا نام ایام جاہلیت رکھدیا ہے۔ اس بے سمجھ کو اتنی خبر نہین کہ یہ خیال مسلمان مورخین کو نہین سوجھا بلکہ یہ تو وہ دعوے ہے جو قرآن شریف نے نہایت پر زور الفاظ مین کیا ہے۔ یعنی یہ کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اسوقت تشریف لائے جب عرب پر سخت جہالت کی تاریکی چھائی ہوئی تھی اور پھر اسوقت اس دنیا سے اللہ تعالے کیطرف اٹھائے گئے جب ایک کامل اور لانظیر تبدیلی ظہور مین آچکی تھی۔ اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی سچائی کی اس دلیل پر خدا کے پاک کلام نے بہت زور دیا ہے اور اس بات کو بار بار بیان کیا ہے کہ آپ کے آنیسے پہلے عرب سخت جہالت اور تاریکی اور غلطیون اور مردگی کی حالت مین پڑے ہوئے تھے چنانچہ قرآن شریف مین بکثرت ایسی آیات موجود ہین جن مین کفار عرب کو جاہل وغیرہ کے نام سے موسوم کیا گیا ہے اور اس سے بھی بڑھکر یہ کہ جس بات سے سیلؔ انکار کرتا ہے اسکو خود قرآن شریف نے ایک دفعہ نہ دو دفعہ بلکہ کم ازکم تین دفعہ بیان فرمایا ہے۔ یعنی زمانہ قبل بعثت نبوی کا نام ایام جاہلیت رکھا ہے چنانچہ سورہ مائدہ کے ساتوین رکوع مین فرماتا ہے۔ افحکم الجاہلیۃ یبغون۔ یعنی کیا یہ لوگ اسوقت مین زمانہ جاہلیت کا حکم چاہتے ہین۔ پھر سورہ احزاب رکوع ۴ مین آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کو مخاطب کرکے فرماتا ہے۔ ولاتبرجن تبرج الجاہلیۃ الاولی۔ یعنی اگلے زمانہ جاہلیت کے بناؤ سنگار دکھاتی نہ پھرو۔ پھر سورہ فتح رکوع ۳ مین فرماتا ہے۔ اذ جعل الذین کفروا فی قلوبہم الحمیۃ حمیۃ الجاہلیۃ۔ یعنی جب کافرون نے اپنے دلون مین ضد ٹھان لی اور ضد بھی ایام جاہلیت کی سی ضد۔ پس ان تمام موقعون سے بصراحت تمام تر یہ ثابت ہے کہ زمانہ قبل بعثت آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا نام خود قرآن شریف نے ہی ایام جاہلیت رکھا ہے انکے علاوہ دوسری آیات قرآن شریف سے ثابت ہے کہ کس طرح کفار کو انکی غلطیون اور جہالتون اور فاسد عقیدون اور بدکاریونکے سبب سے قرآن کریم نے ملزم کیا ہے چنانچہ سورہ جمعہ کے ابتدا مین اللہ تعالے مومنو پر اپنے احسان جتاتا ہوا یون بیان فرماتا ہے۔ ہوالذی بعث فی الامیین رسولا منہم یتلوا علیہم ایٰتہ ویزکیہم ویعلمہم الکتٰب والحکمۃ وان کانوا من قبل لفی ضلٰل مبین۔ ترجمہ "وہی خدا ہے جسنے (عرب کے) جاہلون مین انہی مین سے رسول بناکر بھیجا کہ وہ انکو خدا کی آئتین پڑھ پڑھ کر سناتے اور انکو (ہر ایک قسم کی گندگی اور آلایش سی) پاک کرتے اور انکو کتاب (الہی) پڑھاتے اور حکمت کی باتین سکھاتے۔ ورنہ اس سے پہلے تو یہ لوگ صریح غلطیون اور گمراہی مین مبتلا تھے" مشرکین عرب کی یہ حالت بیان فرماکر پھر آگے اہل کتاب کی حالت یون بیان فرمائی ہے۔ مثل الذین حملوا التوراۃ ثم لم یحملوہا کمثل الحمار یحمل اسفاراً۔ یعنے جن لوگو نپر تورات لادی گئی۔ پھر

انہون نے اسکو نہ اٹھایا یعنی اسپر کاربند نہ ہوئے انکی مثال گدھے کی مثال ہے جسپر کتابین لدی ہین"۔ عیسائی بھی اس سے باہر نہین کیونکہ توراۃ کی اشاعت تو وہ یہودیونسے بدرجہا بڑھکر کرتے ہین مگر عمل اسکے ایک لفظ پر بھی نہین حالانکہ یہود کچھ تو عمل کرتے ہین۔ اسی آیت سے اسوقت کے اہل کتاب کیحالت ظاہر ہوتی ہے۔ پھر بہت سی اور آیات مین عرب کی پہلی حالت کو چارپایونکی حالت سے مشابہت دیگئی ہے جیساکہ سورہ الاعراف رکوع ۲۲ مین اولئک کالانعام بل ہم اضل۔ یعنی یہ لوگ چارپایونکی مثل ہین بلکہ انسے بھی گئے گذرے ہوئے۔ اور سورہ فرقان رکوع ۴ مین۔ ان ہم الا کالانعام بل ہم اضل سبیلا۔ جسکے معنے وہی ہین جو اوپر کی آیت کے مذکور ہوئے۔ اگر قرآن شریف عرب کی اس وحشیانہ حالت کو بیان نہ فرماتا اور مسلمان مورخین خود اپنی طرف سے یہ باتین لکھدیتے تو انکی صحت بھی بیشک بغیر قوی دلایل کے قبول کرنیکے لایق نہ ہوتی۔ مگر قرآنشریف نے یہ باتین ان لوگونکے مُنہ پر کہین۔ جنکی حالت کو بیان کیا ہے اور انکی اشاعت اسیوقت مین عام طور پر ہوچکی تھی۔ اگرچہ آج ان مشرکین کے وکیل سیل صاحب انکی طرف سے یہ جواب دیتے ہین کہ عرب دراصل جاہل اور وحشی نہ تھے۔ مگر خود ان ملزمون نے قرآنشریف کے بار بار کے دعونکے جواب مین کبھی یہ بیان نہین دیا۔ انکا جواب صرف یہی تھا جو قرآن شریف نے صحیح طور پر بیان بھی کردیا ہے۔ نتبع ما الفینا علیہ اباءنا۔ کہ ہم تو اسیطریق پر چلتے ہین جسپر چلتے ہوئے ہمنے اپنے بڑونکو دیکھا ہے جسکے ساتھ ہی انکو انکی غلطی پر متنبہ کرنیکے لیے یہ بھی بیان فرمادیا گیا ہے ؎ اولو کان اباءہم لایعقلون شیئاً ولا یہتدون۔ یعنی اگرچہ انکے بڑے بالکل جاہل تھے اور راہ راست پر نہ چلتے تھے قرآنشریف نہ صرف عرب کی حالت کو ہی ایسی گری ہوئی بیان کرتا ہے بلکہ اسکا دعوے یہ ہے کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے کل زمین ہی مردہ ہوچکی تھی۔ اور روئے زمین کی تمام قومین بگڑ چکی تھین۔ چنانچہ فرماتا ہے۔ اعلموا ان اللہ یحیی الارض بعد موتہا۔ جان لو کہ کل زمین مردہ ہوچکی تھی اور اب خدا اسے ازسرِنو زندہ کریگا۔ دوسری جگہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے پہلے زمانے کو رات سے مشابہت دیگئی ہے۔ اور آپ کے زمانیکو دن کہا گیا ہے۔ اسیوجہ سے کہ آپ سے پہلے جہالت کی سخت تاریکی دنیا پر چھائی ہوئی تھی اور آپکے آنیسے وہ ظلمت دور ہوگئی۔ اور نور کا غلبہ ہوگیا۔ پھر ایک جگہ یہ بھی فرماتا ہے کہ ظہر الفساد فی البر والبحر۔ یعنی روئے زمین پر ایک عام فساد پھیل گیا۔ کیا خشکی مین اور کیا سمندر مین۔ ان تمام آیات سے کھلا کھلا ثبوت ملتا ہے کہ قرآنشریف نے ابتدا مین ہی یہ دعوے کیا تھا کہ میرا نازل ہونا ایک ایسے وقت مین ہے جب چارونطرف بدکاری اور جہالت کی گھنگھور گھٹائین چھا گئی ہین۔ اور نہ صرف قرآن کریم مین اسکا مذکور ہونا اسکی صحت پر دلالت کرتا ہے بلکہ تاریخ بھی اسپر شاہد ہے۔ بعض عیسائی صاحبان کا یہ عذر ہے کہ بیشک دنیا کی حالت تو ایسی ہی ابتر تھی مگر عیسائی مذہب اس سے مستثنی تھا۔ یہ خود انکی اپنی ناواقفیت ہے۔ عیسائی مذہب مین فساد اور بدکاری دوسری

صدی عیسائی سے ہی شروع ہوگئی تھی اور پھر جون جون کلیسیا کی ظاہری شان وشوکت بڑھتی گئی اسکی اندرونی پاکیزگی گھٹتی گئی یہانتک کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت اسکی حالت پورے طور پر خراب ہو چکی تھی۔ اس سے بہت مدت پہلے عیسائیت کیحالت یہ تھی کہ اسکے اپنے فرقے ایکدوسرے کے خلاف اس سے زیادہ تندی اور وحشیانہ جوش دکھاتے تھے جیساکہ ایک وحشی انسان کے بالمقابل دکھاتا ہے اور ایک بشپ لکھتا ہے کہ اندرونی فسادونکے سبب سے آسمانی سلطنت پوری ابتری بلکہ عین دوزخ کا نمونہ ہو رہی تھی۔

پس آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اسوقت تشریف لائے جب دنیا ایک مصلح کی سخت محتاج تھی یہ آپکی صداقت پر ایک بڑی بھاری دلیل ہے اور قرآن شریف نے بھی اسکو مذکور فرمایا ہے۔ چنانچہ سورہ ال عمران کے ابتدا مین ہی فرماتا ہے۔ الم اللہ لا الہ الا ہو الحی القیوم نزل علیک الکتب بالحق۔ یعنی اللہ وہ خدا ہے جسکے سوا کوئی معبود نہین وہ خود زندہ اور اسکے وجود سے ہر ایک شے زندہ ہے وہ اپنی ذات مین بغیر کسی دوسرے کے سہارے کے قایم اور اس سے ہر ایک شے قایم ہے اسنے تجھ پر حق اور ضرورت حقہ کے ساتھ یہ کتاب اتاری ہے ایسا ہی دوسری جگہ فرمایا۔ وبالحق انزلناہ وبالحق نزل ہمنے حق کے ساتھ اس کتاب کو اتارا۔ اور ضرورت حقہ کیوقت وہ نازل ہوئی ہے۔ درحقیقت جو ضرورت مصلح کی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی بعثت کیوقت دنیا کو تھی ایسی ضرورت کسی نبی کیوقت مین نہین تھی اور یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم نے اس دلیل کو بار بار بیان فرمایا ہے۔ مین پوچھتا ہون کہ کیا حضرت مسیح علیہ السلام کیوقت مین ایسی ضرورت تھی؟ مین امید کرتا ہون کہ سیل صاحب صفائی سے اسکا جواب دینگے۔ حضرت مسیح رومی سلطنت مین پیدا ہوئے اور مین اس بات کا انصاف پادریصاحب پر ہی چھوڑتا ہون کہ آیا تہذیب اور روشنی اسوقت کی رومی سلطنت مین زیادہ تھی یا ایام جاہلیت کی عرب مین کیونکہ انکی اپنی بحث کا نتیجہ یہ ہے کہ جسقدر کوئی قوم زیادہ مہذب اور ترقی یافتہ ہو اسیقدر اس مین مصلح کی ضرورت کم ہوتی ہے۔ پادریصاحب عرب کی تمدنی اخلاقی اور ملکی حالت کا مقابلہ رومی سلطنت سے کرین اور ایک سچائی سے پیار کرنیوالے کی طرح صفائی سے حق کا کھلا کھلا اظہار کرین کہ دونون ملکون مین سے کس مین مصلح کیضرورت زیادہ تھی۔ اسلام پر قلم فرسائی کرتے ہوئے پادریصاحب نے یہودی مذہب کے عرب پر نیک اثر کا بہت کچھ ذکر کیا ہے مگر میرا سوال یہ ہے کہ یہ نیک اثر والا مذہب وہی یہودی مذہب تھا جسکی اصلاح کیلئے حضرت مسیح مبعوث ہوئے تھے اور آخر اسکی اصلاح سے ہاتھ دھوکر کسی اور طرف روانہ ہوئے جسے ہم کشمیر کہتے ہین تم چاہو تو آسمان کہہ لو۔ کسقدر حیرت اور تعجب کا مقام ہے کہ پادریصاحب ایکطرف تو یہ کہین اور اسی پر انکے ایمان کا دارومدار ہو کہ یہودی مذہب حضرت مسیح کی پیدایش کے وقت بگڑ چکا ہوا تھا اور دوسری طرف یہ دعوی

کرین کہ یہ بگڑا ہوا مذہب چھ سو سال اور بگڑنے اور حضرت مسیح کی اصلاح کو رد کرنیکے بعد بھی عرب پر نیک اثر ڈال رہا تھا۔ مجھے تعجب اس بات سے آتا ہے کہ پادری صاحب کا دل کس طرح مطمئن ہوا کہ اسلام کی دشمنی کیخاطر ایک ایسا کلمہ منہ سے نکالین جو انکے اپنے عقیدہ اور مذہب کی جڑ کاٹتا ہے اور جسکو وہ یقیناً جھوٹا سمجھتے ہین اگر اپنے مذہب کو سچا سمجھتے ہون۔ کیا انکا وہی ایمان ہے جو قدیم عیسائیونکا تھا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر الزام قایم کرنیکے لیے جو جھوٹ گھڑ لیا جاوے درست ہے اور پھر یہ لوگ یہ بھی دعوے کرتے ہین کہ ہم نیکی اور راستی کے معلم ہین!

اس سے کسی کو انکار نہین ہو سکتا کہ یہودی کیا تمدن کے لحاظ سے اور کیا اخلاقی پہلو سے ایام جاہلیت کے عرب سے بدرجہا بہتر تھے۔ پھر اس غلط بیانی سے کیا حاصل ہو سکتا ہے کہ عرب بھی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے ایک مہذب ملک تھا۔ کیونکہ بہرحال یہ تو ماننا جائیگا کہ جن لوگونکے درمیان حضرت مسیح پیدا ہوئے وہ عرب سے زیادہ مہذب تھے۔ پس اگر عرب کے مہذب ہونیسے آنحضرت کی نبوت پر حملہ کرنا مقصود ہے تو یہودیونکے تہذیب یافتہ ہونیکا واقعہ جس سے کسیکو انکار کی گنجایش ہی نہین یسوع کی مسیحیت کو جڑ سے کاٹتا ہے۔ جس آدمی کو کچھ بھی انصاف اور راستی کا پاس ہو وہ دیکھ سکتا ہے کہ دونون صورتونمین ایک ہی اصول کی پابندی چاہئیے۔ اگر کسی ملک کے مہذب ہونیسے ہی ایک نبی کی نبوت کا دعوے غلط ہو سکتا ہے تو پہلے حضرت مسیح کے منجانب اللہ ہونیسے عیسائیونکو انکار کرنا چاہیئے۔ یہودیونکو جنکی طرف مسیح علیہ السلام آئے تھے۔ حضرت مسیح نے کوئی نئی تمدنی یا اخلاقی تعلیم نہین دی بلکہ جسقدر انکی تعلیم تھی اس سب کا ماخذ یہودیونکی کتابین ہی ہین۔

مگر جو فرق ان دو قومونکی حالت مین دکھایا گیا ہے اس سے نہایت مفید نتایج پیدا ہوتے ہین جس قوم کیطرف آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے وہ مدت دراز سے بت پرستی اور دوسری چیزونکی پرستش مین ایسی غرق شدہ تھی کہ کوئی انسانی طاقت انکو اس بت پرستی سے باہر نہ نکال سکتی تھی۔ اور یہودیون اور عیسائیونکی تمام کوششین ناکام ثابت ہوئی تھین ان کے تمدنی اور اخلاقی قوانین اگر کچھ تھے۔ تو بالکل وحشیانہ اور وہ پرلے درجہ کی بدکاریون اور فسق و فجور مین گرفتار تھے انکی اصلاح سے تمام انسانی طاقتین مایوس ہو چکی تھین انکے بالمقابل حضرت مسیح کے مخاطب یہودی تھے جنکا اگر عربونکی حالت سے مقابلہ کیا جائے تو یہی کہنا چاہئیے کہ انکو کسی اصلاح کی ضرورت ہی نہ تھی۔ ملکی حالت انکی بیشک کمزور تھی۔ اور وہ ایک دوسری سلطنت کے ماتحت تھے مگر حضرت مسیح انکی گردنون کو دوسری حکومت کے جوئے سے آزاد کرانے نہ آئے تھے۔ اگرچہ ابتدا مین معلوم ہوتا ہے کہ انکے دل مین ایسا خیال پیدا ہوا تھا۔ خدا کے سوا وہ لوگ

کسی کی پرستش نہ کرتے تھے اور نہ صرف خود ہی توحید پر ایمان لاتے تھے بلکہ اپنی گرد و پیش کی قوموں کو بھی خدا کی توحید کیطرف بلاتے تھے۔ یہی مسئلہ توحید ہی تھا جسکے سبب سے وہ دوسری تمام قوموں پر ممتاز تھے پھر انکے پاس اس زمانہ کی ضرورت کے مطابق شریعت بھی موجود تھی اور لکھی ہوئی موجود تھی ان مین تعلیم دینے والے وہ لوگ موجود تھے جنکے متعلق خود حضرت مسیح نے اقرار کیا کہ فقیہ اور فریسی موسی کی گدی پر بیٹھے ہین۔ اب اگر اس قوم کیحالت کا موازنہ ایام جاہلیت کے عربونسے کیا جاوے تو یہی کہنا پڑیگا کہ ضرورت زمانہ کے لحاظ سے یہودیون کے تمدنی اور اخلاقی قانون بالکل مکمل تھے۔

یہ تو ان دونون نبیونکی ضرورت مین فرق ہے اب اس تبدیلی پر بھی غور کرو جو انہون نے دنیا مین کرکے دکھائی۔ یہ دوسری دلیل ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی صداقت پر ہے۔ عرب کی بت پرستی جو انکی خونون مین رچی ہوئی تھی جڑ سے کٹ گئی اور اسکی بجائے خدائے واحد کی پرستش قایم ہوگئی پہلی وحشیانہ اور کمینہ خصلتین سب نیکیونسے تبدیل ہوگئین۔ جن پاکیزہ اور خوبصورت اور پرمعنی الفاظ مین قرآن کریم نے اس حیرت انگیز تبدیلی کو بیان کیا ہے دوسرا کوئی نہین کر سکتا۔ پہلے اس کتاب پاک نے انکی وہ حالت بیان کی ہے جب وہ محض بہایم کی طرح تھے جسکے متعلق چند آیات پہلے نقل کیجا چکی ہین۔ بڑا لمبا عرصہ نہین گذرتا بلکہ تئیس سال مین ہی وہ کل کا کل نقشہ ایسا بدل جاتا ہے کہ کوئی نہین کہہ سکتا کہ یہ نئی قوم اسی جاہل اور خونریز قوم سے بنی ہے۔ دشمنی اور تباغض کی آگ جو صدیونسے انمین جل رہی تھی اور جسکے شعلے ہزارون جانونکو کھا چکے تھے ایسی بجھ گئی کہ اسکا نام و نشان بھی باقی نہ رہ گیا۔ جو قومین ہمیشہ ایکدوسرے سے جنگ کرتی رہی تھین وہ ایسی بھائی بھائی بن گئین کہ گویا کبھی ان مین دشمنی پیدا ہی نہ ہوئی تھی اور ایک ایسی وحدت کل قوم مین نظر آنے لگی کہ گویا اسکے اجزا پہلے کبھی الگ الگ ہوئے ہی نہین تھے۔ اس حیرت انگیز تبدیلی کو خدا کی پاک کتاب ان الفاظ مین بیان فرماتی ہے:۔ واذکروا نعمت اللہ علیکم اذ کنتم اعداء فالف بین قلوبکم فاصبحتم بنعمتہ اخوانا وکنتم علے شفا حفرۃ من النار فانقذکم منہا کذلک یبین اللہ لکم آیتہ لعلکم تہتدون۔ (آل عمران۔ رکوع ۱۱۔ آیت ۱۰۲) اور اللہ کا وہ احسان یاد کرو جب تم ایکدوسرے کے دشمن جانی تھے پھر اللہ نے تمہارے دلون مین الفت پیدا کی یہانتک کہ تم اسکے فضل سے بھائی بن گئے اور تم ایک آگ کے گڑھے کے کنارے پر تھے (جو تمہین سب کے سب کو بھسم کرجانیکو تیار تھی) پھر خدا نے ہی تمکو اس آگ سے بچایا۔ اسی طرح اللہ تعالے اپنی آیات کھول کھولکر تمہارے لیے بیان کرتا ہے تاکہ تم راہ راست پر آجاؤ + یہ حیرت انگیز اتحاد اور یگانگت عرب کی سرکش اقوام مین ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا ایک عظیم الشان معجزہ ہے اور دنیا کی تاریخ مین اس کی ایک بھی نظیر نہین ملتی۔

یہ اس عظیم الشان تبدیلی کا ایک پہلو تھا جو آپکے وجود مبارک سے ظہور پذیر ہوئی۔ مذہبی اور اعتقادی تبدیلی اس سے بھی زیادہ حیرت انگیز ہے وہ لوگ جو مدتو نسے نہ صرف بتون اور آسمان و زمین کی طاقتونکی پرستش کرتے چلے آتے تھے بلکہ جو حیوانون۔ درختون پتھرون اور ریت کے ڈھیرونکے سامنے بھی سربسجود ہو جاتے تھے۔ اور ان مین الہی طاقت کا ہونا مانتے تھے۔ ان سب بیہودگیون کو چھوڑ کر نہ صرف اللہ تعالی کی توحید پر ہی قایم ہوگئے بلکہ توحید اور صفات الہی کے ان باریک مراتب تک پہنچگئے جسکی نظیر دنیا کی کسی قوم مین نہین پائی جاتی۔ صرف بتونکی پرستش کو چھوڑ دینا ہی انکے نزدیک شرک سے بچنا نہ تھا بلکہ جبتک انہون نے اپنے نفس کی تمام خواہشات کو ترک نہ کر دیا اور ہر ایک طاقت کا سرچشمہ اللہ تعالی کی ذات کو ہی نہ سمجھ لیا تب تک انہون نے اپنے آپکو خدا کی توحید پر قایم نہین سمجھا۔ پھر ان کا یہ ایمان طرح طرحکی ابتلاؤن اور امتحانون سے آزمایا گیا مگر آزمایشونکی تندہواؤنکا ان پر کچھ اثر نہ ہوا۔ ان کی تعریف مین اللہ تعالے فرماتا ہے۔ ان الذین قالوا ربنا اللہ ثم استقاموا۔ یعنی ان کا ایمان صرف زبان کے اقرار تک ہی نہین رہا بلکہ جب وہ آزمایشونکی چکی مین پیسے گئے تو انہون نے بے نظیر استقامت دکھائی۔ وہی لوگ جو اپنے دیوتاؤنکو خدا کی بیٹیان کہا کرتے تھے اب دنیا مین خالص توحید کے معلم ہو گئے وہ کامل توحید جسکا نقشہ سورہ اخلاص مین کھینچا گیا ہے۔ قل ہو اللہ احد اللہ الصمد لم یلد ولم یولد ولم یکن لہ کفوا احد نیز اس آیۃ شریفہ مین جو آیۃ الکرسی کے نام سے موسوم ہے۔ اور دوسرے موقعونپر بھی۔

سب سے زیادہ حیرت انگیز بات اس تبدیلی مین جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے عرب مین کرکے دکھائی اسکا ہر پہلو سے کامل ہونا ہی آپکے وجود سے عرب کی کایا ہی پلٹ گئی اور کل کا کل نقشہ بدل گیا۔ کیا انکے عقاید اور اعمال۔ کیا انکے تمدنی اور اخلاقی قوانین اور انکی ملکی حالت۔ ہر ایک بات مین ایک عظیم الشان تغیر آگیا۔ میخوری اور عیاشی کی مجالس کا نام ونشان نہ رہا۔ اور انکی بجائے ذکر الہی کی مجالس قایم ہوگئین۔ جو لوگ رات شرابخوری مین گنواتے تھے جیسا کہ آج کل بھی یورپ مین دستور ہے انکی راتین اب خدا کے آگے قیام و سجود مین صرف ہوتین شرابخوری کے پانچ اوقات پانچ نمازونسے بدل گئے۔ ہنسی ٹھٹھے کی بجائے نمازون مین خضوع وخشوع پیدا ہوا اور خوف الہی سے گریہ و بکا غالب ہوا۔ ہر ایک تاریکی دور ہوگئی اور نور کی شعاعین پوری قوت کے ساتھ چمک اٹھین۔ بدی کا ہر ایک خیال دور ہو کر نیکی کی محبت پیدا ہوگئی۔ اسیکا ذکر قرآن شریف سورہ الحجرات مین فرماتا ہے :۔ ولکن اللہ حبب الیکم الایمان وزینہ فی قلوبکم وکرہ الیکم الکفر والفسوق والعصیان (الحجرات رکوع ۱)

یعنی خدا نے تمہین ایمان کی محبت دیدی ہے اور تمہارے دلون مین اسکے لیے ایک کشش پیدا کر دی ہے اور کفر اور فسق و فجور اور نافرمانی سے تمکو نفرت دلادی ہے۔ عباد الرحمان کا جو نقشہ قرآن کریم نے سورہ فرقان کے خاتمہ پر کھینچا ہے وہ گویا صحابہ رضی اللہ عنہم کی حالت کا ہی ایک نقشہ ہے۔ اسی سورۃ مین پہلے انکی جاہلیت

کی) حالت کو یون بیان فرماتا ہے کہ وہ چارپایون کی طرح بلکہ چارپایونسے بھی گئے گذرے ہین اور پھر فرمایا کہ ابکی تاریکی
کا زمانہ دور ہوکر انپر روشنی کا دن چڑھیگا اور اسکو ایک نشان بھی قرار دیا ہے کہ کس طرح خدا تعالےٰ نے اپنے خاص
ارادہ اور طاقت سے ایک ظلمت مین پڑی ہوئی قوم کو یہ روشنی عطا فرمائی۔ یہ نشان ہو صداقت آنحضرت صلے اللہ
علیہ وسلم کا جنکے وجود مبارک اور انفاس طیبہ اور قوت قدسی سے یہ عظیم الشان تبدیلی ظہور مین آئی۔ پھر صحابہ کی
اس تبدیل شدہ حالت کو یون بیان فرمایا ہے:۔ وعباد الرحمن الذین یمشون علی الارض ہونًا واذا خاطبہم
الجٰہلون قالوا سلٰمًا + والذین یبیتون لربہم سجدًا وقیامًا + والذین یقولون ربنا اصرف عنا عذاب جہنم ق
ان عذابہا کان غرامًا + انہا ساءت مستقرا ومقامًا + والذین اذا انفقوا لم یسرفوا ولم یقتروا وکان بین ذٰلک
قوامًا + والذین لا یدعون مع اللہ الٰہا اٰخر ولا یقتلون النفس التی حرم اللہ الا بالحق ولا یزنون ۚ ومن یفعل
ذٰلک یلق اثامًا۔ یضٰعف لہ العذاب یوم القیٰمۃ ویخلد فیہ مہانًا + الا من تاب واٰمن وعمل عملًا صالحًا فاولٰئک
یبدل اللہ سیاٰتہم حسنٰت ؕ وکان اللہ غفورًا رحیمًا + ومن تاب وعمل صالحًا فانہ یتوب الی اللہ متابًا +
والذین لا یشہدون الزور واذا مروا باللغو مروا کرامًا + والذین اذا ذکروا باٰیٰت ربہم لم یخروا علیہا صمًّا و
عمیانًا + والذین یقولون ربنا ہب لنا من ازواجنا وذریٰتنا قرۃ اعین واجعلنا للمتقین امامًا + ان
آیات کا مفہوم یہ ہے کہ خدائے رحمان کے خاص بندے وہ ہین جو زمین پر فروتنی کے ساتھ چلتے ہین اور
جب جاہل (انکو ایذا پہونچانیکی غرض سے) انسے خطاب کرتے ہین تو وہ جواب مین بھلائی کی بات کہتے
ہین (اور ایذا کے مقابل ایذا نہین پہونچاتے) اور جو اپنی راتوں کو اس حالت مین گذارتے ہین کہ اپنے پروردگار
کے آگے کبھی سجدے مین گرے ہوئے اپنی عبودیت کا اعتراف کرتے اور کبھی کھڑے اسکی حمد و ثنا کر رہے
ہین (یعنی رات کے ان اوقات مین خضوع و خشوع کے ساتھ نماز مین مشغول ہین جن اوقات مین پہلے
شرابخوری اور عیاشی اور فسق و فجور کی مجلسون مین ہوتے تھے) اور جو دعائین مانگتے رہتے ہین کہ اے
ہمارے پروردگار عذاب دوزخ کو (جو تیری نافرمانی اور تجھ سے علیحدگی مین پیدا ہوتا ہے) ہم سے دور رکھیو
کیونکہ دوزخ کا عذاب بڑی مصیبت ہے اور وہ ٹھہرنے اور قیام کرنیکے لیے بری جگہ ہے۔ اور جو جب خرچ کرتے
ہین تو نہ فضول خرچی ہی کرتے ہین (جیسا کہ ایام جاہلیت مین دنیاوی فخر اور نمود کے لیے اپنے سارے مال و
متاع کو ضایع کر دیتے تھے) اور نہ بخل ہی کرتے ہین (جیسا کہ پہلے کرتے تھے) بلکہ (افراط و تفریط کو چھوڑکر) میانی
راہ پر چلتے ہین۔ اور جو خدا کے ساتھ کسی دوسرے معبود کو نہین پکارتے اور نہ ناحق کسی نفس کو جسے خدا نے
حرام کر رکھا ہے قتل کرتے ہین (حالانکہ جاہلیت مین انکا کام ہی خونریزی تھا) اور نہ زنا ہی کرتے ہین (جسے
پہلے گناہ ہی نہ سمجھا جاتا تھا) اور جو کوئی ایسا فعل کریگا وہ اپنے گناہ کا خمیازہ بھگتے گا۔ کہ قیامت کے دن اسکو

ن

دوہرا عذاب دیا جائیگا اور وہ ذلیل و خوار اسی مین پڑا رہیگا۔ مگر جس نے توبہ کی اور (جہالت مین گناہ کرنیکے بعد) ایمان لایا اور ایسے کام کیے جو ہر قسم کے فساد سے خالی ہین تو ایسے لوگونکی بدیونکو (جو وہ کیا کرتے تھے) خدا نیکیون سے بدلدیگا (اور وہ آیندہ بدی کے ارتکاب سے محفوظ رہینگے) اور اللہ بڑا بخشنے والا مہربان ہے اور جو شخص توبہ کرے اور (توبہ کے بعد) ایسے عمل کرے جو نیک اور فساد سے خالی ہین تو وہ حقیقت مین خدا کیطرف سچا رجوع لاتا ہے۔ اور (خدا کے خاص بندے وہ ہین) جو جھوٹی گواہی نہین دیتے۔ اور جب اتفاقاً بیہودہ مشغلونکے پاس ہوکر گذرین تو کریم لوگونکی طرح گذر جاتے ہین (گویا انہین ان باتونسے کوئی تعلق ہی نہین) اور جب انکو انکے پروردگار کی آیتین سنا کر نصیحت کیجاتی ہے تو گونگے اور بہرے ہوکر انپر نہین گر پڑتے اور جو لوگ دعائین مانگتے رہتے ہین کہ اے ہمارے پروردگار ہمکو ہماری بیبیون اور اولاد سے آنکھونکی ٹھنڈک عطا فرما۔ اور ہمکو پرہیزگارون کا پیشوا بنا۔

ان آیات مین انہی عربون کی حالت کا ایک دوسرا نقشہ کھینچا گیا ہے جنکی پہلی حالت کا نقشہ یہ تھا۔ کہ وہ چارپایونکی طرح ہین یعنی جن کو محض کھانے پینے سے ہی غرض ہے اور وہ خدا سے ایسے دور پڑے ہوئے ہین جیسے چارپائے۔ اور یہ پاک تبدیلی ایک کامل انسان کے ذریعہ سے دنیا مین ہوئی کہ مدتونکے بگڑے ہوؤنکو ایسا سنوارا کہ آیندہ نسلونکے تمام راستبازونکے لیے وہ نمونہ اور پیشوا ٹھہرے۔ اب مین پوچھتا ہون کہ کسی مذہب کو اختیار کرنیسے ہماری اصلی غرض کیا ہے؟ جو شخص یہ کہتا ہے کہ مذہب کی غرض صرف یہ ہے کہ آیندہ جہان مین وہمی طور پر ہماری نجات ہو جاوے وہ غلطی کرتا ہے۔ سچی نجات جسکا حصول ہم مذہب کے ذریعہ چاہتے ہین صرف یہ ہے کہ ہماری زندگیون مین ایک پاک تبدیلی واقع ہوکر اسی دنیا مین ہمین نجات حاصل ہو جائے۔ اور یہی مذہب کی سچائی کا امتیازی نشان ہے کہ وہ آیندہ کے وعدونپر نہین ٹالتا بلکہ اسی جگہ انسان کو بدکاری اور گندگی سے نجات دیکر ایک پاک تبدیلی اسکے اندر پیدا کر دیتا ہے اب اس امتیازی نشان کے ساتھ اسلام نہین بلکہ کل مذاہب کو پرکھو اور کل دنیا کے مذہبی پیشواؤن کی زندگیونکا مطالعہ کرو۔ اور مین دعوے سے کہتا ہون کہ اس کامل اور پاک تبدیلی کا کوئی نمونہ تم ہرگز پیش نہین کر سکتے جو ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی برکت سے ہوئی۔ سیل ہو یا کوئی اور پادری صاحب ہون اگر وہ ایک بھی نظیر اسکی پیش کر دین کہ عرب کی طرح کوئی قوم ایسی ذلت کیچا ہتین گری ہوئی اور ایسی غلطیون اور بدکاریون مین مبتلا تھی اور اسقدر تھوڑے عرصہ مین کسی مصلح نے اسکی ایسی کایا پلٹ دی اور اسکو روحانی اور اخلاقی اور تمدنی پہلوؤن سے ایسا اوج کمال پر پہونچا دیا تو بیشک اسلام کو دوسرے مذاہب پر کوئی ترجیح نہ ہوگی اور اسکے مقدس بانی کو اسپر درود اور سلام ہو دوسرے مصلحونپر کوئی فضیلت نہ ہوگی۔ مگر مینے جسقدر اس سوال پر غور کیا ہے اسیقدر

زیادہ صفائی سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ انسان کے اندر ایک کامل تبدیلی پاکیزگی کیطرف پیدا کرنیوالا صرف ایک ہی نبی ہے یعنی نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم۔ نہ ہی حضرت موسے اور نہ ہی حضرت عیسے علیہما السلام نے ایسی پاک تبدیلی اپنی اقوام مین پیدا کر کے دکھائی اگرچہ ہم ان دونوں کو خدا کے سچے نبی اور برگزیدہ مانتے ہین مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قوت قدسی سب سے بڑھی ہوئی تھی اور یہ تمام انبیاء علیہم السلام اولین اور آخرین پر آپکی فضیلت ہے مین تو دلایل اور واقعات کو چاہتا ہون کسی دوسرے نبی یا مصلح کی زندگی مین ایسی عظیم الشان ایسی کامل اور ایسی خلاف امید تبدیلی کا کوئی نمونہ دکھاؤ اور مجھے اس امر کے تسلیم کرنے مین کوئی انکار نہ ہوگا کہ وہ نبی یا مصلح بھی خدا کیطرف سے تھا۔ مگر اے عیسائی صاحبان آپ بھی غور کرین ہان جنکے دلونمین کچھ بھی انصاف اور خداترسی باقی ہے وہ غور کرین کہ اس کامل اور عظیم الشان انسان کو جس کی پاک تبدیلی کی کوئی نظیر دنیا مین نہین ملتی مفتری اور کذاب کہا جاتا ہے کیا اس سے بڑھ کر بھی کوئی ظلم ہے کہ وہ شخص جو تمام نسل انسانی کا فخر ہے اسکو برا کہا جاوے اور برے نامونسے یاد کیا جاوے اور ایک ضعیف انسان کو جسکی زندگی مین اس تبدیلی کے عشر عشیر کا بھی ثبوت نہین ملتا۔ خدا بنایا جاوے۔ ہمارے تمہارے درمیان ایک نہایت آسان راہ فیصلہ کی ہے اور وہ یہ کہ تم اس تبدیلی کی نظیر حضرت مسیح علیہ السلام کی زندگی سے نکالکر دکھاؤ۔ ہم انکی بھی وہی فضیلت مان لینگے مگر یاد رکھو کہ اگر ساری عمرین بھی تاریخ کی ورق گردانی مین خرچ کردو تو اس تبدیلی کی نظیر دنیا کے کسی کونے مین تمکو نہ مل سکے گی پس خداترسی اختیار کرو اور سچائی سے مت بھاگو۔

اسکے بالمقابل اب یہ دیکھنا ہے کہ یسوع نے کونسی تبدیلی یہودیون مین کی۔ یاد رکھنا چاہیئے کہ ہم نے اسکا مقابلہ اس تبدیلی سے کرنا ہے جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے کی تھی یعنی ایک قوم کو اس حالت مین پانا جسپر چارپایوں کا لفظ صادق آسکے اور جسکی حالت ظہر الفساد فی البر والبحر کی مصداق ہو اور اسکو اس مرتبہ اور اوج کمال تک پہونچانا جسکا سچا نقشہ الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی۔ مین کھینچا گیا ہے۔ اب میرا سوال پادری سیل صاحب سے یہ ہے کہ وہ ایمانداری سے اور موت اور اسکے بعد جوابدہی کے دن کو مدنظر رکھکر یہ بتائین کہ کیا حضرت مسیح نے یہودیونکو اس گری ہوئی حالت مین پایا جسمین آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے عربونکو پایا تھا؟ کیا وہ بھی عرب کیطرح سخت بت پرست اور مشرک تھے؟ یا کیا یہی بات یہ ہے کہ وہ صدیوں سے توحید پر قایم بلکہ توحید کے واعظ چلے آتے تھے اور بت پرستی اور انسان پرستی سے نفرت رکھتے تھے اور پھر کیا انکے درمیان اعلے درجہ کے تمدنی اور اخلاقی قوانین لکھے ہوئے موجود تھے یا عرب کیطرح وہ ان سب امور مین جاہل تھے؟ سیل صاحب یہ بھی ایمانداری سے بتاوین کہ کیا یہ سچ نہین کہ جو اخلاقی تعلیم حضرت مسیح نے دی وہ انکے درمیان ہمیشہ سے چلی آتی تھی؟ یہ تو ان قومونکی حالت مین فرق تھا۔ اب دوسری طرف اس بات کو بھی دیکھنا چاہیئے کہ

اس قوم کی حالت مین جس کے لیے حضرت مسیح آئے اور جس کو کوئی نئی بات سکھانیوالی نہ تھی کیونکہ انکے پاس ضرورت زمانہ کے مطابق ایک کامل شریعت موجود تھی کیا تغیر واقع ہوا۔ اس جگہ ہمین اور بھی حیرانی ہوتی ہے کہ حالانکہ حضرت مسیح کا منشا انکی پرانی رسوم اور شریعت کو دور کرنیکا تھا اور نہ ہی انکی کوئی نئی تعلیم تھی جو یہودیونکی تعلیم کے مخالف ہوتی پھر بھی حضرت مسیح نے قوم یہود پر کوئی نمایان اثر پیدا نہین کیا۔ چہ جائیکہ عرب جیسی عظیم الشان تبدیلی کا نام لیا جاوے۔ اگر ایک شخص تاریخ کو ہاتھ مین لیکر حضرت مسیح کے آنیسے پہلے قوم یہود کے حالات کو مطالعہ کرے اور پھر آپ کی موت کے بعد انکے حالات پر غور کرے تو وہ قطعًا پتہ نہین لگا سکتا کہ انکے درمیان کوئی مصلح بھی پیدا ہوا تھا کیونکہ کوئی نمایان فرق یا کوئی ترقی اس قوم کیحالت مین نظر نہین آتی۔ طالبان حق دیکھ سکتے ہین کہ مین یہ کسی مذہبی تعصب کیوجہ سے نہین کہتا کیونکہ ہم بھی حضرت مسیح علیہ السلام کو خدا کا سچا نبی مانتے ہین بلکہ واقعات اور تاریخ سے یہی ثابت ہوتا ہے اور نہ صرف انکی زندگی مین ہی حضرت مسیح کی تعلیم کا کوئی اثر یہودیو پر نہین ہوا۔ بلکہ کم ازکم سو سال گذر جانے تک بھی یہودیون نے حضرت مسیح علیہ السلام کو بلحاظ دشمن کے بھی کوئی وقعت نہین دی۔ ہان جب اصل تعلیم مسیح کی گم ہوگئی اور ایک بت پرست قوم کے اصول کو لیکر ایک نیا سلسلہ آپکے نام پر قایم کیا گیا اسوقت یہودیونکو اسطرف خیال آیا کیونکہ یہ نیا سلسلہ حضرت مسیح کی تعلیم کے ایسا ہی خلاف تھا۔ جیسا بنی اسرائیل کے کل نبیونکی متفقہ تعلیم کے۔ حضرت مسیح کی زندگی کے واقعات اناجیل مین جنکو عیسائی صاحبان الہامی مانا کرتے تھے اور ان واقعات سے ہرگز ثابت نہین ہوتا کہ یہودیون مین بھی کوئی عظیم الشان تبدیلی آپکی تعلیم سے پیدا ہوئی تھی۔ بلکہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جیسی گمنامی کی حالت مین آپ دنیا مین آئے تھے ویسی ہی گمنامی کی حالت مین اس دنیا سے نہین مگر اس ملک سے ضرور کوچ کر گئے۔ قوم یہود مین آپکی تعلیم سے کوئی روحانیت پیدا نہین ہوئی۔ بلکہ بظاہر آپ ایک ناکامی کی حالت مین ہی گذر گئے۔ (اگرچہ ہمارا یہ ایمان ہے کہ وہ کامیابی جو ایک سچے نبی کو ہونی چاہیئے وہ آپکو دوسری اسرائیلی اقوام مین حاصل ہوئی جو کشمیر اور افغانستان مین آباد ہوچکی تھین) یہی وجہ ہے کہ یہودیون نے اپنی روایات اور کتب اور تاریخ مین مدت تک حضرت مسیح کا ذکر بھی نہین کیا گویا وہ اسکے آنے اور نہ آنے کو برابر سمجھتے تھے۔ اب خدا کے لیے کوئی غور کرنیوالا ہو کہ کہان یہ گمنامی اور ناکامی کہ ایک پڑھی پڑھائی قوم کیحالت کو بھی سنوار نہ سکے اور کہان وہ حیرت انگیز تبدیلی کہ وحشی ہونیکی حالت سے نکالکر کمال انسانی کے اوج پر پہونچا دیا۔ اے عیسائی صاحبان خدا سے خوف کرکے آپ بتا دین کہ ان مین سے کسکو الوہیت کا مظہر اتم اور فخر ولد آدم کہنا چاہیئے تم اسکا جو چاہو نام رکھ لو مگر یاد رکھو کہ جو اسکے احسان دنیا پر ہین تم انکا انکار نہین کر سکتے اور جو پاک تبدیلی اسنے پیدا کر دکھائی تم اسکی کوئی نظیر پیش نہین کر سکتے۔

اس سورج کی روشنی تو تمہارے سرون پر پڑ رہی ہے پھر تمہین اس سے کیا فایدہ کہ اس روشنی کے سرچشمہ کو تاریکی کا سرچشمہ کہو اور خود تاریکی سے باہر نہ نکلو کیونکہ واقعات سے سیل اور میور بھی انکار نہین کر سکتے ہمین پیروی تو اسکی کرنی چاہیے جو ہمین پاکیزگی عطا کر سکتا ہے۔ پس دیکھو کہ دنیا مین زیادہ پاکیزگی پھیلانیوالا اور اپنے مشن مین بڑا کامیاب کون ہے۔ اگر تیرہ سو سال کے تعصب کو الگ کر دو تو تم اسکی عظمت کو سچ مچ دیکھلو گے اور اپنی روحونکے اندر اس پاک انسان کی پاکیزگی کے اثر کو محسوس کر لوگے۔

لیکن اگر یہ کہا جاوے کہ یہودیون نے اسکی تعلیم کو ہی قبول نہ کیا تو انپر اسکا اثر کیا پڑتا تو اول سوال تو یہ ہے کہ یہ بھی تو ناکامی ہے کہ جس قوم کیلیے بھیجے گئے تھے اسی نے تعلیم قبول کرنیسے انکار کر دیا لیکن اس سوال کو چھوڑ کر بھی کوئی عظیم الشان تبدیلی ان معدودے چند اشخاص کی حالت مین نظر نہین آتی۔ جنہون نے آپکے مشن کو قبول کر لیا تھا۔ ایک پاکیزہ اور تبدیل شدہ زندگی کی پہلی علامت یہ ہے کہ ایسے شخص مین استقامت پیدا ہو جائے کیونکہ جس شخص مین اتنی طاقت نہین کہ تھوڑی سی آزمایش کا مقابلہ کر سکے وہ بدی کی عظیم الشان طاقتونکا کیونکر مقابلہ کر سکیگا۔ یاد رکھو کہ جس شخص کا ایمان کچا ہے اسکے عمل بھی اسی حالت مین ہین۔ جبتک ایک آدمی خدا کی محبت کی کٹھالی مین نہ ڈالا جاوے اور جبتک وہ ابتلاؤنکی تیز آگ سے صاف بچکر نہ نکل آوے اسوقت تک اسکی روح سفلی تعلقات سے الگ نہین ہو سکتی اور نہ حقیقی پاکیزگی تک پہنچ سکتی ہے اور ایسے شخص کی تبدیلی بھی ناتمام ہے۔ اب جب ہم آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کی حالت کو دیکھتے ہین تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ لوگ سخت سے سخت ابتلاؤن مین ڈالے گئے اور آزمایشونکی چکیونمین پیسے گئے مگر وہ صحیح سلامت اور کامیاب نکلے ابتدا مین انکو جو تکلیفین دی گئین انکے ذکر سے بھی بدن کے رونگٹے کھڑے ہوتے ہین۔ مکہ مین بعض وقت انکی یہ حالت ہوتی تھی کہ سخت گرمی مین دوپہر کے وقت جلتی ہوئی ریت اور پتھر وپر انکو ننگے ڈالدیا جاتا اور اسپر کوڑونسے پیٹا جاتا مگر اسوقت بھی جب وہ گرمی کی شدت اور پیاس کی تیزی اور مار کی سختی سے نیم مردہ ہو جاتے تب بھی انکے مُنہ سے یہی لفظ نکلتے کہ لا الہ الا اللہ۔ پھر ان مصیبتونکے بعد انکو اپنا وطن چھوڑ کر ایکدوسرے ملک مین پناہ لینی پڑی اور گھر بار سب چھوڑنے پڑے پھر بھی انہون نے ثابت قدمی دکھائی۔ آخر جب یہ جلاوطن واپس آئے تو کفار کیطرف سے اور بھی بڑھکر دکھ دیا جانے لگا چنانچہ پھر دوسری دفعہ سب کے سب ہجرت کر کے مدینہ مین پہونچے اور یہان فاقہ کشی اور سخت محنتونسے گذارہ کیا لیکن اسلام پر ویسے ہی ثابت قدم رہے۔ مگر یہان انکی مصیبتون کا انتہا نہین ہوا۔ بلکہ اب کفار پہلے سے بھی تند ہو کر انکو نابود کرنیکے درپے ہوئے اور ان ناتجربہ کارونکو جنکو تیرہ سال دکھ اٹھاتے ہو گئے تھے اور کبھی کسی کے سامنے نہ زبان کھولی

تھی اور نہ ہاتھ اٹھایا تھا۔ اب اپنی حفاظت کے لیے بالمقابل جنگ کرنا پڑا۔ مگر انہون نے اپنے پیارے نبی کے ساتھ
کو نہ چھوڑا اور ہر ایک تکلیف اور ہر ایک مصیبت کو گوارا کیا۔ گھر چھوڑے مال چھوٹے۔ مارین کھائین اور
آخر جانین بھی دین اللھم صل علے محمد و آل محمد و اصحاب محمد و بارک وسلم انک حمید مجید۔ یون شروع سے
لیکر یعنی اسوقت سے جب انہون نے پہلے اسلام کو قبول کیا اخیر تک تکلیفین ہی تکلیفین انکی راہ مین رہین
مگر وہ استقامت انہون نے دکھائی جو ایک غور کرنیوالی طبیعت کو حیرت مین ڈالدیتی ہے وہ مصایب کے
مقابلہ سے نہ تھکے بلکہ ایک چوتھائی صدی کی انہین حالتون مین گذاری مگر اس حق کو چھوڑنا جسکو وہ بصیرت سے
قبول کر چکے تھے انکے لیے موت سے بدتر تھا جس ایمان پر انہون نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو قبول
کیا تھا۔ اسی ایمان پر انکا خاتمہ بھی ہوا۔ دنیا مین ایسی نظیرین تو ہونگی کہ مذہب کی بنا پر لوگون نے موت کو
قبول کیا اور اپنے مذہبی عقاید کو نہ چھوڑا مگر انکی حالتو نکا ہم اندازہ نہین لگا سکتے کیونکہ ہم نہین جانتے کہ
اگر انکی مصیبتونکو لمبا کیا جاتا تو وہ قایم رہتے یا پھر جاتے۔ بعض وقت فوری جوش سے انسان بہت کچھ کرگذرتا
ہے۔ لیکن یہ نظیر کہ شروع سے لیکر آخر تک مصایب کا مقابلہ ہو اور مصایب بھی وہ جو دن بدن بڑھ رہے
ہون اور تیئیس سال کا لمبا زمانہ انہین مصایب مین گذر جائے اور پھر بھی ایمان مین ذرہ بھر تزلزل نہ ہو۔
اسکی نظیر دنیا مین کوئی نہین اور ہر گز نہین۔

اس حیرت انگیز استقامت کا مقابلہ جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے صحابہ نے دکھائی حضرت مسیح
کے عام مریدون سے بلکہ خاص حواریونسے ہی کرو۔ اور افسوس سے کہنا پڑے گا کہ اس استقامت کی بو بھی انمین
نہین پائی جاتی۔ اور نہ ہی انہون نے اپنے مرشد سے وفاداری کا کوئی ثبوت دیا ہے اول تو حضرت مسیح ایک
ایسی گورنمنٹ کے ماتحت تھے جو ایک نہایت منتظم گورنمنٹ تھی جسکے نیچے مذہبی بنا پر کسیکو دکھ نہ دیا جاسکتا
تھا یہی وجہ تھی کہ یہودیونکو یہ جرات نہ ہوئی کہ آپکو یونہی مار ڈالتے بلکہ عدالت کے سامنے پیش کرنا پڑا اور
خود حضرت مسیح نے بعض اوقات ایسے کام کیے ہین جنسے صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ ابتدا مین ایک مظلوم کے
رنگ مین نہ تھے۔ مثلاً یوحنا ۲ - ۱۵ کو پڑھو کہ کس طرح انہون نے خرید و فروخت کرنیوالونکی میزونکو الٹا دیا
اور انکو مار کر ہیکل سے باہر نکالدیا۔ ایسے شخص کے پیرو ونکو کسیطے دکھ پہونچایا کیا اندیشہ ہو سکتا ہے۔ ہان
دس یا بارہ آدمیون نے تخت ملنے کے وعدے پر اپنے کاروبار چھوڑ دیئے تھے مگر اسبات کا ثبوت نہین ملتا
کہ مچھلی پکڑنے والے جالونکے سوا اور...... کوئی جائیداد بھی تھی وہ چھوڑ کر چلے آئے تھے۔ ایک ہی واقعہ حضرت
مسیح کو ساری عمر مین ایسا پیش آیا تھا جب انکے مریدونکو کسیقدر استقامت دکھانی چاہیئے تھی مگر وہ موقعہ
بھی ایسا نہ تھا کہ انہین اپنی جانون کا کوئی خطرہ ہوتا۔ مگر اس نازک وقت مین جب حضرت مسیح علیہ السلام

کو حوالات مین کر دیا گیا۔ آپکے خاص الخاص حواری پطرس نے بھی یہ نمونہ دکھایا کہ ذراسی بات پر یہ جھوٹ بولدیا کہ مین مسیح کا مرید نہین بلکہ اسکو جانتا بھی نہین۔ کیا یہی استقامت اور تبدیلی ہے جسکی بنا پر حضرت مسیح کو خدا بنایا جاتا ہے؟ اور یہی وہ لوگ ہین جن کو گناہ سے نجات یافتہ کہا جاتا ہے؟

مین اس بات سے انکار نہین کرتا۔ کہ حضرت مسیح نے اپنے چند حواریون مین جو انگلیون پر گنے جاسکتے ہین کسیقدر تبدیلی پیدا کی ہو۔ لیکن افسوس یہ ہے کہ جہان ایک ایسی ادھوری اور محدود تبدیلی کے پیدا کرنیوالے کو خدایا خدا کا بیٹا بنایا جاتا ہے۔ اس فخر نسل انسانی کو جسکی تبدیلی کی اسکی کیفیت اور کمیت کے لحاظ سے دنیا مین کوئی نظیر نہین جھوٹا نبی کہا جاتا ہے۔ پادری صاحب اور انکے ہم عقیدہ لوگونکو چاہیئے کہ انصاف کرین اور واقعات کی بنا پر کسیکو سچا یا جھوٹا کہین۔ ان دونون بزرگ نبیونمین مقابلہ کرو اور واقعات کے روسے جو افضل ہے اسے افضل کہو۔ اگر حضرت مسیح علیہ السلام نے یہودیونکو اس سے بدتر حالت مین پایا تھا جس حالت مین ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے عربونکو پایا۔ اور پھر ان مین اس سے بڑھ کر پاک تبدیلی پیدا کر دکھائی جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے عرب مین کی۔ تو ہمین مسیح کو افضل ماننے سے کوئی انکار نہین لیکن اگر تاریخ اور واقعات سے اسکے خلاف ثبوت ملے یعنے عرب کی پہلی حالت یہودیونسے بہت بدتر اور انکی دوسری حالت یہودیونکی دوسری حالت سے بہت افضل ثابت ہو جیسا کہ مین دکھا چکا ہون تو پھر عیسائی صاحبان کو چاہیئے کہ تعصّب اور طرفداری کو چھوڑ کر ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی فضیلت کو تسلیم کرین۔ مین نہین جانتا کہ پادری "سیل" صاحب ان بیّن دلایل سے کچھ فائدہ اٹھائینگے یا نہین لیکن جو معیار صداقت اور فضیلت کا مینے بیان بیان کیا ہے اس سے کسی سمجھدار آدمی کو انکار نہین ہو سکتا۔ ہان اگر عیسائی صاحبان کوئی اور معیار انبیاء کی صداقت اور فضیلت کا پیش کر سکتے ہین جسکے روسے توریت کے تمام انبیاء اور مسیح علیہ السلام کی نبوت کو پرکھ سکتے ہون اور انکے حق و باطل ہونیکو مین طور پر سمجھ سکتے ہون تو ہم اس معیار سے بھی یہ ثابت کر دینگے کہ فضیلت ایک ہی کیلیئے ہے۔ جس معیار سے چاہو دیکھ لو اور وہ ایک حضرت محمد مصطفےٰ احمد مجتبےٰ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم ہین۔

جو معیار فضیلت مینے پیش کیا ہے۔ وہ نہایت صاف ہے کیونکہ جو شخص خود اللہ تعالے سے اعلےٰ درجہ کا صاف اور پاک اور مضبوط تعلق نہین رکھتا وہ دوسرونکو حقیقی پاکیزگی پر کیونکر قایم کر سکتا ہے اور انکا تعلق اللہ تعالے کے ساتھ کیونکر قایم کر سکتا ہے۔ پس جو تبدیلی کوئی شخص پیدا کرتا ہے۔ وہی اسکی صداقت اور فضیلت پر دلیل ہے۔ پس اگر دلایل سے کام لیا جاوے تو کوئی فلاسفر۔ کوئی ہمدرد بنی نوع کوئی مصلح کوئی نبی ایسا نہین جو ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی برابری کا دعوے کر سکے اور یون کل

انغلام مولا

نسل انسانی پر آپکی فضیلت ثابت ہے۔ اس معیار سے بڑے بڑے لمبے مذہبی مباحثات کا چند لفظون مین ہی فیصلہ ہوجاتا ہے لیکن اگر کسی معیار کے رو سے ہم کسی مدعی کی صداقت کو نہ پرکھین بلکہ ہر بات مین اس کی نیت اور ارادہ پر حملہ کرین تو کونسا نبی ہے جو اعتراضونسے بچ سکتا ہے۔ پادری سیل صاحب دہریونکی کتابونسے ناواقف نہین جنہون نے حضرت مسیح پر اسقدر حملے کیے ہین کہ اور کسی نبی پر اتنے اور ایسے سخت حملے نہین ہوئے مین یہ تو نہین کہتا کہ جو پادری صاحبان اسلام پر قلم اٹھاتے ہین وہ بھی واقعی دہریہ ہی ہین لیکن اگر ان کی تحریرون مین ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے نام کی بجائے حضرت مسیح علیہ السلام کا نام درج کردیا جائے تو یہ تحریرین بعینہ دہریونکی تحریرین بن جائینگی۔ اگر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر پادری سیل کا یہ اعتراض صحیح ہے کہ چونکہ چند لوگ جو حنیف کہلاتے تھے اور بت پرستی کے مخالف تھے آپ سے پہلے پیدا ہوچکے تھے اور اسلیے ضروری ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا دعوے وحی الہی کی بنا پر نہ تھا بلکہ حنیفونکی طرف دیکھکر ہی آپنے بھی دعوے کردیا تھا تو حضرت مسیح تو اور بھی قابل الزام ٹھہرتے ہین کیونکہ آپ سے پہلے ایک عظیم الشان فرقہ جو اسین کے نام سے پکارا جاتا ہے موجود تھا جسکی تمام تعلیم وہی تھی جو بعد مین حضرت مسیح نے دینی شروع کی جس سے وہی طرز استدلال اختیار کرکے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ حضرت مسیح نے بھی اس فرقہ کی طرف دیکھکر اور انہین کی تعلیم چرا کر خود وعظ کرنا شروع کردیا تھا۔ اگر ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم پر یہ اعتراض پادری صاحب کرتے ہین کہ آپکو کسی فرضی راہب سے یہودیون اور عیسائیون کی تعلیم کا پتہ لگ گیا تھا تو حضرت مسیح پر الزام ثابت شدہ ہے کہ آپنے توریت اور دوسری یہودیون کی کتابونکو سبقاً سبقاً استاد سے پڑھا تھا اور آپکی تمام تعلیم انہین تحریرونسے لی گئی ہے۔ مین پادری سیل صاحب کو یقین دلاتا ہون کہ اگر وہ حضرت مسیح کی زندگی اسی طرز پر اور ویسے ہی خیالات کو دل مین لیکر لکھنا شروع کرے تو جو کچھ وہ ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو ثابت کرنا چاہتا ہے اس سے بھی بدتر حضرت مسیح کو پائے گا +

اصل بات یہ ہے کہ پادری صاحبان کو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی صداقت اور فضیلت کی یہ نمایان دلیل کہ آپنے وہ تبدیلی پیدا کی جو اور کسی نے نہین کی کھٹکتی رہتی ہے اور اسلیے اسکے اثر کو کم کرنیکے لیے اس طرح کے فضول عذر تراشتے رہتے ہین کہ عرب پہلے سے ہی اس عظیم الشان تبدیلی کے قبول کرنیکے لیے تیار تھا۔ اگر پادری صاحب کو ان جھوٹے اور بے بنیاد دعوون سے کچھ تسلی بھی ملتی ہے اور آپکی لا نظیر کامیابی کے لیے ظاہری وجہ انکے نزدیک پیدا ہوجاتی ہے تو اس سے انکو فایدہ کیا کیونکہ پہلے تو انہین اس بات کا فکر چاہیے کہ حضرت مسیح کیون ناکام رہے اور کیون انکو وہ کامیابی نصیب نہ ہوئی جو انکے نزدیک ایک جھوٹے کو ہوئی۔ یہ مذہب کی حمایت نہین بلکہ مذہب کیسے ہنسی ہے کہ جو ناکام ہو اسے خدا بنایا جائے۔ اور جو کامیاب ہو اسے جھوٹا کہا جائے یہ تو خدا پر اعتراض ہے کہ وہ چپکا بیٹھا دیکھتا رہا اس مین اسقدر طاقت نہ تھی کہ ایک جھوٹے کی کامیابی کو روک سکتا اور اپنے بیٹے کو تھوڑی سی مدد دیکر کامیاب کرسکتا۔ اے پادری صاحبان

کب تک حق سے گریز کروگے اور باطل کی تائید کروگے۔ خدا سے ہنسی مت کرو۔ وہ وہ طاقتور خدا ہے جو مفتری کو اپنے وعدہ کے مطابق پیس ڈالتا ہے اور ہلاک کر دیتا ہے اور اسے نامراد رکھتا ہے اور جھوٹا اس سے وہ تائید کبھی نہین پاتا جو سچا پاتا ہے۔ اور بہر حال اگر تم کسی کی کامیابی کی کوئی وجہ بھی تلاش کر لوگے تو آخر اسکی کامیابی تو کامیابی ہی رہیگی! اور جو ناکام ہوا ہے اسکی ناکامی کی کوئی وجہ اس ناکامی کو کامیابی سے تبدیل نہین کر سکتی۔ آخر کس کے ارادے کے مطابق وہ عظیم الشان تبدیلی عرب مین واقع ہوئی اور کس نے یہ چاہا کہ اس قسم کی نمایان کامیابی سوائے اس ایک کے اور کسی کو حاصل نہ ہو؟ کیا خدا کے سوا کسی اور کے ارادے کے مطابق یہ کام ہو رہے تھے! احمق آدمی نہین جانتا ہے کہ جس حق کو وہ چھپانا چاہتا ہے آخر وہ ظاہر اور کامیاب ہو کر رہیگا۔ (باقی آئندہ)

انگلستان مین اخلاق اور مذہب کا زوال

میری کوریلی کی کتاب "آزاد رائین" حال مین شایع ہوئی ہے اور انگریزی پریس مین اسکی بہت کچھ مخالفت اسوجہ پر ہوئی ہے کہ عیسائی ممالک کی موجودہ مہذب سوسائیٹی کے بعض حالات اس نے کھولکر بیان کر دیئے ہین اور آج کل کے مہذب مورخین کی طرح عیبون کا اخفا نہین کیا۔ دو بڑی باتین جو اس مین بیان کی گئی ہین وہ بدکاری کی کثرت اور مذہب کا زوال ہین اور ان دونون امور مین کتاب کی مصنف کے بیان مین کسی قسم کا مبالغہ نہین پایا جاتا۔ کیونکہ بڑے بڑے لوگون نے اس سے بھی بدتر نقشہ مہذب سوسائیٹی کا کھینچا ہے۔ ایک حملہ اس کتاب پر یہ بھی کیا گیا ہے کہ اسکی طرز تحریر سخت ہے۔ مگر جہان سوسائیٹی اپنے بعض عیبونکا اخفا کرنا چاہتی ہو وہان کا اظہار ضرور ہے کہ سخت معلوم ہو۔ انگلستان مین مذہبی عقاید کے زوال کے متعلق پہلے یہ دو سوال کیے گئے ہین "کیا تم اس مذہب پر دل وجان سے ایمان رکھتے ہو جسکے پیرو ہونیکا تم زبانی اقرار کرتے ہو؟ کیا یہ سچ نہین کہ تم اسکے ایک لفظ پر بھی ایمان نہین لاتے اور صرف رسم و رواج کے طور پر اسکے پیرو بنے ہوئے ہو؟" ان سوالون کا جواب دیتے ہوئے عام حالت یون بیان کی گئی ہے۔

"تم جو ایمان نہین لاتے مگر رسم و رواج کی خاطر جھوٹا اقرار ایمان لانیکا کرتے ہو۔ سوچو کہ تم کیا ہو۔ تم اپنے آپکو نیک اور معزز سمجھتے ہو مگر واقعات واقعات ہی ہین اور تم ایمان کا دعوے کرنے مین کذاب ہو۔ دن کی صاف روشنی تمپر پڑتی ہے اور تمکو منافق جانتی ہے تم ایک بدبخت انسان ہو جو رسم کی دیوانہ وار تقلید مین خدا کو بھی دھوکا دینے کی نکمی کوشش کر رہے ہو مرد ہو یا عورت جو کوئی تم ہو جھوٹ بولنے سے شرم کرو۔ صاف طور پر اقرار کرو کہ تم

ایمان نہین لاتے پھر کم از کم اس صاف گوئی کے لیے تمہاری عزت کیجائیگی رسم کیخاطر یہ نہ دکھاؤ کہ ہمارے مذہبی خیالات اس فرقہ کیطرف مایل ہین یا اُس فرقہ کیطرف پھر ہم تمہین کذاب یا منافق نہ کہین گے" یہ حالت صرف عوام کی ہی نہین بلکہ کلیسیا اور اسکے عہدہ دارونکی حالت جو پیشوایان مذہب کہلاتے ہین اس سے بھی بدتر بیان کیگئی ہے" یہ بالکل سچ ہے کہ ہمارے اکثر گرجے مسیح کی اصلی تعلیم کے بالکل مخالف پڑے ہوئے ہین اور یہ ثابت کیا جاسکتا ہے کہ ہم اپنی روزانہ زندگیون مین ٹھیک اس طرز پر چل رہے ہین جس پر مسیح نہایت سخت الفاظ مین لعنت بھیجتا۔ عوام کیحالت کو مدنظر رکھکر یہ کہدینا تو آسان ہے کہ لندن کافر ہورہا ہے لیکن اگر پادریون اور پیشوایان مذہب کو کافر کہا جائے تو یہ بالکل درست ہوگا۔ ان بڑے بڑے عہدہ داران کلیسیا کی حالت پر غور کرو جو اس عقیدہ کے ایک لفظ پر بھی ایمان نہین لاتے جسکا اقرار وہ زبانی کرتے ہین اور جو ہر روز مسیح کے ساتھ دھوکا بازی کرکے روپیہ کے وصول کرنے مین یہودا اسکریوطی کا کام کرتے ہین ان دین کے خادمونکی حالت پر غور کرو جو اپنی روزمرہ زندگیونکے ہر ایک لفظ اور فعل مین اصل عیسائیت سے الٹے چل رہے ہین ان جبون والے منافقونکو دیکھو جو دوسرونکو وعظ کرتے ہین مگر خود اسکے ایک لفظ پر بھی عمل کرنیکی کوشش بھی نہین کرتے ان بے ایمان اور دنیادار پادریونکو دیکھو جو دولتمندون اور لارڈونکے گھرون مین ہمیشہ دیکھے جاتے ہین نہایت عمدہ پوشاک پہنے ہوئے اور عمدہ عمدہ کھانے کھاتے ہین اور پھر سوسائٹی کی بدکاریونکا ایسے مزے لیکر ذکر کرتے ہین جیسے کوئی عام رند جو دوسرے کی بیوی کو نیکی کی راہ سے پھیر کر اغوا کرتا ہے۔ ان کینہ ور تنگدل جھگڑالو چھوٹے چھوٹے گرجا والے کے پادریونکی حالت پر غور کرو جو اپنے اہل محلہ کو بجائے احسان ادائیگی حقوق ہمسائیگی نیکی اور وحدت کا سبق دینے کے انکو ایکدوسرے سے لڑواتے ہین اور کافرونسے بدتر بلکہ خالص وحشیانہ سلوک ان سے کرتے ہین"

اس مین شک نہین کہ کلیسیا ان باتونکے کہنے کو برا سمجھتی ہے بلکہ بعض لوگ انکو مبالغہ سمجھتے ہین مگر میرا خیال ہے کہ جو بیحیائی اور بدکاری اس نام کے مقدس دایرے کے اندر ہوتی ہی اسکا پورا پورا اظہار نہ ہی ہوا ہے اور نہ ہو سکتا ہے۔ روزمرہ ہم امریکا اور انگلستان کی اخبار و مین پادریونکی بدمستی شرابخوری اور زناکاری کے قصے پڑھتے ہین یہان ہندوستان مین ہی ایک پادری صاحب جو بھیڑ کہلانا اور بھیڑیے کا کام کرنا پسند کرتے ہین پکڑے گئے کیونکہ انکے متعلق یہ معلوم ہوا تھا کہ وہ یتیم لڑکیونسے جو انکے سپرد تھین بدفعلی کرتے رہے اور عجیب بات یہ ہے کہ یہ سترھوین غریب لڑکی تھی جسکی عفت پر حملہ ہوا اور اگر پادری صاحب اپنے وحشیانہ جذبات کو سولہ تک ہی محدود رکھتے تو کون انکے تقدس مآب ہونے مین شک کر سکتا تھا۔ سو یہ کمتر ہوتا ہے کہ اصل حقیقت ظاہر ہو۔ انگلستان مین جو ایسے واقعات پبلک ہوئے ہین انکے متعلق میری کوریلی لکھتی ہے "عجیب عام

طور پر بدنامی کا بہ داغ ایک پادری کے دامن پر لگتا ہے تو زیادہ شرم اور مایوسی اور افسوس کا مقام ہوتا ہے۔ جب ہم ان طبقوں میں ان لوگوں کے حالات کو دیکھتے ہیں اور اکثر ایسے حالات ہمارے دیکھنے میں آتے رہتے ہیں جو بجائے زندگی کی پاکیزگی اور چال چلن کی صفائی کا نمونہ دکھانیکے اپنے آپکو اور اپنے اعلے مرتبہ کو بدترین سیہ کاریوں سے جو جاہل سے جاہل وحشی میں بھی بری معلوم ہوتی ہیں ذلیل کرتے ہیں تو سخت ہی افسوس اور حیرت ہوتی ہے کہ یہ لوگ جنسے یہ امید رکھی جاتی ہے کہ وہ غلط کار انسانوں کو سیدھی راہ پر لائیں ان کی اپنی یہ حالت ہے۔ گذشتہ چند سالوں میں بہت سے آدمیوں کی ایسی مثالیں ملتی ہیں جو کلیسیا کے عہدہ داروں میں تھے اور جنہوں نے عمداً شوخی اور بدمستی سے عزت اور نیکی کے ہر ایک پاک قانون کو توڑا اور انکی یہ سیہ کاریاں اور بھی بہت معلوم ہوتی ہیں۔ جب ہم انکے سفید (چہروں نہیں بلکہ) عقاید کو دیکھتے ہیں"۔

روحانیت کی یہ گری ہوئی حالت کیوں پیدا ہوئی ہے اسلیے کہ دنیا اور دولت کی محبت بڑھ گئی ہے اور یہ ایسی بیماری ہے جو عیسائی ممالک میں اعلے سے لیکر ادنے تک کو لگی ہوئی ہے یہ بالکل سچ ہے کہ انسان کے دل میں دو معبودوں کی محبت نہیں ہو سکتی۔ یا خدا کی پرستش کیلیے جگہ ہوگی اور یا دولت کے دیوتا کی پرستش کیلیئے۔ عیسائی دنیا کی کل توجہ اور عقد ہمت اسوقت دولت کے جمع کرنے اور دنیوی آسائشوں کے حصول میں لگی ہوئی ہے چنانچہ کتاب زیر ریویو کی مصنف لکھتی ہے "ایک نظر ان منکروں کی طرف اٹھا کر دیکھو جو خداوند کے خادم کہلاتے ہیں۔ اور پہلے درجہ کے خود پرست جھگڑالو لڑاکے تنگ خیال ہیں یعنی پوپ اور اسکے بڑے بڑے عہدیدار یا کنٹربری کا لاٹ پادری۔ اور اسکے بشپ ڈیکن۔ ڈین اور چھوٹے چھوٹے عہدیدار۔ یہ لاکھوں فرقے اور یہ امیرانہ ٹھاٹھ والے اور دنیا کے طلبگار جو یہ کہتے ہیں کہ ہم انجیل کی وعظ کرنیکے لیے بلائے گئے ہیں ان سے پوچھو کہ تمہارے پاس تمہارے ایمان لانیکی کونسی شہادت ہے۔ اور کونسی شہادت اس امر کی ہے کہ تم اسی آقا کے پیرو ہو جو عیاشی کو کبھی پسند نہیں کرتا تھا اور جسکے پاس سر رکھنے کیلیے بھی جگہ نہ تھی۔ اور تم عام لوگو! تم کیونکر یہ دعوے کر سکتے ہو کہ تم اس غریب اور معمولی انسان کے پرستار ہو جبکہ تم اپنی زندگی کے ہر ایک فعل سے یہ ثابت کر رہے ہو کہ تم زمین اور آسمان کی سب چیزوں سے زیادہ دولت سے پیار کرتے ہو اگر تم جو کروڑہا روپے کے مالک ہو کبھی دین کیلیے خرچ بھی کرتے ہو تو صرف اسقدر اور اس غرض سے کہ تمہاری شہرت ہو اور تمہارا نام بڑا ہو۔ کیوں تم اتوار کے دن اپنے منافق سروں کو یسوع کے نام کے آگے جھکاتے ہو جو بظاہر ایک بڑھئی کا بیٹا تھا اور بڑھئی کا کام کرتا تھا اور حالانکہ تم ایسے کام کرنیوالوں اور مزدوری پیشہ لوگوں کو حقارت کی نگاہ سے دیکھتے ہو اور جب فقیر تمہارے دروازے پر آتا ہے تو اسے لات مار کر نکالدیتے ہو"۔

بدکاری کے پھیل جانیکو عیسائی اور غیر عیسائی سب مانا ہے مگر اس کتاب کی مصنف اعلے درجہ کی سوسائیٹی میں اسکے بہت زیادہ ہی پھیل جانے پر نہایت افسوس کرتی ہے "مگر تمدن کے دایرے میں سب سے بڑی بدبختی یہ ہے

کہ بدکاری کا ارتکاب دن بدن زیادہ کھلے طور پر ہوتا شروع ہوگیا ہے اور معاہدہ نکاح سے نہایت بیحیائی سے لاپروائی دکھائی جاتی ہے اس بارے مین انگریزونکے سب سے اعلے طبقہ کی سوسائیٹی سب سے بڑھی ہوئی ہے اور اس زمانہ کی سب سے بڑی مثالین اس مین ملتی ہین۔ یورپ یا امریکہ مین جو کچھ ہی کہ خدا سے دوری اور رندگی کی زندگیان بسر کیجاتی ہون ہمین کرنا یہ ماننا پڑتا ہے کہ گریٹ برٹن مین وہ لوگ موجود ہین جو تاریخی طور پر اپنے نامونکی عزت اور اپنی وجاہت کے سبب سے تمام ملک مین مشہور ہین جو اپنے گھر مین اپنی بیویونسے زنا ہوتا ہوا دیکھکر بھی نہایت بزدلی سے خاموشی اختیار کرتے ہین۔ اور دوسرون کے لڑکون کو اپنے لڑکے تسلیم کرتے ہین حالانکہ انکو خوب علم ہوتا ہے کہ وہ بچے ولد الزنا ہین۔ ہم نے ایک بڑے ذی رتبہ امیر کا حال سنا ہے جو ایکدوسرے آدمی کی عورت سے زنا کرتا تھا اور جب اس بات کا چرچا عام ہوگیا تو دیوث خاوند نے اس بیحیائی پر پردہ ڈالنے کے عوض ساٹھ ہزار پونڈ کی رقم قبول کی اور اسی بات پر بالکل خاموشی ہوگئی۔ اور اب وہ دونون فریق اعلے درجہ کی سوسائیٹی مین اس سے بھی زیادہ عزت اور ادب کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہین جیسے کہ وہ پاک اور بے عیب ہونیکی حالت مین دیکھے جاتے اس لیڈی کی تصویر جسکی زناکاری کی قیمت ساٹھ ہزار پونڈ لی گئی تھی با تصویر تحریرون مین عموماً دیکھی جاتی ہے اور اسکے نیچے یہ موزون الفاظ درج ہوتے ہین کہ وہ عفت اور پاکیزگی کی ایک مجسم تصویر اور سفید کبوتری ہے۔ اس بیحیائی کے قصے مین اصل ملزمون سے بھی بڑھکر وہ فیشنیبل لوگ قابل الزام ہین جو انکے اس چال چلن کو اسکے علاوہ اس کتاب مین اور بہت سی چھوٹی چھوٹی بدیون کا ذکر ہے جیسے مہمان نوازی کا مفقود ہونا* گھر کے اندر کی خوشحالی کا زوال۔ فاخرہ لباس کا جنون۔ عورتونکا اجرت دیکر اخبارون مین اپنے متعلق یہ شایع کرانا کہ فلان عورت نہایت خوبصورت اور جوان اور دلفریب ہے اخبارونکی گندہ حالت جو کالمونکر کالم یہی بیان کرنے مین سیاہ کردیتی ہین کہ فلان ناچ یا عیش کی مجلس مین فلان عورت کا لباس ایسا اعلے اور ایسا چمکیلا اور ایسا دلکش تھا اور اسنے فلان فلان جواہرات یا زیورات پہنے ہوئے تھے۔ دولت اور دنیا کی محبت۔ وغیرہ وغیرہ مگر مین سمجھتا ہون کہ یہ تمام بدیان انہین دو کے فروع ہین جو مینے ابتدا مین بیان کی ہین اور اسیلیے پر تفصیل سے لکھنے کی کچھ حاجت نہین اگر وہ دو عیب دور ہوجائین یعنی ایمان اور اخلاق کا زوال تو چھوٹے چھوٹے نقص خودہی دور ہوجاوینگے۔ درحقیقت وہ چیز جسکی اسوقت مہذب سوسائیٹی کو سخت ضرورت ہے وہ خدا تعالے پر پاک اور سادہ اور یقینی ایمان ہے۔ وہ ایمان جس کی روشنی کی شعاعین ہر ایک ظلمت کو دور کردین اور دل کو تمام بدخواہشات سے پاک کردین۔ وہ ایمان جو زندہ اور طاقتور خدا کا چہرہ اسی دنیا مین دکھلاوے۔ جبتک اللہ تعالے پر ایسا ایمان پیدا نہ ہوگا اور اس پاک ذات سے ایسا مضبوط اور خالص تعلق نہ ہوگا حقیقی پاکیزگی کبھی حاصل نہین ہوسکتی۔ مغربی دنیا کا مذہب رواجاً اسکو عیسائی مذہب ہی کہلو۔ خدا تعالے پر ایسا ایمان پیدا کرنے اور اسکے

ساتھ ایسا تعلق قایم کرنے اور اسکی ایسی محبت اور عظمت دل مین قایم کرنیسے قاصر ہے اور یہی جڑ سب بدکاریونکی ہو دنیا
مین دو ہی قسم کی کشش ہی یعنی ایک خدا کی اور دوسرے دنیا کی محبت اور آسایش اور روپے کی کشش۔ عیسائی دنیا
اسوقت بکلی اس دوسری کشش کے نیچے آئی ہوئی ہے اور تمام افعال مین اور اقوال مین اور ارادون مین انکے
مدنظر دنیا اور دنیا کی آسایش ہی ہے۔ اسلیے یورپ مین سوسائیٹی کی یہ حالت ہے جس سے خدا کا تعلق بالکل کٹ چکا
ہے اور دنیا کا تعلق دن بدن بڑھ رہا ہے۔ خدا کا نام اتوار کے دن وعظ مین لینے کیلیے رکھا ہوا ہے۔ اور دل مین
خدا کی محبت بالکل نہین کیونکہ دل دنیا کی محبت سے پُر ہے اور خدا کی محبت کے لیئے اس مین کوئی جگہ خالی نہین۔

اگر کوئی یورپ مین طالب حق ہے تو اسے یاد رکھنا چاہیئے کہ صرف اسلام ہی وہ پاک مذہب ہے جو دل کو گناہ
اور جذبات سے آزاد کرتا ہے اور اس دنیا کی محبت کی آگ پر پانی ڈالتا ہے یہی وہ مذہب ہے جو خدا کی راہ دکھاتا ہے اور انسان
کو ان تمام برکات کا وارث بنا دیتا ہے جو پہلے راستبازونکو دیگئین۔ وجہ اسکی یہ ہو کہ اسلام ہی وہ ایک مذہب ہے جو
گناہ سے نجات کا سچا راہ بتاتا ہے اور وہ راہ یہ ہے کہ وہ اپنی عجیب تاثیر والی تعلیم سے اور اللہ تعالی کی ہستی پر خارق
عادت نشانونسے اور دعاؤنکی قبولیت سے ذات باری پر وہ پختہ اور یقینی ایمان پیدا کرتا ہے جسکے سامنے بدی کی
طاقت کمزور ہو کر نابود ہو جاتی ہے کیونکہ جب انسان اس یقینی ایمان سے جسپر اسلام اسکو پہونچاتا ہے یہ جانتا
ہے کہ خدا ہی جو دل کے بھید ونکو جانتا اور انسان کو اسکی بدکاری اور احکام الہی کی خلاف ورزی پر گرفت کر سکتا ہے۔
اور اسکی طاقت کے بالمقابل سب طاقتین ہیچ ہین تو وہ کبھی نہ خفیہ اور نہ ظاہر اسکی خلاف ورزی مین قدم رکھ سکتا ہے کیونکہ
وہ جانتا ہے کہ اگر اسنے ایسا کیا تو خدا کے غضب کی آگ اسکو بھسم کر جائیگی۔ یہ وہ پاک اور مضبوط ایمان ہو جسکی اسوقت
یورپ کو بلکہ کل دنیا کو ضرورت ہے اور اسکے سوائے دنیا کی نجات کہین نہین۔

زلزلون کی پیش گوئیان

ولایت کے میگزین آکلٹ ریویو مین ایک مضمون ۴ اپریل والے زلزلے کے متعلق شایع ہوا ہے جس مین یہ لکھا گیا
ہے کہ زلزلے عموماً چاندگرہن یا سورج گرہن کے بعد آتے ہین اور فلان فلان ستارے فلان فلان برج مین ہون تو اسوقت
آتے ہین چنانچہ یہ دعوے کیا گیا ہے کہ اسی بنا پر زیڈکیل کی جنتری مین جو اکتوبر ۱۹۰۴ء مین شایع ہوئی تھی۔ یہ
لکھا گیا تھا کہ ۷۰ درجہ طول بلد کے قریب مارچ کے اخیر یا اپریل کے ابتدا مین ایک تیز دھکہ زلزلہ کا محسوس ہوگا۔
مین اس وقت یہ بحث نہین کرونگا کہ آیا واقعی سیارون کا کوئی اثر زمین پر ہے یا نہین اور اس اثر سے زلزلے

پیدا ہو سکتے ہین یا نہین بلکہ مین ایک اور امر کی طرف ناظرین کو توجہ دلانا چاہتا ہون - زیڈکیل کی جنتری اکتوبر سنہ ۱۹ء
مین شایع ہوئی اور اس مین کسی ملک کا نام نہین کہ فلان ملک مین زلزلہ آئیگا اسی طول بلد یعنی ۴، درجہ مین بہت سے
ممالک واقع ہین اور پھر عجیب بات یہ ہے کہ اصل مرکز زلزلہ کا جہان اس کی تباہی سب سے زیادہ ہوئی ہے کانگڑہ
تھا جو ۷۶ - اور ۷۷ درجہ طول بلد شرقی کے درمیان واقع ہے اس جنتری کی اشاعت سے دس ماہ پہلے ایک شخص نے
خدا سے الہام پاکر یہ اخبار مین شایع کیا تھا کہ ایک دھکہ زلزلہ کا اس ملک مین محسوس ہونیوالا ہے اور پھر اس پہلی
اشاعت کے پانچ ماہ بعد یعنی اس جنتری سے پانچ ماہ پہلے یہ پھر شایع کیا کہ اس ملک کے ایک بڑے حصہ مین مکانات
بالکل زمین سے ملجائینگے اور نیست و نابود ہو جائینگے جیسا کہ الہام الہی عفت الدیار محلہا و مقامہا سے پایا جاتا
ہے (مفصل ان پیش گوئیون کے لیے دیکھو نمبر ۵ و نمبر ۴) یہ عجیب بات ہے کہ سیارون کے اثر کے لیے تو
لوگون کو بہت توجہ ہے اور اس قسم کے بیانات کو بغیر سوچے سمجھے قبول بھی کر لیتے ہین مگر وہ امر جس سے اللہ
تعالے کی ہستی اور اسکے تصرف تام اور علم کامل اور قدرت کاملہ پر ایک یقینی اور قطعی ثبوت ملتا ہے اسکی طرف توجہ
نہین کرتے بلکہ اس کا ذکر بھی کیا جائے تو پیٹھ پھیر دیتے ہین - کیا الہام الہی مین قبل اس کے کہ سیارون کا اجتماع معلوم
ہو سکے یا جنتری مین شایع ہو - زلزلہ کی خبر نہین دیگئی - اور پھر زیڈکیل کی جنتری کی خبر ہے بھی مہمل کیونکہ اس مین
صرف اسقدر لکھا ہے کہ ایک تیز دھکہ زلزلے کا محسوس ہوگا - مگر تیز دھکے دنیا مین ہمیشہ اور ہر ملک مین کم و بیش
آتے ہی رہتے ہین - مثلاً ۴ اپریل کے پنجاب کے زلزلے کو کیا خصوصیت ہے یقینی طور پر تیز دھکے نیوزیلینڈ
بندر عباس - سوٹزرلینڈ - فرانس - اٹلی - ویلز - ٹرکی وغیرہ ممالک مین محسوس ہوئے - جن مین سے کوئی
بھی اس طول بلد پر واقع نہین جس کا ذکر زیڈکیل کی جنتری مین ہے اور نہ ہی یہ تیز دھکے اسوقت پر محسوس
ہوئے - ایسا ہی تیز دھکے زلزلے کے ۴ - اپریل کے بعد کئی دفعہ محسوس ہو چکے ہین اس لیے تیز دھکہ کہدینا
کوئی علم نہین دیتا - مگر خدائے عالم الغیب نے جو وحی کی اس مین نہ صرف زلزلہ کا تیز دھکہ ہی بتایا گیا بلکہ ساتھ ہی
یہ بھی بتادیا گیا کہ اس قسم کا زلزلہ ہوگا کہ ایسا پنجاب مین پہلے کبھی نہین ہوا جس سے ایک حصہ ملک پنجاب مین
عمارتین ہی نیست و نابود ہو جائین گی - اب یہ وہ بات ہے جسپر کوئی انسانی عقل احاطہ نہین کر سکتی خالی تیز دھکہ
کہنا ایک مبہم لفظ ہے مگر وحی الہی نے کوئی ابہام باقی نہین چھوڑا بلکہ ایسے صاف الفاظ مین زلزلہ کی کیفیت کو
بیان کر دیا جس سے بڑھکر صفائی ممکن نہین - علاوہ ازین ان امور کو کسی منجمانہ تحقیقات سے کوئی تعلق نہ تھا کیونکہ ہر
جنتری سے ایک سال کے قریب پہلے یہ وحی شایع ہو چکی تھی پس اگر زیڈکیل کی جنتری مین شایع شدہ بیان
سے سیارون کا کوئی اثر زمین پر ثابت ہوتا ہے تو اس وحی الہی سے نہایت بین اور واضح دلایل اللہ تعالے
کی ہستی پر پیدا ہوتے ہین - کاش دنیا غور کرے -

اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ اب جب منجم اور علم زلزلہ کے ماہر دوسو سال تک اس ملک میں کسی زلزلہ کے آنے سے انکار کر چکے ہیں وحی الہی اب بھی یہ خبر دیتی ہے کہ آیندہ ابھی کوئی اور مصیبت پہلی سے بھی بڑھ کر آنیوالی ہے۔ یہ کسقدر بین دلایل ہیں مگر جہان لوگ زمینی علوم کی طرف جھکے ہوئے ہیں خدا کی باتوں کی طرف انکو دھیان کرنا بھی مشکل ہوتا ہے +

رؤیا والہامات حضرت مسیح موعود علیہ السلام

۲- جون ۱۹۰۵ء- رؤیا- ایک بڑا دریا ہے- اس میں سے کوئی چیز نکلی ہے جس میں سے شعلے نکلتے ہیں اور وہ چیز اس طرح میرے سامنے آئی جیسے دریا بطور تحفہ کے کوئی چیز پیش کرتا ہے اسے مینے لے لیا تو وہ ایک ٹوپی مچھلی کی کھال کی بنی ہوئی تھی اور مینے اسے سر پر رکھ لیا اسکے بعد پھر ایک اور چیز دریا نے پیش کی جو مچھلی کے چمڑے کا بنا ہوا ایک چغہ ہے وہ بھی مینے لے لیا- (فرمایا دریا سے مراد کوئی بڑا ذیشان آدمی یا اہل علم و فضل و کمال ہوتا ہے اور اسکے تحفہ دینے سے مراد حلقہ خادموں میں داخل ہونا یا معتقد ہونا یا رجوع لانا یا مالی خدمت کرنا ہے (واللہ اعلم)

۱۲- جولائی ۱۹۰۵ء- الہام- روحانی عالم کا دروازہ تیرے پر کھولا گیا- فبصرک الیوم حدید-

۲۶- " " " کنت کنزاً مخفیاً فاحببت ان اعرف- ترجمہ میں مخفی خزانہ تھا پھر مینے چاہا کہ میں پہچانا جاؤں-

فرمایا صفات الٰہیہ کا ظہور ہے کسی زمانہ میں کوئی ایک صفت ظاہر ہوتی ہے اور کسی زمانہ میں پوشیدہ رہتی ہے- جب ایک اصلاح کا زمانہ دور پڑ جاتا ہے اور لوگوں میں خدا شناسی نہیں رہتی تو اللہ تعالے پھر اپنی معرفت کو ظاہر کرنیکے واسطے ایک ایسا آدمی پیدا کرتا ہے جسکے ذریعہ سے اسکی معرفت دنیا میں پھیلتی ہے لیکن جس زمانہ میں وہ مخفی ہوتا ہے اس زمانہ کے عابد ونکی عبادۃ اور زاہدونکے زہد بھی ادھورے اور نکمے رہ جاتے ہیں- یہ الہام براہین احمدیہ میں بھی درج ہے لیکن اب پھر اسکے خاص ظہور کا وقت معلوم ہوتا ہے اسواسطے دوبارہ یہ الہام ہوا ہے +

۲۹- جولائی ۱۹۰۵ء- "محمد مُفلح" (اس الہام میں حضرت مسیح موعود کو اس نئے نام سے خطاب کیا گیا ہے)

۲۰ اگست۔ پہلے رؤیا دیکھی کہ ایک لفافہ کسی نے دیا ہے اس میں سے دو چار پیسے نکلے ہیں۔ پھر وہ پیسے میرے سامنے رکھے ہوئے بہت سارے ہو گئے ہیں۔ اسکے بعد الہام ہوا:۔ "تیرے لیے میرا نام چمکا"

ریویو

بست سوال۔ شیخ الہ دین صاحب احمدی واعظ انجمن حمایت اسلام لاہور نے عیسائی مذہب پر بیس مضبوط اعتراض کیے ہیں اور ان کا جواب عیسائی صاحبان سے طلب کیا ہے۔ ۲۰ صفحے۔ قیمت ۱ر

سائینس و تعلیم۔ ایک نیا ماہوار رسالہ جولائی ۱۹۰۸ء سے لاہور سائینٹیفک و ٹیکنیکل ورکشاپ کیطرف سے نکلنا شروع ہوا ہے۔ اسکے ایڈیٹر للہ بہاری لال بھاٹیہ بی ایس سی ہیں۔ غرض سائینس کی اشاعت ہے۔ قیمت سالانہ ۱۲ار۔ معہ انگریزی ضمیمہ۔ عہ ر

عصر جدید۔ اس ماہوار رسالے کا جو اڑھائی سال سے جاری ہے جولائی کا پرچہ بغرض ریویو موصول ہوا ہے۔ اس پرچے میں مختلف اہل علم اصحاب کی قلم کے مضامین مسلمانوں کی اصلاح کے متعلق ہوتے ہیں کاشکہ وہ اصلاح کی اس پٹری پر ہوتے جسپر بانی اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام نے چلایا تھا۔ اسکے ایڈیٹر خواجہ غلام الثقلین صاحب بی اے ہیں۔ ۴۰ صفحے قیمت عہ سالانہ۔

مصادر مرکبہ۔ معروف بہ مرقع اردو۔ مصنفہ مولوی محمد عبد المجید خانصاحب رامپوری۔ اس کتاب میں فاضل مصنف نے اردو زبان کے محاورات کو جمع کیا ہے اور ہر ایک محاورہ کی سند میں اشعار پیش کیے ہیں۔ مدرسوں اور طالبعلموں کیلئے نہایت مفید کتاب ہے۔ پہلا حصہ چھپ چکا ہے جسکی قیمت ۴ ر ہے اسکی چند کاپیاں مدرسہ تعلیم الاسلام کے بک ڈپو میں موجود ہیں جو صاحب چاہیں منگوا کر دیکھ سکتے ہیں۔

حیرت کی حیرانی۔ منشی عبد العزیز صاحب کلارک دفتر نہر جمن غربی دہلی نے مرزا حیرت ایڈیٹر کرزن گزٹ دہلی کے ان اعتراضات کا جواب دیا ہے جو بذریعہ اخبار انہوں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر کیے۔ اور جو جودھو کا دہی مرزا حیرت نے کی ہے اسے بڑی قابلیت اور محنت سے کھولکر دکھایا ہے۔ بڑی خوبی یہ ہے کہ انکے تمام اعتراضوں کا جواب انکی ہی تحریر وں سے دیا ہے۔ ساڑھے نو جزو کا رسالہ قیمت صرف ۵ احباب متعدد کاپیاں خرید کر مفت تقسیم کریں اور رسالہ کی اشاعت میں منشی صاحب موصوف کو مدد دیں۔ دوسرا حصہ اس کتاب کا زیر تصنیف ہے جس کی قیمت ۲ ر ہے +

رجسٹرڈ ایل نمبر ۳۰۴

ہمارا مدرسہ

ہمارے احباب کو ابھی تک اس بات کیطرف توجہ نہین ہوئی کہ قادیان مین مدرسہ قایم کرنیکی اصل غرض کیا تھی اور وہ کس حد تک پوری ہو رہی ہے اسوقت ہمارے بورڈنگ ہوس مین چالیس لڑکے ہین اگر مین پوچھتا ہون کہ کیا اس دو یا تین لاکھ کی جماعت مین کل یہی چالیس لڑکے ہی مدرسہ جانیکے قابل ہین افسوس سے کہنا پڑے گا کہ یہ جماعت کے پڑھنے والے بچون کا سوان حصہ بھی نہین ۔ پھر میرے دوستو کس قدر افسوس کی جگہ ہے کہ آپ کا امام اپنی زندگی مین اپنے سامنے آپ لوگونکے بچونکے لیے ہان انکی دینی اور ساتھ ہی دنیوی بہبودی کیلیے بھی ایک مدرسہ قایم کرے اور آپ لوگ اپنے اپنے شہرونکے مدرسونکو اسپر ترجیح دین اگر اس مدرسہ کے قایم کرنیکی یہ غرض نہین کہ اپنی جماعت کے کل بچے اس جگہ تعلیم پا دین تو اس مدرسہ کا رکھنا بالکل فضول ہے اور ایک دکھاوے سے بڑھکر اسکی کوئی وقعت نہین ۔ پھر کیون ایک دکھاوے کی خاطر قوم پر اسقدر بوجھ پڑے ۔ اگر بورڈنگ ہوس مین جاکر بورڈرونکی تختیونکو دیکھو اور یہ تلاش کرنے لگو کہ لاہور امرتسر اور سیالکوٹ جیسے عظیم الشان شہرونمین سے کسقدر بچے یہان تعلیم کیلیے آئے ہین تو اس تکلیف کے اٹھانیکی کوئی ضرورت نہین مین آپکو بتا دیتا ہون کہ ایک بھی لڑکا نہین کیا اس طرح سے قوم قوم بنیگی کیا احمدیونکی نئی نسل جو دنیا کے لیئے بطور ہادی اور رہبر کے ٹھہرنی ہے اسیطرح سے پیدا ہوگی کہ تمہارے بچے بھی دوسرے مسلمانون ہندوؤن عیسائیونکی طرح انہین مدرسونمین دنیا کے کیڑے بنے رہین اور دین کا خیال بھی انکے نزدیک نہ آئے کیا دین کو دنیا پر یہی ترجیح ہے کہ آپ لوگ اپنے بچونکو تعلیم کیلیے بھی یہان نہین بھیج سکتے حالانکہ معمولی دنیوی تعلیم بھی انکو یہان دیجاتی ہے ۔ کسقدر افسوس کا مقام ہے کہ وہ انسان تمہارے درمیان موجود ہے جسکی نسبت تمہارا ایمان ہے کہ وہ وقت بھی آنیوالا ہے کہ بادشاہ اسکے کپڑونسے برکت ڈھونڈینگے اور تم اپنے بچونکو اسکے فیض صحبت اور اسکا چہرہ دیکھنے سے محروم رکھو ۔ جو لوگ خود یہان آکر نہین رہ سکتے انکے لیے کیسا عمدہ موقعہ تھا ۔ کہ وہ اپنے بچونکو یہان بھیجدیتے ۔ ۔ ۔ ۔ اگر قوم متفق ہوکر اپنے بچونکو اسجگہ تعلیم دینے پر آمادہ ہوجاوے تو چند دنون مین ہی چالیس سے چار ہزار تک بورڈرونکی تعداد پہنچ سکتی ہے اور اونہی فیسونسے جواب دوسرے مدرسونمین دیجاتی ہین اعلے درجہ کا سکول اور بورڈنگ ہوس ہی نہین بلکہ ایک عظیم الشان کالج تیار ہو سکتا ہے یہ وقت کام اور ترقی کا ہے سو غور کرو اور اتفاق سے وہ نمونہ قایم کرکے دکھاؤ جو دنیا کی قومونکو حیران کرنیوالا ہو ۔ جس طرح نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے صحابہ نے دنیا کو حیران کردیا تھا ۔

اسکے ساتھ ہی مین یہ بھی کہنا چاہتا ہون کہ جن مساکین اور یتامی کی پرورش اس مدرسہ مین کیجاتی ہے انکی مدد کرکے بھی حصول ثواب کے مستحق ٹھہرو ۔ یہ دو مدین مستقل آمد کا ذریعہ چاہتی ہین کیونکہ انکا خرچ اسوقت ستو روپے ماہوار کے

حکیم فضلدین صاحب نے اپنے مطبع ضیاء الاسلام مین منیجر میگزین کیلیے چھپایا +

آؤ لوگو کہ یہیں نور خدا پاؤ گے ✤ لو تمہیں طور تسلی کا بتایا ہم نے

ریویو آف ریلیجنز

یعنی

دنیا کے مذاہب پر نظر

جلد ۴ بابت ماہ ستمبر ۱۹۰۵ء نمبر ۹

فہرست مضامین

قادیان ضلع گورداسپور سے ۲۰ ستمبر ۱۹۰۵ء کو منیجر میگزین کے اہتمام سے شایع ہوا۔ چندہ سالانہ [illegible]

سلسلہ کی اعانت کی تحریکین

(۱) ابتدائے سال میں میں نے ہندوستان سے باہر میگزین کی مفت اشاعت کیلیے ایک تحریک کی تھی جسپر بعض احباب نے توجہ کی۔ پچھلے مہینے میں لاہور کی جماعت کیطرف سے حکیم محمد حسین صاحب قریشی نے یہ تجویز کی اور پھر اسپر عمل کرنے میں بھی سبقت کی جزاہم اللہ احسن الجزا۔ جسکو میں بدر میں شایع بھی کر چکا ہوں کہ تمام شہروں اور قصبوں کی جماعتیں ایک معین تعداد رسالوں کی اپنے ذمہ لے لیویں جو انکے خرچ پر باہر بھجوائے جاویں۔ اس تجویز کا اثر نہایت نیک ہوا اور لاہور۔ سیالکوٹ۔ میرٹھ۔ ڈیرہ غازیخان۔ اور کپورتھلہ کی جماعتوں نے اسکو پسند کر کے بعض نے چالیس چالیس اور بعض نے دس دس رسالوں کا اپنے خرچ پر باہر بھیجنا منظور کیا۔ مگر تعجب ہے کہ ان پانچ جماعتوں کے سوا اور کسی جماعت کیطرف سے آواز نہیں آئی اسلیے دوبارہ تمام جماعتوں کے کارکن ممبروں کی خدمت میں درخواست کیجاتی ہے کہ وہ بہت جلدی اسکا انتظام کریں ایک جماعت میں سے دس رسالوں کا باہر بھیجنا صرف ۴۵ روپے سالانہ کا خرچ ہے جو پونے چار روپیہ ماہوار ہوتے ہیں اور تھوڑی سی کوشش سے اسقدر چندہ جمع ہو سکتا ہے۔ جماعت وزیرآباد اور حیدرآباد دکن سے بالخصوص یہ استدعا ہے کہ وہ لاہور اور سیالکوٹ کی طرح چالیس چالیس رسالوں کا انتظام کریں۔

(۲) جاپان میں اشاعت اسلام کیطرف حضرت امام علیہ السلام کو خاص توجہ ہے اور آپکا منشا ہے کہ ایک کتاب تیار کیجاوے جسمیں جامع طور پر اصول اسلام دکھائے جاویں یہ بھی فرمایا ہے کہ جبتک ایسی کتاب تیار ہو اسوقت تک میگزین کی متعدد کاپیاں ہی اشاعت کے لیئے باہر بھیجنی چاہئیں۔ بہت احباب نے اسطرف توجہ فرمائی ہے جنہوں نے ابھی تک نہیں کی انکی خدمت میں یہ التماس ہے کہ وہ جلد تر توجہ فرماویں۔

(۳) مدرسہ تعلیم الاسلام کیطرف احباب کی خاص توجہ لکھا رہے میں گذشتہ اشاعت میں عرض کر چکا ہوں کہ حضرت مسیح موعود کیغرض اس مدرسہ کے قایم کرنیسے یہ تھی اور ہے کہ سب دوستوں کے بچے اسجگہ رہکر وہ تعلیم حاصل کریں جو دوسرے مدرسوں میں کرتے ہیں تاکہ انکی دنیا کے ساتھ ساتھ انکا دین بھی سنورے مدرسہ کا سٹاف بحمد اللہ اسوقت نہایت اعلے درجہ کا ہے اور بورڈنگ ہوس کی نگرانی کا کام بھی ایک پرجوش اور مخلص نوجوان احمدی گریجوایٹ کے سپرد ہے۔ کارکنوں کو ہر وقت یہی فکر ہے کہ اعلے درجہ کی دینی تعلیم کے ساتھ جو بلا شبہ اسجگہ رہکر میسر آسکتی ہے اعلے درجہ کی دنیوی تعلیم بھی ہو۔ اسلیے یہ نہایت ضروری ہے کہ احباب اپنے اپنے بچوں کو جو دوسرے مدرسوں میں تعلیم پاتے ہیں اس مدرسہ میں بھیجیں تاکہ وہ حضرت مسیح موعود کی صحبت میں رہکر اور خدا تعالے کی ہستی کے ان نشانات کو دیکھکر جو بارش کیطرح برس رہے ہیں دنیا میں خدا کے سچے مخلصین اور مومنین کا نمونہ بنکر دکھاویں۔ نہ صرف اسمیں

میں مدرسہ کی کامیابی ہے بلکہ سلسلہ کی کامیابی بھی اسی میں ہے کہ وہ قوم پیدا ہو جو خدا تعالیٰ کی ہستی کے نشانات کو

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نحمدہٗ و نصلّی علیٰ رسولہِ الکریم

غلامی

۳- غلاموں کی تدریجی آزادی کی احکام

جیساکہ بار بار ثابت کیا جاچکا ہے۔ قرآن کریم نے عرب کے تمدنی اور اخلاقی قوانین مین ایک کامل اور بے نظیر تبدیلی پیدا کی مدتون کی بدیان جو گویا جزو خون ہو چکی تھین آنحضرت کے طاقتور الفاظ کے سامنے یون نیست و نابود ہو گئین جیسے ایک زبردست آندھی کے سامنے چھوٹے چھوٹے تنکے اڑ جاتے ہین مگر غلامی ایک ایسی چیز تھی کہ جہان بعض پہلوؤن کے لحاظ سے اسے برا کہہ سکتے ہین بعض وجوہات سے ابتدائی سوسائیٹی مین اس رواج کا موجود ہونا ضروریات مین سے تھا اور یہ مین پہلے حصہ مضمون مین ثابت کر چکا ہون۔ علاوہ ازین یہ بھی دکھایا جاچکا ہے کہ اسیران جنگ یا مغلوب دشمن کو غلام بنا لینا خود اس قدیم رواج پر ایک عظیم الشان ترقی تھی جس کے رو سے ایسے لوگ کل کے کل ہلاک کر دیئے جاتے تھے جس کا ذکر توریت مین بھی ہے۔

ان باتون کو چھوڑ کر غلامونکو یکدفعہ ہی آزاد کر دینے مین اور بڑے بڑے مضرات تھے اور ایسی کارروائی مین نہ صرف آقاؤن کا ہی بہت بڑا نقصان تھا بلکہ اسکا اثر خود غلامونکی حالت پر بھی بہت برا ہوتا۔ اور سوسائیٹی کے تمدن اور اخلاق کا تباہ کرنیوالا ہوتا۔ وہ لوگ جو پشتون سے غلام چلے آتے تھے ان مین سے نہ صرف آزادی کی روح ہی نکل چکی تھی بلکہ کام اور محنت مین بھی وہ سست ہو گئے تھے۔ ایسے لوگونکو خالی ہاتھ کھلا چھوڑ دینے کا نتیجہ یہ تھا کہ یا تو وہ آوارگی اور گدائی مین زندگیان بسر کرتے اور یا چوری ڈاکہ اور بدمعاشی کے پیشے اختیار کرتے اور مالکون کا لاکھون روپیون کا الگ نقصان تھا۔ کوئی عقلمند انسان ان حالات کے ماتحت غلامونکو یکمرتبہ

آزاد کرنے کا مشورہ نہین دے سکتا۔

بلحاظ وجوہات بالا اور وجوہات کے لحاظ سے جو سوقت پیش آئین اسلام نے اپنے مدنظر پہلا مقصد یہ رکھا کہ غلامون کی حالت بہتر کیجاوے فطرت انسانی کی پستی کا خیال ان کے دلون سے دور کیا جاوے اور سب سے بڑھکر یہ کہ ان کو کام اور محنت کرنیکے قابل بنایا جاوے اور پھر اسکے ساتھ ساتھ ہی انکو آہستہ آہستہ آزاد بھی کیا جاوے یہی وجہ تھی کہ سب سے پہلے اسلام نے آقا اور غلام کے درمیان ایک کامل اخوت قایم کی تاکہ جو ذلت غلام کیطرف منسوب کیجاتی ہے وہ دور ہوجاوے اور اس ایک ہی دروازہ کے بند کرنے سے بہت سی بدیان رک جاوین۔ اس اخوت کا عملی طور پر ابتدائی مسلمانون نے کیا ثبوت دیا صحابہ کی تاریخ کے حوالے سے گذشتہ اشاعت مین دکھایا جا چکا ہے۔ اس بات کی تائید مین کہ واقعی اسلام کا یہ منشاء تھا کہ پہلے غلامونکی حالت سنوار کر پھر انکو آزاد کیا جاوے قرآن کریم اور حدیث شریف دونونسے ثبوت ملتا ہے۔ چنانچہ قرآن کریم فرماتا ہے:۔ والذین یبتغون الکتب مما ملکت ایمانکم فکاتبوھم ان علمتم فیھم خیرا واتوھم من مال اللہ الذی اتکم (النور۔ رکوع ۴۔ آیت ۳۳) اوران لوگون مین سے جنکے تمہارے دائین ہاتھ مالک ہوچکے ہین یعنی تمہارے غلامون لونڈیون مین سے جو اس بات کے خواہان ہون کہ تم انکو آزادی کی لکھت دیدو۔ تو تم انکے ساتھ مکاتبت کرلیا کرو بشرطیکہ تم ان مین بھلائی کے آثار پاؤ اور آزاد کرتے وقت مال خدا مین سے جو اسنے تمکو دے رکھا ہے کچھ انکو بھی دیدیا کرو۔ اس آیت شریف مین مکاتبت کے لیے اللہ تعالے نے دو باتین ضروری قرار دی ہین اول یہ کہ غلام مین کچھ بھلائی نظر آتی ہو یعنی اسکی آزادی اس کی اپنی اور سوسائیٹی کی بہتری کا موجب ہو۔ ان الفاظ کی تشریح مین تفسیر کبیر مین آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث نقل کی گئی ہے کہ آپنے فرمایا کہ ان علمتم فیھم خیرا سے مراد یہ ہے کہ:۔ ان علمتم لھم حرفۃ فلاتدعوھم کلا علے الناس یعنی اگر تمہین معلوم ہو وہ کوئی ایسا حرفہ جانتے ہین جس سے وہ اپنا معاش پیدا کرسکتے ہین اور فرمایا کہ تم انکو ایسی حالت مین مت چھوڑو کہ وہ لوگونپر یعنی سوسائیٹی پر بوجھ ہون مطلب اسکا یہ ہے کہ غلام لونڈی سے مکاتبت کرتے وقت یہ دیکھ لیا کرو کہ وہ اپنے لیے روزی کمانیکے بھی قابل ہے اگر وہ اس لائق ہی نہین تو تمہارے اسکو آزاد کرنیکا یہ نتیجہ ہوگا کہ بجائے سوسائیٹی کا مفید ممبر ہونیکے وہ سوسائیٹی پر ایک بوجھ ہوگا اور اصل غرض آزادی کی مفقود ہو جاوے گی۔ دوسری بات جسکو مکاتبت کے ساتھ ضروری قرار دیا ہے یہ ہے کہ اسکو مفلس کر کے دنیا مین مت چھوڑو بلکہ کچھ مال بھی اسکو دیدو تا وہ کسی کام کے شروع کرنیکے قابل ہوجاوے ان دونون باتونکو مدنظر رکھکر بڑی صفائی سے یہ معلوم ہوجاتا ہے کہ اسلام کی اصل غرض کیا تھی۔ ایسا ہی صحیح بخاری کی ایک حدیث سے بھی

معلوم ہوتا ہے کہ جو لونڈی یا غلام آزاد کیا جاوے ایسا ہونا چاہیئے جو خوب کام کرتا ہے اور اپنے آقا کو خوش رکھتا ہے۔ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالےٰ عنہ فرماتے ہین کہ مینے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا ای الرقاب افضل یعنی آزاد کرنیکے لیے کونسا بردہ سب سے افضل ہے۔ فرمایا:- اغلاہا ثمنا وانفسہا عند اہلہا۔ یعنی جو سب سے زیادہ گران قیمت ہو اور مالک کے نزدیک سب سے زیادہ قابل قدر ہو۔ ان الفاظ مین آپنے غلامونکو بھی یہ سمجھا دیا کہ انکے لیے آزادی حاصل کرنے کی راہ یہی ہے کہ وہ اپنے آپکو بہت مفید اور قیمتی آدمی بنانے کی کوشش کرین کیونکہ جس غلام کی مالک کو زیادہ قدر ہوگی وہی سب سے پہلے آزادی کا مستحق بھی ہوگا مین جب اسلام کی تعلیم کو دیکھتا ہون تو حیران ہو جاتا ہون کہ اسکے کل کے کل احکام کس قدر باریک اصول حکمت پر مبنی ہین۔ غلامون کی آزادی کا فتوے الفاظ مین دیدینا چندان مشکل نہین مگر اسلام صرف یہی نہ چاہتا تھا بلکہ اس کی اصل غرض غلامونکی حالت کو سنوارنا تھا کیونکہ مدتونکی غلامی سے انکی حالت بہت گرچکی ہوئی تھی اور پھر جون جون ان کی حالت سنورتی جائے اور وہ اپنے آپ کو مفید بناتے جاوین ساتھ ساتھ ان کی آزادی کا انتظام بھی فرمادیا۔ یہی بڑی وجہ تھی کہ اسلام نے یکمرتبہ ہی غلامونکی آزادی کا حکم نہین دیدیا بلکہ تدریجی آزادی کے قاعدہ کو جاری فرمایا۔ ورنہ وہ مذہب جس نے شراب جیسی بدی کو جس کی بیخ کنی کا آج دنیا مین کوئی علاج نہین ملتا ایک ہی لفظ مین ایسا بیخ وبن سے کاٹ دیا کہ اسکا نام ونشان بھی نہ رہا۔ اسکے آگے غلامونکو یکمرتبہ آزاد کردینا کیا مشکل تھا۔ اور اب آخرکار انیسوین صدی مین آکر جب عیسائیونکو غلامی کے دور کرنے کا خیال پیدا ہوا تو تدریجی آزادی کے اصول کو ہی اختیار کیا گیا پس یہ کسقدر حماقت ہے کہ اسلام پر یہ اعتراض کیا جاوے کہ اس نے غلامی کو یکقلم کیون موقوف نہین کردیا۔

قبل اس کے جو مین اسلام کے ان احکام کو بیان کرون جن سے غلامونکی تدریجی آزادی ثابت ہوتی ہے۔ مین یہ بیان کرنا چاہتا ہون کہ اس بارے مین رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے مسلمانونکے لیئے ایک نمونہ قایم کرکے اپنی اصل غرض اور منشاء کو ظاہر کردیا ہے اور یہ فخر اور بزرگی ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو ہی حاصل ہی۔ کہ آپنے ہر ایک امر پر پہلے خود عمل کرکے دکھایا تاکہ آپکے عمل سے یہ معلوم ہوجائے کہ آپ کا منشاء کیا تھا۔ اور اسی لیے مسلمانونکو اللہ تعالےٰ نے خاص طور پر لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ فرماکر یہ سمجھا دیا کہ جو نمونہ تمہارے لیے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم قایم کرتے ہین اسی نمونہ پر تم سب کو چلنا چاہیئے یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالےٰ نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے اقوال اور افعال کو حفاظت سے آنے والی نسلون تک پہونچا دیا۔ اب جب غلامونکے بارے مین ہم آپ کے نمونہ کو تلاش کرتے ہین تو صحیح حدیثونسے اور آپ کی سیرۃ کی معتبر تاریخونسے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آپ ہمیشہ اپنے

غلامونکو آزاد کر دیا کرتے تھے۔ چنانچہ مواہب لدنیہ مین بہت سارے غلامون اور لونڈیون کے نام لکھکر جنکو آپنے آزاد کیا تھا ابن جوزی کی سند پر یہ لکھا ہے کہ آپنے تینتالیس غلام اور گیارہ لونڈیون کو آزاد کیا۔ بعض مورخون نے آپ کے آزاد کردہ بردونکی تعداد کو اس سے بہت زیادہ لکھا ہے۔ مگر ہماری غرض کے لیئے صرف اسقدر بات کافی ہے کہ جو غلام آپکے قبضے مین آتا تھا آپ جلدی اسکو آزاد کر دیتے تھے آپکے اس نمونہ کو ہی دیکھ کر صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے غلامونکے آزاد کرنے مین بڑی بڑی ہمتین دکھائین اور جہانتک اسوقت کی تمدنی حالت برداشت کر سکتی تھی غلامونکو آزاد کرتے رہے۔ آنحضرتؐ صلے اللہ علیہ وسلم کی گہری دلی ہمدردی جو غلامونکے ساتھ تھی اور جو سچی تڑپ آپکے دل مین انکے آزاد کرنیکے لیئے تھی اسکا صحابہ پر اسقدر اثر تھا کہ وہ جانتے تھے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو یہ بہت ہی خوش کرنیوالی بات ہے کہ غلام آزاد کیا جاوے۔ جب حضرت ابو ہریرہؓ نے اسلام قبول کیا۔ اور بیعت مین داخل ہوئے تو آپکے ساتھ آپ کا ایک غلام بھی آیا تھا جو اتفاقاً راستہ مین آپسے جدا ہوگیا آپ بیعت سے فارغ ہوکر بیٹھے ہی تھے کہ غلام بھی آموجود ہوا۔ آپنے اسیوقت فرمایا کہ جا مین نے خدا کیلیئے تجھے آزاد کیا۔ گویا اپنے اس فعل سے اسوقت آپنے یہ ظاہر کیا کہ کس طرح آپ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے ہر ایک قول اور فعل کی پیروی کرنیکے لیئے تیار تھے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس غلام اپنے آقاؤن کی شکایتونکو اس طرح لے کر آتے تھے گویا ان کا دل اس یقین سے بھرا ہوا تھا کہ آپ ہر حال مین ہمارے حامی ہونگے! ور ایسی شکایتونکا نتیجہ اکثر آقاؤنکے خلاف ہی ہوتا تھا کیونکہ آپ اکثر غلام کو آزاد کر دیتے۔ ابو مسعودؓ جیسے جلیل القدر صحابی نے جب اپنے غلام کو کسی قصور پر مارا تو اتفاقاً آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے دیکھ لیا۔ جب حضرت ابو مسعود کو یہ معلوم ہوا کہ آنحضرت نے دیکھ لیا ہی تو پہلے لفظ جو آپکے مُنہ سے نکلے یہ تھے۔ کہ اے رسول خدا مینے اس غلام کو خدا کیلیئے آزاد کر دیا۔ آپنے فرمایا اور اگر تم آزاد نکرتے تو آگ مین ڈالے جاتے! اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کو کسقدر تیقن تھا کہ آپ انسانونکے سچے ہمدرد اور غلامونکے سچے خیر خواہ ہین۔ آپ ہی کے نقش قدم پر قرون اولے کے مسلمان چلتے رہے کیونکہ انکے دلون مین ایسی آپ کی محبت اور عشق کی آگ روشن تھی کہ وہ کبھی گوارا نہ کر سکتے تھے کہ جو فعل رسول خدا کیا کرتا تھا وہ اسے نہ کرین۔ چنانچہ پہلے خلفائے کے زمانہ مین غلامونکی تدریجی آزادی جاری رہی۔ باقی رہا یہ کہ تبدان سب کو آزاد کر دیتا سو ہر ایک دانشمند دیکھ سکتا ہے کہ اس مین نہ آقاؤنکی نہ غلامونکی اور نہ ہی سوسائیٹی کی بھلائی تھی بلکہ سب کا نقصان تھا۔

اب مین ان احکام کو بیان کرونگا جو قرآن کریم مین اور حدیث نبوی مین غلامونکی تدریجی آزادی کے

متعلق وارد ہوئے ہین۔ سب سے پہلے یہ بات یاد رکھنی چاہیئے کہ قرآن شریف مین جو حکم غلامون لونڈیون کے ساتھ احسان کرنیکا مذکور ہوا ہے اسکی اصل غرض اور غایت بھی یہی تھی کہ رفتہ رفتہ غلامونکو آزاد کر دیا جاوے یہ بات نہ صرف آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے اپنے عمل سے ہی ثابت ہے کہ آپ ہر ایک غلام کو جو آپکے قبضہ مین آتا تھا آزاد کر دیتے تھے بلکہ آپکے اقوال سے بھی یہی بات واضح اور روشن ہے۔ مثلاً آپ کا وہ قول جو گذشتہ اشاعت مین بھی نقل کیا جا چکا ہے جسکا ترجمہ یہ ہے کہ حضرت جبرائیل نے غلامون کے ساتھ نیک سلوک کرنے کی یہانتک مجھکو تاکید کی کہ مین نے خیال کیا کہ کسی کو غلام ہی نہ بنایا یا رکھا جاوے ایک بین دلیل ہے اس بات پر کہ سب سے عمدہ سلوک غلامونکے ساتھ انکو آزاد کرنا ہی تھا۔ ایسا ہی وہ حدیث بھی نقل کی جا چکی ہے کہ جب ابو الہیثم رضی اللہ تعالے عنہ کو آپنے ایک غلام دیا اور ساتھ تاکید کی کہ اسکے ساتھ حسن سلوک کرنا تو اس کی بیوی نے کہا کہ اسکے ساتھ حسن سلوک تو ہم یہی کر سکتے ہین کہ اسکو آزاد کر دین چنانچہ آزاد کر بھی دیا۔ ان تمام باتونسے وہ مدعا حاصل ہے جسکو ہم ثابت کرنا چاہتے ہین۔

جب ہم قرآن شریف کو پڑھتے ہین تو معلوم ہوتا ہے کہ غلام کو آزاد کرنا اللہ تعالے کے نزدیک بہت ہی پیارا فعل ہے چنانچہ سورۃ البلد مین اللہ تعالے فرماتا ہے:۔ الم نجعل لہ عینین ولسانا وشفتین وھدینہ النجدین فلا اقتحم العقبۃ وما ادرٰک ما العقبۃ فک رقبۃ۔ (البلد- ۸-۱۱) "کیا ہم نے انسان کو دو آنکھین اور زبان اور دو ہونٹ نہین دیئے اور اسکو (نیکی اور بدی کے) دونون رستے بھی دکھا دیئے پھر بھی وہ گھاٹی مین سے ہو کر نہ نکلا! اور تم کیا سمجھتے ہو کہ وہ دشوار گذار گھاٹی کیا ہے وہ ہے کسی کی گردن کا غلامی یا قرض کے پھندے سے چھڑا دینا" اس آیت شریف سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کریم نے غلامونکے آزاد کرنیکو کسقدر ضروری قرار دیا ہے مگر ساتھ ہی اسکی مشکلات کو سمجھ کر یہ بھی فرما دیا کہ غلامون کا آزاد کرنا کوئی آسان امر نہین بلکہ ایک نہایت مشکل امر ہے اور ایک دشوار گذار پہاڑی راہ پر چڑھنے کے برابر ہے۔

البقرۃ آیت ۱۷۷ مین اللہ تعالے فرماتا ہے۔ ولکن البر من آمن باللہ...... وآتی المال علے حبہ ذوی القربی ...... وفی الرقاب۔ کہ حقیقی پاکیزگی یہ ہے کہ انسان ایمان لائے اور پھر ساتھ اسکے اپنا مال خالص اللہ کی محبت کے لیئے فلان فلان موقعہ پر خرچ کرے جس مین غلامونکا آزاد کرنا بھی شامل فرمایا ہے۔ یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ ایسی آیتین محض نصیحت کے پیرایہ مین نہین بلکہ ان مین صحابہ رضی اللہ عنہم کی زندگیون کا ایک سچا نقشہ بھی کھینچا گیا ہے چنانچہ تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ نے بہت بہت غلام آزاد کیئے نہ صرف اپنی ملکیت کے بلکہ خرید خرید کر بھی بہتونکو آزاد کیا چنانچہ ایک صحابی کا ذکر ہے کہ اسنے ایکسو غلام اسلام لانیکے

بعد آزاد کیا۔ اور حضرت ابو بکر نے مکہ مین چالیس ہزار درم غلامونکے خرید کر آزاد کرنے مین خرچ کیے۔ ان تمام باتونسے ثابت ہوتا ہے کہ غلامونکا آزاد کرنا اسلام نے مذہبی فرض قرار دیا ہے۔

نہ صرف افراد کو ہی یہ حکم تھا کہ وہ حسب طاقت اور بمقتضائے وقت غلام آزاد کرین۔ بلکہ صدقات کے روپے کا جو بیت المال مین جمع ہوتا تھا ایک ضروری خرچ غلامونکا آزاد کرنا بھی تھا۔ چنانچہ اللہ تعالےٰ قرآن شریف مین فرماتا ہے :۔ انما الصدقت للفقراء والمساکین والعملین علیھا والمؤلفۃ قلوبہم وفی الرقاب والغارمین وفی سبیل اللہ وابن السبیل فریضۃ من اللہ واللہ علیم حکیم + (التوبۃ۔ رکوع ۸۔ آیت ۶۰) یعنی صدقات کا روپیہ فقیرون کا حق ہے اور محتاجونکا اور ان کارکنون کا جو اسکے وصول کرنے یا تقسیم کرنے پر مقرر ہین۔ اور مولفۃ القلوب کا اور نیز روپیہ غلامونکے آزاد کرنے اور قرضدارون کے قرضے ادا کرنے مین اور اللہ کی راہ مین اور مسافرونکے لیئے خرچ کیا جاوے۔ یہ اللہ کے ٹھہرائے ہوئے حقوق ہین اور اللہ جاننے والا اور حکمت والا ہے اس آیت مین صدقات یعنی زکوٰۃ کے روپے کے مصارف مین سے ایک ضروری خرچ غلامونکے آزاد کرنیکا ٹھہرایا گیا ہے۔ گویا حکومت کا یہ فرض قرار دیا گیا ہے کہ وہ بھی ایک حصہ روپے کا غلامونکے آزاد کرنے مین صرف کرے۔ یہ حکم انسانی نہین بلکہ اللہ تعالےٰ کیطرف سے ہے۔

علاوہ ان عام احکام کے بعض حالتون مین صاحب مقدور مسلمانونکے لیئے غلام کا آزاد کرنا جہان غلام ملسکے لازمی قرار دیا گیا ہے اور یہ تمام موقعے کسی نہ کسی گناہ کا کفارہ ہین۔ پہلا موقعہ وہ ہے جب ایک مسلمان کسی دوسرے مسلمان کو غلطی سے مار ڈالے اسوقت بردہ آزاد کرنیکا حکم ہے (النساء۔ ۹۴) دوسرا وہ موقعہ ہے جہان کوئی اپنی بیوی سے ظہار کر بیٹھے یعنی اپنی بیوی کو ماں کہدے اسے جھوٹ اور بیہودہ قرار دیا ہے اور ظہار کے بعد اگر پھر رجوع کرے تو اسکا کفارہ غلام کا آزاد کرنا رکھا ہے (المجادل ۳ و ۴) ان دونون صورتون مین غلام کا آزاد کرنا لازمی ہے لیکن اگر غلام نہ ملے تو پھر اور صورتین کفارہ کی بتائی گئی ہین۔ تیسرا موقعہ وہ ہے جب کوئی قسم کھا بیٹھے اور پھر اسکو پورا نہ کرے اسکا کفارہ یہ فرمایا کہ یا دس مسکینونکو کھانا کھلائے یا کپڑا پہنائے اور یا بردہ آزاد کرے۔ حدیث شریف سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جو شخص روزہ رکھکر اسکو توڑ دے اسکا کفارہ بھی غلام کا آزاد کرنا ہے۔ یہ سب ایسے حکم ہین جن مین غلام کا آزاد کرنا ضروری ہے۔

احادیث مین بھی غلامون کے آزاد کرنے پر بہت زور دیا گیا ہے۔ صحیح بخاری مین ہے۔ ایما رجل اعتق امرأ مسلما استنقذ اللہ بکل عضو منہ عضوا منہ من النار۔ یعنی جو شخص ایک مسلمان غلام کو

آزاد کرے گا۔اللہ تعالےٰ اس غلام کے ہر ایک عضو کے بدلے آزاد کنندہ کے ہر ایک عضو کو آگ سے بچا لیگا
اس سے بڑھ کر غلامون کی آزادی کے لیے اور کیا ترغیب ہو سکتی ہے۔ایک اور حدیث کا مضمون
یہ ہے۔عن البراء ابن عازب قال جاء رجل الی النبی صلے اللہ علیہ وسلم فقال دلنی علی عمل یقربنی
من الجنۃ و یبعدنی من النار فقال اعتق النسمۃ و فک الرقبۃ۔یعنی براء ابن عازب رضی اللہ عنہ روایت
کرتے ہین کہ ایک۔آدمی نبی صلے اللہ علیہ وسلم کیخدمت مین حاضر ہوا اور عرض کیا مجھے وہ عمل بتایئے
جو مجھے جنت سے نزدیک کرے اور دوزخ سے دور کرے فرمایا غلام کو آزاد کر اور گردن کو چھڑا۔ الیسا ہی
ایک حدیث شریف مین آیا ہے کہ سب سے پیارا عمل خدا کے نزدیک غلام کا آزاد کرنا ہے۔خاص خاص
موقعون پر بھی غلام کے آزاد کرنے کا حکم تھا۔چنانچہ بخاری مین ہے۔عن اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ
عنہما......قالت امر النبی صلے اللہ علیہ وسلم بالعتاقۃ فی کسوف الشمس۔اسماء بنت ابوبکر
رضی اللہ عنہما فرماتی ہین کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے سورج گرہن کے موقعہ پر غلامونکے
آزاد کرنے کا حکم دیا۔

یہ تمام احکام جو قرآن شریف اور احادیث صحیحہ سے دکھائے گئے ہین صرف ترغیب و تحریص کے
رنگ مین ہین اور اگرچہ صحابہ رضی اللہ عنہم کی تاریخ سے یہ صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ ان احکام کی ایسی
پیروی کرتے تھے جیسے فرایض کی۔مگر اسلام نے غلامونکے آزاد کرنیکا صرف یہی طریق نہین رکھا۔
بلکہ ایک اور صورت بھی بتائی ہے۔جو ان تمام صورتونسے الگ ہے۔کیونکہ ان تمام صورتون مین
غلام کا آزاد کرنا صرف آقا کی مرضی پر منحصر ہے لیکن اسلام نے غلامونکو آزادی حاصل کرنیکا حق بھی
دیا ہے۔اس پر سورہ نور کی وہ آیت شاہد ہے جو پہلے بھی ایک موقعہ پر نقل کی جا چکی ہے۔والذین
یبتغون الکتب مما ملکت ایمانکم فکاتبوہم ان علمتم فیہم خیرا و اتوہم من مال اللہ الذی اتکم۔(النور
۴-۳۳) ترجمہ اور تمہارے غلامون مین سے جو مکاتبت کے خواہان ہون تم انکے ساتھ مکاتبت
کر لیا کرو بشرطیکہ تم ان مین بہتری کے آثار پاؤ۔اور مال خدا مین سے جو اس نے تم کو دے رکھا ہے
کچھ انکو بھی دیدیا کرو۔مکاتبت یون ہوتی تھی کہ آقا غلام کو کچھ روپے کی ادائیگی کے وعدے پر یہ لکھدیا
کرتا تھا۔کہ جب اسقدر روپیہ ادا ہو جائے تو غلام آزاد سمجھا جائے گا۔اور اس اثنا مین غلام بجائے خود
کام کر کے روپیہ کماتا اور وہی روپیہ مالک کو آزادی حاصل کرنیکے لیئے دیتا۔اس آیت شریفہ
مین یہ حکم ہے کہ جب تمہارا غلام مکاتبت کا خواہان ہو تو ضروری ہے کہ تم اس سے مکاتبت کرو۔
شرط صرف یہ ہے کہ وہ کچھ مفید کام کرنیکے قابل ہو۔اور اس شرط کا ہونا اسلیئے ضروری تھا تاکہ

غلام آزاد ہوکر سوسائیٹی کو بجائے فائدہ کے نقصان پہنچانیوالے نہ بنیں۔ بلکہ صرف وہی آزاد ہون جو کچھہ کمانے کے قابل ہین۔

یہ سوال اٹھایا گیا ہے کہ جب غلام مکاتبہ چاہے تو آیا آقا پر واجب ہے کہ وہ مکاتبت لکھدے یا نہین۔ اول تو قرآن کریم کے الفاظ سے ہی اسکا وجوب معلوم ہوتا ہے کیونکہ اس مین یہ حکم ہے کہ جب غلام مکاتبت کا خواہان ہو تو مکاتبت کر لیا کرو۔ احادیث سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے۔ صحیح بخاری مین۔۔۔ باب المکاتب کے نیچے آیت مذکورہ بالا کو لکھنے کے بعد لکھا ہے:۔ وقال رَوح عن ابن جُریج قلت لعطاء اواجب علی اذا علمت لہ مالا ان اکاتبہ قال ما اراہ الا واجبا۔ وقال عمرو بن دینار قلت لعطاء تاثرہ عن احد قال لا ثم اخبرنی ان موسے بن انس اخبرہ ان سیرین سال انسا المکاتبۃ وکان کثیر المال فابی فانطلق الی عمرؓ فقال کاتبہ فابی فضربہ بالدرۃ ویتلو عمرؓ فکاتبوھم ان علمتم فیھم خیرا فکاتبہ

یعنی روح سے روایت ہے کہ ابن جریج کہتے ہین کہ مینے عطا کو پوچھا کہ اگر مجھے معلوم ہو کہ غلام مال دے سکتا ہے تو مکاتبہ کرنا مجھ پر واجب ہے انہون نے جواب دیا کہ مین تو اسے واجب ہی سمجھتا ہون۔ اور عمرو بن دینار کہتے ہین مینے عطا کو کہا کہ آپ کسی دوسرے سے یہ روایت کرتے ہین کہا نہین۔ پھر مجھے انہون نے خبر دی کہ موسے بن انس نے انکو خبر دی کہ سیرین نے انس سے مکاتبہ کی خواہش کی اور وہ بہت مال والا تھا۔ انس نے انکار کیا تو سیرین حضرت عمرؓ کے پاس چلے گئے آپنے انس کو بلا کر کہا کہ مکاتبہ کر لو۔ انہون نے پھر انکار کیا تو حضرت عمرؓ نے انکو درہ کے ساتھ مارنا شروع کیا اور آپ قرآن شریف کی یہ آیت پڑھتے تھے فکاتبوھم ان علمتم فیھم خیرا۔ پھر انس نے مکاتبہ لکھدیا

مکاتبہ کا روپیہ عموماً باقساط ادا کیا جاتا تھا۔ اور بظاہر اس مین غلام کی ہی رعایت تھی۔ لیکن اگر اقساط مقرر کرنیکے بعد غلام کافی روپیہ ایک ہی وقت مین دے سکنے کے قابل ہو تو آقا مجبور تھا کہ اسے اسیوقت روپیہ لیکر آزاد کردے۔ چنانچہ حضرت عمرؓ کے سامنے ایسا ہی ایک فیصلہ ہوا تھا۔ کہ ایک عورت نے یکمشت مکاتبہ کا روپیہ لینے سے انکار کیا تو آپنے روپیہ بیت المال مین داخل کرکے غلام کو آزاد کردیا اور عورت کو کہا کہ تو اب اپنا روپیہ خواہ باقساط لے اور خواہ یکمشت۔ ان مقدمات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ایسی صورت مین غلام آقا کو آزادی کے لیے مجبور کر سکتا تھا۔

مکاتبہ کی صورت مین سارا روپیہ غلام کو نا پڑتا تھا۔ بلکہ اکثر اوقات دوسرے لوگ روپیہ دیکر اسکی مدد کرتے اور بعض وقت قومی چندے بھی اس غرض کیلئے کیئے جاتے اور صدقات کے روپے مین سے بھی کچھ روپیہ دیدیا جاتا تھا۔ قرآن شریف کے اس حکم مین کہ واتوھم

من مال اللہ الذی اتٰکم - صرف غلام کا آقا ہی مخاطب نہین بلکہ عام طور پر بھی مسلمانون کو ترغیب دیگئی ہے کہ جب غلام روپیہ دیکر آزادی حاصل کرنی چاہتا ہو تو تم بھی اسے کچھ دیدیا کرو - احادیث سے بھی یہ ثبوت ملتا ہے کہ مسلمانونکو چاہیئے غلامونکے چھوڑنے مین مدد کیا کرین - تفسیر کبیر مین اس آیت کی تفسیر کے نیچے یہ روایت لکھی ہے - ان رجلا قال للنبی صلی اللہ علیہ وسلم علمنی عملا یدخلنی الجنۃ قال لان کنت اقصرت الخطبۃ لقد اعظمت المسئلۃ اعتق النسمۃ وفک الرقبۃ فقال الیسا واحدا فقال لا عتق النسمۃ ان تنفرد بعتقھا و فک الرقبۃ ان تعین فی ثمنھا - ایک آدمی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہا مجھے وہ عمل سکھایئے جس سے مین جنت مین داخل ہو جاؤن - فرمایا اگرچہ تیری بات مختصر ہے مگر تیرا سوال بہت بڑا ہے - غلام کو آزاد کر اور گردن کو چھڑا - اسنے عرض کیا یا رسول اللہ کیا ان دونون باتون کا ایک ہی مطلب نہین - فرمایا نہین - غلام کے آزاد کرنیسے یہ مراد ہے کہ تو اکیلا ہی اسکو آزاد کرے اور گردن کے چھڑانیسے یہ مراد ہے کہ تو اسکی قیمت کے ادا کرنے مین مدد کرے -

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانے کی بہت سی مثالین موجود ہین جن مین خود آپنے اور آپکے ازواج مطہرات اور صحابہ کرام نے غلامونکو آزادی حاصل کرنے مین مالی مدد دی - چنانچہ سلمان فارسی کے مکاتبہ کی شرائط کو پورا کرنیکے لیئے آنحضرت نے خود اپنے ہاتھ سے تین سو درخت کھجور کا لگایا اور روپیہ کی ادائیگی یون ہوئی کہ آپنے صحابہ کو اسکا چندہ کرنیکے لیے حکم دیا چنانچہ چندہ کرکے وہ رقم ادا کی گئی حضرت عایشہ رضی اللہ عنہا نے بریرہ کے مکاتبہ کا کل روپیہ ادا کیا اور یہ حدیث صحیح بخاری مین موجود ہے فک رقبہ پر قرآن شریف نے خود بہت زور دیا ہے اور یون ہر پیرایہ مین مسلمانونکو غلامونکے آزادی حاصل کرنے مین مدد دینے کی ترغیب دی ہے کہ خود غلام آزاد کرو - چندہ کرکے انکی قیمت ادا کرو اور بالآخر یہ کہ صدقات کے روپئے کا ایک حصہ اسی نیک کام مین صرف کرو - اگر پچھلے زمانے کے مسلمان ان ہدایتون پر اسی طرح عمل کرتے جیسے صحابہ کرام نے عمل کرکے دکھایا - تو اسلامی ممالک مین سے کبھی کا غلامی کا نام ونشان مٹ گیا ہوتا -

بعض اور حالتین بھی تھین جن مین غلامونکا آزاد کرنا ضروری قرار دیا گیا تھا - اگر آقا غلام کو مارے تو اسکا کفارہ اسکا آزاد کرنا قرار دیا گیا - جب کبھی مار کی شکایت آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پاس پہنچی تو آپنے فے الفور غلام کو آزاد کر دیا - خلفائے راشدین کا بھی اسی پر عمل رہا - چنانچہ امام مالک نے موطا مین روایت لکھی ہے - کہ حضرت عمرؓ کے سامنے ایک لونڈی کی شکایت آئی جسکو اسکے آقا نے مارا تھا - تو آپنے اسے فے الفور آزاد کر دیا - ایسا ہی آزادی کا استحقاق اس صورت مین پیدا ہو جاتا تھا - جب لونڈی اور آقا کا تعلق خاوند

بیوی کی طرح ہوکر اس سے اولاد پیدا ہو۔ خاوند کی زندگی مین اس سے لونڈی کی طرح سلوک نہ ہونا تھا اور اسکے مرنیکے بعد وہ آزاد سمجھی جاتی تھی۔ اگر ایک غلام کئی مالکونکی مشترکہ ملک ہو اور ان مین سے ایک بقدر اپنے حصّہ کے اسے آزاد کردے تو حکم تھا کہ اگر اُسے توفیق ہو تو وہ باقی مالکونکے حصّہ کی پوری قیمت ادا کرکے غلام کو بکلی آزاد کردے۔ ایسا ہی اگر آقا وصیت مین لکھدے کہ فلان غلام آزاد ہے تو ورثا اسکو آزاد کرنے کے لیے مجبور ہوتے۔

علاوہ ان غلامون کے جو اسلام سے پہلے مسلمانون کے قبضے مین آچکے تھے اور جنکی بہت بڑی تعداد ان احکام کے مطابق آزاد کردی گئی تھی اسیران جنگ تھے جو اسوقت کے قوانین جنگ کے لحاظ سے فاتحین کی غلامی مین آجاتے تھے مگر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اکثر انکو بھی آزاد کردیا۔ اسّی آدمی جنہون نے فتح مکہ کیوقت مقابلہ کیا تھا اور جو گرفتار کرلیے گئے تھے سب کے سب آزاد کردیئے گئے۔ قوم ہوازن کے چھ ہزار قیدی مسلمانونکے ہاتھ لگے تھے۔ اور وہ کل کے کل بغیر فدیہ لینے کے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے آزاد کردیئے۔ اور یہی تعلیم قرآن شریف کی ہے کہ حتے الوسع اسیران جنگ کو احسان رکھکر یا فدیہ لیکر چھوڑ دیا جاوے۔ جیساکہ سورہ محمد صلے اللہ علیہ وسلم کی آیت امامنا بعد و اما فداء سے ظاہر ہے یعنی جب تم دشمن کو قیدی بنالو تو پھر یا انہین احسان رکھکر چھوڑ دو اور یا فدیہ لیکر چھوڑ دو۔ قرآن کریم کی بات بات مین خدا سے ہونیکا ثبوت ملتا ہے۔ یہان بھی مقدم اسی بات کو رکھا ہے کہ احسان رکھکر چھوڑ دو۔ ہان اگر احسان رکھکر چھوڑنا مصلحت وقت نہ ہو اور اس سے دشمن کو ایسی تقویت پہونچتی ہو کہ اس سے پھر جنگ کا خطرہ ہو تو سوسایٹی کے امن کے لیے یہ ضروری سمجھا گیا اور ہر ایک دانشمند اسے ضروری سمجھیگا کہ یا تو قیدیون کا فدیہ لیکر انکو چھوڑا جاوے تا دشمن کو مالی کمزوری پہونچکر پھر وہ امن مین خلل نہ ڈال سکے اور اگر وہ فدیہ نہ دین تو ایسی صورت مین گویا وہ خود غلامی کو اختیار کرنیوالے ٹھہرینگے۔ چنانچہ جب ہوازن کے قیدی مسلمانونکے ہاتھ لگے تو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم جیساکہ بخاری شریف کی صحیح حدیث سے ثابت ہے کئی دن تک ان کا انتظار کرتے رہے کہ وہ آکر اپنے قیدی مانگین تو چھوڑ دیئے جاوین۔ چنانچہ جب آخر وہ چند دن دیر کرکے آئے اور اسوقت غلام تقسیم ہوچکے تھے۔ تو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے منبر پر چڑھکر مسلمانون کو یون خطاب فرمایا۔ اما بعد فان اخوانکم جائونا تائبین وانی رایت ان ارد الیہم سبیہم فمن احب منکم ان یطیب ذلک فلیفعل ومن احب ان یکون علے حظہ حتے نعطیہ ایاہ من اول مایفئی اللہ علینا فلیفعل۔ فقال الناس طینا ذلک۔ تمہارے بھائی تایب ہوکر تمہارے ...... پاس آئے ہین کہ پھر جنگ نہ کرینگے اور مین مناسب سمجھتا

ہون کہ ان کے قیدی ان کو واپس کر دین پس تم مین سے جو کوئی بخوشی ان کو احسان رکھکر واپس کرنا چاہے تو کرے اور جو یہ چاہے کہ اسکے معاوضہ مین کچھہ لے کر چھوڑے تو وہ منتظر رہے جبتک خدا ہم کو کچھہ دے۔ جس مین سے ہم اسے دیدین اسپر سب مسلمانون نے عرض کیا کہ ہم بخوشی ان کو مفت چھوڑتے ہین۔

اس تمام بحث سے ناظرین پر یہ عیان ہو چکا ہے کہ دو قسم کے غلام تھے جنکے ساتھ اسلام کو واسطہ پڑا۔ اور ان مین سے ہر ایک قسم کے لیے انکے مناسب حال آزادی کی راہین بھی الگ الگ تجویز کی گئین۔ قسم اول مین وہ غلام شامل تھے جو اسلام لانیسے پہلے مسلمانون کے قبضے مین آچکے ہوئے تھے اور جو مدتون سے بلکہ پشت در پشت غلامی مین چلے آتے تھے۔ دوسری قسم مین اسیران جنگ تھے جو لڑائیون مین مسلمانون کے ہاتھ لگے تھے۔ اور جو مروجہ قوانین جنگ کے رو سے غلام تھے۔ انکی غلامی صرف اسیوقت سے شروع ہوتی تھی جب وہ قید کر لیے جاتے تھے۔ قسم ثانی کے غلام چونکہ تمدنی رنگ مین آزاد لوگون کی طرح ہی تھے اسلیے انکے یکدفعہ ہی آزاد کر دینے سے سوسائیٹی کے تمدن پر کوئی بد اثر نہ پڑ سکتا تھا انکی اپنی جایدادین اپنے گھر اور مکان۔ اپنی تجارتین اور حرفے سب ایسے ہی موجود تھے جیسے آزاد لوگونکے اور انکو آزاد کرنا صرف ان کو اپنی اصلی حالت پر بحال کر دینا تھا ان لوگون سے اگر کوئی خطرہ تھا تو صرف اسقدر کہ آزاد ہونیکے بعد وہ پھر ملک کے امن مین فساد نہ ڈالین پس ان کے لیے قرآن کریم نے یہ تجویز کی کہ اگر ان سے کوئی خطرہ نہ ہو اور وہ اطاعت اختیار کرین تو ان کے قیدی احسان رکھکر چھوڑ دیئے جاوین۔ جیسا کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے ہوازن کے چھہ ہزار قیدیون سے سلوک کیا کہ جب وہ تایب ہو کر آئے تو آپنے انکے کل کے کل قیدی یکدفعہ ہی آزاد کر دیئے۔ لیکن اگر ان سے خطرہ ہو تو پھر دو صورتین تھین یا تو وہ فدیہ دیکر آزادی حاصل کرین جیسا کہ دنیا کی کل اقوام مین اب بھی یہی دستور پایا جاتا ہے اور اگر وہ فدیہ ندین تو پھر غلامی مین رہین۔

مگر ان غلامونکو جو مدتون سے غلامی مین چلے آتے تھے قرآن کریم نے یکم تہ ہی آزادی دیدینا مناسب نہین سمجھا۔ ان لوگونکے نہ کوئی گھر بار تھے نہ جایدادین تھین نہ کوئی تجارتین تھین اور نہ ہی عموماً کوئی ہنر انکو آتا تھا پس ان سب کے یکدفعہ آزاد کرنے مین نہ صرف مالکونکو ہی ناقابل برداشت نقصان اٹھانا پڑتا بلکہ ان کی اپنی حالت بھی اور پستی کی طرف چلی جاتی اور انکو ذلیل پیشے اختیار کرنے پڑتے اور سوسائیٹی کے تمدن پر اسکا بہت برا اثر پڑتا۔ نہ انکے رہنے کے لیے مکان ہوتے اور نہ روزی کمانے کا کوئی عمدہ ذریعہ انکے ہاتھ مین ہوتا۔ انکی اس (بری) حالت کی اصلاح انکو فوری آزادی دینے سے نہین ہو سکتی تھی۔ پس ان کے لیے اسلام نے بھی دور اندیشی سے ایسا طریق سوچا جس سے انکی حالت بھی سنورنے لگی۔

اور تدریجی طور پر انکو آزادی ملنی بھی شروع ہو گئی۔ وہ ذلّت جو غلام کے نام سے لگی ہوئی تھی اور جو سب بدیون کی جڑ تھی وہ اخوت کو قایم کر کے نابود کر دیگئی اور پھر انکو تعلیم دینے اور ہنر سکھانے کا اہتمام کیا گیا اور ساتھ ساتھ ان کی آزادی کا انتظام بھی کیا گیا اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے جو عجیب نمونہ اپنے کل غلامونکو آزاد کرنیکا دکھایا اسکا اور بھی نیک اثر ہوا۔ غلامونکی آزادی کی ضرورت مختلف طریقوں سے سمجھائی گئی۔ اور بہت سی صورتون مین ان کا آزاد کرنا لازمی قرار دیا گیا۔ اِدھر صدقات کے روپے کا ایک حصّہ اس مصرف مین لگنا شروع ہوا۔ اُدھر غلام کے آزاد کرنیکو گناہ کا کفارہ قرار دیکر ہر ایک مسلمان کو یہ سمجھایا گیا کہ غلام کے آزاد کرنے مین ہی اللہ تعالے کی خوشنودی ہے مگر نہ صرف آزاد کرنے مین بلکہ اس سے نیکی اور احسان کرنے مین اور ہر طرح سے اسکی مدد کرنے مین۔ اور ان سب حکمونکے بعد یہ فرمایا گیا کہ جب غلام ہوشیار اور محنتی ہو اور مفید کام کرنیکے قابل ہو اور وہ آزادی حاصل کرنا چاہے تو مالک پر واجب ہوگا کہ وہ اسے اسموقعہ سے فایدہ اٹھانے دے اس طرح پر وہی لوگ غلامی مین رہ سکتے تھے جو بالکل نکمے اور بیکار تھے۔ غلامونکی حالت مین یہ اصلاحین نہ صرف اس زمانے مین بلکہ اسکے بعد بھی کسی کو نہ سوجھین کوئی شخص انصاف اور خداترسی سے غور کرے اور دیکھے کہ ایکطرف تو وہ تاریکی جسکے ساتھ دنیا ساتوین صدی کے شروع مین تاریک ہو رہی تھی اور دوسری طرف یہ اعلے درجہ کے اور روشن اصول مقام غور ہے کہ یہ باریک اصول اس تاریکی سے تو پیدا نہین ہوسکتے تھے اور نہ ہی ایک شخص کے دل مین جو اس جاہل قوم کے درمیان پیدا ہوا ہو ایسے خیالات خود بخود آسکتے تھے پس ان پاک خیالات کا سرچشمہ کونسا تھا۔ اور وہ آفتاب کونسا تھا جس سے یہ نور صداقت چمک اٹھا۔ صرف اتنی بات کا کہدینا کہ غلام آزاد کر دیئے جائین یہ تو ہر ایک کر سکتا ہے۔ مگر یہ باریک امتیاز اور یہ روشن اصول کہ کن حالتون مین تدریجی آزادی دیجاوے اور کن حالتون مین یکدفعہ آزادی دیجاوے۔ یہ بیشک اس پاک سرچشمہ کی تعلیم تھی جو وحی کا سرچشمہ ہے۔ ورنہ ایسی جہالت اور تاریکی کے اندر ایسی عجیب اور پر حکمت تعلیم کا دینا انسان کی طاقت مین نہ تھا۔ افسوس ہے ان لوگونپر جو اس کامل انسان پر یہ جھوٹا الزام لگاتے ہین کہ اس نے غلامی کو مذہب کا جزو بنا دیا۔ غلامی کو نہین بلکہ غلامونکے آزاد کرنے کو اسنے مذہب کا جزو بنا دیا۔ وہ راستہ جو ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے دکھایا۔ اور جس مین مہاجرین اور انصار چلتے رہے وہ ایک صاف اور واضح راستہ ہے پس اس راہ پر نکتہ چینی کرو۔ اور دکھاؤ کہ کس مذہب نے اور کس مذہب کے بانی نے ایسے روشن اصول قایم کیئے۔ اور انسانون کے ساتھ ایسی پاکیزہ ہمدردی دکھائی۔

اسلام (۲)

بجواب پادری سیلؔ

اس مضمون کے پہلے دو حصون مین مینے پادریصاحب کی دو غلطیونکو کھولکر دکھایا ہے کہ کس حالت مین رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے عرب کو پایا اور پھر ان کے اندر کیا تبدیلی پیدا کر کے دکھائی! اس تبدیلی پر بعض اعتراض پادریصاحب کے ایسے ہین جن کا جواب الگ مضمونون مین دیا جاچکا ہے۔ مثلاً تعدد ازدواج طلاق پردہ اور عورتون کے حقوق۔ لونڈیون کے متعلق جو کچھ اس نے لکھا ہے اسکا جواب غلامی کے مضامین کے سلسلہ مین آیندہ کسی نمبر مین نکلے گا۔ اور بعض اعتراض اسکے جو حرم حجر اسود اور طواف کے متعلق ہین انکا بیان انشاء اللہ بعد مین کیا جاویگا پہلے میرا خیال تھا کہ اسکے ہر ایک آرٹیکل کا جواب ساتھ ساتھ دیتا جاؤن گا مگر مشکل یہ ہے کہ پادریصاحبان حسب عادت ایک ایک سطر مین کئی کئی اعتراض کر دیتے ہین اِسلیے جواب لکھنے والیکو بعض وقت ایک سطر کے جواب مین کئی صفحے لکھنے کی ضرورت پیش آجاتی ہے۔ چونکہ یہ سلسلہ اب شروع ہوگیا ہے اِسلیے مین پسند کرتا ہون کہ جہانتک ممکن ہو ان اعتراضات کی ہکنی مین تفصیل سے کام لیا جاوے۔ اسوقت پادریصاحب کے ایک اعتراض کا جواب دیکر مین رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے مکی حصہ زندگی پر بحث شروع کرونگا۔ اور تمہید سے نکلکر اصل واقعات پر آؤنگا۔

ایک ناعاقبت اندیش معترض کی طرح پادریصاحب نے اسلام پر حملہ کرتے ہوئے ایسے ہتھیار کو ہاتھ مین لیا ہے جس سے انکے اپنے مذہب کی جڑ کٹتی ہے مگر یہ لوگ دوسرے مذہب پر بحث کرتے ہوئے اپنے مذہب کو ایسا بھول جاتے ہین کہ اسکی کچھ بھی پروا نہین کرتے اور تعصب کی پٹی آنکھون پر باندھکر اپنی جڑین ہی کاٹنا شروع کر دیتے ہین پادری سیل نولدیک کے اس قول کو "کہ شامی قومین خیال کو عام کرنے کی طاقت مین بہت کمزور ہین اور وسیع اور منطقی خیالات کو انکے ذہن قبول کرنیکے قابل ہی نہین ہین"۔ ایسی خوشی سے نقل کرتا ہے کہ گویا یہ ایک شامی قومونکی خصوصیت ثابت ہوگئی اور اسلام اب کبھی عام اور وسیع مذہب ہونیکا دعوے ہی نہین کر سکتا۔ چنانچہ اسکو نقل کرنیکے بعد بڑے فخر سے کہتا ہے

کہ یہ بات اسلام اور اسکے بانی دونون پر صادق آتی ہے۔لیکن پادریصاحب کو یہ خیال نہ آیا کہ اگر اسی خصوصیت پر ہاتھ ڈالکر کوئی یہ کہدے کہ یہ بات عیسائی مذہب اور اسکے بانی دونون پر صادق آتی ہے تو پھر کیا جواب دینگے۔ہم سمجھتے ہین کہ یسوع مسیح بھی شامی قومون مین سے تھا۔وہ شام کے ملک مین پیدا ہوا اور شامی زبان بولتا تھا۔اسکا سارا کنبہ اور سب رشتے دار بھی شامی ہی تھے اور جب وہ پڑھنے کے قابل ہوا تو وسعت خیال سیکھنے کے لیے لندن یا پیرس نہین بھیجا گیا تھا بلکہ ایک یہودی ماں کی خبرگیری سے نکلکر اسنے ایک یہودی استاد کی شاگردی اختیار کی اور یہودیون کی کتب مقدسہ کے پڑھنے مین بہت حصہ عمر کا صرف کیا۔شاید پادری سیلؔ صاحب کے اقرار اور نولدیکؔ کے بیان کے بموجب شامی ہونے کی وجہ ہی تھی جو اس نے اپنے شاگردون کو بڑی تنگ خیالی سے یہ نصیحت کی کہ "غیر قومونکی طرف نہ جانا اور سامریونکے کسی شہر مین داخل نہ ہونا بلکہ اسرائیل کے گھر کی کھوئی ہوئی بھیڑونکے پاس جاؤ" (متی باب ۱۰۔آیت ۵و۶)۔اور شاید اس شامی تنگ خیالی کا نتیجہ ہی ہوگا۔جو اس نے اپنے مشن کو اسقدر محدود کیا جیسا کہ متی باب ۱۵۔آیت ۲۴ مین لکھا ہے کہ مین اور کسی کی طرف نہین بھیجا گیا سوائے اسرائیل کے گھر کی کھوئی ہوئی بھیڑونکے۔اب اسکے بالمقابل اس عظیم الشان انسان کو دیکھو جو عرب مین پیدا ہوا اور جسپر پادریصاحب نے بڑے ظلم یا جہالت سے یہ الزام لگایا ہے کہ اسکا مذہب وسیع نہین۔اسکا سب سے پہلا پیغام یہ تھا وما ہو الا ذکر للعلمین (القلم۔اخیری آیت) یعنی یہ قرآن جو تم سناتے ہو یہ کوئی عرب یا شام کیلئے مخصوص نہین بلکہ یہ دنیا کے سارے لوگونکے لیے نصیحت ہے اور جسکے متعلق فرمایا:۔تبارک الذی نزل الفرقان علی عبدہ لیکون للعلمین نذیرا (الفرقان) بڑی بابرکت ہے خدا کی ذات جسنے اپنے بندے پر فرقان نازل فرمایا تاکہ وہ تمام جہان کے لوگونکو خدا کے عذاب سے ڈراوے اور جسکے حق مین خدا فرماتا ہے۔وما ارسلنک الا رحمۃ للعلمین۔(الانبیاء۔۱۰۷ رکوع ۷) کہ اے پیغمبر ہمنے تمکو دنیا کے تمام لوگونکے حق مین رحمت بناکر بھیجا ہے۔کہان وہ جو کہے کہ مین اسرائیل کی کھوئی ہوئی بھیڑونکے سوا اور کسی کی طرف نہین بھیجا گیا۔اور کہان وہ جسکا دعوے ہو کہ مین دنیا کے تمام لوگونکے لیے رحمت بناکر بھیجا گیا ہون اور یہ تمام دعاوی نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے مکی وحی مین بھرے ہوئے ہین۔آپنے کبھی یہ تنگدلی نہین دکھائی کہ مین عرب کے سوا اور کسی کی طرف نہین بھیجا گیا ہون۔عیسائی صاحبان اگر اسی بات پر غور کرتے تو ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی صداقت اپنر کھل جاتی کہ آپکے پہلے جسقدر انبیاء آئے تھے وہ اپنی اپنی قومونکی طرف آئے تھے جیسا کہ قرآن شریف سے بھی اسکی شہادت ملتی ہے کہ وان من امۃ الا

خلا فیہا نذیر۔ مگر عالمین یعنی تمام جہان کے لوگوں کے لیے صرف ایک ہی نذیر اور ایک ہی رحمت بنکر آیا اگر
سنی سنائی باتوں پر آپ کا مدار ہوتا تو آپ بھی یہی دعوے کرتے کہ مین عرب کیطرف ہی بھیجا گیا ہون۔
اس مقابلہ سے صرف یہی معلوم نہین ہوتا کہ ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی ہمدردی بمقابلہ دوسرے
انبیاء اور خصوصاً حضرت مسیح علیہ السلام کے کسقدر وسیع تھی۔ بلکہ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ
قوت قدسی جسکے ذریعہ سے نبی ایک پاک تبدیلی پیدا کرتا ہے وہ آنحضرت مین دوسرے انبیاء سے
کسقدر بڑھکر تھی کہ آپ نے تمام دنیا کی اصلاح کا بیڑا اٹھایا پھر یہی قوت قدسی اس بات کی بھی دلیل
ہے کہ آپکی اللہ تعالے کی محبت اور معرفت اور اس ذات پاک سے تعلق دوسرون کی نسبت کسقدر
بڑھا ہوا تھا۔ کیونکہ جسقدر علم اور معرفت الہی اور تعلق باللہ زیادہ ہوگا اسیقدر دل مین یہ قوت قدسی
بڑھکر پیدا ہوگی پس اس پہلو سے بھی ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی فضیلت کل انبیاء
علیہم السلام پر خواہ وہ ملک شام مین پیدا ہوئے ہون اور خواہ کسی اور جگہ ظاہر و ثابت ہے۔

اسکے بعد پادری صاحب یہ اعتراض کرتے ہین کہ ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے ان مختص المکان
والزمان قوانین کو جو صرف چندروز کے لیئے عربون کے موزون حال تھے تمام لوگون اور ہر زمانے کیلیے
قوانین قرار دیا۔ وہ کون کون قوانین ہین اسکا ذکر پادری صاحب نے نہین کیا ہان قیاس کے طور پر ہم کہہ
سکتے ہین کہ انکے ذہن مین تعدد ازواج اور طلاق کے قوانین ہین۔ اسلامی قانون طلاق پر کسی گذشتہ اشاعت
مین مفصل بحث کیگئی ہے اور ناظرین اس بحث کو پڑھکر دیکھ سکتے ہین کہ اسلام کا قانون طلاق خاوند اور
عورت کیلیے کافی وجہ کے ہونے پر طلاق کا حق پیدا کرتا ہے۔ پادری سیلؔ نے بڑی جرأت سے اس قانون
پر یہ اعتراض کیا ہے کہ یہ صرف عربون کے لیے اور وہ بھی عارضی طور پر موزون تھا۔ اور دوسرے ملکون مین
یا بعد کے زمانیکے لیے یہ قانون نہین ہوسکتا۔ حالانکہ اسے خوب علم ہے کہ آج جو قانون طلاق اکثر عیسائی
ممالک مین مروج ہے وہ اسی اصول پر مبنی ہے۔ تعجب ہے کہ ایک تو یہ لوگ اسلام کے پاک اصول کی
چوری کرتے ہین اور پھر یہ ناسپاسی کہ اسپر اعتراض کرتے ہین مگر جب عیسائیون سے پوچھو کہ وہ وسیع قانون
طلاق کا کونسا ہے جو تمام ملکون اور ہر زمانے کے موزون حال ہے تو شاید یہ جواب دیتے ہوئے کہ وہ
عیسائیت کا قانون ہے کچھ شرم ان لوگونکو آجاوے۔ متی اس قانون کو ان الفاظ مین بیان کرتا ہے "وہ یہ بھی
لکھا گیا کہ جو کوئی اپنی جورو کو چھوڑ دے اُسے طلاقنامہ لکھدے۔ پر مین تمہین کہتا ہون کہ جو کوئی اپنی
جورو کو زنا کے سوا کسی اَور سبب سے چھوڑ دیوے اس سے زنا کرواتا ہے اور جو کوئی اس چھوڑی ہوئی
سے بیاہ کرے زنا کرتا ہے" (متی باب ۵۔ آیت ۳۲) بہت خوب۔ اب پادری صاحب یہ بتادین اور

صاف الفاظ مین اس کا جواب دین کہ آج کل عیسائی ممالک مین کسقدر لوگ ایسے ہین جو دوسری وجوہات پر طلاق حاصل کر کے اپنی عورتون سے زنا کرواتے ہین اور کسقدر مطلقہ عورتین ہین جو دوسرا بیاہ کرنیکی وجہ سے اس حکم کے بموجب زنا کا ارتکاب کرتی ہین؟ ہان اور یہ بھی بڑا ضروری سوال ہے کہ کسقدر عورتین طلاق کا دعوے کر کے اور طلاق حاصل کر کے عیسائی مذہب کے رو سے زنا کی مرتکب ہو رہی ہین کیونکہ یسوع مسیح کے محیط اور کامل قانون طلاق کے رو سے کوئی عورت کسی صورت مین طلاق حاصل نہین کر سکتی۔ اے پادریصاحبان شرم کرو تم اپنے استاد کے فتوے کے رو سے وہ لوگ ہو جو دوسرون کی آنکھ مین تنکا بتانیکے لیے دوڑتے ہو اور اپنی آنکھ کے شہتیر کو نہین دیکھتے۔ وہ کونسا اسلام کا اصول ہے جو ہر زمانہ اور ہر قوم کے لیے موزون نہین۔ اور عیسائیت کا وہ کونسا عقیدہ ہے جو ہر ملک اور ہر زمانہ کے قبول کرنیکے لایق ہے؟ تثلیث یا کفارہ یا آسمان پر چڑھ جانا۔ کیا یہی وہ عقاید ہین جو تمام دنیا کے قبول کرنیکے لایق ہین اور ہمیشہ کے لیئے قبول کرنیکے لایق ہین؟ دیکھو کہ توہم پرستی کی بیخ کنی اور علم کی ترقی خود ان تمام عقاید کو جڑ سے اکھیڑ رہی ہے۔ یہ غلطیان ہین جو سچے علم کے سامنے اس طرح پاش پاش ہو جاوینگی جس طرح نور کے سامنے ظلمت۔ کہان ہے تمہاری سچائی۔ اور حق پسندی جسپر دنیا مین اس قدر شور ڈال رکھا ہے۔ کیون ایک جھوٹ کی خاطر ان باتون کو بیان کرتے ہو جنکو تم جھوٹی جانتے ہو۔ ایمان سے کہو کہ کیا عیسائی تعدد ازدواج کی ممانعت کیوجہ سے مسلمانون سے زیادہ پاکیزہ زندگیان بسر کر رہے ہین؟ سچ سچ بتاؤ کہ کیا تم کبھی ضرورت محسوس نہین کرتے۔ کہ بعض حالات مین تعدد ازدواج ضروری ہو جاتا ہے۔ بتاؤ کہ مسیح نے کب تعدد ازدواج کی ممانعت کی؟ بتاؤ کہ لوتھر کے وقت تک کلیسیا نے تعدد ازدواج جایز قرار نہین دیا؟ سچ سچ کہو کہ وہ کئی لاکھ عورتین جو عیسائی ممالک مین تعداد مین مردون سے زیادہ ہین انکے دلون مین خاوند کی خواہش کبھی پیدا نہین ہوتی؟ خدا ترسی سے بتاؤ کہ ان پیغمبرون نے جنکے نوشتے تم دن رات کوشش کر کے دنیا مین پھیلا رہے ہو تعدد ازدواج کی تعلیم نہین دی اور اسپر عمل نہین کیا؟ اور بالآخر یہ بھی بتاؤ کہ کیا تم ہمیشہ سچائی اور پاکیزگی کے قبول کرنے سے انکار پر جمے رہو گے؟

اسلام کی کوئی سی تعلیم لے لو اور اسکا مقابلہ عیسائی مذہب کی ویسی ہی تعلیم سے کرو۔ اور تمہین ایک ذرہ شک باقی نہین رہ جائیگا۔ کہ کونسی وہ تعلیم ہے جو ہر ملک اور ہر زمانہ پر حاوی ہے اور کونسی محدود اور ناقابل عمل ہے۔ عیسائی مذہب کی اخلاقی تعلیمون مین سب سے اعلے درجہ کی تعلیم جسپر عیسائی کتابین لکھتے لکھتے تھک گئے ہین یہ ہے ایک گال پر طمانچہ کھاکر دوسری پھیر دو۔

اور کوئی کوٹ اتارے تو اسے چغہ بھی دیدو۔ بات تو بہت دل خوش کن ہے مگر دنیا مین آج کون ایسا آدمی ہے جو اس پر عمل کرتا ہے یا اگر یہ سمجھ لیا جاوے کہ یہ زمانہ بہ سبب اپنی بدکاریون اور شرارتونکے اس اعلی درجہ کی تعلیم پر عمل کرنیکے لایق ہی نہین تو کسی گذشتہ زمانہ مین ہی کسی کا نشان بتایا جائے جس نے اس پر عمل کیا ہو کوئی پوپ ہو۔ یا کوئی لاٹ پادری۔ یا کلیسیا کا اور کوئی عہدیدار۔ یا کوئی انجیل کا واعظ۔ یا کوئی بادشاہ یا کسی ریاست کا حاکم یا کوئی فوج کا جرنیل یا اور عہدیدار یا کوئی عیسائی سوسائیٹی ہی سہی کسی کا پتہ تو بتاؤ جو اس تعلیم کا عامل ہو گذرا ہو۔ اسکے بالمقابل اسلام کی تعلیم کو دیکھو۔ جزاء سیئۃ سیئۃ مثلہا فمن عفی واصلح فاجرہ علے اللہ۔ جو کوئی بدی اور شرارت کرے اس کی سزا تو یہی ہے کہ اسکو اسی بدی کے مناسب حال سزا دیجاوے۔ لیکن اگر کوئی شخص معاف کردے اور اسکے معاف کرنیکا نتیجہ اصلاح ہو تو ایسا آدمی اللہ تعالے سے نیک اجر پاوے گا۔ یہی وہ قانون ہے جسپر عیسائی حکومتونکی بھی بنیاد ہے۔ معافی وہی ٹھیک ہے جس سے اصلاح اور نیک نتیجہ پیدا ہو۔ اگر ایک شخص شرارت کرکے دوسرے کے گھر مین آگ لگا دیتا ہے تو اسکو معاف کرنا اس بات پر دلیر کرتا ہے کہ وہ اور ونکے گھرون مین بھی آگ لگائے ایسا ہی بہت سے جرایم پیشہ لوگ ہین جن کو اگر سزا نہ دیجاوے تو وہ سوسائیٹی کے امن کو دور کردینگے تعجب مجھے اس بات پر آتا ہے کہ عیسائی صاحبان اپنے گھر کی تعلیم پر ایک منٹ کے لیے بھی عمل نہین کرسکتے اور سارے انتظام اور تمدن کی بنیاد ان اصولون پر ہے جو اسلام کے اصول ہین مگر پھر ساتھ ہی اسلام پر یہ اعتراض کیے جاتے ہین کہ اسلام کے اصول ہر زمانہ اور ہر ملک کیلیئے حاوی نہین۔ اور عیسائیت کے اصول وسیع اور محیط ہین۔ اس جھوٹ اور جھوٹی حمایت سے فایدہ کیا۔ اور اس پردہ پوشی سے کب تک کام چلے گا۔

اب مین پادری سیل کے اس حصہ مضمون پر آتا ہون جس مین اس نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی مکی زندگی پر اعتراض کیے ہین جس استقلال اور صبر اور دلسوزی کے ساتھ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم مکہ مین رہ کر اور طرح طرح کے مصایب اور کفار کی ایذا رسانی اور تکلیف دہی کی برداشت کرکے پیغام رسالت کو پہونچاتے رہے وہ ایسے خارق عادت ہین کہ آپکے بڑے سے بڑے دشمنونکو بھی اس جگہ آپکی عظمت اور خلوص کا قایل ہونا پڑا ہے۔ میور جیسا دشمن اپنے منہ سے اقرار کرتا ہے کہ "انبیا کی تاریخ کے علاوہ اور کسی جگہ ہمین اس جدوجہد کی نظیر نہین ملتی جس مین تیرہ سال تک نبی عربی (صلے اللہ علیہ وسلم) نے باوجود طرح طرحکی دل شکنیون ناامیدیون اور دھمکیونکے اور باوجود رد کیئے جانے اور ایذا دیئے جانیکے ایسا کامل ایمان خدا پر دکھایا جس مین کبھی کسی طرحکا تزلزل نہین آیا اور لوگونکو نیکی کیطرف دعوت کرتے رہے۔ اور اپنے بے دین ہم وطنونکو خدا کے آنیوالے غضب سے ڈراتے رہے"۔ مگر مین کہتا ہون کہ ایسا کامل نمونہ تو انبیا

علیہم السلام کی تاریخ مین بھی کہین نہین ملتا اور انہی انبیاء مین مین یسوع مسیح کو بھی شامل کرتا ہون اور بصیرت سے کہتا ہون کہ اس کا نمونہ پادری صاحب یسوع مسیح کی زندگی مین ہرگز نہین دکھا سکتے۔ اگر کسی پادری صاحب کو احقاق حق اور ابطال باطل منظور ہے تو انہین واجب ہے کہ اس کامل ایمان اور استقامت اور صبر اور برداشت کے نمونہ کی جو ہمارے نبی کریم نے دکھایا کوئی نظیر حضرت مسیح کی زندگی مین بھی نکالکر دکھاوین۔ ورنہ یاد رکھین کہ اب وہ زمانہ آگیا ہے کہ لوگ انکے خداوند خداوند کہنے پر نہین بھولین گے بلکہ واقعات حقہ کی رو سے فیصلہ کرینگے کہ افضل کون ہے۔ عرب جیسا کہ پہلے دکھایا جا چکا ہے بت پرستی مین غرق شدہ قوم تھی مگر قریش جن کا مقابلہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے پہلے ہوا کیونکہ انہین کو پہلے پہل آپ نے مکہ معظمہ مین مخاطب بھی فرمایا۔ نہ صرف بت پرستی سے ہی محبت رکھتے تھے بلکہ انکی ساری وجاہت اور عزت بھی اسی بت پرستی کیوجہ سے ہی تھی۔ کعبہ جو قدیم سے ساری قوم کا مرجع رہا تھا قریش کے زیر حفاظت تھا اور اسوقت وہ ایک عظیم الشان بتخانہ تمام بتونکے پجاریونکے لیے بنا ہوا تھا۔ جہان اسقدر بت موجود تھے کہ ہر روز سال میں ایک نیا بت پرستش کے لیے ملسکتا تھا۔ پس قریش کا سارے عرب پر ایک طرحسے مذہبی رعب تھا اسکا ثبوت اسبات سے بھی ملتا ہے کہ جب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے تبلیغ حق شروع کی اور سالانہ مجمعون مین جہان متفرق مقامات سے عرب جمع ہوتے تھے خدا تعالی کی توحید بیان کرنے لگے تو کفار نے آپکے وعظ کے اثر کو زائل کرنیکے لیے یہ تجویز کی کہ ایک ایک آدمی اپنا مقرر کر دیا جس نے ہر گذرگاہ مین بیٹھکر آنیوالون کو متنبہ کر دیا کہ خبردار محمد صلے اللہ علیہ وسلم کی بات نہ سننا۔ اور جہان نبی کریم وعظ کے لیے جاتے وہان ہی ذی وجاہت قریش مین سے ایک اٹھکر بیان کر دیتا کہ لوگو اس کی بات پر اعتبار نہ کرنا یہ ساحر ہے اور اتنی ہی بات سے سب لوگ آپ کی طرف توجہ کرنیسے رک جاتے۔ پس آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی کامیابی سے قریش کو صرف یہی خطرہ نہین تھا کہ انکا آبائی مذہب نابود ہو جاوے گا بلکہ بڑا فکر انکو یہ تھا کہ اس سے ان کی عزت اور وجاہت کو بھی صدمہ پہونچے گا۔

یہ بات بھی بیان کرنیکے قابل ہے کہ واعظ انکے درمیان پہلے بھی تھے مگر جو سلوک ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم سے ہوا انسے کبھی نہین ہوا۔ نہ صرف یہ کہ اس درجہ کی ایذا رسانی نہین ہوئی بلکہ یہ بھی ثابت نہین کہ مذہب کی خاطر انہون نے کسی کو دکھ یا تکلیف پہونچائی ہو۔ مگر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ظہور کے ساتھ ہی اس قوم کا رنگ بدل گیا۔ شروع سے ہی انکو ایسا معلوم ہونے لگ گیا تھا کہ انکا قومی مذہب آنحضرت کے ہاتھ سے نیست و نابود ہو جائیگا۔ اور اسی لیے ابتدا سے ہی انہون نے اپنی پوری طاقت آنحضرت کے مقابلہ کے لیے خرچ کی وہ جانتے تھے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے کبھی جھوٹ نہین بولا اسلیے آپکے

دعوے کی جہاں ایک طرف وہ تحقیر کرتے تھے دوسیری طرف اس سے ڈرتے بھی تھے اول اول انکی ایذا رسانی استہزا تک ہی محدود تھی مگر جوں جوں وہ آنحضرت کی استقامت کو مشاہدہ کرتے گئے ایذا رسانی مین ترقی ہونے لگی۔ کعبہ مین آپکو نماز پڑھنے سے روکنے کے لیے طرح طرح کی تجویزین کی گیئن جب آپ خدا کے حضور کھڑے ہوتے۔ تو آپ پر غلاظت پھینکی جاتی۔ رستون مین جہان سے آپنے گذرنا ہوتا اور اسجگہ جہان آپ نماز پڑھتے کانٹے بچھائے جاتے تا رات کی تاریکی مین جب آپ گذرین یا نماز پڑھین تو انسے زخمی ہون اسی کیطرف قرآن کریم ابتدائی وحی مین ان الفاظ مین اشارہ کرتا ہے۔ ارایت الذی ینھی عبدا اذا صلی (العلق) اب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو یہ حکم ہوا کہ قریش کو ڈراوین کہ اگر وہ توبہ نہین کرینگے اور اپنی شرارتون اور بدکاریون سے باز نہین آوینگے تو انپر عذاب آویگا۔ پس آپنے کل قوم کو جمع کرکے خدا کا پیغام انکے کانون تک پہونچایا۔ پھر کیا تھا۔ مخالفت کی آگ بھڑک اٹھی۔ اور اب کل قوم نے متفق ہوکر نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو نیست و نابود کرنے کی تجویزین اور کوششین شروع کین۔ پہلے انہون نے ابو طالب کو اپنے ساتھ ملانا چاہا کہ وہ آنحضرت کو انکے حوالے کردے تا وہ آپکو مار ڈالین۔ ابو طالب نے اسلام کو قبول نہ کیا تھا مگر اس نے ایسی بیوفائی کا کام کرنیسے انکار کیا۔ اور جب قریش مین اسکی بھی مخالفت ہوئی تو اس نے ایک قصیدہ لکھا جس مین اسنے قریش کی بیجا ایذا رسانی کی شکایت کرکے آنحضرت کی حمایت کے وجوہات بیان کیئے۔ اس سے مایوس ہوکر قریش نے نبی کریم کو ہلاک کرنے کی اور تجویزین سوچین۔ ایکدفعہ خود ابو جہل نے اس کام کو اپنے ذمے لیا۔ کہ جسوقت آنحضرت سجدے مین ہون تو اسوقت انکو ہلاک کر ڈالے مگر جسکی تائید اور حفاظت کرنیوالا خود احکم الحاکمین ہو کون اسکا بال بیکا کرسکتا ہے۔ مقررہ وقت پر جب آنحضرت نماز مین مشغول تھے تو ابو جہل ایک بڑا پتھر اٹھاکر اپنے ناپاک ارادہ کو پورا کرنیکے لیے آگے بڑھا۔ اور تمام قریش منتظر تھے کہ اب آپ کا کام تمام ہوجائیگا۔ مگر جونہی وہ نزدیک ہوا اللہ تعالے نے اسے ایک ایسا خوفناک نظارہ دکھایا کہ وہ پیچھے بھاگا۔ دنرات نئی نئی تجویزین کیجاتی تھین مگر حق کا اسقدر رعب دلونپر تھا کہ کسی شخص کو جرات نہ ہوتی تھی۔ آخر کار حضرت عمر جیسے دلیر آدمی نے یہ کام اپنے ذمہ لیا۔ مگر قبل اسکے جو وہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم تک پہونچے وہ راستے مین خود مسلمان ہوگیا۔ اور جسکے سر کو تلوار سے کاٹنے کے لیے چلا تھا آخر اسکے پاؤن پر اپنا سر جا رکھا۔ یہ تصرف الہی ہے جو اللہ تعالے اپنے پیارے بندے کیلیئے کرتا رہا۔

اکیلے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم ان سب مخالفتونکا مقابلہ کرتے رہے اور سب ایذاؤن اور تکلیفون کی برداشت کرتے رہے۔ مگر کبھی آپکے دلمین یہ خیال نہین گذرا کہ آپکا انجام ناکامی ہوگی یا یہ کہ مخالفون کی مخالفتین آپکا کچھ بگاڑ سکتی ہین۔ لیکن پادری سیل ہر واقعہ کو الٹا بیان کرکے اس سے اپنے مطلب کے

موافق نتیجہ نکالنا چاہتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ "(حضرت) محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کے متعلق یہ خیال کرنا کہ وہ تنہا اور غریب محض اونٹوں کے چرانیوالے تھے اور انہوں نے اکیلے بغیر کسی ظاہری سامان کے ہر ایک قسم کی مخالفت کا مقابلہ کیا غلط ہے۔ ان کا خاندان ایک امیر خاندان تھا۔ اور قوم کے مذہبی اور تجارتی دارالخلافہ مین اس خاندان یعنے قریش کا بڑا تمدنی اور ملکی اثر تھا اس مدد کے بغیر جو انکو اسوجہ سے پہونچتی رہی وہ کبھی اس مخالفت کی برداشت نہ کر سکتے تھے جسکا اول اول انکو سامنا کرنا پڑا۔"

پادریصاحب کے اس جھوٹے منطق کو ناظرین بخوبی سمجھ سکتے ہین۔ یہ کون کہہ سکتا ہے کہ اگر فلان واقعہ نہ ہوتا تو پھر کیا ہوتا۔ اگر بفرض محال یہ مان لیا جاوے کہ آپکے خاندان کی امیرانہ حیثیت کیوجہ سے آپکی مخالفت پورے زور سے نہین ہوئی تو یہ کیونکر نتیجہ نکلسکتا ہے کہ اگر یہ خاندانی حیثیت نہ ہوتی تو آپ ہلاک ہو جاتے۔ علاوہ ازین یہ ایک لغو دلیل ہے اس سے یہ کہان ثابت ہوا کہ آپ خدا کیطرفسے نہ تھے یا حق پر نہ تھے۔ کیا کسیوجہ سے کسی کی زندگی کا بچاؤ ہو جانا اسکے خدا کیطرفسے ہونیکو باطل کر دیتا ہے؟ اگر یہ سچ ہے تو پھر ایک شخص یہ بھی کہنے کا حق رکھتا ہے کہ اگر حضرت موسٰے کو فرعون کی لڑکی دریا سے نہ نکال لیتی تو چونکہ شریعت موسوی کا نام و نشان نہ ہوتا اسلئے ثابت ہوا کہ نعوذ باللہ حضرت موسٰے بھی خدا کیطرفسے نہ تھے۔ اور یہ بھی کہہ سکتا ہے کہ چونکہ اگر مریم کے خاوند یوسف کو فرشتہ خواب مین یہ یقین نہ دلاتا۔ کہ حضرت مریم صدیقہ پاکدامن ہین تو وہ غیرت مین آکر انکو حمل کیحالت مین ہی مار ڈالتا۔ اور اس آپکی مسیحیت یا بزعم عیسائیان خدائی بھی ساتھ ہی جاتی۔ اسلئے حضرت مسیح بھی نعوذ باللہ خدا کیطرفسے نہ تھے۔ اور مفتری تھے۔ مورخ کو ان بیہودہ خیالات سے کیا تعلق کہ فلان بات نہ ہوتی تو یون ہوتا اسکا کام تو یہ دیکھنا ہے کہ واقعہ مین کیا ہوا۔ اور وہ یہ ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے سخت سے سخت مخالفتون کا مقابلہ کیا اور کامیاب ہوئے اور نہ صرف مقابلہ کیا بلکہ مخالفت یا تکلیف کی آپنے کبھی پروا بھی نہین کی کیونکہ اگر ایسی پروا کرتے تو ابتدا مین ہی تبلیغ کے کام کو ہاتھ سے چھوڑ بیٹھتے۔

اس بات سے کہ ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم ایک معزز اور شریف خاندان قریش سے تھے۔ آپکی عزت ظاہر ہوتی ہے۔ اور صداقت اور بھی چمکتی ہے مگر یہ بات آپکو قریش اور کل عرب کے بد ارادہ سے کیونکر بچا سکتی تھی کتنی دفعہ آپکو قتل کی دھمکیان دی گئین اور کتنی دفعہ قتل کی تجویزین کی گئین۔ وہ کون تھا جس نے ابوجہل یا حضرت عمر کے ہاتھ کو پکڑ لیا۔ کیا ابوطالب نے اگر قریش کو سفارش کی تھی یا بنی ہاشم نے ابوجہل کو روکدیا تھا اور دھمکی دی تھی۔ ہرگز نہین۔ اگر خدا تعالے کا خاص ارادہ نہ ہوتا تو دشمن اپنے بد ارادہ کو بڑی آسانی سے پورا کر سکتے تھے۔ کیا بڑے آدمی اور شرفا دنیا مین قتل نہین کیے

جاتے تھے یا عرب مین قتل نہین کیے جاتے تھے اور اگر قریش کو کوئی اور روکنے والی طاقت نہ ہوتی تو سارے بنی ہاشم کو تباہ کر دینا انکے نزدیک کونسا مشکل امر تھا۔ اور بنی ہاشم کیا مقابلہ کر سکتے تھے۔ وہ لوگ جن کے معبودونکو انکے منہ پر برا کہا جاتا تھا اور جنکو ہر روز عذاب کی دہمکیان دیجاتی تھین بنی ہاشم کیوجہ سے مخالفت اور ہرارادونسے نہ رک سکتے تھے۔ انکو تو اپنے معبود عزیز تھے وہ ابو طالب کی کیا پروا کرتے تھے۔ نہ ابو طالب قریش کو اپنے معبودونسے زیادہ عزیز تھا اور نہ بنی ہاشم کی اسقدر طاقت تھی کہ قریش انکے خلاف کوئی کارروائی کرنیسے ڈر جاتے۔ پس صاف ظاہر ہے کہ قریش کو اپنے بدارادوںین ناکام رکھنے والی کوئی اور طاقت تھی۔ وہ زبردست ہاتھ جو قاتل کے ہاتھ کو روک دیتا تھا انسانی ہاتھ نہ تھا۔ اور وہ طاقتور علم جو انکے سب منصوبوں اور تجویزونکو خاک مین ملا دیتا تھا انسانی علم نہ تھا یہ کسقدر ہنسی کی بات ہے کہ جنگ تو مذہب کی بیکجہتی کا ہو اور قریش ابو طالب کے لحاظ سے خاموش ہو رہین مگر پادری صاحب اس سے بھی بڑھکر یہ دعوے کرتے ہین کہ ”قریش کے ساتھ جو نبی کریم کے تعلقات تھے انہی کیوجہ سے آپکو وہ حفاظت نصیب ہوئی جو ایک کم درجہ کے آدمی کو نہ ملسکتی تھی“ یہ کسقدر حماقت سے بھری ہوئی بیخبری واقعات تاریخی کی ہے۔ ابھی تک سیل صاحب کو یہ بھی علم نہین کہ قریش ہی تو مخالف تھے اور دن رات نیست و نابود کرنے کی تجویزون مین لگے رہتے تھے اور انہی کو وہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے محافظ فرض کر رہا ہے۔

اس مین شک نہین کہ ابو طالب نے اپنے بھتیجے کو قریش کے حوالہ کر دینے سے انکار کیا اور اس بات پر خوش نہین ہوا کہ وہ ایک معصوم انسان کو بیگناہ مار ڈالین۔ مگر اسکی یہ محبت بھی صرف خونی تعلقات کیوجہ سے نہ تھی۔ نئے مذہب کے تعلقات نے پرانے رشتہ داری کے تعلقات کو بالکل قطع کر دیا تھا۔ اور مسلمانونکو بڑی ایذا رسانی اول اول انہی لوگونکی طرفسے ہوئی جو انکے اپنے نزدیکی رشتہ دار تھے اور جس تجویز مخالفت پر قریش نے اتفاق کیا تھا وہ یہی تھی کہ ہر ایک کنبہ کے لوگ اپنے اپنے عزیزونکو تکلیف دینا شروع کرین۔ کفر کیحالت مین حضرت عمر نے اپنی بہن اور بہنوئی کو اسقدر مارا تھا کہ وہ قریب ادموئے کے ہو گئے تھے۔ اور یہی طریق ہر ایک گھرانے مین اختیار کیا گیا تھا کہ ایذا دہی سے اپنے اپنے عزیزونکو نئے مذہب سے پھیرا جاوے۔ مگر بنی ہاشم کے بڑے بڑے مقتدر اشخاص اسلام کیطرف بہت حد تک مائل ہو چکے تھے۔ حضرت حمزہ رض پہلے ہی مسلمان ہو چکے تھے۔ حضرت عباس بھی اسلام کی طرف مائل تھے۔ ابو طالب اگرچہ پرانے مذہب پر بظاہر قایم رہا مگر وہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو صادق اور راستباز جانتا تھا چنانچہ اسبات کا اظہار اسنے نہایت صفائی سے اس قصیدہ مین کیا ہے۔

جس کا پہلے بھی ذکر آچکا ہے۔ قریش کی بیجا ایذا رسانی کا ذکر کرتے ہوئے وہ کہتا ہے۔

وما ترك قوم لا ابالك سيدا — يحوط الذمار غير ذرب مواكل
وابيض يستسقى الغمام بوجهه — ثمال اليتامى عصمة للارامل
يلوذ به الهلاك من ال هاشم — فهم عنده فى رحمة و فواضل
حليم رشيد عادل غير طائش — يوالى الها ليس عنه بغافل
فوالله لولا ان اجئ بسبة — تجر على اشياخنا فى المحافل
لكنا اتبعناه على كل حالة — من الدهر جدا غير قول التهازل

ترجمہ ان اشعار کا یہ ہے۔ تجھ پر افسوس کسی قوم نے اپنے سردار کو نہیں چھوڑ دیا (گویا اس سوال کے جواب مین کہ تم ہمکو کہتے ہو کہ ہم نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ دین۔) اور سردار بھی وہ سردار جو تمام حفاظت کرنیوالی چیزونکی خوب حفاظت کرتا ہے اور وہ دغاباز نہین نہ دوسرونکا مال ہی کھاتا ہے۔ وہ کریم ہے سفید چہرے والا جسکے منہ کے وسیلے سے مینہ مانگا جاتا ہے*۔ وہ یتیمونکا ملجا اور بیوہ عورتونکی پناہ ہے۔ آل ہاشم کے کل غربا اس کی پناہ ڈھونڈتے ہین اور اس سے وہ رحمت اور فضل پاتے ہین۔ وہ حلیم اور بزرگ ہے انصاف کرنیوالا۔ اور متین جلدی ناراض نہ ہونیوالا اس خدا کو دوست رکھتا ہے جس سے وہ ایکدم کے لیے بھی غافل نہین ہے۔ خدا کی قسم ہے اگر مجھے یہ خوف نہ ہوتا کہ میری وجہ سے میرے بزرگونپر محفلون مین عیب لگایا جاویگا تو ہم ہر حال مین اس کی پیروی کرتے (یعنی ظاہر طور پر بھی دین قبول کرلیتا) یہ میری بات نہایت سنجیدگی سے ہے اور ہزل نہین۔

یہ بات بھی اس جگہ بیان کرنیکے قابل ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو سب سے اول قبول کرنے والے وہی لوگ تھے جو آپکے نہایت عزیز دوست یا نہایت قریبی رشتہ دار تھے اور جو آپکے حالات سے

* ایک حدیث مین آیا ہے کہ مدینہ مین ایکدفعہ سخت امساک باران ہوا۔ تو لوگون نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے دعا کے لیے التجا کی۔ آپ منبر پر چڑھے اور دعا کرتے رہے یہانتک کہ بادل جمع ہو کر زور کی بارش شروع ہوگئی اور یہانتک بارش ہوئی کہ پھر لوگون نے التجا کی کہ اب تو سیلاب سے ہر ایک چیز کے بہ جانے کا خطرہ ہے جسپر آپنے دعا کی اللھم حوالینا ولا علینا۔ پھر بارش تھم گئی۔ اسوقت آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آج ابوطالب ہوتا تو بہت خوش ہوتا۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ آپکا اشارہ ابوطالب کے اس شعر کیطرف ہے جو اسنے آپکی مدح مین کہا ہے کہ وابیض یستسقی الغمام بوجہہ + ثمال الیتامی عصمۃ للارامل۔ فرمایا ہان۔ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اس قصیدہ کے بعض اشعار عرب مین عام طور پر مشہور ہو گئے تھے۔ منہ۔

بخوبی واقف تھے سب سے پہلے ایمان لانیوالی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا ہین جو پندرہ سال سے آپکی زوجیت مین تھین اور جنہون نے آپکی دیانتداری اور صداقت پر خوش ہوکر ہی پہلے یہ تعلق پیدا کیا تھا۔ جبھی کہ انہون نے آپکے منہ سے یہ سنا کہ مجھہ پر یہ وحی نازل ہوئی تو جھٹ بول اٹھین۔ کلا واللہ

مایخزیک اللہ ابدا انک لتصل الرحم وتحمل الکل وتکسب المعدوم وتقری الضیف وتعین علی نوائب الحق یہ نہین خدا کی قسم خدا آپکو کبھی رسوا نہین کرے گا۔ کیونکہ آپ صلہ رحمی کرتے یعنی اپنے رشتہ دار و نسے نہایت نیک سلوک کرتے ہین اور انکی مدد کرتے ہین جو اپنا بوجھ آپ نہین اٹھاسکتے اور جو کام نہین کر سکتا اس کو کماکر دیتے ہین اور مہمانون کا اکرام کرتے ہین اور مصائب کیوقت لوگونکو مدد دیتے ہین" حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ شروع سے ہی آپکے بڑے دوست تھے۔ جب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے نبوت کا دعوے کیا تو آپ سفر پر تھے۔ واپس آتے ہی جب آپنے یہ خبر سنی تو آپنے کہا بیشک محمد صلے اللہ علیہ وسلم صادق ہین کیونکہ آپنے کسی آدمی پر کبھی جھوٹ نہین بولا تو پھر خدا پر کیونکر جھوٹ بول سکتے ہین۔ اس سے بڑھکر ایک شخص کی صداقت اور خلوص کی اور کیا شہادت ہوسکتی ہے کہ وہ لوگ جو سب سے زیادہ اسکے اندرونی حالات سے واقف ہین وہی اسکی صداقت پر ایمان لانیوالے ہون اور ایسے وقت مین جب تمام دنیا مخالفت پر تلی ہوئی ہو۔ حضرت ابوبکر اور خدیجہ رضی اللہ تعالے عنہما سے بہتر واقف نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے حالات سے اور کوئی نہ تھا۔ اور اگر کوئی نقص یا عیب آپ مین ہوتا یا کوئی جھوٹ ملونی آپکے دعوے مین ہوتی تو ممکن نہ تھا کہ وہ اس سے آگاہ نہ ہوتے مگر دونون نہایت سچے دل سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی صداقت پر ایمان لائے اور ہزارون ابتلاؤن اور امتحانون مین ثابت قدم رہے اور آخر کار اسلام اور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی کامیابی پر انکو ایسا ہی ایمان تھا جیسے خود مہبط وحی صلے اللہ علیہ وسلم کو۔ ان دونونکا آنحضرت کو دعوے کا علم ہوتے ہی قبول کرلینا اور پھر اسپر ایسی لانظیر ثابت قدمی دکھانا ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی صداقت کی نہایت پر زور دلیل ہے۔ چنانچہ میور جیسے دشمن کو حضرت ابوبکر کے ایمان اور استقلال پر حیران ہوکر یہ کہنا پڑا ہے کہ "اگر محمد صلے اللہ علیہ وسلم شروع سے ہی عمداً افترا کرنے والے ہوتے تو ایک ایسا آدمی (ابوبکرؓ) اپنر کبھی ایمان نہ لاتا اور انکا صادق دوست نہ ہوتا جو نہ صرف دانا اور دور اندیش ہی تھا بلکہ سیدھا اور صادق بھی تھا۔ ابوبکر کو اپنے آپ کو بڑا دیکھنا یا بڑا بننے کا کوئی خیال نہ تھا۔ جب شاہی اختیارات اسکے ہاتھہ مین آئے تو انہون نے ان اختیارات کو محض اسلام کی بہتری اور لوگونکے فائدہ کیلیئے برتا۔

وہ خود اس قدر ہوشیار تھا کہ کسی کے فریب مین نہ آسکتا تھا۔ اور اسقدر دیانتدار اور ایماندار تھا کہ دوسرے کو دھوکا نہ دے سکتا تھا“

مقابلہ کے لیے چند لفظ اس جگہ حضرت مسیح کی نسبت بھی بیموقعہ نہ ہونگے حیرت کی بات ہے کہ وہ لوگ جو حضرت مسیح کے حالات سے گہری واقفیت رکھتے تھے انپر ایمان نہین لائے انکے حقیقی بھائی انکو پاغل سمجھتے تھے۔ (مرقس ۳/۲۱) وہ حواری جن پر بڑی بڑی امیدین ہونی چاہئین تھین آخرکار بیوفا ثابت ہوئے۔ ایک نے تیس روپئیونکے عوض آپکو آپ کے دشمنونکے ہاتھ بیچدیا۔ اب اس فرق کو دیکھو کہ ایک کا مرید تیس روپئے کے لالچ سے اپنے آقا کے ساتھ ایسی غداری کرتا ہے اور دوسرے کا مرید تیس ہزار روپیہ اپنے آقا پر قربان کرکے طرح طرحکی تکلیفین اس کے ساتھ اٹھاتا ہے اور ایک دم کے لیے بھی اسکے دلمین یہ خیال نہین گذرتا کہ وہ اپنے آقا کا ساتھ چھوڑدے۔ پھر حضرت مسیح کے ایک اور مرید نے جسپر آپکو اسقدر اعتبار تھا کہ بہشت کی کنجیان بھی اسیکے سپرد کردی تھین۔ گرفتاری کیوقت کیسی بیوفائی دکھائی اور انکار کیا اور لعنت بھیجی۔ باقی بھی اسی قسم کے نکلے۔ اور سب کے سب ساتھ چھوڑکر بھاگ گئے۔ ان کمزوردلون اور بیوفاؤنکے مقابل ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے صحابہ وہ ہین جنکے مضبوط ایمان اور ثابت قدمی کو کوئی مصیبت متزلزل نہین کرسکی۔ انہون نے آپکی خاطر روپیہ مال گھر جایداد ین آرام سب کچھ قربان کیا۔ اور پھر آخر اپنی جانین قربان کرنیسے بھی دریغ نہ کیا۔ ان لوگونکی ثابت قدمی۔ وفاداری۔ مضبوطی ایمان۔ صدق اور خلوص کو جس سے کسی کو انکار نہین ہوسکتا۔ میور صاحب صرف اسقدر وقعت دیتے ہین کہ انسے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ آنحضرت نے عمداً افترا نہین کیا اور نہ وفاداری کا ایسا نمونہ صحابہ ہرگز نہ دکھا سکتے تھے۔ ناظرین خود قیاس کرلین کہ اگر حضرت مسیح کے حواریونکی طرح نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے صحابہ سے کوئی بیوفائی ہوتی یا جس طرح انکے ایمان مین تزلزل آتا رہا صحابہ کے ایمان مین کبھی تزلزل واقع ہوتا تو پادریصاحبان اس سے کیا نتیجہ نکالتے پھر تو یہ لوگ پھولے بھی نہ سماتے کہ نبی عربی (فداہ امی وابی) کا نعوذ باللہ افترا ثابت ہوگیا۔ مگر خدا کا خوف ان لوگونکے دلونمین نہین۔ اے پادریصاحبان ایمان سے اور خداترسی سے بتاؤ کہ اگر آنحضرت کے صحابہ کے صدق اور وفاداری سے اس سے بڑھکر کوئی نتیجہ نہین نکلتا۔ کہ آپنے عمداً افترا نہین کیا۔ اور آپ نعوذ باللہ دھوکہ خوردہ تھے تو مسیح کے حواریونکی بیوفائی غداری اور بے ایمانی سے کیا کیا نتیجہ نکلتا ہے۔ اگر تم مین کچھ بھی خدا کا خوف ہے تو جرأت کرکے اس نتیجہ کو شایع کرو۔ اگر یہ سچ ہے کہ درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے تو ہمین حضرت مسیح اور حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم

کی صداقت یا فضیلت کا فیصلہ کرنیکے لیے صرف ایک ہی بات کافی ہے کہ تم دونون کے صحابیوں کا مقابلہ کرلو

اگرمین اصل مضمون سے کسیقدر دور نکل گیا ہون تو مین نے ناظرین کا اپنا وقت ضائع نہین کیا اب مین پھر پہلی بات کی طرف رجوع کر کے یہ کہتا ہون کہ واقعات سیل صاحب کے اس دعوی کی ہرگز تائید نہین کرتے۔ کہ اگر ابوطالب یا بنی ہاشم آنحضرت کے ساتھ نہ ہوتے تو آپ قریش کی مخالفت سے کبھی بچکر نہ نکل سکتے۔ یہ محض جھوٹ ہے اس مین شک نہین کہ ابوطالب نے اخیر دم تک آنحضرت کا ساتھ دینے کیلیے آمادگی ظاہر کی۔ مگر کیون؟ اسلیئے کہ وہ آنحضرت کو راستباز جانتا تھا۔ اور آپکا ساتھ چھوڑنیکو وہ غداری سمجھتا تھا۔ اس نے یہ نہین کہا کہ بنی ہاشم نبی کریم کی محافظت کرنیوالے ہین بلکہ یہی کہا کہ نبی کریم بنی ہاشم کے سردار اور انکے محافظ ہین یتیمون غریبون بیکسون اور بیواؤن کا ملجا و ماویٰ ہین۔ ابوطالب تو اسلیئے آپ کا ساتھ نہ چھوڑتا تھا کہ آپکا ساتھ چھوڑنیسے اسے بنی ہاشم کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ تھا۔ اس سے تو بہتر تھا اگر سیل صاحب یہ کہدیتے کہ اگر صحابہ آپکے ساتھ ہوکر آپ پر جانین فدا نہ کرتے تو آپ قریش کی مخالفت سے بچکر نہ نکل سکتے تھے۔ مگر ان باتون سے کیا نتیجہ پیدا ہو سکتا ہے۔

سوال یہ ہے کہ آیا ابوطالب کیوجہ سے قریش مخالفت سے رک گئے۔ ابوطالب نے اگر کچھ کیا تو وہ صرف یہی تھا کہ اس نے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو قریش کے حوالہ کر دینے سے انکار کیا۔ قریش کی درخواست یہ تھی کہ اگر وہ آنحضرت کو مار ڈالین تو ابوطالب یا بنی ہاشم ان سے بوجھین نہین۔ اس سے بڑھکر ابوطالب نے کیا کیا اور وہ کیا کر سکتا تھا۔ جب آپ باہر جاتے تھے تو آپکے ساتھ کوئی پہرہ نہ ہوتا تھا۔ رات کی تاریکی مین آپ اکیلے عبادت کیلیے نکلتے تھے حالانکہ آپ یہ بھی جانتے تھے کہ قریش کے کیا کیا ارادے آپکے مخالف ہین آپکا بھروسہ خدا پر تھا اور یہ یقین تھا۔ کہ جس طاقتور خدا نے آپکو رسالت کا پیغام دیکر بھیجا ہے وہی آپکی حفاظت بھی کرنیوالا ہے پس سچی بات یہی ہے کہ خدا کے سوائے اسقدر دشمنونکے درمیان نہ کوئی آپکی حفاظت کر سکتا تھا اور نہ کسی نے کی۔ ہان وہ خدا جس نے وعدہ کیا تھا اسی نے اپنے وعدہ کو پورا بھی کیا۔ اگر بنی ہاشم بالفرض قریش کی مخالفت بھی کرتے تو وہ قریش کی مجموعی طاقت کے سامنے حیثیت ہی کیا رکھتے تھے۔ ایکدم مین سب کے سب کچل دیئے جا سکتے تھے۔ بھلا پادری صاحب یہ بتاوین کہ جب قریش نے اتفاق کر کے بنی ہاشم سے لین دین بند کر کے انکو شہر کے ایک کونے مین بند کر دیا تو بنی ہاشم نے کیا مقابلہ کیا۔ بلکہ اگر چند دن تک اور وہ اسی حالت مین بند رہنے دیئے جاتے تو سارے کے سارے تباہ ہو جاتے۔

اب مین سب باتونکو چھوڑکر یہ کہتا ہون کہ آخر ابوطالب مرا نہین اور نبی کریم بنی ہاشم سے الگ ہوئے یا نہین اسوقت کون آپکا محافظ تھا۔ مخالفت تو اور بھی بڑھ گئی۔ اگر پہلے صرف قریش ہی نیست و نابود کرنے پر آمادہ تھے

تو اب عرب کی اور قومین بلکہ یہودی اور عیسائی بھی ساتھ مل گئے جب مخالفت کی آگ پورے زور سے بھڑک اٹھی تو اسوقت نہ ابو طالب تھا اور نہ بنی ہاشم ہی ساتھ تھے۔ پس سوچ لو کہ جس نے اسوقت آپ کو بچایا وہی پہلے بھی بچاتا رہا۔ بلکہ ابو طالب کی موت کے بعد ہی آپ نے دعوت کا دایرہ اور بھی وسیع کر دیا چنانچہ اسکے بعد آپ نے پہلے بنی ثقیف کیطرف رجوع کیا اور اس قوم کو دعوت حق کی مگر یہان بھی آپکے ساتھ وہی سلوک ہوا جو قریش نے کیا تھا۔ شہر کے لوگون نے آپ کی بڑی مخالفت کی اور پتھر مار کر شہر سے باہر نکالدیا۔ اور بہت دور تک گالیان دیتے ہوئے اور پتھر مارتے ہوئے آپکے پیچھے چلے آئے۔ جب آپ دور نکل آئے تو ایک درخت کے سایہ کے نیچے بیٹھ گئے۔ اور اس تنہائی مین جب زمین کی ہر ایک چیز آپکی مخالفت پر تلی ہوئی نظر آتی تھی آپنے ان الفاظ مین اللہ تعالے کے آگے دعا کی:۔ اللھم الیک اشکو ضعف قوتی و قلۃ حیلتی وھوانی علی الناس یا ارحم الراحمین انت رب المستضعفین وانت ربی الی من تکلنی الی بعید یتجھمنی ام الی عدو ملکتہ امری ان لم یکن بک علی غضب فلا ابالی ولکن عافیتک ھی اوسع لی اعوذ بنور وجھک الذی اشرقت لہ الظلمات وصلح علیہ امر الدنیا والاخرۃ من ان تنزل بی غضبک او یحل علی سخطک لک العتبی حتی ترضی ولا حول ولا قوۃ الا بک۔ اس دعا سے کیسا صاف ظاہر ہے کہ آپ سوائے خدا کے اور کسی پر بھروسہ نہ رکھتے تھے۔ اور اسکی راہ مین ہر طرح کی تکلیفین اٹھانیکے لیے تیار تھے۔

علاوہ برین قریش نے جو کوششین آپکو راہ حق سے روکنے کیلیے کین اور آپنے جو کچھ ایسے موقعہ پر جواب دیا اس سے ظاہر ہے کہ نہ تو آپکو کفار کی تکلیف دہی اور ایذا رسانی کی کوئی پروا تھی اور نہ ہی ابو طالب یا بنی ہاشم کی حفاظت کی کچھ پروا تھی۔ قریش نے طرح طرح کے حیلے کیے کبھی روپے کا لالچ دیا کبھی عزت اور حکومت کا اور کبھی قتل کی دھمکیان دین مگر آپکو نہ کسی بات کی پروا تھی نہ کسی کا خوف۔ ایکدفعہ قریش کی ایک مجلس نے عتبہ بن ربیعہ کو اپنا وکیل کر کے بھیجا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے گفتگو کر کے آپکو بت پرستی کی مذمت سے روکے۔ اس نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو جا کر کہا۔ کہ "آپ ہم مین شریف خاندان سے ہین اور عالی نسب ہین اور آپنے اپنی قوم کے سامنے ایک بڑا امر پیش کیا ہے جس سے آپنے جماعت مین تفرقہ ڈالا ہے اور انکے معبودون پر اور انکے دین پر عیب لگائے ہین اور انکے آبا و اجداد مین سے جو گذر چکے ہین ان کو کافر کہا ہے۔ پس مین آپکے سامنے چند باتین پیش کرنی چاہتا ہون کہ آپ ان مین سے کوئی قبول کرلین تو یہ فتنہ رفع ہو جائے۔ آپنے فرمایا کہو مین سنتا ہون اس نے کہا کہ اگر آپکا اس کام کے اختیار کرنے سے منشا یہ ہے کہ آپکے پاس مال اکٹھا ہو جائے تو ہم اسقدر مال آپکو اکٹھا کر کے دیسکتے ہین کہ آپ قریش مین سب سے زیادہ مالدار ہو جائین اور اگر آپ بیویان چاہتے ہین تو ہم دس نہایت حسین بیویان

آپکو دے سکتے ہین۔ اور اگر آپ اس سے بزرگی چاہتے ہین تو ہم آپکو اپنا سردار بنانیکو تیار ہین اور آپکی اجازت کے بغیر کبھی کوئی کام نہ کرینگے۔ اور اگر آپ حکومت چاہتے ہین تو ہم آپکو اپنا بادشاہ بنانیکو تیار ہین اور اگر آپ کسی جن کے تصرف مین ہین جسکو رد کرنے کی آپ طاقت نہین رکھتے۔ تو ہم آپکے لیے طبیب بلائینگے اور اپنے مال آپکے علاج کیلیے خرچ کرینگے" جب وہ یہ بات کہہ چکا تو آپنے فرمایا۔ اب میرا جواب سن۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ حٰم۔ تنزیل من الرحمن الرحیم۔ کتب فصلت ایاتہ قرانا عربیا لقوم یعلمون بشیرا ونذیرا فاعرض اکثرہم فہم لا یسمعون وقالوا قلوبنا فی اکنۃ مما تدعونا الیہ وفی اذاننا وقر ومن بیننا وبینک حجاب فاعمل اننا عملون۔۔۔۔۔ اور آپنے سورہ حٰم السجدہ پڑھی یہانتک کہ آپ اس آیت پر پہونچے۔ فان اعرضوا فقل انذرتکم صعقۃ مثل صعقۃ عاد وثمود۔ اسکے بعد پھر آپ تبلیغ مین لگے رہے اور کفار ایذا دینے اور سب وشتم مین لگے رہے پھر ایکدفعہ قریش کی ایک بڑی مجلس کرکے آپکو بلایا گیا۔ آپنے سمجھا شاید قریش اب قبول کرنیکے لیے تیار ہوئے ہین اور آپ بڑی جلدی آئے۔ مگر پھر انہون نے وہی باتین پیش کین جو پہلے پیش کرچکے تھے۔ آپنے فرمایا "مین مجنون نہین جیسا تم کہتے ہو۔ نہ ہی مین اسلیے آیا ہون کہ مال یا بزرگی یا حکومت کی خواہش کرون مجھے تو خدا تعالے نے تمہاری طرف رسول کرکے بھیجا ہے اور مجھ پر کتاب نازل فرمائی ہے اور مجھے یہ حکم دیا ہے کہ مین تمہین خوشخبری پہونچاؤن (اگر تم ایمان لاؤ) اور آنیوالے عذاب سے ڈراؤن (اگر تم انکار کرو) اور مینے اپنے پروردگار کے پیغام تم تک پہونچا دئیے ہین اور تمہین نیکی کی راہ پر چلنے کی نصیحت کی ہے۔ اگر تم قبول کرلو اس چیز کو جو مین لایا ہون تو دنیا اور آخرت مین تمہاری خوش قسمتی کا موجب ہوگا اور اگر رد کردو تو مین تمہاری ایذا رسانی پر صبر کرونگا یہانتک کہ اللہ تعالے میرے اور تمہارے درمیان کھلا کھلا

آخر قریش نے ابو طالب کیطرف رجوع کیا اور بڑے بڑے آدمی جمع ہوکر اسکے پاس گئے اور کہا کہ تمہارا بھتیجا ہمارے معبودون کو برا بھلا کہتا ہے اور ہمارے آباؤ اجداد کو غلط راہ پر بتاتا ہے یا تو تم اسکو روک دو۔ یا تم اس جھگڑے سے الگ رہو تاکہ ہم اسکا قصہ تمام کردین کیونکہ تم بھی مذہب مین اسکے مخالف ہی ہو جیسا کہ ہم ہین"۔ ابو طالب نے بہت نرمی سے انکو جواب دیکر ٹال دیا۔ اور وہ واپس چلے گئے۔ تھوڑے دنون بعد پھر قریش کے عظیم الشان آدمی جمع ہوکر ابو طالب کے پاس پہونچے اور کہا "اے ابو طالب بیشک تو ہمارے درمیان سردار اور بزرگ اور بڑے مرتبہ والا ہے۔ ہمنے پہلے بھی تمہین کہا تھا کہ تم اپنے بھتیجے محمد صلے اللہ علیہ وسلم کو اس کام سے روکدو مگر تمنے کچھ نہین کیا اور ہم اس بات پر صبر نہین کرسکتے کہ ہمارے معبودونکی ہمارے سامنے مذمت کیجاوے۔ پس یا تو تم اسکو روکدو اور یا تم اسکا ساتھ چھوڑدو۔ اور ہم اسکے ساتھ لڑین یہانتک کہ دونون فریقون مین سے ایک ہلاک ہوجاوے"۔ یہ کہکر وہ چلے گئے۔ ابو طالب پر دونون باتین شاق تھین نہ تو قریش

فیصلہ کرے"

کو ہی چھوڑ سکتا تھا اور نہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو ہی۔ آخر اس نے نبی کریم کو بلایا اور آپکو سمجھایا کہ قوم کیا کہتی ہے اور کیا چاہتی ہے آپنے سمجھا کہ شاید اب ابو طالب ہمارا ساتھ چھوڑنا چاہتا ہے اور ہماری مدد کرنیسے عاجز ہے۔ یہ وہ وقت تھا کہ اگر آپکے دلمین ضعف کا کوئی خیال بھی ہوتا تو اسوقت آپ تبلیغ کے کام سے رک جاتے کیونکہ آپ بخوبی سمجھ سکتے تھے کہ ابو طالب کے بعد پھر دنیا مین کوئی بھی آپکا موافق نہین ہوگا۔ اور کل کی کل قوم دشمن ہی دشمن ہوگی۔ مگر آپنے اسوقت وہ جواب دیا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپکا قلب اس تیقن سے بھرا ہوا تھا جو بغیر وحی الہی کے حاصل نہین ہو سکتا۔ عاجز انسان کا یہ کام نہ تھا کہ ایسے وقت مین ایسا حوصلہ دکھاتا۔ آپنے فرمایا "اے چچا اگر وہ سورج کو میرے دائین ہاتھ اور چاند کو میرے بائین رکھدین اور یہ چاہین کہ مین حق کی تبلیغ کو چھوڑ دون تو مین ہرگز نہین چھوڑونگا۔ بلکہ یہ کام کرتا رہونگا۔ یہانتک کہ اللہ تعالےٰ اس دین کو غالب کردے یا مین ہلاک ہو جاؤن" اس جوابنے ابو طالب کو حیران کردیا اور درحقیقت یہ جواب ایسا ہے کہ ہر ایک آدمی جو کچھ بھی خدا ترسی کو دل مین جگہ دیکر سوچے گا۔ اسے قایل ہونا پڑے گا کہ یہ لفظ انسان عاجز کے نہین اور نہ ہی یہ قوت انسانی ضعف کے سرچشمہ سے پیدا ہو سکتی ہے بلکہ ایسی قوت صرف اللہ تعالےٰ سے ہی حاصل ہو سکتی ہے اس قوت اور شجاعت کی نظیر کسی نبی مین ملنی مشکل ہے۔ کاش پادری سیل صاحب مسیح کے سوانح مین کوئی اسکی نظیر نکالکر دکھاوین +

باوجودیکہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو اسقدر دکھ اور تکلیفین دیجاتی تھین آپکو اس سے نہ چندان غم تھا اور نہ رنج کیونکہ آپ جانتے تھے کہ آپ کی ان چندروزہ تکالیف پر دنیا کی نجات موقوف ہے اور اسلیے آپ خوشی سے سب تکلیفونکو برداشت کرتے تھے لیکن بڑا دکھ آپکو اپنے صحابہ کی تکالیف سے پہنچتا تھا جنکو آپکی آنکھونکے سامنے طرح طرحکے دکھ دیے جاتے تھے اور بڑی بڑی اذیتین دیکر ہلاک کیا جاتا تھا۔ ان بیرحمیون کی جو صحابہ پر کیجاتی تھین کوئی حد نہ رہی تھی۔ عورتون پر جو ظلم کیے جاتے تھے وہ پرلے درجے کے وحشیانہ تھے جنکے ذکر سے بھی جسم کے رونگٹے کھڑے ہوتے ہین۔ جو لوگ مسلمانون مین سے وجاہت نہ رکھتے تھے انکو جلتی ہوئی ریت اور پتھرون پر دوپہر کے وقت ڈالکر اوپر سے کوڑے لگائے جاتے تھے یہ ظلم اس قسم کے تھے کہ ایک اجنبی کا دل بھی پگھل کر نرم ہو جاتا ہے اور یہ سب ظلم اس رحیم وکریم انسان کو جو اپنے صحابہ کو اس سے زیادہ پیار کرتا تھا جو دنیا کے لوگ اپنے بیٹون بیٹیونسے کرتے ہین اپنی آنکھونسے دیکھنے پڑتے تھے۔ ہر ایک آدمی یہ سمجھ سکتا ہے کہ ایسے اوقات مین آپکے پاک قلب کی کیا حالت ہوتی ہوگی اور کسقدر پہاڑ غمونکے آپکے اوپر گرتے ہونگے۔ خصوصاً اس صورت مین جب آپ یہ بھی دیکھتے ہونگے کہ ان معصومونکی آپ کسی طرح بھی مدد نہین کر سکتے۔ آخر انہی مصایب کو دیکھ دیکھ کر اور برداشت سے باہر پاکر

آپنے اپنے صحابہ کو ہجرت کا حکم دیا اور خود دشمنونکے اندر اکیلے رہنا پسند کیا مگر اپنے ساتھیوںپر جو ظلم ہوتے تھے انکو برداشت نہ کرسکے حالانکہ آپ یہ بھی جانتے تھے کہ صحابہ کی ہجرت سے مخالفت کا کل زور آپکے خلاف ہو جائیگا۔ مگر آپکے قلب نے جسکے رحم اور کرم کا کوئی اندازہ نہین لگا سکتا اپنی تنہائی اور سب مصایب کو برداشت کرنا اختیار کیا مگر یہ پسند نہ کیا کہ ان لوگون کو جنہون نے سب کچھ چھوڑ کر آپکو قبول کیا تھا دکھ پہونچتا رہے۔

ناظرین سمجھتے ہونگے کہ مینے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی تکلیفون اور غمونکو تفصیل کے ساتھ بیان کردیا ہے مگر سچ بات یہ ہے کہ سب سے بڑا غم جس غم کے مقابلہ پر تمام اذیتین اور تکلیفین جو کفار کی طرف سے پہنچتی تھین ہیچ تھین اس کا مینے ابھی تک ذکر نہین کیا جہان ان تمام تکالیف کا ذکر قرآن کریم نے یہی کہکر کیا ہے کہ صبر کرتے رہو اور ان سب تکالیف کو اٹھاتے رہو اس غم کا ذکر کلام الٰہی مین یون فرمایا ہے۔ لعلک باخع نفسک الا یکونوا مومنین ان نشاء ننزل علیہم من السماء آیۃ فظلت اعناقہم لھا خاضعین وما یاتیہم من ذکر من الرحمن محدث الا کانوا عنہ معرضین فقد کذبوا فسیاتیہم انبٰؤ ما کانوا بہ یستہزءون (الشعراء ۔ ۳ ۔ ۶) اے پیغمبر کیا تم اپنی جان کو اس غم سے ہلاک کر ڈالوگے کہ یہ لوگ ایمان کیون نہین لاتے۔ ہم چاہین تو ان لوگون پر آسمان سے ایک زبردست نشان اتارین اور انکی گردنین اس کے آگے جھک جائین (مگر ہمیشہ ایسا ہی ہوتا رہا ہے) کہ جب کبھی خدائے رحمن کیطرف سے انکے پاس نصیحت کی کوئی نئی بات آتی ہے تو وہ اس سے منہ پھیرتے ہین اب کفار مکہ نے جھٹلایا ہے پس عنقریب اس عذاب کی حقیقت انکو معلوم ہو جائے گی جسکی ہنسی اڑایا کرتے تھے +

ان آیات مین اول اللہ تعالےٰ نے یہ بیان فرمایا ہے کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو کسقدر غم ہے کہ کفار آپ پر ایمان نہین لاتے اور خدائے واحد کی پرستش نہین کرتے۔ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ یہ غم اسقدر بڑا ہے کہ وہ اولوالعزم رسول جسنے کفار کی طرح طرح کی اذیتون اور تکلیفونکو بڑے صبر سے برداشت کیا ہے وہ اس غم سے ہلاک ہو جانیکو تیار ہے اگر اللہ تعالیٰ کیطرف سے اسے یہ تسلّی نہ ملتی رہے کہ آخر کار وہ سب ہدایت کو قبول کرلینگے۔ چنانچہ اس غم کو بیان کرنیکے ساتھ ہی اگلی آیت مین فرمایا ہے کہ جب مشیت الٰہی ہوگی تو وہ زبردست نشان انپر اتارا جاوے گا جسکے آگے ان سب کی متکبر گردنین جھک جاوینگی اور فرمایا مگر سنت اللہ یونہی چلی آئی ہے کہ پہلے پہل یہ لوگ خدا کے مرسلونکی تکذیب اور انسے استہزا کرتے ہین۔ پھر جب انکی تکذیب اور استہزا خدا کے نزدیک قابل گرفت ہو جاتی ہے تو انپر عذاب نازل کیا جاتا ہے۔ اب چونکہ قریش بھی تکذیب کرچکے ہین پس تسلی رکھو کہ وہ وقت عنقریب آئیگا جب انپر بھی وہ نشان اتارا جاویگا کہ یہ لوگ

سب تمہارے مطیع ہوجاوینگے اور دین حق کو قبول کرلینگے۔ چنانچہ مدت بعد ایسا ہی ہوا جب فتح مکہ کے نشان سے جسکا وعدہ مدت سے کفار کو دیا جاتا تھا یہ عظیم الشان نشان پورا ہوا جسکو دیکھ کر انکے دلون مین یقین ہو گیا کہ بیشک خدا تعالے کا طاقتور ہاتھ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی مدد کر رہا ہے اور وہ سب سچے دل سے مسلمان ہو گئے۔ اسی غم کا ذکر ایک دوسری جگہ بھی قرآن کریم نے کیا ہے جہان فرمایا ہے فلعلک باخع نفسک علی آثارھم ان لم یومنوا بھذا الحدیث اسفا (الکھف - ۶) اگر یہ لوگ قرآن کریم پر ایمان نہین لاتے تو کیا تم افسوس کے مارے انکے پیچھے اپنی جان کو ہلاک کر ڈالوگے۔

نہ صرف ان آیات سے ہی یہ معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو کسقدر یہ غم پگھلا رہا تھا کہ قریش بت پرستی اور بدی کی راہ کو کیون نہین چھوڑتے بلکہ آپکی زندگی کا اگر غور سے مطالعہ کیا جاوے تو اس سے اسی غم کا عملی ثبوت ملتا ہے۔ سخت سے سخت دکھ پہنچائے جانے پر بھی یہی دعا جناب باری مین آپکی تھی کہ اے میرے خدا میری قوم کو بخش کیونکہ وہ نادانی سے یہ کام کر رہے ہین۔ ساری ساری رات آپ اللہ تعالے کے حضور کھڑے رہتے اور رو رو کر قوم کی اصلاح کیلیے دعائین مانگتے رہتے۔ قرآن کریم کے متعدد مقامات سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ آپکے دل مین اسقدر تڑپ قوم کی اصلاح کی تھی کہ جب لوگ رات کو آرام کرتے تو آپ دن کے تھکے ماندے اٹھکر دعاؤن مین لگ جاتے + اللہ تعالے کی محبت اور مخلوق کی ہمدردی ہی تھی جو رات کو آپکو سونے نہ دیتی تھی اور یہی وجہ تھی کہ آپ تنہا رات کو اٹھکر جنگلون اور بیابانون مین چلے جاتے اور رو رو کر دعائین کرتے نہ درندون اور جنگلی جانورون سے خوف کرتے اور نہ ہی دشمنون سے جو ہر وقت تاک مین لگے رہتے تھے کہ موقعہ ملے تو آپکو مار ڈالین۔ سوچو کہ یہ کیا تڑپ آپکے دلمین تھی ہر ایک شخص اپنے نفس کو ٹٹولے کہ اسکے دل مین کسقدر ہمدردی مخلوق ہے اور وہ مخلوق کیلیے کیا کیا کرتا ہے اسموقعہ پر چند شعر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے نقل کرتا ہون جو آپنے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے اپنے عشق کا اظہار کرتے ہوئے لکھے ہین۔

کس چہ میداند کرا زان نالہا باشد خبر
من نمیدانم چہ دردے بود و اندوہ و غمے
نے ز تاریکی توحش نے ز تنہائی ہراس
کشتۂ قوم و فدائے خلق و قربان جہان
نعرہ ہا پر درد میزد از پئے خلق خدا
سخت شورے بر فلک افتاد زان عجز و دعا

کان شفیعے کرد از بہر جہان در کنج غار
کاندران غارے در آوردش حزین و دلفگار
نے ز مردن غم نہ خوف کژدم و نے بیم مار
نے بجسم خویش میلش نے بنفس خویش کار
شد تضرع کار او پیش خدا لیلٌ و نہار
قدسیان نیز شد چشم از غم آن اشکبار

یا نبی اللہ توئی خورشید رہ ہائے ہدے یا نبی اللہ لب تو چشمہ جان پرورراست	بے تو نار در دبرا ہے عارف پرہیزگار یا نبی اللہ توئی در راہ حق آموزگار

جسقدر دعائین آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے مخلوق کی بہتری کیلیے کین اسکی کوئی نظیر نہین مثلاً جب ہم حضرت مسیح کی زندگی کے واقعات کو اناجیل سے پڑھتے ہین تو صرف اسیقدر معلوم ہوتا ہے کہ گرفتاری سے پہلی رات آپ ساری رات دعائین کرتے رہے اور کوئی آپکے رات کو اٹھنے اور دعائین کرنیکا ذکر انجیل مین نہین ہے۔ مگر یہ ایک رات کی دعا حضرت مسیح کی بھی اپنے بچاؤ کیلیئے تھی کہ اے خدا تو موت کے پیالے کو ٹالدے بر خلاف اسکے ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی زندگی مین کم از کم تیئیس سال کا ثبوت اس امر کا ملتا ہے کہ آپ ساری ساری رات یا آدھی آدھی رات دعاؤن مین لگے رہتے اور یہ دعائین آپکی اپنے نفس کیلیئے نہ تھین۔ بلکہ مخلوق کی بہتری کیلیے۔ پس جس قدر بڑی آپکی دعائین تھین اسیقدر عظیم الشان تبدیلی آپکی قوت قدسی سے ظہور پذیر ہوئی۔ غور کا مقام ہے کہ قریش تو دن رات آپکی ایذا کے درپے ہین۔ اور وہ رحیم کریم انسان دن رات انہین کیلیے تڑپ تڑپ کر اور بڑے سوز و گداز سے دعائین کر رہا ہے جھوٹا ہے جو کہتا ہے کہ اس انسان سے بڑھکر بھی کسی کے دلمین مخلوق کی خیر خواہی تھی۔

اسقدر اقرار تو میور نے بھی کیا ہے کہ بائیبل کی تاریخ کے سوا اور کہین تاریخ مین اس استقامت اور صبر کا نمونہ نہین ملتا جو ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے دکھایا۔ مگر تعجب یہ ہے کہ بائیبل سے بھی کوئی نظیر نکالکر نہین دکھائی جاتی۔ بائیبل مین دشمنونکی تکلیف اور ایذا دہی کا بڑا برداشت کرنیوالا الیاہ نبی ہے مگر اسکی بابت یہ لکھا ہے کہ اسنے خود ان تکالیف سے تنگ آکر آخر جناب الہی مین موت کی درخواست کی عیسائیونکے نزدیک الیاس سے بڑھکر مسیح ہے مگر افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ مسیح کے الفاظ "ایلی ایلی لما سبقتنی" خدا پر اسکے مضبوط ایمان اور استقامت کا عمدہ نمونہ ظاہر نہین کرتے اس سے بہت بڑھکر تکالیف آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو ہوئین اور تیرہ برس تک چارونطرف سے ناکامیونکا سمان ہی دکھائی دیتا تھا مگر اسوقت بھی اس کامل الایمان انسان کے منہ سے دشمنونکے لیے یہی للکار نکلی کہ فکیدونی جمیعا ثم لا تنظرون۔ کہ تم سب اکٹھے ہوکر میرے خلاف جسقدر داؤ کر سکتے ہو کرو اور خبردار ہو جاؤ کہ اگر تمہاری طاقت مین ہے تو تم مجھے ایک لمحہ کی مہلت بھی نہ دو! اور اپنی کامیابی اور فتح پر خدا کی وحی کی بنا پر ایسا ایمان کہ جب اکیلے دشمنونکے محاصرے مین تھے اسوقت بھی آپکا ایمان ایسا ہی مضبوط اور غیر متزلزل رہا کہ گویا آپ اپنی آنکھوں سے کامیابی کو دیکھ رہے تھے۔ مین پھر عیسائی صاحبان کیخدمت مین یہ درخواست کرتا ہون کہ واقعات حقہ کی بنا پر کسی امر مین ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا حضرت مسیح سے مقابلہ کرین تو انکو قایل ہونا

پڑیگا کہ فضیلت ایک ہی کیلیے ہے اور وہ ہے محمد مصطفٰے احمد مجتبےٰ صلے اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم۔

(باقی آیندہ)

کیا کلیسیا کے عہدیدار بائبل کی حقانیت پر بحث کرسکتے ہین؟

بعض دلچسپ مذہبی سوالات پر آجکل عام طور پر انگریزی اخبارون مین بحث ہورہی ہے۔ تھوڑا عرصہ ہوا لندن کے مشہور اخبار ڈیلی ٹیلیگراف مین ایک بحث اس مضمون پر چھڑی تھی کہ عیسائی دنیا کا ایمان کا دعوٰے کس حد تک درست ہے اسکے متعلق ہزارون چٹھیان اخبار مذکور مین کئی ماہ تک شایع ہوتی رہین۔ آجکل اخبار ڈیلی میل مین یہ مضمون زیر بحث ہے کہ آیا پادریون اور کلیسیا کے عہدیدارونکو یہ حق پہونچتا ہے کہ وہ بائبل کے کلام الہی ہونے پر بحث کرین اس خط وکتابت کے متعلق جو اس سوال کے جواب مین چھپ رہی ہے اخبار سول اینڈ ملٹری گزٹ لاہور ۲۔ستمبر کے پرچے مین لکھتا ہے۔

"بعض کلیسیا کے عہدیدار یہ کہنے کی جرات کرتے ہین کہ بیشک بائبل کو زیر بحث لانا انکا کام ہے۔ بالمقابل وہ لوگ ہین جو اس خیال سے مجنونونکی طرح ہورہے ہین کہ خود کلیسیا کے عہدیدار ہی اس کفر کے کام کو شروع کرین۔ مگر زیادہ تر غضب اسبات پر عام لوگونکو آرہا ہے۔ وہ کہتے ہین کہ کلیسیا کے عہدیدار اپنے عہدونپر مامور ہونیسے پہلے جو قسم اٹھاتے ہین اور جسمین وہ یہ اقرار کرتے ہین کہ ہم سچے دل سے نئے اور پرانے عہدنامے کی تمام کتابونپر ایمان لاتے ہین۔ یہ قسم انکو اسبات سے روکتی ہے کہ وہ ان کتابونکے ایک حرف پر بھی سوال کرین۔ انہی تحریرونمین کہین کہین جو اتفاقی ذکر آگیا ہے تو اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ کلیسیا کے بڑے بڑے معزز عہدیدارونکی ایک بڑی تعداد ایسی ہے جو اسبات پر زور دے رہے ہین کہ بائبل کے معنے کرنے مین بہت آزادی سے کام لینا چاہیئے چنانچہ کینن ہنسن نے کہا ہے کہ انجیل سے جو شہادت مسیح کے جسمانی طور پر دوبارہ جی اٹھنے کی معلوم ہوتی ہے وہ بالکل فضول اور نکمی ہے۔ ایک بہت بڑا فاضل ڈاکٹر سینڈے اسبات سے انکار کرتا ہے کہ مسیح کی آزمایش کے جو واقعات اناجیل مین درج ہین وہ تاریخی طور پر صحیح بھی ہین۔ برمنگھم کا بشپ کہتا ہے کہ اس بات پر ایمان لانا ضروری نہین کہ مسیح کنواری سے پیدا ہوا۔ ونچسٹر کا لاٹ پادری کہتا ہے کہ حواریونکے متعلق جو زبانون والا قصہ مشہور ہے اسکی صحت مین بہت بھاری شکوک ہین۔ اس سے بھی بڑھکر

برنگھم کا بشپ یہ کہتا ہے کہ الہام الٰہی میں پیشگوئی کی غلطی واقع ہو سکتی ہے۔"

ان لوگوں کے درمیان جو کہتے ہیں کہ پادریوں اور کلیسیا کے عہدیداروں کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ بائبل پر نکتہ چینی کریں۔ بشپ ولڈن ہے جو کسی زمانہ میں کلکتہ کا لاٹ پادری تھا جو کہتا ہے کہ اس قسم کے حملے جیسے مثلاً انسکلو پیڈیا ببلیکا میں کئے گئے ہیں گویا مسیح کی خدائی سے انکار ہے۔ ایسا ہی ایک اور مشہور پادری صاحب ہیں جو کہتے ہیں کہ ان حملوں کو جو بائبل پر کئے جاتے ہیں۔ برہمن پروہت۔ مسلمان علماء اور بدھوں کے لامے بڑے شوق سے دیکھ رہے ہیں کہ ہمارے اپنے عہدیدار کس طرح اپنے ہی مذہب کو اپنے ہی ہاتھوں سے تباہ کر رہے ہیں۔

میں بھی کہتا ہوں کہ واقعی عیسائی مذہب کے زوال کی یہ عظیم الشان خوشخبری ہے۔ کہ خود وہی لوگ جن کا فرض ہے کہ وہ اس کی حمایت کریں اس کی بیخکنی کے درپے ہیں۔ اور یہ جو کہا جاتا ہے کہ کلیسیا کے عہدیدار یہ قسم کھا چکے ہیں کہ وہ مروج عقاید کے خلاف کوئی حرف منہ سے نہ نکالیں گے اسکا جواب یہ ہے کہ اس معاہدہ کے وقت انکو صحیح حالات عیسائی مذہب کے معلوم نہ تھے پس انکا حق ہے کہ جب اصل واقعات معلوم ہوں تو معاہدہ کو فسخ سمجھیں۔

رؤیا و الہامات حضرت مسیح موعود علیہ السلام

۴۔ اگست ۱۹۰۵ء۔ رؤیا میں دیکھا۔ کہ ایک لفافہ ہے جس میں کچھ پیسے ہیں کچھ پیسے اس میں سے نکل کر باہر سامنے بھی پڑے ہیں اس کے بعد الہام ہوا "تیرے لئے میرا نام چمکا"۔ فرمایا۔ اس الہام سے پہلے اگرچہ خواب میں پیسے دیکھے گئے۔ جو کسی جھگڑے یا غم پر دلالت کرتے ہیں۔ مگر وحی الٰہی صریح لفظوں میں دلالت کرتی ہے۔ کہ اسکے بعد کوئی نشان ظاہر ہوگا جسکے ذریعہ سے خدا تعالیٰ اپنے نام اور اپنی ہستی کو لوگوں پر ظاہر کرے گا۔

۲۰۔ اگست ۱۹۰۵ء۔ فرغ عیسٰی و من معہ۔

۲۲۔ اگست ۱۹۰۵ء۔ چند آدمی سامنے ہیں ایک چادر میں کوئی شئے ہے ایک شخص نے کہا کہ یہ آپ لے لیں دیکھا تو اس میں چند مرغ ہیں اور ایک بکرا ہے میں ان مرغوں کو اٹھا کر اور سر سے اونچا کر کے لے چلا۔ تاکہ کوئی بلی وغیرہ نہ پڑے راستہ میں ایک بلی ملی جسکے منہ میں کوئی شئے مثل چوہا ہے مگر اس بلی نے اس طرف توجہ نہیں کی اور میں ان مرغوں کو محفوظ لیکر گھر پہنچ گیا۔

۲۳۔ اگست ۱۹۰۵ء۔ پہاڑ گرا۔ اور زلزلہ آیا۔

۲۳۔ اگست ۱۹۰۵ء۔ رؤیا۔ دیکھا کہ میں ایک جگہ کھڑا ہوں۔ آگے ایک پردہ ہے۔ پردہ کے پیچھے سے آواز آئی۔ ”تو جانتا ہے میں کون ہوں۔ میں خدا ہوں جس کو چاہتا ہوں عزت دیتا ہوں جس کو چاہتا ہوں ذلت دیتا ہوں“

۲۶۔ اگست ۱۹۰۵ء۔ دیکھا کہ ایک شخص سامنے کھڑا ہے اُس نے نہایت زور کے ساتھ قلم چلایا۔ جیسا کہ کوئی دیاسلائی رگڑتا ہے اور اس کے قلم کے لکھنے کی آواز بھی آئی۔ اُس نے لکھا۔ شاھت الوجوہ۔ فرمایا۔ اسکے معنے ہیں۔ دشمنوں کے منہ کالے ہوگئے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی عظیم الشان نشان کے ذریعہ سے دشمنوں کو رُوسیاہ کرنا چاہتا ہے۔

۳۰۔ اگست ۱۹۰۵ء۔ مولوی عبد الکریم صاحب کی گردن کے نیچے پُشت پر کاربنکل ہوگیا جسکو چیرا دیا گیا اور چونکہ قریب ایک سال سے حضرت مولنا مخدوم مرض ذیابیطس میں مبتلا تھے۔ کاربنکل کی حالت بہت ہی نازک ہوگئی۔ فرمایا۔ میں نے انکے واسطے رات دُعا کی تھی۔ رؤیا میں دیکھا۔ کہ ”مولوی نور الدین صاحب ایک کپڑا اوڑھے بیٹھے ہیں۔ اور رو رہے ہیں۔“ فرمایا۔ ہمارا تجربہ ہے۔ کہ خواب کے اندر رونا اچھا ہوتا ہے۔ اور میری رائے میں طبیب کا رونا مولوی صاحب کی صحت کی بشارت ہے

۳۰۔ اگست ۱۹۰۵ء۔ (۱) رؤیا دیکھا کہ میرے ہاتھ میں چابیاں ہیں ایک صندوق کھولنے کا ارادہ ہے فرمایا۔ اسمیں اشارہ

۳۱۔ اگست ۱۹۰۵ء۔ نماز پڑھ رہے تھے اور سورۃ فاتحہ کے بعد سورۃ والعصر پڑھنا تھا۔ اتنے میں غنودگی ہوکر سورۃ والعصر کی جگہ بڑے زور سے زبان پر یہ سورۃ بطور الہام جاری ہوئی اذا جاء نصر اللّٰہ والفتح۔

نصف رات سے فجر تک مولوی عبد الکریم صاحب کیلئے دعا کی گئی صبح کے بعد جب سویا۔ تو یہ خواب آئی

میں نے دیکھا کہ عبد اللّٰہ سنوری میرے پاس آیا ہے اور وہ ایک کاغذ پیش کرکے کہتا ہے کہ اس کاغذ پر میں نے حاکم سے دستخط کرانا ہے اور جلدی جانا ہے۔ میری عورت سخت بیمار ہے۔ اور کوئی مجھے پوچھتا نہیں دستخط نہیں ہوتے اسوقت میں نے عبد اللّٰہ کے چہرہ کی طرف دیکھا تو زرد رنگ اور سخت گھبراہٹ اسکے چہرہ پر ٹپک رہی ہے میں نے اسکو کہا کہ یہ لوگ روکھے ہوتے ہیں نہ کسی کی سپارش مانیں اور نہ کسی کی شفاعت۔ میں تیرا کاغذ لیجاتا ہوں آگے جب کاغذ لیکر گیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ ایک شخص مٹھن لال نام جو کسی زمانہ میں بٹالہ میں اکسٹرا اسسٹنٹ تھا کرسی پر بیٹھا ہوا کچھ کام کر رہا ہے اور گرد اس کے عملہ کے لوگ ہیں میں نے جاکر کاغذ اسکو دیا اور کہا کہ یہ ایک میرا دوست ہے اور پرانا دوست ہے اور واقف ہے اسپر دستخط کردو۔ اس نے بلا تامل اسی وقت لیکر دستخط کر دیئے۔ پھر میں نے واپس آکر وہ کاغذ ایک شخص کو دیا اور کہا خبردار ہوش سے پکڑو۔ ابھی دستخط کئے ہیں اور پوچھا کہ عبد اللّٰہ کہاں ہے انہوں نے کہا کہ کہیں باہر گیا ہے۔ بعد اسکے آنکھ کھل گئی اور ساتھ پھر غنودگی کی حالت ہوگئی تب میں نے دیکھا کہ اسوقت میں کہتا ہوں۔ مقبول کو بلاؤ اس کے کاغذ پر دستخط ہوگئے ہیں یہ جو مٹھن لال دیکھا گیا ہے۔ ملائک طرح طرح کے تمثلات اختیار کر لیا کرتے ہیں۔ مٹھن لال سے مراد ایک فرشتہ تھا سنوری سے یہ مراد ہے کہ سنوری گئی

۳۱۔ اگست ۱۹۰۵ء۔ بعد از ظہر الہام ہوا۔ ارنی زلزلۃ الساعۃ

۲ ستمبر ۱۹۰۵ء سینتالیس سال کی عمر۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ اس سے دوسرے دن ۳ ستمبر ۱۹۰۵ء کو ایک شخص کا خط آیا جس نے اپنی بدکاریوں اور غفلتوں پر نہایت افسوس کی تحریر کر کے لکھا کہ اب میری عمر سینتالیس سال کی ہے اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ فرمایا کئی دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ جو خط باہر سے آنیوالا ہوتا ہے اُس کے مضمون سے پہلے ہی سے اطلاع دیجاتی ہے۔ ۴ ستمبر ۱۹۰۵ء مَا کَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تَمُوْتَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰہِ۔ ۷ ستمبر ۱۹۰۵ء ایک کاغذ دکھایا گیا جیسا کہ منی آرڈر کا فارم ہوتا ہے اور بالمقابل اسکے پاس روپے رکھے ہوئے ہیں (اس کشف کے تھوڑی دیر بعد پندرہ روپیہ کا ایک منی آرڈر آیا) ۲۔ ایک کاغذ دکھائی دیا اُس پر لکھا ہوا تھا "آتش فشاں" ۳۔ پھر ایک کاغذ دکھائی دیا اُس پر لکھا تھا "نامراد" ۵۔ پھر ایک کاغذ دکھائی دیا اُس پر لکھا تھا "ردّ بلا" ۷ ستمبر ۱۹۰۵ء قبل ظہر وَاَمَّا بِنِعْمَۃِ رَبِّکَ فَحَدِّثْ ۔ ۸ ستمبر ۱۹۰۵ء (۱) کفن میں لپیٹا گیا (۲) اِذَا جَآءَ اَفْوَاجٌ وَسَمٌّ مِّنَ السَّمَآءِ (۳) اِنَّ الْمَنَایَا لَاتَطِیْشُ سِہَامُھَا (موت کا تیر خطا نہیں جاتا۔

حضرت مولوی عبد الکریم صاحب کی بیماری کا ذکر کرتے ہوئے ۹ ستمبر کو فرمایا کہ مجھے بہت ہی فکر تھا کہ بعض الہامات تشویشناک ہیں۔ آج صبح بہت سوچنے کے بعد میرے دل میں یہ بات ڈالی گئی ہے کہ بعض وقت ترتیب کے لحاظ سے الہامات پہلے یا پیچھے ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ ان الہامات کی ترتیب اللہ تعالیٰ نے میرے دل میں یہ ڈالی کہ ایسے الہامات جیسے اذا جاء افواج وسم من السماء اور کفن میں لپیٹا گیا اور ان المنایا لا تطیش سہامہا یہ اس بات کو ظاہر کرتے ہیں کہ قضاء و قدر تو ایسی ہی تھی مگر اللہ تعالیٰ نے اپنے خاص فضل و رحم سے ردّ بلا کر دیا۔* ۱۰ ستمبر نماز صبح کے وقت رؤیا۔ "ایک جگہ ایک بڑی حویلی ہے اسکے آگے ایک بڑا چبوترہ ہے جسکی کرسی بہت بلند ہے اُس پر مولوی عبد الکریم صاحب سفید کپڑے پہنے ہوئے دروازہ پر بیٹھے ہیں اسجگہ میں ہوں اور پانچ چار اور دوست ہیں جو ہر وقت اسی فکر میں رہتے ہیں میں نے کہا مولوی صاحب میں آپکو آپکی صحت کی مبارکباد دیتا ہوں اور پھر میں رو پڑا اور میرے ساتھ کے دوست بھی رو پڑے اور مولوی صاحب بھی رو پڑے پھر میں نے کہا دعا کرو اور دعا میں تین دفعہ سورۃ فاتحہ پڑھی۔ فرمایا اس خواب کے تمام اجزا مولوی صاحب کی صحت کی بشارت دیتے ہیں سورۃ فاتحہ کے پڑھنے کی تعبیر بھی یہی ہے کہ انسان کوئی ایسا امر دیکھے جو اُسکو خوش کرنیوالا ہو۔ اور فرمایا جو الحمد خواب میں پڑھتا ہے اُسکی دعا قبول ہوتی ہے۔ ۱۰ ستمبر۔ "دو شہتیر ٹوٹ جائیں گے"۔ اس کے بعد غنودگی سے الہام ہوا۔ اِنِّیْ مُھِیْنٌ مَّنْ اَرَادَ اِھَانَتَکَ

نوٹس

باوجود بار بار تاکید کے خریداران اس طرف توجہ نہیں کرتے کہ خط و کتابت کرتے وقت اپنے نمبر کا حوالہ بھی دیں اور پھر دفتر کیطرف سے اگر جواب میں یا تعمیل میں کچھ بھی توقف ہو تو اظہار ناراضگی کرتے ہیں۔ لہذا سب صاحبان کی خدمت میں التماس ہے کہ خط و کتابت میں اپنے نمبر کا حوالہ ضرور دیا کریں۔ اور اسکا آسان طریق یہ ہے کہ جب انکے پاس رسالہ پہونچے تو اس کی چٹ کو پھاڑ کر پھینکیں نہیں بلکہ اسے رسالہ کے اندر رکھ لیں اور جب کبھی خط و کتابت کی ضرورت ہو تو اس چٹ سے نمبر کا حوالہ دیدیا کریں۔

الملتمس۔ محمد علی منیجر ریویو آف ریلیجنز

* نوٹ: ۱۰ ستمبر تک کاربنکل کی حالت بہت خراب تھی کیونکہ باوجود تین بار چیرا جانیکے کاربنکل بڑھ رہا تھا مگر خدا کا شکر ہے کہ اس رویا کے بعد صحت کے آثار شروع ہو گئے۔ فالحمد للہ علی ذالک۔

رجسٹرڈ ایل نمبر ۳۰۳

شکریہ معاونین

بوجہ عدم گنجایش جولائے ۱۹۰۵ء سے پیشتر کے نام درج نہیں ہو سکے ۔ جولائی اگست میں جن احباب کی جانب سے زراعانت پہونچا یا جنھوں نے خریدار پیدا کر کے بہم پہونچائے اُن کے اسماء بقیدر قم عطیہ و تعداد خریداران کے خاص شکریہ کے ساتھ درج ذیل کئے جاتے ہیں آیندہ ہر ماہ کے اعانت کنندگان و جدید خریدار پیدا کرنیوالوں کے نام دوسرے ماہ کے پرچہ میں جائز شکریہ کے ساتھ برابر درج ہوتے رہیں گے (اعانت بھیجنے والے احباب)

(۱) ایک احمدی از لدھیانہ ماہوار عہ (۲) جماعت لاہور عہ (۳) میاں عبداللہ کھرل ایک نمبر ۲ عہ (۴) ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحب اسسٹنٹ سرجن لاہور عہ (۵) ڈاکٹر سید جلال صاحب بربرا افریقہ عہ (۶) چودھری رستم علی صاحب انبالہ عہ (۷) ڈاکٹر بشارت احمد صاحب اسسٹنٹ سرجن پنڈی گھیپ للعہ (۸) جناب محمد صدیق ولد محمد یوسف صاحب کپور تھلہ للعہ (۹) میاں محمد حسین صاحب لائل پور عہ (۱۰) جماعت منی پور عہ (۱۱) سیٹھ سید موسیٰ منی پور آسام نے (۱۲) بابو برکت علی صاحب شملہ ے (۱۳) منشی عبدالعزیز صاحب متھرا عہ (۱۴) محمد اکبر صاحب مروان عہ (۱۵) نصر اللہ خان صاحب پلیڈر سیالکوٹ عہ (۱۶) چودھری جلال خان صاحب محرر جوڈیشل سیالکوٹ عہ (الولد فرزند کی خوشی میں دیا جو ایک نہایت تحریک کی بنیاد ہے) (۱۷) مولوی محمد صدیق صاحب حکیم صدر شاہ پور للعہ (۱۸) بابو محمد الہی کوہاٹ للعہ (۱۹) ... علی کوہاٹ للعہ (۲۰) میاں عزیز بخش تیجہ للعہ (۲۱) مولوی فضل حق صاحب پٹیالہ للعہ (۲۲) حکیم محمد عمر فیروز پور للعہ (۲۳) مولوی محمد حسین صاحب معہ برادر پرم جیت پور للعہ (۲۴) جناب مصطفیٰ خان فیروز پور للعہ (۲۵) محمد ابراہیم صاحب بمبئی للعہ (۲۶) مولوی محمد عبداللہ صاحب پٹیالہ للعہ (۲۷) منشی نصر اللہ خان صاحب حیران للعہ (۲۸) اسمٰعیل آدم بمبئی ے (۲۹) ماسٹر ہدایت اللہ صاحب جہلم عہ باقی آیندہ (خریدار پیدا کرنے والے احباب) (۱) سید محمد علی شاہ صاحب مدرس پہرہ ۳ (۲) حافظ محمد اسحاق صاحب احمدی قادیان ۳ (۳) منشی غلام نبی صاحب پھلوارا ۲ (۴) سید لعل شاہ صاحب برقا نوشہرہ ۲ (۵) میاں امام الدین سیکھواں ۲ (۶) مرزا یعقوب بیگ صاحب اسسٹنٹ سرجن شاہ پور ۲ (۷) ماسٹر عبدالرحیم صاحب اکوڑہ ۲ (۸) محمد وزیر خان صاحب پیگو ۲ (۹) محمد عجب خان صاحب تحصیلدار میران شاہ ۲ (۱۰) غلام محمد صاحب میرٹھ ۲ باقی آیندہ

آؤ لوگو کہ یہیں نور خدا پاؤ گے ❀ لو تمہیں طور تسلّی کا بتایا ہم نے

ریویو آف ریلیجنز

یعنی دُنیا کے مذاہب پر نظر

جلد ۴ بابت ماہ اکتوبر ۱۹۰۵ء نمبر ۱۰

فہرست مضامین

قادیان ضلع گورداسپور سے ۲۰۔ اکتوبر ۱۹۰۵ء کو منیجر صاحب میگزین کے اہتمام سے شائع ہوا۔ چندہ سالانہ

فزع عیسیٰ ومن معہٗ

اس الہام الٰہی سے بڑھ کر کوئی الفاظ اس سانحہ جانگداز کی حقیقت کو بیان نہیں کر سکتے جو ۱۱ اکتوبر کو بدھ کے روز پیش آیا۔
جس دن یہ الہام سنایا گیا یعنی ۲۱ اگست ۱۹۰۵ء اسی دن حضرت مخدوم ومکرم مولوی عبدالکریم صاحب غفراللہ لہٗ کی
گردن کے نیچے ایک چھوٹی سی پھنسی نمودار ہو گئی جو مولوی صاحب مرحوم کی مرض کی ابتدا تھی۔ اور ۵۱ دن کی مرض کے بعد
۱۱۔ اکتوبر بدھ کے روز ½ ۲ بجے دن کے حضرت مرحوم سینتالیس سال کی عمر میں بموجب الہام الٰہی سینتالیس سال کی عمر انا للّٰہ
وانا الیہ راجعون اس دار ناپائیدار سے انتقال فرما کر حیات ابدی میں جا داخل ہوئے۔ اللّٰھم اغفر لہ وارحمہ وعافہ واعف عنہ
واکرم منزلہ ووسع مدخلہ۔ اس لمبی مرض کے اثنا میں کئی دفعہ صحت کا رنگ آیا اور پھر مرض کا عود ہوا اور آخر کار ذات الجنب
کے حملہ سے جس میں ۱۰۶ درجہ کا بخار ہو گیا جان سپرد خدا کی۔ صحت کا ہو جانا اور پھر بار بار بیماری کا عود کرنا گویا اس تردد
کی ایک صورت تھی۔ جو اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ مجھے کبھی ایسا تردد نہیں ہوتا۔ جیسا مومن کی قبض روح میں تردد ہوتا ہے
مومن کی زندگی نفسانی خواہشات یا دنیا کی محبت کے لئے تو ہوتی نہیں بلکہ وہ صرف اللہ تعالےٰ کے جلال کو پھیلانے کے
لیے ہی دنیا میں زندگی بسر کرتا ہے اور محض اسی غرض کیلیے چاہتا ہے کہ اسے عمر دیجاوے لیکن جب موت کا وقت
آجاتا ہے اور تقدیر مبرم آجاتی ہے تو پھر آخر اسے سفر آخرت کیلیے چلنا پڑتا ہے۔ چنانچہ جن احباب کو ایام بیماری
میں حضرت مرحوم کی خدمت کا موقعہ ملا ہے انہوں نے یہی لفظ آپکے منہ سے سنے کہ فلاں مضمون میرے سر میں ہے
اگر خدا توفیق اور صحت دے تو اسے لکھا جائے۔ یہی سچی مومنانہ زندگی کا ایک نقشہ ہے اور خدا نے آپکے ساتھ وہی
معاملہ کیا جو وہ اپنے اولیاء کرام سے کرتا ہے ورنہ اس تیز ذیابیطس کے ساتھ جو ایک سال سے زور پکڑ گیا
تھا۔ کاربنکل اسقدر مہلت نہیں دیتا چہ جائیکہ اچھا ہو جائے۔ حضرت مولوی صاحب مرحوم کی صحت کی حالت
ایکدفعہ تو ایسی ہو گئی کہ فرمانے لگے کہ اب تو میں دو چار دن میں چلنے پھرنے لگونگا اب خوب طاقت آگئی ہے اور
گردن پر تو اب کچھ معلوم بھی نہیں ہوتا در اصل گردن کا کاربنکل بہت اچھا ہو گیا تھا۔ اور زخم بھر گیا تھا مگر
ساتھ ہی اسکے مرحوم ہر وقت موت کیلیے بھی تیار رہتے تھے اور ایک لمحہ بھی اسطرف سے غافل نہیں ہوئے
ان درمیانی صحت کے وقفوں کی اطلاع بھی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو رؤیا میں ہوتی رہی۔ مگر تقدیر مبرم وہی تھی
جسے اللہ تعالےٰ نے ان الفاظ میں بیان فرمایا کہ اذا جاء افواج وسم من السماء یعنی جب آسمان سے فوجیں اور زہر
آچکی۔ اور پھر اسکے ساتھ ہی تھا۔ کفن میں لپیٹا گیا۔ اور پھر یہ کہ ان المنایا لا تطیش سھامھا۔ یعنی موت کا تیر
خطا نہیں جاتا۔ یہ سب معہ الہام سینتالیس سال کی عمر انا للّٰہ وانا الیہ راجعون تقدیر مبرم کی خبریں تھیں۔ جو

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہٗ ونصلی علی رسولہ الکریم

غلامی

۴ - غلام بنانے کا رواج

اس بحث کے بعد جو گذشتہ اشاعتوں میں ہو چکی ہے اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آیا اسلام نے غلامی کے رواج کو ہمیشہ کیلیے اپنا جزو لازمی قرار دیدیا ہے یا کہ اسکا منشاء غلامی کو موقوف کرنیکا پایا جاتا ہے اسلام میں غلاموں کی تدریجی آزادی پر بحث کرتے ہوئے مینے یہ ثابت کیا تھا کہ تدریجی آزادی کے اصول کو قایم کرنا سوسائیٹی کے امن اور اس کی بہتری کیلیے نہایت ضروری امر تھا۔ اسلیے اس حد تک اسلام کو غلامی کے جاری رہنے کی اجازت دینی پڑی جبتک آہستہ آہستہ تمام غلاموں کے آزاد ہو جانے سے بغیر سوسائیٹی کے امن میں مخل ہونیکے غلامی خود ہی دنیا سے اٹھ جائے۔ یہ بھی مینے ثابت کیا ہے کہ اگرچہ غلامی کا رواج تو یکدفعہ ہی موقوف نہیں کیا گیا مگر جسقدر مضرات اس رواج سے قدیم سوسائیٹی میں پیدا ہوتے تھے ان تمام کو اسلام نے یکقلم ہی موقوف کر دیا۔ اس سوال کا مختصر سا جواب ہے جو مینے شروع میں کیا ہے اور میں دعوے سے کہتا ہوں کہ قرآن شریف یا حدیث شریف میں ایک لفظ بھی ایسا نہیں جس سے یہ ثابت ہو کہ اسلام نے غلامی کو ہمیشہ کیلیے رواج دیا۔ صرف اس بات سے کہ غلاموں کا ذکر قرآن شریف میں ہے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ غلامی اسلام کیلیے لازمی ہے یہ کیسی بیہودہ دلیل ہے کہ چونکہ قرآن شریف غلاموں کے آزاد کرنے کا حکم دیتا ہے یا غلاموں سے حسن سلوک کیلیے تاکید فرماتا ہے یا بعض حالتوں میں آزاد مردوں کو اجازت دیتا ہے کہ لونڈیوں کو بیبیاں بنالیں اس لیے اسلام کے اصول کے رو سے یہ ضروری ہے کہ ان احکام کے پورا کرنیکے لیے غلامی کے رواج کو ہمیشہ کیلیے جاری رکھا جاوے۔

درحقیقت یہ بڑی غلطی ہے یا یہ کہنا چاہیئے کہ مذہبی تعصب کیوجہ سے شرارت ہے جو یہ کہا جاوے کہ

اسلام نے غلامی کو اپنا ایسا جزو لازمی قرار دیدیا ہے کہ اب وہ اس سے الگ نہیں ہو سکتی یہ کہا جاتا ہے کہ اگرچہ اسلام نے غلاموں کے آزاد کرنے کا حکم تو دیا مگر آیندہ کیلیے غلام بنانیکے رواج کو بند نہیں کیا۔ یہ بڑی غلطی ہے جنگوں کو الگ چھوڑ کر جسکا ذکر میں ابھی کرونگا۔ کوئی مثال ایسی نہیں پائی جاتی کہ جس طرح پرانی قوموں میں زبردستی پکڑ کر یا فروخت کے ذریعہ سے آزاد آدمیوں کو غلام بنایا جاتا تھا اسلام نے بھی ایسا کیا ہو۔ نہ ہی قرآن شریف یا حدیث سے اس طریق کا جواز معلوم ہوتا ہے نہ کوئی اس قسم کا حکم شریعت اسلامی میں ہے اور نہ ہی اجازت ہے کہ تم آزاد آدمیوں کو زبردستی پکڑ کر یا اذر طرح سے فروخت کر کے انکو غلام بنا لیا کرو جس صورت میں غلاموں کے متعلق انکی آزادی اور نیک سلوک اور انکے نکاح اور انکی سزاؤں وغیرہ کے سب احکام موجود ہیں تو یہ نتیجہ بالکل صحیح ہے کہ اگر اسلام کے نزدیک فروخت وغیرہ کے ذریعے غلام بنانا جایز ہوتا تو اسکے احکام بھی قرآن شریف میں ہونے چاہیئے تھے اور اس قسم کے احکام کے نہ ہونیسے یہ صاف پایا جاتا ہے کہ اسلام کے نزدیک آزاد لوگونکو غلام بنانا جایز نہ تھا۔

پھر ایک اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ اگر اسلام نے غلام بنانے کی اجازت نہیں دی تو پھر اس طریق سے روکا بھی نہیں۔ یہ عذر بھی غلط ہے۔ غلام کو آزاد کرنا یا آزاد کو غلام بنانا دو ایسے فعل ہیں جو ایک دوسرے کے بالمقابل پڑے ہوئے ہیں اور اگر کوئی شخص ان میں سے ایک کو اچھا سمجھتا ہے تو ضرور ہے کہ وہ دوسرے کو برا سمجھے۔ اب ہر ایک طالب حق کو چاہیئے کہ خود قرآن شریف کو پڑھ کر دیکھے کہ ان میں سے کس فعل کو محمود قرار دیکر قرآن شریف نے اسکی ترغیب دی ہے اگر قرآن کریم غلاموں کے آزاد کرنیکو اسقدر نیکی اور ثواب کا کام بیان نہ کرتا بلکہ معمولی طور پر یہی کہدیتا کہ غلاموں کو آزاد کر دینا بھی جایز ہے تو بیشک یہ نتیجہ صحیح نہ ہوتا کہ اسکی تعلیم کی رو سے آزاد کو غلام بنانا برا فعل ہے مگر غلاموں کے آزاد کرنیکو اسلام نے ہر ایک مسلمان کا جسکے پاس غلام ہوں مذہبی فرض قرار دیا ہے اور اس فعل کو اعلےٰ درجہ کی نیکی اور ثواب کا کام قرار دیا ہے جسکا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ آزاد کو غلام بنانا اسلام کے نزدیک ایک مذموم اور گناہ کا فعل ہے اس بات کو اور صاف کرنیکے لیے میں ان آیات کا حوالہ دونگا جن میں غلاموں کے آزاد کرنیکا حکم دیا گیا ہے۔ سب سے اول یہ حکم سورۃ البلد میں نازل ہوا ہے جہاں اللہ تعالیٰ انسان پر اپنی بڑی بڑی نعمتوں کا ذکر کر کے فرماتا ہے۔ فلا اقتحم العقبۃ وما ادرٰک ما العقبۃ۔ فک رقبۃ او اطعٰم فی یوم ذی مسغبۃ یتیما ذا مقربۃ او مسکینا ذا متربۃ۔ یعنی ہمنے تو اسقدر نعمتیں انسان کو دے رکھی ہیں مگر پھر بھی وہ ایسا ناشکر گذار ہے کہ ایک دشوار گذار راہ کو طے نہیں کرتا اور اس دشوار گذار راہ کا طے کرنا کیا ہے؟ غلام کو آزاد کرنا یا بھوک کے دن یتیم رشتہ دار یا محتاج خاک نشین کو کھانا کھلانا۔ اب اس بات کو چھوڑ کر کہ جو شخص باوجود مقدرت کے غلام کو آزاد نہیں کرتا یا اس حکم کے بموجب یتیم یا مسکین کو کھانا نہیں کھلاتا وہ خدا کے نزدیک کیسا سمجھا جاویگا۔

اتنی بات بالکل صاف ہے کہ جو شخص اس حکم کی صریح خلاف ورزی اس طرح کرتا ہے کہ آزاد کو غلام بناتا ہے یا ایک محتاج اور یتیم کو بجائے کھانا کھلانیکے اسکا کھانا اس سے چھین کر اسکو بھوکا مارتا ہے وہ خدا کے نزدیک یقیناً بڑا گنہ گار ہے۔ ایسا ہی سورۃ بقرہ میں اللہ تعالے فرماتا ہے کہ حقیقی نیکی جو انسان کو خدا کی نظر میں برگزیدہ بناتی ہے یہ ہے کہ انسان اللہ تعالے اور یوم آخر پر یقین کامل رکھتا ہو اور اپنا مال اللہ تعالے کی محبت کیلیے اپنے قریبیوں اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں اور سوال کرنیوالوں اور غلاموں کے آزاد کرنیکے لیے دے۔ اور نماز ونکو قایم رکھے اور زکوۃ دے اور جب عہد کرے تو اس عہد کو پورا کرے وغیرہ وغیرہ۔ اب اگر کوئی شخص یہ کہتا ہے کہ انہیں سے ایک حکم یعنی غلاموں کے آزاد کرنیکے عین الٹ اس طرح پر چلنا جایز ہے کہ آزاد کو غلام بنایا جاوے تو اسکو یہ بھی ماننا پڑے گا کہ باقی سب احکام کے الٹ چلنا بھی قرآن شریف کے نزدیک جایز ہے جنکو اسجگہ حقیقی نیکی کہہ کر بیان کیا گیا ہے۔ مثلاً یہ کہ قریبیوں اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں اور سائلوں کو مال دینے کی بجائے انکا مال چھین لیا کرے یا نماز کو قایم کرنے کی بجائے اور ونکو بھی اس سے روکے یا عہد کر کے عمداً عہد کو توڑا کرے وغیرہ وغیرہ۔ یہ کیسی عجیب بات ہے کہ قرآن شریف غلام کے آزاد کرنیکو گناہ کا کفارہ قرار دیتا ہے پس یہ خود ظاہر ہے کہ آزاد کو غلام بنا لینا اسکے نزدیک گناہ ہے اور پھر یہ تو حکم دیا گیا ہے کہ صدقات کے روپے کا ایک حصہ غلاموں کے آزاد کرنے میں صرف ہونا چاہیئے مگر یہ کہیں نہیں کہا گیا کہ مسلمان گورنمنٹ انکو کچھ روپیہ باقاعدہ غلاموں کی خرید اور تجارت میں لگا رکھنا چاہیئے +

یہ تو قرآن شریف کے احکام ہیں جب ہم حدیث کو دیکھتے ہیں تو اس میں بھی ویسا ہی زور غلاموں کی آزادی پر دیا گیا ہے۔ کسی حدیث سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ جس طرح جاہلیت کے زمانے میں یا دوسری قوموں کے نذر زبردستی پکڑ کر یا فروخت کے ذریعے غلام بنا لیے جایا کرتے تھے اسی طرح اسلام میں بھی کسی آدمی کو غلام بنا لیا گیا ہو۔ بلکہ ایک حدیث سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کریم کے منشاء کے مطابق ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طریق سے مسلمانوں کو روکدیا تھا چنانچہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قال اللہ ثلاثۃ انا خصمھم یوم القیامۃ رجل اعطی بی ثم غدر ورجل باع حرا فاکل ثمنہ (وفی حدیث عبداللہ ابن عمرو رجل اعتبد محررا) ورجل استاجر اجیرا فاستوفی منہ ولم یعطہ اجرہ یعنی اللہ تعالے فرماتا ہے تین قسم کے لوگ ہونگے جنکے ساتھ قیامت کے دن میں جھگڑونگا۔ ایک وہ شخص جو میرے نام پر وعدہ کرتا ہے اور پھر اسے پورا نہیں کرتا۔ اور ایک وہ شخص جو ایک آزاد کو بیچتا ہے اور اسکی قیمت کھا جاتا ہے (اور عبداللہ بن عمر کی حدیث میں ہے کہ وہ شخص جو آزاد کو غلام بناتا ہے) اور ایک وہ شخص جو ایک مزدور کو اجرت پر لگاتا ہے اور اس سے پوری محنت لیکر اسکی مزدوری اسکو نہیں دیتا۔ اس حدیث سے تائید کی شہادت اس امر کی ملتی ہے کہ آزاد کو غلام بنانا قرآن شریف

نے جائز نہیں رکھا۔ امام بخاری علیہ السلام نے اپنے مذہب کو اس عجیب رنگ میں بیان کیا ہے کہ اپنی کتاب صحیح بخاری میں غلاموں کے متعلق جو باب باندھا ہے اسکا عنوان باب العتق و فضلہ رکھا ہے یعنی غلاموں کے آزاد کرنے اور اسکی فضیلت کا بیان۔ اور کوئی باب ہی غلاموں کے متعلق اس نے نہیں باندھا۔ یہانتک کہ غلاموں کی خرید و فروخت کا بھی کوئی باب نہیں باندھا۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا عمل۔ قرآنشریف اور حدیث کی تعلیم اور بخاری کا مذہب۔ انسے بڑھکر اور کونسی شہادت ہوسکتی ہے کہ اسلام کا اصلی مذہب اور اس کی سچی تعلیم کیا ہے۔

یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ غلاموں کی آزادی کا حکم مکّہ میں ہی نازل ہوا اور اصلاح کے مختلف پہلوؤں میں سے غلاموں کے آزاد کرنیکا پہلو ایسا تھا جسکو اسلام نے ابتدا میں ہی اختیار کیا۔ یہ تو امر واقع ہے مگر اسلام کے دشمن کہتے ہیں کہ جو ناجائز خرید و فروخت انسانوں کی بعض اسلامی ممالک میں آج کل ہو رہی ہے اسکے موقوف کرنیکے لیے اسلام کے اصول سے الگ ہونا پڑتا ہے گویا اسلام اسبات کی اجازت ہی نہیں دیتا کہ غلاموں کو آزاد کیا جاوے۔ ہر ایک شخص جو تحقیق کی نظر سے اس مسئلہ کو دیکھیگا وہ سمجھ سکتا ہے کہ مروجہ خرید و فروخت غلاموں کی ایسی ہی اصول اسلام کے خلاف ہے جیسا کہ آج کل مذہب کی آڑ کے نیچے غیر مذہب والوں کا قتل جس کا نام جہاد رکھا جاتا ہے یا جیسا کہ بعض مسلمانوں میں شرابخوری کا موجود ہونا۔ اسلام ان سب باتوں سے بیزار ہے

اس قدر بحث سے یہ تو ثابت ہو گیا کہ جس قدر ذرایع انسانوں کو غلام بنانیکے اسوقت مروج تھے ان سب کو اسلام نے روکدیا۔ اب صرف قیدیان جنگ کے متعلق کچھ کہنا باقی ہے یہ بات یاد رکھنی چاہیئے کہ اسلام کے جنگوں کا یہ منشا ہرگز نہ تھا کہ لوگوں کو غلام بنایا جاوے نہیں بلکہ اسلام کو جنگ ایک مجبوری کی حالت میں اختیار کرنا پڑا تھا۔ کیونکہ اسکے جنگ صرف دفاعی تھے۔ یا ابتدائی خلفا کے زمانے میں بعض جنگ مذہبی آزادی کو قایم کرنیکے لیے کیے گئے۔ مکّہ میں تیرہ سال تک مسلمانوں کو پاؤں کے نیچے روندا گیا اور وہ جگہ بجگہ پناہ ڈھونڈتے ڈھونڈتے آخر کار مدینہ منورہ میں پناہ گزیں ہوئے۔ مگر انکے خونخوار دشمنوں نے انکو اسجگہ بھی امن سے بیٹھنے نہ دیا بلکہ پہلے سے بھی زیادہ تند ہو کر اب انہوں نے اسلام کو بالکل نیست و نابود کرنیکے لیے تلوار ہاتھ میں لی۔ ان حالات کے باعث مسلمانوں کے لیے ضروری ہوا کہ اپنی حفاظت کے لیے بالمقابل جنگ کے لیے نکلیں۔ چنانچہ پہلی مُٹھ بھیڑ طرفین کی مقام بدر پر ہوئی جو مدینہ سے تین دن کا سفر ہے جمعیت کا یہ حال تھا کہ ایک مسلمان کے لیے تین کافر موجود تھے۔ اور اس سے بڑھکر یہ کہ مسلمانوں میں بہت سے نوعمر ناتجربہ کار نوجوان تھے اور قریش کا لشکر بڑے آزمودہ اور تجربہ کار جنگی جوانوں کا تھا۔ جو ہر طرح سے ہتھیاروں سے مسلح تھے اس ظاہر فرق کے ہوتے ہوئے مسلمانوں کو ان دو باتوں سے چارہ نہ تھا کہ یا تو وہ انکے ساتھ جنگ کریں اور یا اپنی جانوں کو انکے حوالے کر کے قتل ہونا پسند کریں اس مجبوری کی حالت میں یہ پہلا جنگ ہوا۔

مگر اللہ تعالے نے اپنے وعدہ کے مطابق دشمن کی سب طاقتوں کو پامال کر کے مسلمانوں کو فتح دی۔ اس میں کوئی ستر کے قریب عمائد قریش مارے گئے اور قریباً ستر قید میں آئے۔ یہ پہلا موقعہ تھا جب قیدیان جنگ مسلمانوں کے ہاتھ لگے۔ یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ یہ قیدی معمولی جنگ کے قیدیوں کی طرح نہ تھے جنکا قصور سوائے اسکے کچھ نہ ہو کہ وہ شریک جنگ ہوئے ہوں۔ نہ ہی صرف اسیقدر انکا قصور تھا کہ وہ مسلمانوں پر چڑھکر اسلیے آئے تھے کہ انکو ہلاک کر ڈالیں اور انکا نام ونشان مٹا دیں بلکہ یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے مسلمانوں پر شدید ظلم اور بیرحمیاں کی تھیں اور بہتوں کو طرح طرح کی اذیتیں پہنچا کر ہلاک کیا تھا۔ دنیا میں کوئی عدالت نہیں جو یہ فتوے نہ دے کہ وہ سب کے سب قابل قتل تھے۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ تعالے عنہ کا یہی خیال تھا اور انہوں نے یہی رائے پیش کی تھی کہ یہ سب قابل قتل ہیں اور انکو قتل کرنا چاہیئے مگر حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالے عنہ کی رائے یہ تھی کہ انکو فدیہ لیکر چھوڑ دینا چاہیئے اور اسی کے مطابق اس موقعہ پر عمل بھی ہوا یعنی سب فدیہ لیکر چھوڑ دیئے گئے۔ یہ اسلام میں سب سے پہلی نظیر قایم ہوئی۔ اور اگرچہ اس میں شک نہیں کہ حضرت عمر کی رائے پر عمل کیا جاتا تو بہتر تھا کیونکہ آیندہ بہت سے فساد جو انہی لوگوں نے دوبارہ اٹھائے رک جاتے مگر جو عملدرآمد ہوا وہ یہی تھا کہ سب قیدیان جنگ رہا کر دیئے گئے۔ مگر انکے غلام بنانیکے متعلق نہ کسی نے رائے ہی دی اور نہ کوئی ایسی تجویز ہی ہوئی۔

ابھی تک قرآن کریم کا وہ حکم نازل نہ ہوا تھا جس میں قیدیان جنگ کا بالخصوص ذکر ہے اور جسکو میں پہلے کسی دوسرے موقعہ پر نقل بھی کر چکا ہوں جو ان الفاظ میں ہے کہ اما منًا بعد و اما فداء یعنی جب جنگ ہو لے تو جنکو تم نے اسیر کیا ہے انسے یہ سلوک ہونا چاہیئے کہ یا تو انکو احسان رکھکر چھوڑ دو اور یا فدیہ لیکر چھوڑ دو۔ اس آیت شریفہ میں اللہ تعالے نے قیدیان جنگ کے متعلق ایک عام حکم دیا ہے جسپر اسلامی دنیا کو ہمیشہ کیلیے کاربند ہونا چاہیئے۔ قرآن کریم یہ نہیں فرماتا جیساکہ اسکے حق کے چھپانیوالے دشمن کہا کرتے ہیں کہ تم سب قیدیان جنگ کو فی الفور غلام بنا لو بلکہ اسکی پاک تعلیم یہ ہے کہ انکو چھوڑ دو یا احسان رکھکر اور یا فدیہ لیکر۔ میں نہیں سمجھتا کہ اس اعلے درجہ کے قانون کو جو اُسوقت کے مروج قانون کے بالکل خلاف ہے کوئی شخص بُرا کہہ سکے یا اسکے متعلق یہ کہہ سکے کہ یہ اب قابل عملدرآمد نہیں۔ وحی الٰہی نے جسقدر قوانین باندھے ہیں وہ ہر زمانے میں اور ہر ملک میں قابل عملدرآمد ہیں اور متعصب سے متعصب دشمن بھی انپر حملہ نہیں کر سکتا۔ اب معترضین پر لازم ہے کہ وہ اسکے خلاف کوئی اور قانون جس میں بالخصوص قیدیان جنگ کا ذکر ہو قرآن کریم سے نکالکر دکھائیں یہی سچا قانون اسلام نے سکھایا ہے اور اس سے بہتر کوئی اور قانون تجویز نہیں ہو سکتا۔

ہاں اس میں شک نہیں کہ اس زمانہ کے بعض حالات کے رو سے اسلام کو کچھ اور قسم کی مشکلات درپیش تھیں جو مقامی اور عارضی تھیں اور اسلیے ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے انکا علاج بھی مقامی اور عارضی ہی کیا۔ قرآن کریم

کی تعلیم یہ تھی کہ قیدیان جنگ کو یا بطور احسان چھوڑ دو اور یا کچھ فدیہ لیکر کیونکہ ہر صورت میں بطور احسان ہی انکو چھوڑ دینا مصلحت ملکی کا تقاضا نہ تھا۔ مگر اسجگہ مشکل یہ تھی کہ بعض اوقات مفتوح قوم یا مفتوح ملک اپنے قیدیونکی پروا نہ کرکے فدیہ ادا نہ کرتے۔ یہ اسلام کیلیے ایک بڑی مجبوری تھی کیونکہ اگر کل کے کل احسان رکھکر ہی چھوڑا جاتا تو جو مشکلات اسلام کی راہ میں تھیں انکا کبھی خاتمہ نہ ہوتا۔ یہ ایک عارضی ضرورت پیش آگئی تھی اور اسکا عارضی علاج اسلام نے اسی ملک اور اسی زمانہ کے مطابق حال کیا۔ ایسے قیدیوں کو بجائے گورنمنٹ پر بوجھ ڈالنے کے مسلمانوں میں تقسیم کر دیا جاتا جنکا یہ فرض تھا کہ انکو ایسی حالت میں رکھیں جس حالت میں وہ آپ رہتے تھے۔ یہ تو کوئی مخالف بھی نہیں کہیگا کہ وہ اپنی آزادی کو کھو نہ چکے تھے کیونکہ آج کل بھی اسیران جنگ کی آزادی تو چھین لیجاتی ہے۔ حالانکہ لڑائیاں بھی اس قسم کی مجبوری کی نہیں جیسی اسلام کو پیش آئی تھیں۔ مگر آزادی لینے کے سوا مسلمان اوران اسیران جنگ کو کوئی تکلیف نہ دیتے تھے۔ انکو باہر کھیتوں میں مزدوروں کی طرح کام کرنے نہ بھیجا جاتا تھا جس صورت میں کہ انکے آقا گھر میں آرام کر رہے ہوں اور نہ ہی طاقت سے زیادہ انسے کام لیا جاتا تھا بلکہ ان رواجونکو جو قدیم سوسائیٹی میں مروج چلے آتے تھے اسلام نے بکلی موقوف کر دیا تھا۔ ہاں اس میں بھی شک نہیں کہ انکو بیکار چھوڑکر نکمے بھی نہیں بنایا جاتا تھا۔ بلکہ کچھ کام بھی انکو کرنا ہوتا تھا۔ پر وہ دوسرے گھر کے لوگونکی طرح ہی ہوتے تھے اور اپنوں نکا سا ہی انسے سلوک بھی ہوتا تھا۔ اور یہ اختیار انکو ہر وقت حاصل تھا کہ فدیہ دیکر آزادی حاصل کر لیں +

ایک اور بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے۔ وہ اصلاح جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے شروع کی وہ تدریجی طور پر ترقی کرنیوالی اصلاح تھی اسنے ایک ایک کرکے تمام بدیونکو انسانی سوسائیٹی سے دور کیا۔ یہانتک کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس دنیوی زندگی کے منقطع ہونیسے پہلے اس اصلاح کی ہر پہلو سے تکمیل ہوگئی۔ چونکہ آپ ہر ایک معاملہ میں اللہ تعالےٰ کی وحی سے ہی کام کرتے تھے اسلیے آپ کسی رواج یا کسی بات کو بدلاتے نہ تھے جبتک وحی الہی کے ذریعہ آپکو حکم نہ پہونچے۔ چنانچہ قرآن شریف اور حدیث کے پڑھنے سے یہ بات صاف روشن ہے۔ اب جیسا کہ میں پہلے دکھا چکا ہوں غلامی کے کل دیگر ذرایع کو تو اسلام نے ابتدا میں ہی روک دیا تھا مگر اسیران جنگ کے متعلق جو حکم خصوصیت سے نازل ہوا وہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے اخیری حصہ میں نازل ہوا۔ یہ حکم سورۃ محمد میں ہے اور یہ سورۃ فتح مکہ کے قریب قریب نازل ہوئی۔ اب اس سے پہلے عام رواج کل قدیم اقوام کے اندر اسیران جنگ کے متعلق یہ تھا۔ کہ وہ کل کے کل ہلاک کر دیئے جاتے تھے یا غلام بنا لیے جاتے تھے پس اگر وحی الہی کے نازل ہونیسے پہلے ہمارے نبی کریم اس مسلم رواج پر عمل بھی کرتے تو وہ عین حق پر ہوتے مگر آپنے اسوقت بھی عموماً بڑی ہی نرمی سے کام لیا۔ اساری بدر کے متعلق میں دکھا چکا ہوں کہ کس طرح سب کے سب فدیہ لیکر آزاد کر دیئے گئے۔ حالانکہ انہی لوگوں نے

پھر جنگوں میں مسلمانوں کو طرح طرح کے دکھ دیئے۔ انیس جنگوں میں سے جو ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو کرنی پڑیں صرف دو میں یہ معلوم ہوتا ہے کہ اسیران جنگ کو غلام بنایا گیا۔ اور یہ دونوں موقعے وحی الہی کے نازل ہونیسے پہلے پیش آئے اور ان میں واسطہ بھی یہود سے پڑا۔ ایک موقعہ پر بنی قریظہ سے مدینہ میں اور دوسرے موقعہ پر خیبر کی جنگ میں۔ باقی تمام لڑائیوں کے متعلق یہی معلوم ہوتا ہے کہ اگر کوئی اسیر بنائے بھی گئے۔ تو احسان رکھکر یا فدیہ لیکر انکو چھوڑ دیا گیا چنانچہ کئی مثالیں اس کی پائی جاتی ہیں۔ ایک موقعہ پر چھ ہزار قیدی کو بغیر کسی فدیہ کے لینے کے چھوڑ دیا گیا۔ عربوں نے مسلمانوں پر اسقدر ظلم کیے تھے کہ مسلمانوں کو حق پہونچتا تھا کہ جب انپر غالب آویں تو انکو قرار واقعی سزائیں دیں چاہیں قتل کریں اور چاہیں غلام بنائیں۔ کیونکہ ان لوگوں نے مسلمانوں کو ہلاک کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا تھا بلکہ جب داؤ لگتا یا بس چلتا تو نہایت بیرحمی سے غریب مسلمانوں کو مار ڈالتے ایک موقعہ پر دھوکہ دیکر ستر صحابیوں کو ان ظالموں نے قتل کر ڈالا۔ حالانکہ کہکر انکو یہ ساتھ لیگئے تھے کہ ہم ان سے دین سیکھنا چاہتے ہیں لیکن جب آخر کار خدا نے محض اپنی تائید اور نصرت سے جو ہمیشہ وہ صادقوں کو عطا کرتا ہے مسلمانوں کو ان ظالموں پر غالب کیا تو ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے انکے ساتھ وہ سلوک نہیں کیا جسکے وہ مستحق تھے۔ نہ ہی رواج کے مطابق ان سب کو پکڑ پکڑ کر غلام بنایا بلکہ ایک ایسی فراخ حوصلگی اور جوانمردی کے ساتھ جسکی نظیر دنیا میں نہیں پائی جاتی جب یہ لوگ قید ہو کر آپکے پاس آتے تو آپ ان کو فدیہ لیکر یا احسان رکھکر چھوڑ دیتے۔

لیکن دو جنگوں میں جو یہود یونسے ہوئیں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا سلوک اسیران جنگ سے اور رنگ کا تھا۔ ان میں سے ایک موقعہ تو یہود بنی قریظہ کے ساتھ پیش آیا جنہوں نے دو دفعہ آپکے ساتھ خطرناک طور پر دغا بازی کر کے کل کے کل مسلمانوں کو ہلاک کرنا چاہا۔ انکے ساتھ یہ سلوک کیا گیا کہ جو دغا بازی میں شامل تھے انکو قتل کیا کیا گیا اور باقی کو جن میں بچے اور عورتیں تھیں غلام بنایا گیا۔ اگرچہ غلام کا مفہوم اسلام میں قطعًا وہ نہیں جو دنیا کی دوسری قوموں میں تھا اور ہے مگر یہ قصور بھی یہود کا اپنا تھا اور خود اپنے لیے انہوں نے یہ سزا تجویز کی کیونکہ انہوں نے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ کو اپنے متعلق منظور نہ کیا۔ بلکہ کہا کہ جو سعد بن معاذ ہمارے حق میں فیصلہ دیں وہ ہمکو قبول ہوگا چنانچہ انہی کے فیصلہ کے مطابق یہ سلوک بنی قریظہ سے ہوا۔ دوسرے موقعہ پر جب خیبر فتح ہوا تو اسوقت جو اسیران جنگ ہاتھ لگے تھے انکو غلام بنایا گیا۔ اگرچہ یہ ثابت نہیں کہ انہوں نے فدیہ دینا چاہا ہو تو نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے قبول نہ کیا ہو۔ بلکہ بعض نظیروں سے یہ شہادت ملتی ہے کہ جنکے فدیہ کا کوئی انتظام ہو سکتا تھا انکو فدیہ لیکر آزاد کر دیا گیا۔ علاوہ فدیہ کے ان اسیروں کی آزادی کی اور بہت سی راہیں بھی کھلی تھیں جن کو میں گذشتہ اشاعت میں بیان کر چکا ہوں اگر نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں موقعوں پر اسیروں کو ایسے طور پر غلام بنایا ہوتا کہ وہ

کبھی آزادی حاصل نہ کر سکیں تو ان میں سے کچھ غلام اخیر وقت تک آنحضرتؐ کے پاس یا ابو بکرؓ کے پاس بھی رہنے چاہیئے تھے۔ مگر ہم دیکھتے ہیں کہ ان دو نو کے پاس کوئی غلام نہ تھا جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ان اسیران جنگ کو بھی جو یہودیوں میں سے تھے جلدی بعد میں آزاد کر دیا گیا تھا +

یہ نہیں سمجھنا چاہیئے کہ یہودیوں کے ساتھ آنحضرتؐ نے سختی کی اور اپنی قوم کے ساتھ نرمی کی۔ عرب امی لوگ تھے اور انکے ہاتھ میں کوئی شریعت نہ تھی جسکی بنا وحی الٰہی پر ہو۔ مگر یہودیوں کے پاس ایسی شریعت تھی پس آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے انکی اپنی شریعت کے مطابق انسے سلوک کیا بلکہ اس جگہ بھی نرمی کا پہلو ہی اختیار کیا۔ یہودی شریعت کے مطابق دشمن کو معہ انکے بچوں اور عورتوں کے ہلاک کر ڈالنا چاہیئے (دیکھو استثنا باب ۱۳۔ ۱۲ سے ۱۸ باب ۲۰۔ آیت ۱۶ و ۱۷۔ گنتی باب ۲۱۔ آیت ۳۔ قاضیوں باب ۱۔ آیت ۱۷ باب ۲۱۔ آیت ۱۰ سے ۱۲۔ یشوعا باب ۶ آیت ۲۴۔ اسموائیل باب ۱۵۔ آیت ۳ وغیرہ۔ اسی قانون کی ایک نرم صورت یہ تھی۔ کہ مردوں کو مار ڈالا جاوے اور عورتوں اور بچوں کو غلام بنا لیا جاوے (دیکھو استثنا باب ۲۰۔ آیت ۱۰ سے ۱۴) اب سوچ لو کہ بنی قریظہ کے ساتھ جو سلوک ہوا اس میں الزام کس پر آتا ہے۔ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نہیں کیونکہ آپنے اس قوم کی شرائط کو منظور کر کے سعد بن معاذ کے فیصلے کے مطابق انسے سلوک کیا جسے وہ خود حکم مان چکے تھے۔ نہ ہی سعد بن معاذ پر کوئی الزام عاید ہو سکتا ہے کیونکہ انہوں نے یہودی شریعت کے نہایت نرم پہلو کے مطابق فیصلہ دیا۔ بلکہ اگر کوئی الزام آسکتا ہے تو خود یہودی شریعت پر جس میں اس سے بھی زیادہ سخت قانون موجود ہیں۔ ایسا ہی خیبر کے یہودیوں کے ساتھ بھی انکی اپنی شریعت کے نہایت نرم پہلو کے مطابق عمل کیا گیا۔ میں پوچھتا ہوں کہ اس معاملہ میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر کیا اعتراض ہے آپنے تو اسی شریعت کے مطابق انسے سلوک کیا جسے یہودی اس وقت تک منسوخ سمجھنے کے لیے تیار نہ تھے۔ اور آپکی طبیعت کی نرمی اس سے ظاہر ہے کہ آپنے یہودی شریعت کے نرم سے نرم پہلو کو اختیار کیا۔ بلکہ اگر کچھ سختی اس سلوک میں سمجھی بھی جاوے تو اسکا ازالہ خود اسلامی شریعت سے ہو گیا۔ کیونکہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنی مثال اور تعلیم سے اپنے ساتھیوں پر یہی نیک اثر ڈالا تھا۔ کہ وہ آہستہ آہستہ تمام غلاموں کو آزاد کرتے جاویں۔ وہ متعصب عیسائی جنہوں نے یہ شیوہ اختیار کر رکھا ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ہر ایک فعل پر اعتراض کریں اور دنیا کی نظر میں آپکی ذات کو قبیح کر کے دکھائیں تعصب کی پٹی آنکھوں سے اتار کر دیکھیں کہ ان دونوں موقعوں پر ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم پر کوئی اعتراض نہیں آتا بلکہ اگر کوئی اعتراض ہے تو اس کتاب پر جس کی اشاعت وہ خود دنیا میں کر رہے ہیں یہودیوں پر ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے بلاوجہ چڑھائی نہیں کی بلکہ خود اپنی دغابازیوں سے انہوں نے اپنے آپ کو مجرم بنایا اور اس جرم کی سزا انکو انکی اپنی شریعت کے مطابق دی گئی +

خدا کی شان ہے ان مجرموں کے وکلاے آج وہ لوگ بن رہے ہیں جنہوں نے خود لاکھوں یہودیوں کو بیگناہ قتل کیا اور انپر طرح طرح کے مظالم کیے اور ابتک بھی کر رہے ہیں۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ شریعت اسلام کے اصول جو قرآن کریم میں مندرج ہیں عام اور وسیع اصول ہیں جو ہر زمانہ اور ہر ملک کی حالت کے مطابق ہیں لیکن اگر کسی حکم کے وحی الٰہی میں نازل ہونیسے پہلے کوئی کام کیا گیا ہو تو اس سے یہ نتیجہ نکالنا صریح غلطی ہے کہ یہی اسلام کا قانون ہے ہر ایک امر کے متعلق دیکھنا یہ چاہیئے کہ قرآن کریم اسبارے میں کیا حکم دیتا ہے اور اس حکم کے نزول کے بعد آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا عمل کیا رہا ہے مثلاً اسلام کے ابتدائی زمانہ میں مسلمانوں میں بعض مثالیں شراب پینے کی پائی جاتی ہیں مگر اُنسے یہ نتیجہ نہیں نکلسکتا کہ اسلام شراب کی اجازت دیتا ہے کیونکہ جیسا کہ مینے اوپر بھی کہا ہے اسلام کی اصلاح تدریجی تھی اور اصل حکم شراب کے متعلق وہ ہے جو قرآن کریم نے اس کی قطعی ممانعت کے بارے میں بیان فرمایا ہے ایسا ہی اسیران جنگ کے متعلق اسلامی شریعت کا حکم جو وحی الٰہی میں بیان فرمایا گیا ہے وہ فاما منا بعد واما فداء ہے۔

اب اس بحث سے ناظرین یہ سمجھ سکتے ہیں کہ اسلام نے عملی طور پر غلامی کے تمام ذرائع کو روکدیا اور پرانے غلاموں کی تدریجی آزادی کے لیے مختلف احکام نازل فرمائے اسیران جنگ کے متعلق حکم تو وہی تھا جو اوپر بیان کیا جا چکا ہے۔ مگر ایسی مجبوری کی حالتوں میں جب نہ وہ فدیہ دیں اور نہ ہی انکو احسان رکھکر چھوڑنا مصلحت وقت ہو اسوقت کے رواج کے مطابق انسے سلوک کیا جاتا تھا۔ پھر بھی وہ فدیہ دیکر ہر وقت آزادی حاصل کر سکتے تھے اور علاوہ اس کے وہ مختلف راہیں جو اسلام نے غلاموں کی آزادی کیلیے بتائی تھیں وہ سب بھی انکے لیے کھلی تھیں علاوہ ازیں انکے ساتھ غلاموں کا سا سلوک بھی نہ ہوتا تھا یعنی وہ اس قسم کے غلام نہ سمجھے جاتے تھے جیسے دوسری اقوام میں یا زمانہ جاہلیت کے عربوں میں پس جس صورت میں اسلام نے غلامی کی کل راہوں کو روکدیا اور انکی تدریجی آزادی کیلیے کئی راہیں کھولدیں تو کوئی اعتراض اسلام پر باقی نہیں رہتا۔ باقی رہے جنگ اور اسیرانِ جنگ سو یہ کام ابتداءً اسلام نے شروع نہیں کیا بلکہ خود انہی لوگوں نے اول طرح طرح کے دکھ پہونچا کر آخر تلوار ہاتھ میں لیکر اسلام کو نیست و نابود کرنا چاہا اس مجبوری کی حالت میں مسلمانوں کو بھی اپنی حفاظت کے لیے تلوار اٹھانی پڑی پس یہ لوگ تو خود آزادی کے حق کو کھو چکے تھے مگر انکے ساتھ بھی اسلام کا سلوک نہایت محسنانہ تھا۔ اور باوجود اسکے کہ ان لوگوں نے ہر طرح سے اپنے آپکو قتل اور غلامی کا مستحق بنا دیا تھا پھر بھی شریعت اسلام نے انکی آزادی کا ہی حکم دیا۔ صرف استثنائی صورتوں میں بعض وقت جب ان لوگوں نے فدیہ دینے سے بھی انکار کیا تو پھر مسلمانوں کے لیے مجبوری تھی کہ وہ انکو غلام بناتے۔

یہ ایک بڑی غلط فہمی ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں مسلمانوں کے پاس کثرت سے غلام تھے

اس کی تردید تو یہی کافی ہے کہ انکے پیشوا اور رہبر کے پاس ایک غلام بھی نہ تھا۔ اس میں شک نہیں کہ قبل از اسلام امراء کے پاس غلاموں کی بڑی بڑی تعداد تھی مگر اسلام لانیکے بعد انہوں نے اپنے پیارے نبی کے نقش قدم پر چلکر کثرت سے غلاموں کو آزاد کر دیا تھا۔ غزوہ احزاب کے متعلق ایک حدیث لکھتے ہوئے امام بخاری علیہ السلام نے اتفاقاً یہ ذکر کیا ہے کہ مہاجرین اور انصار کے پاس کوئی غلام نہ تھا جس سے وہ مزدوری کا کام لے سکتے۔ خرج رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم الی الخندق فاذا المہاجرون والانصار یحفرون فی غداۃ باردۃ فلم یکن لہم عبید یعملون ذالک لہم۔ یعنی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم جب خندق کیطرف نکلے تو آپکے صحابہ یعنی مہاجرین اور انصار ٹھنڈی صبح کے وقت خندق کھود رہے تھے اور انکے پاس غلام نہ تھے جو انکے لیے یہ کام کرتے۔ مینے اصابہ کو جس میں صحابہ کے حالات لکھے ہیں اس غرض کیلیے پڑھنا شروع کیا تھا کہ ان میں کس قدر غلام تھے مگر افسوس ہے کہ کم فرصتی کی وجہ سے اس کام کو پورا نہ کرسکا۔ ۱۳۴۰ صحابہ کے مینے حالات پڑھے ان میں ایک بھی غلام کا ذکر نہیں ہاں تیرہ ایسے آدمیوں کا ذکر ہے جو پہلے غلام تھے اور پھر آزاد کر دیے گئے۔ (باقی آیندہ)

اسلام (۴)

بجواب پادری سیلؒ

اس حصہ مضمون میں اس کہانی پر بحث کروں گا جس کو عیسائی صاحبان آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا معاذ اللہ بت پرستی کی طرف عود کرنا یا بت پرستی کے ساتھ صلح کرنیکے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ اگرچہ میں نے یہ سلسلہ مضامین سیل کے جواب میں ہی شروع کیا ہے مگر چونکہ سیل کی نسبت میور نے اس قصہ پر زیادہ زور دیا ہے اور جھوٹی دلیلیں دیکر اسے سچا کرکے دکھلانا چاہا ہے تاکہ اس سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے منجانب اللہ ہونے پر شکوک پیدا ہوں اس لئے اس بحث میں میور ہی زیادہ تر مدنظر ہوگا۔ میور جس نے اکثر تاریخ کو مدنظر رکھا ہے اس موقعہ پر مذہبی تعصب نے اسے اجازت نہ دی کہ صحیح تاریخ اور معتبر روایات کے مقابل جھوٹے قصوں اور غیر معتبر یا وضعی روایتوں کو کوئی وقعت نہ دیتا۔ محدثین نے جو کوششیں ہر ایک حدیث کے پرکھنے کیلیے کی ہیں اور جس طرح ایک ایک راوی کے

متعلق انہوں نے بالتفصیل اس کی زندگی کے حالات معلوم کیئے ہیں تاکہ اسکا جھوٹا یا سچا یا کمزور ہونا دنیا پر کھل جائے اور اس تحقیقات میں کسی کی رعایت نہیں کی۔ ان سب کی کوششوں اور تنقید کو میور صاحب نے یہ بے بنیاد دعوے کر کے رد کرنا چاہا ہے کہ پچھلے زمانے کے مسلمانوں نے جب یہ محسوس کیا کہ بت پرستی کیطرف آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا کھلے طور پر جھک جانا ایک بڑی شرم کی بات ہے تو انہوں نے کل کے کل قصہ کو ہی رد کر دیا + افسوس ہے کہ پادری صاحب کے اس فقرے میں صداقت کی بو تک بھی نہیں۔ یہ ایک سیاہ جھوٹ ہے کہ مسلمانوں میں سے متقدمین تو اس قصہ کی صداقت کو مانتے چلے آئے تھے مگر متاخرین نے محض اس وجہ سے .... کہ اس سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے منجانب اللہ ہونے پر زد پڑتی تھی بغیر کسی تحقیقات کے اسے جھوٹا اور وضعی کہدیا۔ پادری صاحب کا یہ جھوٹ خود اس قصہ کے وضع کرنیوالوں سے کم نہیں +

میور نے اس بات پر بہت زور دیا ہے کہ جن لوگوں نے اس قصہ کو سچ مانا ہے وہ ایسے معتبر اور مستند فاضل ہیں کہ ہم انکی کسی روایت کو رد نہیں کر سکتے اور سند کے طور پر واقدی اور طبری کا نام پیش کیا ہے۔ اگر میور کو حق جوئی کا کچھ بھی خیال ہوتا تو جہاں اس نے اپنے دیباچہ لائف میں بڑی تفصیل سے یہ لکھا ہے کہ ہمیں احادیث کو کسقدر وقعت دینی چاہیئے وہ اپنی کتاب میں بھی اس بات کا خیال رکھتا۔ مگر افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ بعض وقت اسنے بہت ہی بے احتیاطی سے کام لیا ہے اور تنقید کے پہلو کو بالکل چھوڑ دیا ہے۔ تعجب ہے کہ ایک شخص آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے حالات لکھنے بیٹھتا ہے اور روایت لینے میں واقدی اور طبری کو امام بخاری مسلم ابو داؤد اور بہت سے محققین پر ترجیح دیتا ہے اور انکی روایت کو موخر الذکر ائمہ کی روایت سے بہت زیادہ معتبر سمجھتا ہے۔ میرا یہ بھی خیال ہے کہ جہالت کیوجہ سے یہ پہلو اختیار نہیں کیا گیا بلکہ عمداً اس غرض سے کہ جس قصہ سے خواہ وہ سچا ہو اور خواہ جھوٹا کوئی زد خاتم النبیین کی نبوت پر پڑ سکتی ہے۔ اس قصہ کو بغیر تحقیق کے صحیح تسلیم کر لیا جائے۔ واقدی ایسا شخص نہیں جسکے حالات سے میور بے خبر رہا ہو۔ اب دیکھیئے کہ محققین نے اسکو کس پایہ کا معتبر سمجھا ہے۔ میزان الاعتدال میں واقدی کے حالات کے نیچے لکھا ہے کہ ابن ماجہ تو اسکا نام بھی نہیں لیتا۔ احمد بن حنبل کہتے ہیں وہ کذاب ہے۔ ابن معین کہتے ہیں وہ ثقہ نہیں۔ بخاری اور ابو حاتم اسے متروک قرار دیتے ہیں اور ابو حاتم اور نسائی اسکو حدیث کے وضع کرنیوالا بتاتے ہیں۔ دار قطنی کے الفاظ اسکے متعلق یہ ہیں کہ اس میں ضعف پایا جاتا ہے اسکے بعد کچھ اور ذکر کر کے پھر آخر میں یہ نتیجہ نکالا ہے۔ واستقر الاجماع علی وہن الواقدی۔ اب اس شخص کی روایت کو سچا مانکر میور نے تمام مستند علما اور محدثین کی تحقیقات کو رد کر دیا ہے کیا یہی تاریخدانی ہے جسکے دعوے پر ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم پر یہ لوگ اعتراض کیا کرتے ہیں۔ طبری کے متعلق میں پہلے بھی یہ ثابت کر چکا ہوں کہ وہ محدثین میں سے نہیں اور نہ اس حد تک اس نے تحقیقات کی ہے

جس حد تک بخاری یا مسلم یا دوسرے محققین نے کی ہے جنہوں نے ایک ایک روایت کی صحت کو پرکھنے کیلیے دشوار گذار سفر اختیار کیے اور ہر طرح کی مصیبتیں جھیلیں مگر اسی ایک ہی غرض کو مدنظر رکھا کہ جہانتک ممکن ہو کوئی غلط اور وضعی روایت انکے ذریعہ رواج نہ پا جائے۔ خود میور نے بھی دوسری جگہ اقرار کیا ہے کہ طبری نے وضعی حدیثیں اپنی کتاب میں درج کی ہیں اور پھر لکھا ہے کہ اس نے بے سوچے سمجھے اور صحت کو پرکھنے کے بغیر احادیث کو لے لیا ہے۔ (دیکھو کتاب میور کی لائف آف محمد فٹ نوٹ صفحہ ۹۴)۔

یہ دو یعنی طبری اور واقدی تو اس قصہ کی صحت کو قبول کرتے ہیں اب انکے برخلاف وہ محققین ہیں جن کو میور اسلیئے رد کرتا ہے کہ انہوں نے اس قصہ کو رد کیا ہے۔ تفسیر روح المعانی میں آیت و ما ارسلنا الخ کی تفسیر کے نیچے اس قصہ پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "جن لوگوں نے اس قصہ کو رد کیا ہے وہ علماء اجلاء ہیں جو مضبوط اور کمزور کلام میں فرق کر سکتے ہیں اور انہوں نے اسکے متعلق کامل اور وسیع تحقیقات کی ہے..... انکی تعداد بھی ان لوگوں سے زیادہ ہے جو اس قصہ کی صحت کو قبول کرتے ہیں اور انکے درمیان موخرالذکر کی نسبت بہت بڑے بڑے فاضل اور محقق ہیں جس جس طریق سے اس حدیث کو چلایا گیا ہے انہوں نے ہر ایک طریق کے تمام راویوں کے متعلق اعلیٰ تحقیقات کی اور اس حدیث کے راویوں کو ناقابل اعتبار پایا"۔ پھر اسی تفسیر میں آگے چلکر لکھا ہے کہ اگر اس قصہ میں کچھ بھی صحت ہوتی تو یہ ممکن نہ تھا کہ صحاح ستہ میں اسکا نام و نشان بھی نہ پایا جاتا باوجودیکہ یہ ایک عجیب کہانی تھی واقعی یہ تعجب کی بات ہے کہ یہ تمام محدثین نہ صرف اس قصہ کو بیان ہی نہیں کرتے بلکہ اسکے برخلاف ایک اور حدیث بخاری۔ مسلم۔ ابوداؤد و نسائی وغیرہ میں بیان کی گئی ہے جو اس قصہ کو مردود ٹھہراتی ہے۔ ان تمام معتبر کتابوں میں صرف یہ حدیث بیان کی گئی ہے جسکا ماحصل یہ ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے سورہ والنجم پڑھی تو اسکے اخیر پر آپنے سجدہ کیا اور آپکے ساتھ تمام حاضرین نے جن میں مشرک بھی تھے سجدہ کیا۔ مگر مشرکوں کے سجدہ کرنیسے یہ نتیجہ نکالنا کہ ضرور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے کوئی بتوں کی تعریف کی ہوگی محض حماقت ہے +

میور نے یہ دعوے کیا ہے کہ متقدمین اس قصہ کو صحیح مانتے تھے اور متاخرین نے اس سے صرف اسوجہ سے انکار کر دیا ہے کہ اس سے انکے نبی علیہ الصلوۃ والسلام پر حملہ ہوتا تھا مگر چونکہ اسنے تمام صرف واقدی اور طبری کا لیا ہے اسلیئے غالباً اسکی مراد متقدمین سے یہی لوگ ہیں۔ واقدی ایکسو بانوے ہجری میں پیدا ہوا اور دو سو ستر میں فوت ہوا۔ اور طبری ۲۲۴ ہجری میں پیدا ہوا اور ۳۱۰ میں فوت ہوا۔ میں نہیں سمجھ سکتا کہ انپر خصوصیت سے متقدمین کا لفظ کیونکر اطلاق پا سکتا ہے۔ انکے پیدا ہونیسے مدت پہلے بڑے بڑے محققین اس قصہ کو موضوع قرار دے چکے تھے۔ چنانچہ امام محمد بن اسحاق سے جو ۱۵۱ ہجری میں فوت ہوئے اور جامع سیرۃ

نبوبیہیں جب اس قِصّہ کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ یہ زندیقوں نے وضع کیا ہے۔ بحرین میں یہ بھی لکھا ہے کہ اسی قصہ کی تردید میں انہوں نے ایک مفصل کتاب بھی لکھی۔ پھر اس امت کے تمام محققین سے افضل امام بخاری علیہ السلام ہیں جن کی کتاب کو اصح الکتب بعد کتاب اللہ مانا گیا ہے اور یہی سچ بھی ہے۔ آپ واقدی سے ایک سال پیچھے پیدا ہوئے اور چودہ سال پہلے اس دار فانی سے رحلت فرما گئے۔ جسقدر تنقید اور تحقیق امام بخاری نے روایتوں کی صحت اور راویوں کا صدق وکذب پرکھنے کیلیے کی ہے اسکی ہم کوئی نظیر نہیں پاتے اور اسی لیے آپکی کتاب کو اللہ تعالے نے یہ فخر بخشا ہے کہ تمام امت نے اسکی فضیلت کو مان لیا ہوا ہے اب اگر اس حدیث کے متعلق وہ بالکل خاموشی اختیار کرتے تو ممکن تھا کہ یہ کہدیا جاتا کہ یہ حدیث انکو ملی ہی نہیں اور اسلیے اسکی صحت کے پرکھنے کا موقعہ بھی انکو نہیں ملا۔ مگر انہوں نے اس حدیث کے ایک ٹکڑے کو جسکا ماحصل میں اوپر بھی بیان کر چکا ہوں لے لیا ہے اور دوسرے حِصّہ کو جس میں بتونکی تعریف کا جھوٹا قصہ درج ہے رد کر دیا ہے جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ تحقیقات کے بعد اسی نتیجہ پر پہونچے کہ یہ قِصّہ وضعی ہے۔ پانچ مختلف طرق سے آپنے یہ حدیث بیان فرمائی ہے اور کسی طریق میں اس قصہ کا نام نشان نہیں ملتا۔ پھر متقدمین میں سے ہی شیخ ابو منصور الماتریدی ہیں جن کو بالاتفاق علم کلام کے امام تسلیم کیا گیا ہے۔ آپ ۳۳۳ ہجری میں فوت ہوئے یعنی طبری کی وفات کے چند ہی سال بعد انکا بھی یہی مذہب تھا۔ کہ یہ حدیث موضوع ہے۔ اور زندیقوں نے اسے وضع کر کے عوام کے اعتقاد کو بگاڑنے کیلیے شہرت دیدی ہے۔ ایسا ہی قاضی عیاض کہتے ہیں کہ اس حدیث کے چلانیوالوں میں ایک بھی ایسا نہیں جو شبہ سے خالی ہو۔ اور نہ ہی اسکے راویوں میں کوئی ایسا راوی ہے جسکو قطعی طور پر معتبر سمجھا جا سکے۔ ایسا ہی صحاح ستہ نے بھی اس قِصّہ کو رد کیا ہے اور میور کا یہ بیان کہ یوں ہی حملہ کو دور کرنیکے لیے اس قصہ کو بعض لوگوں نے وضعی کہدیا ہے۔ ایک جھوٹ کی تائید میں ایک دوسرا جھوٹ ہے ورنہ جن لوگوں نے اسکی تردید کی ہے انہوں نے بجائے خود تحقیقات کر کے تردید کی ہے وہ کسی کا لحاظ کرنیوالے نہ تھے۔ بلکہ ایک ایک راوی کے صدق وکذب کو کھولکر بیان کیا ہے اور تحقیقات کو اس حد تک پہونچایا ہے جو تحقیقات کی آخری حد ہے۔ انکی غرض تو صرف یہ تھی کہ صحیح حدیثیں وضعی احادیث سے الگ ہو جاویں انکو نہ کسی آدمی سے غرض تھی نہ کسی الزام سے اور نہ کسی معجزہ سے +

اب میں یہ ثابت کرونگا کہ خود اس قِصّہ کے الفاظ سے اسکا وضعی ہونا ثابت ہوتا ہے اس غرض کیلیے پہلے میں اس قِصّہ کو طبری سے نقل کرتا ہوں اصل عبارت کا ترجمہ اس غرض کیلیے کافی ہوگا قصہ یوں چلتا ہے جب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنی قوم کی بیزاری اور نفرت کو دیکھا اور جو کچھ آپ خدا کیطر

لائے تھے آپکی قوم کی اس سے بماعدت آپ پر گراں گذرنے لگی تو آپنے اپنے دل میں یہ خواہش کی کہ اللہ تعالےٰ کوئی ایسا امر نازل کرے جو آپ کے اور آپکی قوم کے درمیان مقاربت کا موجب ہو اور آپکو اپنی قوم کی محبت اور انکے ایمان کیلیے آپکی حرص کے ساتھ یہ بات بہت خوش لگتی تھی کہ انکی طرف سے جسقدر سختی تھی اس میں کچھ نرمی آجائے۔ یہانتک کہ آپنے اپنے اندر اس بات کو سوچا اور اسکی خواہش کی اور اسے اچھا سمجھا۔ پس اللہ تعالےٰ نے آپ پر یہ کلام نازل فرمایا۔ والنجم اذا ھوی ما ضل صاحبکم وما غوی وما ینطق عن الھوی۔ (یعنی سورہ نجم) پھر جب آپ اس سورۃ کو پڑھتے پڑھتے اس آیت پر پہونچے افرایتم اللٰت والعزی ومنٰوۃ الثالثۃ الاخری تو شیطان نے آپکی زبان پر یہ کلمے ڈالدیئے۔ تلک الغرانیق العلی وان شفاعتھن لترتجیٰ جس کا مطلب یہ ہے کہ ان بلند مرتبہ بتوں کی شفاعت قبول کی جاویگی۔ جب قریش نے یہ بات سنی تو وہ بہت خوش ہوئے۔ ...... جب آپنے سورۃ ختم کی تو آپنے سجدہ کیا اور آپکے ساتھ مسلمانوں نے آپکے اتباع امر اور تصدیق کیلیے سجدہ کیا اور مشرکین میں سے جو لوگ قریش وغیرہ سے مسجد میں موجود تھے انہوں نے بھی سجدہ کیا بسبب اسکے جو سنا تھا انہوں نے اپنے بتوں کا ذکر پس مسجد میں نہ کوئی مومن باقی رہا اور نہ کافر جس نے سجدہ نہ کیا ہو سوائے ولید بن مغیرہ کے جو بہت بوڑھا تھا اور سجدہ کرنیکی طاقت نہ رکھتا تھا پس اس نے کچھ کنکریاں اپنی مٹھی میں لیں اور اپنر سجدہ کر لیا۔ پھر لوگ مسجد سے پراگندہ ہو گئے اور قریش بھی باہر نکل آئے اور وہ بہت خوش تھے اس بات سے جو انہوں نے اپنے معبودوں کا ذکر سنا تھا۔ اور کہنے لگے بیشک محمد صلے اللہ علیہ وسلم نے ہمارے بتوں کا نہایت عمدہ الفاظ میں ذکر کیا ہے کیونکہ انکو بلند مرتبہ کہا ہے اور انکی شفاعت کا ذکر کیا ہے۔ اور اس سجدے کی خبر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کو جو حبش کی زمین میں تھے پہونچی۔ اور یہ مشہور ہو گیا کہ قریش اسلام لے آئے ہیں اس کو سن کر بعض لوگ ان میں سے چل پڑے اور بعض وہیں ٹھہرے رہے اور جبرائیل علیہ السلام رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور کہا یا محمد صلے اللہ علیہ وسلم یہ آپنے کیا کیا آپنے وہ کلام لوگوں کے سامنے پڑھا جو میں خدا کیطرف سے آپکے پاس نہیں لایا اور وہ بات کہی جو خدا نے نہیں کہی پس رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم بہت غمگین ہوئے۔ اور اللہ تعالےٰ سے بہت ڈرے پھر اللہ تعالےٰ نے جو آپکے ساتھ بہت رحیم تھا اور غمخواری کرتا تھا اور آپ پر امر کو ہلکا کرتا تھا اور آپکو خبر دیتا تھا آپ پر وہ کلام نازل کیا جس میں یہ سمجھایا کہ آپسے پہلے بھی کوئی نبی یا رسول ایسا نہیں گذرا کہ اس نے جب خواہش کی اور ایک امر کو پسند کیا تو شیطان نے اسکی خواہش میں القا کیا۔ اور وہ آیت یہ ہے:۔ وما ارسلنا من قبلک من رسول ولا نبی الا اذا تمنّیٰ القی الشیطٰن فی امنیتہ فینسخ اللہ ما یلقی الشیطٰن ثم یحکم اللہ ایاتہ واللہ علیم حکیم ؁ اس طرح خدا تعالےٰ نے اپنے نبی کا غم دور کر دیا اور جس بات کا انکو خوف تھا اس سے امن دیدیا اور جو کلمات شیطان نے ڈالدیئے تھے انکو اپنے اس کلام سے منسوخ کر دیا۔ الکم الذکر ولہ الانثیٰ تلک اذاً قسمۃ ضیزیٰ

ان ہی الا اسماء سمیتموہا انتم وآباؤکم...... الی قولہ لمن یشاء ویرضیٰ +

اس قصّہ کے اخیری حصہ میں ایک خاص ترتیب آیات کی ظاہر کی گئی ہے جسکو میں اس قصّہ کے وضعی ہونیکے لیے کافی دلیل سمجھتا ہوں جس زمانہ کے متعلق یہ قصّہ بیان کیا جاتا ہے اسکی تعیین کرنا آسان ہے کیونکہ خود اس قصّہ سے پایا جاتا ہے کہ بار اول جو صحابہ ہجرت کرکے گئے تھے انکی صرف تین ماہ بعد واپسی کا تعلق اس قصّہ سے ہے اسلیے کسی طرح سے اسکا زمانہ بعثت کے پانچویں سال کے بعد نہیں ہوسکتا لیکن وہ آیت جس میں بعض لوگوں کے زعم میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو یہ تسلی دی گئی ہے کہ آپ سے پہلے بھی جتنے نبی اور رسول گذرے ہیں انکو معاذاللہ شیطانی القا ہوئے تھے۔ سورہ حج میں واقع ہے جسکے متعلق بہت سے مفسرین نے مانا ہے کہ مدینہ میں نازل ہوئی۔ راڈویل جس نے قرآن شریف کا انگریزی ترجمہ کیا ہے اسی خیال کا مؤید ہے۔ اور اسنے بھی سورہ حج کو مدنی سورتوں میں رکھا ہے۔ بہرحال اس میں شک نہیں کہ یہ سورۃ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے قیام مکہ کے آخری دنوں میں نازل ہوئی۔ یعنے بارھویں یا تیرھویں سال بعثت کے قریب اس بات کو سب محققین نے تسلیم کیا ہے خود میور بھی اس بات کا اقراری ہے کہ یہ آیت اسوقت نازل نہیں ہوئی بلکہ ایک ایسی سورۃ میں واقع ہوئی ہے جسکا نزول بہت مدت بعد ہوا اسی بنا پر خود میور نے اس قصہ کے اخیری حصہ کو وضعی سمجھکر اسکا ذکر بھی اپنی کتاب میں نہیں کیا۔ بلکہ پہلے حصہ قصہ کو بیان کرنیکے بعد صرف ایک فٹ نوٹ میں یہ لکھدیا ہے کہ حدیث سے یہ بھی پایا جاتا ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالے نے سورہ حج کی یہ آیت وما ارسلنا من قبلک الی آخر الآیۃ۔ نازل کرکے تسلی دی۔ مگر گذشتہ انبیاء کیطرف جو اشارہ ہے! اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیت بہت پیچھے کسی زمانہ میں نازل ہوئی"۔ پھر متن میں ہی پادری صاحب لکھتے ہیں کہ "یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ اس حصّہ کو بکلی قبول کرنا ضروری نہیں جس میں پہلے نبیوں کے حوالہ سے شیطانی القا کا عذر بنایا گیا ہے۔ نہ ہی یہ ضروری ہے کہ جس حالت میں آنحضرت کے قلب کیحالت کی تشریح سیدھے سادے طور پر ہوسکتی ہے تو ہم خارق عادت واقعات کو اس غرض کے لیے تلاش کریں"۔ میں حیران ہوں کہ ایک شخص ایک طرف تو اسقدر معقولیت سے کام لیتا ہے اور دوسریطرف معقولیت کو خیرباد کہکر محض تعصب سے اس بات پر زور دیتا ہے کہ یہ قصہ ضرور اصلی ہے۔ اب ایک حصہ کے وضعی ہونیکو تو میور نے خود تسلیم کرلیا ہے پھر میں نہیں سمجھتا کہ دوسرے حصّہ کے وضعی ماننے میں اس کو کونسی مشکلات ہیں بلکہ خود ایک حصّہ کا وضعی ہونا دوسرے حصّہ کی صحت کے خلاف بڑی بھاری شہادت ہے! اور اسجگہ تو پہلے اور اخیری حصہ کا ایسا باہمی تعلق ہے کہ ایک حصہ کو وضعی مانکر دوسرا اصلی کبھی نہیں ہوسکتا۔ علاوہ ازیں جسقدر راوی اس قصّہ کے ہیں ان سب نے کل حدیث کو ہی بیان کیا ہے اور کوئی راوی ایسا نہیں جسنے پہلے حصہ حدیث کو بیان کیا ہو اور دوسرے کو چھوڑ دیا ہو۔ پس جس صورت میں

میور صاحب اس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ دوسرا حصہ وضعی ہے تو پہلے حصہ کو بھی بہ سبب اس گہرے تعلق کے جو امور متذکرہ بالا کے لحاظ سے ہر دو حصوں میں ہیں وضعی ماننا پڑے گا۔

یہ تو میور صاحب کا اقرار ہے مگر سیلؔ صاحب حسب عادت خود نہ صرف کل حدیث کو ہی اصلی بتاتا ہے بلکہ اس نے ابتدائی عیسائیوں کے نقش قدم پر چلکر ایک اور جزاس قصہ کے ساتھ اپنی طرف سے بڑھایا ہے جسکا نشان ان راویوں میں مجھے نہیں ملا اور جو اسکی اپنی قوت اختراعی کا نتیجہ ہے اس بات کو بیان کرنے کے بعد کہ جب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اپنے آپ کو اور اپنے صحابہ کو اس آیت سے تسلی دے چکے جس میں بزعم اسکے یہ مذکور ہے کہ پہلے کل نبیوں کو بھی شیطانی القا ہوتے رہے (میں آگے چلکر دکھاؤنگا کہ اس آیت کا یہ مفہوم نہیں ہے) پادری سیل کہتا ہے کہ "قریش نے اس شیطانی القا کے مسئلے کو تسلیم کرنے سے انکار کیا۔ اور یہ کہا کہ اگر قرآن واقعی خدا کا کلام ہے تو پھر یہ ادل بدل اور نسخ وغیرہ کبھی خدا کیطرف منسوب نہیں ہوسکتا۔ اس آخری الزام کا جواب آنحضرت کے لیے بہت مشکل تھا اور اس مشکل کو دور کرنے کے لیے ایک اور وحی بیان کی گئی واذا بدلنا اٰیۃ مکان اٰیۃ واللّٰہ اعلم بما ینزل قالوا انما انت مفتر بل اکثرھم لا یعلمون" (سورہ نحل رکوع ۱۴۔ آیت ۱۰۱) آگے تو ایک آیت کا جھگڑا ہی تھا کہ سورہ حج کی آیت کیونکر سورہ نجم کے ساتھ جوڑی جاسکتی ہے۔ اب ایک دوسری آیت کو جو سورہ نحل کی آیت ہے جو وہ بھی مکی زندگی کے پچھلے زمانے میں نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی اسی جگہ جوڑنا چاہتے ہیں اس کے جواب کیلیے میور کا حوالہ دیدینا کافی ہے۔ اب اگر یہ نیا جزو جو اس قصہ کے ساتھ سیل صاحب نے ملحق کیا ہے انکی اپنی طبیعت کا تراشا ہوا ہے تو کچھ کہنے کی حاجت ہی نہیں اور اگر انکے پاس کوئی اسکی سند ہے جو مجھے نہیں مل سکی تو اسکا جواب وہی ہے جو سورہ حج کی آیت وما ارسلنا الی آخر الاٰیۃ کے اسجگہ یعنی سورہ نجم کے ساتھ چسپاں کرنیکا جواب ہے۔ علاوہ ازیں اگر تبدیل آیت سے وہ مراد بھی لے لیں جو پادری صاحب لے رہے ہیں تو یہاں تو خدا کی آیتوں کا ذکر ہے کہ ایک کی جگہ دوسری بدلے اور شیطانی القا کا ذکر نہیں جو سورہ نجم کیطرف منسوب کیا جاتا ہے۔

بعض اور امور جو اس قصہ کے وضعی ہونے پر روشنی ڈالتے ہیں مختصراً ذکر کیے جاتے ہیں جسقدر روائتیں اس حدیث کی ہیں ان سب میں یہی بیان کیا گیا ہے کہ جو خبر مہاجرین حبشہ کو اسکی پہونچی وہ صرف اسقدر تھی۔ کہ قریش مسلمان ہوگئے ہیں۔ حالانکہ اگر اس قصہ کو صحیح مانا جائے تو اس صورت میں چاہیئے تھا کہ حبش میں یہ خبر پہونچتی کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے بتوں کی مذمت چھوڑ دی ہے یا انکو بھی خدا کی خدائی میں حصہ دار مان لیا ہے۔ لیکن یہ عجیب بات ہے کہ کسی راوی نے یہ ذکر نہیں کیا بلکہ ہر ایک میں یہی ذکر ہے کہ مہاجرین کو قریش کے سجدہ کرنے اور اسلام لانے کی خبر پہونچی تھی یہانتک کہ واقدی اور طبری کی روایتوں میں بھی یہی ذکر ہے

میور صاحب نے مہاجرین کی واپسی سے یہ نتیجہ نکالا ہے اور اسکو بار بار بیان کر کے اسپر بہت زور دیا ہے کہ اگر اس قصہ میں اصلیت نہ ہوتی تو یہ لوگ کیوں گھر ونکو واپس آتے مگر یہ محض دھوکا بازی ہے مہاجرین کے واپس آنیکے لیے تو وہی خبر کافی تھی جس کا ذکر کل روایتوں میں موجود ہے کہ حبش میں پہونچی یعنی یہ خبر کہ قریش مسلمان ہوگئے ہیں۔ اور یہ انکے اسلام لانے کی افواہ غالباً انکے سجدہ کے سبب سے پیدا ہوئی کیونکہ تمام صحیح احادیث کا اس امر پر اتفاق ہے کہ قریش نے سجدہ ضرور کیا۔ مگر پھر سجدہ سے یہ نتیجہ نہیں نکلتا کہ انکے بتونکی تعریف بھی کی گئی تھی یا ان کی شفاعت کو تسلیم کر لیا گیا تھا اگر ایسا نتیجہ نکلتا ہے تو پادریصاحبان بتلاویں کہ کس منطق کے رو سے۔ ہاں اگر یہ ثابت ہوتا کہ کفار نے سجدہ ابتدائے سورت میں اسوقت کیا جب انکے بتونکا ذکر آیا تھا تو بھی یہ شک کرنیکی وجہ پیدا ہو سکتی تھی کہ ممکن ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے بتونکی تعریف ہی کی ہو مگر اسوقت تو وہ دم بخود بیٹھے سنتے رہے اور یہ امر یقینی اور متفق علیہ ہے کہ سجدہ انہوں نے سورۃ کے اخیر پر اسوقت کیا جب آنحضرۃ صلے اللہ علیہ وسلم اور آپکے صحابہ نے خدا کی عظمت اور جلال کا ذکر آنے پر اللہ تعالے کے حکم کی فرمانبرداری میں کیا اور اسوقت انکے دلوں میں بتونکا کوئی خیال نہ ہو سکتا تھا۔ اسلیے اسبات کو تسلیم کر نیسے کہ مہاجرین حبشہ واپس آئے تھے اور کہ اسکی وجہ کوئی اس قسم کی افواہ تھی کہ قریش نے سجدہ کیا یا مسلمان ہو گئے۔ یہ لازم نہیں آتا کہ آنحضرت نے بتونکی تعریف کی ہو۔ بلکہ ایسا نتیجہ ان واقعات سے نکالنا محض حماقت ہے +

میور یہ بھی کہتا ہے کہ یہ غلطی جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کیطرف منسوب کیجاتی ہے کوئی اتفاقیہ غلطی نہ تھی۔ وہ لکھتا ہے کہ "یہ بتونکی رعایت اچانک آپسے ظاہر نہیں ہوئی اور نہ ہی یہ صورت تھی کہ بھولکر منہ سے کوئی کلمات نکل گئے ہوں جنہیں معاً واپس لے لیا گیا ہو۔ قریش کی دشمنی نبی کریم کی جان پر ایک بڑا بھاری بوجھ تھا اور حدیث میں بھی یہ تسلیم کیا گیا ہے کہ وہ خود بھی اپنے اندر وہی بات سوچ رہے تھے جو شیطان نے (نعوذ باللہ) آپکی زبان پر جاری کر دی۔ نہ ہم یہ مان سکتے ہیں کہ یہ حالت ایک ہی دن تک رہی اور اُسیدن آپنے رعایت کو منسوخ کر دیا۔ واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ بت پرستی کے ساتھ نبی کریم کی صلح کمل ہو چکی تھی۔ اور یہ ضروری ہے کہ کئی دنوں تک بلکہ اس سے بھی بہت زیادہ (یعنی مہینوں تک) یہی حالت رہی ہو کیونکہ اس افواہ کو ایک خاص صورت اختیار کر کے حبش تک پہنچنے اور پھر مہاجرین کے دلوں میں یقین پیدا کرنیکے لیے ایک مدت درکار تھی"۔ میور نے تو اور نیت سے یہ لفظ لکھے ہیں۔ مگر اس میں شک نہیں کہ اس ذریعہ سے اس قصہ کے جھوٹ یا سچ کو آسانی سے پرکھا جا سکتا ہے۔ میں اس بات کو تسلیم کرتا ہوں کہ اگر واقعی بت پرستی کی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے کبھی رعایت کی تو یہ چند لمحوں یا گھنٹوں کا کام نہ تھا۔ اور اسلیے سب سے اول اسیوجہ پر ہم اس حدیث کو وضعی کہہ سکتے ہیں جس میں یہ قصہ اس رنگ میں بیان کیا گیا ہے کہ یہ صرف چند گھنٹہ کا کام تھا

پس اس صورت میں بھی قصہ کو تو غلط ماننا پڑے گا مگر یہ دیکھنا ہوگا کہ آیا ممکن ہے یا نہیں کہ اس قصہ کی تہ میں کوئی ایسا واقعہ بھی ہو جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو پیش آیا ہو۔ اگر اسکی کوئی اصلیت ہے تو پھر یہ ماننا پڑے گا کہ جن خیالات نے جمع ہو کر آخر کار آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو اس بات پر آمادہ کیا کہ بتوں کی شفاعت کے مسئلے کو مان لیا جاوے۔ وہ خیالات ایک مدت سے آپکے دل میں جمع ہوتے رہے ہونگے۔ کیونکہ اس میں تو شک نہیں ہوسکتا کہ جب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے تبلیغ اور وعظ کا کام شروع کیا تو سب سے اول پیغام آپ کا یہی تھا کہ بت کچھ چیز نہیں ہیں اور اپنے پرستاروں کو خدا کے عذاب سے بچا نہیں سکتے۔ یہی وعظ آپ ایک عرصہ دراز تک کرتے رہے اور اس تبدیلی خیال کیلیے جو اس قصہ میں بیان کی گئی ہے ضروری تھا کہ پہلے خیالات کے برخلاف دوسرے خیالات بت پرستی کی مدح کے (نعوذ باللہ) آپکے دل میں بہت عرصہ تک آتے رہے ہوں۔ اب میور صاحب یہ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ قرآن کریم آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے دل کی حالتوں کی صحیح اور سچی تصویر پیش کرتا ہے پس اگر اس قسم کے مشرکانہ خیالات نعوذ باللہ کبھی آپکے دل میں آئے تھے اور مدت تک جمے رہے تو ضرور ہے کہ انکا عکس قرآن شریف میں موجود ہو اور اسی تحقیقات پر اس قصہ کے موضوع یا صحیح ہونیکا فیصلہ ہوسکتا ہے۔ ناظرین کو چاہیے کہ بطور خود ان تمام سور توں کو پڑھیں جو سورہ نجم سے پہلے اور پیچھے نازل ہوئیں اور انکے دل خود یقین سے بھر کر بول اٹھیں گے کہ بتوں کی مدح کا قصہ ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم پر بھاری بہتان ہے کیونکہ قرآن کریم کے ایک حرف میں بھی ایسے تبدیل خیال کا نشان موجود نہیں میں نے خود بھی ان سور توں کو پڑھا ہے اور مختصراً میں بیان کرتا ہوں کہ کس طرح شروع سے لیکر اخیر تک ایک ہی رنگ وحی الہی نے اختیار کیا ہے اور اسی بات پر زور دیا ہے کہ سب طاقت اور قدرت صرف صرف خدا کے ہاتھ میں ہی ہے اور بت اور دوسرے تمام معبود اور دوسری تمام چیزیں ہیچ ہیں ترتیب سور میں وہی اختیار کرونگا جو راڈویل نے اپنے ترجمہ قرآن میں کی ہے کیونکہ اس ترتیب سے میور کا اتفاق ہے +

قبل اس کے کہ میں قرآن کریم کے حوالے دوں میں ناظرین کو اسی رسالہ کی گذشتہ اشاعت کے مضمون کیطرف توجہ دلاتا ہوں جہاں میں نے دکھایا تھا کہ کس طرح کفار نے بار بار کوششیں کیں کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو طرح طرح کی ترغیبوں سے اور طرح طرح کی دھمکیوں سے راہ حق سے اور بتوں کی مذمت سے پھیریں کس طرح انہوں نے مال و دولت۔ عزت۔ مرتبہ۔ حکومت۔ عورتوں کا لالچ دینا چاہا اور آخر ناکام ہو کر قتل کی دھمکیاں دیں اور بالآخر قتل کے منصوبے کئے اور طرح طرح کی اذیتیں پہونچائیں مگر کیا کبھی ان میں سے کسی ایک بات کا اثر بھی آنحضرت کے قلب پر ہوا۔ یا ایک لمحہ کیلیے کبھی آپنے کفار کے مقابل خاموشی ہی اختیار کی اور بتوں کی مذمت کرنا تو ایک طرف رہا کیا کبھی مذمت کو ہی آپنے چھوڑا۔ نہیں اسوقت جب ابو طالب کے متعلق بھی آپکو یہ یقین ہوگیا کہ

اگر بتوں کی مذمت میں نہ چھوڑونگا تو وہ بھی ساتھ چھوڑ دیگا اس بے سروسامانی کیوقت میں اور تنہا دشمنوں کے درمیان موجود ہونیکے باوجود یہی الفاظ آپکے مُنہ سے نکلے کہ اگر سورج کو میرے دائیں اور چاند کو بائیں لاکر رکھ دیں تو بھی میں اس بات کو چھوڑ نہیں سکتا اور اس تبلیغ اور وعظ سے کہ بت کچھ چیز نہیں رک نہیں سکتا۔ یہ واقعات جو معتبر احادیث میں موجود ہیں اسیوقت کے قریب قریب آپکو پیش آئے جو سورہ نجم کے نازل ہونیکا وقت بیان کیا جاتا ہے پھر کسقدر ظلم ہے کہ ایک بے بنیاد قصہ کو پکڑ کر تمام تاریخی واقعات کو پھینکدیا جاوے +

اب قرآن کریم کیطرف رجوع کرو۔ راڈویل کی ترتیب کے مطابق سورہ نجم سے پہلے الواقعہ اور اس سے پہلے سورہ طور نازل ہوئی اِس سورة کی انتالیسویں آیت پڑھو۔ جہاں قرآنشریف انہی بت پرستونکا ذکر کرتا ہوا فرماتا ہے۔ ام لہ البنات ولکم البنون۔ کیا خدا کیلیے بیٹیاں اور تمہارے لیے بیٹے۔ اور سورہ نجم میں ومنٰوۃ الثالثۃ الاخرٰی کے بعد کی آیت یوں ہے الکم الذکر ولہ الانثٰی۔ جسکے وہی معنے ہیں جو سورہ طور کی آیت مذکورہ بالا کے بیان ہوئے۔ اب قصہ زیر بحث میں یہ کہا گیا ہے کہ سورہ نجم کی یہ آیت الکم الذکر ولہ الانثٰی پڑھنے کی بجائے آنحضرتؐ نے کوئی اور کلمات پڑھ دیئے۔ جن میں نعوذ باللہ بتوں کی شفاعت کو تسلیم کیا اور انکی مدح کی۔ جس سے غرض آپکی یہ تھی کہ کفار خوش ہو جاویں لیکن میں پوچھتا ہوں کہ جب پہلے سے قرآن کریم میں اسی آیت کے ہم معنی دوسری آیت موجود ہے اور رہتی تو دوسری آیت کو بدلا کر آنحضرتؐ کفار کو کس طرح خوش کر سکتے تھے۔ کفار قریش ایسے بیوقوف نہ تھے کہ صرف ایک جگہ آیت کے بدلجانیسے خوش ہو جاتے حالانکہ اس سے پہلی نازل شدہ آیتوں میں ویسے ہی یا اس سے بھی سخت تر الفاظ بتونکی مذمت کے موجود تھے ہاں اس صورت میں انکو شاید اطمینان ہو جاتا جب اسکے ساتھ ہی ایک اور آیت بھی نازل ہو جاتی یہ پہلی تمام آیتیں جن میں بتوں کی مذمت پائی جاتی ہے وہ سب آج سے منسوخ کیجاتی ہیں کیونکہ کفار بخوبی باخبر تھے کہ قرآن کریم میں بتونکی کیسی کیسی مذمت بھری پڑی ہے بلکہ اسی کی وہ بار بار شکایت بھی کرتے تھے اور انکو یہ بھی علم تھا کہ کوئی آیت بتونکی مذمت کی منسوخ نہیں ہو چکی پس اگر بفرض محال یہ بھی مان لیا جاوے کہ سورہ نجم کی آیت بدل گئی تو اس تبدیلی سے کفار کیونکر خوش ہو سکتے تھے۔ علاوہ ازیں یہ آیت اس امر پر شاہد ناطق ہے کہ سورہ نجم سے پہلے ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے دل میں اللہ تعالٰے کی وہی سچی عظمت اور بتونکی بے حقیقتی بھری ہوئی تھی۔ پھر اس آیت سے تین آیتیں آگے چلکر بت پرستی کی ان الفاظ میں تردید کی گئی ہے۔ ام لھم الٰہ غیر اللہ سبحٰن اللہ عما یشرکون۔ کیا خدا کے سوا کوئی اور بھی انکا معبود ہے پاک اور برتر ہے اللہ کی ذات اس سے جو یہ لوگ شرک کرتے ہیں۔ اور پھر اور آگے چلکر فرماتا ہے "اے پیغمبر تم انکو انکی اپنی حالت پر چھوڑ دو یہانتک کہ وہ عذاب کا دن انپر آوے۔ جسکی دہشت سے وہ بیہوش کیئے جاوینگے۔

اُس دن اِن کے مکروفریب کچھ بھی انکے کام نہ آوینگے اور نہ ہی انکے بتوں سے کوئی مدد انکو ملے گی" کیا ان الفاظ کے ہوتے ہوئے پادری صاحبان یہ کہنے کی جرات کرسکتے ہیں کہ آپکے دل میں اسوقت بت پرستی کی عظمت کے خیالات جاگزیں ہو رہے تھے۔

سورہ طور سے پیچھے چلیں تو الذریت ہے اسجگہ بھی بتونکی اسی بے حقیقتی پر زور دیاگیا ہے۔ "اور آسمان کو دیکھو ہم ہی نے اپنے ہاتھوں سے اسے بلند کیا اور ہم بڑی وسیع قدرت والے ہیں اور زمین ہم ہی نے اسکو بچھایا ہم کیسے اچھے بچھانیوالے ہیں پس اے لوگو تم اللہ ہی کیطرف بھاگو اور اسی کی پناہ لو میں اسکی طرف سے تمکو اسکے عذاب سے کھلا کھلا ڈرانیوالا ہوں۔ اور خدا کے ساتھ کوئی دوسرا معبود نہ ٹھہراؤ۔ میں اسکی طرف سے تمکو اسکے عذاب سے کھلا کھلا ڈرانیوالا ہوں" افسوس ہے کہ پادری صاحبان اپنے ذہن سے ہی عجیب عجیب باتیں اسلام کی تحقیر کیلیے گھڑتے رہتے ہیں اور واقعات کی مطلق پروا نہیں کرتے۔ ان دو سورتوں میں کونسی شہادت ہے جس سے یہ نتیجہ نکالا جاتا ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے دل میں بتونکی عظمت کا خیال آنا شروع ہوگیا تھا۔ اگر اس سے بھی اور پیچھے چلے جائیں تو بتوں اور بت پرستی سے وہی بیزاری اور اللہ تعالے پر وہی کامل اور مضبوط ایمان آنحضرت کا نظر آتا ہے۔ قل یاایہا الکٰفرون لا اعبد ما تعبدون ولا انتم عٰبدون ما اعبد ولا انا عابد ما عبدتم ولا انتم عٰبدون ما اعبد لکم دینکم ولی دین+ اور پھر اس بت پرستی سے بیزاری کے بعد خدا کی توحید کامل کو ان الفاظ میں بیان فرماتا ہے۔ قل ہو اللہ احد۔ اللہ الصمد لم یلد ولم یولد ولم یکن لہ کفوا احد+

پھر میور نے یہ لکھا ہے کہ سورہ والنجم کے بعد بھی مدت تک یہ خیالات آنحضرت کے دل میں رہے اور آخر آہستہ آہستہ دور ہوئے۔ اسکے لیے چند سورتیں بعد کی لے لو۔ راڈویل نے اسکے بعد المعارج۔ الرحمن۔ القمر اور والصفت کو رکھا ہے۔ اور جو شخص چاہے ان سورتونکو پڑھکر دیکھ سکتا ہے کہ آنحضرت کا قلب ہمیشہ ان خیالات سے پاک رہا ہے جو آپکی طرف اس قصہ میں منسوب کیے گئے ہیں۔ فذرہم یخوضوا ویلعبوا حتی یلقوا یومہم الذی یوعدون۔ اور بل الساعۃ موعدہم والساعۃ ادہی وامر۔ اور ولقد اہلکنا اشیاعکم فہل من مدکر۔ اور انا کذلک نفعل بالمجرمین انہم کانوا اذا قیل لہم لا الہ الا اللہ یستکبرون۔ ویقولون ائنا لتارکوا الٰہتنا لشاعر مجنون۔ اور ایسا ہی اور بہت سی آیات ہیں جنسے قرآن کریم بھرا پڑا ہے۔ دوسری طرف ہمیں ایک لفظ بھی ایسا نہیں ملتا نہ سورۃ والنجم سے پہلے اور نہ بعد جس سے یہ نتیجہ نکالا جاسکے کہ معاذ اللہ آپ بت پرستی کے قایل ہونے شروع ہوگئے تھے۔ نہ ہی صرف اس ایک قصہ کو الگ چھوڑکر حدیث میں کوئی ایسا لفظ پایا جاتا ہے۔ اور وہ روایت بھی جسکا موضوع ہونا میں مختلف وجوہ سے ثابت کر چکا ہوں میور کے

معلا
علام

قول کی مصدق نہیں۔

مگر سب سے بڑی شہادت اس قصہ کے موضوع ہونیکی خود اسی سورہ والنجم سے ہی ملتی ہے۔ان دو فقرونکو تلک الغرانیق العلی وان شفاعتہن ترتضی۔ہم بھی شیطانی ہی کہتے ہیں کیونکہ یہ کسی مفتری کے بنائے ہوئے ہیں اور میں یہ دکھاؤنگا کہ اس سورت کے باقی مطالب کو مدنظر رکھکر کوئی شخص یہ خیال نہیں کرسکتا کہ یہ دو فقرے کبھی اس سورت کا جزو بھی ہوسکتے تھے۔یا یہ کہ باقی تمام آیات کے ہوتے ہوئے کفار ان دو فقروں سے خوش ہوسکتے تھے۔چنانچہ ان آیات پر غور کرنیسے معلوم ہوتا ہے کہ دو حالتوں سے چارہ نہیں۔یا یہ کہ یہ فقرے کبھی سورہ نجم میں داخل ہی نہیں ہوئے اور یا اگر یہ کبھی داخل تھے تو اسوقت یہ سورت انہیں دو فقرونکی بنی ہوئی تھی۔کیونکہ باقی تمام آیات کا مضمون ان فقرونکے مضمون کی تردید کرتا ہے۔میں نے اس سورت کو بار بار پڑھا ہے اور میں حیران ہوں کہ باقی آیات کے ہوتے ہوئے یہ فقرے اس سورت میں کیونکر رہ سکتے تھے اور چونکہ یہ یقینی امر ہے کہ کل کی کل سورت کفار کے روبرو پڑھی گئی تھی پس ہمارے مطلب کے لیے صرف اسیقدر کافی ہوگا کہ اگر ایک آیت اس سورت کی بھی ان فقرونکے مضمون کی صریح الفاظ میں تردید کرتی ہو تو یہ نتیجہ قطعی ہوگا کہ یہ دو فقرے کسیوقت بھی اس سورت میں داخل نہ تھے +

اول میں سیل صاحب کے اعتراض کو ہی لیتا ہوں وہ کہتا ہے کہ پہلے کفار کے روبرو یہ دو فقرے ہی پڑھے گئے تھے تلک الغرانیق العلی وان شفاعتہن ترتضی۔مگر بعد میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے انکو نکالکر انکی بجائے یہ آیت ڈالدی۔الکم الذکر ولہ الانثی۔وہ گویا اس بات کو تسلیم کرتا ہے کہ سورت کی باقی تمام آیات اسی طرح رہیں اور صرف اسی ایک آیت میں ہی تبدیلی ہوئی۔اسکی بحث کے روسے یہ ماننا پڑتا ہے کہ کفار کے روبرو آنحضرت نے سورہ نجم کے اس حصہ کو یوں پڑھا۔افرءیتم اللٰت والعزّٰی ومنٰوۃ الثالثۃ الاخرٰی۔تلک الغرانیق العلیٰ وان شفاعتہن ترتضی۔ان ہی الا اسماء سمیتموہا انتم وآباؤکم ما انزل اللہ بہا من سلطٰن ان یتبعون الا الظن وما تہوی الانفس ولقد جاءہم من ربہم الہدٰی ام للانسان ما تمنّٰی فللہ الاٰخرۃ والاولی۔وکم من ملک فی السمٰوٰت لا تغنی شفاعتہم شیئًا الا من بعد ان یاذن اللہ لمن یشاء ویرضٰی + جسکے معنے یہ ہونگے۔بھلا تمنے لات اور عزی اور اس تیسرے بت منات کے حال پر بھی نظر کی یہ بلند مرتبہ ہنس ہیں جنکی شفاعت پسندیدہ ہے یہ تو نرے نام ہی نام ہیں جو تمنے اور تمہارے بڑوں نے اپنی طرف سے رکھ لیے ہیں خدا نے انکے معبود ہونیکی کوئی سند نہیں اتاری۔یہ لوگ (یعنی مخاطب قریش) اپنی اٹکلوں اور نفسانی خواہشوں پر چلتے ہیں۔حالانکہ پروردگار کیطرف سے انکے پاس ہدایت بھی آچکی ہے۔کیا انسان کو وہ بات ملجاتی ہے جسکی وہ

خواہش کرتا ہے۔ آخرت اور دنیا تو سب کچھ خدا کے ہاتھ ہی ہے (اور یہ بت تو ایک بالکل بے حقیقت چیز ہیں) کتنے فرشتے آسمانوں میں بھرے پڑے ہیں کہ انکی سفارش بھی کچھ کام نہیں آتی مگر اگر خدا کسی کی نسبت چاہے اور اجازت دے اور پسند فرمائے" سیل کی تردید کی اس سے بڑھکر کوئی ضرورت نہیں رہتی۔ اور یہ ترجمہ ہی اسکی حماقت اور نادانی کے اظہار کے لیے کافی ہے۔

اس زد سے بچنے کے لیے جو سیل صاحب نے نادانی سے اپنے اوپر وارد کی ہے واضعین قصہ نے یہ بات گھڑی ہے کہ یہ کل کی کل آیات جو مینے اوپر نقل کی ہیں ان سب کو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے چھوڑ کر کل کی بجائے صرف یہی دو فقرے پڑھ دیئے تھے۔ مگر اس سے بھی انکی غرض پوری نہیں ہوئی۔ ہاں اگر یہی کہدیتے کہ ساری سورت ہی نہیں پڑھی تھی اور صرف یہی دو فقرے پڑھے تھے تو انکی بات کچھ بن جاتی۔ اس روایت میں جو اوپر نقل کی گئی ہے یہ کہا گیا ہے کہ دوبارہ لمن یشاء ویرضی تک کلام نازل ہوا جو پہلے نازل نہ ہوا تھا اس بات کو بھی اگر دلیل کی خاطر ہم تسلیم کریں تو آگے پھر وہی مشکل ہے کیونکہ پھر صورت آیات کی یہ ہوگی کہ بتونکی عظمت اور شفاعت کو تسلیم کرنیکے بعد ساتھ ہی یہ الفاظ سنائے گئے ہونگے۔ ان الذین لا یومنون بالآخرۃ لیسمون الملئکۃ تسمیۃ الانثی وما لھم بہ من علم ان یتبعون الا الظن وان الظن لا یغنی من الحق شیئًا۔ یعنی جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں لاتے وہی فرشتونکو عورتونکے نام دیتے ہیں۔ اور انکو کوئی بھی علم نہیں بلکہ اٹکلونکے پیچھے چلتے ہیں اور اٹکل حق کے سامنے کچھ بھی کارآمد نہیں۔ اس آیت میں یہ اشارہ ہے کہ یہ جو عرب کی دیویاں تھیں انکو یہ لوگ ملائکہ کے مظہر کہا کرتے تھے کیونکہ وہ ملائکہ کو بھی مؤنث ہی سمجھتے تھے اور خدا کی بیٹیاں کہتے تھے۔ گویا اس جگہ پھر بتونکی شفاعت اور انکی عظمت کی تردید ہے۔ کیونکہ اس امر کو جیسا کہ اس سے پہلے بھی ظن کہا گیا ہے یہان پھر ظن ہی کہا گیا ہے یعنی کفار کو واقعی تو کوئی علم نہیں کہ انکی دیویاں ملائکہ کی مظہر ہیں کہ نہیں صرف ایک بات انہوں نے اپنے دل میں فرض کر رکھی ہے مگر اس اٹکل سے وہ بچ نہیں سکتے کیونکہ خدا کی توحید تو حق امر ہے اور بتونکو ساتھ شریک یا شفیع ٹھہرانا محض اٹکل بازی نہ یہ بات ہی حق ہے اور نہ اسکی انکے پاس کوئی دلیل ہی ہے پھر آگے فرمایا فاعرض عن من تولّٰی عن ذکرنا یعنی جو شخص ہماری یاد سے روگردانی کرتا ہے تو بھی اس سے اعراض کر۔ اور اسکی طرف توجہ بھی نہ کر۔ اب جیسا کہ کہا جاتا ہے اگر کفار واقعی آنحضرت کو مان چکے تھے تو یہاں خدا کس سے اعراض کرنیکا حکم دیتا ہے۔ اور جب بتونکی عظمت کو مان لیا گیا تو وہ کون شخص عرب میں باقی رہ گیا تھا جسکی نسبت خدا فرماتا ہے کہ وہ ہمارے ذکر سے منہ پھیرتا ہے کیونکہ خدا کو تو وہ لوگ پہلے بھی مانتے تھے۔ صرف نقص یہ تھا کہ وہ کہتے تھے کہ بت ہماری شفاعت کرینگے اور وہ خدا کے نزدیک بلند مرتبہ رکھتے ہیں جب ان دونوں باتونکو آنحضرت نے تسلیم کر لیا تو اب

من تولی عن ذکرنا کسکو کہہ رہے تھے اور کفار کیسے احمق تھے کہ وہ وہی الفاظ سن رہے تھے جو آجتک سنتے رہے اور پھر بھی انھوں نے نہ کہا کہ ابھی تو آپ بتونکی شفاعت اور عظمت کو مان چکے ہیں اور اب یہ کیا کہہ رہے ہیں یہ تعجب کا مقام ہے کہ جس عقیدہ کے سبب کفار کو برا کہا جاتا تھا اس عقیدہ کی صحت کو تو نبی کریم تسلیم کریں اور پھر الفاظ وہی۔ اور پھر آگے قرآن شریف فرماتا ہے۔ ان ربک ہو اعلم بمن ضل عن سبیلہ و ہو اعلم بمن اھتدی۔ تیرا پروردگار جانتا ہے کہ اسکی سچی راہ سے بھٹکا ہوا کون ہے اور وہ اسکو بھی جانتا ہے جو راہ راست پر ہے۔ کیا خوب۔ ایسا بھٹکا ہوا کون تھا۔ اور راہ راست پر کون مذہب تو سب ایک ہو چکا تھا کیونکہ کہا تو یہ جاتا ہے کہ آنحضرت بھی اسی راہ کو اختیار کر چکے تھے جسکی آجتک وہ مذمت کرتے رہے تھے۔

پھر اور آگے چلو۔ وہی خدائے واحد کی توحید اور عظمت اور بتونکی بے حقیقتی اور زمین و آسمان کی کسی چیز میں شریک نہ ہونا نظر آتا ہے۔ ام لم ینبأ بما فی صحف موسیٰ و ابراہیم الذی وفیٰ الا تزر وازرۃ وزر اخریٰ و ان لیس للانسان الا ما سعیٰ۔ کیا اسکو ان باتونکی خبر نہیں پہونچی جو موسےٰ کے صحیفوں میں ہیں۔ اور نیز ابراہیم کے جنہوں نے کل احکام الٰہی کی پوری فرمانبرداری کی۔ کہ کوئی دوسرے کے گناہ کا بوجھ نہیں اٹھائیگا اور یہ کہ انسان کو اتنا ہی ملیگا جتنی اسنے کوشش کی۔" بت پرست یہ کہتے تھے کہ ہمارے گناہ بتونکی سفارش سے معاف کر دیئے جاوینگے اور اسیکو وہ شفاعت سمجھتے تھے اور یہی دراصل انکی بدکاریونکی جڑ تھی جیسا کہ آجکل عیسائی بھی اسی بات پر زور دیتے ہیں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ انکا بت مسیح ہے۔ لات اور عزیٰ نہیں۔ جبتک پہلے یہ عقیدہ کفار کا دور نہ کر دیا جاتا اسوقت تک کوئی امید نہ تھی کہ وہ اصلاح پر آسکیں۔ اب یہ آیت صاف طور پر بتاتی ہے کہ اسی سورہ نجم میں ہی بتونکی شفاعت کا انکار ہے کیونکہ صاف طور پر کہا گیا ہے کہ انسان کا اپنا عمل ہی کام آویگا اور کسی بت یا مسیح کی سفارش کام نہ آویگی۔ اسقدر ظاہر الفاظ کے ہوتے ہوئے یہ کسقدر جرات ہے کہ کہدیا جاوے کہ آنحضرتؐ نے بتونکی شفاعت کو تسلیم کر لیا تھا اور بفرض محال اگر کر بھی لیا تھا تو کفار بھی عجیب احمق تھے کہ وہ اس آیت پر بھی یہ نہ بول اٹھے کہ ابھی تو آپ بتونکی شفاعت کو تسلیم کر آئے ہیں اور ابھی اس سے انکار کرتے ہیں میں تو جوں جوں اس سورت کو پڑھتا ہوں حیران ہی ہوتا ہوں کہ ان لوگوں نے جنہوں نے اس قصہ کی صحت کو تسلیم کیا ہے قرآن شریف پر ایک لحہ کیلئے بھی غور نہیں کیا۔ اس سورت کا ایک ایک لفظ بت پرستی اور بتونکی شفاعت کی تردید کر رہا ہے۔

اب اور آگے چلئے۔ تو ایک ایک لفظ سے پایا جاتا ہے کہ کل عظمت اور جلال اللہ کیلئے ہی ہے اور دنیا میں ہر ایک کاروبار کا کرنیوالا وہی ہے۔ بت نہ کسی کو مدد دیسکتے ہیں نہ مالدار کر سکتے ہیں نہ عذاب دیسکتے ہیں نہ عذاب سے بچا سکتے ہیں۔ اللہ تعالےٰ ہی ان سب کاموں کا کرنیوالا ہے۔ فرمایا۔ وان الی

ربک المنتھیٰ وانہ ہو اضحک وابکیٰ وانہ ہو امات واحییٰ وانہ خلق الزوجین الذکر والانثیٰ من نطفۃ اذا تمنیٰ وان علیہ النشاۃ الاخریٰ۔ وانہ ہو اغنیٰ واقنیٰ وانہ ہو رب الشعریٰ وانہ اہلک عادا الاولیٰ۔ وثمودا فما ابقیٰ۔ وقوم نوح من قبل انہم کانوا ہم اظلم واطغیٰ۔ والموتفکۃ اھویٰ۔ فغشّٰھا ما غشّٰی۔ فبای اٰلاء ربک تتماریٰ۔ ہٰذا نذیر من النذر الاولیٰ ازفت الآزفۃ۔ لیس لہا من دون اللہ کاشفۃ افمن ہذا الحدیث تعجبون۔ وتضحکون ولا تبکون وانتم سامدون۔ فاسجدوا للہ واعبدوا + یہ کہ سب امور کا منتہی اللہ تعالیٰ کی طرف ہی ہے اور خدا ہی ہے جو ہنساتا اور رلاتا ہے۔ اور خدا ہی ہے جو مارتا اور جلاتا ہے اور خدا ہی ہے جو نطفہ سے جب وہ رحم مادہ میں پہونچایا جاتا ہے نر و مادہ دو جوڑے پیدا کرتا ہے اور خدا ہی ہے جسنے آخرت میں جلا اٹھانا ہے اور خدا ہی ہے جو مالدار اور صاحب سرمایہ کرتا ہے اور خدا ہی ہے جو شعری ستارے کا مالک ہے۔ (ان سب آیات میں بت پرستی کی لفظ لفظ میں تردید کی ہے) اور خدا ہی ہے جسنے عاد اولیٰ کو ہلاک کیا۔ اور ثمود کو بھی یہانتک کہ ان میں سے کوئی نہ چھوڑا۔ اور ان سے پہلے قوم نوح کو بھی ہلاک کیا۔ کیونکہ خود وہی بڑے ظالم اور سرکش تھے اور الٹی ہوئی بستیونکو بھی اسی نے الٹا دیا۔ سو ان پر جو تباہی آئی سو آئی۔ اے انسان تو اپنے پروردگار کی کونسی نعمتوں میں شک کریگا۔ یاد رکھو جیسے پہلے عذاب الٰہی سے ڈرانیوالے گذرے ہیں ویسا ہی عذاب سے ڈرانیوالا یہ رسول بھی ہے۔ یاد رکھو کہ وہ ہولناک گھڑی قریب آگئی ہے۔ سوائے خدا کے کوئی نہیں جو اسکی مصیبت کو ٹال سکے۔ کیا تم لوگ اسبات سے تعجب کرتے ہو اور ہنستے ہو اور روتے نہیں اور تم بکے بکے رہگئے ہو۔ چاہئیے کہ خدا ہی کے آگے سجدہ کرو اور اسی کی عبادت کرو۔

اگر شفاعت کے مفہوم کو سمجھ لیا جاوے تو اور بھی اس قصہ کا جھوٹ ہونا واضح ہو جاتا ہے۔ بتونکی شفاعت سے جیسا کہ میں پہلے بھی بیان کر چکا ہوں۔ بت پرستونکا یہ منشا تھا۔ کہ جس عذاب کی دھمکیاں بار بار نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم دیتے ہیں وہ عذاب اس شفاعت کیوجہ سے ٹلجائیگا پس بتونکی شفاعت کا تسلیم کرنا یہ معنے رکھتا تھا کہ جس عذاب سے ابتک کفار کو ڈرایا جاتا تھا وہ اب نہیں آئے گا۔ پر کیا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے یہ مان لیا۔ کم از کم اگر عذاب الٰہی کا اس سورت میں کوئی ذکر نہ ہوتا تو بھی مخالفین کو ایک تنکا پکڑنیکی گنجائش تھی۔ مگر اللہ تعالے نے اپنے علم غیب سے کہ آنحضرت پر یہ الزام لگایا جاویگا اس سورت میں وہ تمام باتیں جمع کر دی ہیں جو بتونکی شفاعت کے منافی ہیں۔ اور ان میں سب سے آخر وعدہ عذاب ہے۔ اور صرف وعدہ عذاب ہی نہیں بلکہ بصراحت تمامتر یہ بھی بیان کر دیا کہ خدا کے سوا کوئی تمہارا بت اسکو ٹال نہیں سکتا اور وہ مصیبت کی گھڑی ضرور ضرور تمپر آوے گی۔ کسقدر صاف الفاظ میں انکو سمجھایا گیا کہ بڑی بڑی طاقتور قوموں عاد اور ثمود کو ہلاک کیا گیا۔ اور نوح کی قوم غرق کی گئی۔ اور بستیونکی بستیاں تہ و بالا کر دی گئیں۔ یہ نہ سمجھو کہ اب

کہ اب تمہارے لئے خدا کا وعید پورا نہ ہوگا۔ ضرور ہوگا۔ اور تمہارا کوئی بت تمہاری مدد کر کے اس عذاب کو ٹال نہیں سکیگا۔ ہاں اگر بچنا چاہتے ہو تو اکیلے خدا کے آگے سجدہ کرو اور اسی کی عبادت کرو۔ کہاں ہے وہ شفاعت جسپر پادری صاحبان قرآن کریم کی ناواقفیت کیوجہ سے اسقدر زور دیتے ہیں میں نہیں سمجھتا کہ اس سے زیادہ کھلا انکار بتوں کی شفاعت کا اور کیا ہو سکتا ہے۔ ہاں جو شخص تعصب کی پٹی آنکھوں پر باندھ لے اسکا اختیار ہے جو چاہے کہے مگر جو شخص غور کر سکتا ہے وہ غور کرے کہ اس قصہ میں کس قدر جھوٹ سے کام لیا گیا ہے۔

اور بھی بہت سی باتیں ہیں جن پر الگ الگ غور کرنیسے اس قصہ کا وضعی ہونا ثابت ہوتا ہے اسی سورۃ کے ابتدا میں اللہ تعالے فرماتا ہے:۔ وما ینطق عن الھوی ان ھو الا وحی یوحی یعنی پیغمبر اپنی خواہش سے کوئی بات نہیں کہتا بلکہ ہر ایک لفظ جو وہ کہتا ہے وہ وحی ہے جو خدا کیطرف سے وحی کیجاتی ہے۔ کس قدر تعجب ہے کہ قرآن شریف تو آنحضرت کو اس الزام سے بری کرے کہ وہ اپنی خواہش سے باتیں بنا کر کہدیتے ہیں اور قصہ کے بنانیوالے یہ الزام لگاویں کہ چونکہ آنحضرت کی یہ خواہش تھی کہ کچھ بتوں کی بھی تعریف کردیجاوے اسلیے خدا کی وحی کو نعوذ باللہ آپ نے خود اپنی خواہش نفس سے بدلدیا۔ جو شخص قرآن کریم کو قبول کرتا ہے اسے اس قصہ کو یقیناً وضعی ٹھہرانا پڑیگا۔ اور خدا نے قرآن شریف میں بار بار یہ بھی فرمایا ہے کہ شیطان کو اسکے نیک اور مخلص بندوں پر کوئی تسلط نہیں دیا جاتا۔ پس یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ وہ اسقدر تسلط پاجاوے کہ خدا کے کلام کی بجائے اپنا کلام نبی کے منہ میں ڈالدے نعوذ باللہ من ذلک۔ ایسا ہی سورۃ جن میں اللہ تعالے فرماتا ہے:۔ فلا یظھر علی غیبہ احدا الا من ارتضی من رسول فانہ یسلک من بین یدیہ ومن خلفہ رصدا لیعلم ان قد ابلغوا رسلت ربھم یعنی اللہ تعالے اپنا غیب کسی پر ظاہر نہیں کرتا مگر برگزیدہ پیغمبران میں سے جسپر چاہے ظاہر کرتا ہے۔ اور رسولوں کے آگے اور پیچھے وہ فرشتوں کے پہرے رکھتا ہے تاکہ دیکھ لے کہ پیغمبروں نے اپنے پروردگار کے پیغام کو ٹھیک ٹھیک لوگوں تک پہونچادیا۔ اس آیت سے صاف ظاہر ہے کہ جبتک لوگوں تک خدا کی اتاری ہوئی کلام نہیں پہنچ جاتی اس میں کسی قسم کا تغیر و تبدل نہیں ہو سکتا پس وہ قصہ جسکے رو سے قبل از ابلاغ ہی وحی کے الفاظ میں تغیر آگیا۔ قرآن کریم کے رو سے باطل اور غلط ٹھہرتا ہے۔

یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ عرب کے بت پرست یہی سمجھتے تھے۔ کہ انکے بتوں کو خدا نے طاقت دے رکھی ہے اور انکی شفاعت کا اعتقاد رکھتے تھے پس اگر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم بتوں کی عظمت اور شفاعت کو مان لیتے تو معاذ اللہ گویا انہوں نے کامل بت پرستی کا مذہب اختیار کرلیا ہوتا۔ اس صورت میں وحی الہی کے کیا معنے۔ کیونکہ وحی کا نزول تو بت پرستی کی بیخکنی کیلیے شروع ہوا تھا اور یہی آنحضرت کا دعوے تھا پس جب بت پرستی ہی حق ہوگئی تو نہ وحی ہی رہی اور نہ نبی ہی رہا۔ اس صورت میں تو یہ لازم آتا تھا کہ جسقدر قرآن کریم

اسوقت تک نازل ہو چکا تھا اس سب کو بت پرستی کی مذمت کے سبب سے معاذاللہ غلط سمجھ کر بالکل ترک کر دیا جاتا۔ اور تمام مسلمان پھر اپنے آبائی مذہب بت پرستی میں داخل ہوکر تمام جماعت درہم برہم ہو جاتی اور اس صورت میں خبر یہ مشہور ہونی چاہیئے تھی کہ تمام مسلمانوں نے بت پرستی کا مذہب اختیار کر لیا ہے نہ یہ کہ کفار مسلمان ہو گئے ہیں۔ اور وہ مسلمان جنہوں نے بت پرستی کو ترک کر کے نہایت سخت مصیبت اور تکلیفیں اٹھائی تھیں اور ہر طرح سے کفار کے ظلموں کا نشانہ بنے تھے کیا وہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے نہ پوچھتے کہ آپ نے اتنے برس ہم سے بت پرستی چھڑوا کر ہمکو طرح طرح کی مصائب میں ڈالا۔ گھروں سے الگ کیا جایدادیں چھڑائیں۔ رشتہ داروں کو دشمن بنایا۔ اور اب آپ پھر ہمیں اسی بت پرستی کی تعلیم دیتے ہیں۔ ایک غور کرنیوالا انسان آسانی سے سمجھ سکتا ہے کہ اگر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک لحہ کیلیے بھی بتوں کی شفاعت کو تسلیم کر لیا ہوتا تو ضرور یہ سب باتیں فی الفور وقوع میں آجاتیں۔ مگر چونکہ یقینی امر ہے کہ ان میں سے کوئی بات بھی واقع نہیں ہوئی اسلیے یہ یقینی اور قطعی نتیجہ ہے کہ یہ قصہ اسلام کے دشمنوں کا افترا ہے اور جب مشہور ہو گیا تو بعض غیر محتاط مسلمانوں کے اندر بھی مشہور ہو کر مان لیا گیا۔ جیسا کہ اور بہت سی وضعی احادیث مشہور ہو کر مان لی گئی تھیں جبتک کہ بڑے بڑے محققین نے کوشش کر کے اسکے جھوٹا ہونیکو ظاہر نہیں کیا۔ دوسری طرف جیسا کہ اس قصہ سے پایا جاتا ہے یہ بھی معلوم نہیں ہوتا کہ کسیوقت کفار قریش واقعی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے متبع ہو گئے ہوں۔ اور قرآن کریم کو وحی الہی سمجھکر اپنی مجلسوں میں پڑھنا شروع کر دیا ہو۔ یا اسکی چند سورتیں مسلمانوں کی طرح حفظ کر لی ہوں یا مسلمانوں کی طرح نمازیں پڑھنی شروع کر دی ہوں اور جماعت میں شریک ہونے لگ گئے ہوں۔ خواہ ایک آدھ دن کیلیے ہی سہی۔ میں نہیں سمجھتا کہ کوئی سمجھدار آدمی ان واقعات کی موجودگی میں اس قصہ کو صحیح سمجھے گا۔

دو امر باقی ہیں جنپر کچھ روشنی ڈالنے کی ضرورت معلوم ہوتی ہے۔ پہلا سوال یہ ہے کہ جب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے سورہ نجم پڑھی تو کفار جو سن رہے تھے وہ سجدہ میں کیوں گر گئے۔ اس سورت کے آخری رکوع میں خدا ے تعالے کی عظمت اور جلال کا خاص طور پر ذکر ہے اور یہ بیان کیا گیا ہے کہ کیونکر اسکی غیرت نے اور اسکے غضب کی آگ نے ان لوگوں کو بھسم کر دیا۔ جنہوں نے اللہ تعالے کی عظمت اور جلال کو تسلیم نہ کیا بلکہ مخالفت پر ہی لگے رہے۔ چنانچہ رکوع کے ابتدا میں خدا ے تعالے کی طاقتوں کا بیان کر کے اخیر میں ان مغضوب قوموں کا حال بیان کیا ہے۔ جنہوں نے انبیا کی نصیحتوں کو نہ مانا اور الٹا ان پر ٹھٹھا کیا۔ کیونکر عاد اور ثمود اور نوح کی قوم ہلاک کی گئی کیونکہ انہوں نے خدا کے احکام سے سرکشی کی۔ کیونکر ان بستیوں کا تختہ الٹا کر ایک دم میں ہی انکو ہلاک کر دیا گیا کیونکہ انہوں نے بدکاری اور بت پرستی کو نہ چھوڑا

اور یہ سب باتیں بیان کرنیکے بعد کفار کو مخاطب کر کے یوں فرمایا گیا کہ یہ مت سمجھو کہ پہلے لوگ نبیونکی مخالفت سے ہلاک ہو گئے تو تم بچ رہو گے۔ تمہارا وقت اب قریب آ گیا ہے اور اس گھڑی کی خطرناک مصیبت کو تمہارے سر سے کوئی بھی سوائے خدا کے ٹال نہیں سکتا۔ یہ خالی نصیحت کی باتیں نہ تھیں جو وہ لوگ سنتے اور لاپروائی سے اٹھ جاتے یہ ایک خطرناک مصیبت کی خبر تھی۔ لفظ کیا تھے۔ گویا بجلی کی کڑک تھی اور اس سراسیمگی اور خوف کی حالت میں اللہ تعالےٰ نے سورت کو ان الفاظ پر ختم فرمایا۔ کہ یہ خبر جو تمکو دی گئی ہے۔ اس سے تعجب مت کرو۔ یہ رونے کا وقت ہے اور ہنسنے کا نہیں۔........
...... خدا کو سجدہ کرو۔ اور اسی کی عبادت کرو۔ تا وہ اس عذاب کو تمہارے سر سے ٹال دے۔
ان الفاظ پر پہونچکر آنحضرت سجدے میں گر گئے اور آپکے ساتھ کل مسلمان بھی۔ ایکطرف اس نظارے کا اثر جادو کی طرح ہوا۔ دوسریطرف وہ عذاب کے وعید سے مرعوب ہو رہے تھے ان دونوں باتوں نے مل ملا کر ایک فوری اثر کفار پر کیا کہ وہ بھی بے اختیار خدا کے آگے سجدے میں گر گئے۔

یہ قرآن کریم کا ایک معجزہ تھا اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی صداقت کا ایک عظیم الشان نشان۔ اس سے پہلے بھی عذاب کے وعید کو قریش محض لاپروائی سے سنتے تھے۔ بلکہ انکے دل اندر ہی اندر سے کھائے جا چکے تھے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی بددعا سے وہ بہت ڈرتے تھے اور اس قسم کے کئی واقعات احادیث اور سیرت کی کتابوں میں بیان کئے گئے ہیں۔ ایک دفعہ جب آپ کفار کی مجلس کے پاس سے گذرے تو آپ پر استہزا کیا گیا لیکن جب آپ واپس آکر ٹھیر گئے تو کسی کو بات کرنیکی جرأت نہ ہوئی کیونکہ وہ خوف کرتے تھے کہ شاید آپ بددعا کریں۔ ایک دفعہ جب حضرت عمرؓ نے آپکے قتل کا ارادہ کیا تو وہ جنگل میں چھپے رہے کہ جب آپ رات کو نماز کیلئے نکلینگے تو اسوقت مارونگا۔ جب آدھی رات کے قریب ہوئی تو جنگل میں سے لا الہ الا اللہ کی آواز آنی شروع ہوئی۔ وہ سمجھ گئے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم آئے ہیں۔ جب انکے پاس سے آپ گذر گئے تو وہ بھی آپکے پیچھے پیچھے چلے۔ اور پھر خیال کیا کہ سجدے میں جائینگے تو اسوقت مارونگا۔ سجدے میں آپکی دعاؤں اور گریہ وزاری نے ایسا اثر حضرت عمر پر کیا کہ وہ آگے بڑھنے کی جرأت نہ کر سکے جب آپ نماز سے فارغ ہو کر واپس چلے تو حضرت عمر پھر آپکے پیچھے ہوئے۔ آخر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے پھر کر کہا کہ اے عمر تو نہ دن کو میرا پیچھا چھوڑتا ہے نہ رات کو۔ حضرت عمر فرماتے ہیں۔ میں نے سمجھا کہ اب مجھ پر بددعا کرینگے۔ سو انہوں نے کہا کہ آپ مجھ پر بددعا نہ کریں اور میں پھر آپ کو تکلیف نہ دونگا۔ ایسا ہی جب عتبہ بن ربیعہ کفار کا پیغام لیکر آپکے پاس پہونچا تو آپنے جواب میں سورہ حم السجدہ پڑھنی شروع کی جب آپ اس آیت پر پہونچے فان اعرضوا فقل

انذرتکم صٰعقۃ مثل صٰعقۃ عاد وثمود۔ تو عتبہ نے آپکے منہ پہ ہاتھ رکھدیا اور رحم کا واسطہ دیکر عرض کیا کہ اور کچھ نہ کہیں۔ پھر جب قریش اس سے ملے تو انہوں نے کہا کیا تو صابی ہوگیا ہے۔ وہ غضبناک ہوکر بولا کہ نہیں میں نے سب کچھ کہا اور جو جواب آپنے مجھے دیا وہ نہ شعر ہے نہ سحر ہے اور نہ کہانت ہے۔ اور جب آپ ان الفاظ پر پہونچے صاعقۃ مثل صاعقۃ عاد وثمود۔ تو مینے آپکے منہ پر ہاتھ دیا اور رحم کا واسطہ دیا کہ یہ نہ کہیں۔ اور میں یقیناً جانتا ہوں کہ محمد صلے اللہ علیہ وسلم جب کچھ کہتے ہیں تو جھوٹ کبھی نہیں کہتے اور میں ڈرگیا کہ ہم پہ عذاب نازل ہو۔" یہ بالکل سچ ہے جیسا کہ میں پہلے بھی کہہ چکا ہوں اور جیسا کہ ان واقعات سے ظاہر ہے کہ قریش کے دلوں میں آپکی صداقت رچی ہوئی تھی اور شروع سے ہی انکے دلوں میں یہ کھٹکا پیدا ہوگیا تھا کہ جو کچھ آپ کہتے ہیں وہ ہو کر رہے گا۔ پس ضروری تھا کہ اس طرح بالمشافہ جب انہوں نے اس پیشگوئی کو آنحضرت کے منہ سے سنا تو وہ مرعوب ہوجاویں اور اس خالق کے آگے اپنے سر جھکادیں جسکے وجود کے وہ پہلے بھی منکر نہ تھے۔

درحقیقت قرآن کریم کے اندر ایک ایسا اعجاز تھا کہ بعض وقت خالی اسکے پڑھے جانیسے ہی سامعین پر اسکی صداقت کا اثر ہوتا تھا اور پھر ساتھ اسکے کلام ایسا فصیح وبلیغ کہ کفار بھی اسکے آگے سجدہ میں گرجاتے تھے اسی لیے اسکے اعجازی اثر کیوجہ سے ہی قریش نے حضرت ابوبکر کو اپنے گھر سے باہر نکلکر قرآن شریف پڑھنے سے روکدیا تھا کیونکہ اسکا اثر سامعین پر ہوتا تھا اور اس کلام میں ایک کشش تھی اور انکو اندیشہ تھا کہ لوگ مسلمان ہوتے چلے جائینگے۔ ان باتوں سے قیاس ہوسکتا ہے کہ جب خود مہبط وحی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کفار کی ایک مجلس میں اس سورہ شریفہ کو پڑھا ہوگا تو اسکا کیسا اثر ہوا ہوگا۔ ایک طرف کلام کا اعجازی اثر اور دوسری طرف مضمون بھی وہ جو کفار کے دل کو کھا جانیوالا تھا۔ پہلی قومیں کس طرح عذاب الٰہی سے ہلاک کی گئیں کہ انکا نام ونشان بھی نہ رہا۔ وہ وقت تمپر بھی آنیوالا ہے۔ پس اس ایک خدا کی طرف رجوع کرو جو تمہارا خالق ہے اور جو اس عذاب سے تمہیں بچا سکتا ہے۔ اس اعجازی اثر اور خوف کے نیچے ایک لمحہ کیلیے قریش اپنی مخالفت کو بھول گئے اور اپنے ماتھے زمین پر خدائے ذوالجلال کے آگے رکھدیئے کیونکہ اسکی ہستی کے تو وہ بھی قایل تھے اور خدا کو سجدہ کرنا وہ برا بھی نہ سمجھتے تھے خود سوچ لو کہ ان دو باتوں میں سے کونسی اغلب ہے۔ آیا یہ کہ کفار خدا تعالےٰ کو سجدہ کریں جس کی ہستی کو وہ مانتے تھے اور جسکے نیچے اپنے بتوں کو وہ چھوٹے دیوتا اور دیویاں مانتے تھے یا یہ کہ آنحضرت بتونکی عظمت کو تسلیم کرلیں جسکی تردید میں آپ کئی سال سے وعظ کررہے تھے اور کبھی ایک لمحہ کیلیے بھی انکی شفاعت کے قایل نہ ہوئے تھے اگر باقی تمام وجوہات کو نظرانداز بھی کردیا جائے تو بھی خالی یہی مقابلہ ہی اس قصہ کے وضعی ثابت کرنیکے لیے کافی

ہے - یہ بہت قرین قیاس ہے کہ طرح طرح کے اثروں کے نیچے آکر جسکی نظیریں اس واقعہ کے علاوہ بھی ملتی ہیں کفار اپنی مخالفت کو ایک لمحہ کے لیے بھول گئے ہوں کیونکہ وہ مخالفت حق پر ہی نہ تھی حالانکہ اس سے بڑھکر اور کوئی بعید از قیاس بات ہی نہیں کہ اسقدر پر زور تعلیم بت پرستی کی تردید میں دیتے دیتے اور واقعی بتوں کی بے حقیقتی پر یقین کامل رکھکر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم بتوں کی عظمت اور شفاعت کے قایل ہو جاتے یا معاذ اللہ بالفاظ دیگر بت پرستی کو اختیار کر لیتے +

اسکے بعد صرف چند آیات کی تشریح باقی ہے جنکو اس قصہ کے ساتھ ملحق کیا گیا ہے ان میں سب سے زیادہ زور سورہ حج کی آیت وما ارسلنا من قبلک الخ پر دیا جاتا ہے - مگر افسوس ہے کہ جن لوگوں نے یہ پہلو اختیار کیا ہے انہوں نے قرآن شریف کو کھولکر نہیں پڑھا - اور اس آیت سے ماقبل و مابعد کی آیتوں پر کچھ بھی غور نہیں کیا - وہ رکوع جس میں یہ آیت ہے ان الفاظ سے شروع ہوتا ہے - قل یا یہا الناس انما انا لکم نذیر مبین - اور پھر دو گروہ کر کے فرماتا ہے - والذین سعوا فی ایتنا معجزین اولئک اصحٰب الجحیم یعنی جو لوگ رات دن اسی جوڑ توڑ میں لگے رہتے ہیں کہ ہماری نشانیوں کو عاجز کر دکھاویں اور انکو ہمارے وعدے کے مطابق غالب نہ ہونے دیویں وہ اصحٰب الجحیم ہیں - یہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے مخالفین کا ذکر ہے کہ انکو رات دن یہی فکر ہے کہ کسی طرح خدا کی باتیں پوری نہ ہوں اور پھر اسکے ساتھ ہی اگلی آیت میں یہ فرمایا کہ یہ بات صرف اس نبی سے ہی مخصوص نہیں بلکہ اس سے پہلے بھی کوئی ایسا نبی یا رسول نہیں گذرا - کہ جب اس نے خواہش کی کہ دنیا میں پاکیزگی اور سچائی پھیلے ، تو شیطان نے اسکی آرزو میں روک ڈالی - مگر خدائے تعالے ان شیطانی القاؤں یعنی روکوں کو دور کر کے اپنی آیات کو (جنکے ہرانیکے لیے مخالفین کوششیں کرتے ہیں) محکم اور غالب کر دیتا ہے یہی معنے ہیں اس آیت کے جسکا بے سمجھی سے بتوں کی تعریف کے جھوٹے قصہ سے تعلق بتایا جاتا ہے - وما ارسلنا من قبلک من رسول ولا نبی الا اذا تمنّٰی القی الشیطٰن فی امنیتہ فینسخ اللہ ما یلقی الشیطٰن ثم یحکم اللہ ایتہ واللہ علیم حکیم - پہلی آیت میں تو مخالفین نبی کریم کا ہی ذکر تھا کہ وہ خدا کی آیتوں کو ہرانے اور عاجز کرنیکی کوشش کر رہے ہیں اس دوسری آیت میں یہ فرمایا کہ ہر نبی کے ساتھ یہی ہوتا رہا ہے مگر پھر آخر ایک وقت آجاتا ہے جب مخالفین کی سب کوششوں کو ناکام کر کے خدا تعالے اپنی آیات کو غالب اور محکم کرتا ہے اگر یہ معنے اس آیت کے نہ لیئے جاویں تو پہلی آیات سے اسکا کوئی تعلق نہیں رہتا - مابعد کی آیات سے بھی اسی نتیجہ کی تائید ہوتی ہے کیونکہ ان میں بھی اسی قسم کا ذکر ہے - ولا یزال الذین کفروا فی مریۃ منہ حتّٰی تاتیہم الساعۃ بغتۃ او یاتیہم عذاب یوم عقیم -

دوسری دو آیتیں جن سے میور یہ نتیجہ نکالتا ہے کہ ان میں آنحضرت کا اسی قصہ کیطرف اشارہ ہے حسب ذیل ہیں - وان کادوا لیفتنونک عن الذی اوحینا الیک لتفتری علینا غیرہ واذا لاتخذوک خلیلا ولولا ان

ثبتناک لقد کدت ترکن الیھم شیئاً قلیلا اذا لاذقناک ضعف الحیوۃ وضعف الممات ثم لا تجد لک علینا نصیرا-
(بنی اسرائیل ۷۳-۷۵) اور بیشک یہ لوگ تو چاہتے تھے کہ تجھ کو اس چیز سے بہکا دیں جو ہمنے تیری طرف
وحی بھیجی تو کہ افترا کرے تو ہمپر سوائے اسکے (یعنے وحی الہی کے) اور اگر تو ایسا کر دیتا (جیسے انکی خواہش تھی) تب
یہ لوگ تجھے اپنا دوست بنا لیتے - اور اگر یہ نہ ہوتا کہ ہمنے تجھکو (پہلے سے ہی) مضبوط کر دیا ہوتا تو تو بھی انکی
طرف تھوڑا سا جھکنے کے قریب ہو جاتا - اور اگر ایسا ہوتا تو پھر ہم تجھے دُگنا عذاب زندگی کا دنیا اور دُگنا
عذاب آخرت کا چکھاتے - پھر نہ پاتا تو اپنے واسطے کوئی ہمپر مددگر نیوالا تعجب ہے کہ اس آیت کو کسطرح
اس قصہ کے متعلق ٹھہرایا جاتا ہے اس آیت میں تو صرف کفار کی خواہش اور تیاریوں کا ہی ذکر ہے - حالانکہ
قصہ میں یہ مانا گیا ہے کہ کفار اپنا کام پورا کر چکے تھے اور آنحضرت کو راہ حق سے بہکا چکے تھے - یہ اشارہ تو
کفار کی ان کوششوں کی طرف ہے جو انہوں نے مال اور عورتیں اور حکومت اور عزت کے لالچ پیش کر کے آنحضرت
سے یہ درخواست کی تھی کہ وہ بتوں کی مذمت کو چھوڑ دیں - بلکہ ان آیات سے تو صاف اس قصہ کی جو سورہ
نجم کیطرف منسوب کیا جاتا ہے تردید ہوتی ہے کیونکہ یہاں خدا تعالے فرماتا ہے کہ جسطرح کفار نے آپکو
بہکانا چاہا تھا اگر واقعی آپ تھوڑا سا بھی جھک جاتے تو زندگی اور آخرت میں دُگنا عذاب دیا جاتا اور
دنیا میں کوئی آپکی نصرت کرنیوالا نہ رہتا پس اگر آنحضرت نے بتوں کی عظمت اور شفاعت کو حسب خواہش
کفار قبول کر لیا ہوتا تو چاہیئے تھا کہ وعید الہی بھی پورا ہوتا - مگر اس وعید کے پورا نہ ہونے اور خدا تعالے کے
آپکی نصرت اور تائید کرتے رہنے نے یہ قطعی طور پر ثابت کر دیا ہے کہ یہ قصہ محض جھوٹ ہے +

ایک نیا معترض

عصر جدید کے مضمون پر الحکم اور بدر میں اسقدر تنقید ہو چکی ہے کہ اگر ایڈیٹر رسالہ خصوصیت سے مجھے
ریویو کے لیے نہ لکھتا تو میں ہرگز اسطرف توجہ نہ کرتا - میرے مکرم خواجہ کمال الدین صاحب وکیل چیفکورٹ
پنجاب لاہور نے جو مفصل اور مبسوط بحث بذریعہ اخبار الحکم شایع کی ہے اور پھر خصوصاً جس تفصیل کے
ساتھ انہوں نے آیندہ خواجہ غلام الثقلین کی تحریر کے ہر ایک پہلو پر بحث کرنیکا وعدہ فرمایا ہے جسکو
امید ہے وہ عنقریب کتاب کی صورت میں شایع فرماوینگے اور جس زور سے منشی ذوالفقار علی خان
صاحب نے عصر جدید کے الزامات کی تردید کی ہے انکے بعد کسی تحریر کی ضرورت نہیں رہتی مگر اس خیال

سے کہ ممکن ہے کہ خواجہ غلام الثقلین جیسا کہ انہوں نے دعوے کیا ہے ہدایت کے لینے پر آمادہ ہوں میں انکو انکے اصول بحث کی غلطی سے آگاہ کرتا ہوں اور امید رکھتا ہوں کہ اگر عصر جدید کے ایڈیٹر نہیں تو کم از کم حق پسند احباب یہ سمجھ جائینگے کہ خواجہ غلام الثقلین نے ان اصول کے قایم کرنے میں جنکے رو سے وہ کسی مدعی نبوت کے سچ یا جھوٹ کو پرکھنا چاہتے ہیں بڑی بھاری غلطی کھائی ہے اور اسکی وجہ انکی قرآن شریف اور اصول حقہ مذہب اسلام سے ناواقفیت ہے۔ جس طرح ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے وقت میں یہود اور عیسائیوں نے اپنی کتب کو چھوڑ کر مشرکین عرب کی طرح اعتراض کیے بعینہٖ اسی طرح آج کل مسلمان قرآن کریم کی کھلی اور سیدھی راہ کو چھوڑ کر یہودیوں اور عیسائیوں کی طرح اعتراض کر رہے ہیں اور اس تشابہ قلوب کا ثبوت دے رہے ہیں جس کا ذکر قرآن شریف نے سورہ بقرہ میں کیا ہے +

اس ایک ہی وقت میں دو مضمون میری نظر کے سامنے ہیں ایک پادری سیل؁ کا مضمون اسلام پر اور ایک خواجہ غلام الثقلین کا مضمون حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے سلسلہ پر اور ان دونوں مضمونوں کو پڑھکر میں انکے درمیان کوئی مابہ الامتیاز نہیں پاتا۔ دونوں نے اپنے نزدیک بڑی عقلمندی سے حملے کیئے ہیں اور دونوں نے یہی ٹھوکر کھائی ہے کہ جو امتیازی نشان حق اور باطل میں فرق کرنیکا اللہ تعالے نے اپنی پاک کتاب میں قایم کیا ہے اسکو چھوڑ کر ایسے اعتراض کیئے ہیں جن کی پوری تردید کرنیکے بعد بھی حق و باطل میں امتیازی نشان قایم نہیں ہو سکتا۔ چار اصول جو خواجہ غلام الثقلین نے اپنی طبیعت سے ایجاد کیئے ہیں جنکے رو سے وہ حضرت مرزا صاحب کو پرکھنا چاہتے ہیں عدل و انصاف۔ کفایت شعاری سعی و محنت۔ اور اتفاق قومی۔ مگر میں خواجہ صاحب سے دو باتیں پوچھتا ہوں اول یہ کہ آیا جس شخص میں یہ چاروں اوصاف پائے جاتے ہونگے وہ اسکو نبی ماننے کیلیے تیار ہونگے اور دویم یہ کہ آیا ایک متعصب آدمی جو ایک نبی کے خلاف رائے قایم کر چکا ہے جیسے آپ اسوقت حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے خلاف اور سیل؁ ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے خلاف کر چکے ہیں وہ ایسی مبہم باتوں میں ایک نبی کے خلاف اعتراض پر ہاتھ ڈال سکتا ہے یا نہیں۔ امر اول کے متعلق تو میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ اعتراضوں کی تردید کے بعد بھی نبوت پر کوئی روشنی نہیں پڑیگی۔ ہاں شاید آپ یہ کہیں کہ کم از کم اگر ایک شخص میں یہ باتیں نہ پائی جاتی ہوں تو اسکا کاذب ہونا ثابت ہو جائیگا۔ اسی وہم کی تردید کیلیے میںنے سوال کی دوسری شق قایم کی ہے۔ میں آپکی خدمت میں یہ التماس کرتا ہوں کہ آپ سیل؁ صاحب کے مضامین کو مدراس کریسچین کالج میگزین میں مطالعہ کر کے پھر بتلاویں کہ پادری صاحب نے عین اسی موقعہ پر ٹھوکر نہیں کھائی جہاں آپ کھا رہے ہیں۔ انہوں نے بھی ایسے بعض امور پکڑ کر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر اعتراض کیئے ہیں جو انکے

نزدیک انہی آپکے چار مجوزہ اصولوں میں سے کسی ایک نہ ایک کے خلاف ہیں اور اگرچہ آپ مذہب سے بیزاری ظاہر کرتے ہیں مگر شاید آپنے سنا ہی ہوگا کہ اس قسم کے اعتراضوں کے جواب سینکڑوں دفعہ مسلمان پادریصاحبان کو دے بھی چکے ہیں اور اب بھی دے رہے ہیں۔ کیا پھر پادریصاحب قایل ہوگئے جو آپ اس قسم کے اعتراضوں کے جواب سنکر قایل ہوجائینگے۔ آپ ایک لمحہ کیلیے یہ بدظنی چھوڑدیں کہ دوسرے لوگ شریر ہیں اور آپ نیک ہیں۔ اور اپنے وجود کو ایکدم کیلیے عصر جدید کے مضمون سے الگ کرکے سوچیں کہ آپکی باتوں اور اوران لوگونکی باتوں میں جو اسلام پر اعتراض کررہے ہیں اصولاً کیا فرق ہے تو میں آپکو یقین دلاتا ہوں کہ آپ کوئی فرق نہ پائینگے۔ مثلاً سیل کے مضمون کے بعض اعتراض ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم پر یہ ہیں کہ آپ نے مدینہ میں بعض یہودیونکو قتل کیا اور بعض کو لونڈی غلام بنایا اور عدل والانصاف کے خلاف کام کیا۔ آپکی لڑائیاں لوٹ کے لالچ سے تھیں۔ اور اسلیئے سعی ومحنت کا اصول ملحوظ نہ رہا۔ آپنے بہت سی بیویاں کیں اور کفایت شعاری کے اصول کو چھوڑا۔ آپنے صلح کے پہلو کو اختیار نہ کرکے ناحق کلے والونکو جنگ کےلیے اکسایا اور خطرناک تفرقہ ڈالا۔ اور قومی اتحاد کے اصول سے الگ ہوگئے۔ ایسے ہی اور سینکڑوں اعتراض ہیں جنسے پادریصاحبان کی کتابونکے اوراق سیاہ ہورہے ہیں اور باوجود بار بار کے جواب دینے کے بھی وہ اپنی باتونسے باز نہیں آئے +

اگر اور پیچھے چلیں تو یہی سلوک اور ایسے ہی اعتراض یہود کے حضرت مسیح کے متعلق نظر آتے ہیں کوئی کہتا ہے کہ وہ نہایت قیمتی عطر جو مسیح نے اپنے پاؤں پر ملوایا۔ اس سے آپکی نبوت پر اعتراض آتا ہے کیونکہ اگر کفایت شعاری کے اصول کو مدنظر رکھا جاتا تو وہی روپیہ کسی اور جگہ کام آسکتا تھا۔ دوسرا کہتا ہے کہ انہوں نے مچھوؤنکو کام سے ہٹایا اور اسطرح خواجہ غلام الثقلین کے اصول سعی ومحنت کی خلاف ورزی ہوئی تیسرا اعتراض کرتا ہے کہ ایک غریب کے سوروں کا گلہ آپنے سمندر میں ڈبودیا اور بیگانے کھیت سے خوشے توڑنیکی اجازت اپنے مریدونکو دی۔ اس سے خواجہ صاحب کا اصول عدل والانصاف قایم نہیں رہتا۔ چوتھا اعتراض کرتا ہے کہ حضرت مسیح نے فقیہوں اور فریسیوں کو جو معزز اور ممتاز عالم تھے منافق اور سانپ اور حرامکار اور ریاکار کیا کہا۔ پس قومی اتفاق کا اصول ٹوٹ گیا۔ بیمنے ایک ایک مثال دی ہے۔ اور خواجہ صاحب پسند کریں تو اور سینکڑوں نظیریں اسکی پیش کرسکتا ہوں۔ بلکہ ایسے ہی اعتراض آریوں نے حضرت موسے علیہ السلام پر کیئے ہیں مثلاً مصریونکے زیور لے آنا وغیرہ وغیرہ۔ اور ہندوؤنکے اپنے بزرگ بھی ان اعتراضونسے خالی نہیں۔ غرضیکہ جہانتک انبیاء علیہم السلام کی تاریخ دیکھی جاتی ہے مخالفین کو اعتراضونکے لیئے ہر جگہ گنجایش ملتی رہی ہے اور پھر باوجودیکہ ان اعتراضونکے جواب کئی دفعہ دیئے جاچکے ہیں۔ مگر مخالفین کے مُنہ

بند نہیں ہو گئے کیا ہم محض خواجہ غلام الثقلین کی خاطر یہ مان لیں کہ آپ تو نیک نیت ہیں اور دوسرے معترضین بدنیت۔ حالانکہ آپکی نیک نیتی کی حقیقت میرے مکرم دوست خواجہ کمال الدین صاحب خوب کھول چکے ہیں

اصل بات یہ ہے کہ ان سب لوگوں نے ایک ہی جگہ ٹھوکر کھائی ہے یعنی اس سچے اصول کو جو حق اور باطل کے درمیان امتیاز کر سکتا ہے چھوڑ دیا ہے اور بیہودہ راہوں میں بھٹکتے پھرتے ہیں۔ سچے اور جھوٹے کے درمیان خدا تعالے نے یہ امتیاز رکھا ہے کہ سچے کو اللہ تعالے کیطرف سے نصرت اور تائید دیجاتی ہے اور مفتری مخذول اور ہلاک ہوتا ہے۔ یہی اصول توریت نے قایم کیا ہے اور اسی اصول پر بار بار قرآن شریف نے زور دیا ہے۔ اس اصول سے انکار کرنا خدا کے متصرف اور مدبر بالارادہ ہونیسے انکار کرنا اور دہریت کا ایک شعبہ ہے۔ اب خواجہ صاحب دو راہوں میں سے جونسی چاہیں اختیار کر لیں۔ یا تو یہ ثابت کر دیں کہ یہ اصول حق اور باطل میں امتیاز کا خدائے تعالے نے قایم نہیں کیا اور قرآن شریف میں بصراحت اسکا ذکر نہیں اور ان آیات کو کہ انا لننصر رسلنا والذین آمنوا فی الحیوٰۃ الدنیا اور ان جندنا لھم الغالبون۔ اور ولو تقول علینا بعض الاقاویل لاخذنا منہ بالیمین ثم لقطعنا منہ الوتین اور اسی قسم کی دوسری بہت سی آیتوں کو جنسے قرآن کریم بھرا پڑا ہے مدنظر رکھ لیں اور یا یہ ثابت کر دیں کہ اس اصول کے رو سے حضرت مرزا صاحب صادق نہیں ٹھہرتے۔ ان راہوں کو اختیار کرنیسے دنیا پر حق جلدی کھل جاتا ہے اور فضول مباحثوں سے نجات ہوتی ہے۔ چونکہ انہوں نے اپنے رسالے میں اس مضمون کو چھیڑا ہے۔ اسلیے مناسب ہے کہ اس جوش اور غضب فرو کر کے اور اس لچھچھورپن کو چھوڑ کر جو انکے پہلے مضمون میں پائے جاتے ہیں وہ ٹھنڈے دل سے غور کریں اور پورے غور کے بعد اس نتیجہ کو شایع کریں جسپر وہ پہونچیں۔ مگر نہ اسکی طرح جسکے متعلق آیا ہے۔ انہ فکر و قدر فقتل کیف قدر۔ بلکہ اسکی طرح جس نے کہا وان یک کاذبا فعلیہ کذبہ وان یک صادقا یصبکم بعض الذی یعدکم ان اللہ لا یھدی من ھو مسرف کذاب۔

اب چند سطروں میں میں یہ دکھانا چاہتا ہوں کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ساتھ اللہ تعالے نے اپنی نصرت اور تائید کے کیا کیا وعدے کیے اور کیونکر وہ وعدے پورے ہو رہے ہیں۔ میں یہ جتانا چاہتا ہوں کہ دنیا میں جو لوگ کوئی کام کرتے ہیں وہ کامیاب بھی ہوتے ہیں اور ناکام بھی۔ پس خالی کامیابی یا ناکامی سے کوئی نتیجہ نہیں نکل سکتا۔ مگر اللہ تعالیٰ کی اپنے ان خاص بندوں کے ساتھ جنپر وہ اپنا کلام نازل فرماتا ہے اور جنکو دنیا کی اصلاح کیلیے مامور فرماتا ہے یہ سنت قدیم ہے کہ وہ پہلے ایسے حالات میں جب چاروں طرف سے ناکامی ہی ناکامی نظر آتی ہے انکو بذریعہ وحی مطلع فرماتا ہے کہ وہ آخر میں غالب اور منصور کیے جاوینگے اسکی دو غرضیں ہوتی ہیں اول یہ کہ انبیاء علیہم السلام کو ہر قسم کے غموم و ہموم کے اوقات میں جب لوگ

ان کی باتو نکو رد کرتے ہیں اور ہر قسم کے مصائب اور تکالیف اور ایذا ئیں جو انکے زمانے میں مخالفین کیطرف سے انکو پہونچائی جاتی ہیں۔ خدا کے زندہ اور طاقتور کلام سے تسلی ملتی رہے اور دوسرے یہ کہ انبیا علیہم السلام کا ناکامیونکے بعد آخر کامیاب ہونا دنیا کیلیے ایک نشان ٹھیرے اور تا معلوم ہو کہ یہ انکی کامیابی اتفاقی امر نہیں بلکہ خدا تعالے کے خاص ارادہ اور منشاء سے یہ انکی نصرت ہوئی ہے۔ اور تا اللہ تعالے کی قدرت اور علم پر اسکے بندونکو یقین تام حاصل ہو کیونکہ اللہ تعالے نے قبل از وقت اسوقت یہ خبر دی جب انکی کامیابی ناممکن معلوم ہوتی تھی اسی لیے قرآن شریف کی تمام مکی سورتیں ابتدا سے لیکر آخر تک اللہ تعالے کے ان وعدوں سے بھری پڑی ہیں کہ آخر کار رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور آپکے ساتھی غالب اور منصور و مظفر ہونگے اور ہر ایک روک جو انکی کامیابی کی راہ میں آویگی اٹھا دیجاویگی اور پھر آخر مدینہ میں اللہ تعالے نے ان تمام وعدونکو پورا فرما کر تمام مخالفین پر اتمام حجت کی چنانچہ جب یہ آخری اور عظیم الشان فتح اور کامیابی کا وقت آیا۔ تو اللہ تعالے نے فرمایا۔ انا فتحنا لک فتحا مبینا لیغفر لک اللہ ما تقدم من ذنبک وما تاخر۔ یعنی ہمنے کھلی کھلی فتح عطا فرمائی تا وہ تمام اعتراض جو پیغمبر پر کیے جاتے ہیں خود ہی دنیا کی نظروں میں مردود ثابت ہو جائیں۔ کیونکہ جب نصرت الہی تمام و کمال کو پہونچ گئی اور مخالفین کی کل کوششیں جو سالہا سال تک وہ کرتے رہے بالکل ناکام اور نامراد ہوئیں اور حسب وعدہ الہی یہ سب باتیں ہوئیں تو یہ ایک ایسی کھلی دلیل آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی صداقت پر پیدا ہو گئی جسکے مقابل کسی اعتراض کی گنجایش ہی نہ رہی۔ تعجب ہے کہ مکہ کے بت پرستوں نے تو اس بات کو سمجھ لیا جب انہوں نے فتح مکہ کے بعد کہا کہ آج ہم آنحضرت کی صداقت پر ایمان لاتے ہیں کیونکہ وہ نصرت اور تائید کے تمام وعدے پورے ہوئے جو آپکے ساتھ کیے گئے تھے اور اسوقت یہ سوال نہ کیا کہ فلاں فلاں اعتراض ابھی آپکو دور کرنے چاہئیے اور آج کل کے نام کے مسلمان اس بات کو نہیں سمجھ سکتے۔ یاد رکھنا چاہئیے کہ ذنبک سے مراد اس جگہ وہ ذنوب ہیں جو مخالفین آپکی طرف منسوب کرتے تھے اور اعتراض کے رنگ میں پیش کرتے تھے ورنہ فتح کو گناہونکی معافی سے کیا تعلق۔

اب اس خدا تعالی کی قدیم سنت کے مطابق ہمارے حضرت میرزا صاحب کو اللہ تعالے نے اسوقت آپکی نصرت اور تائید اور مخالفین کی کوششونکے ناکام اور نامراد رہنے کے وعدے دیئے۔ جب آپ ایک گمنامی کیحالت میں پڑے ہوئے تھے۔ خدا تعالی کی یہ وحی اگر صرف چند آدمیوں کے سماع تک ہی محدود ہوتی اور تحریر میں نہ آجاتی تو بھی مخالفین کو انکار کی گنجایش ہوتی کہ شاید یہ وحی اسوقت کی نہ ہو مگر ایک ایسے وقت میں یہ سب پیشگوئیاں براہین احمدیہ میں شایع ہو چکی ہیں جس کو آج پچیس سال کا عرصہ گذر چکا ہے

اور جبکہ نہ ابھی حضرت میرزا صاحب کا دعوے تھا۔ نہ ہی کوئی مخالف تھے اور نہ ہی انکے پاس لوگوں کی آمدو رفت تھی بلکہ اسوقت آپکو کوئی جانتا بھی نہ تھا مثلاً ان الہامات پر غور کرو۔ اذا جاء نصر اللہ والفتح و انتھی امر الزمان الینا الیس ہذا بالحق ۔ یاتیک من کل فج عمیق ۔ یاتون من کل فج عمیق ۔ ینصرک اللہ من عندہ یرفع اللہ ذکرک ۔ فحان ان تعان وتعرف بین الناس لاتصعر لخلق اللہ ولاتسئم من الناس اصحاب الصفۃ وما ادرٰک مااصحاب الصفۃ تری اعینھم تفیض من الدمع یصلون علیک ربنا اننا سمعنا منادیا ینادی للایمان ۔ یعنی جسوقت خدا کی مدد اور فتح آئیگی اور زمانہ ہماری طرف رجوع کریگا اسوقت کہا جائیگا۔ کہ کیا یہ کاروبار خدا کیطرف سے نہ تھا۔ ہر ایک گہری راہ سے تیرے پاس نصرت آئے گی اور ہر ایک دور کی راہ سے تیرے پاس لوگ آئینگے ۔ خدا اپنے پاس سے تیری مدد کرے گا ۔ خدا تیرے ذکر کو دنیا میں بلند کرے گا ۔ وہ وقت چلا آتا ہے کہ تیری مدد کیجائے گی اور دنیا جہان میں تیرے نام کو شہرت دیجائے گی لوگ کثرت سے تیری طرف رجوع کرینگے ۔ سو تیرے پر واجب ہے کہ تو ان سے بدخلقی نہ کرے اور انکی کثرت دیکھکر تھک نہ جائے ۔ اور اصحاب الصفہ بھی ہونگے ۔ اور تو جانتا ہے کہ اصحاب الصفہ کیسے لوگ ہونگے وہ بہت قوی الایمان ہونگے ۔ اور تو دیکھے گا کہ انکی آنکھوں سے آنسو جاری ہونگے وہ تیرے پر درود بھیجینگے ۔ بہ سبب اس نعمت کے جو تیرے ذریعہ انکو ملے گی ۔ اور وہ کہیں گے کہ اے ہمارے خدا ہم نے ایک آواز دینے والے کی آواز سنی جو ایمان کی طرف بلاتا ہے سو ہم ایمان لائے ۔

یہ سب پیشگوئیاں ایسے وقت کی ہیں جب حضرت مرزا صاحب کو دوسرے لوگ تو ایکطرف رہے خود اس چھوٹے سے گاؤں کے بہت لوگ بھی نہ جانتے تھے اور آپ ایک نہایت گمنامی کی زندگی بسر کرتے تھے اور پھر اسیوقت یہ پیشگوئیاں بذریعہ براہین احمدیہ کے دنیا میں شایع بھی ہوگئیں ۔ یہ وحی کئی قسم کی پیشگوئیوں پر مشتمل ہے ۔ مثلاً اول یہ کہ مخالف یہ کوششیں کرینگے کہ تو ناکام رہے اور لوگ تیری طرف رجوع نہ کریں ۔ مگر آخر ہمارا ارادہ پورا ہوگا ۔ اور لوگ تجھے قبول کرتے جائینگے انہی معنی پر مشتمل ایک اور الہام بھی ہے یریدون لیطفؤا نور اللہ بافواھھم واللہ متم نورہ ۔ یعنے لوگ خدا کے اس نور کو بجھانے کی کوشش کرینگے مگر خدا اسے پورا کرکے ہی رہیگا ۔ دوئم یہ کہ دور دور سے مالی مدد اور تحایف وغیرہ تیرے پاس پہونچیں گے ۔ سوئم یہ کہ دور دور کے بلاد اور ممالک سے لوگ چلکر تیرے پاس آوینگے چہارم یہ کہ لوگ تیرے تباہ کرنیکے لیے کوشش کرینگے مگر خدا اپنی نصرت تیرے شامل حال رکھے گا اور تیرا محافظ رہے گا یہی مطلب دوسری جگہ یعصمک اللہ ولو لم یعصمک الناس ۔ کہکر ادا کیا گیا ہے ۔ یعنی لوگ تیرے ہلاک کرنیکی کوششیں کرینگے مگر خدا تجھے بچائیگا ۔ پنجم یہ کہ کل دنیا میں تیری شہرت ہوجائے گی ۔ ششم یہ کہ لوگ اسقدر کثرت سے آوینگے

کہ قریب ہے کہ تو اُن سے تھک جائے۔ ساتویں یہ کہ بعض لوگ اپنے وطنونکو چھوڑکر ہجرت کرکے تیرے پاس آرہینگے اور تیرے گھر کے کسی حصہ میں رہیں گے وہ اصحاب الصفہ کہلائینگے۔

اب دیکھو کہ خدا تعالےٰ نے اپنے یہ تمام وعدے کس صفائی سے پورے کیئے اور آیندہ وہ کیسی صفائی سے پورے ہو رہے ہیں۔ اب نہ یہ اتفاقی امر ہے نہ منصوبہ بازی ہے۔ کیونکہ پچیس برس پہلے ان باتونکی خبر دیگئی ہے۔ اور پھر وہ سب بعینہٖ اسی طرح پوری ہوئیں۔ اگر ایسی منصوبہ بازی کی کوئی نظیر دنیا میں ہے تو پیش کرو۔ مگر یاد رکھو کہ اسکی نظیر سوائے زمانہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے اور کہیں ہیں نہیں ملتی جس طرح وہاں دکھوں اور مصیبتوں اور تنہائی کیوقت میں ایک شخص پکار پکار کر کہتا تھا کہ میرے خدا کیطرف سے ہونیکا یہ نشان ہے کہ آخر میں ہی غالب ہونگا اور تمہاری سب کوششیں نامراد رہیں گی۔ اور آخر ایسا ہی ہوا باوجودیکہ دشمنوں نے کوئی دقیقہ ہلاک اور تباہ کرنیکا باقی نہ چھوڑا تھا۔ ایسا ہی یہاں بھی بڑی گمنامی اور تنہائی کی حالت میں اللہ تعالےٰ نے یہ وعدے دیئے کہ میں تجھیں مرجع خلایق بناؤنگا۔ اور خدا کے یہ وعدے اسیوقت مشتہر بھی ہو گئے پھر ان الہامات کے ساتھ ایک جگہ یہ بھی لفظ ہیں کہ اُکتُبُوا یعنی ان باتونکو لکھ چھوڑو۔ کیونکہ یہ سب اپنے وقت پر واقع ہونگی۔ اور پھر دشمنوں نے وہ کوششیں کیں کہ کوئی کسر تباہ کرنے میں باقی نہ چھوڑی اور ایک قوم بھی اس ملک میں ایسی نہ رہی جسنے پورا زور مخالفت کا نہ لگایا ہو اور ہر طرح کے منصوبے کیے گئے مگر خدا نے اپنے وعدے کے مطابق ایسی نصرت اور تائید اور حفاظت کی جسکی نظیر سوائے انبیاء کے اور کہیں نہیں ملتی +

میں خواجہ غلام الثقلین صاحب کو پھر یہ کہتا ہوں کہ وہ ٹھوکر نہ کھائیں اعتراض کس پر نہیں ہوئے اور اعتراضونکے جوابوں سے کتنے لوگ قایل ہوئے۔ صحیح اصول جو صداقت کے پرکھنے کا قرآن کریم نے بتایا ہے وہ یہی ہے جو میں نے یہاں بیان کیا ہے۔ ہم نہ منصوبہ باز ہیں نہ دھوکہ دینے والے اور نہ ہی دھوکہ خوردہ۔ نہیں بلکہ علےٰ بصیرت ہم اس سلسلہ کی سچائی کو دیکھ رہے ہیں۔ جب ہم خدا تعالےٰ کی ہستی کے زندہ نشان دیکھ رہے ہیں تو پھر اس ذوالجلال کے آگے سے بھاگ کر کہاں جائیں۔ اگر مذہب کی غرض خدا کی ہستی پر یقین ہے تو خواجہ صاحب یاد رکھیں کہ اس غرض کو آج سلسلہ احمدیہ کے سوا روئے زمین پر اور کوئی پورا کرنیوالا نہیں۔ یہ جو اصلاح خواجہ صاحب کر رہے ہیں یا کرنیکے مدعی ہیں وہ خشک لفاظی ہے۔ جب انسان کو اللہ تعالےٰ پر اور اسکے رسول پر زندہ ایمان اور یقین کامل حاصل ہو جاتا ہے تو پھر سب اصول کی پابندی کے وہ قابل ہو جاتا ہے۔ عدل و انصاف

کفایت شعاری۔ قومی اتفاق۔ سعی و محنت۔ سب اسی کے نتیجے ہیں۔

میں بڑے زور سے اسبات کا اعادہ کرتا ہوں کہ یہ نصرت اور تائید جو اس سلسلہ کی ہو رہی ہے وہ خدا کے سوا اور کسی کی طرف سے نہیں کیونکہ اسی نے بچپین برس پہلے ان سب باتوں کی خبر دی ورنہ انسان عاجز کیا چیز ہے وہ تو یہ بھی نہیں کہہ سکتا کہ میں کل زندہ رہونگا۔ اس میں یہ طاقت کہاں کہ کہے کہ ساری دنیا میری مخالفت کریگی پر سب ناکام ہونگے اور میں ہی کامیاب ہونگا۔ اگر کوئی جواب ان امور کا آپ کے پاس ہے تو اسے شایع کریں +

مسیح موعودؑ کے متعلق ایک پادری کے خیالات

پادری گرسوولڈ لاہوری نے ایک مضمون بعنوان مسیح قادیانی ولایت کے ایک مجمع میں پڑھا جانیکے لیے لکھکر بھیجا تھا جواب بصورت رسالہ شایع ہوا ہے۔ یہ مضمون وکٹوریا انسٹیٹوٹ کے مجمع میں ۱۵ مئی گذشتہ کو پڑھا گیا۔ اگرچہ یہ مضمون اس حیثیت سے کہ ایک پادریصاحب کے قلم سے نکلا ہی مخالفانہ رنگ میں لکھا گیا ہے تاہم حضرت مسیح موعود کے دعاوی کو واضح طور پر بدلایل بیان کیا گیا ہے یہ رسالہ کم از کم ان مولویصاحبان کیلیے شرم کا باعث ہے جو کبھی یہ گوارا ہی نہیں کر سکتے کہ اصل واقعات مع دلایل دعوے کے پبلک میں پیش کریں بلکہ ہر ایک بات کو بگاڑ کر بیان کرنا چاہتے ہیں۔ پادری گرسوولڈ صاحب نے نہایت محنت سے متفرق کتابوں سے دعوے اور اسکے دلایل کو لیکر یکجائی طور پر بیان کیا ہے یہانتک کہ جو دلایل حضرت مسیح کی وفات کے مختلف مضامین میں ہمنے دیئے ہیں انکو بھی بعینہٖ درج کر دیا ہے اگرچہ کہیں کہیں ایک عیسائی مجمع کیخاطر مخالفت کی بھی کوئی کوئی بات بیان کر دی ہے۔ میں امید کرتا ہوں کہ اس لکچر کو جو لوگ تعصب سے خالی ہو کر پڑھینگے انپر حضرت مسیح موعود کی صداقت ضرور کچھ نہ کچھ اثر ڈالیگی۔ مثال کے طور پر میں ایک موقع پیش کرتا ہوں۔ آپکے دعوی کی حقیقت پر بحث کرتے ہوئے پادری گرسوولڈ صاحب لکھتے ہیں کہ "اس سے انکی یہ مراد نہیں کہ اسی پہلے مسیح نے دوبارہ ہندوستان میں جنم لیا ہے بلکہ وہ کہتے ہیں کہ میں مسیح کی طاقت اور روحانیت میں ہو کر آیا ہوں۔ انکا خیال یہ ہے کہ ٹھیک جیسے یسوع کے اپنے کیے ہوئے معنوں کے مطابق یوحنا بپتسمہ دینے والا الیاس ہی تھا جس نے آنا تھا کیونکہ وہ الیاس کی طاقت اور روحانیت میں ہو کر آیا۔ دلوقا باب ۱۔ آیت ۱۷) ایسے ہی وہ یعنی مرزا صاحب مسیح ہیں کیونکہ وہ مسیح کے رنگ اور روحانیت

میں آئے ہیں" اس دلیل کی تردید پادریصاحب یوں کرتے ہیں "وہ مگر اس دعوے کے منطقی نتیجہ پر غور کرو۔ اگر مرزا نے قادیانی مسیح موعود ہیں تو (۱) انکے ظہور سے بائیبل کے وہ تمام وعدے پورے ہو گئے جو مسیح کی آمد ثانی کے متعلق ہیں۔ (۲) پھر اسی یسوع کے واپس آنیکی کوئی امید نہیں رکھنی چاہیئے (۳) عیسائیوں کا اتنی مدت اس مسیح کی واپسی کا انتظار کرتے رہنا گویا غلطی پر مبنی تھا" اس میں شک نہیں کہ یہ سب نتائج حضرت مرزا صاحب کے دعوے سے پیدا ہوتے ہیں مگر ان سے انکے دعوے کی تردید کیونکر ہوئی۔ کم از کم پادریصاحب یہی سوچیں کہ بعینہ یہی باتیں تھیں جنہوں نے یہودیوں کو مسیح کے قبول کرنیسے روکا۔ کیونکہ ملاکی نبی کی کتاب میں لکھا تھا کہ مسیح کے آنیسے پہلے ایلیا کا دوبارہ آنا ضروری ہے اور یہ نہیں لکھا تھا۔ کہ ایلیا کی طاقت اور خوبوں میں کوئی آئیگا پس وہ کہتے تھے کہ اگر ہم یسوع کو سچا مسیح مان لیں تو اس سے لازم آتا ہے کہ (۱) اسی ایلیا کے دوبارہ آنیکی بھی امید نہ رکھنی چاہیئے۔ اور (۲) کہ یہودیوں کا اتنی مدت اسی ایلیا کے دوبارہ آنیکا انتظار کرتے رہنا گویا ایک غلطی پر مبنی تھا۔ بعینہ وہی خیالات جو آج پادریصاحبان کو مسیح موعود کے قبول کرنیسے روک رہے ہیں اس سے انیس سو سال پیشتر یہودیوں کو مسیح اول کے قبول کرنیسے روکتے رہے۔ ایسا ہی وہ یہ بھی کہتے تھے کہ اگر یسوع ہی سچا مسیح ہے تو بائیبل کے وہ سب وعدے جو مسیح کے آنے اور ایلیا کے دوبارہ آنیکے ساتھ پورے ہونے تھے۔ انکے متعلق بھی یہ ماننا پڑے گا کہ وہ یسوع کے آنیسے پورے ہو گئے حالانکہ نہ کوئی نشان ہی ظاہر ہوا نہ خدا کی قدرت کے عجیب عجیب نمونے ظاہر ہوئے نہ ہی وہ عام صلح کا زمانہ شروع ہوا نہ اس اتفاق واتحاد کی بنیاد پڑی۔ نہ ہی یروشلم دنیا کا مرکز بنا۔ جن سب باتوں کے پورا ہونیکا مسیح کے آنیکے ساتھ وعدہ تھا۔ تعجب ہے کہ ان نمونوں کے ہوتے ہوئے پادریصاحبان اسقدر غلطی میں پڑے ہوئے ہیں کہ وہ سچے مسیح کو قبول نہیں کرتے +

رؤیا و الہامات حضرت مسیح موعودؑ

۲۔ ستمبر ۱۹۰۵ء سینتالیس سال کی عمر۔ انا للہ وانا الیہ راجعون ۔ اس سے دوسرے دن ۳۔ ستمبر ۱۹۰۵ء کو ایک شخص کا خط آیا جس نے اپنی بدکاریوں اور غفلتوں پر نہایت افسوس کی تحریر کر کے لکھا کہ اب میری عمر سینتالیس سال کی ہے انا للہ وانا الیہ راجعون + فرمایا کئی دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ جو خط باہر سے آنیوالا ہوتا ہے اسکے مضمون سے پہلے ہی سے اطلاع دیجاتی ہے) ۴۔ ستمبر ۱۹۰۵ء ما کان لنفسٍ ان تموت الا باذن اللہ ۔

۷۔ ستمبر ۱۹۰۵ء ۔ ایک کاغذ دکھایا گیا جیسا کہ منی آرڈر کا فارم ہوتا ہے اور سامنے اسکے پاس ۔ رکھے ہوئے ہیں۔ (اس کشف کے تھوڑی دیر بعد ۔ کا ایک منی آرڈر آیا۔) ۲۔ ایک کاغذ دکھائی دیا اسپر لکھا ہوا تھا:۔

دو آتش فشاں"۔ ۳۔ پھر ایک کاغذ دکھائی دیا اسپر لکھا تھا مصالح العرب مسیر العرب۔ ۴۔ پھر ایک کاغذ دکھائی دیا اسپر لکھا تھا "امراد"۔ ۵۔ پھر ایک کاغذ دکھائی دیا اسپر لکھا تھا "ردّ بلا"۔ ۷ستمبر ۱۹۰۵ء قبل ظہر واما بنعمۃ ربّک فحدث۔ ۸۔ستمبر ۱۹۰۵ء۔ (۱) کفن میں لپیٹا گیا" (۲) اذا جاء افواج وسُئم من السّماء (۳) ان المنایا لا تطیش سہامہا (ترجمہ موت کا تیر خطا نہیں جاتا)۔

۱۰۔ ستمبر نماز صبح کیوقت رؤیا۔ ایک جگہ ایک بڑی حویلی ہے اسکے آگے ایک بڑا چبوترہ ہے جسکی کرسی بہت بلند ہے اسپر مولوی عبدالکریم صاحب سفید کپڑے پہنے ہوئے دروازہ پر بیٹھے ہیں۔ اس جگہ میں ہوں اور پانچ چار اور دوست ہیں جو ہر وقت اسی فکر میں رہتے ہیں میں نے کہا مولویصاحب میں آپ کو آپکی صحت کی مبارک باد دیتا ہوں اور پھر میں رو پڑا۔ اور میرے ساتھ کے دوست بھی رو پڑے اور مولویصاحب بھی رو پڑے پھر میں نے کہا دعا کرو اور دعا میں تین دفعہ سورہ فاتحہ پڑھی۔

۱۰۔ ستمبر ۱۹۰۵ء۔ دورہ پیشاب کی بڑی تکلیف تھی۔ دعا کی گئی۔ الہام ہوا۔

"السلام علیکم"

۱۲۔ستمبر ۱۹۰۵ء۔ دو شہتیر ٹوٹ گئے۔

انی مھین من اراد اہانتک

۱۴۔ستمبر ۱۹۰۵ء۔ عفت الدیار کذکری۔ ۱۶۔ ستمبر ۱۹۰۵ء۔ رؤیا۔ دیکھا کہ ایک شخص مسمی شرم پت ساتھ ہے۔ ایک گہرے پانی میں جو جھیل کی طرح ہے ہم ہر دو کنارہ کی طرف تیرتے جاتے ہیں۔ کنارہ بہت دور ہے اور میں پانی پر لیٹا ہوا جا رہا ہوں اور تیرتا چلا جاتا ہوں۔ اسی طرح تیرتے ہوئے جب میں قریب نصف کے پہونچا۔ تو معلوم ہوا۔ کہ قریباً زانو تک پانی ہے۔ پھر کنارہ پر پہونچ گئے۔ اور خیال آیا کہ میرا لڑکا مبارک اسی کنارہ پر رہا ہے۔ پھر ہم اس کو لینے کے واسطے واپس آئے۔ تب دیکھا۔ کہ پانی ایک طرف سے بالکل خشک ہے۔ ایک طرف پانی ہے اور لوگ خشکی پر چلتے ہیں۔ ہم بھی خشکی کی راہ پر چلنے لگے۔

۱۹۔ ستمبر ۱۹۰۵ء۔ رؤیا۔ دیکھا کہ مرزا غلام قادر صاحب میرے بڑے بھائی نہایت سفید لباس پہنے ہوئے میرے ساتھ جا رہے ہیں اور کچھ باتیں کرتے ہیں۔ ایک شخص ان کی باتیں سن کر کہتا ہے کہ یہ کیسی فصیح بلیغ گفتگو کرتے ہیں گویا پہلے سے حفظ کر کے آئے ہیں + فقط

۲۲۔ستمبر ۱۹۰۵ء۔ طلع البدر علینا من ثنیۃ الوداع +

۲۰ ستمبر ۱۹۰۵ء رویا دیکھا کہ میں بٹالہ کو جاتا ہوں خیال آیا کہ نماز کا وقت ہے۔ اسواسطے ایک مسجد میں گیا جو کہ چھوٹی سی مسجد ہے۔ مسجد کے زینوں پر سے چڑھتے ہوئے مرزا خدا بخش کی آواز آئی وہ توکہیں کو چلے گئے۔ پھر جب میں مسجد میں داخل ہوا تو دیکھا کہ بڑے مرزا صاحب یعنی والد صاحب کا ایک پرانا نوکر مرزا رحمت اللہ نام جو قریباً پچاس سال تک والد صاحب کی خدمت میں رہا تھا اور جسکو فوت ہوئے بھی قریباً چالیس سال ہوئے ہیں وہاں موجود ہے اور غمگین سا ہے۔ اور مسجد کے کنوئیں کی منڈیر پر محمد اسحٰق (ولد میر ناصر نواب صاحب) بیٹھا ہے اور پیر منظور محمد بھی اسجگہ ہے اسحٰق نے مرزا رحمت اللہ کی طرف اشارہ کرکے کہا کہ بڑے مرزا صاحب نے اس کی روٹی بند کردی ہے اور یہ ارادہ کرتا تھا کہ چلا جائے اور خدا جانے کہاں جانا تھا۔ مگر منظور محمد نے اسکو رکھ لیا ہے کہ تجارت کرکے گذارہ کرلیں گے۔ ہمارے دلمیں خیال آیا کہ معلوم نہیں مرزا صاحب نے کیوں روٹی بند کردی ہے بزرگوں کے کام پر اعتراض نہیں ہوسکتا فقط پھر الہام ہوا انی انا الرحمٰن لا یخاف لدی المرسلون قل اللہ ثم ذرہم فی خوضہم یلعبون ترجمہ تحقیق میں رحمان خدا ہوں مرسل میرے پاس نہیں ڈرا کرتے کہہ یہ خدا کے کام ہیں پھر ان کو چھوڑ دے جن کاموں میں لگے ہوئے ہیں۔ اُن میں لہو ولعب کریں

۲۹ ستمبر ۱۹۰۵ء (۱) لا تخف انی لا یخاف لدی المرسلون (۲) وقالوا من ذا الذی یشفع عندہ ہیہات ہیہات لما توعدون (۳) قل عندی شہادۃ من اللہ فہل انتم تؤمنون (۵) قل ما ازیدکم من امری۔ والحمد للہ رب العلمین۔ (۶) انا انزلناہ فی لیلۃ القدر۔ انا کنا منزلین۔

ترجمہ (۱) مت خوف کر مجھ سے رسول میری درگاہ میں خوف نہیں کیا کرتے (۲) اور کہتے ہیں کون ہے جو اُسکے پاس شفاعت کرے دور ہے دور ہے یہ بات جس کا تم کو وعدہ دیا جاتا ہے (۳) کہہ اللہ تعالیٰ غالب ہے قدرت والا کیا تم ایمان لائے۔ (۴) کہہ میرے پاس اللہ کی طرفسے گواہی ہے پس کیا تم ایمان نہیں لاتے (۵) کہہ میں اپنی طرف سے کچھ نہیں کہتا اور سب تعریف واسطے اللہ کے ہے پروردگار جہانوں کا (۶) اسکو ہمنے لیلۃ القدر میں اُتارا تحقیق تھے ہم اُتارنے والے ؎

یکم۔ اکتوبر ۱۹۰۵ء۔کسی شخص نے ہمارے ہاتھ پر سونف رکھدی ہے۔ ۲۔ اکتوبر ۱۹۰۵ء۔ دیکھا کہ ایک مکان ہے اسپر چڑھنے کیلئے ایک زینہ لگا ہوا ہے جو لوہے کا ہے اور تختے پاؤں رکھنے کے بھی ہیں۔ اوپر ایک دروازہ ہے میں اس زینہ پر چڑھتا ہوں مگر چڑھ نہیں سکتا۔ اتنے میں اوپر سے کسی نے دروازہ بند کردیا اور کہا کہ دوسرے راستہ سے آؤ۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ راستہ تو نزدیک ہے اور فوراً پہنچ سکتے ہیں مگر دوسرا راستہ دور ہے۔ کوئی دو تین سو گز کا فاصلہ ہے پس ہم اس دوسرے راستے سے جانے لگے تو دیکھا کہ میں ایک مضبوط گھوڑے پر سوار ہوں۔ اور آگے آگے ایک خدمتگار ہے جسکا نام غفار ہے اور ایک اور سوار بھی ساتھ ہے جو آگے آگے چلتا ہے۔ میں غفار کو کہتا ہوں کہ آگے مت نکل۔ ہمارے ساتھ ساتھ چل۔ تھوڑا راستہ طے کیا تھا کہ آنکھ کھل گئی +

۲۷۔ ستمبر ۱۹۰۵ء۔ ۱۔ ناتیک نصرتی۔ ترجمہ۔ میری مدد تیرے پاس آئے گی۔ ۲۔ یاتیک من کل فج عمیق۔ ترجمہ ہر ایک دور کے راہ سے تیرے پاس لائینگے۔ ۲۸۔ ستمبر ۱۹۰۵ء۔ حسنت مستقراً و مقاما۔ ترجمہ خوب ہُوا از روئے جگہ قرار پکڑنے کے اور از روئے جگہ ٹھہرنے کے۔ ۵۔ اکتوبر ۱۹۰۵ء۔ رہا گو سفندان عالیجناب۔

۷۔ اکتوبر ۱۹۰۵ء۔ بوقت صبح پیش از نماز فجر۔ رؤیا۔ دیکھا کہ میں گورداسپور سے آیا ہوں اور ایک مضبوط گوٹ گھوڑے پر سوار ہوں جو گلے رنگ کا ہے۔ گھوڑے پر ہی نماز پڑھی ہے اور سجدہ بھی کیا ہے مجھے خیال آیا کہ جب میں گورداسپور گیا تھا تو میرا بھائی بیمار تھا اور انکے بچنے کی امید نہ تھی۔ معلوم نہیں اسکا اب کیا حال ہے۔ گھر کے پاس کوچہ میں میراں بخش حجام ملا۔ وہ بڑی خوش خوش باتیں کرتا ہے جس سے میں نے سمجھا کہ اب بھائیصاحب تندرست ہونگے۔ ۷۔ اکتوبر قبل از نماز فجر۔ رؤیا دیکھا کہ ایک عورت فوت ہوگئی +

۱۰۔ اکتوبر ۱۹۰۵ء۔ رؤیا دیکھا کہ میں کسی جگہ ہوں اور استنجا کیواسطے ایک جگہ سے ڈھیلا لیا ہے تو دیکھا کہ وہاں بہت سے آدمی جیسے مزدور لنگوٹی پوش ہوتے ہیں بیٹھے ہیں جنسے کراہت ہوئی۔ پھر میں نے شادیخاں کو بلانا چاہا۔ اور خیال آیا کہ اتنے آدمیوں میں سے اسے کس طرح شناخت کروں مگر میں نے آواز دی تو شادیخاں فوراً کھڑا ہوگیا۔ اسکے ساتھ الہام ہُوا۔ اذ کففتُ عن بنی اسرائیل۔ ترجمہ۔ جب میں نے بنی اسرائیل کو دشمنوں کے شر سے بچالیا۔ ۴۔ ستمبر ۱۹۰۵ء یا اسکے قریب کا الہام تؤثرون الحیٰوۃ الدنیا۔ ترجمہ۔ دنیا کی زندگی کو تم اختیار کرتے ہو۔ ۱۱۔ اکتوبر ۱۹۰۵ء۔ رؤیا دیکھا۔ کہ قدرت اللہ کی بیوی روپیوں کی ایک ڈھیری میرے پیش کرتی ہے اس میں ایک لکڑی بھی ہے۔ الہام۔ اُرید الخیر۔ ترجمہ میں خیر کا ارادہ کرتا ہوں +

---

۴ رؤیا ابتدا میں مبشر سمجھی گئی تھیں انکو ایکطرف اللہ تعالےٰ نے ایک حد تک صحت دیکر پورا بھی کردیا مگر ساتھ ہی یہ بات بھی ہے کہ انسان کا ذہن ہمیشہ خیر کیطرف متبادر ہوتا ہے اور یہی طریق انبیاء علیہم السلام کا ہے کہ جبتک کوئی

امر جو بظاہر مصیبت کے رنگ میں ہوتا ہے واقع نہیں ہوجاتا تب تک وہ اللہ تعالے کے فضل کو ہی تلاش کرتے ہیں اور فضل سے کبھی مایوس نہیں ہوتے ایسا ہی جب فال لیتے ہیں تو نیک ہی لیتے ہیں اور کبھی بدفال نہیں لیتے وہ ایک طرف اللہ تعالے کی بے نیازی کو سمجھتے ہیں اور باوجود بڑے بڑے فضل کے وعدہ کے دردناک دعاؤں میں لگے رہتے ہیں جیساکہ آنحضرت بدر کی لڑائی میں اور دوسری طرف جب کوئی مصیبت یا غم نازل ہونیوالا ہوتا ہے تو اس وقت وہ فضل سے کبھی مایوس نہیں ہوتے۔

حضرت مولوی عبدالکریم صاحب کی موت جہاں ایکطرف جماعت کیلیے غم کی خبر ہے دوسری طرف جماعت کے لیے ایک عملی نصیحت کا سبق دیتی ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ وہ دنیا کی محبت کو کم کرکے آخرت کیطرف دل لگائیں۔ کوئی نبی نہیں آیا جسکی یہ تعلیم نہ ہو کہ یہ دنیا اور اسکی زندگی ہیچ ہے۔ چنانچہ جب حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بہت دعا حضرت مولنا مرحوم کیلیے کی تو الہام ہوا۔ تو ثرون الحیوٰة الدنیا یعنی حیات دنیا پر بہت زور دیکھیں دیا جاتا ہے یہ دنیا تو اسی قابل ہی کہ اس سے دل کو توڑکر اسجگہ دل لگایا جاوے جہاں حیات ابدی ملتی ہے۔ حضرت مسیح موعود ع نے اسموقعہ پر یہ فرمایا کہ صحابہ کے نمونہ کو پیش نظر رکھنا چاہیئے وہ سوائے خدا کی راہ میں جان فدا کرنیکے اور کچھ جانتے ہی نہ تھے اور اس زندگی کی سطلق کوئی پرواہ نہ کرتے تھے بلکہ ہر وقت منتظر رہتے تھے کہ کب شہادت پاکر خدا سے جاملیں۔ یہ جس قسم کی مصیبت اور غم ہمیں مولوی صاحب مرحوم کی مفارقت سے پہونچا ہے ہمارے نبی کریم صلعم کو ہر روز ایسے غم پہونچتے تھے۔ اور آپکے نہایت عزیز صحابہ آپکی آنکھوں کے سامنے قتل ہوجاتے تھے مگر خدا تعالے نے آپکو دل ہی ایسا دیا تھا۔ کہ وہ سب صدمات کی برداشت کرتے اور کسی کو اگر اسقدر غم پہونچتا جسقدر ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو پہونچا تو وہ انہی غموں سے ہلاک ہوجاتا۔

یہ ایک عجیب بات قابل ذکر ہے کہ حضرت مولویصاحب مرحوم کی وفات پر نہ صرف جماعت ہی روئی تھی بلکہ آسمان بھی رویا۔ آپکی وفات سے پہلے آسمان بالکل صاف تھا اور کئی دنوں سے اسیطرح صاف چلا آتا تھا مگر جبھی کہ آپنے آخری دم لیا آسمان پر بادل نمودار ہوگیا اور آخر جب آپکا جنازہ میدان میں رکھا گیا اور حضرت مسیح موعود نماز جنازہ کیلیے تشریف لائے تو ایسے قطرے آسمان سے برسنے شروع ہوئے جو بالکل رونے سے مشابہ تھے جو احمق نادان اس موت پر ہنستا ہے وہ یاد رکھے کہ یہ ہنسنے کا وقت نہیں یہی موت کا دروازہ ہے جس سے سب نبی اور ولی ہوکر گذرے اور آخر اسی سے سب نے گذرنا ہے دوسری طرف اللہ تعالے اس جماعت کو بھی حکم دیتا ہے کہ حد سے زیادہ غم نہ کریں۔ مولویصاحب مرحوم کی وفات سے چند گھنٹے پہلے یہ الہام الہی ہوا۔ یاایہا الناس اعبدوا ربکم الذی خلقکم یعنی خدا کی ہی عبادت کرو جسنے تمہیں ناچیز نطفہ سے پیدا کیا۔ اسمیں یہ اشارہ ہے کہ حد سے زیادہ محبت کرنی بھی ایک آدمی کو معبود بنالینے کے برابر ہوتی ہے یہ اسی کے مشابہ ہے جو حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالے عنہ نے آنحضرت

صلے اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت فرمایا من کان منکم یعبد محمدا فان محمدا قد مات ومن کان یعبد اللہ فان اللہ حی لا یموت +

شیخ یعقوب علی صاحب نے اپنے مطبع انوار احمدیہ میں منیجر میگزین کے لیے چھپایا +

آؤ لوگو کہ یہیں نور خدا پاؤ گے ✤ لو تمہیں طور تسلّی کا بتایا ہم نے

ریویو آف ریلیجنز

یعنی

دنیا کے مذاہب پر نظر

جلد ۴ نمبر ۱۱

بابت ماہ نومبر ۱۹۰۵ء

فہرست مضامین

"لنگر خانہ کی آمدنی"

اس عنوان کے نیچے حضرت اقدس کے ارشاد سے ایک الگ چٹھی شائع کرکے ہر جگہ کی جماعت کے جنکے پتے یہاں موجود تھے ایک ایک دوست کے نام بھیجی گئی ہے۔ اور یہ استدعا کی گئی ہے کہ وہ جہانتک انکی طاقت ہو دوسرے احباب کے پتے دریافت کرکے یا اُن سے وصولی چندہ کا انتظام کرکے مطلع فرماویں۔ ماحصل اس تحریک کا یہ ہے کہ لنگر خانہ کا خرچ پہلے کی نسبت ڈیوڑھا یا اس سے بھی زیادہ ہو گیا ہے یعنی قریب باراں سو روپیہ ماہوار کی ہے۔ یہ مد حضرت اقدس کے مشن کی اصلی اور ضروری اغراض میں سے ہے کہ تا ایک گروہ طالبان حق اور ناصران دین کا حضرت اقدس کی خدمت میں رہے اور دُور دُور سے لوگ آکر شبہات پیش کرکے اپنا اطمینان کریں اور سچی تعلیم حاصل کریں اور اُنکو یہاں مکان رہائش اور خورد و نوش کے متعلق تکلیف نہ ہو اور تا اشاعتِ کُتب اور خطوط وغیرہ کے جوابات کے سلسلہ میں حرج نہو چونکہ یہ سلسلہ دن بدن ترقی کر رہا ہے اسلئے اخراجات بھی ساتھ ہی بڑھ رہے ہیں۔ انہیں ضروریات کی وجہ سے حضرت اقدس نے ۵ مارچ ۱۹۰۲ء کو ایک اشتہار تحریر فرمایا تھا جسکو مریدین کے ساتھ آخری فیصلہ قرار دیا تھا اسمیں آپنے تحریر فرمایا تھا کہ یہ اشتہار کوئی معمولی تحریر نہیں بلکہ ان لوگوں کے ساتھ جو مرید کہلاتے ہیں میں یہ آخری فیصلہ کرتا ہوں ۔۔۔ کہ ۔۔ ہر ایک شخص جو مرید ہے اُسکو چاہیئے کہ اپنی نفس پر کچھ ماہوار مقرر کر دے خواہ ایک پیسہ ہو ہر ایک جو شخص مرید کہلاتا ہے خواہ وہ مرد ہے یا عورت یا لڑکا یا لڑکی اُسے چاہیئے کہ ادائگی چندہ کو اپنا فرض سمجھے۔ اگر ہر ایک شخص اپنی آمدنی کا دسواں حصہ ضروریات سلسلہ کے لئے الگ کر دے تو کوئی بڑی بات نہیں۔ آخر انسان ہر صورت میں گذارہ کر ہی سکتا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ نے کیسی کیسی قربانیاں کیں کہ نہ صرف چندوں میں اپنے مال ہی دیئے بلکہ گھر بار جائدادیں سب کچھ چھوڑا اور آخر سب سے پیاری چیز یعنی جان کو بھی خدا کی راہ میں قربان کیا۔ سو یہ وقت اعانت دین کا ہے ایسا نہ ہو کہ ہم دنیا میں ہی لگے رہیں اور موت کا پیغام آجاوے۔ غور کا مقام ہے کہ سورہ منافقون میں اللہ تعالیٰ یہ فرماتا ہے وَاَنۡفِقُوۡا مِنۡ مَّا رَزَقۡنٰکُمۡ مِّنۡ قَبۡلِ اَنۡ یَّاۡتِیَ اَحَدَکُمُ الۡمَوۡتُ پس میں پھر سب احباب کی خدمت میں التماس کرتا ہوں کہ اس کام میں سستی ہرگز نکریں بلکہ جو لوگ چندے مقرر کر چکے ہیں وہ اپنے اپنے چندوں کو بڑھاویں اور جنہوں نے ابھی تک غفلت کی ہے وہ بہت جلد ماہوار چندے معین کرکے اور ہر جگہ ایک جماعت کی صورت میں فہرستیں مرتب کرکے اسجگہ بھیجدیں تا یہ کام احسن طریق پر چلتا رہے اور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

اسلام (۵)

بجواب پادری سیلؔ

پادریصاحبان کے دو اصلی اور ضروری فرایض ایسے ہیں جن کی ادائیگی کیلیے انہیں واقعات سے الگ ہوکر خیالی مسئلے قایم کرنے کی ضرورت پیش آتی ہے یعنے ایک تو اپنے مذہب کی حمایت اور دوسرا دوسرے مذاہب کی تردید۔ ان میں سے اول الذکر کا تو یہ حال ہے کہ حضرت مسیح کی زندگی کے تمام واقعات انہیں صاف طور پر ایک فانی انسان ثابت کرتے ہیں ہاں دوسرے پیغمبروں کی طرح جو وقتاً فوقتاً بنی اسرائیل میں اس قوم کی اصلاح کیلیے پیدا ہوتے رہے وہ بھی ایک پیغمبر تھے۔ مگر پادریصاحبان دنرات اس بات کو دہراتے نہیں تھکتے کہ یسوع مسیح واقعی خالق ارض وسما اور رب العالمین تھا۔ پھر جب انکے اندر انسانی کمزوریوں کا ہونا دکھایا جاتا ہے تو جواب یہ ملتا ہے کہ بیشک وہ فانی انسان تھے اور اسلیے سب قسم کی انسانی کمزوریاں انکے اندر پائی جاتی تھیں مگر باوجود کمزور انسان ہونیکے وہ نعوذ باللہ خدائے کامل بھی تھے اور کبھی یہ خیال نہیں کرتے کہ یہ اجتماع ضدین کیونکر ممکن ہے کہ وہ بشر بھی تھے اور خدا بھی۔ ناقص بھی تھے اور کامل بھی۔ کمزور بھی اور ہر شے پر قادر بھی۔ مخلوق بھی اور خالق بھی۔ خدا جانے ان لوگوں کے دل ودماغ کیسی الگ طرز کے بنے ہوئے ہیں کہ ان باتوں پر کبھی انکے دلوں میں اعتراض پیدا نہیں ہوتا۔ پھر جب کہا جاتا ہے کہ ایک خدا تو وہ ہوا جسکو یسوع مسیح بھی آسمان پر مانتا تھا اور ایک خدا زمین پر خود یسوع مسیح ہوا اور ایک

درمیانی خدا جسے روح القدس کے نام سے پکارا جاتا ہے ان تین خداؤں کا وجود توحید کے پاک اور سچے مسئلہ کی جسکی تعلیم ابتدا سے تمام انبیاء دیتے چلے آئے ہیں بیخ کنی کرتا ہے تو عیسائی صاحبان یہ کہکر اطمینان کر لیتے ہیں کہ یہ تینوں بلکہ ایک ہی خدا بنتا ہے خواہ یہ بات دنیا میں کسی کی سمجھ میں آوے یا نہ آوے اور یہ ایک ایسا راز ہے جسے کوئی انسان سمجھ نہیں سکتا نہ یہ دنیا کے کسی علم اور قاعدہ کے ماتحت آسکتا ہے۔ پھر اگر یسوع مسیح کی خدائی کا ثبوت مانگا جائے مثلاً یہ کہ اس تینتیس سال کی عمر میں یا زمانہ میں جو اِس نے اس زمین پر گذارے کونسا نیا سیارہ یا ستارہ اس نے پیدا کیا تو اسکا جواب یہ ملتا ہے کہ ایسا کرنے کی طاقت تو ان میں موجود تھی مگر اس طاقت کو اس نے استعمال میں لانا نہیں چاہا۔ شاید اسکی وجہ یہ ہو کہ وہ یہودیوں کے خوف سے ایسا نہیں کر سکتا تھا۔ جب کسی طرف ہاتھ نہیں پڑتا تو پھر معجزات کو اور کبھی تعلیم کو خدائی کے ثبوت میں پیش کیا جاتا ہے گویا انہی دو ستونوں پر خدائی کی چھت قایم ہے لیکن اگر ذرہ بھی غور کیا جائے تو ان ستونوں کا خیالی ہونا فی الفور ثابت ہو جاتا ہے کیونکہ معجزات دوسرے انبیاء کے نہ صرف یسوع جیسے بلکہ یسوع کے معجزات سے بھی بڑھکر ہیں۔ پھر اگر وہ تمام نبی اسقدر عظیم الشان معجزات دکھا کر بھی انسان رہے تو ویسے ہی یا اس سے کمتر معجزات سے یسوع کیونکر خدا بن گیا۔ باقی رہی تعلیم سو وہ کل کی کل یہودیوں کی کتابوں سے لی گئی ہے۔ اور کوئی ایسا امتیازی نشان نہیں بتایا جاتا جس سے یسوع مسیح کی کوئی خصوصیت ثابت ہو۔ کیا یہ بھی ممکن ہے کہ خالق اور مخلوق کے درمیان کوئی امتیازی نشان ہی نہ ہو۔

دوسری طرف پادری صاحبان واقعات سے اسوقت گریز کرتے ہیں جب انکا حملہ ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم پر ہوتا ہے۔ تعجب ہے کہ ایک ایسی قوم جسکے ہاتھ میں سینکڑوں انبیاء کی تاریخ ہے ایک نبی کے بارے میں قدم قدم پر ٹھوکر کھاوے۔ میں حیران ہوں کہ کیا بائیبل میں جس قدر انبیاء کے حالات لکھے ہوئے ہیں انسے نبی کی صداقت کے پرکھنے کا کوئی معیار اور امتیازی نشان نہیں ملتا۔ اگر ملتا ہے اور یقیناً ملنا چاہیئے تو کیوں پادری صاحبان یہ سیدھی راہ اختیار نہیں کرتے کہ اسی معیار کی رو سے ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی صداقت کو پرکھیں اگر ان لوگوں میں کوئی بھی حق طلبی باقی ہے تو انکو بائیبل سے انبیاء کی صداقت کا معیار نکالکر مسلمانوں سے یہ مطالبہ کرنا چاہیئے کہ وہ اس معیار کے رو سے حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی صداقت کو ثابت کر دیں۔ کاش اگر یہ لوگ کجروی کو چھوڑ دیتے تو انکو تعدد ازدواج یا طلاق یا غلامی یا جہاد وغیرہ کے مسایل کے متعلق ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم پر اعتراض کرنیکی ضرورت باقی نہ رہتی کیونکہ یہ وہ باتیں ہیں جو تمام انبیاء علیہم السلام کی تعلیم میں مشترک چلی آتی ہیں مگر یہ کجرو قوم جو بھیڑ کہلاتی اور بھیڑیئے کا کام کرتی ہے اس سیدھی راہ پر کبھی نہیں آتی اور صراط مستقیم سے بھٹکتی پھرتی ہے وجہ

اس کی یہ ہے کہ پادریصاحبان کو خوب معلوم ہے کہ اگر انبیاء علیہم السلام کی صداقت کے معیار کے رو سے ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو پرکھا جاوے تو یقینی طور پر انکی صداقت اور فضیلت کھلجاتی ہے۔ پس پادریصاحبان امور تنقیح طلب کو ٹالکر نئے نئے اعتراضوں کے پہلو سوچتے رہتے ہیں یہی پادری سیل صاحب جنکا میں جواب لکھ رہا ہوں تین خداؤں اور صلیب کے کفارے کو قبول کرتے وقت تو ایسے جاہل بنتے ہیں کہ گویا عقل انکے نزدیک نہیں آئی اور اسلام پر اعتراض کرنیکے لیے عجیب عجیب پہلو تراشتے ہیں۔ مثلاً ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے معجزات کا ذکر کرتے ہوئے وہ لکھتے ہیں۔

"مکہ کے لوگ انذار کی کوئی خواہش نہ رکھتے تھے اور اسلیے اب (یعنی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے دعوے کرنے پر) آپکی مخالفت کا دور شروع ہوگیا۔ مخالفین کے سردار ولید بن مغیرہ اور ابولہب اور ابوجہل تھے۔ ان سب کو اس وحی میں جو جبرائیل لاتا بڑی سختی سے برے الفاظ میں یاد کیا جاتا جس سے پیغمبر صاحب کی فطرت کی کینہ وری جو مخالفت سے پیدا ہوتی تھی ظاہر ہے۔ ولید کے متعلق یہ کہا گیا کہ وہ ایک حقیر آدمی اور اہانت کنندہ ہے اور اسکا ٹھکانا دوزخ ہوگا جو کسی چیز کو باقی نہیں چھوڑتا اور سب کو بھسم کر جاتا ہے۔ ابولہب کے متعلق کہا گیا کہ اسکا مال و دولت ہلاک ہو جائیگا اور وہ شعلوں والی آگ میں جلایا جائے گا جیسی جیسی مخالفت بڑھتی گئی ویسے ہی یہ سخت کلامی اور کفار پر لعنتیں ملامتیں تیز ہوتی گئیں۔ مگر سخت کلامی کوئی دلیل نہ تھی اور اسلیے مکہ والوں نے آپکی صداقت کا ثبوت طلب کیا اور یہ کہا کہ اپنے دعوے کی تائید میں کوئی معجزہ دکھاؤ۔ (حضرت نبی کریم) محمد (مصطفے صلے اللہ علیہ وسلم) اس درخواست کو پورا نہ کرسکے لیکن یہ دکھانیکے لیے کہ یہ درخواست محض لغو تھی ایک وحی نازل ہوگئی جس میں یہ کہا گیا کہ خدا فرشتوں کو کافی وجہ پیدا ہونیکے بغیر نہیں بھیجتا (سورۃ الحجر آیت ۸) اور کہ اگر لوگ نذیر کے انذار کو عمداً رد کردینگے تو جس قسم کی شہادت وہ طلب کرتے تھے وہ بھی انکو کوئی نفع نہ پہنچا سکے گی کیونکہ پہلے انبیاء کے معجزات نے بھی کوئی اچھا اثر پیدا نہیں کیا اور یہ سنایا گیا کہ کسی چیز نے ہمکو معجزات کے بھیجنے سے نہیں روکا مگر اس بات نے کہ پہلوں نے انکی تکذیب کی (سورہ بنی اسرائیل۔ آیت ۶۱) مکہ والوں نے اس عذر کو قبول نہ کیا اور اپنی بات پر زور دیا اور آخر جب انکو کوئی اطمینان بخش جواب نہ ملا تو انہوں نے کہا کہ یہ جو وحی جبرائیل لاتا ہے یہ تو پرانے لوگوں کے جھوٹے قصے ہیں یا تیزی قوت متخیلہ کا نتیجہ ہے یا اجنبی لوگوں کے ساتھ ملکر جو مکہ میں آتے ہیں یہ باتیں بنالی گئی ہیں اور انہوں نے کہا کہ قرآن تو اسکا اپنا افترا ہے اور ایک اور قوم نے اسکو اس افترا کے بنانے میں مدد دی ہے۔ (سورۃ الفرقان آیت ۵)۔ آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) کا جواب یہ تھا کہ یہ قرآن کریم ہے جو لوح محفوظ پر لکھا ہوا موجود ہے اور یہ ذکر ہے جو مکرم مرفوع مطہر صحیفوں

میں لکھا گیا ہے۔ (عبس - ۱۳) ساتھ ہی اسکے آپ یہ کوشش کرتے تھے کہ مکّہ کی عظمت کو بیان کرکے ان لوگوں کے ساتھ صلح کی بنیاد ڈالی جاوے چنانچہ یہ بیان کیا کہ کس طرح خدا نے حبش والوں سے اسے بچا لیا اور کعبہ کو خدا کا گھر کہا اور اسکے اردگرد کی زمین کو حرم قرار دیا۔"

یہ سیلؔ صاحب کی عبارت کا ایک فقرہ ہے اِس شخص نے غلط بیانی سے یہ ثابت کرنا چاہا ہے کہ ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نعوذ باللہ ایک کینہ ور انسان تھے۔ اور جب قریش نے آپکی حق پر ہوکر مخالفت کی تو آپکی طبعی کینہ وری جوش میں آگئی اور آپنے عمائد کفار کو گالیاں دینی شروع کیں مگر قریش گویا بہت ہی بردبار تھے کہ گالیاں سُنکر بھی اگر بولے تو صرف اسقدر کہ اس دعوے کی تائید میں کوئی شہادت ہمارے سامنے پیش کیجاوے جس سے ہم آپکا حق پر ہونا سمجھ لیں مگر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اپنی صداقت کا کوئی ثبوت نہ دے سکے اور معجزہ نہ دکھا سکے اور وجہ یہ بیان کر دی کہ یہ بیفایدہ باتیں ہیں۔ اور پھر جب قریش نے یہ دیکھا کہ نہ کوئی ثبوت ہی صداقت کا آپ پیش کرسکتے ہیں اور نہ شہادت ہی۔ تو پھر وہ اس نتیجہ پر پہونچے کہ بیشک قرآن افترا ہے اور کہ جب کسی کوشش میں بھی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو کامیابی نہ ہوئی تو پھر یہ کوشش کی کہ عرب کی پرانی رسوم کو کسیقدر تسلیم کرکے انہیں خوش کیا جاوے تا شاید اسی طرح پر وہ اسلام کیطرف کچھ جھک پڑیں

یہ جو کچھ پادری صاحب نے ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے متعلق کہا ہے اس سے بڑھکر اور زیادہ معقول باتیں یسوع مسیح کے متعلق کہی جاسکتی ہیں بلکہ اصل بات تو یہ ہے کہ یہ خیالات پادری صاحب کے اپنے ذہن رسا کا نتیجہ نہیں بلکہ جو کچھ یہودیوں نے حضرت مسیح علیہ السلام کے متعلق کہا ہے وہی پادری صاحب نے اٹھا کر ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے متعلق لکھدیا ہے اور زیادہ تکلیف نہیں کی گویا یہودیوں کے اعتراضوں کو دور کرنے کی بجائے انہوں نے یہ فایدہ اٹھا لیا کہ وہی دوسروں پر تھوپ دیئے چنانچہ ذیل میں ایک یہودی کی کتاب کے چند فقرات نقل کرتا ہوں جس سے میرے اس قول کی تائید ہوتی ہے۔ فاضل یہودی مصنف مسیح کے معجزات پر بحث کرتا ہوا لکھتا ہے:-

"یہ ہمارے لیے ناممکن ہے کہ انجیلوں کے ان تمام فقروں کو نقل کرسکیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ سردار کاہنوں اور دوسرے لوگوں اور یہودی علماء کو یہ کیسی سچی خواہش اور تڑپ تھی کہ جلیل کا نبی انکے سوالوں کا کوئی معقول جواب دے پس ہم چند ضروری فقروں پر اکتفا کرینگے۔ ایکدن جب وہ (یعنی مسیح) فریسیوں پر جو اسکے گرد تھے اپنی عادت کے موافق سخت کلامی سے حملہ کرچکا اور انکو یہ کہہ چکا کہ تم سانپوں کے بچے ہو جن میں کوئی نیک خیال پیدا ہی نہیں ہوسکتا اور کہ تم دنیا اور آخرت میں ملعون ہو تو انہی میں سے بعض جنکے ساتھ اس نے اسقدر درشت کلامی کی تھی آگے بڑھے اور اسکے پاس ہوکر کہا کہ اے استاد ہم تجھ سے کوئی ایسا نشان دیکھنا چاہتے ہیں جس سے

تیری طاقت ہم پر ظاہر ہو جائے تو یسوع نے چلا کر کہا کہ یہ بدکار اور زنا کار نسل نشان طلب کرتی ہے مگر انکو کوئی نشان نہیں دیا جائیگا سوائے یونا نبی کے نشان کے کیونکہ جیسا یونس تین دن اور تین رات مچھلی کے پیٹ میں رہا اسی طرح پر ابن آدم تین دن اور تین رات زمین کے پیٹ میں رہیگا اس راز کی بات کو بیچارے یہودی نہ سمجھ سکے۔ علاوہ ازیں وہ تو نشان صداقت کا طلب کرتے تھے اور جواب میں ان کو ایسے نشان کا حوالہ دیا گیا جو موت کے بعد وقوع میں آنیوالا تھا۔ کیا یہ الٹا جواب اصل سوال کا صاف انکار نہیں۔ اس طرح پر مسیح نے یہودیوں کی درخواست کے جواب میں ایسا ثبوت دینے سے انکار کر دیا جس سے اُس زمانہ کے لوگ اسکے حق پر ہونیکو سمجھ سکتے اور خود انکو اسی شک میں چھوڑ کر چلدیا۔ مرقس بیان کرتا ہے کہ ایسے ہی حالات کے ماتحت اسنے اور بھی زیادہ خاموشی پر اصرار کیا۔ چند فریسی اسکے پاس حاضر ہوئے اور اس سے سوال کرنے لگے اور ایسا آسمانی نشان مانگا جس سے اسکی صداقت انپر ظاہر ہو جائے۔ مگر اسکے جواب میں یسوع نے صرف ایک آہ سرد بھر کر کہا کہ کیوں یہ لوگ نشان طلب کرتے ہیں میں تمُسے سچ سچ کہتا ہوں کہ کوئی بھی نشان انکو نہیں دیا جائیگا۔ پھر ایک دن صدوقیوں اور فریسیوں نے اسی درخواست کو دُھرایا کہ اگر تجھے وہ طاقت فی الواقع دیگئی ہے جسکا تو دعوے کرتا ہے تو ہمکو کوئی آسمانی نشان دکھا جو ہمکو قایل کر دیوے یسوع نے پھر یہی جواب دیا کہ سوائے یونس کے نشان کے اور کوئی نشان نہیں دکھایا جاویگا۔ اور بیچارے یہودیوں کو اسی طرح شک میں چھوڑ کر پھر چلدیا"۔

اس سے ایک غور کرنیوالے انسان پر بڑی صفائی سے کھلجاتا ہے کہ پادریصاحبان جب یسوع سے ان الزامات کو خود دور نہ کر سکے تو انہوں نے یہی فایدہ غنیمت سمجھا کہ وہی الزام ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم پر لگا دیں یعنی یہ کہ آپ کفار کو اپنی نبوت کا ثبوت کوئی نہیں دے سکے اور یہی وجہ آپکی ساری تکلیفات کی تھی۔ پادری سیل نے ایک الزام یہ ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم پر لگایا ہے کہ آپ معاند کفار سے سخت کلامی سے پیش آتے تھے اور انکو ناحق بُرے الفاظ سے یاد کرتے تھے مگر اس سے بڑھکر اور کوئی لفظ نہیں دکھا سکے کہ ایک شخص کو حقیر اور اہانت کنندہ یا اپنے مخالفین کو دوزخی کہا ہے ان الفاظ کا استعمال حالانکہ صاف طور پر ان مخاطبین پر صادق آتا تھا مگر پادریصاحب اپنے تعصب کیوجہ سے اسے فطرت کی کینہ وری کا نتیجہ بتاتے ہیں میں اسکا جواب صرف اسیقدر دیتا ہوں کہ ایکدفعہ پادریصاحب اپنے آقا کے نرم اور ملایم الفاظ کو جو وہ فقیہوں اور فریسیوں کے حق میں بولا کرتے تھے اور جن میں سے بعض اب بھی اناجیل میں موجود ہیں پڑھ جاویں اور انصاف سے بتاویں کہ دونوں میں سے زیادہ کینہ وری کس میں نظر آتی ہے عیسائیوں کے خدا میں یا مسلمانوں کے پیغمبر میں۔ یہودی علماء اور فریسی بڑے بڑے معزز لوگ تھے اور بعض ان میں سے گورنمنٹ کے نیچے بھی معزز عہدوں پر ممتاز تھے۔ اور حالانکہ یہودیوں کے قول کے مطابق وہ بڑی نرمی سے حضرت مسیح سے پیش آتے تھے مگر آپکا جواب نہایت تُند

اور درشت ہوتا تھا۔ایک موقعہ پر ایک عام جلسے میں جہاں ہزاروں لوگ انکو عزت کی نظر سے دیکھنے والے اور انکو مقدّس سمجھنے والے موجود تھے حضرت مسیح نے ان الفاظ میں انکو ذلیل کیا کہ زنا پیشہ عورتیں تم سے پہلے خدا کی سلطنت میں داخل ہونگی اور اس طرح انہیں کنجریوں سے بھی بدتر قرار دیا۔پھر جب انہوں نے کوئی آسمانی نشان دیکھنے کی خواہش ظاہر کی تو انکو سانپوں کے بچے اور زناکار بتایا۔پادری صاحب غور فرماویں کہ ان الفاظ کے بالمقابل حقیر اور اہانت کنندہ کی کیا حقیقت ہے۔اور پھر انکو جاہل۔منافق اور ہر طرح کی بدکاری سے پر وغیرہ ناموں سے پکارنا تو ایک معمولی بات ہو گئی تھی۔اب سیلؔ صاحب ہی انصاف کریں کہ فطرت کی کینہ وری کا ثبوت ان میں سے کس میں پایا جاتا ہے۔اے ظالمو تم اونٹ کو نگل جاتے ہو پر مچھر سے پرہیز کرتے ہو۔

اب میں واقعات پر آتا ہوں۔سیل صاحب کے لفظ لفظ سے ظالم کفار کے ساتھ ہمدردی اور ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم اور آپکے راستباز اور مظلوم صحابہ سے نفرت ٹپکتی ہے اور جو جو ظلم اس غریب جماعت پر ہوئے یا جو جو تکلیفیں اور مصیبتیں انہوں نے اعلائے کلمۃ الحق کیلیے اٹھائیں۔انکے ساتھ ہمدردی کا لفظ تو ایکطرف رہا۔انکو بیان کرنیسے بھی کنارہ کشی کی ہے اگر اسی کے مضمون کو پڑھکر کسی شخص نے رائے لگائی ہو تو وہ یہی سمجھے گا کہ مکہ کی تمام زندگی میں مسلمانونکو کفار کیطرف سے کوئی اذیت نہیں پہونچی جو قابل ذکر ہو بلکہ مسلمانوں کی طرف سے ہی زیادتی تھی۔پادری صاحب! اس اخفائے حق سے یسوع کی خدائی پر پردہ پڑجائیگا؟ دنیا کے سامنے تاریخ موجود ہے اور جبتک وہ تاریخ پڑھتے رہینگے آپکے اس مضمون پر لعنت بھیجتے رہیں گے۔جن آیات کا پادری صاحب نے حوالہ دیا ہے کہ ان میں گالیاں نکالی گئی ہیں۔ان میں بھی صرف کفار کے مظالم کا بیان ہے اور جنہیں پادری صاحب دھمکیاں سمجھتے ہیں وہ انکی بدکاریوں کے متعلق سزاؤنکی پیشگوئیاں ہیں وہ سب پر حکمت الفاظ ہیں اور یا تو ان میں کفار کیحالت کا اور انکے مظالم کا سچا نقشہ ہے اور یا انکے انجام کی پیشگوئیاں ہیں۔اگر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے بتونکو برا کہا تو میں پادری صاحب سے پوچھتا ہوں کہ کیا آپنے برا کام کیا۔اور کیا بتونکو برا کہنے کے سبب سے پادری صاحب کو کفار کے ساتھ ہمدردی ہے یا حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ؟ پادری صاحب اگر اسکا صاف صاف جواب دیدیں تو دنیا کو یہ تو معلوم ہو جائے کہ ان لوگونکا توحید کا اقرار محض ایک دھوکے کی ٹٹی ہے۔اور انکے دلوں میں بت پرستی سے محبت ہے۔پھر اگر نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے دکھ دینے والونکو اس بات سے ڈرایا کہ ان بدکاریونکی وجہ سے جنکا تم ارتکاب کر رہے ہو تم پہ عذاب الٰہی آنیوالا ہے۔جسکی آخر تصدیق بھی ہو گئی تو کیا یہ آپنے برا کام کیا۔کیا پادری صاحب کے نزدیک سچا نبی وہ ہوگا جو اپنے مخالفین کے آگے ہاتھ جوڑکر یہ کہدے کہ جو تم کہتے ہو سب سچ ہے اور جو میں کہتا ہوں وہ جھوٹ ہے اور جو بدکاری تم چاہو کرتے ہو۔خدا تمہیں کبھی نہیں پکڑے گا۔اور نہ تمہاری بدکاریونکی وجہ سے تم پر کوئی عذاب نازل

کرے گا۔ بلکہ تمہاری بدکاریونکو وہ بُری نظر سے بھی نہیں دیکھے گا۔ایک کفارہ کا عقیدہ رکھنے والا ایسا کیسے تو کہہ سکتا ہے مگر ہم تمام انبیاء علیہم السلام کی تاریخ میں ایسا کوئی نبی نہیں پاتے۔خدا جانے اسلام پر اعتراض کرتے وقت ان لوگونکی عقلوں پر کیا پردہ پڑجاتا ہے کہ اپنے ہی اصول کی اور اپنے ہی انبیاء کی تعلیم کی تردید شروع کردیتے ہیں اور جس شاخ پر بیٹھے ہوئے ہیں اسیکو کاٹنے لگ جاتے ہیں۔اے دیوانو! دیکھو کہ تم کیا کررہے ہو اسلام پر اگر کوئی اعتراض ہے تو کرو مگر ایسا نہ کرو جس سے تمہاری اپنی بیخکنی ہوتی ہو+

اب ان آیات پر غور کرو۔ایک تو سورہ علق کی چھٹی اور ساتویں آیت ہے پادری سیل کو یہ اعتراض ہے کہ اس میں ناحق ابوجہل کو گالیاں دیگئی ہیں۔یہ دونوں آئیتیں یوں ہیں۔ کلا ان الانسان لیطغیٰ ان راہ استغنیٰ یعنی خدا تعالےٰ اپنی نعماء کا اور پھر اس بات کا ذکر کرکے کہ کیونکر اس نے محض اپنے فضل سے بذریعہ وحی وہ باتیں انسان کو سکھائیں جو وہ خود نہ جان سکتا تھا فرماتا ہے مگر انسان کا یہ حال ہے کہ وہ یہ نہیں کرتا کہ خدا کی شکر گذاری کرے بلکہ اپنے تئیں غنی اور بے نیاز سمجھ کر خدا سے سرکشی کرتا ہے+حیرت آتی ہے کہ پادری صاحبان کو اسلام سے کیسا تعصب ہے کہ اس آیت کو بھی آنحضرت صلعم کی سخت کلامی میں درج کردیا ہے اور یہ کہا ہے کہ اس میں ابوجہل کو برا کہا گیا ہے۔کیا پادری صاحب کے نزدیک ابوجہل خدا کا بڑا فرمانبردار تھا جو اسکو سرکش کہنا گالی ہوگئی۔خدا اس تعصب کا ستیاناس کرے۔جو چنگے بھلے مہذب تعلیم یافتہ آدمیونکو یوں اندھا کردیتا ہے کہ ایک باطل کی تائید اور حق کی بلاوجہ تردید کے درپے ہورہے ہیں!اول تو اس آیت میں عمومیت ہے اور اس سے اگلی آیتوں میں بالخصوص کسی ایسے شخص کا ذکر ہے جو مخالفت نبی کریم میں بہت بڑھ کر حصہ لیتا تھا۔لیکن اگر اسکو بھی ابوجہل کے متعلق ہی سمجھ لیا جاوے تو کونسی سخت کلامی اس میں ہے کیا آنحضرت کو چاہیئے تھا کہ وہ کہتے کہ ابوجہل خدا تعالےٰ کا بڑا فرمانبردار ہے مگر اگلی آیتوں پر غور کرو جن میں اسکے مظالم اور ان مظالم کی پاداش کا جو خدا کیطرف سے اُسے ملنے والی ہے۔ذکر ہے۔فرماتا ہے:۔ارءیت الذی ینھیٰ عبدا اذا صلیٰ ارءیت ان کان علے الھدیٰ او امر بالتقویٰ ارءیت ان کذب وتولیٰ الم یعلم بان اللّٰہ یریٰ کلا لئن لم ینتہ لنسفعًا بالناصیۃ ناصیۃ کاذبۃ خاطئۃ فلیدع نادیہ سندع الزبانیۃ۔دیکھا تونے اس شخص کو کہ جب ہمارا ایک بندہ نماز پڑھتا ہے تو وہ اسے منع کرتا ہے بھلا دیکھو تو سہی اگر یہ شخص خود راہ راست پر ہوتا یا لوگونکو راست بازی سکھلاتا۔بھلا دیکھو تو اگر اسنے جھٹلایا اور منہ موڑا کیا وہ یہ نہیں جانتا کہ اللہ تعالےٰ (اسکی ان کرتوتوں کو) دیکھتا ہے وہ سن رکھے کہ اگر وہ باز نہیں آئیگا تو ہم اسکو اسکی چوٹی جھوٹی خطاکار چوٹی پکڑ کر گھسیٹینگے پھر اسے چاہیئے کہ اپنے ہمنشینوںکو مدد کے لیے بلاوے۔ہم بھی اپنے سیاست کرنیوالے فرشتونکو بلاوینگے (کہ اُسکو سزادیں)"ان آیات میں کسی ایسے شخص کا ذکر ہے جو ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو طرح طرح کے دکھ دیتا

آپ کو نماز و نسے روکتا۔ بجائے تقوے کی تعلیم دینے کے بدکاری اور بدی لوگونکو سکھاتا اور خدا کے نشانوں کو جھٹلاتا اور یہ سب کچھ اپنے اہل مجلس کی شیخی پر کرتا۔ کہ وہ سب اسکی مدد کو تیار تھے اور مدد کرتے تھے۔ اس شخص کی نسبت صریح الفاظ میں ابتدائے زمانہ وحی میں یہ پیشگوئی کی گئی۔ جب ابھی ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم تنہا ہی سب مصایب کا نشانہ ہو رہے تھے اور ہر طرف سے آپکی وحی اور پیغام رسالت پر ہنسی ہوتی تھی۔ اور بت پرست نہ صرف آپکی ایذا بلکہ آپکی جان اور آپکے سلسلہ کی بیخکنی کے درپے ہو رہے تھے۔ کہ ان بت پرستوں اور ایذا دینے والونکا رئیس جوان افعال کا مرتکب ہو رہا ہے یہ خیال نہ کرے کہ وہ اپنے بیشمار ساتھیو نکے ساتھ اس نبی پر جو تنہا ہے غالب آجاوے گا اور اسکو نیست و نابود کر سکیگا نہیں بلکہ اگر وہ ان کرتوتوں سے باز نہ آیا تو اس پر وہ دن آوے گا جس دن جھوٹی خطا کار چوٹی سے پکڑا جاکر گھسیٹا جاویگا اور اس دن اسکا ایک بھی مددگار اسکی مدد نہیں کر سکے گا۔ کیونکہ خدا سب کچھ دیکھ رہا ہے اور ان شوخیونکو دیکھتا ہے جو یہ شخص کر رہا ہے۔ حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ شخص ابوجہل تھا جس نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی مخالفت اور ایذا دہی اور بیخ کنی کیلئے جسقدر ممکن تھا زور لگایا۔ خصوصاً نماز میں یہ شخص آپکو بہت دکھ دیتا۔ اور کبھی پتھر اور کبھی غلاظت وغیرہ آپکی پشت پر رکھدیتا جب کہ آپ خدا کے حضور سجدے میں گرے ہوئے ہوتے۔ اور پھر طرح طرحکی تجویزیں آپکے ہلاک کرنیکے لیے اسنے کیں۔ اس جگہ اللہ تعالے نے یہ بھی فرمایا کہ یہ کیسا ظالم شخص ہے کہ اول تو خود نہ راہ راست پر ہے اور نہ تقوے کی تعلیم لوگونکو دیتا ہے بلکہ گمراہی میں پڑا ہوا اور بدی پھیلاتا ہے۔ اور پھر ساتھ اسکے یہ دوسرا ظلم کہ اس شخص کو جو راہ راست پر ہے اور نیکی اور راستبازی کی تعلیم دیتا ہے ایذا دیتا بلکہ اسکی ہلاکت کے درپے ہو رہا ہے پس اللہ تعالے کی ہستی اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے خدا کیطرف سے ہونیکا یہ ایک نشان قرار دیا گیا کہ یہ شخص جو اسوقت بالکل اکیلا اور چاروں طرف سے مصیبتو نسے گھرا ہوا ہے۔ اسکا حامی اور ناصر خدا ہے اور یہ کفار کی کوششوں سے کبھی ہلاک اور تباہ نہ ہوگا بلکہ خود وہ لوگ جو اسکی ہلاکت کے درپے ہیں اسی دنیا میں عذاب کے ساتھ ہلاک کیے جاوینگے۔ چنانچہ آخر کار ایسا ہی ہوا کہ کئی سال تک متواتر مصیبت اٹھانیکے بعد آخر اس پیش گوئی کے پورا ہونیکا زمانہ آیا اور ابوجہل اپنے قوی اور نبرد آزما ساتھیوں کو جو ایک ہزار تعداد میں تھے ساتھ لیکر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی چھوٹی سی اور کمزور جماعت کو جس میں نوعمر لڑکوں سمیت کل ۳۱۳ فرد تھے ہلاک کرنیکے لیے نکلا۔ مگر خدائے قادر نے یہاں اپنی طاقت کا ہاتھ دکھایا اور اس پیشگوئی کو پورا کیا جو تیرہ سال پہلے ہو چکی تھی یعنی اس چھوٹی سی جماعت کی کفار تاب مقابلہ نہ لا سکے اور ستر مارے گئے اور ستر قید ہو گئے اور باقی کل بھاگ گئے۔ ممکن تھا کہ ابوجہل بھی بھاگ جاتا مگر اللہ تعالی نے اپنے لفظونکو پورا کیا۔ اور ابوجہل ہلاک ہوا اور آخر چوٹی پکڑ کر میدان جنگ میں گھسیٹا جاکر ایک گڑھے

میں ڈالا گیا اور کوئی اسکا ساتھی اسوقت اسکا مددگار نہ ہوا اسیوقت آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے بآواز بلند پکار کر کہا کہ اے کفار عرب ہمنے تو ان وعدوں کو جو اللہ تعالے نے ہمارے ساتھ کیئے تھے یعنے تمہاری ہلاکت کے وعدے آج اپنی آنکھوں سے پورا ہوتے دیکھ لیا پس کیا تمنے بھی خدا کے وعدوں کا مزا اب چکھ لیا۔ اس عظیم الشان پیشگوئی کو جو ایسی کمزوری اور بے سروسامانی بلکہ ناکامیونکی حالت میں کی گئی تھی اور پھر آخر ایسی شوکت اور جلال سے پوری ہوئی۔ حاسد دشمن گالیاں بناتا ہے حالانکہ یہی پیشگوئی اللہ تعالیٰ کی ہستی اور اسکی طاقت اور علم پر بڑی زبردست شہادت ہے جو ایسی صاف ہے کہ کوئی دشمن بھی اس سے انکار نہیں کر سکتا +

ایک اور مقام جسکا حوالہ پادری صاحب نے اس دعوے کی تائید میں دیا ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کفار کو ناحق برا کہا کرتے تھے سورۃ القلم کی مشہور آئیتیں ہیں جنکو بعض ولید بن مغیرہ اور بعض ابوجہل کے متعلق سمجھتے ہیں۔ یہ آیات اس طرح پر ہیں:۔ ولا تطع کل حلاف مھین ھماز مشاء بنمیم مناع للخیر معتد اثیم عتل بعد ذلک زنیم ان کان ذا مال وبنین اذا تتلی علیہ ایاتنا قال اساطیر الاولین سنسمہ علی الخرطوم۔ اور تو کسی ایسے شخص کی بات نہ مان جو بہت قسمیں کھانیوالا ہے ذلیل ہے۔ عیب لگانیوالا ہے۔ چغلی کرنیوالا ہے۔ نیک کام سے روکتا ہے۔ حد سے نکلجانیوالا ہے۔ گنہگار گردن کش اور سب سے پیچھے بدنام (یا بد اصل) بھی ہے اس برتے پر کہ مال اور بیٹے رکھتا ہے جب ہماری آیتیں اسکو پڑھکر سنائی جاتی ہیں تو بول اٹھتا ہے کہ یہ اگلے لوگوں کے ڈھکوسلے ہیں۔ عنقریب ہم اسکے ناک پر داغ لگائیں گے + یہ آیات ہر ایک کافر کے حق میں بھی ہو سکتی ہیں کیونکہ ان میں جو اخیری وعید ناک پر داغ لگانیکا ہے اگرچہ وہ ظاہری معنوں میں ولید بن مغیرہ کے حق میں پورا ہوا۔ جسکے ناک پر بدر کی جنگ میں زخم لگا۔ مگر عام معنوں کے لحاظ سے ہر ایک ایسے اوصاف والے کے حق میں یہ وعید الہیٰ پورا ہوتا ہے کیونکہ ناک پر داغ لگانیسے مراد ذلیل کرنا ہے۔ سو ضرور خدا تعالے ایسے آدمی کو جسکے اوصاف ان آیتوں میں بیان ہوئے ہیں دنیا میں ہی ذلیل کرتا ہے۔ پس یہ بھی ایک پیشگوئی ہے خواہ اسے ایک کافر ولید بن مغیرہ کے حق میں سمجھ لیا جاوے اور خواہ ہر ایک کافر کے حق میں جس میں یہ باتیں پائی جاتی ہوں۔

بعض حدیثوں میں یہ بھی آیا ہے کہ سورہ مدثر کی بعض آئیتیں بھی اس کافر ولید بن مغیرہ کے حق میں نازل ہوئیں ان کا حوالہ بھی سیل صاحب نے دیا ہے اور انکو گالیاں ٹھیرایا ہے حالانکہ یہاں بھی اسی پیشگوئی کا اعادہ ہے جو اسکے حق میں کی گئی تھی کہ اسکا مال و دولت اور اسکے ساتھی اسے کوئی کام نہ دینگے اور اسکی بدکرداریوں کی پاداش میں اسے اللہ تعالے سخت عذاب میں مبتلا کرے گا۔ وہ آیات یہ ہیں۔ ذرنی ومن خلقت وحیدا

وجعلت له مالا ممدودا و بنین شھودا و مھدت له تمھیدا ثم یطمع ان ازید کلا انه کان لاٰیتنا عنیدا۔ سارھقه صعودا۔
چھوڑدے مجھکو اور اس شخص کو جسے مینے پیدا کیا اکیلا اور دیا مینے اسکو مال بہت سا اور بیٹے جو اسکے سامنے موجود
ہیں اور ہر طرح کا سامان اسکے لیے مہیا کر دیا اور ابھی وہ یہ حرص رکھتا ہے کہ کچھ اور بھی اسے دیا جاوے ایسا ہرگز
نہیں ہوگا۔ کیونکہ وہ ہمارے نشانوں کا مخالف ہوا اسلیے عنقریب ہم اسکو سخت عذاب میں مبتلا کرینگے۔ یہاں
بھی عذاب کی پیش گوئی کا ہی ذکر ہے خدا جانے پادری صاحب کو اس جگہ کونسا لفظ نظر آیا ہے جسے وہ گالی سمجھتے ہیں
ایسا ہی سورۃ اللھب کے متعلق انہوں نے لکھا ہے کہ اس میں ابولہب کو برا کہا گیا ہے مگر یہاں بھی سوائے اسکے کہ ابولہب
کے متعلق (یا اسی وصف والے کسی اور انسان کے متعلق) پیش گوئی ہے اور کچھ نہیں۔ عمائد کفار اس بھروسہ پر کہ
مال و دولت انکے ہاتھ میں ہے اور لوگ بھی انکے ساتھ ہیں اور انکی باتوں کو مانتے ہیں طرح طرح کی اذیتیں نبی کریم
صلے اللہ علیہ وسلم کو دیا کرتے تھے۔ آپنے جو کچھ انکو کہا وہ صرف یہی تھا اور یہ بھی وحی الٰہی کی بنا پر کہ نہ تمہارے مال
و دولت تمہیں کام دینگے اور نہ ہی کوئی ساتھی کام آئیگا۔ اور تم پر تمہاری ان بدکرداریوں کی وجہ سے سخت عذاب نازل
کیا جائیگا۔ یہ عذاب۔ اور ہلاکت کے وعدے سب سے پہلے جنگ بدر میں پورے ہوئے جسکو قرآن شریف یوم الفرقان
کے نام سے بیان کرتا ہے کیونکہ اس دن اللہ تعالےٰ نے کفار کی ہلاکت اور حق کی فتح اور غلبہ کے وعدے کو پورا
کر کے حق اور باطل میں کھلا کھلا فرق کر دکھایا۔

اصل بات یہ ہے کہ وہ الفاظ جنکو سیل صاحب دھمکیاں اور گالیاں قرار دیتے ہیں وہ پیشگوئیاں ہیں جنمیں
آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلّم کے دشمنوں کی انجامکار تباہی اور ناکامی کی خبر قبل از وقت دیگئی ہے اور آنحضرت
صلے اللہ علیہ وسلم کو فتح اور کامیابی کی خوشخبری دیگئی ہے۔ جس میں ایک اشارہ یہ بھی ہے کہ آخر دنیا میں حق ہی
غالب ہوگا اور سب قسم کے باطل نیست و نابود کیے جاوینگے۔ یہ پیشگوئیاں بار بار قریباً ہر سورت میں کسی نہ کسی
رنگ میں بیان کی گئی ہیں ان پیشگوئیوں کے پورا ہونیسے پہلے کفار جو کچھ انکی نسبت کہتے وہ معذور سمجھے جا سکتے
تھے مگر جب انہوں نے کھلے طور پر انکا پورا ہونا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر لیا اور پہلے بمقام بدر اور پھر فتح مکہ میں
کمال طور پر انکا ظہور ہو گیا تو انہوں نے ایک لحہ کے لیے بھی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے قبول کرنے میں تامل
نہیں کیا۔ اور صاف طور پر یہ اقرار کیا کہ بیشک سوائے خدائے قادر کے یہ کسی کا کلام نہیں ہو سکتا جس نے برسوں
پہلے ان واقعات کی خبر دی جنکے ظہور میں آنیکی کبھی بھی کسی کو امید نہ تھی چنانچہ انہی پیشگوئیوں کے بتمام کمال ظہور پذیر ہونے
نے ہی عرب کی وہ کایا پلٹ دی جسکی نظیر دنیا میں اور کسی جگہ نہیں ملتی۔ چند آیات نیچے نقل کیجاتی ہیں جن سے معلوم ہوتا
ہے کہ قرآن کریم نے ابتدا سے ہی کسقدر زور اس بات پر دیا تھا کہ آخر دشمنان حق مغلوب ہونگے اور نبی کریم
صلے اللہ علیہ وسلم کی راہ سے سب روکوں کو دور کر کے انکو مظفر و منصور اور دشمنوں پر غالب کیا جاویگا۔ چنانچہ یہ

الفاظ قم فانذر یعنی اے پیغمبر اٹھ اور لوگوں کو آنیوالے عذاب سے ڈرا۔ ابتدائی وحی کے الفاظ ہیں۔ یہ صرف خیالی طور پر ڈرانا ہی نہ تھا بلکہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے کل قوم کو اکٹھا کر کے یہ کہا کہ اگر میں تمکو یہ کہدوں کہ اس پہاڑ کے پیچھے ایک بڑی بھاری فوج تم پر حملہ کرنیکے لیے تیار ہے تو تم مانو گے یا نہیں سب نے ایک آواز ہو کر کہا کہ ہم آپکو بچپن سے ہی صادق مانتے ہیں اور اسلیے تیری ہر بات کا یقین ہے پھر آپ نے کہا کہ پھر یقین کرلو کہ تمہاری بداعمالیوں کی وجہ سے تم پر عذاب الہی نازل ہونیوالا ہے۔ جیسے جیسے قرآن کریم نازل ہوتا رہا وحی الہی میں اس عذاب کی تفصیل کھلتی گئی چنانچہ سورہ مزمل میں فرمایا۔ وذرنی والمکذبین اولی النعمۃ ومھلھم قلیلا۔ اور چھوڑ دو مجھکو اور جھٹلانیوالے خوشحال لوگوں کو (تاکہ میں انکو سزا دوں) اور انکو تھوڑی سی مہلت دو۔ اور پھر آگے چلکر فرمایا جسکا ترجمہ یہ ہے ”جیسا ایک رسول ہمنے فرعون کیطرف بھیجا تھا ویسا ہی ایک رسول تمہاری طرف بھیجا ہے۔ سو فرعون نے اس رسول کی نافرمانی کی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہمنے اسکو سخت وبال میں پکڑا۔ پس اے کفار مکہ اگر تم بھی انکار پر ہی جمے رہو گے تو تم کیونکر اس دن کی سختی سے بچ سکو گے جو بچوں کو بوڑھا کر دیگی (ایسی سخت مصیبت اس دن کی ہوگی) اور اس دن آسمان پھٹ جائیگا۔ (یہ خیال نہ کرنا کہ یہ باتیں ہی باتیں ہیں اور ہونا ہوانا کچھ نہیں) یہ خدا کیطرف سے ایک وعدہ ہے۔ جو پورا ہو کر رہے گا۔ یہ نصیحت کی بات ہے جو چاہے اپنے پروردگار کا راہ اختیار کرے“

بار بار قرآن کریم پہلی قوموں کے حالات کو بیان فرماتا ہے جسکا منشا کفار مکہ کو یہ سمجھانا تھا کہ جس طرح وہ قومیں انبیاء کی مخالفت کیوجہ سے ہلاک کی گئیں اسی طرح تم بھی ہلاک کیے جاؤ گے چنانچہ عرب کے کنارے کنارے جو قومیں کسی زمانہ میں آباد تھیں اُن میں بھی نذیر آئے مگر انہوں نے بدکاریوں کو نہ چھوڑا اور اسلیے انکا نام و نشان مٹا دیا گیا کیونکہ خدا کا غضب ان پر نازل ہوا۔ دیکھو سورۃ الفجر ”کیا تو نہیں دیکھتا کہ تیرے پروردگار نے عاد ارم کے لوگوں کے ساتھ کیسا سلوک کیا۔ جو بڑے بڑے ستونوں والے تھے یعنی بڑی بڑی عمارتیں بناتے تھے جن کی نظیر ملکوں میں پیدا نہیں ہوئی۔ اور پھر ثمود کو دیکھو کہ انکا کیا حال ہوا جنہوں نے وادی میں پتھروں کو تراشا۔ اور فرعون بڑے لشکروں والے کا کیا حال ہوا ان سب لوگوں نے شہروں میں سرکشی کی اور ان میں فساد کو بہت بڑھا دیا (اور اس سرکشی کیوجہ سے) تیرے رب نے ان سب پر عذاب کا کوڑا لگایا۔ بیشک اب بھی تیرا پروردگار ان کفار کی سزا دہی کیلیے گھات میں لگا ہے“ ایسا ہی سورۃ القمر میں مختلف قوموں پر عذاب ہلاکت کے آنیکا بیان کر کے ہر ایک کے ذکر کے بعد فرماتا ہے ولقد یسرنا القرآن للذکر فھل من مدکر یعنی ہمنے قرآن کو ان لوگوں کے (پہلی قوموں کی حالتوں کو دیکھکر) نصیحت پکڑنیکے لیے آسان کر دیا ہے پھر کوئی ہے جو نصیحت پکڑے۔ نوح کی قوم۔ ثمود اور عاد۔ فرعون اور لوط کی قومیں کل کی کل ہلاک کی گئیں پس کیا کفار مکہ بچ جائیں گے۔ چنانچہ ان قوموں کی ہلاکت کا ذکر کر کے اخیر پر فرماتا ہے۔ اکفارکم خیر من اولئکم ام لکم براءۃ فی الزبر ام یقولون

سیہزم الجمع و یولون الدبر بل الساعۃ موعدہم والساعۃ ادہیٰ وامر۔ اے مکہ کے رہنے والو تم میں جو کافر ہیں وہ ان پہلوں سے کچھ بہتر ہیں (جو انپر عذاب نہیں آئیگا) یا پہلی کتابوں میں تمہارے لیے کوئی معافی کا حکم لکھا ہوا ہے؟ یا یہ لوگ کہتے ہیں کہ ہم بڑی قوی جماعت بدلہ لینے والی ہیں؟ سو یہ سارا گروہ شکست کھائیگا اور (مسلمانوں کے مقابلے میں) پیٹھ پھیر کر بھاگیں گے۔ ہاں ایک خاص گھڑی انکے وعدے کا وقت ہے اور وہ گھڑی بہت ہی سخت اور کڑوی ہے۔

پادری سیل نے اس بات کا انکار کیا ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے کوئی ثبوت اپنے خدا کیطرف سے ہونیکا دیا ہو۔ مگر بات یہ ہے کہ جس صفائی سے قرآن کریم نے اپنے دعووں کا ثبوت دیا ہے اسکی نظیر دوسرے لوگوں کی مقدس کتابوں میں تلاش کرنا عبث ہے۔ مذہب کی بنا دو ضروری اصولوں پر ہے۔ ایک یہ کہ خدا ہے جسکا علم اور قدرت ایسے وسیع ہیں کہ وہ ہمارے دل کے چھپے ہوئے خیالوں سے بھی آگاہ ہے اور ہر بدکردار کو سزا دینے پر قادر ہے اور دوسرا یہ کہ نیک و بد افعال کی جزا و سزا ملے گی۔ کیونکہ مذہب کی غرض و غایت یہ ہے کہ انسان کی زندگی تمام گناہوں سے پاک ہو کر وہ راستبازی سے زندگی بسر کرے۔ مگر یہ مدعا کبھی حاصل نہیں ہوسکتا۔ جبتک کہ یقین کامل سے اسے اس بات کا علم نہ ہو کہ اسکے اوپر ایک ایسی برتر اور اعلےٰ ہستی ہے جسکی آنکھ سے کوئی چیز چھپ نہیں سکتی اور جسکے طاقتور ہاتھ سے کوئی چیز باہر نہیں جاسکتی اور یہ کہ جن نیک یا بد افعال کا مرتکب وہ اس دنیا میں ہوگا۔ انکا پھل یقیناً دوسری دنیا میں چکھیگا۔ ایسے کامل یقین کے بغیر پاکیزگی حاصل نہیں ہوسکتی اور پاکیزگی کے بغیر نجات ناممکن ہے۔ اب دو باتیں قرآن کریم نے نہایت صفائی سے ثابت کی ہیں۔ خدا تعالیٰ کی ہستی اور اسکے کامل علم اور قدرت کو اس طرح ثابت کیا ہے کہ ایسے وقت میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی کامیابی اور کفار کی ذلت و شکست کی پیشگوئیاں کیں جب یہ دونوں باتیں بالکل ناممکن معلوم ہوتی تھیں۔ پھر ان زبردست پیشگوئیوں کو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ہی پورا کر کے یہ ثابت کر دیا کہ واقعی خدا موجود ہے جو کامل علم اور کامل قدرت والا ہے اور اس طرح پر اسکی ہستی پر یقین تمام ان پیشگوئیوں کے مشاہدہ کرنیوالوں کے دلوں میں پیدا کر دیا۔ دوسری بات عالم آخرت میں نیک و بد افعال کی جزا و سزا کا مسئلہ ہے اسکا ثبوت اس کتاب پاک نے ایسا دیا ہے جسکی نظیر دنیا کی کسی کتاب میں نہیں ملتی۔ اور وہ یہ ہے کہ قرآن شریف میں مومنوں کے لیے دو قسم کے وعدے اور کفار کے لیے دو قسم کے وعید ہیں ایک وعدہ اس دنیا میں کامیابی اور برکات کا اور دوسرا وعدہ عالم آخرت میں فلاح اور بہبودی کا۔ اور ایسا ہی ایک وعید اس دنیا میں سزا اور ہلاکت کا اور ایک وعید عالم آخرت میں سزا اور ہلاکت کا۔ اب چونکہ دوسری قسم کا وعدہ اور وعید ایک ایسے عالم کے متعلق ہیں جہاں انسان اس دنیا کی زندگانی میں نہیں جاسکتا اسلیے قرآن کریم نے اس وعدہ اور وعید کو قسم اول کے وعدہ اور وعید کے پورا کرنیسے ثابت کیا ہے مومنوں کے لیے جو نیک کام کرتے ہیں۔ قرآن کریم یہ وعدہ کرتا ہے کہ عالم آخرت میں انکو بڑی برکات اور نعما کا وارث

کیا جاویگا۔ اور اسکے ثبوت میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ اس دنیا میں بھی انکو فتوحات اور خوشحالی دیجاویگی حالانکہ ان وعدوں کے وقت مسلمانوں کی حالت اس نازک پودے کی طرح تھی جو ابھی زمین سے نکلا ہی ہے۔ اور مخالفت کی سخت آندھی سے ہر وقت اکھڑ جانیکے خطرہ میں ہے۔ مگر اس دنیا کے وعدہ کو باوجودیکہ وہ اسقدر بعید از قیاس تھا۔ اللہ تعالےٰ نے کامل طور پر پورا کر دینے کے ساتھ یہ ثابت کر دیا کہ عالم آخرت کا وعدہ بھی سچا ہے اور ایک وعدہ کے پورا ہونیسے گویا انہوں نے دوسرا وعدہ بھی اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر لیا۔ ایسا ہی کفار کیلیے کتاب پاک میں یہ وعید ہے کہ عالم آخرۃ میں انکی بدکرتوتوں کی پاداش میں ان کو سخت عذاب میں مبتلا کیا جاویگا اور اسکے ثبوت کے لیے ایک اور وعید اس دنیا کے عذاب کے متعلق دیا گیا حالانکہ اس وعید کے دینے کے وقت کفار کی حالت ایسی تھی کہ کبھی کوئی گمان ہی نہ کر سکتا تھا کہ یہ لوگ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں کبھی شکست کی ذلت اٹھائینگے بلکہ وہ ان شکست اور ذلت کی پیشگوئیوں پر ہنستے تھے۔ مگر خدائے قادر اور ذوالجلال نے اس پیش گوئی کے وعید کو اسی دنیا میں کفار کو چکھا کر یہ ثابت کر دیا کہ اسکا وعید سزا عالم آخرت کے متعلق بھی بالکل سچا ہے۔ یوں ایک وعید کو پورا ہوتے دیکھکر کفار نے دوسرے وعید کو بھی گویا اپنی آنکھوں سے پورا ہوتے دیکھ لیا۔ یہ صاف اور کھلا طریق جزا و سزا کے ثبوت کا اور کسی کتاب میں ہمیں نظر نہیں آتا۔ اگر توریت کو دیکھتے ہیں تو اس میں عالم آخرت کے جزا و سزا کا نام بھی نہیں ملتا۔ بلکہ تمام زور اسی دنیا کی جزا و سزا پر ہی دیا گیا ہے دوسیطرف انجیل ہے جسنے نہ سچے مومنین کو اس دنیا میں کامیابی اور فتح کے وعدے دیئے ہیں اور نہ مکذبین کو ہلاکت اور ذلت کے۔ بلکہ صرف عالم آخرت کا ہی حوالہ دیا ہے جو نرا دعوے ہی دعوے ہے کہ مومن ابراہیم کی گود میں بیٹھیں گے اور شریر جہنم میں جلینگے جہاں ہمیشہ کیلیے رونا اور دانتوں کا پیسنا ہوگا۔ پس توریت اور انجیل دونوں اس بیّن ثبوت سے بالکل خالی ہیں جو قرآن کریم نے دیا ہے اور یہ دراصل ایسا نرالا طرز ثبوت کا اور ساتھ اسکے ایسا صاف اور واضح طریق ہے کہ ایک طرف تو اسکی نظیر کسی کتاب میں نہیں ملتی اور دوسیطرف اسکی صفائی اور قطعیت خود لانظیر ہے۔ پس جسقدر ثبوت انسان کی زندگی کو پاکیزہ بنانے اور گناہوں سے پاک کرنیکے لیے ضروری ہے وہ نہایت صفائی سے قرآن کریم اور ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے پیش کر دیا اور منجملہ دوسرے بیشمار امتیازوں کے اسلام کو یہ امتیاز بھی سب مذاہب پر حاصل ہے۔

وہ وعید جو قرآن کریم نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے مجرم مکذبین کو اس دنیا کی سزا کے متعلق دیئے ہیں بعض وقت عالم آخرت کے وعیدوں کے ساتھ ایسے ملے جلے ہوئے ہیں کہ جھٹ ایک سے دوسرے کیطرف انتقال ہو جاتا ہے۔ اور بعض موقعہ پر دونوں قسم کے وعید کو بالکل الگ الگ کر کے بیان کیا گیا ہے جسے موٹی سے موٹی سمجھ والا انسان بھی آسانی سے سمجھ سکتا ہے اسکی ایک نظیر سورۃ القلم میں ملتی ہے جہاں کہ

والوں کی سزا کا ایک تمثیل کے رنگ میں ذکر کیا ہے اور تمثیل ان الفاظ سے شروع کی ہے۔ انا بلونہم کما بلونا اصحٰب الجنة اذ اقسموا لیصرمنہا مصبحین ولا یستثنون فطاف علیہا طائف من ربک وہم نائمون فاصبحت کالصریم یعنی ہم کفار مکہ کو اسی طرح آزماوینگے جیسا ہم نے باغ والونکو آزمایا جبکہ انہوں نے قسمیں کھا کھا کر کہا کہ صبح ہوتے ہی ہم اسکے پھل ضرور توڑ لینگے۔ اور اس بات کا انکو ایسا یقین تھا کہ انشاء اللہ بھی نہ کہا مگر وہ ابھی سوتے ہی تھے کہ تیرے پروردگار کیطرف سے عذاب الٰہی اسپر پھر گیا اور وہ صبح تک ایسا ہو گیا جیسا جڑ سے کٹا ہوا+ اس باغ کے پھل گویا مکہ والونکی محنت کے پھل تھے۔ اور اس تمثیل میں انہیں یہ سمجھایا گیا کہ جو کچھ تم آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے مقابلے میں کر رہے ہو یہ تمہاری محنت سب اکارتھ جائے گی اور تمثیل کے اخیر پر باغ والونکے یہ الفاظ بیان کیے گئے ہیں۔ قالوا سبحٰن ربنا انا کنا ظٰلمین اور پھر قالوا یٰویلنا انا کنا طٰغین۔ یعنی بول اٹھے کہ پاک ہے پروردگار ہمارا ہم بیشک ظالم تھے۔ اور پھر بول اٹھے کہ افسوس ہمپر ہم بیشک سرکش تھے+ بعینہ ایسے الفاظ مکہ والوں نے اسوقت کہے جب فتح مکہ کے بعد آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے حضور انہوں نے اپنے قصوروں کا اعتراف کیا اور طالب معافی ہوئے۔ پھر اسکے بعد اللہ تعالے فرماتا ہے۔ کذٰلک العذاب ولعذاب الاٰخرة اکبر لو کانوا یعلمون۔ ایسا ہی عذاب ان اہل مکہ پر نازل ہوگا۔ (اور یہ تو دنیا کا عذاب ہے) آخرت کا عذاب اس سے کہیں بڑھکر ہے۔ اے کاش اگر یہ لوگ سمجھتے اور پھر کفار کے اس عذاب کا ذکر کرکے ساتھ ہی دوسری آیت میں فرمایا۔ ان للمتقین عند ربہم جنٰت النعیم۔ یعنی پرہیزگارونکے لیے اپنے پروردگار کے حضور نعمتونکے باغ ہیں جس سے اس تقابل کا بیان کرنا مقصود ہے جسکا ذکر اوپر ہوا ہے۔ یعنی جیسا کفار کے لیے اس دنیا میں بھی کچھ عذاب ہے اور پھر آخرت میں اور بھی بڑھکر عذاب ہوگا۔ ایسا ہی پرہیزگارونکے لیے باغ ہیں جو اس دنیا میں بھی انکو ملینگے اور آخرت میں بھی۔ اب یہ سورت نہایت ابتدائی زمانہ کی ہے اور اسی میں آخرت کے وعدہ اور وعید کا یہ ثبوت دیا گیا ہے کہ مجرمونکے باغ اور انکی محنتونکے پھل اسی دنیا میں ضایع کیے جائینگے اور مومنونکو باغ دیے جائینگے اور اس دنیا میں انکو باغ دینے سے اسطرف اشارہ ہے کہ آخرت میں بھی انکو باغ دیے جائینگے اور کئی جگہ بھی اس دنیا کے وعید اور آخرت کے وعید کے تعلق کو ایک جا بیان کرکے ظاہر فرمایا ہے جیسا سورہ طور میں۔ وان یروا کسفا من السماء ساقطا یقولوا سحاب مرکوم فذرہم حتےٰ یلٰقوا یومہم الذی فیہ یصعقون یوم لا یغنی عنہم کیدہم شیئا ولا ہم ینصرون۔ وان للذین ظلموا عذابا دون ذٰلک ولکن اکثرہم لا یعلمون۔ اور اگر آسمان سے ایک ٹکڑا یعنی عذاب الٰہی اترتا ہوا دیکھیں تو پھر بھی یہی کہیں گے کہ یہ بادل ہے تہ بتہ۔ پس چھوڑ دے انکو جب تک اسدن کو پاویں جس دن کہ وہ بیہوش کیئے جاوینگے جسدن انکی جنگ یا تدبیر کچھ بھی انکے کام نہ آویگی اور نہ ہی انکو مدد پہونچیگی اور ان لوگونکے لیے جو گنہگار ہیں اس عذاب کے علاوہ ایک اور عذاب بھی ہے لیکن بہت انکے نہیں جانتے ایسا ہی

سورۃ القمر میں عاد اور ثمود اور دوسری قوموں کا ذکر کر کے جو ہلاک کی گئیں۔ کفار مکہ کے لیے عذاب کا وعید ہے اور دنیا کے عذاب کا ذکر کرتے کرتے عذاب قیامت کو ایسے طور سے بیان کیا ہے کہ گویا اسی دنیا کے عذاب کا ہی وہ بھی ایک حصہ ہے کیونکہ ایک کو دوسرے سے بہت تعلق ہے۔ چنانچہ فرمایا سیھزم الجمع ویولون الدبر بل الساعۃ موعدھم والساعۃ ادھیٰ وامراں المجرمین فی ضلل وسعر۔ عنقریب وہ وقت آتا ہے کہ کفار کی جماعت شکست کھائیگی اور مسلمانوں کے مقابلے میں پیٹھ پھیر کر بھاگ جائینگے مگر ایک گھڑی اسکے لیے مقرر ہے اور وہ گھڑی بڑی مصیبت لانیوالی اور تلخ ہے۔ بیشک مجرم لوگ ہلاکت اور رنج کی راہ میں ہیں۔ یہانتک پیشگوئی اسی دنیا کے عذاب کے متعلق جو کفار کو شکست اور ناکامی کے رنگ میں پیش آنیوالا تھا اور جسکا ظہور بدر میں ہوا۔ مگر اگلی آیت میں دونوں عذابوں کو ملا دیا ہے۔ یوم یسحبون فی النار علے وجوھھم ذوقوا مس سقر۔ اس دن منہ کے بل گھسیٹے جاکر آگ میں ڈالے جائینگے اور کہا جائیگا کہ اب دوزخ کا مزہ چکھو۔ اس آیت میں منہ کے بل گھسیٹا جانا تو اسی دنیا میں واقع ہوا جب بدر کے مقتول اس طرح پر گھسیٹے جاکر گڑھے میں ڈالے گئے۔ اور پھر ساتھ ہی اسکے دوسرے عذاب کا جو عالم آخرت میں ہونیوالا تھا ذکر فرمایا کہ جس طرح تم نے دنیا کا عذاب چکھا اب اسی طرح آخرت کا عذاب بھی چکھو۔

جیسا بدکاروں کے لیے دوہری سزا رکھی گئی ایک اسی دنیا میں اور ایک آخرت میں۔ ایسا ہی راستبازوں کے گروہ کے لیے دوہری برکات رکھی گئیں۔ یعنی اس دنیا میں کامیابی اور فتوحات اور دوسری دنیا میں فلاح اور نجات۔ دنیا کی عزت اور کامیابی گویا آخرت کی عزت اور کامیابی کا ایک نمونہ تھا۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر جو سب سے پہلے وحی نازل ہوئی اس میں بھی یہ اشارہ پایا جاتا ہے۔ اقرء وربک الاکرم۔ پڑھ اور تیرا پروردگار بزرگ تر ہے۔ اب ظاہر ہے کہ جیسا عزت والا اور بزرگ آقا ہوگا اسی کی عزت اور بزرگی کے مطابق اس کے بندے کی عزت اور بزرگی بھی ہوگی۔ یہاں اللہ تعالے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو فرماتا ہے کہ تیری ربوبیت کرنے والا وہ ہے جو سب بڑوں سے بڑا ہے۔ پس تو کبھی ذلیل اور ناکام نہیں ہوگا۔ کیونکہ تیری پرورش اس نے اپنے ذمہ لی ہے جو سب کریموں سے بڑا کریم ہے۔ علاوہ ازیں ہر ایک پیشگوئی جو آنحضرت کے دشمنوں کی ہلاکت کے لیے کی گئی تھی۔ وہ خود آپ کے مظفر و منصور اور کامیاب و بامراد ہونے کی ایک پیش گوئی تھی۔ اور پھر سارے قرآن شریف میں اللہ تعالے دو گروہوں کو ایک دوسرے کے بالمقابل بیان فرماتا ہے۔ یعنے ایک مخلصین اور مومنین کا گروہ جس کو مظفر و منصور قرار دیا گیا ہے۔ اور دوسرا مجرمین اور مکذبین کا گروہ جس کو ناکام و نامراد اور مورد غضب الہی قرار دیا گیا ہے۔ اور بار بار ان دو گروہوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ کہ کیونکر حضرت موسے کامیاب ہوئے اور فرعون ہلاک ہوا۔ حضرت نوح کامیاب ہوئے اور وہ قوم جو آپ پر تمسخر کرتی تھی ہلاک کی گئی۔ حضرت ابراہیم۔ لوط۔ ہود۔ شعیب۔ صالح۔

اور دوسرے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام مظفر و منصور اور بامراد ہوئے اور انکے دشمن انکی آنکھوں کے سامنے ہلاک یا ذلیل اور خوار ہوئے۔ سورہ والصفت میں اسی طرح راستباز انبیاء کی فلاح اور کامیابی اور انکے مکذبین کی ہلاکت اور نامرادی کو بیان کرنیکے بعد اللہ تعالےٰ فرماتا ہے فکفروا بہ فسوف یعلمون ولقد سبقت کلمتنا لعبادنا المرسلین انھم لھم المنصورون وان جندنا لھم الغالبون۔ ان لوگوں نے اس نبی کا انکار کیا سو وہ تو عنقریب اسکا نتیجہ معلوم کر لینگے اور ہمارے ان بندوں کے حق میں جو ہمارے رسول ہیں ہمارا یہ وعدہ پہلے سے ہی ہوچکا ہوا ہے کہ وہی منصور و مظفر ہونگے اور جو ہمارے لشکر ہیں وہی غالب ہونگے یہ وہ وعدے تھے جنکو اپنی آنکھوں سے پورے ہوتے دیکھکر مسلمان اس یقین سے بھر گئے کہ بیشک خدا کے کل وعدے سچے ہیں اور انکا ایمان خدا اور عالم آخرت پر یقین کے درجہ تک پہنچ گیا۔ یہ ایسا مشاہدہ تھا کہ جس سے انہوں نے خدا کو اپنی قدرتوں کے ساتھ ایسا شناخت کر لیا گویا کہ دیکھ ہی لیا اور جو دیوار حجاب کی انسان اور خدا کے درمیان حایل ہے وہ گویا بالکل اٹھ گئی اُس دنیا کا جنت اور اسکی خوشیاں انکے لیے ایسی خوشیاں تھیں جنکو گویا وہ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے کیونکہ اس دنیا کے جنت اور کامیابیاں انکو حسب وعدہ الٰہی حاصل ہوچکی تھیں۔

یہ وہ واقعات ہیں جن کی تصدیق ہر ایک ایسا شخص کر سکتا ہے جو قرآن کریم کو غور سے پڑھے اور ان واقعات سے یقینی اور قطعی نتیجہ اس بات کا پیدا ہوتا ہے کہ نیک و بد افعال کی جزا و سزا دوسرے عالم میں ملنے والی ہے۔ گویا نیک افعال ایک بیج کی طرح ہیں جو یہاں بویا جاتا ہے اور جسکا پھل کھلے طور پر عالم آخرت میں انسان کو ملتا ہے۔ اور ایسا ہی برے افعال اس بیج کی طرح ہیں جن کا برا پھل انسان کو آیندہ کی زندگی میں کھانا پڑے گا۔ مگر ان واقعات کے ہوتے ہوئے پادری سیل اس بات کا انکار کرتا ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ان باتوں کا جو کفار عرب کے سامنے آپ پیش کرتے تھے ثبوت بھی دیا۔ میں نہیں سمجھ سکتا اس سے زیادہ واضح اور بین ثبوت اسکا اور ہو ہی کیا سکتا تھا۔ اگر پادری صاحب اس سے کوئی بہتر ثبوت پیش کر سکتے ہوں تو وہ کریں۔ اللہ تعالےٰ کی ہستی اور جزا و سزا کا اگر کوئی ثبوت صحیح اور شبہ سے خالی ہو سکتا ہے تو وہ وہی ہے جو قرآن کریم نے دیا ہے مگر پادری صاحبان بیہودہ معجزات کے ایسے قایل ہوگئے ہیں کہ انکو سیدھا ثبوت ہی سمجھ میں نہیں آتا انکے نزدیک مسیح کا پاک پانی کو ناپاک شراب کی صورت میں بدل دینا ہی اس بات کا ثبوت ہے کہ خدا ہے اور نیک و بد اعمال کی جزا و سزا ملیگی حالانکہ اتنا نہیں سوچتے کہ وہ مہمان جن کو یہ نئی شراب معجزہ کے ذریعے بنا کر دیگئی تھی وہ تو پہلے ہی شراب سے بدمست اور متوالے ہو رہے تھے خدا جانے اس نشہ میں کیا چیز انکو پلا دی تھی جسکو وہ شراب سمجھے کیونکہ متوالے آدمی کو کوئی بدبودار چیز دو وہ اسے شراب ہی سمجھ کر پی جائیگا۔ پھر بھوتوں کا نکالنا ایک اور معجزہ بیان کیا جاتا ہے۔ جاہل لوگ تو ایسی باتوں سے متاثر ہو سکتے ہیں مگر ایک سمجھدار آدمی کب اس بات کو مانیگا کہ اس سے

ع ایساہی آیت ۱۷ المومن انا لننصر رسلنا والذین آمنوا فی الحیوۃ الدنیا

خدا کی ہستی یا جزا و سزا کا مسئلہ ثابت ہو گیا کاش پادریصاحبان ان باتوں پر غور کریں۔

سیل صاحب کے بعض استدلال پڑھکر تو ہنسی آتی ہے۔ مثلاً وہ کہتا ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے کوئی نشان یا ثبوت اپنے دعوے کی تائید میں پیش نہیں کیے بلکہ چونکہ وہ اپنے مخالفین کیلیے دوزخ کی نہایت ڈراؤنی تصویریں کھینچ کر دکھاتے تھے اور ایمان لانیوالوں کے لیے بہشت کے نعما کا عمدہ عمدہ پیرایوں میں ذکر کرتے تھے اسلیے عرب انکی بات کو مان گئے۔ پادریصاحب واقعی ایسے بھولے نہیں جیسا انکے اس بیان سے سمجھا جاویگا وہ خوب جانتے ہیں کہ خالی دھمکیوں اور خشک وعدوں سے کب کوئی انسان مان جاتا ہے جبتک ثبوت ساتھ نہ ہو۔ کیا وہ نہیں جانتے کہ باوجود دوزخ کے عذاب کو طرح طرح کے پیرائوں میں بیان کرنیکے بلکہ باوجود اسکے کہ انکو اسی دنیا میں عذاب کے آنیسے ڈرایا گیا تھا پھر بھی بہت سے لوگوں نے آپکو ماننے سے انکار کیا۔ عرب کا ماننا اسوجہ سے نہ تھا کہ دوزخ کے عذاب اور بہشت کی نعما کا ذکر کیا گیا تھا بلکہ جیسا کہ صاف سمجھ میں آتا ہے اسکی وجہ یہ تھی کہ انہوں نے ہزاروں آسمانی نشان اور سینکڑوں زبردست پیشگوئیاں پوری ہوتی دیکھکر اچھی طرح سے اس بات کو سمجھ لیا کہ جو کچھ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کہہ رہے ہیں وہ بالکل حق ہے اور اللہ تعالے کی ہستی اور جزا و سزا کے مسئلہ کا کھلا کھلا اور بین ثبوت انکو ملگیا۔ بدیونکی وہ گھنی تاریکی جو سارے جزیرہ نما عرب پر چھا گئی تھی اور جو عربوں کے خون کے اندر رچ چکی تھی۔ وہ خالی دعووں سے دور ہوسکتی تھی کیونکہ خالی دعوے تو یہودی اور عیسائی بھی پہلے کرچکے تھے۔ اور ناکامی کا منہ دیکھ چکے تھے۔ اس سخت تاریکی کے دور کرنیکے لیے آسمانی نشانوں اور زبردست دلایل کی تیز روشنی کی ضرورت تھی اور یہ ضرورت ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے آنیسے پوری ہوئی اللھم صل علے سیدنا محمد و علے آل سیدنا محمد و بارک وسلم انک حمید مجید۔

یہ دعوے صرف حماقت پر مبنی ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنی صداقت کا کوئی ثبوت نہیں دیا اگر ثبوت نہیں دیا تھا تو ایسی عظیم الشان تبدیلی کیونکر ظہور میں آگئی۔ ایکطرف اس سخت مخالفت کو دیکھو جو ابتداے دعوے میں کیگئی اور دوسری طرف اس کامل فرمانبرداری پر غور کرو جو آخر کار اہل عرب نے دکھائی تو کسقدر صفائی سے کھلجاتا ہے کہ نہایت زبردست دلایل اور چمکدار نشان دکھائے گئے جنہوں نے ان لوگوں کے دلونکو باوجود سخت مخالفت کے مسخر کرلیا۔ پادریصاحبان یہی شور مچاتے رہتے ہیں کہ معجزہ کوئی نہیں دکھایا گیا۔ لیکن اگر یہ صحیح ہے کہ یسوع مسیح باوجود بہت سے عجیب و غریب معجزات دکھانیکے اپنے مخالفوں کو اپنی صداقت کا قایل نہ کر سکا اور ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے بغیر کوئی معجزہ دکھانیکے اپنے دشمنوں کی کل قوم کی قوم کو اپنی زندگی میں اپنی صداقت کا قایل کردیا تو پھر یہی ماننا پڑے گا۔ کہ معجزہ سے کمزور دلیل صداقت کی اور کوئی نہیں۔ ان لوگوں کا جو مخالفت کر چکے ہوں آخر کار نبی کو مان لینا کوئی معمولی سی بات نہیں کیونکہ بانی مذہب کی موت کے بعد ہزاروں نہیں لاکھوں انسان مذہب کو

قبول کر لینگے مگر ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے سوائے اس امر کی کوئی اور نظیر پیش کرو کہ وہ مخالفین جو سالہا سال تک ہلاکت کے درپے ہو رہے تھے وہی آخر اپنی سب کرتوتوں سے تایب ہوکر اور اپنی پہلی باتوں سے رجوع کر کے پورے پورے فرمانبردار ہو گئے ہوں اور نبی کے بعد نہیں بلکہ نبی کی زندگی میں ہی ایسا ہوا ہو اصل بات یہ ہے کہ ہمعصری بڑی بلا ہے۔ مرنیکے بعد تو ہزاروں قسم کی عظمتیں تسلیم کر لی جاتی ہیں یا بنالی جاتی ہیں۔ اور انہی لوگوں کے جو مخالفت کر چکے ہوں بیٹے اور پوتے آسانی سے قبول کر لیتے ہیں مگر یہ کہ مخالفین خود ہی آخر کار اپنی مخالفت پر نادم اور اس سے تائب ہوں بہت ہی واضح اور بیّن ثبوت کو چاہتا ہے جو سرکش گردنوں کو خود بخود ہی نیچا کر دے۔ یہ بات صرف ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے حصہ میں آئی۔ اور اسکی وجہ یہ تھی کہ آپ کی نبوت اور منجانب اللہ ہونیکے دلایل شمس نصف النہار کی طرح چمک اٹھے یہانتک کہ ان لوگوں کو بھی اقرار کرنا پڑا جو سخت منکر تھے۔

جیسا مخالفین کا آخر کار آپ کی نبوت اور صداقت کو تسلیم کر لینا یہ ظاہر کرتا ہے کہ نہایت ہی کھلے کھلے نشان اور ثبوت انکو دیے گئے ایسا ہی آپکے صحابہ کی بے نظیر استقامت بھی اسی نتیجہ کی مؤید ہے کہ انکے ایمان کی ...... محکم بنا ایسے قطعی اور یقینی علم پر تھی جس میں کوئی چیز شک کو پیدا نہیں کر سکتی تھی۔ کم از کم اس بات سے پادری صاحبان بھی انکار نہیں کر سکتے کہ اس قسم کی استقامت کا نمونہ جو صحابہ نے دکھائی اور کسی نبی کے پیرووں میں ہمیں نہیں ملتا اور نہیں تو کم از کم پادری صاحبان گھر پر ہی ایک نظر ڈال لیں کہ جب حضرت مسیح کو مشکلات پیش آئیں جو بقول انکے بہت سے معجزات اپنے حواریوں کو دکھا چکے تھے تو اسوقت حواریوں نے کیا استقامت دکھائی۔ پس اس مقابلہ سے یہ تو صاف ثابت ہوتا ہے کہ جو آسمانی نشان اور بیّن ثبوت ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی صداقت کے صحابہ نے دیکھے وہ حضرت مسیح کے آسمانی نشانوں سے بہت ہی زیادہ زبردست اور طاقتور تھے کیونکہ نشانوں کی شوکت اور قوت کے جانچنے کا ذریعہ تو نتیجہ ہی ہے آخر نشان اللہ تعالے عبث تو نہیں دکھاتا بلکہ وہ مومنوں کے ازدیاد اور تقویت ایمان کا موجب ہوتے ہیں اور کفار آہستہ آہستہ انسے قایل ہوتے چلے جاتے ہیں۔ مگر یہ دونوں نتیجے ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں سب انبیاء سے بڑھکر ثابت ہیں پس آپکے نشان بھی دوسرے انبیاء کے نشانوں سے زیادہ طاقتور اور زیادہ صاف تھے۔ استقامت ایک ایسی چیز ہے جو بغیر اسکے کہ انسان علے بصیرت صداقت کو دیکھ لے۔ پیدا نہیں ہو سکتی کیونکہ اس دنیا کے آرام اور آسایشیں اور یہانکے فواید تو نقد ہیں اور آخرت کی خوشیاں ادھار۔ پس نقد کو چھوڑ کر انسان ادھار کو کیونکر قبول کر سکتا ہے یہی وجہ ہے کہ اکثر انسان اسی دنیا پر سرنگون ہو رہے ہیں اور آخرت کا انہیں خیال تک بھی نہیں۔ اسکا علاج صرف انبیاء نے ہی کیا کیونکہ وہ خدا کی ہستی کے تازہ نشان دکھا کر اس یقینی ایمان کو پیدا کرتے ہیں جس کو حاصل کر کے انسان آخرت کو اس دنیا پر

ترجیح دیتا ہے اور اس دنیا کے فواید کو ہیچ سمجھکر آخرت سے ہی اپنا دل لگاتا ہے جبتک اس یقینی ایمان سے دل نہ بھر جائے انسان کبھی گوارا نہیں کرسکتا کہ دین کیخاطر دنیا کے کل فواید کو نظرانداز کرئے یہانتک کہ سالہا سال مصایب اور تکلیفوں میں رہنا اور اپنی جان کو ہاتھ سے دینا پسند کرے مگر ایمان کو ہاتھ سے نہ دے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کی برداشت مصایب کسی فوری جوش کا نتیجہ نہیں تھی بلکہ قریبًا ساری عمر ہی نہایت صبر اور استقامت سے مصایب کی برداشت وہ کرتے رہے اور ایک لمحہ کیلیے بھی تنزلزل نہیں ہوئے۔ بلکہ جوں جوں ان مصایب کا زمانہ اور شدت بڑھتی گئی انکی استقامت اور قوت ایمانی بھی ترقی کرتی گئی یہانتک کہ کل دنیوی فواید کو چھوڑنیکے بعد آخر انہوں نے اپنی جانوں کو بھی اپنے پیارے نبی پر قربان کرنیسے دریغ نہ کیا یہ کیونکر ہوسکتا تھا جبتک کہ انکے دل آپکی صداقت کے یقین سے بھر نہ چکے تھے اور ایسا قطعی ثبوت انکو نہ مل چکا تھا جسکے نزدیک شک اور شبہ پھٹک نہ سکتا تھا۔ پادری صاحبان یہ کہدیا کرتے ہیں کہ وہ بہشت کی خوشیوں پر ایسے لٹو ہوگئے تھے کہ سب کچھ اسکی خاطر کھودیا کبھی یہ نہیں سوچتے کہ کون شخص اس دنیا کی آسایشوں کو خیالی خوشیوں کے لیے قربان کرسکتا ہے وہ خود ہی سوچیں کہ انہوں نے دوسری دنیا کی خوشی کے لیے اپنی کس آسایش کو چھوڑا ہوا ہے اصل بات یہی ہے کہ صحابہ نے ایسے کھلے نشان اور بین ثبوت دیکھے کہ عالم آخرت کے وعدے انکو اس دنیا کی حقیقتوں سے بڑھکر سچے نظر آگئے +

پادری صاحب ثبوت کا انکار کرتے ہیں مگر میں کہتا ہوں کہ خود آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی استقامت کفار کیلیے کم ثبوت تھی؟ اس سے زیادہ بین ثبوت اور کیا ہوسکتا تھا کہ کل قوم نے متفق ہوکر ہر ایک کوشش ہلاک کرنے کی کی جو انکی طاقت میں تھی مگر ایک اکیلے آدمی کے مقابلہ میں انکی ہر ایک کوشش اکارتھ جاتی تھی۔ کیا وہ نہیں دیکھ سکتے تھے کہ جس صورت میں تمام زمینی اسباب آپکی مخالفت میں لگے ہوئے ہیں تو ضرور ہے کہ انسانوں سے بڑھکر کوئی اور طاقتور ہاتھ آپکی تائید میں ہو۔ دنیا تو کل مخالفت پر جھکی ہوئی تھی پھر وہ کونسی طاقت تھی جسکی وجہ سے آپ روز بروز کامیاب ہی ہوتے چلے جاتے تھے اور مخالفین کی تمام کوششیں ناکام اور نامراد رہتی تھیں۔ اور پھر وہ باتیں بھی ایسی کہتے تھے جو مخالفین کو مشتعل کرنیوالی تھیں کیونکہ وہ انکے بتوں اور معبودوں کو برا کہتے تھے اور یہ کہتے تھے کہ وہ خدائے برتر کے بالمقابل کوئی طاقت اور کوئی حقیقت نہیں رکھتے اور اور کہ کفار پر انکی بت پرستی اور بدکاریوں کی وجہ سے عذاب نازل کیا جائیگا پس کون شخص ان بت پرستوں میں ایسا تھا جو اپنے مذہب پر قایم ہونیکے باوجود ان باتوں سے جوش میں آکر آپکی ہلاکت کے درپے نہ ہوتا باوجود سب کوششوں کے وہ دیکھتے تھے کہ جو تجویز وہ کرتے ہیں ان میں آخرکار انکو ناکامی اور نامرادی ہی ہوتی ہے۔ کیا یہ انکے لیے ایک بین نشان نہ تھا کہ خدا تعالے کا طاقتور ہاتھ غیب میں آپکی تائید کررہا ہے؟ کیا انکو نظر نہ

آتا تھا کہ وہ راستوں میں بیٹھتے اور لوگوں کو روکتے اور دھمکاتے ہی رہ جاتے ہیں مگر پھر بھی لوگ باوجود اس علم کے کہ آپکے ساتھ ہونیسے سخت اذیتیں اور تکالیف پہنچیں گی آپکو قبول کرتے جاتے ہیں؟ کیا یہ نشان نہ تھا کہ کوئی اور طاقت جو انسانی طاقت سے بالاتر ہے آپکے ساتھ اور آپ کے مخالفین کی مخالفت میں کام کر رہی تھی؟۔ وہ تمام کوششیں آپکو روکنے کی کر چکے تھے۔ دولت عزت حکومت غرضیکہ ہر طرح کا لالچ پیش کر چکے تھے پھر جب انسے کام نہ بنا تو دھمکیاں بھی دیں اور آخر کھلے کھلے ہلاک کرنیکے درپے ہوئے مگر کوئی چیز بھی آپکو اپنے راہ سے ایک بال کے برابر بھی نہ ہٹا سکی۔ ایک اور نشان آپکی صداقت کا جو کفار آپکے وجود میں دیکھتے تھے آپ کا ایمان اپنی آیندہ کامیابی پر تھا۔ جس میں سخت سے سخت تکلیفوں اور بظاہر ناکامیوں کے وقت میں ایک ذرہ بھر بھی فرق نہیں آیا۔ یہ طاقت انسانی علم تو نہیں پھر وہ کونسی چیز تھی جو آپکو یقین دلا رہی تھی کہ آخر کار آپ ضرور غالب ہونگے۔ اور آپ کے کل مخالفین ہلاک اور ناکام ہونگے؟ یہ وہ باتیں تھیں جو کفار سے چھپی ہوئی نہ تھیں۔

پھر قرآن شریف میں صاف یہ دعوے پایا جاتا ہے کہ کفار کو معجزات اور نشان دکھائے گئے۔ کیا ان سورتوں میں جو ابتدا میں نازل ہوئیں اور کیا ان میں جو اخیر میں نازل ہوئیں۔ اول الذکر سورتوں میں سورۃ القمر ہے جسکی دوسری آیت میں ہے۔ وان یروا اٰیۃ یعرضوا ویقولوا سحر مستمر۔ یعنے جب کافر کوئی نشان دیکھتے ہیں تو منہ پھیر لیتے ہیں اور کہتے ہیں یہ جادو ہے جو سدا سے ہوتا چلا آیا ہے اس سے مراد انکی یہ تھی کہ پچھلے انبیاء کے معجزے بھی جادو تھے۔ اسی قسم کے یہ معجزے ہیں۔ پس نشانوں کو جادو کہنا صاف اس امر کی شہادت ہے۔ کہ نشان دیکھے تو کفار نے ضرور تھے مگر انکو جادو کہکر ٹالدیا۔ ایسا ہی سورۃ والصّٰفّٰت کی آیات ۱۳ و ۱۴ و ۱۵ میں فرمایا۔ واذا ذکروا لایذکرون واذا راوا اٰیۃ یستسخرون وقالوا ان ھٰذا الا سحر مبین۔ یعنی جب کفار کو سمجھایا جاتا ہے تو سمجھتے نہیں اور جب کوئی نشان دیکھتے ہیں تو اسکی ہنسی اڑاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ تو صریح جادو ہے۔ ان آیات سے بھی نشانوں کا دیکھنا اور انکا نام جادو رکھنا ثابت ہے ایسا ہی سورۃ صٓ میں فرمایا۔ وقال الکافرون ھٰذا ساحر کذاب۔ یعنی کافر آنحضرت کو کہتے تھے کہ یہ جادوگر ہے جھوٹا انکا جادوگر کہنا بھی اسیوجہ سے ہی تھا جو پہلی آیات میں بیان ہوئی یعنی وہ آپکے نشانوں کو جادو کہتے تھے ان تمام آیات سے ثابت ہے کہ کفار نے اس بات سے تو کبھی انکار نہیں کیا کہ خارق عادت امور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے ظاہر ہوتے رہے۔ ہاں ابتدائی زمانہ میں جب وہ آپکی نبوت کے منکر تھے تو ان امور کو جادو کیطرف منسوب کرتے تھے اور پھر آخر کار جب اور بین ثبوتوں اور نشانوں کو دیکھکر حق کو سمجھ گئے تو انہوں نے اپنے پہلے قول سے رجوع کرکے انہی امور کو نشان تسلیم کیا۔ بہرحال اس امر سے کبھی بھی انکار

نہیں کیا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے خارق عادت امور ظاہر ہوتے ہیں۔

جیسا ابتدائی سورتوں میں کفار کا اقرار نشان دیکھنے کا موجود ہے ویسا ہی بعد کی سورتوں میں بھی قرآن شریف میں کھلا کھلا دعوے کیا گیا ہے کہ کفار کو نشان دکھائے گئے۔ سورۃ انعام میں اللہ تعالے فرماتا ہے۔ قد جاءکم بصائر من ربکم فمن ابصر فلنفسہ ومن عمی فعلیھا۔ اے لوگو تمہارے رب کیطرف سے تو کھلے نشان تمہارے پاس آچکے پھر جو ان نشانوں کو دیکھتا ہے اسیکے فایدہ کیلیے ہے اور جو دیدہ ودانستہ اندھا ہو جائے اسکا وبال اسی پر ہوگا۔ اور سورۃ البقرۃ میں فرمایا۔ ولقد انزلنا الیک آیات بینات وما یکفر بھا الا الفاسقون۔ ہم تو تیری طرف کھلے کھلے نشان اتار چکے ہیں اور کوئی انکا انکار نہیں کر سکتا سوائے انکے جو فاسق ہیں ایسا ہی سورۃ آل عمران میں اللہ تعالی فرماتا ہے کیف یہدی اللہ قوما کفروا بعد ایمانھم وشھدوا ان الرسول حق وجاءھم البیّنات۔ کیونکر خدا ہدایت دے ان لوگونکو جنہوں نے کفر کیا بعد اسکے کہ وہ ایمان لا چکے تھے اور یہ گواہی دیچکے تھے۔ کہ یہ رسول برحق ہے اور انکے پاس کھلے نشان آچکے۔

جو کہانی کفار کے اعتراضات اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے جوابونکی سیل صاحب نے بنائی ہے وہ بھی قابل غور ہے وہ کہتا ہے کہ جب کفار نے معجزات مانگے تو انکو یہ جواب دیا گیا کہ معجزات ہم اسلیے نہیں بھیجتے کہ پہلوں نے انکی تکذیب کی۔ اور اسکے لیے سورۃ حجر اور بنی اسرائیل کا حوالہ دیتا ہے پھر کہتا ہے کہ چونکہ اس جواب سے کفار کا اطمینان نہ ہوا اسلیے مجبوراً انہوں نے یہ رائے لگائی کہ یہ قرآن اساطیر الاولین اور قول شاعر ہے اب ہم دیکھتے ہیں کہ کفار کا قرآن شریف کو اساطیر الاولین کہنا سورۃ القلم میں موجود ہے اور پھر سورۃ التطفیف میں موجود ہے اور یہ دونوں سورتیں ابتدائی زمانہ نبوت کی ہیں پس سیل صاحب کے دعوے کے رو سے سب سے پہلے سورۃ بنی اسرائیل اور سورۃ حجر نازل ہوئیں اور انکے جواب میں سورۃ القلم اور التطفیف نازل ہوئیں ایسا ہی انکا قرآن شریف کو قول شاعر کہنا والصّٰفّٰت اور الحاقۃ میں موجود ہے جو وہ بھی تمام محققین کے نزدیک بنی اسرائیل اور حجر سے پہلے کی نازل شدہ ہیں پھر یہیں ختم نہیں کرتا بلکہ وہ کہتا ہے کہ اسکے بعد سورۃ البروج اور العبس اور القریش اور الطین اور الطور نازل ہوئیں اگر نہیں تو کم از کم پادریصاحب اپنے بھائیونکی تحریرونکو پڑھ لیتے تو انہیں معلوم ہو جاتا کہ انکی یہ کہانی سراسر جھوٹ اور خلاف واقعہ ہے مگر پادریصاحبان کو تو اسلام کے خلاف لکھنے کو کچھ چاہیے انہیں سچ اور جھوٹ یا تحقیق سے کیا غرض +

سیل صاحب کے نزدیک انکار معجزات دو جگہ قرآن شریف میں پایا جاتا ہے۔ اول سورۃ الحجر کی آٹھویں آیت میں ہیں شروع سے اس سورت کی آٹھ آیتیں نقل کرتا ہوں تاکہ ناظرین خود معلوم کر لیں کہ یہ پادریصاحب کی محض غلط بیانی ہے۔ الٓرٰ تلک ایٰت الکتٰب وقران مبین + ربما یود الذین کفروا لو کانوا مسلمین + ذرھم یاکلوا ویتمتعوا ویلھھم الامل فسوف یعلمون + وما اھلکنا من قریۃ الا ولھا کتاب معلوم + ماتسبق من امۃ اجلھا وما یستاخرون + وقالوا یایھا الذی نزل علیہ الذکر انک لمجنون + لوما تاتینا بالملئکۃ ان کنت من الصادقین۔ ماننزل الملئکۃ الا بالحق وما کانوا اذا منظرین:۔

یہ آیتیں ہیں کتاب کی اور کھلے قرآن کی ایک دن ہوگا کہ کافر بہتیری ہی آرزو کرینگے کہ اے کاش ہم بھی مسلمان ہوتے۔ چھوڑ دو انکو کھائیں اور دنیا کے چند روزہ فایدہ اٹھائیں اور آرزوئیں انکو غافل کیئے رکھیں اور ہم نے کسی لبستی کو ہلاک نہیں کیا مگر اسکی میعاد ہلاکت پہلے سے لکھی ہوئی موجود تھی پھر اسوقت مقررشدہ سے نہ کوئی قوم آگے بڑھ سکتی ہے (یعنی وقت مقررشدہ سے پہلے ہلاک نہیں کیجاتی) اور نہ پیچھے رہ سکتی ہے (یعنی جب وہ وقت آجاتا ہے تو پھر وہ بچ نہیں سکتی) اور کہتے ہیں کہ اے وہ شخص جسپر ذکر اتارا گیا تُو تو دیوانہ ہے (یعنی تو جو ہماری ہلاکت کی خبر دیتا ہے وہ پوری تو ہوتی نہیں پس یہ تیری بات مجنونانہ ہے) اگر تو سچا ہے تو فرشتوں کو (جو تو کہتا ہے ہماری سزا کے لیئے آئینگے) ہمارے سامنے کیوں نہیں لا کھڑا کرتا۔ (بات یہ ہے کہ) ہم فرشتوںکو نہیں اتارتے مگر آخری فیصلہ کیلیئے اور (جب فرشتے عذاب لیکر آگئے تو) اسوقت انکو مہلت بھی نہ دی جائیگی" صاف ظاہر ہے کہ فرشتوںکے اترنے سے مطلب کفار کا یہ تھا کہ عذاب کیوں نہیں آتا اور اسی کا جواب دیا گیا کہ عذاب کا وقت تو مقرر ہے جیسا پہلی امتوںکے عذاب کا وقت بھی مقرر تھا۔ سو وقت سے پہلے وہ آئیگا نہیں۔ اور جب آگیا تو پھر ٹلے گا نہیں +

دوسری آیت جس سے سیل صاحب انکار معجزات نکالتے ہیں سورہ بنی اسرائیل کی آیت وما منعنا ان نرسل بالآیات الا ان کذب بہا الاولون ہے مگر ظاہر ہے کہ الآیات سے مراد کل آیات نہیں بلکہ خاص آیات ہیں کیونکہ وجہ نہ بھیجنے کی یہ دی ہے کہ پہلوں نے انکو جھٹلایا سو یہ تو ممکن ہی نہیں کہ پہلے لوگ ان کل نشانات کو جھٹلا چکے ہوں جو خدا دکھا سکتا تھا کیونکہ خدا کی طاقت غیر محدود ہے وہ طرح طرح کے نشان دکھا سکتا ہے پس یہاں ال خصوصیت کا ہے اور مراد وہ اقتراحی معجزات ہیں جو کفار اپنی ہلاکت کے لیے آپ مانگا کرتے تھے کبھی کہتے تھے پتھر آسمان سے برسیں کبھی کہتے تھے دردناک عذاب میں ہم مبتلا ہو جائیں سو فرمایا کہ اقتراحی معجزات ہلاکت ہم نہیں بھیجتے بلکہ جس رنگ میں چاہیں گے عذاب دینگے جیسا کہ اخیر آیت پر فرمایا وما نرسل بالآیات الا تخویفا یعنی غرض ہلاکت کی نشانیاں بھیجنے سے تو صرف ڈرانے کی ہوتی ہے یعنی تا لوگ اپنے مولے سے ڈریں۔ سو اسکے لیے کیا ضرورت ہے کہ اسی قسم کا عذاب دیا جاوے جو خود وہ لوگ اپنی بیوقوفی سے مانگتے ہیں یا ایسا عذاب دیا جائے جو پہلی قوموںکو دیا گیا چنانچہ ساتھ ہی دوسری آیت کو یوں شروع کیا۔ واذ قلنا لک ان ربک احاطہ بالناس۔ یعنی یہ تو ہم تجھ سے کہہ چکے ہیں کہ تیرے رب نے ان سب لوگوںکا احاطہ کیا ہوا ہے یعنی ضرور انکو عذاب دیکر رہیگا خواہ کسی صورت میں دیدے۔ چونکہ اس مضمون پر بڑے بسط اور تفصیل سے دسمبر ۱۹۰۱ء کے پرچہ میں بحث ہو چکی ہے۔ اسلیئے اب اسکو میں ختم کرکے ناظرین کو اس مضمون کا حوالہ دیتا ہوں تا ان سب دلایل کے دہرانے کی ضرورت نہ ہو جو وہاں دیگئی ہیں +

الدّجال

وہ خوفناک دجال جس سے خدا کے رسول ہمیشہ سے ڈراتے آئے ظاہر ہو چکا ہے بلکہ ایک زمانہ سے اس نے نہایت کوشش سے اپنا کام شروع کر رکھا ہے۔ میں اس مضمون میں یہ دکھانا چاہتا ہوں کہ وہ دجال کون اور کہاں ہے۔

دجال کے نکلنے کی پیش گوئی بہت پرانی ہے۔ یہ پیشگوئی حضرت آدم علیہ السلام سے شروع ہوئی اور بہت سے انبیاء بنی اسرائیل نے بھی اسکو بیان کیا مگر وہ شخص جس نے اس پیش گوئی پر بہت زور دیا اور جس نے اپنی امت کو بہت خوف دلایا وہ ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم ہیں چونکہ اس پیش گوئی کا تعلق براہ راست اس امت سے تھا اسلیے ہم دیکھتے ہیں کہ کسی نبی نے اس پیش گوئی کو ایسی صفائی اور ایسے زور سے بیان نہیں کیا جیسے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے بیان کیا ہے آپنے بڑے صاف صاف نشان دجال کے بتلائے ہیں اور اس مضمون میں میں زیادہ تر انہی نشانات پر بحث کرونگا۔ مگر پیشتر اسکے کہ میں دجال کی بابت اپنے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی پیش گوئیوں کا ذکر کروں میں مناسب سمجھتا ہوں کہ نفس پیش گوئی کے مضمون پر مختصر بحث کروں +

پیش گوئیوں کے ماخذ

نبی میں کوئی ایسی اندرونی طاقت نہیں ہوتی جس سے وہ خود بخود آیندہ کے واقعات معلوم کر سکے اور جب کبھی وہ کسی آنیوالے واقعہ کی خبر دیتا ہے تو اسکا یہ سبب نہیں ہوتا کہ اس میں کوئی اندرونی طاقت ہوتی ہے جس سے اسکو آیندہ واقعات کی اطلاع ہو جاتی ہے۔ اس بات میں تو وہ تمام انسانوں کے ساتھ شریک ہوتا ہے یہ خدا تعالے کا کام ہے کہ بعض واقعات کو اسپر ظاہر کر دیتا ہے نبی کا علم اسی حد تک محدود ہوتا ہے جس تک خدا تعالے اسکو علم دیتا ہے۔ اس سے زیادہ اسکو علم نہیں ہوتا۔ بہت سے طریق ہیں جن سے خدا تعالے اسکو آیندہ واقعات کا علم عطا فرماتا ہے بعض دفعہ وہ اللہ تعالے کے کلام کو سنتا ہے بعض دفعہ کسی کاغذ یا کسی اور چیز پر لکھا ہوا دیکھتا ہے۔ بعض دفعہ وہ خواب میں نظارہ دیکھتا ہے اور بعض دفعہ اسے کشف ہو جاتا ہے۔ بعض دفعہ ایسا اتفاق ہو جاتا ہے کہ اللہ تعالے اپنے پیغام کے پہنچانیکے لیے کسی فرشتے کو نازل فرما دیتا ہے۔

حقیقت پیش گوئی

کتب سماویہ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ پیشگوئیاں عموماً استعارات کے رنگ میں ہوتی ہیں اکثر حالتوں میں یہ بتلانا ناممکن ہوتا ہے کہ پیشگوئی کس صحیح تمیز

پوری ہوگی۔ حتےٰ کہ بعض دفعہ خود نبی بھی بتلا نہیں سکتا کہ پیشگوئی کس رنگ میں پوری ہونیوالی ہے عموماً پیشگوئی کی ٹھیک حقیقت اور اصلیت کا اسوقت ہی پتہ لگتا ہے جسوقت کہ وہ پوری ہوتی ہے پیشگوئی کا پورا ہونا اسکی حقیقت کو آشکارا کر دیتا ہے۔ پیشگوئی پر اجمالی ایمان لاکر اسکی حقیقت اور تفصیل کو حوالہ بخدا کرنا چاہیئے۔ جبتک پیشگوئی پوری نہیں ہوتی وہ ایک راز سر بستہ کی طرح ہوتی ہے۔ اکثر دفعہ اللہ تعالےٰ پیشگوئی کو ایسے طور سے پورا کرتا ہے کہ لوگونکے وہم وگمان میں بھی نہیں ہوتا کہ پیشگوئی اس رنگ میں پوری ہوگی۔ اسکی عمدہ مثال حضرت عیسےٰ علیہ السلام میں خوب پائی جاتی ہے۔ یہود جنکو مسیح کا وعدہ دیا گیا تھا ہرگز امید نہ رکھتے تھے کہ ایک حلیم خاکسار انکی طرف بھیجا جائیگا۔ مسیح کی بعثت بالکل انکی امیدونکے برخلاف تھی۔ آمد مسیح کی بہت سی پیشگوئیاں یہودیونکے پاس موجود تھیں اور انکا خیال تھا کہ یہ سب لفظ بلفظ پوری ہونگی۔ انہوں نے ایک خیالی تصویر مسیح کی بنا رکھی تھی اور جب وہ خدا کا موعود انکی خیالی اور وہمی تصویر ونپر پورا نہ اترا تو انہوں نے انکار کر دیا۔ تمام پیشگوئیاں پوری ہوچکی تھیں۔ مگر نہ اس صورت میں جیسا کہ انکا خیال تھا۔ بسا اوقات نبی ایک پیشگوئی کا اظہار کر دیتا ہے مگر ٹھیک طور سے یہ نہیں کہہ سکتا کہ کس طرز سے یہ پوری ہوگی۔ جہانتک نبی کو خبر دیجاتی ہے وہانتک ہی اسکا علم محدود ہوتا ہے آگے نہیں بڑھتا۔ بعض دفعہ نبیر خدا کی وحی نازل ہوتی ہے مگر وہ نہیں جانتے کہ اسکا کیا مطلب ہے صرف اسوقت اس وحی کے لفظ انپر صاف ہوتے ہیں جبکہ وہ پیشگوئی پوری ہو جاتی ہے کتاب "پیشگوئی اور اسکی حقیقت" کا مصنف حضرت یعقوب علیہ السلام کی ایک پیشگوئی کا ذکر کرتے ہوئے کہتا ہے "یعقوب آنیوالے کا نام شلوح رکھتا ہے جو ایک بعید الفہم لفظ ہے۔ کیوں بستر مرگ پر بیٹھا ہوا آدمی ایک غیر معمولی لفظ (شلوح) اپنے منہ سے نکالتا ہے۔ .... غالباً وہ سامعین جنہوں نے اس لفظ کو سنا اگر اس نام کے معنونسے بالکل ناواقف نہ تھے تو کم ازکم یہ لفظ انکے لیے ایک نزالا لفظ ضرور تھا۔ یہ ایک عجیب اور پُر راز لفظ تھا غالباً خود اس بزرگ کو بھی پتہ نہ تھا کہ اس لفظ سے کیا مراد ہے"۔

یہ اکثر واقع ہوا ہے کہ خود نبی نے پیشگوئی کی تصریح اور تشریح میں غلطی کھائی ہے۔ اس غلطی کی سب سے مشہور مثال حضرت مسیح کی سوانحعمری میں مل سکتی ہے وہ اپنے دوبارہ آنے کی تاریخ مقرر کرنے میں ایک خطرناک غلطی کرتے ہیں اپنے دوبارہ آنیکا ذکر کرتے ہوئے وہ یوں فرماتے ہیں۔ "اسی طرح جب یہ سب دیکھو تو جانو کہ وہ نزدیک بلکہ دروازہ پر ہے۔ میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ جبتک یہ سب کچھ ہو نہ لے اس زمانہ کے لوگ گذر نہ جاوینگے۔ آسمان اور زمین ٹل جائینگے پر میری باتیں ہرگز نہ ٹلیں گی"۔ (متی باب ۲۴۔ آیت ۳۳۔۳۵) مگر کون نہیں جانتا کہ نہ صرف وہ پشت اور وہ لوگ ہی بلکہ بعد میں بہت سی پشتیں اور بہت سے لوگ گذر گئے مگر کسی نے مسیح کی آمد ثانی کو نہ دیکھا۔ ایسا معلوم ہوتا

ہے کہ انہوں نے خدا کے کلام اور وحی کی تشریح اور توضیح میں غلطی کھائی جیسا کہ اوروں نے آپکی پہلی آمد کے بارے میں غلطی کھائی تھی الیاس کے مسیح سے پہلے آنیسے یہ سمجھ لیا گیا کہ درحقیقت وہی الیاس جو مدتوں پہلے اس دار فانی سے رحلت کر گیا تھا پھر دوبارہ آئیگا! اور غور کرنیسے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ پہلے نبیوں نے بھی اس پیش گوئی کو ظاہری معنوں پر ہی لیا تھا۔ حضرت مسیحؑ کے بیان کے مطابق پیش گوئی حضرت یوحنا یعنی یحیٰی علیہ السلام پر پوری ہوئی مگر حضرت یحییٰ علیہ السلام نے کبھی خود یہ دعوے نہ کیا کہ وہ اس پیش گوئی کے مصداق ہیں اور جبکہ یہودیوں نے پوچھا کہ کیا آپ الیاسؑ ہیں تو انہوں نے انکار کیا۔ اگر یہودی حضرت مسیحؑ کی اس توجیہ کو کھولکر حضرت یحییٰ علیہ السلام کے پاس بیان کر دیتے تو شاید وہ انکار نہ کرتے۔ ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں بھی ایسی مثالیں پائی جاتی ہیں جنسے معلوم ہوتا ہے کہ بعض اوقات پیشگوئیوں کے بارے میں اجتہادی غلطی آپ سے بھی واقع ہو جاتی تھی! ایک دفعہ آپنے فرمایا کہ میری بیویوں میں سے میری وفات کے بعد سب سے پہلے وہ فوت ہوگی جسکے ہاتھ سب سے زیادہ لمبے ہیں۔ چنانچہ حضور کے سامنے آپکی سب بیویوں کے ہاتھ ماپے گئے اور سودہ کے ہاتھ سب سے لمبے نکلے مگر اس پیش گوئی کی اصل حقیقت اسکے پورا ہونے پر ہی معلوم ہوئی حضور کی بیویوں میں سے آپکی وفات کے بعد سب سے پہلے اس دنیا سے کوچ کرنیوالی زینب تھیں جن کے ہاتھ سخاوت میں سب سے بڑھے ہوئے تھے۔ تب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے سمجھ لیا کہ لمبے ہاتھ سے مراد سخاوت ہے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے سامنے ہاتھوں کا مایا جانا اور آپکا کوئی اعتراض نہ کرنا اور لوگوں کو ہاتھوں کی پیمایش سے نہ روکنا صاف اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ آپکو کم از کم یقین نہ تھا کہ ہاتھوں کی لمبائی سے کیا مراد ہے! اسی طرح روایت کی گئی ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مینے خواب میں دیکھا کہ میں مکہ سے ایک نخلستان ...... کی طرف ہجرت کرتا ہوں میں نے یہ سمجھا کہ مجھے یمامایا ہجر کیطرف ہجرت کرکے جانا پڑیگا مگر آخر وہ مدینہ نکلا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حقیقت پیش گوئی کے بیان کرنے میں یہ ممکن ہے کہ ایک نبی سے غلطی سرزد ہو جائے مگر اس سے اسکی شان میں کوئی فرق نہیں آتا نبی کو کوئی علم غیب نہیں ہوتا اسکو صرف اتنا ہی معلوم ہوتا ہے جتنا خدا اسکو بتلاتا ہے جس جگہ کیطرف ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کرکے جانا تھا اسکا نام نہیں بتلایا گیا تھا۔ صرف اتنا ہی ظاہر کیا گیا تھا کہ وہ کھجوروں والی زمین ہے۔ اس جگہ کا نام آپنے قیاساً معلوم کرنا چاہا مگر وہ ٹھیک نہ نکلا اس امر کی تشریح کہ نبی کا علم اسی حد تک محدود ہوتا ہے جس حد تک اسکو علم دیا جائے۔ حدیبیہ کے قصے سے بھی ہوتی ہے + کہ معظمہ میں داخل ہونیکے لیئے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے آپکو امید تھی کہ مکہ معظمہ میں داخل ہو جائینگے اس امید کی بنا ایک رُویا پر تھی۔ مگر اسدفعہ یہ امید پوری نہ ہوئی اور آپکو واپس مدینہ شریف آنا پڑا۔ وہ رُویا آیندہ سال پورا ہوا۔ خدا تعالے نے اس رُویا کے ذریعہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو وعدہ دیا کہ آپ مکہ شریف میں داخل ہونگے۔ اور حج کرینگے۔ مگر یہ نہیں بتلایا گیا تھا۔ کہ یہ رُویا کب پورا ہوگا۔ اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا قبل از وقت مکہ شریف

کی طرف سفر کرنا دلالت کرتا ہے کہ آپکو یہ علم نہیں تھا کہ یہ وعدہ کب پورا ہوگا۔

پیشگوئی کے معنی بیان کرنے میں یا وقت مقرر کرنے میں اگر ملہم غلطی کرے تو اس سے نفس پیش گوئی پر کوئی حرف نہیں آتا اگر ایسا ہی ظہور میں آجائے جیسا کہ پیش گوئی کے الفاظ سے پایا جاتا ہے تو یہ کافی ثبوت ہے کہ یہ خدا تعالےٰ کا کلام تھا۔ خواہ اس پیش گوئی کا پورا ہونا ان معنوں کے مطابق نہ ہو جو ملہم نے پیش از وقت اجتہادی طور پر بیان کیے ہوں ہمیں یہ نہیں دیکھنا چاہیئے کہ آیا ملہم کے اجتہادی معنوں کے مطابق پیشگوئی پوری ہوئی ہے یا نہیں۔ بلکہ یہ دیکھنا چاہیئے کہ آیا پیشگوئی کے الفاظ نتیجہ پر صادق آتے ہیں یا نہیں۔ الہامی الفاظ بعینہ ہمارے پاس موجود ہیں اگر ایسا واقع وقوع میں آئے جس پر کہ پیشگوئی کے الفاظ ٹھیک ٹھیک چسپاں ہوں تو ہمیں سمجھ لینا چاہیئے کہ پیشگوئی پوری ہوگئی اسکی ایک تازہ مثال یہ ہے کہ خدا تعالےٰ کا کلام حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر نازل ہوا۔ با ایں الفاظ "عفت الدیار محلہا و مقامہا" یعنے عارضی سکونت کے مکان اور مستقل سکونت کے مکان سب مٹا دیئے جائینگے پیش از وقت یہ نہیں بتلایا جا سکتا تھا کہ کس طرح یہ مکانات کی تباہی ظہور میں آویگی۔ چونکہ ملک میں طاعون پھیلی ہوئی تھی اسلیے موجودہ حالات پر نظر کرکے طبعاً خیال اسطرف چلے گئے کہ یہ تباہی طاعون کے ذریعہ آئیگی مگر پیشگوئی اور رنگ میں پوری ہوئی ۴ اپریل کو وہ خوفناک زلزلہ آیا جسنے مکانات کو زمین کے ساتھ ملا دیا۔ اس طرح خدا تعالےٰ کے کلام کا ہر ایک لفظ صفائی سے پورا ہوا۔ مگر ہمارا قیاس درست نہ نکلا۔

اس تمام بحث سے ہمیں کیا سبق سیکھنا چاہیئے۔ ہمارا گذشتہ تجربہ ہمیں یہ تعلیم دیتا ہے کہ پیش از وقت یہ بتلانا قریباً ناممکن ہے کہ فلاں پیشگوئی کس رنگ اور کس صورت میں ظہور پذیر ہوگی۔ ہمیں یہ امید ہمیشہ نہیں رکھنی چاہیئے کہ پیشگوئی عین ہمارے خیال کے مطابق پوری ہوگی۔ صبر سے پیشگوئی کے پورا ہونیکا انتظار کرو۔ قبل از وقت اس پر بحث کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ یہ نہ کہو کہ پیشگوئی اِس رنگ میں پوری ہوگی یا اُس رنگ میں۔ پیشگوئی کے اصل الفاظ کو مدنظر رکھو۔ اور جب وہ پوری ہوگی تو تمہاری توجہ خود بخود اسطرف پھر جائیگی۔ اور اسوقت تم خود دیکھ سکوگے کہ پیشگوئی کے کیا معنے تھے۔ یہودیوں کی اور ان لوگوں کی پیروی نہ کرو۔ جنہوں نے تم سے پہلے ٹھوکر کھائی کبھی یہ مطالبہ نہ کرو کہ پیشگوئی تمہارے خیال کے مطابق پوری ہو۔ آیندہ کے واقعات کو اپنا خیالی جامہ نہ پہناؤ اور کبھی ایک پیشگوئی کو اسلیے رد نہ کرو کہ وہ تمہارا خیالی لباس پہنکر ظہور میں نہیں آئی۔ ممکن ہے کہ تمہارے خیال کی تصویر حقیقی تصویر نہ ہو پس یہودیوں کی طرح ایک پیشگوئی کا اسلیے انکار کرکے اپنے آپ کو دوزخ کا وارث نہ بناؤ کہ وہ تمہاری خیالی تصویر پر پوری نہیں اُتری۔

جب ایک پیشگوئی کی بنا رخواب یا کشف پر ہو تو اسکو ظاہری معنوں میں لینا اور بھی زیادہ غلطی ہے کیونکہ خواب اکثر تعبیر طلب ہوتے ہیں انکی زبان الگ ہے معمولی لغت کی کتابیں انکے سمجھنے میں کوئی مدد نہیں دیسکتیں اس امر کو دجّال کی پیشگوئی پر غور کرتے وقت ضرور مدنظر رکھنا چاہیئے۔ کیونکہ جیسا کہ میں بعد میں دکھاؤنگا اسکی بنا زیادہ تر کشف اور رؤیا پر ہے

علامات دجال - بڑی بڑی دجال کی علامتیں جو احادیث میں آئی ہیں مندرجہ ذیل ہیں -
اوّل - دجّال ایک آنکھ سے کانا ہوگا - دوم - اسکی پیشانی پر ک - ف - ر - لکھے ہوئے ہونگے - جسکو خواندہ ناخواندہ سب پڑھ سکینگے - سوم - اسکے ساتھ ایک بڑا گدھا ہوگا - جسکے دو کانونکے درمیان کا فاصلہ ستر باع ہوگا - چہارم - وہ شیطانی وسوسوں اور جھوٹے عجوبوں سے لوگونکو گمراہ کریگا - پنجم - ابتدائے آفرینش سے قیامت تک اسکے برابر کوئی فتنہ نہ ہوگا - ششم - ستر ہزار مسلمان اسکی پیروی اختیار کرینگے - ہفتم اسکے ساتھ ایک دوزخ ہوگا - اور ایک بہشت - ہشتم - اسکے ساتھ روٹیونکے پہاڑ ہونگے - نہم - زمین و آسمان پر اسکا تسلّط ہوگا - اسکے حکم سے بارش ہوگی اسی کے حکم سے زمینیں اپنی پیداوار نکالیں گی - وہ ویرانوں پر سے گذریگا اور اسکے حکم کے ساتھ ویران زمینیں اپنے خزانے باہر پھینکیں گی وہ خزانے اسکے پیچھے پیچھے اس طرح جائینگے جیسے شہد کی مکھیاں اپنی رانی کے پیچھے پیچھے جاتی ہیں - دہم - وہ سب زمین پر پھیل جاویگا - یازدہم - مکہ معظما اور مدینہ شریف میں داخل نہیں ہوسکیگا - دوازدہم - اسکی آواز کل دنیا پر سنی جائیگی - سیزدہم - دجال قسطنطنیہ کی فتح کے بعد خروج کریگا - چہاردہم - وہ آخری زمانہ میں نکلیگا - پانزدہم - وہ گرجا میں سے نکلیگا - شانزدہم - وہ مشرق کی زمین میں ظاہر ہوگا - ہفدہم - سورہ کہف کی ابتدائی دس آیتونکے پڑھنے سے انسان اسکے فتنہ سے محفوظ رہ سکیگا - ہیژدہم - مسیح اسکو قتل کریگا - نہ کسی ہتھیار سے بلکہ اپنے سانس سے - نوزدہم - اگر مسیح اسکے قتل کرنیکے لیے نہ بھی آتا پھر بھی دجال خود بخود اس طرح پگھل جاتا جیسا کہ نمک پانی میں حل ہوجاتا ہے - بستم - باب اللد کے پاس دجال قتل کیا جاویگا -

اب ہمارے مسلمان بھائی ہرگز قبول نہ کرینگے کہ پیشگوئی پوری ہوگئی - جبتک کہ کوئی ایسا شخص ظاہر نہ ہو جو آنکھ سے کانا ہو - جسکے ماتھے پر ک - ف - ر - کے حروف کھدے ہوئے ہوں جسکے پاس ایک اتنا بڑا گدھا ہو - جسکے دو کانونکے درمیان کا فاصلہ ٹھیک ستر باع ہو - نہ انچ کم نہ زیادہ جو چالیس سال تک خدائی طاقتیں غصب کر رکھے - اور زمین و آسمان اسکے حکم کے تابع ہوں - اور اسکے پاس ایک بہشت ہو اور ایک دوزخ - زمین کے خزانے خود بخود نکلکر اسکے پیچھے اس طرح چلیں جس طرح شہد کی مکھیاں اپنی رانی کے پیچھے چلتی ہیں - روٹیوں کے پہاڑ اسکے ساتھ ہوں - آسمان اسکے حکم سے بارش برسائے - اور زمین اپنے پوشیدہ خزانے ظاہر کرے - اور اسکا گدھا اسقدر تیز ہو کہ تھوڑی دیر میں زمین کے ایک کنارے سے دوسرے کنارہ تک پہنچ جاوے - القصہ آجکل کے مسلمان پیشگوئی کو بالکل لفظی اور ظاہری معنوں میں لینا چاہتے ہیں اور ہرگز کسی کو دجال قبول نہیں کرینگے جبتک کہ ہر ایک لفظ ظاہری طور پر پورا نہ ہو - انسان نے ہزار دفعہ ٹھوکر کھائی ہے - مگر پھر بھی وہ سبق نہیں سیکھنا چاہتا - انسان نے حضرت مسیح کے زمانہ میں ٹھوکر کھائی اور پھر ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اور ان دو کے خدا

برگزیدوں نے اسلیے انکار کیا کہ انکا ظہور اُسکے خیال کے مطابق نہیں تھا۔ گذشتہ تجربہ انسان کو سکھلاتا ہے کہ پیشگوئی کے ہر ایک لفظ کی نسبت یہ کہنا کہ یہ ظاہری صورت پر پورا ہوا ایک خطرناک غلطی ہے۔ خدا تعالیٰ کا آیندہ واقعات کو ظاہر کرنیکا طرز ایک خاص طرز ہے۔ خدا تعالےٰ یہ پسند کرتا ہے کہ وہ اپنے مطلب کو استعارات سے بھری ہوئی زبان میں ظاہر کرے وہ اکثر اپنے خیالات کے اظہار کے لیے اشارات سے کام لیتا ہے وہ ایک واقعہ کو پورے طور پر کھولکر کم ہی بیان کرتا ہے۔ وہ قریبًا ہمیشہ کچھ حصہ مخفی رکھتا ہے وہ انسان کے علم کو اپنے علم کیطرح حاوی اور محیط نہیں بناتا انسان کا علم کسی صورت میں خدا تعالےٰ کے علم کے برابر نہیں ہوسکتا۔ اگر خدا تعالےٰ کی یہ سنت ہوتی کہ وہ آیندہ کے واقعات کو کھلے اور صریح لفظوں میں ظاہر کرتا۔ اگر وہ انسان کے علم کو ایسا ہی وسیع کر دیتا جیسا کہ اسکا اپنا علم وسیع ہے تو پھر خدا تعالےٰ کے فرستادوں کا کبھی انکار نہ کیا جاتا۔ اگر خدا تعالےٰ آیندہ کے واقعات کو ایسا کھلا کر دیتا کہ انسان پہلے سے ہی بتلا دیتا کہ یہ بات ٹھیک اس طرح وقوع میں آئیگی تو پھر انبیا کے قبول کرنے میں کوئی ثواب نہ رہتا جیسا کہ طلوع آفتاب پر ایمان لانے میں کوئی ثواب نہیں۔ پھر کوئی ایمان کی آزمایش باقی نہ رہتی۔ شریر اور خداترس دونوں خدا تعالےٰ کے رسولوں پر برابر ایمان لاتے۔ اور کوئی ثواب کا مستحق نہ ہوتا۔ جب سورج مشرق سے طلوع کرتا ہے تو نیک و بد اسکے طلوع کو قبول کرتے ہیں مگر اس قبول کرنیسے وہ قابل تعریف نہیں ٹھہر سکتے اسلیے جب خدا تعالےٰ ایمانداروں اور شریروں میں امتیاز کرنا چاہتا ہے تو وہ آیندہ کے واقعہ کو ایسا صریح طور پر بیان نہیں کرتا کہ اس میں کوئی پردہ اور غیبوبیت باقی نہ رہے۔ مگر تاہم جسقدر خدا تعالےٰ آیندہ کے واقعہ کا بیان کرتا ہے وہ انسان کی ہدایت کیلیے کافی ہوتا ہے اس میں اسقدر ضرور صراحت پائی جاتی ہے کہ ایک نیک اور متقی شخص اسکے ذریعہ حق کو پہچان لے۔ خدا تعالےٰ کی غرض ایمان کو آزمانا ہوتا ہے۔ اور نیک و بد میں تمیز کرنا۔ تاکہ وہی ثواب حاصل کریں جو ثواب کے مستحق ہیں۔

ریورینڈ آر۔ اے۔ ریڈ فورڈ ایم۔ اے ایل ایل بی لکھتا ہے "یہاں ہم اس اعتراض کا ذکر کرتے ہیں جو بعض لوگ پیش کیا کرتے ہیں کہ پیشگوئی کو سچی پیشگوئی نہ سمجھنا چاہیئے۔ جبتک کہ واقعہ کو کھلے اور صریح الفاظ میں بیان کیا جاوے۔ مثلاً وان ایمن اپنی کتاب کرسٹالوجی کے صفحہ ۱۲ پر لکھتا ہے کہ ایسے آسان فقرے جیسا کہ ذیل میں لکھے جاتے ہیں۔ بنی اسرائیل کو بادشاہ کا انتظار نہیں کرنا چاہیئے بلکہ ایک معلم کی انتظار کرنی چاہیئے۔ یہ معلم بیت اللحم میں ہیرودیس کے زمانے میں پیدا ہوگا۔ وہ ٹائبریس کے عہد میں اپنے مذہب کی سچائی کی تصدیق میں اپنی جان دیدیگا۔ یروشلم کی تباہی اور یہودی ریاست کی پوری بیخ کنی کے ذریعہ سے وہ دنیا کے ہر ایک حصہ میں اپنے مذہب کو پہنچائیگا۔ اس قسم کے چند فقرے کھلی تاریخی عبارت میں لکھے ہوئے صرف سچی پیشگوئی ہی نہ کہلاتے۔ بلکہ جب کبھی انکی سچائی ثابت ہوتی۔ تو ایسی پیشگوئی کا درجہ عہد عتیق کی تمام پیشگوئیوں سے بڑھکر ہوتا۔ یہ وہ اعتراض ہے جسکو

وان امین پیش کرتا ہے۔ اس اعتراض کے یہ معنے ہیں کہ ہماری سمجھ خدا تعالیٰ کی سمجھ سے بڑھ کر ہے اور جو طریقہ ہماری سمجھ میں آتا ہے وہ اس طریقہ سے بڑھکر ہے جو خدا تعالےٰ نے اختیار کیا ہے۔ علاوہ ازیں یہ ضرور یاد رکھنا چاہیئے کہ یہ خدا تعالیٰ کی سنت ہے کہ وہ اس بڑے بھید کو مخفی رکھتا ہے۔ یہانتک کہ انسان اسکے برداشت کرنیکے قابل ہوں اس بھید کی تلاش میں رہنا ہی انسانوں کی تربیت کا ایک حصہ ہے اگر مسیح اور اسکی تاریخ اور اسکی سلطنت کا پورا پورا بیان پہلے سے بتلا دیا جاتا۔ تو ایمان کے لیے کہاں موقع رہتا۔ اور کسقدر ممکن تھا۔ کہ جھوٹے شخص بھی مسیحیت کا دعوے کر لیتے۔ سچا شخص دنیا میں روز روشن کی طرح نہیں آتا۔ وہ پہلے ان لوگوں کے پاس آتا ہے جو اس کا استقبال کرنیکے لیے انتظار کر رہے ہوتے ہیں۔ اور اسکو قبول کرنیکے لیے تیار ہوتے ہیں"۔

دجال کی پیشگوئی کو بالکل لفظی معنوں میں لینا مندرجہ ذیل وجوہات سے بھی غلط ثابت ہوتا ہے۔ اول آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ رایتنی اللیلۃ عند الکعبۃ فرأیت رجلاً آدم..... فسألت من ہذا فقالوا ہذا المسیح ابن مریم قال ثم اذا انا برجل اعور العین الیمنی۔ فسألت من ہذا۔ فقالوا ہذا المسیح الدجال✣۔ (ترجمہ) آج رات مینے اپنے آپکو کعبہ کے پاس دیکھا۔ جہاں کہ مجھے گندم گوں آدمی نظر آیا۔ مینے پوچھا یہ کون ہے؟ لوگوں نے کہا یہ مسیح ابن مریم ہے۔ پھر ناگاہ ایک دہنی آنکھ سے کانے آدمی کو دیکھا مینے پوچھا یہ کون ہے؟ لوگوں نے کہا کہ یہ مسیح الدجال ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے دجال کو خواب میں دیکھا تھا۔ اور یہ مسلّم بات ہے کہ خوابیں تاویل طلب ہوتی ہیں۔ جو کچھ خواب میں دیکھا جاوے۔ اسکی نسبت یہ امید کرنا کہ یہ ہو بہو اسی طرح پورا ہوگا۔ ایک بڑی غلطی ہے۔ دوئم اگر مسلمانوں کو قرآن شریف پر ایمان ہے تو انہیں اس پیشگوئی کو ہرگز لفظی معنوں میں نہیں لینا چاہیئے۔ اس پیشگوئی کو لفظی معنوں میں لینے سے قرآن شریف کی بہت سی آیات کو غیر صحیح ماننا پڑتا ہے۔ دجال کی پیشگوئی کے لفظی معنے کرکے دجال کو خدا تعالےٰ کا حریف ماننا پڑتا ہے اور اس میں ایسی طاقتیں ماننی پڑتی ہیں جو صرف خدا تعالےٰ کیلیے خاص ہیں۔ خدا تعالےٰ فرماتا ہے:۔ خلق الانسان ضعیفا۔ چونکہ دجال بھی ایک انسان ہے اسلیے وہ بھی ضعیف ہے لیکن اگر اس میں حقیقی طور پر وہ ساری طاقتیں ہوں گی جو اسکی طرف منسوب کیجاتی ہیں اگر حقیقی طور پر زمین و آسمان پر اسکا اختیار ہوگا اگر واقعی طور پر وہ اس جلال کے ساتھ خروج کریگا جو اسکو دیا جاتا ہے تو پھر وہ کمزور انسان نہیں ہے بلکہ ایسی زبردست ہستی ہے جسکی طاقت خود خدا تعالےٰ کے برابر ہوگی خدا تعالےٰ اپنی نسبت فرماتا ہے:۔ انما امرہ اذا اراد شیئا ان یقول لہ کن فیکون۔ لیکن دجال کی نسبت کہا جاتا ہے کہ وہ بھی اپنے حکم سے جو چاہیگا کریگا۔ وہ ایک چیز کو کہیگا۔ ہو جا۔ اور وہ ہو جائیگی۔ اس طرح دجال کو خدا تعالےٰ کے برابر قرار دیتے ہیں مگر ایسا ماننا اس توحید کے برخلاف ہے جسکی قرآن شریف تعلیم دیتا ہے۔ اس سے ظاہر ہوا کہ ہم ان الفاظ کو حقیقی معنوں پر حمل نہیں کر سکتے۔ سوم۔ دجال کی نسبت لکھا ہے

✣ حدیث بالا اختصار لکھی گئی۔ منہ

کہ اس کی آنکھوں کے درمیان ک ۔ ف ۔ ر ۔ لکھا ہوا ہوگا ۔ اور ہر ایک مومن خواہ خواندہ ہو یا ناخواندہ ان حروف کو پڑھ لیگا ۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک معمولی تحریر نہیں ہوگی کیونکہ ناخواندہ لوگ معمولی تحریر کو پڑھ نہیں سکتے

چہارم ۔ دجال کی پیش گوئی میں کثرت سے ایسی باتیں پائی جاتی ہیں جو صریحاً استعارات ہیں ۔ مثلاً کہا گیا ہے کہ دجال اس بادل کی طرح چلیگا جسکے پیچھے ہوا ہو ۔ اسکا گدھا اتنا بڑا ہوگا کہ اسکے دونوں کانوں کے درمیان کا فاصلہ ستر باع ہوگا ۔ زمین کے خزانے اسکے پیچھے اس طرح چلینگے جیسے کہ مکھیاں اپنی رانی کے پیچھے چلتی ہیں ۔ اس کے ساتھ روٹیوں کے پہاڑ ہونگے اور اگر مسیح اسکے قتل کرنیکے لیے نہ بھی آتا پھر بھی وہ خود بخود اس طرح پگھل جاتا جیسا کہ نمک پانی میں پگھل جاتا ہے ۔ وغیرہ وغیرہ ۔ یہ سب استعارات ہیں جن کو کوئی سمجھدار آدمی ظاہری معنوں پر حمل نہیں کر سکتا ۔

پنجم ۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایک شخص ابن صیاد پر بعض صحابہ نے شبہ کیا کہ وہی دجال موعود ہے ۔ چنانچہ انہوں نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے روبرو بھی اپنے خیال کا اظہار کیا ۔ اور آپ نے اسکے دجال ہونیسے انکار نہ کیا بلکہ خاموش رہے ۔ ابن صیاد بعد میں مسلمان ہوگیا ۔ مگر یہ قصہ ہمیں ایک عمدہ سبق سکھلاتا ہے ۔ ابن صیاد میں دجال کی ظاہری علامتیں پوری نہیں ہوئی تھیں اسکے ماتھے پر ک ۔ ف ۔ ر نہیں لکھا ہوا تھا ۔ اسکے ساتھ نہ دوزخ تھا نہ بہشت اور نہ اتنا بڑا گدھا ۔ جسکا احادیث میں ذکر ہے ۔ اُسنے نہ نبوت کا دعوے کیا نہ خدائی کا ۔ اسکے ساتھ روٹیوں کے پہاڑ نہ تھے ۔ اور نہ زمین و آسمان اسکے حکم کے تابع تھے ۔ پھر بھی صحابہ نے اسکو دجال موعود قرار دیدیا ۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کا یہ خیال نہیں تھا کہ دجال کی علامتیں ضرور ظاہری طور پر پوری ہونی چاہئیں ۔ وہ اسکو صرف پیشگوئی کی نظر سے دیکھتے تھے اور انکے نزدیک بالکل ممکن تھا کہ دجال کسی غیر متوقع صورت میں پیدا ہو ۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا خاموش رہنا بھی یہی ظاہر کرتا ہے ۔ اگر انکے نزدیک ضروری ہوتا کہ دجال کی ساری علامتیں ظاہری طور پر پوری ہوں تو آپ ضرور فرماتے کہ ابن صیاد دجال موعود نہیں ہے کیونکہ ک ۔ ف ۔ ر ۔ اسکے ماتھے پر کھدے ہوئے نہیں ہیں ۔ اور ایسا ہی بہت سی اور علامتیں ابن صیاد میں پائی نہیں جاتیں ۔ مگر آجکل کے مسلمان نہ صحابہ کی اتباع کرنا چاہتے ہیں نہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی ۔ یہ نسل یہودیوں کی طرح سخت دل اور کُند ذہن ہوگئی ہے ۔ اور انکو اطمینان نہیں ہوتا جبتک کہ انکا خیالی دجال ظاہر نہ ہو ۔

"پیش گوئی کا پورا ہونا"

یہ ثابت کرنیکے بعد کہ دجال کی پیشگوئی کو بالکل ظاہری معنوں میں لینا غلطی ہے ۔ میں اب یہ دکھلانا چاہتا ہوں کہ یہ پیشگوئی کس طرح پوری ہوئی ۔

اوّل۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے دجال کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:۔ فمن ادرکہ منکم فلیقرأ علیہ فواتح سورۃ الکھف فانہا جوارکم من فتنۃ۔ یعنی جو شخص تم میں سے دجال کو پائے تو اسے چاہیئے کہ سورہ کہف کی پہلی آئیتیں اسپر پڑھے۔ کیونکہ یہ تمہیں اس کے فتنہ سے بچائینگی۔ یہ حدیث بہت ہی قابل قدر ہے کیونکہ یہ دجال کے پہچاننے کے لیے کلید کا کام دیتی ہے۔ اس حدیث میں دجال کے شر سے بچنے کیلیے علاج بتلایا گیا ہے اسکے سوا کوئی اور علاج نہیں بتلایا گیا۔ آؤ ہم اس نسخہ کی ترکیب پر غور کریں اور دیکھیں کہ اس نسخہ پر غور کرنیسے بیماری کی تشخیص میں کچھ مدد ملتی ہے یا نہیں۔ جب ہم ان آیات کو پڑھتے ہیں تو ان میں مندرجہ ذیل آیتیں پاتے ہیں۔ وینذر الذین قالوا اتخذ اللہ ولدا۔ مالہم بہ من علم ولا لآبائہم کبرت کلمۃ تخرج من افواھہم ان یقولون الا کذبا یعنی عیسائی کہتے ہیں کہ اللہ تعالے کا ایک بیٹا ہے۔ نہ انکو اسکا علم ہے نہ انکے باپ دادونکو۔ یہ بڑی بات ہے جو انکے منہ سے نکلتی ہے۔ یہ جھوٹ کہتے ہیں۔ یہ وہ آیات ہیں جنکا پڑھنا دجال کے فتنہ سے بچنے کیلیے ایک علاج ہے۔ ان آیات میں صرف حضرت مسیح کی ابنیت کے مسئلہ کی پر زور الفاظ میں تردید کیگئی ہے اور ان لوگونکو جھوٹا کہا گیا ہے جو مسیح کو خدا تعالے کا بیٹا کہتے ہیں۔ چونکہ ان آیات کا پڑھنا دجال کے فتنہ کا ایک علاج ہے اس سے صاف ثابت ہوا کہ دجال لوگونکو اس امر کی دعوت کریگا۔ کہ وہ حضرت مسیح کو خدا تعالے کا بیٹا تسلیم کریں اس امر کو ہم دوسرے الفاظ میں یوں بیان کر سکتے ہیں کہ دجال پادریوں کا نام ہے جو حضرت مسیح کو ابن اللہ ابن اللہ کہکر پکارتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ کل دنیا اس عقیدہ کو اختیار کرے۔

دوم۔ دجال کی نسبت آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ مابین خلق آدم الی قیام الساعۃ امر اکبر من الدجال۔ یعنے آدم علیہ السلام سے لیکر قیامت تک دجال سے بڑھکر کوئی فتنہ نہ ہوگا۔ اس بیان سے بھی یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ دجال عیسائیوں کا نام ہے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے دجال کے فتنہ کو سب سے بڑا فتنہ بیان فرمایا۔ اور قرآن شریف ان پادریوں کے فتنہ کو سب سے بڑا فتنہ قرار دیتا ہے۔ پس آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے قول کو خدا تعالے کے قول کے ساتھ مطابق کرنیسے یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ پادری لوگ ہی دجال ہیں۔ خدا تعالے فرماتا ہے۔ تکاد السموات یتفطرن منہ وتنشق الارض وتخر الجبال ھدًّا ان دعوا للرحمٰن ولدا۔ (سورہ مریم رکوع ۶) قریب ہے کہ آسمان اس بات سے پھٹ جائیں اور زمین شق ہو جاوے۔ اور پہاڑ ٹوٹ پڑیں اسلیئے کہ رحمان کیطرف بیٹا منسوب کیا جاتا ہے دیکھو قرآن شریف کیسے زور سے عیسائیوں کے اس مسئلہ پر لعنت بھیجتا ہے خدا تعالے کسی اور مسئلہ کو ایسے پر زور الفاظ میں رد نہیں کرتا اس سے معلوم ہوا کہ خدا تعالے کے نزدیک کوئی اور بات ایسی ناپسند نہیں ہے جیسا کہ عیسائیوں کا مسئلہ کہ مسیح خدا تعالے کا بیٹا ہے اس طرح قرآن شریف کی رو سے پادریوں کے فتنہ سے بڑھکر کوئی فتنہ نہیں ٹھیر سکتا جو کہ صرف مسیح کو خدا ہی نہیں بناتے بلکہ کل دنیا کو اس اعتقاد پر لانیکے لیے جان توڑ کوششیں کر رہے ہیں۔

جانیں خطرے میں ڈالی جاتی ہیں اور روپیہ پانی کی طرح بہایا جاتا ہے۔ انسان اگر ایک سال تک سوچتا رہے تو وہ کوئی ایسی تجویز نہیں سوچ سکتا جو عیسائیوں نے اپنے دین کی اشاعت کے لیے استعمال نہیں کی ٹڈی دل کی طرح کرہ زمین پر پھیل گئے ہیں کوئی کان نہیں جس نے انکی آواز نہیں سنی اور کوئی آنکھ نہیں جس نے انکی تحریروں کو نہیں پڑھا۔ اور بہت تھوڑے دل ایسے ہونگے جن پر انکی زہر نے اثر نہیں کیا۔ وہ صرف اپنے مذہب کے وعظ پر ہی اکتفا نہیں کرتے بلکہ دوسرے مذاہب پر بھی سخت حملے کرتے ہیں۔ مذہب اسلام کو بالخصوص انہوں نے اپنے حملوں کا نشانہ بنا رکھا ہے جو تحریریں انہوں نے اپنے مذہب کی اشاعت اور مذہب اسلام کی مخالفت میں لکھی ہیں انکو اگر جمع کیا جاوے تو ایک پہاڑ بنتا ہے۔ ایک زمانہ تھا کہ ایک شخص کا مرتد ہونا ایک قیامت برپا کر دیتا تھا اور اب ہزاروں آدمی اعلےٰ خاندانوں اور بزرگ نسلوں سے اسلام کو چھوڑ کر عیسائیت کو اختیار کر رہے ہیں۔ مِسیں گھروں میں جاکر پردہ نشین عورتوں کو گمراہ کرتی ہیں کوئی پھندہ نہیں جو انہوں نے لوگوں کے گمراہ کرنیکے لیے نہیں لگایا۔ انکے پاس روپیوں کے پہاڑ ہیں جن کو دیکھکر بہت سے بھوکے اور ننگے انکا مذہب قبول کر لیتے ہیں۔ جب ملک میں قحط پڑتا ہے تو وہ زمانہ عیسائیت کی ترقی کیلیے بہت مفید ہوتا ہے ہسپتال قایم کر رکھے ہیں جہاں دوائی کے ساتھ مسیح کی ابنیت کا وعظ بھی سنا دیا جاتا ہے۔ چونکہ اس مذہب میں آزادی حد سے زیادہ ہے عورتوں اور مردوں میں حد سے زیادہ اختلاط ہے۔ شراب کا پینا حرام نہیں سمجھا جاتا کیونکہ انکا خداوند خود شراب پیا کرتا تھا۔ اور ساتھ اسکے پاک دل کنچنیوں سے بوسہ لینا بھی جایز ہے اسلیے بہت سے لوگ اس مذہب کو اختیار کرنا پسند کرتے ہیں۔ علاوہ ان لوگوں کے جنہوں نے کھلے طور پر عیسائیت کو اختیار کر لیا ہے ہزارہا ایسے لوگ پائے جاتے ہیں جو اگرچہ کھلے طور پر عیسائی نہیں ہوئے مگر انکے دلپر اس زہر نے اثر کیا ہے اور وہ عیسائیت کے رنگ میں رنگین ہو گئے ہیں۔ عیسائیوں کی طرح آزاد زندگی بسر کرتے ہیں۔ اسلامی فرایض کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ الغرض کوئی شخص اس نقصان کا اندازہ نہیں کر سکتا۔ جو عیسائیت نے اسلام کو پہنچایا ہے تاریخ میں اسکی کوئی نظیر نہیں ملتی نہایت مخفی اور باریک تدبیروں کو کام میں لایا جاتا ہے اور اسلام کے قلعہ کو نقصان پہنچانیکے لیے بہت سی سرنگیں تیار کی گئی ہیں۔ پہلے بھی ایسے لوگ ہوئے ہیں جو اسلام کے دشمن تھے اور مسلمانوں کو اذیت پہنچانا چاہتے تھے مگر وہ صرف مسلمانوں کے بدن پر حملہ کرتے تھے اور عیسائی مسلمانوں کے دلوں پر حربہ چلاتے ہیں انکی اذیت سے مومنوں کے ایمان اور بھی پختہ ہوتے تھے مگر پادریوں کے وسوسوں سے نہایت مضبوط ایمان بھی متزلزل ہو جاتے ہیں غرض عیسائیوں کے فتنہ سے کوئی فتنہ بڑھ کر نہیں ہے اور پادریوں سے بڑھ کر کوئی سخت دشمن اسلام کا نہیں پایا جاتا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ستر ہزار مسلمان دجّال کی پیروی اختیار کرے گا۔ یہ پیشگوئی پادریوں کے حق میں کیسے کھلے طور سے پوری ہو گئی ہے اب اس دجال سے بڑھ کر مسلمان اور کس دجال کا انتظار کر رہے ہیں+

سوم۔ دجال کی نسبت لکھا ہے کہ وہ کل دنیا پر پھر جائیگا مگر مکہ اور مدینہ میں وہ داخل نہیں ہوسکیگا۔ یہ بات بھی پادریوں پر خوب صادق آتی ہے۔ انکے خروج سے پہلے سفر کے وہ ذرائع موجود نہ تھے جو آج کل پائے جاتے ہیں۔ عیسائی لوگ ہی ہیں جنہوں نے ایسی سواریاں ایجاد کی ہیں جن کے ذریعہ یہ ہوا کی طرح سب دنیا پر پھیل جاتے ہیں جو مسافتیں انسان عمر بھر میں طے نہیں کرسکتا تھا۔ وہ اب چند دنوں میں طے کیجاتی ہیں۔ یہ لوگ کل دنیا پر پھیل گئے ہیں۔ اور ایسی تیزی سے سفر کرتے ہیں کہ چند دنوں میں کل دنیا پر چکر لگا سکتے ہیں۔ کوئی ایسا ملک نہیں جہاں یہ نہ گئے ہوں۔ افریقہ کے حبشیوں۔ امریکہ کے اصلی باشندوں اور جزائر کے رہنے والوں نے سب نے تثلیث کی منادی کی آواز سن لی ہے مگر باوجودیکہ پادری سب دنیا میں پھیل گئے اور ہر ایک جگہ انہوں نے اپنے مشن قایم کردیئے ہیں مگر مکہ معظمہ میں حسب منشا پیشگوئی داخل نہیں ہوسکے سب مقدس شہروں میں یہ لوگ داخل ہوگئے ہیں مگر اسلام کے مقدس شہروں میں خدا تعالے نے انکو قدم رکھنے کا موقعہ نہیں دیا۔ یہ خدا تعالے کا ہاتھ ہے جسنے انکو روکا ہے ورنہ کس طرح ممکن تھا کہ وہ قوم جس نے خشکی اور تری کا چپہ چپہ دیکھا اور پامال کیا وہ ایسے عظیم الشان شہروں میں اپنا مشن قایم نہ کرتی۔ یہ انکے دجال ہونیکا صریح ثبوت ہے اگر پادریصاحبان اپنے لیے دجال کا لفظ پسند نہیں کرتے تو وہ اس پیشگوئی کی تغلیط کرکے دکھائیں مگر خدا کے رسول کا کلام ہے اسکو کون غلط ثابت کرسکتا ہے۔

چہارم۔ دجال کا گدھا۔ دجال کا گدھا ایک معمولی گدھا نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ اس قد وقامت کے گدھے دنیا میں نہیں پائے جاتے اگر اتنے بڑے گدھوں کی نسل دنیا میں موجود ہوتی تو قریب قیاس تھا کہ واقعی ایک گدھا دجال کے ساتھ ہو۔ مگر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے یہ فرماکر کہ وہ گدھا اس طرح چلیگا جیسے وہ بادل چلتا ہے جسکے پیچھے تیز ہوا ہو۔ صاف اشارہ کردیا کہ وہ گدھا زندہ جانور نہیں ہوگا بلکہ ایک ایسی چیز ہوگی جو ہوا کے مشابہ کسی چیز کے زور سے چلے گی۔ پس وہ گدھا ریل گاڑی ہے جو دخان کے زور سے چلتی ہے۔ اور یہ گدھا بڑے قد کا بھی ہے جیسا کہ احادیث کا منشا ہے اور تیز رفتار بھی ہے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسیح موعود کے زمانہ میں لیترکن القلاص فلا یسعے علیہا۔ یعنے اونٹوں کی سواری متروک ہوجائیگی۔ اور کوئی انپر نہیں دوڑے گا۔ یہ پیشگوئی بھی ریل گاڑی کے نکلنے سے پوری ہوئی۔ اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ دجال کے گدھے پر عام طور پر لوگ سوار ہونگے ورنہ اونٹ کس طرح متروک ہوسکتے تھے۔ اس سے وہ اعتراض رفع ہوا جو بعض لوگ پیش کرتے ہیں کہ اگر ریل گاڑی دجال کا گدھا ہے تو مسلمان اسپر کیوں سوار ہوتے ہیں۔ ضروری تھا کہ عام لوگ اسپر سوار ہوں تا اونٹوں کے متروک ہونے کی پیشگوئی پوری ہو۔ اور ریل گاڑی کو دجال کا گدھا اسلیے کہا گیا کہ اسکو جاری کرنیوالی یہی قوم ہے۔ چونکہ ریل گاڑی بھی اسی زمانہ میں اور اسی قوم کے ہاتھوں سے جاری ہوئی ہے

اس لیے اسکو دجال کی علامت کے طور پر بیان کیا گیا ہے۔

پنجم - دجال کی نسبت کہا گیا تھا کہ وہ ایک آنکھ سے کانا ہوگا دجال کی اس نابینائی سے اسی قسم کی نابینائی مراد ہے جسکا ذکر اس آیت میں ہے۔ من کان فی ہذہ اعمی فھو فی الآخرۃ اعمی - یعنے جو اس دنیا میں نابینا ہے وہ آخرت میں بھی نابینا ہی ہوگا۔ یہاں نابینائی سے مراد روحانی نابینائی ہے پس دجال کے ایک آنکھ سے کانا ہونیکے یہی معنے ہیں کہ وہ روحانی نور سے بے بہرہ ہوگا - اور مذہب کے پہلو سے اندھا ہوگا۔

ششم - دجال کی نسبت لکھا ہے کہ وہ ویرانوں پر سے گذریگا اور زمین اُسکے حکم سے اپنے خزانے باہر پھینکے گی۔ بادل اسکے حکم سے بارش برسائینگے اور زمین کے خزانے اس طرح اسکے پیچھے پیچھے چلینگے جیسے کھیاں رانی کے پیچھے جاتی ہیں ان باتوں کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ درحقیقت دجال میں خدائی طاقت ہوگی۔ انکا صرف یہی مطلب ہے کہ وہ اپنی ساری کوششوں میں کامیاب ہوگا - اور خدا تعالے تقدیر کو اسکی تدبیر کے مطابق کر دیگا جس امر کو وہ اپنے ہاتھ میں لیگا اسمیں خدا تعالے اسکو کامیابی دیگا۔ پانی بھی انکا علم مانتا ہے اور آگ بھی - اور ان چیزوں کو گویا مسخر کر کے بڑے بڑے عجوبے دکھلاتے ہیں۔ دیکھو ریل گاڑی میں بھی آگ اور پانی کو ہی قابو کیا ہوا ہے اور انہی دو چیزوں کے ذریعے ریل گاڑی لاکھوں آدمیوں کو لیے اور لاکھوں من بوجھ اٹھائے ہوئے ہوا کی طرح دوڑتی ہے۔ غرض انکو خدا تعالے نے اس رنگ کی کامیابی عطا کی ہے کہ ہر ایک چیز انکے تابع معلوم ہوتی ہے جس زمین کو چاہتے ہیں آباد کرتے ہیں اور ویرانوں کو زرخیز بنا دیتے ہیں جن ممالک کو فتح کرتے ہیں اسکی پیداوار اور وہاں کے خزانے یورپ کی طرف بھیجے جاتے ہیں۔ خزانوں سے لدے ہوئے جہاز یورپ کیطرف اس طرح جاتے ہیں گویا شہد کی مکھیاں اپنی رانی کے پیچھے جاتی ہیں - ہفتم - دجال کے ساتھ ایک بہشت ہوگا اور ایک دوزخ۔ بہشت سے مراد وہ نئے نئے اسباب تنعم و آسایش ہیں جو ان لوگوں نے ایجاد کیے ہیں۔ اور انکے ساتھ بعض اسباب ایسے بھی ہیں جنکو دوزخ سے تعبیر کر سکتے ہیں۔ ان لوگوں کے پاس لڑائی کے خوفناک سامان ہیں اور نئے نئے آلات جنگ ایجاد کیے گئے ہیں جن سے دشمن کو بھسم کر دیتے ہیں۔ انکے جنگی جہاز ایک دوزخ کا نمونہ ہیں۔ یہ آگ کے ذریعہ ہی جنگ کرتے ہیں +

ہشتم - دجال کا دعوے خدائی و نبوت - دجال کے دعوے خدائی و نبوت کو ہم حقیقت پر حمل نہیں کر سکتے۔ کیونکہ جو شخص نبوت کا دعوے کرتا ہے وہ خدا کی ہستی کا قایل ہوتا ہے اور جو شخص خدائی کا دعوے کرتا ہے۔ وہ اپنے سوا کسی اور خدا کے وجود کا قایل نہیں ہوتا۔ پس یہ دونوں دعوے ایک ہی شخص میں حقیقی طور پر جمع نہیں ہو سکتے یہ دجال کے دو مختلف گروہوں کی طرف اشارہ ہے۔ ایک گروہ تو خود پادریوں کا ہے جو ایک رنگ میں نبوت کا دعوے کر رہا ہے بیسیوں کتابوں میں سے چند کتابیں بلا دلیل منتخب کر لی ہیں جنکا مغشوش اور غلطیوں سے بھرا ہوا ہونا ثابت ہو چکا ہے۔ اور یہ کتابیں بھی اصل انکے پاس نہیں۔ اپنے تراجم کو پیش کرتے ہیں جنمیں ہمیشہ اپنے خیال کے

بموجب ترمیم کرتے رہتے ہیں اور ان تراجم کا نام انجیل رکھتے ہیں اور عوام کو سناتے ہیں کہ یہ وہی انجیل ہے جسکا ذکر قرآن مجید میں ہے جو حضرت عیسے علیہ السلام پر اتری تھی۔ جسطرح جھوٹا نبی اپنے کلام کو خدا کا کلام بیان کرتا ہے اسی طرح بڑی دلیری اور شوخی سے یہ النسان کے کلام اور اپنے تراجم کو خدا کا کلام بیان کرتے ہیں اسی واسطے حضرت مسیح علیہ السلام نے بھی انکا نام جھوٹے نبی رکھا ہے۔ حضرت عیسے علیہ السلام نے جمع کا صیغہ بولکر یہی جتلا دیا کہ دجال نبوت کا دعوے کرنیوالا ایک شخص نہیں ہوگا۔ بلکہ بہت سے لوگ ہیں جو یہ منصب اختیار کرینگے +

دجال نے دعوے الوہیت کس طرح کیا۔ اسکا جواب میں کتاب البریت صفحہ ۲۱۱ سے نقل کرتا ہوں وہ اور دجال کی دوسری جز جسکے افعال خدائی کے دعوے سے مشابہ ہیں وہ ... یورپ کے فلاسفروں اور کلوں کے ایجاد کرنے والوں کا گروہ ہے۔ جنہوں نے اسباب اور علل کے پیدا کرنیکے لیے اپنی کوششوں کو انتہا تک پہنچا دیا ہے اور بہت سی کامیابیوں کی وجہ سے آخر اس ردی اعتقاد تک پہنچ گئے ہیں کہ خدا کی قدرت اور اسپر ایمان رکھنا کچھ چیز نہیں ہے۔ اور اس گروہ کے تابع اکثر یورپ کے خواص عیسائی ہیں اور وہ دن رات ان تلاشوں میں لگے ہوئے ہیں کہ ہم خود ہی کسی طرح اس راز کے مالک ہو جائیں کہ جب چاہیں بارش برسا دیں اور جب چاہیں کسی کے گھر میں لڑکا یا لڑکی پیدا کر دیں اور جب چاہیں کسی کو عقیمہ بنا دیں پس کچھ شک نہیں کہ یہ طریق دوسرے لفظوں میں خدائی کا دعوے ہے۔

تمیم داری کا رؤیا۔ تمیم داری پہلے عیسائی تھا۔ بعد میں مسلمان ہوا اس نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس آکر بیان کیا کہ وہ تیس ۳۰ اور آدمیوں کے ساتھ ایک جہاز میں روانہ ہوا۔ سمندر کی لہریں اسکو دھکیل کر ایک مہینہ کے سفر کے بعد ایک جزیرہ میں لے گئیں۔ وہاں انہوں نے ایک جانور دیکھا جسکے بدن پر کثرت سے بال تھے وہ جانور بولا کہ سامنے کے گرجہ میں ایک شخص تمہاری ملاقات کرنا چاہتا ہے۔ وہاں جاکر انہوں نے ایک آدمی دیکھا جو زنجیروں میں جکڑا ہوا تھا اس نے کہا کہ میں دجال ہوں۔ قریب ہے کہ میں آزاد کیا جاؤں۔ پھر میں سب دنیا پر پھر جاؤنگا سوائے مکہ اور مدینہ کے۔ اسکے بعد آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:- الا انہ فی بحر الشام او بحر الیمن لا بل من قبل المشرق ما ہو + یعنی آپ نے ہاتھ کے ساتھ مشرق کیطرف اشارہ فرمایا اس حدیث کی صحت پر کسیکو کلام نہیں۔ اور صحیح یہ ہے کہ یہ تمیم داری کا رؤیا تھا جو اس نے بیان کیا کیونکہ جانوروں کو بیداری میں کبھی کسی نے بولتے نہیں سنا۔ پادری اکبر مسیح اخبار اپی فینی میں لکھتا ہے کہ یہ خواب نہیں تھا تمیم داری نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو ایک جھوٹا قصہ سنا کر دھوکہ دیا تھا مگر اسکا یہ کہنا بالبداہت غلط ہے کیونکہ اسی حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ اس نے اسی موقعہ پر اسلام قبول کیا۔ اگر اس نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی سچائی آزمانیکے لیے ایک جھوٹا قصہ بنا کر آپکو دھوکہ دیا تھا تو پھر وہ مشرف باسلام کیوں ہوا اسکو تو یہ نتیجہ نکالنا چاہئیے تھا کہ معاذ اللہ یہ سچے نبی نہیں ہیں ایسا ہی یہ کہنا بھی غلط ہے کہ واقعی تمیم داری نے ایک شخص کو ایک جزیرہ میں قید دیکھا تھا اور وہی شخص آخری زمانہ

میں ظاہر ہوگا۔ کیونکہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اسوقت جسقدر انسان زندہ ہیں ان میں سے ایکسو سال کے بعد کوئی بھی زندہ نہ ہوگا۔ وہ کونسا جزیرہ ہے جہاں تمیم داری تو پہنچ گیا تھا مگر اسوقت تک اور کوئی شخص وہاں نہیں پہنچا۔ ان سب امور سے ثابت ہوتا ہے کہ تمیم داری نے صرف ایک خواب دیکھا تھا۔ ٭

واقعات تمیم داری کے بیان کی تصدیق کرتے ہیں۔ کیونکہ دجال پہلے ایک جزیرہ میں ہی قید تھا پہلے عیسائی واعظ ملکوں میں جاکر تثلیث کی منادی نہیں کرتے تھے اپنے جزیرہ میں قید تھے۔ نیز تمیم داری کے بیان کے مطابق دجال گرجے سے ہی نکلا ہے اور اب تمام دنیا پر پھر گیا ہے مگر مکہ اور مدینہ میں داخل نہیں ہو سکا جیسا کہ تمیم داری کے پاس دجال نے بیان کیا۔ یہ واقعات بھی گواہی دے رہے ہیں کہ تمیم داری کا خواب سچا خواب تھا۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اسکا بیان سُنکر فرمایا کہ دجال مشرق سے نکلیگا۔ اور ایسا ہی وقوع میں آیا۔ نیز آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے دجال کے راستہ کا بھی پتہ دیدیا کیونکہ بحیرہ شام او بحیرہ یمن کے راستہ سے ہی دجال یعنی پادری صاحبان ہندوستان کیطرف آیا کرتے ہیں۔ دہم۔ تمیم داری کے خواب کی تصدیق مکاشفات باب ۲۰ سے بھی ہوتی ہے اس کتاب کے بیس۲۰ باب میں ایک کشف درج ہے جو تمیم داری کے خواب سے بہت امور میں تشابہ ہے۔ شیطان کا وجود کبھی کسی نے نہیں دیکھا۔ ہمیشہ وہ اپنے مظہروں کے ذریعہ سے کام کرتا ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام کے پاس سانپ کیصورت میں آیا۔ وہی پرانا سانپ آخری زمانہ میں دجال کے بھیس میں نکلیگا اسلیئے جس سانپ کا ذکر مکاشفات باب ۲۰ میں ہے وہی دجال ہے اس کتاب کے ۲۰ باب سے ظاہر ہوتا ہے کہ پرانا سانپ یعنی دجّال حضرت مسیح علیہ السلام کے زمانہ میں قید کیا گیا۔ پھر لکھا ہے کہ جب ہزار سال گذر جائینگے تو دجّال چھوڑا جائیگا پھر وہ ساری زمین پر پھیل جائیگا۔ اور ہزار سال تک وہ قوموں کو گمراہ کریگا۔ جسکے بعد وہ ہلاک کیا جائیگا وہ ہزار سال جو دجّال کی قید کا زمانہ ہے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے تین سو سال بعد ختم ہوا۔ اسیواسطے جب تمیم داری نے دجال کو دیکھا تو دجال نے کہا کہ قریب ہے کہ میں آزاد کیا جاؤں چنانچہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد جلدی ہی عیسائی قوموں نے اپنے قیدخانہ سے نکلنا اور اِدھر اُدھر پھرنا شروع کیا۔ اب حساب کے رو سے آزادی کا ہزار سال بھی ختم ہوگیا۔ اگر اب تک دجال نہیں نکلا تو اب وہ نہیں نکلیگا کیونکہ اسکے نکلنے کا زمانہ گذر گیا۔ تمیم داری کا خواب مکاشفات کے مصنف کے خواب سے زیادہ واضح ہے کیونکہ تمیم داری نے قید کا مقام بھی بتلادیا یعنی کہا کہ وہ ایک جزیرہ میں قید ہے پھر یہ بھی بتلایا کہ وہ دجال گرجا سے نکلیگا اور یہ بھی بتلایا کہ وہ مکہ اور مدینہ میں داخل نہیں ہوگا۔ یازدہم۔ مسیح موعود کی نسبت لکھا ہے کہ وہ صلیب کو توڑنے کیلیے آیگا اس سے پایا جاتا ہے کہ وہ ایسے وقت میں ظاہر ہوگا جب صلیبی مذہب عروج میں ہوگا اور صلیب کا بڑا زور ہوگا پس ایکطرف تو یہ بتایا گیا ہے کہ مسیح موعود اسوقت ظاہر ہوگا جب عیسائی مذہب کا فتنہ دنیا میں پھیل جائیگا۔ اور دوسری طرف دجال کی احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ مسیح کے ظہور سے پہلے دجّال

٭ اگر رؤیا نہ ہوتی تو باقی تین آدمیوں سے بھی کوئی اسبات کو بیان کرتا۔

کا فتنہ دنیا میں بڑا بھاری فتنہ ہوگا۔ ان دو باتوں کو تطبیق دینے سے نتیجہ نکلتا ہے کہ یہ دو مختلف فتنے نہیں ہیں بلکہ ایک ہی فتنہ ہے۔ ایک طرف تو حضرت مسیح موعود کا ذکر کرتے ہوئے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ مسیح موعود کا پہلا اور بھاری کام کسر صلیب ہوگا۔ اور دوسری طرف دجال کا ذکر کرتے ہوئے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ مسیح کا پہلا اور بڑا کام قتل دجال ہوگا اس سے صاف پتہ لگتا ہے کہ کسر صلیب اور قتل دجال ایک ہی ہیں۔ اور صلیب اور دجال کے فتنوں کے ایک ہونے کی ایک اور دلیل یہ بھی ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے دجال کے فتنے سے بچنے کیلیے انہی آیتوں کا پڑھنا فرمایا ہے جن میں عیسائیت کی سخت تردید کی گئی ہے اور جنمیں عیسائیوں کو جھوٹا کہا گیا ہے جیسا کہ دجال کا نام جھوٹا ہے۔ پھر دجال کی نسبت لکھا ہو کہ وہ گرجا سے نکلیگا۔ پھر جیسا دجال کی نسبت لکھا ہو کہ وہ ساری دنیا پر پھیل جاویگا۔ عیسائی مذہب کے واعظ سب دنیا پر پھیل گئے ہیں۔ کل علامتیں دجال کی ان لوگوں میں پائی جاتی ہیں پھر کیوں انکار کیا جاتا ہے کہ صلیبی فتنہ اور دجالی فتنہ ایک فتنہ نہیں ہے +

دوازدہم۔ اور بھی کئی وجوہات سے ثابت ہوتا ہے کہ دجال ظاہر ہو چکا ہو اسکی نسبت لکھا تھا کہ وہ آخری زمانہ میں ظاہر ہوگا قرآن شریف اور احادیث میں آخری زمانہ اور مسیح موعود کے ظہور کی کئی علامات لکھی ہیں ہمنے ان علامتوں کا پورا ہونا اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا ہے۔ مسیح موعود اپنی تمام علامات کے ساتھ ظاہر ہو گیا ہے اور اس نے اپنے دعوے کو زبردست دلایل اور آسمانی نشانوں سے ثابت کر دیا ہے۔ میں اسجگہ بوجہ عدم گنجایش صرف چند علامتوں کا ذکر کرتا ہوں صحیح بخاری میں لکھا ہے:۔ علے نقاب المدینۃ ملائکۃ لا یدخلھا الطاعون والدجال۔ طاعون اور دجال کا اکٹھا ذکر کرنیسے معلوم ہوتا ہے کہ دجال کے ساتھ طاعون بھی ظاہر ہوگی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ دابۃ الارض سے بھی طاعون ہی مراد ہے طاعون کا باعث ایک قسم کے کیڑے ہیں جو زمین میں پیدا ہوتے ہیں۔ اور سب سے پہلے چوہوں پر حملہ کرتے ہیں قرآن شریف کی وہ آیت جسمیں دابۃ الارض کا ذکر ہے اس طرح ہے۔ واذا وقع القول علیھم اخرجنا لھم دابۃ من الارض تکلمھم ان الناس کانوا بایٰتنا لا یوقنون (سورہ نمل رکوع ۶) جب انپر فرد جرم لگ جائیگا تو ہم انکے لیے زمین میں سے ایک جانور نکالینگے جو لوگوں کو کاٹیگا۔ اسلیے کہ وہ ہمارے نشانوں پر یقین نہیں کرتے تھے اس آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ طاعون کا کیڑا مسیح موعود اور اسکے نشانوں سے انکار کرنیکی وجہ سے نکلیگا۔ (۲) آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ لیترکن القلاص فلا یسعیٰ علیھا یعنی اونٹنیاں متروک ہو جائینگی اور انپر کوئی سوار نہیں ہوگا اسی مضمون کی آیت قرآن شریف میں بھی موجود ہے یعنی واذا العشار عطلت یعنی اونٹنیاں معطل و بیکار ہو جائینگی یہ آخری زمانہ کی علامت ہے اور ریل گاڑی کے نکلنے سے پوری ہو چکی ہے۔ (۳) مہدی کے زمانہ کی علامت لکھی ہے کہ رمضان شریف میں چاند گرہن کی راتوں میں سے پہلی رات کو چاند کو گرہن لگیگا۔ اور سورج کے گرہن کیلیے جو دن مقرر ہیں ان میں سے درمیان کے دن میں سورج کو گرہن لگیگا۔ قرآن شریف میں بھی اسی کسوف و خسوف....

کی طرف مندرجہ ذیل آیت میں اشارہ کیا گیا ہے وخسف القمر وجمع الشمس والقمر...... یہ علامت بھی ۱۳۱۱ہجری میں پوری ہو چکی ہے۔ میں ان سب علامتوں کا یہاں ذکر نہیں کر سکتا۔ نمونہ کے طور پر چند علامتوں کا ذکر کر دیا ہے۔ اور میرا مقصود اس سے یہ ہے کہ آخری زمانہ کی علامتیں جنکا ظہور دجال کے ساتھ یا دجال کے بعد ہونا تھا۔ وہ ظاہر ہو چکی ہیں جس سے نتیجہ نکلتا ہے کہ دجال بھی ظاہر ہو چکا ہے۔ **سیپارہ دہم**۔ پادریوں کا دجال ہونیکا قرآن شریف سے ثبوت۔ قرآن شریف میں صرف دو فتنوں سے ڈرایا گیا ہے۔ اول یہودی بننے سے ڈرایا گیا ہے۔ دوم عیسائیوں کے فتنہ سے ڈرایا گیا ہے۔ المغضوب علیہم سے مراد بموجب تفسیر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے یہودی اور الضالین سے مراد نصاریٰ ہیں۔ مسلمانوں کو بھی ایک مسیح کا وعدہ دیا گیا تھا۔ اور خدا تعالیٰ انکو تنبیہ کرتا ہے کہ تم اس آنیوالے مسیح کا انکار کر کے اپنے تئیں یہودی نہ بنا دو۔ ایسا ہی عیسائیوں کے فتنہ سے خدا تعالیٰ ڈراتا ہے کیونکہ خدا تعالیٰ جانتا تھا کہ ایک زمانہ آنیوالا ہے جبکہ یہ لوگ۔ خلق خدا کو گمراہ کرنیکے لیے کوئی دقیقہ باقی نہ رکھینگے۔ احادیث میں بھی ان دونوں فتنوں کا ذکر ہے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے صاف صاف فرمایا ہے کہ آخری زمانہ میں اس امت کے لوگ اکثر یہودی خصلت ہو جائینگے اور دوسرا فتنہ جس سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ڈرایا وہ دجال کا فتنہ ہے۔ آپ نے دجال کے فتنہ کو سب سے بڑا فتنہ بیان فرمایا اور قرآن شریف پادریوں کے فتنہ کو سب سے بڑا فتنہ قرار دیتا ہے جیسا کہ اس آیت سے ظاہر ہے۔ تکاد السموات یتفطرن منہ وتنشق الارض وتخر الجبال ھدا ان دعوا للرحمٰن ولدا۔ (سورہ مریم رکوع ۶) قرآن شریف صرف دو فتنوں کا ذکر کرتا ہے اور دجال کا فتنہ بھی انہی دو فتنوں میں شامل ہے کیونکہ قرآن شریف کسی اور فتنہ کا ذکر نہیں کرتا۔ احادیث کی رو سے دجال کا فتنہ سب سے بڑا فتنہ ہے اور قرآن شریف کی رو سے عیسائیوں کا فتنہ سب سے بڑا فتنہ ہے جس سے نتیجہ نکلتا ہے کہ یہ دونوں فتنے ایک ہی ہیں اور جب یہ دیکھا جائے کہ دجال کے فتنہ سے بچنے کیلئے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے انہی آیتوں کے پڑھنے کی تاکید کی ہے جن میں عیسائیوں کے فتنہ کا ذکر ہے تو کامل یقین ہو جاتا ہے کہ دجال کا فتنہ بھی عیسائی پادریوں کا فتنہ ہے اور جیسا کہ دجال نے گرجا سے ظاہر ہونا تھا ایسا ہی پادریوں کا فتنہ بھی گرجے سے ہی نکلا ہے۔ جیسا سورہ فاتحہ کے آخر میں عیسائیوں سے ڈرایا ہے۔ ایسا ہی قرآن شریف کے آخر میں بھی عیسائیوں کے فتنہ کا ہی ذکر کیا ہے اور ساتھ ہی خنّاس کا ذکر کر کے ظاہر کر دیا ہے کہ دجال ہی خنّاس ہے خنّاس وہی لفظ ہے جسکو عبرانی میں نحاش کہتے ہیں۔ نحاش اس سانپ کا نام ہے جو حضرت آدم علیہ السلام کے پاس گیا تھا۔ اس شیطان کا آخری سورۃ میں ذکر کر کے بتلایا گیا ہے کہ وہی پرانا سانپ پھر آخیر زمانہ میں زور کے ساتھ ظاہر ہوگا اور عیسائیوں کا ساتھ ہی ذکر کر کے بتلا دیا ہے کہ وہ ظہور انہی لوگوں کے ذریعہ ہوگا۔ خدا تعالےٰ فرماتا ہے۔ قال فانک من المنظرین الی یوم الوقت المعلوم (سورہ ص۔ رکوع ۶) یعنی خدا تعالےٰ نے شیطان کو کہا کہ تجھے ایک وقت معلوم تک مہلت دیجاتی ہے۔ اس وقت معلوم سے مراد وہ وقت ہے جبکہ شیطان کا آخری مظہر یعنی دجال مسیح موعود کے ہاتھ سے قتل کیا جائیگا

چہاردہم۔ دجال ایک گروہ کا نام ہے = (۱) میں اوپر دکھا چکا ہوں کہ دجال کو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک رویا میں دیکھا اِسلیے یہ ضروری نہیں ہے کہ آنیوالا دجال ضرور شخص واحد ہی ہو۔ احادیث سے ثابت ہے کہ بعض اوقات خواب میں ایک آدمی دیکھا جاتا ہے اور مراد اس سے ایک قوم ہوتی ہے۔ چنانچہ جب ایک صحابی نے عرب کے قدیم بادشاہ نعمان بن المنذر کو خواب میں دیکھا۔ تو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اسکے وجود سے مراد اہل عرب ہیں (۲) آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے تمیم داری کا رُویا سنکر تین دفعہ فرمایا۔ من قبل المشرق ما ہو۔ وہ مشرق کیطرف سے نکلیگا جو کچھ وہ ہے۔ ان الفاظ (جو کچھ وہ ہے) سے پایا جاتا ہے کہ آپکے نزدیک ضروری نہیں تھا کہ دجال ہو بہو اس شکل میں ظاہر ہو جسمیں کہ تمیم داری نے یا خود آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے خواب میں دیکھا تھا۔ (۳) کنز العمال جلد ۷ صفحہ ۱۷۴ میں مندرجہ ذیل حدیث درج ہے یخرج فی آخر الزمان دجال یختلون الدنیا بالدین یلبسون للناس جلود الضان السنتہم احلی من العسل وقلوبہم قلوب الذیاب الخ (کنز العمال جلد ۷ صفحہ ۱۷۴) یعنی آخری زمانہ میں دجال نکلیگا وہ دنیا کو دین سے ملا دینگے۔ لوگونکو دھوکہ دینے کیلیے بھیڑ دنکی کھالوں میں ظاہر ہونگے انکی زبانیں شہد سے زیادہ میٹھی ہونگی اور انکے دل بھیڑیوں کے دلونکی طرح ہونگے اس حدیث سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ دجال ایک گروہ کا نام ہے پھر دیکھو کہ اس حدیث میں پادریوں کا کیسا ٹھیک نقشہ کھینچا گیا ہے۔ (۴) عربی لغت کی کتابیں بھی اسی امر کی تائید کرتی ہیں کہ دجال ایک گروہ کا نام ہے۔ قاموس میں لکھا ہے۔ الدجال من الدجالۃ۔ طائفۃٌ عظیمۃٌ یحمل المتاع للتجارۃ۔ یعنی دجال کا لفظ دجالہ سے نکلا ہے جسکے معنی ہیں ایک بڑا گروہ جو تجارۃ کیلیے مال لیکر پھرتا ہو۔ اقرب الموارد میں ہے۔ الدجال الرفقۃ العظیمۃ (یعنی ایک بڑی جماعت)۔ لغت کی رو سے لفظ دجال میں دو مفہوم پائے جاتے ہیں اول یہ کہ دجال ایک گروہ کا نام ہے۔ دوسرا مفہوم اسمیں جھوٹ بولنے کا پایا جاتا ہے جو دجال کا خاصہ ہے۔ اور سورہ کہف کی دس آیتوں میں صرف عیسائی مذہب کی تردید ہی نہیں کیگئی بلکہ انکو جھوٹا بھی کہا گیا جیساکہ احادیث میں دجال کو جھوٹا ظاہر کیا گیا ہے (۵) قرآن شریف میں ہے۔ لخلق السموات والارض اکبر من خلق الناس۔ محدثین اور مفسرین کا قول ہے کہ الناس سے مراد دجال ہے۔ اس سے بھی معلوم ہوا کہ دجال ایک گروہ کا نام ہے کیونکہ الناس جمع کا صیغہ ہے اس تفسیر کی تصدیق آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے اس قول سے بھی ہوتی ہے۔ مابین خلق آدم الی قیام الساعۃ خلق اکبر من الدجال۔ (صحیح مسلم) **پانزدہم۔ دجال کا قتل:۔** عقلمند لوگوں نے پہلے ہی سے اس مذہب کو ترک کرنا شروع کر دیا ہے اس طرح اس مذہب کا پگھلنا شروع ہو گیا ہے مگر خدا تعالےٰ اتنی مہلت بھی نہیں دینا چاہتا کہ یہ مذہب آہستہ آہستہ خود بخود پگھلے۔ اِسلیے خدا تعالےٰ نے مسیح موعود کو ایک آسمانی حربہ کے ساتھ بھیجا ہے۔ احادیث میں ہے کہ دجال باب لد کے پاس قتل کیا جائیگا۔ لد لغت کی رو سے ایسے لوگونکو کہتے ہیں جو بیجا طور پر جھگڑیں اور جنکو کوئی دلیل خاموش نکر سکے پس باب لد کے پاس قتل ہونے سے یہ مراد ہے کہ جب عیسائی لوگ بیجا جھگڑے سے حد سے بڑھ جائینگے اور کسی دلیل سے وہ خاموش نہ ہونگے تو اسوقت خدا تعالےٰ ایک ایسا امر پیدا کریگا جس سے انکے مذہب کا بطلان روز روشن کیطرح واضح ہو جائیگا اور انکے منہ بند ہو جائینگے٭ عیسائیت کے لیے مقدر ہے کہ وہ اسی قبر میں دفن کیجاوے

٭ جہاں حضرت مسیح مدفون ہیں۔ سرینگر کی قبر ہی انشاء اللہ تعالیٰ عیسائیت کے قتل کیلیے آسمانی حربہ کا کام دیگی خدا تعالےٰ مسیح کی دعاؤں کو سنے گا اور دجال مسیح کے دم سے ہلاک ہوگا + شیر علی از قادیان

رؤیا والہامات حضرت مسیح موعود (علیہ السلام)

یکم اکتوبر ۱۹۰۵ء کسی شخص نے ہمارے ہاتھ پر سونف رکھدی ہے۔ ۲۔ اکتوبر۔ دیکھا کہ ایک مکان ہے اسپر چڑھنے کیلئے ایک زینہ لگا ہوا ہے جو لوہے کا ہے اور تختے پاؤں رکھنے کے بھی ہیں اوپر ایک دروازہ ہے میں اس زینہ پر چڑھتا ہوں مگر چڑھ نہیں سکتا اتنے میں اوپر سے کسی نے دروازہ بند کر دیا اور کہا کہ دوسرے راستہ سے آؤ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ راستہ تو نزدیک ہے اور فوراً پہنچ سکتے ہیں مگر دوسرا راستہ دور ہے کوئی دو تین سو گز کا فاصلہ ہے پس ہم اس دوسرے راستے سے جانے لگے تو دیکھا کہ میں ایک مضبوط گھوڑے پر سوار ہوں اور آگے آگے ایک خادم سوار ہے جسکا نام غفار ہے اور ایک اور بھی سوار ہے جو آگے آگے چلتا ہے میں غفار کو کہتا ہوں کہ آگے مت نکل ہمارے ساتھ ساتھ چل تھوڑا راستہ طے کیا تھا کہ آنکھ کھل گئی + ۲۷۔ ستمبر ۱۹۰۵ء۔ ۱۔ تاتیک نصرتی۔ ترجمہ میری مدد تیرے پاس آئیگی۔ ۲۔ یاتیک من کل فج عمیق۔ ترجمہ ہر ایک دور کی راہ سے تیرے پاس لائینگے + ۲۸۔ ستمبر ۱۹۰۵ء۔ حسنت مستقراً و مقاما۔ ترجمہ خوب ہوا از روئے جگہ قرار پکڑنیکے اور از روئے جگہ ٹھیرنیکے ۵۔ اکتوبر ۱۹۰۵ء۔ ربا گوسفندان عالیجناب + ۷۔ اکتوبر۔ بوقت صبح پیش از نماز فجر۔ رؤیا دیکھا کہ میں گورداسپور سے آیا ہوں اور ایک مضبوط گوٹ گھوڑے پر سوار ہوں جو گلگو رنگ کا ہے گھوڑے پر ہی نماز پڑھی ہے اور سجدہ بھی کیا ہے۔ مجھے خیال آیا کہ جب میں گورداسپور گیا تھا تو میرا بھائی بیمار تھا اور انکے بچنے کی امید نہ تھی معلوم نہیں اسکا اب کیا حال ہے گھر کے پاس کوچہ میں میراں بخش حجام ملا۔ وہ بڑی خوش خوش باتیں کرتا ہے جس سے میں نے سمجھا کہ اب بھائی صاحب تندرست ہونگے۔ ۷۔ اکتوبر ۱۹۰۵ء قبل از نماز فجر۔ رؤیا دیکھا کہ ایک عورت فوت ہو گئی ہے ۱۰۔ اکتوبر ۱۹۰۵ء۔ رؤیا دیکھا کہ میں کسی جگہ ہوں اور استنجا کیواسطے ایک جگہ سے ڈھیلا لیا ہے تو دیکھا کہ وہاں بہت سے آدمی جیسے مزدور لنگوٹی پوش ہوتے ہیں بیٹھے ہیں جنسے کراہیت ہوئی۔ پھر میں نے شادیخاں کو بلانا چاہا۔ اور خیال آیا کہ اتنے آدمیوں میں سے اسکو کیونکر شناخت کروں مگر میں نے آواز دی تو شادیخاں فوراً کھڑا ہو گیا اسکے ساتھ الہام ہوا اِذ کففت عن بنی اسرائیل۔ ترجمہ جب میں نے بنی اسرائیل کو دشمنوں کے شر سے بچالیا۔ ۴۔ ستمبر ۱۹۰۵ء یا اسکے قریب کا الہام توثرون الحیوٰۃ الدنیا۔ ترجمہ دنیا کی زندگی کو تم اختیار کرتے ہو + ۱۱۔ اکتوبر ۱۹۰۵ء رؤیا دیکھا کہ قدرت اللہ کی بیوی روپیوں کی ایک ڈھیری میرے پیش کرتی ہے اسمیں ایک لکڑی بھی ہے۔ الہام۔ اُرید الخیر۔ ترجمہ میں خیر کا ارادہ کرتا ہوں + ۱۷۔ اکتوبر ۱۹۰۵ء۔ رسید مژدہ کہ آں یار دل پسند آمد + رسید مژدہ کہ دیوار از میاں برخاست + ۱۸۔ اکتوبر۔ انی مع الرسول اقوم والوم من یلوم واعطیک ما یدوم + رؤیا۔ ایک شخص نے مجھے کنوئیں کی ایک کوری ٹنڈ میں ٹھنڈا پانی دیا۔ پھر الہام ہوا "آب زندگی" اسکے بعد الہام ہوا "قل میعاد ربک"۔ پھر الہام ہوا: "خدا کیطرف سے سب پر اداسی چھا گئی"۔ رؤیا۔ خواب میں دیکھا کہ ایک جُبّہ ہے وہ اُلٹا ہے مگر اسپر زربفت کا کام کیا ہوا ہے دھاگا نظر نہیں آتا + ۱۹۔ اکتوبر۔ "لا تقوموا ولا تقعدوا الا معہ لا تردوا امورًا الا معی۔ انی معک و مع اہلک"+ ۲۰۔ اکتوبر۔ یہ خدا کا کام ہے۔ اللہ اکبر + ۲۱۔ اکتوبر۔ انی الوم من یلوم واعطیک ما یدوم انی مع الرسول اقوم و اروم ما یروم + ۲۲۔ اکتوبر۔ رؤیا دیکھا کہ دہلی گئے ہیں تو تمام دروازے بند ہیں ۔ پھر دیکھا کہ کوئی شخص کچھ تکلیف دینے والی شے میرے کان میں ڈالتا ہے۔ میں نے کہا تم مجھے کیا دکھ دیتے ہو۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو اس سے زیادہ دکھ دیا گیا تھا + ۲۴۔ اکتوبر ۱۹۰۵ء۔ صبح حضرت نے فرمایا کہ آج رات میں نے خواب دیکھا ہے کہ تھوڑے سے چنے بھنے ہوئے سفید ہیں اور انکے ساتھ ہی منقہ بھی ہے۔ فرمایا ہمارا تجربہ ہے کہ چنے۔ مولی۔ بینگن یا پیاز خواب میں دیکھیں تو کوئی امر مکروہ پیش آتا ہے لیکن منقہ دل کو قوت دینے والی شے ہے اور اسکا دیکھنا اچھا ہے۔ اس خواب سے معلوم ہوتا ہے کہ کوئی امر مکروہ چھوٹا یا بڑا درپیش ہے جو منقہ کی آمیزش سے وہ کراہت جاتی رہے گی +

پھر دیکھا کہ انپر قفل لگے ہوئے ہیں +

یا ایہا الناس اعبدوا ربکم الذی خلقکم

الحمد للہ کہ مذکورۃ العنوان رسالہ کا دوسرا حصہ بھی شایع ہو گیا ہی جس مین میان حیرت اڈیٹر کرزن گزٹ دہلی کے اس چلینج کا جواب دیا ہی جو انہون نے احمدی جماعت کو مناظرہ وغیرہ کیلئے دیا تھا ساتھ ہی بہت سی نکتہ چینیون کا جواب دیکر ان کی اُس تحدی کی قلعی کھولی ہی جو انہون نے اپنی مصنفہ کتب کو احمدی جماعت کے سامنے پیش کر کے کی تھی کہ ان کتب کے مضامین ایسے بے مثل اور بینظیر ہین جنکا مقابلہ احمدی جماعت نہین کر سکتی ہی ان کتب کے بعض خاص مضامین پر تفصیلی بحث کر کے یہ ثابت کر دیا ہی کہ ان مین متضاد مضامین اور دیرینہ خیالات کا کوڑا کرکٹ بھرا ہوا ہی۔ خلاصہ یہ ہی کہ حصہ اول مین میان حیرت کے ذاتی دعاوی مجددیت وغیرہ کی خوب طرح سے قلعی کھول کر ان کی چالبازیون کا اظہار کر دیا ہی کہ کس کس طرح سے مختلف ضرورتون اور اغراض کیلئے وہ مجدد اور مسیح اور جو کچھ چاہتا ہی بن جاتے ہین اور پھر خود ہی ان دعاوی سے انکار کر دیتے ہین اور ان دعاوی کے جو دلائل بیان کرتے ہین اُن کی تردید بھی انہی کی دوسری تحریرات مین موجود ہوتی ہین جو دوسری اغراض کے لیے دوسرے موقعون پر ظاہر کر چکے ہین لیکن خلاف واقعہ تحریرات کے ذریعہ سے اپنی کامیابیون کے شادیانے بجاتے ہین اور مختلف مقاصد کے حاصل کرنے کے لیے کسی شخص کی برائی کر کے اسی کی پھر تعریف کر دینے اور تعریفین کر کے پھر انہی تعریف کردہ شخصون کی برائی کر دینے مین ذرا شرم و لحاظ نہین کرتے ہین اور دوسرے حصہ مین اُن کی تحریرات کی لغویت ظاہر کر کے ان چالبازیون کا پردہ اٹھا دیا ہی جو وہ عوام الناس کے ساتھ برتکر دھوکہ دیا کرتے ہین۔ ان رسائل کے جواب دینے پر میان حیرت کو ایک ہزار روپیہ انعام دینے کا بھی وعدہ بہ تفصیل ذیل کیا گیا ہی۔

یعنے حصہ اول کے جواب کے لیے پانچسو روپیہ حصہ دوم کے لیے ڈھائی سو روپیہ یہ کل ۷۵۰ روپیہ ہوئے باقی ڈھائی سو روپیہ بہت ہی معمولی بات کے لیے میان حیرت صاحب کی نذر کیے گئے ہین جس کی کیفیت یہ ہی کہ حیرت صاحب نے اپنی تصانیف کو بطور تحدی پیش کر کے اپنی قابلیت کے گھمنڈ کے ساتھ یہ بھی ظاہر کیا ہی کہ حضرت اقدس کی عربی تصانیف مین بہت سی غلطیان ہین اس لیے ان کو چیلنج دیا ہی کہ اگر وہ جلسہ عام مین حضرت اقدس کی عربی تصانیف مین سے ۳ صفحہ روان صحیح پڑھ دین گے اور پھر ان مین سے صرف ایک غلطی نکال دین گے تو ڈھائی سو روپیہ اسی وقت ان کے حوالہ کر دیے جاوین گے۔ ان رسائل مین بڑی عجیب بات یہ ہی کہ تمام بحث تحریری شہادتون کے ذریعہ سے کی گئی ہی باوجود پوری واقفیت کے اس سے کسی جگہ فائدہ نہین اٹھایا ہی ابتدا مین تو ان رسائل کو بالکل معمولی بات سمجھا تھا لیکن حضرت اقدس اور بزرگان ملت نے اسکو ازبس پسند فرمایا ہی جس کا یہ نتیجہ ہوا ہی کہ کتاب امید سے زیادہ مقبول ہوئی اور ہند کے مختلف اطراف سے جو خطوط مجھے وصول ہوئے ہین ان مین سے بعض ایسے لوگون کے ہین جنکو کرزن گزٹ اور میان حیرت سے خاص تعلق تھا جو کثیر التعداد مراسلتون مین میان حیرت کو بڑے بڑے القاب سے یاد کرتے تھے حیرتی کمپنی کے حصہ دار ہونے کے علاوہ بقول حیرت صاحب انکی روحانی تعلیم کے رجسٹر مین اپنا نام لکھوا چکے تھے یا میان حیرت نے خود ہی زور شور کیساتھ ان کا نام اپنے مریدون کی فہرست مین شایع کر دیا تھا بعض لوگون نے میان حیرت پر تبرّا بھیجا ہی بعض نے لکھ دیا ہی کہ اب ہم انکی تحریرات کو بنظر قبولیت نہین دیکھتے بلکہ حقارت سے دیکھتے ہین غرض ان وصول شدہ خطوط سے یہ ثابت ہو گیا ہی کہ ان رسائل کی اشد ضرورت تھی اور ابھی تیسرے حصہ کی بھی ضرورت ہی جسمین باقی تمام اعتراضات کے جواب خود حیرت صاحب ہی کی تحریرات کے ذریعہ ایسی طرز پر دیے ہین کہ علاوہ دلچسپ ہونے کے وہ جوابات بالکل لاجواب ہین یہ تیسرا حصہ بھی لکھا ہوا بالکل تیار ہی کاپیان لکھی جا رہی ہین اور اس کے جلد شایع کرنے کے لیے امداد کی ضرورت ہی جو حصہ اول و دوم کی کثرت اشاعت سے ہو سکتی ہی امید ہی کہ برادران احمدیہ ان کی کثرت اشاعت کی بابت کوشش فرماوین گے اور مقامی جماعت مین تحریک فرما کر اپنی بساط اور جماعت کی حالت کے موافق رسالہ کی خاص تعداد یکدم منگوا کر امداد فرماوین گے تا کہ تیسرا حصہ جلد شایع ہو سکے۔ حصہ اول ساڑھے نو جزو اور حصہ دوم چھ جزو ہی جن کی قیمت باوجود اسقدر ضخامت کے صرف ۵/ اور ۴/ رکھی ہی حصہ دوم امید سے زیادہ بڑا ہو گیا ہی ورنہ اسکی قیمت کم رکھنے کا ارادہ تھا۔ یہ جو کم قیمت ان رسائل کی رکھی ہی وہ صرف اسی غرض کے لیے ہی کہ دوسرے حصص کی اشاعت مین امداد ملتی رہے ورنہ اللہ شاہد ہی کہ اس ذریعہ سے مالی منافع اٹھانا میری غرض ہرگز نہین ہی امید ہی کہ ہمارے بھائی اپنی حالت کے موافق امداد سے دریغ نہ فرماینگے۔ جماعت کے غربا جسقدر کم قیمت پر طلب فرماوین گے اُن کو اسی قیمت پر ہر دو حصہ بھیج دیے جاوین گے امید ہی کہ احمدی جماعت کے سرگرم ممبر حتی المقدور سعی کرنے سے دریغ نہ فرماوین گے اور مزید اشتہارات کی اگر ضرورت ہوگی تو طلب فرماوین گے۔

ہر دو رسائل یکم دسمبر تک دہلی دفتر نہر کے پتہ سے اور یکم دسمبر کے بعد دہلی سے تبدیل ہو جانے کی وجہ سے لاہور پتہ ذیل سے مل سکتے ہین۔

حمید العزیز ہیڈ کلارک دفتر صاحب اگزیکٹو انجنیر بہادر نہر اپر چناب۔ ڈویژن نمبر ۵۔ لاہور۔

"رؤیا و الہامات"

یکم نومبر ۱۹۰۵ء - دست تو دعائے تو ترحم زخدا - (میر ناصر نواب صاحب کو خطرناک درد قولنج تھی - دعا کرنے پر یہ الہام ہوا - اور خدا نے شفا دی) ۹ - نومبر ۱۹۰۵ء - خواب میں گتا دکھائی دیا (فرمایا اس سے مراد کوئی مفسد ہنگامہ ہوتا ہے اسکے بعد الہام ہوا - انی مع الرسول اقوم (اسی دن ۹ بجے جب حضرت اقدس نے امرتسر میں لیکچر دینا چاہا تو مخالفین نے سخت شور مچایا اور آخر جب گاڑی پر سوار ہوئے تو بارش کی طرح پتھر برسائے مگر اللہ تعالیٰ کی محافظت ساتھ تھی -) ۱۱ - نومبر ۱۹۰۵ء (۱) اما نرینک بعض الذی نعدھم او نتوفینک - (۲) لا یقبل عمل مثقال ذرۃ من غیر التقوی -
۱۵ - نومبر ۱۹۰۵ء - زندگیوں کا خاتمہ -

حضرت اقدس کی اوقات گرامی میں یہ امور مخل نہ ہوں -
زکوٰۃ کے متعلق بھی ابتک کوئی باقاعدہ انتظام نہیں ہوا - اس لئے جیسا کہ مینے چٹھی میں لکھا ہے حضرت اقدس کا یہ منشاء ہے کہ زکوٰۃ کا کل روپیہ ایک جگہ جمع ہونا چاہیئے اور پھر حسب مصلحت وقت و ارشاد حضرت اقدس وہ روپیہ ضروری مدات میں خرچ ہو - زیور کی زکوٰۃ کے متعلق بعض احباب کے استفسار پر حضرت اقدس نے مفصلہ ذیل سطور تحریر فرمائی ہیں جو تمام ...... احباب کی اطلاع کیلئے شائع کیجاتی ہیں -

"جو زیور پہنا جائے اور کبھی کبھی غریب عورتوں کو استعمال کے لئے دیا جائے بعض کا اسکی نسبت یہ فتویٰ ہے کہ اسکی کچھ زکوٰۃ نہیں - اور جو زیور پہنا جائے اور دوسروں کو استعمال کے لئے نہ دیا جائے اس میں زکوٰۃ دینا بہتر ہے کہ وہ اپنے نفس کے لئے مستعمل ہوتا ہے اسی پر ہمارے گھر میں عمل کرتے ہیں اور ہر سال کے بعد اپنے موجود زیور کی زکوٰۃ دیتے ہیں - اور جو زیور روپے کی طرح جمع رکھا جائے اس کی زکوٰۃ میں کسی کو بھی اختلاف نہیں -"

پس ہمیں اس راہ پر چلنا چاہیئے جسپر ہمارا امام چلتا ہے - اور زیور کی زکوٰۃ جو اپنے ہی استعمال میں آتا ہو دینی چاہیئے - زکوٰۃ کا روپیہ بنام امین زکوٰۃ فنڈ قادیان بھیجا جاوے اور یہ روپیہ حضرت مولوی نور الدین صاحب کے پاس بطور امانت جمع رہیگا - لنگر خانہ کا روپیہ خود حضرت اقدس کے نام آنا چاہیئے اسکے متعلق خط و کتابت راقم حروف سے ہونی چاہیئے - والسلام

خاکسار
محمد علی
۱۲ - نومبر ۱۹۰۵ء

رجسٹرڈ ایل نمبر ۳۰۳

عید فنڈ مدرسہ

عید الفطر کا مبارک موقعہ بہت ہی قریب ہے۔ لہذا بطور یاددہانی یہ چند سطریں لکھی جاتی ہیں کہ حسب معمول بلکہ پہلے سے بڑھکر بہت سے عید فنڈ کا روپیہ جو بحساب فی کس ایک روپیہ ہے جمع کرکے ہر جگہ کی جماعتیں بہت جلد بنام امین مدرسہ تعلیم الاسلام قادیان بھیجدیں۔ اور چونکہ رمضان شریف صدقات کا مہینہ ہے اور عید الفطر خصوصیت سے صدقات کا موقعہ ہے اسلئے میں دوستوں کی اطلاع کے لئے یہ بات بھی لکھدیتا ہوں کہ دو ماہ سے فنڈ مساکین میں وظائف نہیں ملے شائد یہی بات کسی دوست کے دلمیں تحریک پیدا کرے اسی طرف متوجہ کرے۔

سکرٹری مجلس منتظمہ مدرسہ

ضروری اطلاع

ان جملہ احباب کیخدمت میں جو کسی قومی مد میں قادیان روپیہ بھیجتے ہیں۔ یہ ضروری التماس ہے کہ وہ منی آرڈر کوپن میں تعداد مبلغ نام مد کے متعلق روپیہ اور بھیجنے والے کا نام مع پتہ خوشخط لکھا کریں۔ اسمیں فرستندہ کو تھوڑی سی تکلیف تو ہوگی مگر منتظمین مدات کو بہت آرام ملتا ہے۔ کیونکہ روپیہ وصول کرنیوالے کے پاس صرف کوپن ہی رہ جاتا ہے اسپر مفصل اطلاع نہ ہو تو بعض وقت دقت پیش آجاتی ہے۔ اور پھر کوپن پر سب کچھ لکھنا پڑتا ہے اور بعض وقت دس دس بیس بیس منی آرڈر روپیہ کرنا پڑتا ہے تو بہت وقت ضائع ہوتا ہے۔ دوسری غرض یہ ہے کہ وہ سوائے لنگرخانہ کے روپے کی باقی مدات کا روپیہ کسی کے نام پر نہ بھیجا کریں بلکہ مدرسہ کا روپیہ بنام امین مدرسہ تعلیم الاسلام۔ میگزین کا روپیہ بنام مینجر میگزین۔ زکوۃ کا روپیہ بنام امین زکوۃ فنڈ۔ اور مساکین و یتامی کا روپیہ بنام امین مدرسہ تعلیم الاسلام بھیجا کریں۔ تیسری غرض یہ ہے کہ لنگرخانہ کا روپیہ جو حضرت اقدس کے نام بھیجا جاتا ہے اسکے ساتھ دوسری مد کا روپیہ نہ بھیجا کریں کیونکہ اسطرح پر تقسیم کرنے میں حضرت اقدس کو بہت تکلیف ہوتی ہے۔ اگر کوئی ایسی ضرورت پیش ہی آجائے کہ اکٹھا روپیہ بھیجنا ضروری ہو تو امین مدرسہ یا مینجر میگزین کے نام بھیجکر اسی کوپن میں ہدایت کردیا کریں کہ اسمیں اسقدر روپیہ لنگرخانہ کا ہے جو حضرت اقدس کو دینا چاہیئے۔ سب سے بہتر صورت یہی ہے کہ ہر مد کا روپیہ الگ الگ بھیجا جاوے۔ خاکسار

اطلاع بنام خریداران میگزین باوجود بار بار کی تاکید اور ہر دفعہ کی اطلاع کے خریداران خط وکتابت میں اور روپیہ بھیجتے وقت اپنا نمبر خریداری نام کے ساتھ نہیں لکھتے جس سے بعض وقت تعمیل نہیں ہوسکتی اور روپیہ درج کھاتہ نہیں ہوسکتا اور خط وکتابت کا بوجھ فریقین پر بڑھتا ہے۔ اس دقت کے لئے میں نے لکھا تھا کہ اگر

چودھری الہ داد صاحب نے مطبع میگزین میں مینجر میگزین کیلئے چھاپا

آؤ لوگو کہ یہیں نورِ خدا پاؤ گے * لو تمہیں طورِ تسلی کا بتایا ہم نے

ریویو آف ریلیجنز

یعنی

دنیا کے مذاہب پر نظر

جلد (۴) نمبر (۱۲)

بابت ماہ دسمبر ۱۹۰۵ء

فہرست مضامین

غیر احمدیوں کی رائیں اس رسالہ کے متعلق

رسالہ البیان - جلد ۴ نمبر ۵ صفحہ ۲۲ لکھنؤ کا عربی اردو کا مشہور پرچہ لکھتا ہے "ریویو آف ریلیجنس ہی ایک ایسا پرچہ ہے جسکو خالص اسلامی پرچہ کہنا صحیح ہے - ہمنے اسکے کئی نمبر دیکھے اور ہم کو اس امر کے ظاہر کرنے میں کوئی تامل نہیں کہ عربی میں المنار اور اردو میں ریویو آف ریلیجنس سے بہتر پرچے کسی زبان میں نہیں شائع ہوتے - مسلمانوں کو خوش ہونا چاہیئے کہ ہندوستان میں ایک ایسا رسالہ نکل رہا ہے جسکے زوردار مضامین پر علم و فضل کو ناز ہے - جہاں تک ہم سمجھتے ہیں مسلمانوں کا سواد اعظم اس رسالہ سے ناواقف ہے جسکی وجہ شائد یہ ہو کہ یہ رسالہ قادیان سے نکلتا ہے اور میرزا غلام احمد قادیانی اس کے سرپرست ہیں"

اخبار کریسنٹ - لورپول کا مشہور اسلامی پرچہ اس رسالے پر ریویو کرتا ہوا ۱۶ ستمبر سنہ ۱۹۰۳ء کے پرچے میں لکھتا ہے - "ریویو آف ریلیجنز کا پرچہ دلچسپ مضامین سے بھرا ہوا ہے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پاک کے متعلق جو جاہل عیسائی الزام لگایا کرتے ہیں انکی تردید میں ایک نہائت ہی فاضلانہ مضمون اسمیں لکھا گیا ہے جس سے عمدہ مضمون آجتک ہماری نظر سے نہیں گذرا اور ہم پوری جوش کے ساتھ اس مضمون کی طرف اپنے ناظرین کو توجہ دلاتے ہیں"

محمد الگزنڈر رسل وب - امریکہ سے لکھتے ہیں "میں اس پرچہ کو بہت پسند کرتا ہوں میری یہ رائے ہے کہ یہ پرچہ ہر ایک ایسے شخص کے ہاتھ میں ہونا چاہیئے جو کچھ بھی اپنی قوت متفکرہ سے کام لے سکتا ہے - ہر ایک نیک مزاج اور انصاف پسند آدمی جو اسکو پڑھیگا وہ ضرور اس سے روحانی اور اخلاقی فائدہ حاصل کریگا - میں یقین کرتا ہوں کہ یہ رسالہ دنیا میں مذہبی خیال کو ایک خاص صورت دینے کے لئے ایک نہایت زبردست طاقت ہوگی اور یہ بھی یقین کرتا ہوں کہ آخر کار یہی رسالہ ان روکوں کو دور کرنیکا ذریعہ ہوگا جو جہالت سے سچائی کی راہ میں ڈالی گئی ہیں - اور اسطرح پر صداقت کو اپنی شاندار روشنی کے ساتھ دنیا کے سامنے چمکا کر دکھلائیگا"

شیخ عبداللہ کولیم - لورپول انگلستان سے لکھتے ہیں "میں ریویو آف ریلیجنس کو پڑھکر بہت ہی خوش ہوا ہوں اور اس مقدس مذہب کی تائید میں میں اسے ایک نہایت ہی قیمتی تحریر سمجھتا ہوں - میں چند آدمیوں کی ابتدائی فہرست بھیجتا ہوں جو آپکے مفت رسالہ بھیجنے پر بہت ہی خوش ہوں گے"

مسٹر میکبین پالم پور - "مینے آپکے رسالہ کو جسکا نام ریویو آف ریلیجنز ہے اور جو اعلیٰ درجہ کی قابلیت کے ساتھ لکھا گیا ہے پڑھا ہے - مجھے اسلام کا مطالعہ کرتے ہوئے تیرہ سال سے زیادہ عرصہ ہو گیا ہے اور مینے جسقدر ممکن تھا کوشش کرکے انگریزی زبان میں جسقدر کتابیں اسلام پر لکھی گئی ہیں خواہ انکے مصنف مسلمان تھے یا غیر مسلمان سب جمع کی ہیں اور اب اسلامی مذہب کا ایک خاصہ کتب خانہ میرے پاس جمع ہو گیا ہے - مگر ابتک مینے ایک بھی ایسی کتاب نہیں پڑھی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

غلامی

۵ - لونڈیوں کے متعلق احکام

عیسائیوں نے تعدد ازدواج سے نیچے اُتر کر اسلام پر ہمیشہ یہ اعتراض کیا ہے کہ گویا اس مقدس مذہب کے رُو سے لونڈیوں کے نام سے جتنی عورتیں کوئی چاہے گھر میں ڈال سکتا ہے۔ چنانچہ سیل جو میور کے بعد اسلامی امور پر رائے دینے کے لئے تعلیم یافتہ عیسائیوں کے اندر بڑا معتبر سمجھا جاتا ہے اپنے اس مضمون میں جو اسلام پر اُس نے کرسچین کالج میگزین مدراس میں لکھا ہے کہتا ہے کہ "تعدد ازدواج سے بھی سخت تر غلطی جو اسلام کی وہ یہ تھی کہ اس مذہب نے یہ اجازت دی کہ لونڈیوں کے نام سے جتنی عورتیں کوئی چاہے گھر میں ڈال لے۔ اسکے جواب میں بعض وقت یہ کہا جاتا ہے کہ اسلام میں کھلی اجازت دیگئی ہے کہ جس سے چاہے وطی کرلے اس میں اور رنڈی بازی میں کچھ بھی فرق نہیں۔ اور جہاں یورپ کے عام مذہب نے رنڈی بازی کو سخت منع کیا ہے مذہب اسلام نے لونڈیوں سے وطی کو جائز رکھا ہے"۔ قبل اس کے کہ میں اصل اصول اسلام پر بحث کروں میں یہ دکھانا چاہتا ہوں کہ اس عبارت میں پادری صاحب نے کسقدر جھوٹ سے کام لیا ہے اس تحریر کا ماحصل یہ ہے کہ جس طور سے اسلام نے لونڈیوں کے ساتھ وطی کو جائز رکھا ہے اس میں اور رنڈی بازی میں کچھ فرق نہیں اور کہ عیسائی ممالک اس قسم کی برائیوں یعنی کسبیوں وغیرہ سے پاک ہیں اور جس طریق پر یہودیوں کے درمیان لونڈیوں سے بیوی کا سا تعلق رکھنا جائز تھا اُسکو عیسائیت نے منع کردیا۔ یہ اخیری نتیجہ اگرچہ بصراحت الفاظ میں موجود نہ ہو مگر اسلام پر لونڈیوں کے احکام کے متعلق حملہ کرنے سے معترض اپنے مذہب کو لازماً اس سے خالی قرار دیتا ہے۔ اگر کوئی شخص اناجیل کے لفظ لفظ کو پڑھ ڈالے تو وہ پادری صاحبان کی اس جرأت سے حیران ہوگا کہ جس صورت میں یہودی شریعت میں یہ رواج چلا آتا تھا اور انجیلوں میں اسکی ممانعت کا اشارہ تک بھی نہیں تو پھر اس بنا پر اسلام پر اعتراض کرنا کسقدر حماقت کا کام ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ یہودی شریعت کے اندر

لونڈی کو بطور بیوی کے رکھنا تعدد ازدواج کی ایک صورت تھی اور ان دونوں امور میں عیسائی مذہب ہرگز مانع نہیں ہؤا بلکہ لوتھر کے زمانے میں یعنی عیسائی مذہب کی پیدائش کے تیرہ چودہ سو سال بعد بھی جب اسکے سامنے تعدد ازدواج کے سوال کو پیش کیا گیا تو اُس نے یہی جواب دیا کہ انجیلوں سے تعدد ازدواج کی ممانعت معلوم نہیں ہوتی۔ ایسا ہی غلامی کو بھی حضرت مسیح نے کبھی نہیں روکا بلکہ ایک لفظ بھی اس کے خلاف نہیں کہا۔ اور یہ رواج بھی اس کے پیروؤں میں ہمیشہ چلا آیا۔ بلکہ اس امر کی بھی کھلی کھلی شہادت ملتی ہے کہ لونڈیوں کو بطور بیوی کے گھر میں ڈال لینا عیسائیوں میں بھی مروج رہا ہے۔ چنانچہ انسکلو پیڈیا برٹینیکا میں لونڈیوں پر مضمون لکھتے ہوئے عیسائی مضمون نویس لکھتا ہے۔ کہ "پوپوں کے خطوط کے بعض فقرات سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس قسم کے تعلقات کی انہوں نے اجازت بھی دی تھی" اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ نصرف عیسائیوں میں اس امر کا رواج ہی رہا بلکہ انکے مقدس پوپوں نے بھی اس کو جائز قرار دیا اور ایسا کرنیکی اجازت دی۔ اور پھر وہی مضمون نویس کہتا ہے کہ "ٹولیڈو کی کونسل اوّل کا (جو ۴۰۰ عیسوی میں ہوئی) قاعدہ ہفدہم یہ ہے کہ جو شخص ایک پاکدامن بیوی کی موجودگی میں لونڈی کو گھر میں ڈال لیتا ہے اسکو خارج کیا جاویگا۔ لیکن اگر وہ لونڈی بیوی کی طرح اسکی خدمت کرے اور ایک ہی عورت جسکو لونڈی کہا جاتا ہے اس کے پاس ہو۔ تو پھر اُسکو خارج نہیں کیا جاوے گا۔ یہ طریق صرف عوام الناس کے لئے ہی جائز نہ تھا بلکہ چھوٹے درجہ کے پادری جنکو نکاح کرنیکی اجازت تھی انکو بھی اسی طرح لونڈی گھر میں ڈال لینے کی اجازت تھی۔ اس کے بعد جو کونسلیں ہوئیں انہوں نے لونڈی کا نام ان بدکار عورتوں پر بھی بولا ہے جو گھر میں نہیں رکھی جاتی تھیں" اس میں شک نہیں کہ یہ صورت جسکا ذکر اخیر میں اس عبارت میں کیا گیا ہے بالکل کسبیوں کی سی ہے۔ اور شائد پادری سیل صاحب کو اپنے بزرگوں کی اس غلطی سے ہی غلطی لگی ہو کہ انہوں نے اسلامی لونڈیوں کو کسبیاں قرار دیا۔ مگر پادری صاحب مطمئن رہیں کہ اسلام اس قسم کی تمام بدکاریوں پر لعنت بھیجتا ہے اور انکے لئے سخت سے سخت سزا تجویز کرتا ہے۔ ہاں اس بات کا جواب انکو دینا چاہیئے کہ وہ تو عیسائیت میں لونڈیوں کے ہونیسے صاف انکار کرتے ہیں اور یہاں عیسائی کونسلیں (یاد رکھنا چاہیئے کہ یہ وہی کونسلیں ہیں جنہوں نے تثلیث وغیرہ کے عقائد باطلہ گھڑ کر رائج کئے) نہ صرف لونڈیوں کے گھر میں ڈالنے کی ہی اجازت دیتی ہیں بلکہ جیسا کہ انسکلو پیڈیا کے اس بیان سے پایا جاتا ہے۔ ان فاحشہ عورتوں سے بھی تعلقات رکھنے کی اجازت دیتی ہیں جو گھر میں نہیں رکھی جاتی تھیں۔

دوسرا امر جس پر پادری صاحب نے بہت زور دیا ہے یہ ہے کہ کم از کم کسبیوں کی عیسائی مذہب نے سخت ممانعت کی ہے۔

جب ہم بائبل کو پڑھتے ہیں تو اس میں اس ممانعت کا ذکر صریح الفاظ میں بجائے اناجیل کے جو عیسائی

مذہب کی خاص کتابیں ہیں احبار ۱۹/۹ اور استثنا ۲۳/۱۷ میں پاتے ہیں۔ اناجیل میں اگر کچھ کسبیوں اور فاحشہ عورتوں کا ذکر ہے تو صرف اتنا ہے کہ کسبیاں اور فاحشہ عورتیں یہودی علماء سے پہلے خدا کی سلطنت میں داخل ہوں گی۔ کیا پادری صاحب کے نزدیک یہی کسبیوں کے پیشہ کی ممانعت ہے؟ کہ انکو فقیہوں اور فریسیوں پر ترجیح دیکر اور بھی دلیر کیا گیا ہے۔ مگر اس بات کو تسلیم کر کے کہ حضرت مسیح نے اس بدکاری کی ممانعت ضرور کی ہو گی کیونکہ جسقدر انبیاء دنیا میں مبعوث ہوئی ہیں ان سب نے زنا کو سب سے بڑی بدکاری سمجھا ہے اور اس سے لوگوں کو روکا ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ عیسائی مذہب نے کون کونسی کوشش اس بدکاری کے دنیا سے دُور کرنیکے لئے کی اور اس سے بھی بڑھکر ضروری سوال یہ ہے کہ عیسائیوں کا اسباری بس کیسا عملدرآمد رہا۔ ان دونوں سوالوں کا جواب میں وہی نقل کرتا ہوں جو عیسائی صاحبان نے دیا ہے امر اول کے متعلق انسکلوپیڈیا برٹینیکا میں لکھا ہے "مگر کلیسیا نے کسبیوں پر کبھی سختی نہیں کی اور توبہ کرنے پر انکو داخل کر لیا جاتا تھا۔ اور بعض عیسائی بزرگوں نے کسبیوں کے پیشہ کو بدی سمجھکر صریح الفاظ میں اسکی ضرورت کو بھی تسلیم کیا ہے۔ (یہ الفاظ قابل غور ہیں) انہی میں سینٹ اگسٹین بھی تھا جس نے یہ سمجھ لیا تھا کہ اسکے روکنے سے بدکاری کی اس سے زیادہ تباہ کن راہیں پیدا ہو جائیں گی۔ اس آزادی خیال نے تدریجاً مربیانہ رنگ پکڑنا شروع کر دیا۔ (یعنی اول اول تو کسبیوں سے صرف درگذر کیجاتی تھی پھر اس سے ترقی کر کے وہی لوگ خود ان کسبیوں کے مربی بن گئے۔) درمیانی زمانوں سے پہلے ہی کلیسیا کے رواج اور قواعد اور اس کے عہدیدار اور پادری زناکاری کے لئے ضرب المثل بن گئے (افسوس ہے کہ پادری صاحبان کفارہ کے فوائد بیان کرتے وقت ان شہادتوں کو بھول جاتے ہیں)۔ شارل مین نے اس ابتری کی حالت کو روکنا چاہا اور کوشش کی مگر اسکی اپنی زندگی اوباشی اور بدکاری کی تھی اس لئے اسکے احکام جنکے رُو سے کسبیوں اور کٹنیوں کو کوڑے لگائے جانیکا حکم تھا اخلاقی وجوہ پر مبنی نہ تھے۔" میں اس امر سے بکلی انکار نہیں کرتا کہ عیسائی مذہب نے کوئی کوشش کسبیوں کی بدکاری کے دُور کرنیکی کی ہو مگر جو کوشش کی گئی اس میں یا تو شارل مین کی کوشش کیطرح خود کوشش کرنیوالوں کی اپنی اخلاقی حالت ایسی گری ہوئی تھی کہ اسکا کوئی نیک اثر نہ ہو سکتا تھا اور یا کوششیں بہت کمزور اور کسی اصول حکمت پر مبنی نہ تھیں اور اسی لئے کبھی بھی انکا نتیجہ نیک نہیں ہوا چنانچہ وہی مصنف جس کے اقوال اوپر نقل کئے گئے ہیں لکھتا ہے "باوجود ایسی کوششوں کے اور باوجود کبھی کبھی کسی بادشاہ کی سختی کے کسبیوں کا پیشہ درمیانی زمانہ میں ہر جگہ غلبہ پکڑ گیا۔ صرف یہی نہ تھا کہ اسکی برداشت کیجاتی ہو یا اس سے اغماض کیا جاتا ہو بلکہ اسکے لئے لائسنس یعنی

پروانے دیئے جاتے تھے اور قانون میں اس کے قواعد منضبط کئے گئے تھے۔ لندن میں چکلوں کا ایک بازار تھا جنکا لائسنس سب سے پہلے ونچسٹر کے لاٹ پادری نے دیا تھا۔ اور بعد میں پارلیمنٹ اسکی منظوری دیتی رہی۔ یورپ کے دیگر ممالک میں اس زمانے میں یہی حالت تھی۔ کسبیوں کی حفاظت کیجاتی تھی اور اس پیشہ کے لئے قواعد قانوناً تجویز کئے جاتے تھے اور بہت سی حالتوں میں ملکی آمدنی کا یہ ایک ذریعہ تھا"

یہ تو عیسائی ممالک کی حالت گذشتہ زمانہ میں تھی۔ اِس زمانہ میں بھی یہ پیشہ رُو بہ تنزل نہیں بلکہ دن بدن ترقی کر رہا ہے۔ فرانس میں فوجداری قانون کسبیوں پر گرفت نہیں کرتا۔ جرمنی میں کسبی کا پیشہ کرنیکی ممانعت نہیں لیکن جو عورت بغیر نام رجسٹر کرانیکے ایسا پیشہ اختیار کرے وہ گرفتار ہو سکتی ہے۔ اسٹریا کے قانون کے رُو سے اس پیشہ کی ممانعت ہے مگر پولیس کو اختیار دیا گیا ہے کہ وہ بعض شرائط کے نیچے اسکی اجازت دیدیا کریں۔ انگریزی قانون اس پیشہ کو مضر عام سمجھتا ہے مگر قانون کی کوئی پروا نہیں کیجاتی اور نہ ہی کوئی باز پرس ہوتی ہے چنانچہ اسی مضمون میں جسکا حوالہ انسکلوپیڈیا سے اوپر دیا گیا ہے۔ لکھا ہے۔ کہ "انگریزی قانون کے نیچے عام بازار صاف رکھے جاسکتے ہیں .... اور بعض وقت قصبات میں سرگرم پولیس کی کوشش سے ایسا ہوتا بھی ہے مگر لندن میں کسبیوں کی تعداد اسقدر بڑھی ہوئی ہے کہ پولیس اپنی ساری طاقت کو خرچ کر کے بھی اُنکا مقابلہ کرنیکے بالکل ناقابل ہے۔ بڑے بڑے بازاروں اور عام مجمعوں کی جگہوں میں عین دن کے وقت کسبیوں کی بڑی بڑی تعداد موجود رہتی ہے اور رات کے وقت تو گویا راستے اُن سے بند ہی ہوتے ہیں" نہ ہی دوسرے بلاد یورپ میں قانون کی کچھ پروا کی جاتی ہے۔ فرق اسقدر ہے کہ یہاں کھلم کھلا کسبیاں پھرتی ہیں وہاں ظاہر بدکاری اتنی نظر نہیں آتی مگر چکلوں کی تعداد بہت ہی زیادہ بڑھی ہوئی ہے۔ "ہر جگہ پولیس اس امر کی شاکی ہے کہ پوشیدہ طور پر کسبیوں کا پیشہ اسقدر ترقی پکڑ گیا ہے جسکو وہ کسی طرح ضبط کے نیچے نہیں لاسکتے اور دن بدن جیسے جیسے یہ خفیہ بدکاری بڑھتی جاتی ہے اسی قدر ان کسبیوں کی تعداد کم ہوتی جاتی ہے جنکے نام سرکاری رجسٹروں میں موجود ہیں" اس کثرت بدکاری کو دیکھکر تمام مدبر حیران بلکہ مایوس ہو رہے ہیں۔ چنانچہ انسکلوپیڈیا میں اخیر پر یہ نتیجہ نکالا گیا ہے۔ "کوئی ایسے واقعات موجود نہیں جنکی بنا پر مغربی ممالک کی بدکاری کا مقابلہ دوسرے ممالک سے یا پہلے زمانوں سے ہو سکے۔ لیکن وہ ناقابل ذکر واقعات جو ہمیشہ پولیس کے علم میں آتے رہتے ہیں اس بات کو ایسا یقینی طور پر ثابت کرتے ہیں جس میں شک کی کچھ بھی گنجائش نہیں۔ کہ موجودہ تہذیب کے بڑے بڑے مرکز اپنی بدکاری میں ان مشہور بدکاری

کے مرکزوں یعنی کارنتھ یا روما یا قدیم مصر یا موجودہ چین سے کسی طرح کم نہیں۔ وہ پرانی بدکاری کے نقشے جو کھنڈرات سے نکلتے ہیں اور عجائب گھروں میں رکھے جاتے ہیں اُنسے کئی درجہ بڑھ کر وہ بدکاری کی تصویریں ہیں جو آج پیرس یا امسٹرڈم میں کھینچی جاتی ہیں۔ ممکن ہے کہ یہ بدکاری کی خطرناک ترقی صرف عارضی ہو مگر یہ وہی صورت ہے جس نے پہلے بھی بڑی بڑی قوموں کو تباہ کیا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ کسبیوں کا پیشہ دن بدن خطرناک ترقی کرتا جاتا ہے۔ اس ترقی کا اثر ابھی سے اعلیٰ درجہ کی تہذیب یافتہ مغربی اقوام پر پڑنا شروع ہو گیا ہے کیونکہ نکاحوں اور پیدائشوں کی تعداد دن بدن گھٹ رہی ہے۔"

یورپ میں سیہ کاری کی یہ خطرناک تصویر صرف عیسائیت کی ناجائز تعریف کا جواب ہی نہیں بلکہ پادری سیلؔ نے جو بہتان آمیز حملہ اسلام پر کیا ہے اُسکا بھی جواب ہے۔ پادری صاحب یا تو عیسائیت کی تعلیم پر حصر کریں اور یا عیسائی صاحبان کے عمل پر۔ مگر یہ نہ کریں کہ جہاں مطلب کی بات ہوئی وہی پہلو اختیار کر لیا۔ تعدد ازدواج اور لونڈیوں کے متعلق تو آپ جھٹ سے عیسائی اقوام کا عمل دکھا دیتے ہیں اور رنڈی بازی اور زناکاری کے متعلق عیسائیت کی تعلیم پیش کر دیتے ہیں یہ انصاف اور ایمانداری نہیں کہ ایک پہلو جو چاہیں اختیار کر لیں۔ اگر وہ کسبیوں اور زناکاری کے ذکر کے وقت عیسائیوں کے عمل سے بیزاری ظاہر کر کے عیسائیت کی اصل تعلیم کی طرف رجوع کرنا چاہتے ہیں تو تعدد ازدواج اور لونڈیوں کے احکام کے ذکر کے وقت بھی اپنی بحث کا انحصار مذہب عیسوی کی تعلیم پر ہی رکھیں۔ جسکے رُو سے انہیں ماننا پڑے گا کہ حضرت مسیح کے مُنہ سے جو وہی اصل عیسائی تعلیم ہے ایک لفظ بھی ایسا نہیں نکلا جس میں تعدد ازدواج کی ممانعت ہو یا یہودیوں کے اس رواج کا انکار ہو جو لونڈیوں کے متعلق انکے درمیان پشتوں سے چلا آتا تھا۔ پادری صاحب ایمان سے بتا دیں کہ کیا یہ چالبازی نہیں کہ جدھر سے مطلب نکلتا دیکھا ادھر کا پہلو ہی بدل لیا؟ اب اصل بات یہ ہے کہ بدکاری اور رنڈی بازی کی ترقی تعدد ازدواج کی ممانعت سے ہی شروع ہوئی ہے۔ کیونکہ اگر یہ سچی بات ہے کہ ابتدائی عیسائی سوسائٹی میں کسبیاں ہوتی نہیں تو اُس سے بھی بڑھکر یہ امر حق ہے کہ اس ابتدائی سوسائٹی میں تعدد ازدواج کی بھی ممانعت نہ تھی بلکہ اسپر عمل بھی ہوتا تھا۔ پھر جوں جوں تعدد ازدواج کو نفرت کی نگاہ سے دیکھا جانے لگا ویسے ہی بدکاری ترقی کرنے لگی عیسائی صاحبان عموماً یہ بھی کہدیا کرتے ہیں کہ کسبیوں کی پیدا ہونے اور ترقی کی وجہ افلاس ہے مگر یہ بات بالکل غلط ہے کیا سب سے بڑھکر افلاس یورپین اقوام کے اندر ہی آ گیا؟ جوان میں کسبیوں کی خطرناک ترقی ہو گئی۔ اور پھر کیا دن بدن افلاس بڑھ رہا ہے جو یہ بدی ترقی کر رہی ہے؟ یہ بات ہرگز نہیں چنانچہ انسکلو پیڈیا میں لکھا ہے کہ "بڑی بڑی اقوام کے اندر کسبیوں کا وجود انسانی

سوسائٹی سے غیر منفک ہے۔ موجودہ تہذیب کے تمدنی اور انتظامی ذرائع میں سے کوئی بھی ایسا ذریعہ ثابت نہیں ہُوا جو اسکو روک سکے کیونکہ وہ اصلی قوانین جنکی وجہ سے یہ بدکاری پھیل رہی ہے ان انسانی تجویز کردہ قواعد سے جو اخلاقی تعلیم یا فرضی معیار (یعنی پاکیزگی کے معیار) یا مجالس واضع قوانین تجویز کرتی ہیں بہت زیادہ زبردست ہیں۔ اور جب کبھی اس بدکاری کے روکنے کی کوشش کیجاتی ہے تو نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ اور راہ سے پھوٹ نکلتی ہے اصل بات میں کوئی فرق نہیں آتا صرف وہ واقعات ایک وقت کے لئے کوئی اور پہلو اختیار کر لیتے ہیں۔ غرضیکہ باوجود سب قسم کے علاجوں کے یہ بیماری دُور نہیں ہوئی اور اگرچہ اسکا وجود قومی قوّت کے ساتھ بھی رہ سکتا ہے مگر اسکا حد سے زیادہ بڑھ جانا اس بات کی علامت ہے کہ تہذیب کو اندر سے کیڑا لگا ہُوا ہے اور وہ تنزل کی حالت میں ہے۔" یہ بات کہ ہر ایک قوم کے درمیان کسبیوں کے وجود کا ہونا ضروری ہے بغیر استثنا کے صحیح نہیں اور میں وہ واقعات دکھا سکتا ہوں جنکی بنا پر میں یہ کہتا ہوں۔ بلکہ اگر عام نظر سے بھی اس دعوے کو دیکھا جائے کہ یہ ایسی بیماری ہے جسکا کوئی علاج ہی نہیں تو اسکا باطل ہونا اظہر من الشمس ہے۔ ایسا اعتقاد رکھکر کہ اللہ تعالیٰ نے ایسی بدکاری کا کوئی علاج ہی پیدا نہیں کیا ہم اُسکی طاقت اور قدرت اور احسانوں کا انکار کرنیوالے ہوں گے۔ کیا ہی پاک لفظ ہیں جو اُس پاک انسان کے مُنہ سے نکلے جس نے اللہ تعالیٰ کے حُسن واحسان کو سب سے بڑھ کر دیکھ لیا تھا ما من داء الا و له دواء یعنی کوئی ایسی بیماری نہیں جس کی اللہ تعالیٰ نے دوا پیدا نہ کی ہو۔ بیماریوں میں نہ صرف جسمانی بیماریاں ہی شامل ہیں بلکہ یہ لفظ اخلاقی اور روحانی امراض پر بھی حاوی ہے۔ اور یہ صرف لفظ ہی لفظ نہ تھے بلکہ آپنے اپنے اس دعویٰ کی سچائی کو ثابت کرکے دکھادیا اس طرح پر کہ وہ بدکاریاں اور روحانی اور اخلاقی بیماریاں جو عربوں کا گویا جزو خون بن چکی تھیں کیونکہ پشتوں سے وہ انکے عادی چلے آتے تھے ان تمام کو آپنے جڑ سے اُکھاڑ کر جزیرہ نماء عرب کو بالکل انسے پاک کر دیا۔ ایک قمار باز کا قمار بازی سے روکنا یا ایک شراب خور کو شراب سے باز رکھنا یا ایک زانی کو زنا سے چھڑا دینا کسقدر مشکل کام ہے مگر اس انسان کامل کی توجہ نے شرابخوری زناکاری اور قمار بازی جیسی بدیوں کو نیست و نابود کرکے دکھادیا اور نہ صرف اپنے صحابہ میں سے ہی انکو دُور کیا بلکہ ایک دراز زمانہ تک مسلمان سوسائٹی کو اُنسے پاک کر دیا۔ پس اسلامی سوسائٹی وہ سوسائٹی ہے جو ایک دراز عرصہ تک کسبیوں کی موجودگی سے بالکل پاک رہی حالانکہ ایک بڑی بھاری قوم اور اس زمانہ میں اعلیٰ درجہ کی تہذیب یافتہ قوم تھی۔ اور اسلامی علاج ہی وہ علاج ہے جو اس بدی کو دُور کر سکتا ہے جسکے دُور کرنے میں تمام انسانی کوششیں

ناکام ثابت ہوئی ہیں۔ کاش کہ عیسائی صاحبان میں سے کوئی ایسے وسیع خیال کے انسان بھی ہوں جو تعصب مذہبی کے تنگ دائرہ سے نکل کر ان امور پر غور کریں کہ آیا یہ حق نہیں ؟

لونڈیوں سے نکاح جسکو عموماً لونڈیوں کو گھر میں ڈال لینے کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے نکاح کی ایک خاص صورت تھی جو اُس وقت کی سوسائٹی میں بلحاظ غلامی کے رواج کے بعض اوقات ضروری ہوتا تھا جیساکہ پہلے حصص مضمون غلامی میں دکھایا جاچکا ہے اسلام کا منشا تدریجی طور پر غلاموں کے آزاد کرنیکا تھا۔ اور اسکی تعلیم کا میلان آخرکار غلامی کے قطعاً دُور کرنیکا تھا۔ اگر مسلمان سوسائٹی کے بعد کے حالات نے اس میلان کو ترقی نہ کرنے دی تو یہ اعتراض اصول اسلام پر نہیں۔ ایک امر بیشک صاف ہے کہ چونکہ اس زمانے میں شریعت اسلام کے رُو سے غلام لونڈیاں بنائے نہیں جاسکتے۔ اور خرید و فروخت کے ذریعہ یا زبردستی پکڑ کر غلام بنا لینے کے رواج کی شریعت اسلامی مانع ہے۔ اس لئے موجودہ رسم لونڈیوں کے گھر میں ڈال لینے کی بھی شریعت کے رُو سے درست نہیں کیونکہ شرعی معنوں میں وہ لونڈیاں لونڈیاں ہی نہیں۔ یہ امر کہ لونڈیوں کے متعلق شریعت اسلامی کا کیا حکم تھا اور وہ موجودہ رواج سے الگ تھا یا نہیں میں ابھی دکھاؤنگا مگر اسجگہ میں یہ ظاہر کرنا چاہتا ہوں کہ یہ رواج لونڈیوں کے گھر میں ڈال لینے کا جو آجکل بعض اسلامی ممالک میں درست سمجھا گیا ہے اگرچہ واقعی نکاح کی رسم ادا نہ بھی ہو تو بھی نکاح کی ہی ایک صورت ہے اور کسبیوں کی حالت یا زنا ہی ایسا ہی الگ ہے جیساکہ خود رواج نکاح۔ پادری سیل صاحب نے اس رواج کو کسبیوں کے پیشہ کے برابر ٹھہرایا ہے اور اگر اُس نے عمداً حق کو نہیں چھپایا تو کم از کم اس میں سخت غلطی کھائی ہے۔ کسبیاں وہ عورتیں ہیں جنکا پیشہ یہ ہی کہ جو شخص کچھ معاوضہ انہیں دیدے اسی سے ارتکاب زنا کریں۔ مگر لونڈی کو گھر میں ڈال لینے سے یہ منشا ہے کہ آقا اسکو بطور بی بی کے رکھے بلحاظ حیثیت کے نہیں بلکہ بلحاظ تعلقات زن و شوی کے۔ لونڈی اپنے آقا کی جورو کی طرح ہوتی ہے اور آقا اُس لونڈی کا خاوند ہوتا ہے۔ یہ کسقدر بیحیائی ہی کہ ایسی لونڈیوں کو کسبیاں کہا جائے کیا وہ بازار میں بیٹھتی ہے یا سوائے اپنے آقا کے جو اُسکا خاوند ہوتا ہے کسی اور سے ہمبستری کرتی ہے یا کسی سے کچھ معاوضہ لیتی ہے۔ پھر یہ کسقدر جرأت ہے کہ ایک ایسے رواج کو جو بعینہ نکاح کے مطابق ہے خواہ اس میں رسم نکاح ادا نہ بھی ہوئی ہو کسبیوں کے پیشہ کے برابر بنایا جاوے۔ نہ ہی اس طرح لونڈی کو گھر میں ڈال لینے کو زنا ہی کہا جاسکتا ہے۔ کیونکہ ایک شخص جو مثلاً ایک بیوی کے ہوتے ہوئے ایک لونڈی کو گھر میں ڈال لیتا ہے وہ گویا دو بیویاں رکھتا ہے وجہ اسکی یہ ہے

کہ زنا کی اولاد یا کسبیوں کی اولاد اپنے باپ کی کبھی وارث نہیں سمجھی گئی۔ مگر جو رواج لونڈیوں کے گھر میں ڈال لینے کا ہی اسکے رُو سے یعنی ان لونڈیوں کی اولاد جو آقا سے پیدا ہوتی ہے وہ آقا کی صحیح اور جائز اولاد سمجھی جاتی ہے اور اُسکی جائز وارث ہوتی ہے بعینہٖ اُسی طرح جس طرح نکاح کی اولاد وارث ہوتی ہے جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ لونڈی کو بطور بیوی کے گھر میں رکھا گیا ہے۔ ورنہ اُسکی اولاد کو وہ حقوق کیونکر مل سکتے تھے جو ایک بیوی کی اولاد کو ملتے ہیں۔ ایسا ہی ایسی لونڈی کا سوائے اپنے آقا یعنی خاوند کے کسی دوسرے سے ہمبستر ہونا قانوناً زنا سمجھا جاتا ہے پس اس سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ وہ بطور بیوی کے گھر میں رہتی ہے اگر کوئی فرق ہی تو وہ صرف حیثیت کا ہے کہ وہ آزاد بیوی کے برابر حیثیت نہیں رکھتی۔ پس اگر ایسے تعلقات پر کوئی اعتراض آ سکتا ہی تو وہ یہ ہے کہ وہ نکاح کی ایک ادنیٰ صورت ہے جس میں عورت کو برابری کے حقوق نہیں دیئے گئے اور رسم نکاح اس طرز پر ادا نہیں ہوئی جس طرز پر آزاد عورتوں کی رسم نکاح ادا ہوتی ہے۔ مگر زنا یا کسبیوں کے پیشہ کے یہ رواج ایسا ہی مخالف ہے جیسا کہ رواج نکاح۔ بلکہ یورپ کے مہذب ممالک میں جو یہ رواج چلا آتا ہے کہ خاوند کا جب جی چاہے تو علاوہ منکوحہ بیوی کے ایک یا دو یا جسقدر چاہے معشوقہ بھی رکھ لے خصوصاً انگلستان میں تو یہ بہت ہی آسان امر ہے کیونکہ صرف زنا قانون انگلستان کے رُو سے نہ فوجداری جرم ہے اور نہ ہی خالی خاوند کے زنا کی وجہ سے بی بی طلاق حاصل کر سکتی ہے۔ یہ مہذب رواج...... بھی جسکی کوئی حدبندی نہیں زنا کی تعریف میں ہی آتا ہے۔ کیونکہ اگرچہ اسکی روک کوئی نہیں مگر ایسے تعلقات کی اولاد جائز اولاد نہیں سمجھی جاتی۔ لونڈیوں کے گھر میں ڈال لینے کو ان تمام باتوں سے کوئی نسبت نہیں اسکو صرف نکاح کی ایک رواجی صورت کہہ سکتے ہیں جس میں باوجود بعض تفاوتوں کے نکاح کے اغراض حاصل ہیں۔ اس قسم کے رواج اب تک بعض عیسائی ممالک میں بھی پائے جاتے ہیں خواہ سیل صاحب کو انکا علم نہ ہو یا علم ہو تو وہ عمداً اخفا کرتے ہوں۔ خصوصاً جرمنی میں یہ رواج ابتک موجود ہے۔ ہاں فرق صرف یہ ہے کہ وہاں اگر منکوحہ بیوی کی اولاد موجود ہو تو لونڈی کی اولاد کو وراثت میں کوئی حصہ نہیں ملتا اور اگر منکوحہ بیوی سے اولاد کوئی نہ ہو تو اس صورت میں لونڈی کی اولاد کو باپ کی جائداد کی ایک تہائی ملتی ہے۔ پس اصولاً لونڈی کو بطور بیوی کے رکھ لینے کا منشا اس سے نکاح کا ہی ہوتا ہے مگر شریعت اسلامی نے کونسا طریق پسند کیا ہے۔ اسکو میں اب بیان کرتا ہوں۔

اب میں یہ دکھانا چاہتا ہوں کہ قرآن شریف اور صحیح احادیث اور سُنت نے لونڈی کے ساتھ نکاح کے متعلق کیا ہدایات کی ہیں۔ اسلام سے پہلی منجملہ اور بدرسوم کے ایک یہ قبیح رسم بھی مروّج تھی کہ

لونڈیوں سے مجبور کرکے کسبیوں کا پیشہ کرایا جاتا تھا اور اس سے جو مال حاصل ہوتا تھا اسکا فائدہ آقا کو پہنچتا تھا۔ اس بدرسم کا اور پھر اسلام کے ذریعہ اسکے موقوف کئے جانیکا ذکر قرآن شریف میں موجود ہے ولا تکرھوا فتیاتکم علی البغاء ان اردن تحصنا لتبتغوا عرض الحیوٰة الدنیا۔ (سورۂ نور) یعنی تمہاری لونڈیاں جو پاکدامن رہنا چاہتی ہیں انکو دنیا کے مال کے فائدہ کے لئے حرامکاری پر مجبور نہ کرو۔ اور صرف اسی اصلاح پر بس نہیں کی بلکہ ساتھ ہی اس سے پہلی آیت میں یہ فرمایا جسکا منشا یہ تھا کہ ہر قسم کی بدکاری کو جڑ سے کاٹ جاوے کہ وانکحوا الایامی منکم والصلحین من عبادکم وامائکم ان یکونوا فقراء یغنہم اللہ من فضلہ۔ اور جنکے تم میں سے بیاہ نہیں ہوئے ہوئے انکے نکاح کردو اور ایسا ہی اپنے غلاموں اور لونڈیوں کے بھی جو نیک بخت ہوں نکاح کردو۔ یہاں صاف الفاظ میں غلاموں اور لونڈیوں کے آقاؤں کو حکم ہے کہ انکے نکاح کردیا کریں۔ اگرچہ غلاموں لونڈیوں کا آزاد لوگوں سے الگ خیال رکھا گیا تھا مگر ضرورت کے وقت قرآن شریف نے آزاد مرد کو لونڈی سے اور آزاد عورت کو غلام سے نکاح کرنیکی اجازت دیدی تھی جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس امتیاز کو قرآن شریف نے ایک عارضی امتیاز ٹھہرایا تھا۔ جو صورتیں اسکی قرآن کریم میں بیان ہوئی ہیں وہ حسب ذیل ہیں۔ اول سورۃ البقرۃ آیت ۲۲۲۔ رکوع ۲۷۔ ولا تنکحوا المشرکٰت حتی یؤمن ولامۃ مؤمنۃ خیر من مشرکۃ ولو اعجبتکم ولا تنکحوا المشرکین حتی یؤمنوا ولعبد مؤمن خیر من مشرک ولو اعجبکم۔ اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ مسلمان مردوں کو نہیں چاہیئے کہ وہ مشرک عورتوں سے جبتک وہ ایمان نہ لے آئیں نکاح کریں بلکہ شرک کرنیوالی آزاد عورت خواہ کیسی ہی بھلی کیوں نہ لگے اس سے مسلمان لونڈی بہتر ہے اور نہ ہی اپنی آزاد عورتوں کو مشرک مردوں کے نکاح میں دینا چاہیئے جبتک کہ وہ ایمان نہ لے آئیں۔ اور مشرک تم کو کیسا ہی بھلا کیوں نہ لگے اس سے مسلمان غلام بہتر ہے۔ یعنی مشرک عورت سے نکاح کرنیکی نسبت مسلمان لونڈی سے نکاح کرلینا بہتر ہے۔ پس اس آیت کے رو سے آزاد مردوں اور لونڈیوں اور آزاد عورتوں اور غلاموں میں نکاح جائز قرار دیئے گئے۔ دوسرا موقعہ سورۃ النساء آیت ۲۹ و ۳۰ ہے۔ جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ ومن لم یستطع منکم طولاً ان ینکح المحصنٰت المؤمنٰت فمن ما ملکت ایمانکم من فتیاتکم المؤمنٰت واللہ اعلم بایمانکم بعضکم من بعض فانکحوھن باذن اھلھن واٰتوھن اجورھن بالمعروف محصنٰت غیر مسٰفحٰت ولا متخذٰت اخدان فاذا احصن فان اتین بفاحشۃ فعلیھن نصف ما علی المحصنٰت من العذاب ذٰلک لمن خشی العنت منکم وان تصبروا خیر لکم واللہ غفور رحیم۔ "اور تم میں سے جسکو مسلمان آزاد عورتوں سے نکاح کرنیکا مقدور نہ ہو تو مسلمان لونڈی سے جو تمہارے

قبضہ میں آچکی ہیں نکاح کرلے اور اللہ تمہارے ایمان کو خوب جانتا ہے (آزاد اور غلام) تم ایک دوسرے کے ہم جنس ہی ہو پس لونڈی کے اہل کے اذن سے اُنکے ساتھ نکاح کرلو اور دستور کے مطابق انکے مہران کے حوالے کردو بشرطیکہ وہ نکاح کی قید میں ہوکر رہیں نہ کھلی بدکاری کرنیوالی ہوں اور نہ چھپی آشنائی رکھنے والی۔ پھر اگر وہ قید نکاح میں رہنے کے بعد ارتکاب زنا کریں تو انکی سزا آزاد بیاہی عورت کی سزا سے نصف ہے۔ یہ اجازت (لونڈیوں سے نکاح کرنے کی) تم میں سے انکے لئے ہے جسکو اندیشہ ہو کہ (اگر وہ نکاح نہ کریگا تو) کسی گناہ کا ارتکاب کر بیٹھے گا۔ اور اگر تم صبر کرو تو تمہارے حق میں زیادہ اچھا ہے اور اللہ بڑا حفاظت کرنیوالا اور مہربان ہے"۔ اِن آیات سے کئی باتیں صاف ہوتی ہیں سب سے پہلے تو پادری سیل صاحب کا یہ جھوٹا اعتراض ہی دُور ہوتا ہے کہ اسلام نے لونڈیوں کو کسبیوں کی طرح رکھنے کی اجازت دی۔ یہاں صاف فرمادیا ہے کہ لونڈی قید نکاح میں ہوکر رہے اور نہ کھلی بدکاری بازاری عورتوں کی طرح کرے۔ اور نہ چھپے آشنا رکھے یعنی جیسے بعض عورتیں گھروں میں رہ کر زنا کرتی ہیں۔ دوسرا ان آیات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ کسوقت اور کن شرائط کے ماتحت ایک آزاد مرد ایک لونڈی سے نکاح کرسکتا ہے۔ اور تیسرا یہ کہ لونڈی اگر خاوند کے سوا کسی دوسرے سے تعلق رکھے گی تو اسکو مرتکب زنا سمجھکر سزا دی جاوے گی۔

جہانتک میں نے اس سوال پر غور کیا ہے قرآن کریم سے ہرگز یہ ثابت نہیں ہوتا کہ آقا کو اختیار تھا کہ جسوقت جس لونڈی سے چاہے صرف اس وجہ سے کہ وہ اسکی مملوکہ ہے وطی کرے۔ یہ ایک غلط نتیجہ ہے جو اس آیت سے نکالا گیا ہے۔ والذین ھم لفروجھم حٰفظون الا علیٰ ازواجھم او ما ملکت ایمانھم۔ اس سے یہ سمجھ لیا گیا ہے کہ ازواج کو ما ملکت ایمانھم سے الگ بیان کرنیکا مطلب یہ ہے کہ ما ملکت ایمانھم کو بغیر زوجیت میں لانیکے آقا کو انسے وطی کرنا جائز تھا۔ یہ ٹھیک نہیں۔ ازواج اور مملوک یمین کو الگ بیان کرنیکا منشا صرف اس امتیاز کو ظاہر کرنا تھا جو آزاد عورتوں اور لونڈیوں میں رکھا گیا تھا۔ اس امتیاز کی شہادت قرآن کریم سے بھی ملتی ہے کیونکہ عام طور پر یہ اجازت نہیں دیگئی کہ آزاد مرد لونڈیوں سے نکاح کریں بلکہ سخت مجبوری کی حالت میں اسے جائز قرار دیا گیا ہے۔ یعنی ایک شخص ضرورت نکاح کی بھی رکھتا ہو پھر اسے کوئی آزاد عورت خواہ وہ غریب ہی ہو نہ ملسکتی ہو پھر اُسے ڈر بھی ہو کہ اگر نکاح نہ کیا تو بدکاری میں مبتلا ہو جائیگا۔ تب وہ لونڈی سے ہی نکاح کرلے مگر پھر بھی ساتھ فرمادیا ہے کہ صبر کرو تو بہتر ہی ہے۔ پس جب خود قرآن شریف نے آزاد عورتوں اور لونڈیوں کی حیثیت میں اسقدر فرق رکھا ہے اور لونڈی کے ساتھ نکاح کی صرف مجبوری کی حالت میں اجازت دی ہے تو پھر کیا ضروری نہ تھا کہ

لونڈیوں کا ذکر ازواج یعنی آزاد عورتوں سے الگ کیا جاتا۔ لفظ زوج میں جہاں ایک طرف خاوند یا بیوی ہونیکا مفہوم موجود ہے ساتھ ہی ایک برابری کا مفہوم بھی موجود ہے کیونکہ زوج جوڑے کو کہتے ہیں یعنی وہ دونوں چیزیں ایک دوسری اور ایکدوسرے کی ہم پلّہ ہوں۔ مگر چونکہ لونڈی میں حیثیت کی مساوات خاوند کے ساتھ نہیں پائی جاتی تھی اسواسطے اسکو ازواج سے الگ کر کے بیان کیا۔ علاوہ ازیں یہ بات بھی یاد رکھنی چاہیئے کہ الفاظ ما ملکت ایمانہم کا مفہوم صرف لونڈیاں نہیں بلکہ اس میں لونڈیاں اور غلام دونوں داخل ہیں پس یہ تو کہا نہیں جا سکتا کہ ہم ان الفاظ کے مفہوم کی تحدید نہیں کر سکتے کیونکہ ان معنوں میں اسقدر عمومیت ہے کہ تحدید کرنی لازمی ہے پس جب کسی وجہ پر ایک طرح کی تحدید ہو سکتی ہے تو کسی دوسری کافی وجہ پر کوئی اور قید بھی انہی معنوں پر لگ سکتی ہے اور یہ قید کہ وہ مملوکہ عورتیں جنکا یہاں ذکر ہے نکاح میں بھی داخل ہونی چاہیئیں نہ صرف اسی جگہ سے جہاں یہ الفاظ استعمال ہوئے ظاہر ہے بلکہ قرآن شریف کی صریح نص جو دوسری جگہ موجود ہے اس تحدید کو ضروری ٹھہراتی ہے۔

میرا دعویٰ یہ ہے کہ جہاں قرآن شریف نے آزاد مردوں کے لئے ازواج کے علاوہ لونڈیوں کو بھی جائز ٹھہرایا تو اسکا منشاء یہ نہ تھا کہ لونڈیاں بلا نکاح ہی گھروں میں ڈال لی جاویں یا جس کی ملک میں ہوں وہ انسے بلا نکاح وطی کرے بلکہ منشا اس حکم کا یہ تھا کہ آزاد مردوں کو یہ اجازت ہے کہ ضرورت کے وقت لونڈیوں میں سے بھی بیویاں بنالیں یعنی انکو اپنے نکاح میں لے آویں۔ اب اس دعوے کے دلائل میں بیان کرتا ہوں۔

سب سے پہلے دیکھتے ہیں کہ قرآن شریف نے خود ہی تمام مومنوں کو صاف اور صریح الفاظ میں یہ حکم دیا کہ وہ اپنی عباد یعنی غلاموں اور اماء یعنی لونڈیوں کے نکاح کر دیویں۔ اب یہ دعویٰ کہ قرآن شریف لونڈیوں کے آقاؤں کو یہ اجازت دیتا ہے کہ وہ انکے ساتھ صرف انکے مملوکہ ہونیکی وجہ سے وطی کر لیا کریں پہلے حکم کے خلاف ہے۔ اگر یہ اجازت تھی تو پھر انکے نکاحوں کے حکم دینے کی کیا ضرورت تھی یہ دونوں باتیں خود ایک دوسرے کی تردید کرتی ہیں کہ ایک طرف آقا کو کہا جائے کہ تم اپنی لونڈی کا نکاح کسی دوسرے سے کر دو اور دوسری طرف اسے کہا جائے کہ تم بلا نکاح خود اس سے وطی کر لیا کرو۔ اگر لونڈی کے محض مملوکہ ہونیکی وجہ سے آقا کو اس کے ساتھ وطی کا حق پیدا ہو جاتا تھا اور ملک ہی قائمقام نکاح تھی تو پھر نکاح کا حکم کیوں دیا کیونکہ جب ایک ایسی صورت موجود ہے کہ ایک مرد اور عورت میں میاں بیوی کا تعلق موجود ہے تو پھر اس تعلق کے ہوتے ہوئے یہ کہنا کہ تم اس لونڈی کا نکاح کہیں اور کر دو خلاف عقل ہے۔ مگر چونکہ سورۃ نور نے قطعی طور پر آقا کو اپنی لونڈیوں کے نکاح کر دینے کا حکم صاف الفاظ میں دیا ہے پس اس حکم کے ہوتے ہوئے وہی کتاب یہ اجازت نہ دیسکتی تھی کہ آقا خود بھی بلا نکاح اسے بطور منکوحہ کے استعمال کرے۔

پھر دوسرا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر ایک آقا اپنی لونڈی کا نکاح کسی دوسرے مرد یا غلام ہی کر دیوے تو

کیا پھر بھی مِلکِ یمین کے حق سے اس لونڈی کے ساتھ وہ وطی کر سکتا تھا؟ ظاہر ہے کہ اس سوال کا جواب نفی ہے۔یعنی ایسا حق اسکو ہرگز نہ ہوسکتا تھا۔لیکن اگر اسکا جواب نفی میں دیا جاوے تو ساتھ ہی اس دعوے کی بھی نفی ہو جائیگی کہ مِلکِ یمین سے وطی کا حق آقا کو حاصل ہوجاتا تھا کیونکہ مِلکِ یمین تو باوجود نکاح کے ویسی کی ویسی موجود ہے۔اور اگر مِلکِ یمین سے بدون کسی اور شرط کے وطی جائز تھی تو پھر مذکورہ بالا سوال کا جواب بھی ہاں ہوگا مگر قرآن شریف اس جواب کی تردید کرتا ہے جس سے ثابت ہُوا کہ قرآن شریف محض مِلکِ یمین سے وطی کی بھی تردید کرتا ہے۔

اس سے صاف ظاہر ہے کہ الفاظ ما ملکت ایمانہم کو محض مملوک کے عام اور وسیع معنوں میں نہیں لے سکتے بلکہ اوّل تو اس سے مراد مملوکہ عورتیں ہیں اور پھر انہیں سے وہ عورتیں جنکو بطور بیویوں کے نکاح میں لایا گیا ہے اس طریق پر جو سورۂ نساء آیت ۲۹ و ۳۰ میں بیان کیا گیا ہے۔یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ جہاں ان آیات میں لونڈیوں سے نکاح کا صاف الفاظ میں حکم دیا ہے وہاں بھی وہی الفاظ ما ملکت ایمانکم ہی استعمال کئے ہیں اب یہ بات ظاہر ہے کہ لونڈیاں جنسے نکاح کیا گیا ہے وہ بھی ما ملکت ایمانکم میں ہی داخل ہیں پس ہمیں ماننا پڑیگا کہ اس آیت والذین ہم لفروجہم حافظون الا علیٰ ازواجہم او ما ملکت ایمانہم میں منکوحہ لونڈیاں جنکے ساتھ حسب ارشاد آیت سورۂ نساء نکاح کئے گئے ہیں اور ایسا ہی دوسری منکوحہ لونڈیاں بھی الفاظ ما ملکت ایمانہم داخل ہیں۔کیونکہ نکاح سے وہ مملوک ہونیسے نہیں نکل گئیں۔پس جس صورت میں کم از کم ما ملکت ایمانہم میں منکوحہ لونڈیاں بھی داخل ہیں تو یہ مفہوم ان الفاظ سے نہیں نکالا جاسکتا کہ یہ صرف وہی لونڈیاں ہیں جنسے مِلکِ یمین سے وطی کیجاوے اور مِلکِ یمین کی شرط مفقود ہوگئی۔علاوہ ازیں جب قرآن کریم نے اسبات کی تصریح کردی کہ کن صورتوں میں آزاد مرد لونڈیوں سے نکاح کرسکتا ہے تو یہ خیال کرنا کہ اسکے علاوہ کوئی اور قانون بھی ہے جسکا قرآن شریف میں ذکر نہیں غلطی ہے۔ان آیات میں ومن لم یستطع منکم طولاً میں کُل آزاد مرد داخل ہیں۔اور کوئی استثناء نہیں کہ جسکے ہاں لونڈی اپنی مِلک کی موجود ہو وہ نکاح نہ کیا کرے۔

اسی کی شہادت قرآن کریم کے دیگر مقامات سے بھی ملتی ہے۔سورۂ احزاب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے متعلق فرماتا ہے۔قد علمنا ما فرضنا علیہم فی ازواجہم و ما ملکت ایمانہم اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ ازواج اور ما ملکت ایمانہم کے معاملہ میں جو کچھ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں مقرر فرمایا ہے اسکا ذکر قرآن شریف میں کسی جگہ کیا بھی گیا ہے۔سو یہ ذکر سوائے سورۂ نساء کی ان آیات کے جو اوپر لکھی گئی ہیں اور کسی جگہ موجود نہیں یہی ایک

مقام ہے جہاں مفصل یہ بیان فرمایا ہے کہ کن حالات میں لونڈیوں سے نکاح کرنا چاہیئے اور کس طرح انکا مہر ادا کرنا چاہیئے۔ پس سورہ احزاب میں جو اشارہ ہے وہ انہیں آیات کی طرف ہے۔ اس کے سوائے دوسری آیات میں صاف اس کے ذکر نہیں کہ مومنوں کو ازواج اور ماملکت ایمان کے سوائے اپنے فروج کے حفاظت کرنی چاہیئے۔ سوائے ان مقامات پر ازواج یا ماملکت ایمان کے بارہ میں کچھ بیان نہیں کیا۔ یہ بیان ازواج کے متعلق تو قرآن شریف کے مختلف مقامات میں ہے مگر مملوکوں کے بارہ میں سوائے سورۂ نساء کی ۲۹ اور ۳۰ آیت کے اور کسی جگہ نہیں۔ پس قرآن شریف نے خود یہ تصریح فرمادی ہے کہ ماملکت ایمانھم کے بارہ میں جو کچھ قرآن شریف میں دوسری جگہ فرض کر دیا گیا ہے اسکے سوا اور اسکا کچھ منشا نہیں۔

ایک موقعہ اور بھی قابل ذکر ہے۔ سورۂ نساء کی ابتدائی آیتوں میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وان خفتم الا تقسطوا فی الیتمیٰ فانکحوا ما طاب لکم من النساء مثنیٰ وثلٰث وربٰع فان خفتم الا تعدلوا فواحدۃ او ما ملکت ایمانکم۔ جسکا مطلب یہ ہے کہ اگر تم کو اندیشہ ہو کہ یتیم لڑکیوں کے بارہ میں جنکو تم اپنے نکاح میں لاؤ) انصاف قائم نہ رکھ سکو گے تو (دوسری) عورتوں میں سے جو تمہیں اچھی لگیں دو دو تین تین اور چار چار سے نکاح کر لو لیکن اگر تم کو اندیشہ ہو کہ کئی بیویوں میں عدل نہ کر سکو گے تو پھر (نکاح کرو) ایک ہی بی بی سے یا انسے جنکے تمہارے دہنے ہاتھ مالک ہو چکے۔ اب اس میں کسی کو کلام نہیں ہو سکتا کہ واحدۃ اور ما ملکت ایمانکم دونوں فعل جسقدر انکحوا کے نیچے ہیں۔ دوسرا کوئی فعل اس آیت میں یا اس سے پہلی آیتوں میں ایسا نہیں جسکے متعلق انکو کر سکیں۔ کم از کم اس سے تو انکار نہیں ہو سکتا کہ واحدۃ اور ما ملکت ایمانکم ایک ہی حالت میں ہیں اگر ایک ہی بی بی بغیر نکاح کے آدمی کے لیئے درست نہیں ہو سکتی تو ما ملکت ایمانکم بھی بغیر نکاح کے درست نہیں ہو سکتی پس یہ آیت بھی لونڈیوں سے نکاح پر قطعی دلالت کرتی ہے۔ مگر اس جگہ بھی وہ احکام بیان نہیں ہوئے جنکا اشارہ سورہ احزاب میں پایا جاتا ہے بلکہ تفصیل احکام کے لیئے ہمیں انہیں آیتوں کی طرف رجوع کرنا پڑتا ہے جو ومن لم یستطع سے شروع ہوتی ہیں

اس طرح پر کم از کم چار موقعہ قرآن کریم میں ایسے موجود ہیں جن میں بڑی صفائی اور وضاحت سے لونڈیوں کے نکاح کا حکم یا بیان ہے۔ یعنی سورۂ بقرہ کی آیت ۲۲۲ جس میں یہ ارشاد ہے کہ نکاح کرتے وقت آزاد مشرکہ پر مسلمان لونڈی کو ترجیح دیجاوے۔ سورۂ نور کی ۳۲ ویں آیت جس میں صاف حکم ہے کہ اپنے غلام اور لونڈیوں کے نکاح کر دیا کرو۔ سورۂ نساء کی تیسری آیت جس میں لونڈیوں سے نکاح کرنیکی اجازت ہے اور اسی سورۃ کی انتیسویں اور تیسویں آیتیں جن میں وہ حالات بیان کیئے گئے ہیں

جنکے ماتحت ایک آزاد مسلم مسلمہ لونڈی سے نکاح کرسکتا ہے۔ اور صرف دو موقعہ ایسے ہیں جن میں قرآن شریف نے سوائے ازواج اور ماملکت ایمان کے دوسری عورتوں سے منع کیا ہے۔ جس سے ملک یمین نکالی جاتی ہے۔ مگر مَیں یہ دکھا چکا ہوں کہ اس جگہ مقصود صرف آزاد عورتوں اور لونڈیوں کا مقابلہ ہے۔ اور الفاظ ماملکت ایمانھم کے وسیع معنی نہیں لئے جاسکتے بلکہ انپر بعض قیود لگانی پڑتی ہیں۔ مثلاً ایک طرف جب قرآن شریف ہی حکم دیتا ہے کہ اپنی لونڈیوں کے نکاح کردیا کرو تو کم از کم ایسی منکوحہ لونڈیوں کے ساتھ ملک یمین سے وطی جائز ہوسکتی تھی۔ بلکہ پھر یہ فعل زنا کی تعریف میں آئیگا۔ ایسے ہی یہ قید بھی ضروری ہے کہ وہ لونڈیاں بغیر نکاح کے تصرف میں نہ لائی جاویں کیونکہ اسکا ذکر سورۂ نساء کی آیت ۲۹ و ۳۰ میں بالصراحت موجود ہے۔ اور علاوہ ازیں ازواجکا مقابلہ مملوک سے خود انہی معنوں کو چاہتا ہے۔ گویا مقصود ان مقامات پر صرف اسقدر بیان کرنیکا ہے۔ کہ لونڈیوں کے ساتھ بھی نکاح جائز ہے۔ کن صورتوں میں جائز ہے اسکا پتہ دوسرے مقام سے ملتا ہے۔ علاوہ ازیں یہ بات خود ظاہر ہے کہ جہاں مرد و عورت کے تعلق کا ذکر ہے وہاں نکاح کا مفہوم خود ضروری ہے۔ اسکی مَیں دو مثالیں دیتا ہوں سورہ نساء میں ہی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وان خفتم الا تقسطوا فی الیتٰمی۔ اس جگہ لفظ تو صرف یتامیٰ بولا۔ مگر مراد اس سے ہر قسم کے یتیم نہیں بلکہ یتیم لڑکیاں اور ان میں بھی وہ جو باوجود ولی ہونیکے نکاح میں لائی جاویں درا صل یہ موقعہ ماملکت ایمانھم سے خوب مطابقت کھاتا ہے۔ یہاں صرف یتامیٰ کا ذکر کرکے مراد لیا ہے یتیم لڑکیاں جو نکاح میں لائی جاویں وہاں صرف مملوک کا ذکر کرکے مراد لیا ہے مملوکہ عورتیں جو نکاح میں لائی جاویں اگر کسی کو ایک جگہ ایسے معنے لینے میں اعتراض ہے تو دوسری جگہ کیوں نہیں۔ دوسرا موقعہ سورۂ احزاب کی آیت ہے یاایھا النبی انا احللنا لك ازواجك التی اٰتیت اجورھن وما ملكت یمینك مما افاء اللہ علیك وبنت عمك وبنت عمٰتك وبنت خالك وبنت خٰلٰتك التی ھاجرن معك۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے حلال کی گئی ہیں۔ اوّل آپکی ازواج جنکے آپ مہر دے چکے ہیں۔ دوئم۔ مملوکہ یمین جو خدا نے آپ کو دی ہیں۔ سوئم۔ چچا اور پھوپھیوں اور ماموں اور خالاؤں کی بیٹیاں۔ اب اگر مملوکہ یمین بغیر ازواج کے داخل ہونیکے حلال ہوتیں تو پھر چاہیئے کہ قسم سوئم کی عورتیں یعنی چچا وغیرہ کی بیٹیاں بھی بغیر ازواج میں داخل ہونیکے حلال ہوتیں۔ پس ایک تو اس آیت سے یہ معلوم ہُوا کہ ملک یمین والی عورتیں بھی آپ کے لئے اُسی صورت میں حلال تھیں کہ آپ انسے نکاح کرتے۔ جیسا کہ چچا وغیرہ کی بیٹیاں بھی نکاح کرنے کے بعد ہی حلال تھیں اور دوسرا یہ ثابت ہُوا کہ اسی قسم کی آیت جو الا علیٰ ازواجھم او ما ملكت ایمانھم ہے

وہاں بھی ملک یمین والی عورتیں ازواج کی طرح ہی نکاح میں آنی چاہئیں۔ میں نہیں سمجھتا اس سے بڑھکر صریح شہادت اس امر کی اور کیا ہو سکتی ہے کہ لونڈیوں کے ساتھ نکاح ضروری تھا خواہ وہ اپنی لونڈی ہو یا دوسرے کی۔

یہ تو قرآن شریف کی شہادت ہے اور اس سے بڑھکر معتبر شہادت اور کوئی پیش نہیں ہو سکتی مگر دو ذرائع شہادت کے اور بھی ہیں جو قرآن کریم کے موید ہیں۔ یعنی حدیث اور سنت یا عمل رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم وصحابہ کبار رضی اللہ عنہم۔ ان میں سے حدیث میں میں سب سے زیادہ معتبر کتاب بخاری کو لیتا ہوں کہ اس میں اس امر کے متعلق کونسی حدیثیں آئی ہیں کوئی حدیث اصح الکتب بعد کتاب اللہ میں ایسی نہیں ملتی جس میں یہ بیان کیا گیا ہو کہ صرف ملک یمین سے اور بغیر نکاح کے لونڈی سے وطی کرنا جائز ہے۔ بلکہ ایک ہی حدیث جو اس امر کے متعلق ملتی ہے اس سے اس خیال کی تردید ہوتی ہے۔ یہ حدیث امام بخاری علیہ السلام نے دو جگہ دو مختلف روایتوں سے بیان کی ہے۔ ایک غلاموں کی آزادی کے باب میں۔ اور دوسری جگہ نکاح کے باب میں۔ پہلے موقعہ پر جس طرح یہ حدیث آئی ہے اسکو میں اپنے موقعہ پر گذشتہ مضامین میں بیان کر چکا ہوں۔ دوسرے موقعہ پر یہ حدیث اس طرح پر آئی ہے۔ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایما رجل کانت عندہ ولیدۃ فعلمھا فاحسن تعلیمھا و ادبھا فاحسن تادیبھا ثم اعتقھا و تزوجھا فلہ اجران و ایما رجل من اھل الکتاب آمن بنبیہ و آمن بی فلہ اجران و ایما مملوک ادی حق موالیہ و حق ربہ فلہ اجران۔ ترجمہ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص کے پاس لونڈی ہو پھر وہ اُسے تعلیم دے اور نہایت عمدہ تعلیم دے اور اسکو اخلاق سکھائے اور نہائت عمدہ اخلاق سکھائے پھر اسکو آزاد کرے اور پھر اس سے نکاح کرے تو اسکو دوہرا اجر ملیگا۔ اور جو شخص اہل کتاب میں سے اپنے نبی پر ایمان لائے اور مجھ پر بھی ایمان لائے تو اس کو دوہرا اجر ملیگا۔ اور جو غلام اپنے آقا کا حق ادا کرے اور اپنے رب کا حق بھی ادا کرے تو اس کو دوہرا اجر ملیگا۔ اب ان الفاظ سے یہ مطلب نہیں کہ جو شخص ان باتوں کی خلاف ورزی کرے اسکو بھی ایک اجر ضرور ملیگا۔ مثلاً اہل کتاب میں سے جو شخص اپنے نبی پر ایمان لاتا ہے مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہیں لاتا وہ نافرمان ہے اور غلام جو اپنے آقا کے احکام کی فرمانبرداری کرتا ہے مگر اللہ تعالیٰ کے احکام کی فرمانبرداری نہیں کرتا وہ بھی بے فرمان ہے۔ اسیطرح جو شخص لونڈی کو بغیر تعلیم دینے اور آزاد کرنیکے اور بغیر نکاح کرنیکے وطی کرتا ہے وہ بھی نافرمان ہے۔

تینوں صورتیں ایک سی ہی ہیں۔ گویا انہیں صرف ترغیب ہی نہیں بلکہ حکم ہے کہ ہر ایک آدمی کو ایسا ہی کرنا چاہیئے دوہرا اجر اسواسطے کہا کہ دو کام نیکی کے ایسے شخص نے کیئے۔ لونڈی کو تعلیم بھی دی اور اسے آزاد کر کے اس سے نکاح بھی کیا۔ اہل کتاب اپنے نبی پر بھی ایمان لایا اور نبی آخر الزمان علیہ الصلوٰۃ والسلام پر بھی ایمان لایا غلام نے اپنے آقا کا حکم بھی مانا اور خدا وند تعالیٰ کے احکام کو بھی بجا لایا۔ اس سے سمجھ لینا چاہیئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کسقدر تاکید کرتے ہیں کہ اگر ایک شخص کی اپنی لونڈی ہو تو اُسے چاہیئے کہ اُسے تعلیم بھی اعلیٰ درجہ کی دے آزاد بھی کرے اور پھر اس سے نکاح بھی کرے۔

ایک اور حدیث جسے امام بخاری علیہ السلام نے باب نکاح میں ہی بیان کیا ہے اس مضمون پر روشنی ڈالتی ہے عن انس رضی اللہ عنہ قال اقام النبی صلی اللہ علیہ وسلم بین خیبر والمدینۃ ثلثا یبنی علیہ بصفیۃ بنت حیی فدعوت المسلمین الی ولیمتہ فما کان فیہا من خبز ولا لحم امر بالانطاع فالقی فیہا من التمر والاقط والسمن فکانت ولیمتہ فقال المسلمون احدی امہات المؤمنین او مما ملکت یمینہ فقالوا ان حجبہا فہی من امہات المؤمنین وان لم یحجبہا فہی مما ملکت یمینہ فلما ارتحل وطی لہ خلفہ ومد الحجاب بینہا وبین الناس۔ یعنی انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خیبر اور مدینہ کے درمیان تین دن ٹھہرے جہاں صفیہ بنت حیی بطور عروس کے آپکے پاس لائی گئی۔ پھر میں نے مسلمانوں کو آپکے ولیمہ کے لئے دعوت کی اور اس میں روٹی اور گوشت نہیں تھا۔ پھر دستر خوان بچھائے گئے اور انہیں کھجوریں اور پنیر اور گھی ڈالا گیا سو یہ آپ کا ولیمہ تھا۔ پھر مسلمانوں نے آپس میں کہا کہ آیا امہات المؤمنین میں سے ایک ہونگی یا ما ملکت یمینہ میں سے یعنی لونڈیوں میں سے۔ آخر انہوں نے یہ فیصلہ کیا کہ اگر آپ انکو پردہ میں رکھیں تو انہیں امہات المؤمنین میں سے سمجھنا چاہیئے اور اگر پردہ نہ رکھیں تو ما ملکت یمینہ میں سے ہونگی پس جب آپ نے کوچ کیا تو اپنے پیچھے صفیہ رضی اللہ عنہا کو بٹھایا اور انکے اور اور لوگوں کے درمیان پردہ ڈال دیا۔

اس حدیث سے بہت سے ضروری نتائج پیدا ہوتے ہیں پہلا نتیجہ جسکو مضمون زیر بحث سے کوئی تعلق نہیں یہ ہے کہ یہودیوں کو فتح کرنے کے بعد بھی آپ اپنے صحابہ کی دعوت میں گوشت اور روٹی نہیں دے سکتے تھے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ کسقدر جھوٹ ہے جو کہا جاتا ہے کہ آپ کی جنگیں لوٹ کی خاطر تھیں۔ یہودیوں کی قوم ہو جو دنیا میں ہر جگہ اپنی دولتمندی کے لئے مشہور رہے ہیں اور جو مدت تک عیسائی بادشاہوں کے ہاتھوں سے سخت ظلم اُٹھاتے رہے محض روپے کی خاطر۔ اور انکو فتح کرنے کے بعد بھی آپ کی اور آپکے صحابہ کی یہ حالت ہو

پس یہ کسقدر ظلم ہے جو کہا جاتا ہے کہ لوٹ کی خاطر سب کچھ کرتے تھے؟ مگر اس بحث سے اسجگہ ہمیں کوئی تعلق نہیں مضمون زیر بحث کے متعلق جو نتیجہ اس سے پیدا ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ ازواج اور ما ملکت ایمان یعنی بیویوں اور لونڈیوں میں سوائے حجاب کے اور کوئی فرق نہ تھا۔ کیونکہ اس حدیث سے ثابت ہے کہ نکاح بھی ہو چکا اور ولیمہ بھی ہو چکا تھا اور ابھی مسلمان متذبذب تھے کہ آیا انہیں آپ کی بیوی قرار دیں یا لونڈی۔ اور آخر حجاب پر فیصلہ کیا جس سے معلوم ہوا کہ بیوی اور لونڈی میں سوائے حجاب کے اور کوئی فرق نہ تھا۔ نکاح وغیرہ کے مراسم اور باقی سب امور میں دونوں یکساں تھیں حضرت صفیہ جنگ میں بطور قیدی کے آئی تھیں اور آپ نے انسے نکاح بھی کیا اور ولیمہ بھی ہو گیا مگر انہیں سے کوئی بات ایسی ممیز نہ تھی جس سے یہ فیصلہ ہو جاتا کہ وہ ام المومنین ہیں یا مملوکہ۔ فیصلہ کُن امر صرف یہ تھا کہ حجاب میں رکھتے ہیں یا نہیں اس سے ساری مشکلات حل ہو جاتی ہیں کیونکہ اصل تمیز حرہ اور مملوکہ میں نکاح کی نہ تھی بلکہ حجاب کی تھی۔ اور یہ قرآن شریف کے بھی مطابق ہے کیونکہ قرآن شریف نے بھی اور کوئی فرق حرہ اور مملوکہ میں قرار نہیں دیا سوائے اس کے کہ مملوکہ کا مرتبہ حرہ کے برابر نہ تھا اور اسی لئے وہ پردہ میں نہ رکھی جاتی تھی ورنہ نکاح ایسا ہی ضروری تھا جیسا حرہ کی صورت میں۔

ایک اور حدیث سے جو وہ بھی بخاری میں مذکور ہے یہ معلوم ہوتا ہے کہ نکاح سے پہلے صفیہ آزاد بھی کر دی گئی تھیں۔ اس کے بعد بھی صحابہ کے متذبذب ہونے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ باوجود آزاد کر کے نکاح کرنے کے بھی ایک عورت ما ملکت ایمان میں داخل ہو سکتی تھی۔ اور صحیح اور ممیز فرق حرہ اور مملوکہ میں سوائے حجاب کے کچھ نہ تھا بلکہ ایسا معلوم ہوتا ہے جیسا کہ اس سے پہلی حدیث کا منشاء ہے کہ مالک کو حکم تھا کہ اگر وہ خود لونڈی سے نکاح کرنا چاہے تو اسکو آزاد کرنیکے بغیر نہ کرے یہی وہ طریق تھا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود صفیہؓ کے نکاح میں ملحوظ رکھا۔ ان صحیح اور یقینی احادیث کے خلاف جنکی قرآن شریف سے بھی تائید ہوتی ہے اگر کوئی کم پایہ کی ایسی حدیث بھی ہو جس میں کوئی ایسا واقعہ مروی ہو کہ کسی شخص نے ملک یمین سے وطی کی تو ایسے بلا تائید بیان کی ہم تصدیق نہیں کر سکتے کیونکہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ اسکی تردید کرتے ہیں۔

تیسرا ذریعہ شہادت کا امر زیر بحث کے متعلق رسول اللہ علیہ وسلم کا اپنا طریق عمل ہے۔ کیونکہ ملک یمین جیسی مومنوں کے لئے جائز تھی ویسی ہی آپ کے لئے بھی جائز تھی۔ اس امر کو بالاتفاق تسلیم کیا گیا ہے کہ ملک یمین والی عورتوں میں سے جویریہ اور صفیہ آپ کے پاس تھیں۔ اور ساتھ ہی یہ بھی بالاتفاق تسلیم کیا گیا ہے کہ ان دونوں کو آپنے آزاد کر کے انکے ساتھ نکاح کیا۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ یہ دونوں آپ کے ملک یمین میں آچکی تھیں کیونکہ سرار ی میں تھیں پھر آپکو کیا ضرورت تھی کہ انکو آزاد کرتے اور پھر انسے نکاح کرتے۔ آپکے اس عمل سے صاف ظاہر ہے کہ آپ کا منشاء وہی تھا جو آپنے ایک حدیث میں بیان فرمایا کہ جسکے پاس لونڈی ہو اُسے چاہیئے کہ

اُسے تعلیم دے اور آزاد کرے اور پھر اُس سے نکاح کرے۔ ایک طرف آپکے لفظ اور دوسری طرف آپکا امہات المومنین جویریہ اور صفیہ رضی اللہ عنہما سے یہ طریق عمل کہ محض مِلکِ یمین سے انکو اپنے تصرف میں نہیں لائے بلکہ ہر دو کو آزاد کرکے اُن سے نکاح کیا۔ یہ قول اور فعل بھی اگر کسی کو اس بات کے حق ہونیکے قائل نہیں کرسکتے تو اسکا تو میری پاس کوئی جواب نہیں۔ لیکن جو شخص آپکے قول اور فعل کی پیروی کرنا چاہتا ہی اسکے لئے یہ شہادت کافی ہے۔ ماریہ قبطیہ اور ریحانہ کے متعلق جو کہا گیا ہے کہ وہ ہر دو مِلکِ یمین سے آپکے تصرف میں تھیں بالکل غلط ہی۔ ماریہ کے متعلق اس امر میں کسی کو اختلاف نہیں کہ وہ حجاب میں رکھی گئی تھیں۔ اور جیسا کہ اُمّ المومنین صفیہ کے نکاح والی حدیث سے معلوم ہوتا ہے حجاب ہی اصل امتیاز حرہ اور مملوکہ کے درمیان تھا پس جب ماریہ حرہ تھیں تو نکاح بطریق اولیٰ ثابت ہو گیا۔ ریحانہ کے متعلق بھی متعدد روایات سے یہ ثابت ہے کہ آپنے آزاد کرکے اُس سے نکاح کیا۔ علاوہ ازیں اس امر کو تمام مورخین نے تسلیم کیا ہے کہ آپنے نہ کبھی کوئی غلام رکھا اور نہ لونڈی بلکہ جبھی آپکی مِلک میں کوئی غلام یا لونڈی آتا آپ اُسے آزاد کردیتے پھر کیونکر ممکن تھا کہ آپ خدمتگاروں تک کو تو غلامی میں رکھنا پسند نہ کرتے اور بیویوں کو غلامی میں رکھتے۔ آپکے بعد ہمارے لئے حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کا عمل دیکھنا کافی ہے سو اُنکے متعلق بھی یہ بالاتفاق تسلیم کیا گیا ہے کہ کوئی لونڈی اُنکے پاس نہ تھی جسکے ساتھ وہ مِلکِ یمین سے وطی کرتے ہوں۔ مَیں نہیں سمجھتا کہ اگر نکاح اور مِلکِ یمین دو الگ الگ باتیں ہوتیں اور جیسا نکاح سے مرد اور عورت کا تعلق جائز سمجھا جاتا تھا ایسا ہی صرف مِلکِ یمین سے بغیر نکاح کے ایسا تعلق جائز ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنا عمل اور حضرت ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما کا عمل کیوں اسکے خلاف ہوتا بلکہ چاہیئے تھا کہ جس طرح اُنکے پاس منکوحہ بیویاں تھیں کچھ ایسی عورتیں بھی ہوتیں جنہیں وہ مِلکِ یمین سے بغیر نکاح کے اپنے تصرف میں لاتے۔

یہ بات پہلے بھی بیان ہو چکی ہے کہ کوئی حدیث جس سے مِلکِ یمین کے ساتھ لونڈی کا تصرف میں لانا معلوم ہوتا ہو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک نہیں پہنچتی بلکہ آپکے الفاظ صاف نکاح کی ہی تائید کرتے ہیں۔ پس جو اس قسم کی روایتیں ہیں اوّل تو اُنسے نکاح کی نفی نہیں ہوتی اگر ہوتی بھی تو وہ قرآن شریف و صحیح احادیث اور سُنّت کے خلاف ہیں۔ اس لئے ہم اُنکو مان کر ان تینوں کو نہیں چھوڑ سکتے جنپر مذہب اسلام کی بنا ہے۔ علاوہ ازیں لونڈیوں کے متعلق اس قسم کی ممانعتیں موجود ہیں جیسی منکوحہ عورتوں کے متعلق مثلاً یہ کہ دو بہنوں کا اکٹھا رکھنا یا بیٹے کا باپ کی موطوءہ لونڈی کو تصرف میں لانا وغیرہ وغیرہ جو صاف طور پر قرآن شریف کے اُس حکم سے لی گئی ہیں جو اس آیت سے شروع ہوتا ہے حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهَاتُكُمْ ... الی آخر الآیۃ۔ یعنی ان عورتوں سے تمہارے لئے نکاح کرنا حرام ہے ورنہ لونڈیوں کیلئے کوئی الگ حکم قرآن شریف میں موجود نہیں کہ فلاں فلاں قسم کی لونڈیاں حرام ہیں۔ اس سے بھی اسی بات کی تائید ہوتی ہے کہ لونڈیوں کے ساتھ اسی طرح نکاح کیا جاتا تھا خواہ آزاد کرکے یا آزاد کرنیکے بعد جس طرح حرہ عورتوں سے نکاح کیا جاتا

[illegible]

عصر جدید کا بے وجہ جوش اور سلسلہ احمدیہ کی اصلی غرض

ایڈیٹر صاحب عصر جدید نے بعنوان "نئے مسیحیوں کا طیش" اپنے اکتوبر کے پرچے میں ایک نوٹ لکھا ہے جسمیں انکا غضب اس حد تک پہنچ گیا ہے کہ اس سلسلہ کو شیطانی سلسلہ کہتے ہوئے نہ ہی شرم دامنگیر ہوئی اور نہ ہی وہ جھوٹ موٹ کی تہذیب مانع ہوئی جسکا آپ کو بڑا دعویٰ ہے۔ آپکی ناراضگی اس امر پر ہے کہ حضرت مرزا صاحب کے مریدوں نے اُنکے مضمون کے جواب میں بڑے بڑے مضمون کیوں لکھے ہیں۔ مجھے تعجب آتا ہے کہ خواجہ صاحب نے خود ہی پہلے شوق سے کہا کہ جواب لکھا جاوے پھر شکائت کیوں اور غضب کیسا۔ آپنے اگست کے پرچہ پر بالخصوص یہ لکھکر یا لکھوا کر اس سلسلہ کی ساری اخباروں اور دفتروں میں بھیجا کہ اس پرچہ پر ضرور ریویو کیا جائے اور دیگر معززین سلسلہ کے پاس بھی یہ پرچہ بھیجا جو اسکے خریدار نہ تھے۔ اب اگر ہماری جانب سے آپکی تحریر کو لغو اور فضول سمجھکر خاموشی ہوتی تو پھر آپ خدا جانے کس زور شور سے پبلک میں یہ امر پیش کرتے کہ ہمارے ریویو کا جواب نہیں بن سکا۔ لیکن جب آپکی اپنی استدعا کے موجب اسپر ریویو لکھا گیا اور جس جس کے پاس آپنے بھیجا تھا اُسی نے لکھا تو اب آپ لکھنے والوں کو پاگل قرار دے رہے ہیں کہ "وہ دیوانہ وار اور اول فول بکنے لگے"۔ کیا یہی آپکی تہذیب ہے۔ یا تو خود استدعا نہ کرتے اور اس صورت میں شائد ہی کوئی احمدی آپ کی تحریر کی پروا کرتا۔ اور اگر آپنے خود مانگ کر یہ موت لی ہے تو اب اس پیالہ کو پی جانیسے کیوں گھبرا رہے ہیں۔ خواجہ صاحب! آپنے تو منشی ذوالفقار علی خانصاحب کے ان الفاظ کی شکائت کی کہ انہوں نے آپ کو کمزور دماغ یا حاسد یا گورنمنٹ کا باغی کیوں کہا اور آپ کو خود یہ شرم نہ آئی کہ آپنے اہل اسلام کو عیسائی کہا۔ اور اپنے "ایک لائق دوست کو جو بی اے اور وکیل چیف کورٹ" آپکے اپنے الفاظ میں ہیں دیوانہ اور سڑی کہا اور انکی تحریر کو بکنا قرار دیا۔ اور اپنے ایک دوسرے معزز دوست کو جو اسوقت ایک معزز عہدہ پر آپکے کالج فیلو ہیں کمینہ کہا۔ اور پھر اس سلسلہ کے بانی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو جسکو تین لاکھ مسلمان اپنا پیشوا مانتے ہیں صاف الفاظ میں شیطان اور طاغوت کے نام سے پکارا اس جوش خروش کی کیا ضرورت ہے اور آپکو کیا ضرورت پیش آئی ہے کہ اتنی مدت علیگڈھ میں تعلیم پاکر اب لاہور کے جعفر زٹلی اور امرتسر کے مولوی ثناء اللہ کے نقش قدم پر چلنے لگے ہیں۔ کیا ایسی باتیں لکھنے کے لئے وہ کافی نہیں جو اب آپ اُنکا ہاتھ بٹانے کے لئے نکلے ہیں۔ کیا وہ گالیاں نکالکر یا استہزا کر کے جیت گئے ہیں اور اس سلسلہ کی ترقی کو روک دیا ہے جو آپ روک دینگے۔ سوچو اور غور کرو۔

میں نے ماہ اکتوبر کے پرچہ میں آپکو لکھا تھا کہ آپ کا ان اصول کو ہاتھ میں لیکر بحث کرنا ہی غلطی ہے

مگر آپنے اس طرف ابتک توجہ نہیں کی۔ قرآن شریف نے جو امتیازی نشان سچے اور جھوٹے کے درمیان قائم کیا ہے اس کے رُو سے حضرت مرزا صاحب کے دعوے کو پرکھو۔ مجھے تعجب آتا ہے کہ اعتراض کرتے وقت تو عیسائی اور اس سلسلہ کے مخالف بڑی بڑی باریکیاں نکالتے ہیں مگر اس موٹی بات کو نہیں سمجھتے کہ ایک مُدّعی نبوّت میں کس امتیازی نشان کا پایا جانا ضروری ہے جس سے اسکا حق پر ہونا کُھل جائے۔ عیسائیوں کے ہاتھوں میں توریت موجود ہے اور ہزاروں انبیاء کے نمونے اُنکی آنکھوں کے سامنے موجود ہیں مگر کبھی وہ اپنی بحث کو اس رُخ پر نہیں لائینگے کہ توریت نے وہ کونسا امتیازی نشان پیش کیا ہے اور ہزاروں انبیاء کی زندگی میں وہ کونسا امتیازی نشان پایا جاتا ہے جس سے نبی کی نبوت اور منجانب اللہ ہونے پر قطعی اور یقینی ثبوت ملتا ہے۔ اسی واسطے قرآن شریف نے بھی یہودیوں اور عیسائیوں کو یہی کہا کہ فاتوا بالتورٰىة فاتلوھا ان کنتم صادقین۔ مگر افسوس کہ ان لوگوں نے آجتک یہ پہلو اختیار نہ کیا۔ ورنہ ایک نہائت آسان راہ تھی۔ اسی طرح پر میں دیکھتا ہوں کہ اس سلسلہ کے مخالفین استہزا اور اعتراض کرنے اور گالیاں دینے میں تو ایک دوسرے پر سبقت لے جانیکی کوشش کر رہے ہیں مگر کوئی یہ نہیں کہتا کہ قرآن شریف نے کونسا امتیازی نشان سچے اور جھوٹے کے درمیان فرق کرنیکے لئے رکھا ہے آؤ اسکے رُو سے اس مدعی کے دعوے کو بھی پرکھیں۔ کوئی طالب حق ہوتا تو اُسپر بڑی آسانی سے یہ بات کھل جاتی کہ کیوں قرآن شریف نے ایک دو سورتوں میں نہیں بلکہ بار بار اسبات کا اعادہ کیا ہے کہ کیونکر خدا نے اپنے نبیوں کو اسوقت جب کوئی انکا مددگار اور معاون نہ تھا اور چاروں طرف مخالف ہی مخالف تھے کامیابیوں کے وعدے دیئے۔ اور آخر دشمنوں کی تمام کوششوں کو نامراد کر کے اپنی نصرت کے وعدوں کو پُورا کیا۔ کیا یہ قصے عبث بیان کئے گئے ہیں یا محض کہانی کے طور پر نہیں بلکہ یہ نصیحت اور عبرت کے لئے تھے تا مسلمان ٹھوکر نہ کھائیں کہ خدائے تعالیٰ نے حق اور باطل میں کونسا امتیازی نشان قائم کیا ہے۔

پیسے اُسی مضمون میں یہ بھی لکھا تھا کہ "اگر مذہب کی غرض خدا کی ہستی پر یقین پیدا کرنا ہے تو خواجہ صاحب یاد رکھیں کہ اس غرض کو آج سلسلہ احمدیہ کے سوا روئے زمین پر اور کوئی پُورا کرنے والا نہیں۔ یہ جو اصلاح خواجہ صاحب کر رہے ہیں یا کرنیکے مُدعی ہیں۔ وہ خشک لفاظی ہے جب انسان کو اللہ تعالیٰ پر اور اسکے رسول پر زندہ ایمان اور یقین کامل حاصل ہوجاتا ہے تو پھر سب اصول کی پابندی کے وہ قابل ہوجاتا ہے۔ عدل و انصاف۔ کفائت شعاری قومی اتفاق۔ سعی و محنت سب اسی کا نتیجہ ہیں" اس امر کو ایڈیٹر صاحب عصر جدید حضرت مرزا صاحب کی مخالفت میں لکھتے ہوئے تو کبھی تسلیم نہ کرتے مگر انکی کوششوں کی ناکامی نے آخر اُنسے یہ اقرار اسی پرچہ میں کرادیا۔ چنانچہ شبرات کی آتش بازی کے متعلق لکھتے ہوئے وہ لکھتے

ہیں وہ انجمن اصلاح تمدن نے بہت زور اور وضاحت کے ساتھ ہر قسم کی فضول خرچی کے خلاف جہاد کا اعلان کر دیا۔ مگر اب تجربہ بتانا جاتا ہے کہ فضول خرچی طبیعت کی اُس حالت کا نتیجہ ہے جسکا دوسرا نام بدمذہبی اور لامذہبی ہے۔ جو لوگ سچے دل سے خدا کو حاضر و ناظر جانتے ہیں جنکا یقین ہے کہ اس زندگی میں کوئی چیز اپنی نہیں بلکہ خدا کی طرف سے بندوں کے اور اپنے فائدے یعنی بہترین استعمال کے واسطے امانت ہے وہ ایسی لغویات میں کبھی نہیں پڑ سکتے" اس سے ناظرین خواجہ صاحب کی اصلاح کی اصل حقیقت کو سمجھ گئے ہونگے کہ وہ اس سے بڑھکر کچھ نہیں کر سکتے کہ چند باتیں کر دیں۔ اس کا نام اصلاح رکھنا غلطی ہے۔ یہ تو آپکی کفائت شعاری کے اصول کا حال ہے کہ اسپر عمل کرنیکے لئے ضرورت ہے کسی برتر طاقت کی اور وہ طاقت پیدا ہوتی ہے خدا کی ہستی پر یقین کامل اور زندہ ایمان سے۔ پھر جب آپکے اصولوں کا یہ حال ہے تو انکی بنا پر آپ ایک مامور من اللہ کو کس طرح پرکھ سکیں گے۔ سچ بات یہی ہے جو مینے پہلے بھی کہی تھی اور جس کا مویدا اب آپکا یہ اپنا اقرار ہے کہ نہ تو آپکے یہ اصول بذات خود انسان میں عمل کی طاقت پیدا کرتے ہیں اور نہ ہی یہ اس قابل ہیں کہ انکی بنا پر آپ ایک شخص کے منجانب اللہ ہونیکے دعوے کو پرکھ سکیں۔

اب سوال یہ ہے کہ وہ کونسے امور ہیں جو خدا تعالیٰ کی ذات پر وہ زندہ اور کامل یقین پیدا کرتے ہیں جسکے بغیر نہ کفائت شعاری کے اصول پر عمل ہو سکتا ہے اور نہ ہی عدل اور انصاف پر۔ مینے اسی اکتوبر کے رسالے میں یہ دعویٰ کیا تھا کہ اگر مذہب کی غرض خدا تعالیٰ کی ہستی پر یقین کامل اور زندہ ایمان پیدا کرنا ہے تو اس غرض کو آج روئے زمین پر سلسلہ احمدیہ کے سوا اور کوئی پورا کرنیوالا نہیں۔ اس دعوے کو آج کچھ بسط اور دلائل کے ساتھ میں لکھنا چاہتا ہوں۔ سب سے اوّل یہ بات یاد رکھنی چاہیئے کہ ہر ایک نبی نے جو خدا کی طرف سے آیا دو باتوں پر زور دیا ہے اوّل یہ کہ لوگ خدا پر ایمان لائیں اور دوسرا یہ کہ اُسکی نبوت کو اور اس کے منجانب اللہ ہونے کو تسلیم کریں چنانچہ قرآن شریف کے پڑھنے والے پر یہ امر پوشیدہ نہیں۔ ان میں اوّل الذکر امر تو اس کے مشن کا اصل مقصد ہوتا ہے اور ثانی الذکر کا تسلیم کرنا اسواسطے ضروری ہوتا ہے کہ وہ اس مقصد کے حصول کا ذریعہ ہوتا ہے۔ کیونکہ خدا پر زندہ ایمان بغیر نبی کو ماننے کے پیدا نہیں ہو سکتا جس طرح آج نادان معترض اعتراض کر رہے ہیں کہ حضرت مرزا صاحب اپنے آپ کو نعوذ باللہ خدا کے برابر ٹھہراتے ہیں اسی طرح عیسائیوں نے بھی ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ اعتراض کیا ہے کہ آپنے اپنے آپ کو نعوذ باللہ خدا تعالیٰ کے برابر بنانا چاہا اور ایسے احکام دیئے اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول۔ حالانکہ ان احکام کا منشاء تو صرف یہ تھا کہ اگر تم رسول کی پیروی نہیں کرو گے جسے خدا نے تمہاری ہدایت کے لئے ایک نمونہ بنا کر بھیجا ہے اور جس کے وجود میں زندہ نشان اپنی ہستی کے رکھے ہیں تو اللہ تعالیٰ پر تمہیں کہاں ایمان پیدا ہو سکتا ہے اور اس کے

احکام کی فرمانبرداری کی طاقت کیونکر مل سکتی ہے۔ سو یاد رکھنا چاہیئے کہ بعینہٖ اُسی قدیم سُنّت الٰہی کے مطابق اللہ تعالیٰ نے حضرت مرزا صاحب کو بھی مبعوث فرمایا ہے۔ سو آپکا اپنے دعوے کو پیش کرنا اس لئے نہیں کہ یہ آپکے مشن کا اصل مقصد ہے بلکہ یہ تو ایک ذریعہ اس مقصد تک پہنچنے کا ہے چنانچہ اس امر کو آپ بارہا اپنی تحریروں اور تقریروں میں بیان کر چکے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی میرے مامور فرمانے سے غرض تو صرف یہ ہے کہ تا لوگوں کو اسکی ہستی پر زندہ ایمان پیدا ہو اور وہ گناہ سے نجات حاصل کریں۔ باقی رہا موت مسیح کا مسئلہ یا ایسے ہی اور مسائل یہ تو اتفاقی بحثیں ہیں جو درمیان میں آگئی ہیں۔

پس اس سلسلہ کی اصل غرض جیسا کہ مَیں نے ابھی کہا ہے اللہ تعالےٰ کی ہستی پر یقین تام اور زندہ ایمان پیدا کرنا ہے کیونکہ یہی وہ ذریعہ ہے جس سے انسان اپنی زندگی کا اصل مقصد حاصل کر سکتا ہے یعنی یہ کہ گناہ سے نجات حاصل کرے اسی دنیا میں عالمِ آخرت کی لذّات کا مشاہدہ کرلے۔ اور یہ بھی مَیں کہہ چکا ہوں کہ اس مقصد کو پورا کرنیوالا اسوقت سوائے اس سلسلہ کے کوئی نہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ محض نظارۂ قدرت سے خدا کی ہستی پر یقین کامل پیدا نہیں ہو سکتا کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو دنیا میں کسی نبی کے آنیکی ضرورت نہ ہوتی اور اللہ تعالیٰ کے پے در پے نبی اور رسول بھیجنے سے یہ بھی ظاہر ہے کہ ہر نبی کے ظہور کے کچھ مُدّت بعد وہ ایمان دلوں سے اُٹھ جاتا تھا اور اس لئے پھر دوسرا نبی اس ایمان کو از سرِ نو تازہ کرنیکے لئے بھیجا جاتا تھا۔ ایک انبیاء کے سلسلہ کو ماننے والے کے لئے اس سے زیادہ واضح ثبوت اس بات کا اور کوئی نہیں ہو سکتا کہ اللہ تعالیٰ کی قدیم سے یہ سُنّت چلی آئی ہے کہ جب کبھی دنیا کے لوگ خدا سے بالکل قطع تعلّق کر کے دُنیا پر جُھک پڑے اور اُنکے دلوں سے اللہ تعالیٰ کی ہستی کا زندہ ایمان اور کامل یقین گم ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے کسی نبی کی بعثت سے ہی اسکا علاج کیا اور یہ کبھی نہیں ہُوا کہ ایسے وقت میں کوئی انسانی کوشش کبھی کارگر ہوئی ہو۔ اس سے ایک غور کرنیوالی طبیعت سمجھ سکتی ہے کہ وہ کونسی چیز ہے جس کا وجود نبی کی زندگی میں اور اسکے کچھ عرصہ بعد تک تو پایا جاتا ہے مگر پھر وہ مفقود ہو جاتی ہے جسکے لئے اللہ تعالےٰ کو ہمیشہ سے نئے نئے نبی کے بھیجنے کی ضرورت پیش آتی رہی۔

اس سوال کا جواب دینے کے لئے سب سے اوّل اس بات پر غور کرنا ضروری ہے کہ وہ کونسے ذرائع ہیں جنسے نبی دنیا کی اصلاح کرتا ہے۔ اور کس طرح سے اسکے ساتھ ہو جانیوالوں کے دلوں میں قوّت ایمانی پیدا ہوتی ہے سو اس بات کا جواب ہر ایک اہل مذہب کو یہی دینا پڑیگا کہ نبی کے ذریعہ سے وہ خارق عادت نشان ظاہر ہوتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی ہستی پر یقین کامل پیدا کرتے ہیں۔ اور ان کے مشاہدہ سے اس کے پیرووں کے دلوں میں ایک نور پیدا ہوتا ہے اور انکا ایمان اللہ تعالیٰ کی ہستی اور عالمِ آخرت پر بصیرت کے مرتبہ کو پہنچ جاتا ہے۔ مگر نبی کے زمانہ کے کچھ مُدّت بعد بہت سے وہ نشان جو اس کے زمانے میں مشاہدہ کئے گئے تھے قصّہ اور

کہانی کے رنگ میں ہوجاتے ہیں اور اس لئے پیچھے آنیوالے لوگوں کا ایمان بھی سوائے تھوڑوں کے بصیرت کے درجہ سے گرجاتا ہے اور پھر ایمانی کمزوریاں پیدا ہوکر اعمال میں بھی فرق آجاتا ہے۔ کیونکہ محض قصّے اور کہانیاں کبھی انسان کے دل میں یقینی ایمان پیدا نہیں کرسکتیں بلکہ ایمان کا نور تبھی پُورے طور پر ظہور کرتا ہے جب خدا تعالیٰ کی برکات و انوار کی تجلّیاں پُورے طور پر مشاہدہ کی جاویں اور تبھی انسان کو سچّا اور زندہ ایمان نصیب ہوتا ہے اور ایک سچّا اور پاک تعلّق خدا تعالیٰ سے قائم ہوکر نفسانی جذبات دب جاتے ہیں اور نفسانی ظلمتیں اور غلاظتیں دُور ہوجاتی ہیں۔ اور انسان کے اندر ایک سچّی تبدیلی ظہور میں آتی ہے۔ مثال کے طور پر نبی کے وجود کو آفتاب سے مشابہت دی سکتے ہیں کیونکہ جیسے ایک کا وجود دنیا میں نور پھیلاتا ہے دوسرے کا وجود روحانی انوار اور برکات کا ذریعہ ہوتا ہے۔ پس جس طرح آفتاب کے غروب ہوجانیکے بعد محض گذشتہ آفتاب کے انوار کے قصّے واقعی روشنی پیدا نہیں کرسکتے اسی طرح نبی کے نشانات جب مشاہدہ کی حد سے گذر کر قصّہ اور کہانی کا رنگ اختیار کرلیتے ہیں تو ان قصّوں اور کہانیوں سے نورِ ایمان پیدا نہیں ہوتا جبتک کہ آفتاب نبوّت ظہور کرکے دوبارہ اُسکی تیز شعاعیں تمام تاریکیوں کو پاش پاش نہ کردیں۔

یہ خدا کی سُنّت لاتبدیل ہے یعنی ہمیشہ سے وہ ایمانی ضعفوں اور روحانی تاریکیوں کے وقت اسی طرح اصلاح کرتا رہا ہے کہ اپنی طرف سے ایک شخص کو دنیا کی ہدایت کے لئے مامور کرکے اس پر اپنی طاقت اور قدرت کی تجلّیات کو ظاہر کرتا ہے اور تمام دنیا کو اُسکے مقابلہ میں کھڑا کرکے اپنی نصرت اور تائیدات کو اس کے شاملِ حال کرتا ہے اور دنیا کے لوگوں کی تمام کوششوں اور تمام منصوبوں کو خاک میں ملاکر دکھاتا ہے کہ ان تمام طاقتوں سے بالاتر وہ طاقت ہے جو اپنے ارادے سے اپنے منشاء کے مطابق کام کررہی ہے اور جس کا تصرّف اس عالم کے ہر ایک ذرّہ پر ہے۔ اور اسکو وہ تمام غلاظتوں سے پاک رکھکر اور پاک پاکر اس سے اپنا تعلّق قائم کرتا ہے اور اپنی ہمکلامی سے اُسے مشرّف کرتا ہے۔ اور طرح طرح کے خارق عادت امور اس کے لئے ظاہر فرماتا ہے اور امورِ غیبیہ جن کا علم انسان کی طاقت سے بالکل باہر ہے اس پر منکشف کرتا ہے۔ ایسے ہی ایک نفسِ زکیہ کی ضرورت اس زمانہ بھی تھی کیونکہ اس زمانہ میں لوگوں کے نفسانی جذبات حد سے گذر گئے اور ایمان گویا بالکل ہی دنیا سے اُٹھ گیا پس خدا نے اپنی قدیم سُنّت کے مطابق۔ ولن تجد لسنّت الله تبدیلا۔ ایک شخص کو اسی طرح مامور فرمایا جس کے ہاتھ پر اس نے ایسے ہی خارق عادت امور اور نشانات ظاہر فرمائے جیسے وہ ہمیشہ انبیاء کے ہاتھ پر ظاہر فرماتا رہا۔ پس جو شخص خدا کی سُنّتوں کو نگاہ میں رکھیگا اور شوخی سے کام نہ لیگا اُسپر اسکی صداقت بھی بڑی آسانی سے کھل جاتی ہے۔ ساری دنیا میں اسوقت جسقدر مذاہب کا شور پڑا ہوا ہے سب کا مدار قصّے اور کہانیوں پر ہے۔ یعنے ایسے معجزات اور خارق عادت امور پر جنکا نشان کسی گذشتہ زمانہ میں دیا جا

ہے۔ حالانکہ کوئی وجہ نہیں بتائی جاتی کہ خدا نے اِسوقت وہ اپنی سُنّت قدیمہ کیوں بدلدی اور کیوں اس سخت ایمانی کمزوریوں کے وقت میں کسی ایسے شخص کو مبعوث نہ فرمایا جیسے وہ ہمیشہ سے مبعوث فرماتا رہا تھا۔ بلکہ اس سے بھی بڑھکر تمام مذاہب اِس بات سے بھی انکار کررہے ہیں کہ خدا تعالیٰ اب اِس زمانے میں کسی بشر سے ہمکلام ہو جیسا وہ پہلے ہُوا کرتا تھا یا خارق عادت نشانات اور غیبیہ امور اسپر ظاہر کرے جیسا وہ پہلے کیا کرتا تھا۔ گویا نعوذ باللہ زمانہ کے بدلنے کے ساتھ وہ لاتبدیل خدا بھی بدل گیا۔ اسطرح پر جب تمام مدار مذہب کا قصّوں اور کہانیوں پر آرہا تو وہ زندہ ایمان بھی دلوں سے اُٹھ گیا جو انسان کے اندر وہ طاقت پیدا کرسکتا ہے جس کے بغیر وہ کبھی بدی پر اور نفسانی جذبات پر غالب آہی نہیں سکتا اسطرح سے ایک طرف تو نجات نجات کا شور دنیا میں مچا ہُوا ہے کہ فلاں بات سے حاصل ہوتی ہے اور فلاں بات سے حاصل نہیں ہوتی۔ اور دوسری طرف اصل وہ امور جو انسان کی نجات کا ذریعہ ہوسکتے ہیں انہیں سے انکار ہے۔ نجات کا ملنا موقوف ہے نفسانی جذبات پر غالب آنے پر۔ اور نفسانی جذبات پر غالب آنا موقوف ہے سچے اور زندہ اور کامل اور یقینی ایمان کے حصول پر۔ اور زندہ ایمان کا دل میں پیدا ہونا موقوف ہے الٰہی انوار اور برکات اور خارق عادت نشانات کے مشاہدہ پر۔ پس ہر ایک انسان سوچ لے کہ جسنے یہ اخیری مشاہدہ کرلیا وہ اُسی سیدھی راہ پر چل رہا ہے جسکی طرف تمام انبیاءؑ نے بُلایا اور جس نے یہ مشاہدہ نہیں کیا وہ ہنوز بھٹکتا پھرتا ہے۔

سلسلہ احمدیہ ہی اسوقت دنیا میں ایک سلسلہ ہے جو ان نشانات کو مشاہدہ کرانیکا دعویٰ کرتا ہی اور مشاہدہ کراتا ہے۔ باقی تمام مذاہب کے پیرو نہ صرف ایسے نشان ہی دکھا نہیں سکتے بلکہ وہ اس بات سے بھی منکر ہیں کہ ان میں ایسی طاقت باقی ہے۔ حالانکہ وہ اس بات کے مقر ہیں کہ کسی وقت پہلے ایسی طاقت ان مذاہب میں موجود تھی۔ اب اس طاقت کے ہمیشہ کے لئے زائل ہوجانیکی دو ہی وجوہ ہوسکتی ہیں یا یہ کہ خدا کی صفات میں کوئی تغیر آگیا ہو اور یا یہ کہ وہ مذاہب اپنی اصلیت پر قائم نہیں۔ شق اول کو تو کوئی تسلیم ہی نہیں کرسکتا۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ اس کے صفات میں تو تغیر نہیں آیا کیونکہ اسکی ذات لاتبدیل ہے مگر اُس نے اپنی بعض صفات کے ظہور کو ہمیشہ کیلئے رد کردیا ہے تو یہ بھی صحیح نہیں کیونکہ جب وہ قدیم سے ایک ہی سُنت کے مطابق کام کرتا آیا اور ہمیشہ سے اُس نے یہ ضروری سمجھا کہ انسانوں کی نجات کے لئے اس کے نشانات کا مشاہدہ ضروری ہے تو پھر وہ طریق کیونکر بدلا گیا حالانکہ وہ خود ہی فرماتا ہے کہ لن تجد لسنت اللہ تبدیلا۔ علاوہ ازیں جب یہ مانا جاتا ہے کہ وہ ہمیشہ ہی دیکھتا اور سنتا ہے اور اپنے خاص بندوں سے کلام بھی کرتا ہے تو یہ کیونکر ہوگیا کہ اسکا دیکھنا سُننا تو موقوف نہ ہُوا مگر کلام کرنا موقوف ہوگیا۔ اس کا کلام کرنا ہی اسبات پر شاہد تھا اور ہمیشہ انبیاء کے ذریعے وہ یہی شہادت ظاہر فرماتا رہا کہ وہ دیکھتا اور سُنتا بھی ہے۔ گویا کلام کرنیکی صفت کے معطّل ہوجانیسے دیکھنے اور

سُننے کی صفات کا معطّل ہونا لازم آتا ہے۔ اور اس طرح پر کلام کا انکار دہریت کی پہلی سیڑھی ہے کیونکہ اسی سے خدا کے وجود کے انکار کی طرف انسان جاتا ہے۔ سلسلہ احمدیہ اسی غلطی کی اصلاح کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی ہستی کے نشانات مشاہدہ کرا کر وہ سچّا اور زندہ ایمان دلوں میں پیدا کرنا چاہتا ہے جو ہمیشہ سے انبیاء کرتے چلے آئے۔

باقی رہا یہ امر کہ اس دعوے میں کہانتک یہ سلسلہ سچّا ہے سو اسکو اُسی طریق پر پرکھو جس طریق پر انبیائے سابقین کے نشانات کو پرکھتے ہو۔ اور کوئی ایسا مطالبہ نہ کرو جو پہلے انبیاء علیہم السلام سے کفار نے کیا۔ مَیں سمجھتا ہوں کہ یہ ایک ایسا سیدھا اور صاف طریق ہے جس سے انسان بڑی آسانی سے ایک صاف صاف اور یقینی نتیجہ پر پہنچ سکتا ہے۔ نہ لمبے جھگڑوں کی ضرورت ہے نہ فضول مباحثات کی نہ استہزا اور سبّ وشتم کی۔ پہلے انبیاء سے خدا کی کیا سُنّت رہی اب بھی وہ اسی سُنّت کے مطابق کام کر رہا ہے یا نہیں انہیں دو باتوں کے حل ہو جانے سے سب باتیں کُھل جاتی ہیں۔ طالب حق کو چاہیئے کہ ناحق گڑبڑ میں نہ پڑے بلکہ اس سیدھی راہ کو اختیار کرکے کسی کھلے کھلے نتیجہ تک پہنچنے کی کوشش کرے۔ بعض لوگ اسی خیال پر جمے بیٹھے ہیں کہ یہ سلسلہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی زندگی تک ہی چلیگا اور اسکے بعد نیست و نابود ہو جائیگا۔ وہ نادان یہ خیال نہیں کرتے کہ اگر اسوقت انکی کوششیں نیست و نابود کرنیکی بار آور نہیں ہوتیں تو اسکی یہ وجہ تو نہیں کہ ساری دنیا کے بالمقابل حضرت مرزا صاحب تنہا ایسی تجویزیں کر سکتے ہیں جو انکو غالب کر رہی ہیں جو خدا اسوقت محض اپنی غیبی نصرت سے دن بدن اس سلسلہ کو بڑھا رہا ہے وہی ہمیشہ اسکا ناصر و موید ہوگا یہ دو وعدے کہ مخلوق تیری طرف کثرت سے رجوع کریگی اور مخالفین کی کوششیں ناکام اور نامراد رہیں گی۔ اور کہ اس سلسلہ کو دنیا کے تمام مذہبی سلسلوں پر غالب کیا جائیگا ایک ہی جگہ موجود ہیں اور ایسے وقت میں کئے گئے جب انکے پُورا ہونیکا سامان ذرّہ بھر بھی نظر نہیں آتا تھا۔ اب انہیں سے پہلا وعدہ اس صفائی سے خدائے تعالیٰ پُورا کر رہا ہے تو دوسرا وعدہ کیوں پُورا نہ ہوگا۔ علاوہ ازیں یہ بات بھی یاد رکھنی چاہیئے کہ وہ کونسے اصول ہیں جنکو یہ سلسلہ زندہ کرنا چاہتا ہے وہ وہی اصول ہیں جنکو وقتاً فوقتاً تمام انبیاء زندہ کرتے رہے یہ بات یوں ہی گذر جانیکے قابل نہیں۔ ہر ایک اہل مذہب بجائے خود غور کرے کہ کیا یہ بات حق نہیں کہ جو اصول مذہب اس وقت حضرت مسیح موعود علیہ السلام پیش کرتے ہیں یہ بعینہٖ وہی اصول ہیں جو تمام انبیائے سابقین پیش کرتے چلے آئے ہیں پس یہ کبھی ضائع نہیں ہو سکتے بلکہ انہیں کا غلبہ دنیا میں ہوگا اور ضرور ہوگا۔ کوئی مخالفت اُنکی کامیابی میں مخل نہ ہو سکے گی۔

ریویو اور نوٹ

تاویل القرآن۔ ایک کتاب بنام نہاد تاویل القرآن مصنفہ پادری اکبر مسیح بغرض ریویو میرے پاس پہنچی ہے اس کتاب کے اندر مصنف صاحب اپنا مخاطب مسلمانوں کے ایک خاص گروہ کو بتاتے ہیں مگر انکا کتاب ہماری پاس بھیجنا اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ انہوں نے سلسلہ احمدیہ کو بھی اس کتاب میں خطاب کیا ہے اس لئے ان چند سطروں کا لکھنا ضروری ہُوا۔ اگر ضرورت ہوئی اور فرصت ملی تو اس کا جواب مفصل الگ بھی شائع کیا جاویگا۔ اس جگہ میں صرف مصنف کتاب ھذا کو اس بات پر آگاہ کرنا چاہتا ہوں کہ ایک حق پسند گروہ کو خطاب کرنیکے باوجود اس نے خود پرلے درجہ کی حق پوشی سے کام لیا۔ سب سے اول اس بات کا اظہار ضروری ہے کہ اگرچہ پادری صاحبان ہمیشہ اپنی نرم کلامی پر فخر کیا کرتے ہیں مگر ان کی بھیڑ کی سی صورت اپنی بھیڑیے کی سی سیرت کو ظاہر کئے بغیر نہیں رہتی۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی اس تحریر پر کہ "ہمارا عیسائیوں سے مذہبی رنگ میں کچھ بھی ملاپ نہیں بلکہ ہمارا جواب ان لوگوں کو یہی ہے قل یاایھا الکافرون لا اعبد ماتعبدون" نوٹ کرتا ہُوا اس کتاب کا مصنف لکھتا ہے۔ "بھلا بتاؤ کب کسی عیسائی نے تم سے ملاپ ڈھونڈھا کیا انکو نہیں معلوم کہ مسیح کو بلیعال سے کوئی موافقت نہیں" مسیح تو اسوقت جو ہی سو ہے اور تم جانتے ہو کہ کون اسوقت اللہ تعالیٰ سے مسیح کا خطاب پاکر دنیا کو للکار رہا ہے پس سمجھ لو کہ بلیعال کون ہُوا۔ مگر اے نادان وہ کونسی سختی تمہیں حضرت مسیح کی اس پاک کلام میں محسوس ہوئی جو تم نے اپنی گندی فطرت کا اظہار ان الفاظ میں کیا اور تین لاکھ انسان کا دل دکھایا۔ کیا یہ سچ نہیں کہ اس معبود سے جو اہل کتاب یعنی یہودیوں کا معبود تھا تم نے ایک الگ معبود یسوع مسیح تجویز کر لیا۔ اور ہم مسلمان ہمارا خدا ہمارا پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام ہمارا قرآن تمہارے اس معبود اور اس معبود کے پجاریوں سے سخت بیزار او رمتنفر ہیں بیشک تم ہمارے قرآن کے رو سے صحیح اور صاف معنوں میں کافر۔ لقد کفر الذین قالوا ان اللہ ھو المسیح ابن مریم۔ لقد کفر الذین قالوا ان اللہ ثالث ثلثۃ۔ ما المسیح ابن مریم الا رسول۔ ہمارا تمہارا ملاپ مذہبی رنگ میں قرآن شریف کے رو سے ناممکن۔ یاایھا الذین اٰمنوا لاتتخذوا الیھود والنصٰرےٰ اولیاء بعضھم اولیاء بعض ومن یتولھم منکم فانہ منھم ان اللہ لا یھدی القوم الظٰلمین تمہارا یہ از خود تراشیدہ عقیدہ کہ خدا تین ہیں اور یسوع مسیح خدا ہے اور تمہارے لئے کفارہ ہُوا قرآن کریم کے رو سے بدترین عقائد میں سے ہے کیونکہ جو اس کے متعلق فرمایا وہ اور کسی کے متعلق نہیں فرمایا۔ تکاد السموات

ینفطرن منہ وتنشق الارض وتخر الجبال ھدا۔ پھر اس کج بیزاری کے بعد جو قرآن شریف تمہارے بیہودہ عقائد سے ظاہر کرتا ہے اس دجل سے کیا حاصل کہ قرآن اہل کتاب سے ملاپ کرتا ہے جس کی شہادت میں تم یہ آیت پیش کرتے ہو یا ھل الکتاب تعالوا الی کلمۃ سواء بیننا و بینکم دجل ہم نے اس لئے کہا کہ تم نے پوری آیت کو نقل نہ کیا مثل اُن ناپاک طبع لوگوں کے جو کہا کرتے ہیں کہ قرآن شریف نے لا تقربوا الصلوٰۃ کہکر نماز سے روکا ہے۔ اب میں تمہارے دجل کا اظہار کرتا ہوں۔ یہ آیت اسطرح ہے قل یاھل الکتٰب تعالوا الی کلمۃٍ سواء بیننا و بینکم الا نعبد الا اللہ ولا نشرک بہ شیئًا ولا یتخذ بعضنا بعضا اربابًا من دون اللہ۔ ان سے کہدو کہ اس بات کی طرف آؤ جو ہمارے اور تمہارے درمیان یکساں ہے کہ خدا کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اور کسی چیز کو اُسکا شریک نہ ٹھہرائیں۔ اور اللہ کے سوا ہم میں سے کوئی انسان دوسرے انسان کو اپنا رب نہ بنائے۔ قرآن کریم نے اس بات کی طرف بُلایا مگر کیا تم اس طرف آئے ؟ ساتھ ہی پڑھو۔ فان تولوا فقولوا اشھدوا بانا مسلمون۔ ہم مسلم تم کافر۔ تم نے اس بات کو نہ مانا ہم تم سے بیزار۔ کلمۃ سواء تو اس لئے کہا تھا کہ تم غور کرو کہ تم توریت کو مانتے ہو اور اُسے خدا کا کلام کہتے ہو اور مانتے ہو کہ یہی انبیاء علیہم السلام کی تعلیم ہزارہا سال سے چلی آئی۔ اور اس میں خدا کی توحید کا عقیدہ پورے زور سے بیان کیا گیا ہے۔ اور صاف لفظوں میں کہا گیا ہے کہ نہ آسمان کی کسی چیز کو اور نہ زمین کی کسی چیز یا انسان کو سوائے خدا کے معبود بنانا۔ اور یہی تعلیم قرآن کریم نے دی اسلئے یہ تو کلمۃ سواء تھا درمیان تمہارے مسلّمات اور ہمارے مسلّمات کے مگر تمنے اس کلمۃ سواء سے رُوگردانی کی۔ اور اپنے لئے ایک نیا خدا تراشا جس کی نہ حضرت ابراہیم کو خبر تھی نہ حضرت موسیٰ کو یعنی یسوع مسیح۔ توریت جسکو تم خدا کی طرف سے مانتے ہو خود تمہارے اس عقیدہ پر لعنت بھیجتی ہے۔ پادری صاحب کیا یہ دجل نہیں کہ تم نے ایک حصّہ آیت کو نقل کیا اور دوسرے حصّہ کا اخفا کیا۔ پھر تم اس سے پہلی ہی آیت کو پڑھ لیتے تو تمہیں معلوم ہوتا کہ قرآن شریف نے تمہارے حق میں کیا کہا ہے۔ وہ یہ ہے کہ اگر اب بھی عیسائی خدائے واحد کو نہیں مانتے تو پھر اُن سے مباہلہ کرو فنجعل لعنت اللہ علی الکاذبین۔ اب بتاؤ یہ لعنت تم جیسوں پر ہی قرآن شریف نے کی یا کسی اور پر۔ اور پھر فرماتا ہے کہ اگر مباہلہ میں مقابل نہ آئیں اور بھاگ جائیں فان اللہ علیم بالمفسدین۔ یہ خطاب بھی آپکے ہی ہم عقیدہ لوگوں کو ملا ہے جو ناحق فساد ڈالتے اور حق کو روکتے تھے۔ پھر پانچ چھ آیتیں آگے چلکر تم کو ہی کہا اور کیسا حق کہا یاھل الکتٰب لم تلبسون الحق بالباطل و تکتمون الحق و انتم تعلمون۔ اگر کچھ بھی تم سچائی کی پروا کرتے ہو تو سچ کہو

کہ یہ بات تم پر کیسی صادق آتی ہے۔ مگر تم نے اس سے کیا فائدہ اُٹھایا۔ پھر تم نے ایک آیت اس دعوے کی شہادت میں یہ پیش کی ہے والٰھنا والٰھکم واحد۔ مگر کیا اس کا یہ مطلب تھا کہ مسلمان تمہارے جُھوٹے معبود کو مانتے ہیں نہیں بلکہ مطلب اسکا بھی وہی ہے کہ تمہارا اصل معبود جس کی تمہیں عبادت کرنی چاہیئے وہی ہمارا معبود بھی ہے کیونکہ ساتھ ہی فرمایا ونحن لہ مسلمون ہم اس معبود کو تسلیم کرتے اور اسکے سچے فرمانبردار ہیں۔ مگر تم نہیں۔ اگر اس میں تمہیں کچھ شک ہے تو ساتھ ہی دوسری آیت کو پڑھ لو۔ وکذٰلک انزلنا الیک الکتٰب فالذین اٰتینٰھم الکتٰب یؤمنون بہ .... وما یجحد باٰیاتنا الا الکافرون۔ ہم نے تم پر کتاب اُتاری پس جن لوگوں کو ہم نے پہلی کتاب دی تھی ان میں سے بھی اس پر ایمان لاتے ہیں۔ اور کافروں کے سوا ہماری آیتوں کا انکار کوئی نہیں کرتا۔ یعنے سچے معنوں میں اہل کتاب یا کتاب کے اہل تو وہی ہیں جو قرآن پر بھی ایمان لاتے ہیں اور جو قرآن کا انکار کرتے ہیں وہ گو اپنے آپ کو اہل کتاب کہیں مگر وہ کافر ہیں۔ باقی رہا یہ امر کہ قرآن کریم اہل کتاب میں سے بعض کو اچھا بھی کہتا ہے سو وہ وہی لوگ ہیں جو قرآن شریف پر ایمان لائے مسلمان ہوئے۔ یسوع کی پرستش کفارہ اور تثلیث پر لعنت بھیجی نمازیں قائم کیں روزے رکھے اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے مطیع ہُوئے نہ وہ جو تمہاری طرح مرتد ہوئے۔

اس کتاب کے مصنف پر مجھے یہ بڑا تعجب آتا ہے کہ کس چالاکی سے قرآن شریف کا نام ادب سے لیتا ہے اور پھر ایسی گول مول بات کرتا ہے کہ سمجھا جاوے کہ یہ بھی گویا قرآن شریف کو منجانب اللہ ہی مانتا ہے مگر اس کا لعنتی عقیدہ جو دل میں چھپا ہُوا ہے وہ خود اس کے کلام سے مترشح ہو رہا ہے۔ شروع میں ہی وہ قرآن شریف کو ایک دلدل سے مثال دیتا ہے گویا جو اس میں پھنس گیا وہ اس سے نکل نہیں سکتا۔ یہ تو تمہارے مجذوم دل نے بات کو بگاڑ کر بیان کیا ہے ورنہ حق بات یہ ہے کہ جسکے دل پر اس کے انوار اثر کر گئے وہ بیشک کبھی اس کی حکومت سے سر نہیں پھیر سکتا۔ پھر آگے چلکر کہتا ہے "جب قرآن واقعی مصدق کتب سابقہ سمجھا جاتا تھا تو کھرے اہل کتاب میں ایسے لوگ بھی تھے جن کی شان میں کہا گیا تھا ان من اھل الکتٰب لمن یؤمن باللہ وما انزل الیکم وما انزل الیھم خاشعین للہ۔ اہل کتاب میں بیشک کچھ ایسے لوگ ہیں جو خدا پر ایمان رکھتے ہیں اور اُس پر جو تم پر اُترا اور اُس پر جو اُن پر اُترا خدا سے ڈرتے ہیں (آل عمران ع ۲۰) لیکن اب جو قرآن کو مکذب کتب سابقہ قرار دیا تو جیسا وہ جب تھا اہل کتاب نے اُسکو جھوٹا اور مردود کہا کیونکہ جو تصدیق کا دعویٰ کر کے تکذیب کرے اس سے زیادہ جھوٹا کون ہو سکتا ہے"۔ یہ پادری صاحب کی منطق ہے کہ جب قرآن شریف مصدق کتب سابقہ

سمجھا جاتا تھا تو عیسائی بھی اس پر ایمان لائے۔ مگر اب جو قرآن کو مکذب کتب سابقہ قرار دیا تو عیسائی بھی اسے افترا کہنے لگے۔ وہ عیسائی بھی عجیب اُلو ہوں گے کہ انہوں نے یہ نہ سوچا کہ واقعی قرآن شریف مصدق ہے یا مکذب جبتک مسلمان اسے مصدق کتب سابقہ قرار دیتے رہے تو بیچارے بھولے بھالے یسوع کے پرستار بھی اس پر ایمان لے آئے پھر جب اس زمانہ میں آکر مسلمانوں نے کہدیا کہ قرآن مکذب کتب سابقہ ہے تو غریب بھیڑیں پھر پلیٹے کر آگے سجدہ میں گر گئیں۔ اور قرآن کو افترا کہدیا۔ ایسے ایمان لانے اور ایسے تکذیب کرنے دونوں پر لعنت ہے۔ کیا عیسائی ایسے ہی نادان تھے کہ خود کبھی نہ سوچا کہ در اصل قرآن مصدق کتب سابقہ ہے یا مکذب بلکہ جو مسلمان کہدیا کرتے تھے وہی وہ مان لیا کرتے تھے۔ اور تم اب کیوں ایک پہلو اختیار نہیں کرتے یا تو یہ صاف لفظوں میں کہو کہ ہم قرآن کو خدا کا کلام کہتے ہیں (محرف مبدل ہی سہی) اور یا یہ کہو کہ ہم اسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نعوذ باللہ افترا سمجھتے ہیں۔ مگر تم ایک پہلو کو کبھی اختیار نہ کروگے کیونکہ اس سے تمہارا دجل دنیا پر کھلتا ہے۔ پھر تم نے کہا کہ جو تصدیق کرکے تکذیب کرے اس سے زیادہ جھوٹا کون۔ کیا قرآن شریف نے کتب سابقہ کی تصدیق کرکے پھر تکذیب کردی ہے اگر نہیں جیسا کہ تمہارے کلام سے مترشح ہوتا ہے تو پھر "اس سے زیادہ جھوٹا کون" تو آپ ہی کو نہ پڑی صادق آیا کہ پہلے قرآن پر ایمان لاکر پھر اسکی تکذیب کی۔ اے عیسائیو خدا سے ڈرو یہ چالاکیاں اور شوخیاں مذہب نہیں ہیں یہ خبیث اور گندی باتیں کبھی تمہیں نجات نہیں دلاسکتیں۔ کیوں تم لوگوں نے مذہب کو ایک ہنسی ٹھٹھا بنا رکھا ہے۔ پھر اس بات سے کیا فائدہ کہ تم قرآن شریف کے الفاظ کو توڑ مروڑ کر اس سے یہ مطلب نکالنا چاہتے ہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم توریت کے پیرو بھی تھے⁂۔ یہ آپ لوگوں کا افترا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل ثابت کرتا ہے کہ آپنے توریت وانجیل کو کبھی یہ وقعت نہیں دی کہ قرآن شریف کے نازل ہونیکے بعد وہ بھی قابل اتباع ہیں۔ کیا آپنے ساری عمر میں توریت یا انجیل کی ایک آیت بھی نماز میں قرآن شریف کے ساتھ یا اسکی بجائے پڑھی یا مسلمانوں کو پڑھنے کا حکم دیا۔ یا کیا جہاں قرآن شریف کے اتنے حافظ تھے آپنے صحابہؓ کو کبھی یہ بھی کہا کہ توریت اور انجیل کی بھی کچھ آیتیں حفظ کرلیا کرو۔ پھر ان فضول بحثوں سے کیا فائدہ چراغ الدین اور امام الدین اگر اسلامی عقیدہ سے انحراف کرجائیں تو اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ جو وہ کہہ رہے ہیں اور جسپر کُل کی کُل مسلمان دنیا بالاتفاق لعنت بھیجتی ہے وہ سچ ہے وہ تو من یتولھم منکم فانہ منھم کے مصداق ہیں اور مسلمانوں میں سے ایک شخص بھی انکے لعنتی عقائد کو تسلیم کرنیوالا نہیں۔

پادری صاحب نے اس بات پر بہت زور دیا ہے اور بار بار اسے بیان کیا ہے کہ قرآن شریف نے تفسیر کا اصول جو مسلمانوں کو سمجھایا وہ اس آیت میں ہے فسئلوا اھل الذکر ان کنتم لا تعلمون۔ جس کا ترجمہ وہ یہ کرتے ہیں کہ مسلمانوں کو چاہیئے کہ قرآن شریف کی تفسیر توریت اور انجیل سے کیا کریں اور پھر اس سے

⁂ افسوس ہے کہ آپ لوگوں نے توریت کو بغیر تحریف تبدیل کے کلام الٰہی مانکر اسکی ساری تعلیم کو چھوڑا یہانتک کہ خنزیر کبھی نہ چھوڑا۔ منہ

یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ جب تغییر کے لئے انہیں روا رکھا گیا تو پھر وہ کتابیں قابل اتباع بھی ہوئیں۔ بیشک پادری صاحبکو ایسی منطق پر ناز ہونا چاہیئے مگر اصل بات یہ ہے کہ اسجگہ بھی پادری صاحب نے اُسی دجل سے کام لیا ہے جو انکے پیشے کا خاصہ ہے۔ یہ لفظ قرآن شریف میں دو جگہ آئے ہیں سورہ نحل۔ آیت ۴۲ اور سورہ انبیاء آیت ۷۔ اور صرف یہ تفاوت الفاظ من قبلك اور قبلك دونوں جگہ کل آیت کے لفظ ایک ہی ہیں۔ وما ارسلنا قبلك الا رجالا نوحی الیھم فسئلوا اھل الذکر ان کنتم لا تعلمون اور تم سے پہلے ہم نے جن لوگوں کو رسول بنا کر بھیجا وہ بھی آدمی ہی تھے جنکی طرف ہم وحی کرتے تھے اگر تم کو یہ بات معلوم نہیں تو اہل الذکر سے ہی پوچھ لو۔ بیشرم ہو کر تو انسان جو چاہے کرے اسکے مُنہ کو کون پکڑ سکتا ہے یا اسکی قلم کو کون روک سکتا ہے۔ مگر اگر ان لوگوں میں ذرّہ بھی خدا ترسی باقی ہے تو بتا دیں کہ اس میں یہ کہاں لکھا ہے کہ اے مسلمانو تم کو قرآن کے معنے نہ آیا کریں تو مردار پرست عیسائیوں سے پوچھ لیا کرو۔ اب یہ لوگ وہ ہیں جو آئے دن مسلمانوں سے یہ مطالبہ کیا کرتے ہیں کہ توریت و انجیل کی تحریف کا ثبوت دو۔ مَیں کہتا ہوں وہ تحریف کرنیوالے تو تمہارے ہی بڑے تھے جب تم علم کے زمانے میں جب ہر گھر میں قرآن شریف چھپے ہوئے موجود ہیں۔ قرآن شریف میں تحریف کرنیکے لئے بھی دلیری سے آگے بڑھتے ہو حالانکہ وہ کتاب بھی ایک دوسری قوم کی ہے تو تمنے اُس تاریکی کے زمانے میں جب زبانی روایتوں پر ہی سارا دارومدار تھا یا اگر کوئی نسخہ ہوگا تو تم جیسوں کے ہی ہاتھ میں ہوگا کیا کیا تحریف نہ کی ہوگی۔ میری سمجھ میں کتاب تاویل القرآن کے چھپ جانیکے بعد تو کسی مسلمان کو توریت اور انجیل کی تحریف کا اس سے بڑھکر ثبوت دینے کی ضرورت نہیں رہی جو اس کتاب کے وجود نے پیدا کر دیا ہے۔ قرآن شریف کی ایک آیت ہے جو دو الگ الگ جگہوں میں مذکور ہے اور ایک سے ہی الفاظ ہیں۔ اس کے ایک حصّہ کو چھپایا ہے اور ایک کو ظاہر کیا ہے۔ پھر اس میں مخاطب کفار ہیں اور اس نے مخاطب مسلمانوں کو بنایا ہے۔ پھر پُوچھنے والی بات یہ بیان کی ہے کہ اس سے پہلے بھی آدمی ہی رسول بنا کر بھیجے گئے اور انہیں کی طرف وحی کیگئی اور پادری صاحب کہتے ہیں کہ قرآن کے معنے پُوچھ لیا کرو۔ یہ ہے ان لوگوں کی خدا ترسی اور یہ ہے انکی جرأت اور گستاخی۔ ایسی دلیری سے تحریف کرنے میں آپنے تو اپنے بزرگوں کے بھی کان کتر دیئے۔ پھر یہ کہنا کہ اہل الذکر سے مراد عیسائی ہیں محض حماقت ہی بلکہ یہاں تو ایک گونہ کفار کے ساتھ عیسائیوں کو خود خطاب کیا ہوا ہے۔ کیونکہ وہ بھی رسول کو آدمی کی بجائے خدا بنائے بیٹھے ہیں سو اُنکو اللہ تعالیٰ نے اپنی سُنت قدیم کی طرف توجہ دلائی ہے کہ دیکھو جب سے دنیا ہوئی یہی سُنت الہیہ چلی آئی ہے کہ کسی انسان کو اللہ تعالیٰ رسول بنا کر بھیجتا ہے اور اس پر وحی کرتا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کی یہ عادت ہوتی کہ کبھی خود بھی انسان کا بھروپ بدل کر آجایا کرتا تو یسوع بھی خدا بن سکتا ہے مگر یہ امر اسکی سنت قدیم کے

مخالف پڑا ہوا ہے اس لئے ناممکن ہے۔ اسکے ساتھ کی اگلی آیت سے اسی مطلب کی اور بھی تصریح ہوتی ہے وماجعلنٰھم جسدا لا یاکلون الطعام وما کانوا خالدین۔ یعنی ان رسولوں میں سے جو بھیجے گئے کوئی بھی ایسا نہ تھا جو طعام کے بغیر زندہ رہ سکے حالانکہ خدا ایسی حاجتوں سے پاک ہے اور نہ ہی ان میں سے کوئی ایسا تھا جو انسانی عمر سے بڑھکر زندہ رہ سکے یعنی سب پر آخر موت بھی آئی۔ اس آیت پر وہ مسلمان بھی غور کریں جو غلطی سے مسیح کو زندہ آسمانپر مانتے ہیں۔ کیونکہ اگر وہ بجسد العنصری آسمانپر گئے تو یہ جسد تو خدا نے ایسا بنایا ہی نہیں کہ بغیر طعام کے زندہ رہ سکے اس سے تو آسمانپر ایکدم کی زندگی بھی اس جسد عنصری کے ساتھ غیر ممکن ثابت ہوتی ہے اور دوسرے حصہ آیت ماکانوا خالدین سے یہ ثابت ہے کہ طبعی انسانی عمر سے بڑھکر کسی پیغمبر کو عمر بھی نہیں دیگئی اس سے انکا ابتک زندہ رہنا خواہ زمین پر ہوں یا آسمان پر محال ثابت ہوتا ہے۔ یہ پادری صاحب کا اصول تفسیر تھا جسکی بنا پر انہوں نے مسلمانوں کو گویا کہ یہ سب ابتک غلطی کھاتے رہے اور اصل تفسیر فسئلوا اھل الذکر ہی میں تھا۔ اس کا تو یہ حال ہے۔ اب دوسری آیت کو لیجئے۔

دوسری آیت جسپر ہادی صاحب نے اپنا اصول تفسیر قائم کیا ہے سورہ یونس کی آیت ۹۴ ہے۔ فان کنت فی شک مما انزلنا الیک فسئل الذین یقرؤن الکتٰب من قبلک لقد جاءک الحق من ربک فلا تکونن من الممترین۔ اب اس آیت میں خطاب شک کرنیوالے مخاطب کو ہے نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو۔ کیونکہ اس سے پہلے جسقدر قرآن نازل ہو چکا تھا اس سے بصراحت تمام ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کبھی ایک لمحہ کے لئے بھی یہ واہمہ نہ ہوا تھا کہ وہ کلام جو آپ پر اتارا جاتا ہے وہ خدا کا کلام نہیں ہے۔ جس سورت کو کھول کر پڑھو اسی یقین سے بھری پڑی ہے کہ آپ خدا کی طرف سے ہیں۔ یہانتک کہ میور صاحب نے بھی اسبات کو تسلیم کیا ہے اور اسپر حیرت ظاہر کی ہے کہ کسطرح سے یہ یقین ہمیشہ بڑی بڑی ناکامیوں اور مصائب کے وقت بھی آپکے دل میں برقرار رہا کہ آپ منجانب اللہ ہیں اور غالب ہوں گے۔ وانہ للحق من ربک اور وانہ لحق الیقین وغیرہ کلمات سے اس کامل یقین کا موجود ہونا ثابت ہوتا ہے جسکے پاس شک کا واہمہ بھی پھٹک نہیں سکتا۔ پس یہ ثابت ہے کہ اس آیت میں مخاطب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نہیں بلکہ وہ شخص مخاطب ہے جس کو آپکے دعوے میں شک ہے۔ چنانچہ اس سے اگلا رکوع ان الفاظ سے شروع ہوتا ہے قل یایھا الناس ان کنتم فی شک من دینی جو بالکل اسی کے مطابق ہے فان کنت فی شک مما انزلنا الیک۔ نہ ہی انزلنا الیک اور جاءک الحق سے یہ نتیجہ نکل سکتا ہے کہ مخاطب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں کیونکہ قرآن شریف میں بار بار کفار کو مخاطب کرکے یہ کہا گیا ہے کہ تمہاری طرف یہ ذکر اتارا گیا۔ اور تمہارے پاس حق بھیجا گیا۔ پس اس آیت کے یہ معنے ہوئے کہ اے مخاطب اگر تجھے کوئی شک ہے اس کلام میں جو ہم نے تیری طرف اتارا تو ان لوگوں سے پوچھ لے جو

تجھ سے پہلے کتاب پڑھتے رہے ہیں (کہ اس رسول کی پیشگوئیاں پہلے سے بھی موجود ہیں) اب جب یہ رسول الحق تیرے پاس تیرے رب کی طرف سے آچکا تو ہرگز شبہ کرنیوالوں کے زمرہ میں نہ رہ۔ اسی معنی کی تائید کہ مخاطب اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نہیں بلکہ شک کرنیوالے لوگ ہیں یعنی متذبذب لوگ جو کبھی کہتے تھے سچ ہے کبھی پھر شک کرنے لگتے تھے۔ ساتھ ہی کی آیت سے جو اس کے بعد ہے ہوتی ہے **ولاتکونن من الذین کذبوا بایات اللہ** اور تو ان لوگوں میں سے نہ ہو جنہوں نے آیات الٰہی کی تکذیب کی۔ اب آیات الٰہی کے لانیوالے تو خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تھے پس تکذیب کرنے والا کوئی اور گروہ ہے اور انہیں کو خطاب کیا گیا ہے۔ کہا تو یہ گیا ہے کہ اگر تمہیں کوئی شک ہو اسبارہ میں جو اتارا گیا طرف تمہاری یعنی قرآن شریف کے حق ہونے میں۔ یہاں معنوں اور تفسیر کا تو کوئی جھگڑا ہی نہیں اور نہ معنوں میں شک کا ذکر ہے بلکہ ذکر ہے اس بات کا کہ قرآن شریف منجانب اللہ ہے یا نہیں اس سے اصول تفسیر کو کیا تعلق۔ اور اگر بفرض محال یہ بھی مان لیں کہ خطاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہی ہے تو پھر بھی کہا تو یہ گیا ہے کہ اگر تمکو شک ہو قرآن کے منجانب اللہ ہونے میں اور قرآن شریف کے ہزاروں مقامات سے ثابت ہے کہ آپ کو ہرگز ہرگز ایسا شک کبھی نہیں ہوا بلکہ آپکو حق الیقین تھا کہ واقعی قرآن شریف منجانب اللہ ہے۔ اگر حق الیقین نہ ہوتا تو یہ کیوں فرماتے کہ **ادعو علیٰ بصیرة** کہ میں علی بصیرت لوگوں کو حق کی طرف بلاتا ہوں۔ باقی رہا اکبر مسیح کا اعتراض قرآن شریف کی ترتیب اور جمع پر سو وہ الگ اور لمبی بحث کو چاہتا ہے اور چونکہ یہ اعتراض مسٹر دلاور حسین کے اعتراضوں میں سے بھی ایک ہے جس کے جواب دینے کا میں پہلے سے ہی وعدہ کر چکا ہوں اس لئے اس کے موقعہ پر اس مضمون پر انشاء اللہ بحث کیجاویگی **وما توفیقی الا باللہ**۔

مقدمہ معجزات مسیح یہ کتاب بھی پہلی کتاب کے ساتھ ہی ریویو کے لئے پہنچی ہے۔ مسیح کے معجزات کے باقی تمام انبیاء کے معجزات سے نرالے رنگ کا ہونے پر بہت زور دیا گیا ہے مگر میں حیران ہوں کہ سوائے پانی کو شراب بنانیوالے معجزہ کے اور کونسا نرالا پن ان میں ہے۔ اس سے پہلے جو نبی گذرے ہیں اُنکے متعلق عیسائیوں کی کتب مقدسہ میں ایسے ایسے عجیب واقعات لکھے ہوئے ہیں کہ مسیح کی زندگی میں انکا نمونہ نہیں دیکھا جاتا۔ اگر مسیح کے متعلق یہ کہا گیا ہے کہ وہ زمین کی طاقتوں پر غالب آیا تو انہیں بعض کے متعلق یہ لکھا گیا ہے کہ وہ آسمان کی طاقتوں پر بھی غالب آئے پھر مسیح معجزات سے خدا کیونکر بن سکتا ہے۔ دوسری بات یہ غور طلب ہے کہ مسیح کے معجزات میں وہ باتیں پائی جاتی ہیں جو توہم کی بنا پر مانی جاتی تھیں مثلاً بھوتوں کا نکالنا اور انکو سوروں کے گلہ میں ڈالدینا وغیرہ وغیرہ۔ تیسری بات یہ ہے کہ جس حالت میں یہودیوں نے اسقدر معجزات دیکھے تھے جنکو وہ اپنے انبیاء کے معجزات سے نرالے بھی سمجھتے تھے تو پھر کیوں وہ

آخر عمر تک اس کو جھوٹا کہتے رہے۔ اور اخیر تک اس کو مانا ہی نہیں۔ چوتھے حواریوں نے خود ذرا سی تکلیف کیوقت استقامت کو چھوڑا اور بھاگ گئے۔ افسوس کہ پادری صاحبان کے قول کے بموجب دنیا کی ساری عمر میں ایک ہی وقت ایسا آیا جب خدا نے دل کھولکر معجزات کی بھرمار کی مگر نتیجہ یہ ہوا کہ نہ دشمنوں کی زندگی میں کوئی تبدیلی واقع ہوئی اور نہ ہی دوستوں کی زندگی میں۔ ورنہ کیوں خود مرید ہی مرشد کو بیچ لیتے اور لعنتیں بھیجتے اور چھوڑکر بھاگ جاتے۔ اور تعجب پر تعجب یہ کہ مصیبت کے وقت ایک بھی ساتھ نہ رہا۔ پھر پانچویں بات یہ غور طلب ہے کہ اگر معجزات میں اس قدر ہاتھ آپکا کھلا ہوا تھا تو پیشگوئیاں کرتے وقت کیا ہوگیا۔ بارہ حواریوں میں سے جنکے لئے بارہ تختوں کے وعدے تھے گیارہ تو یونہی خالی گذر گئے مگر ایک نے مرتد ہوکر پیشگوئی کی صحت کا امکان ہی گنوا دیا۔ پھر پیشگوئی کی کہ ابھی یہ نسل زندہ ہی ہوگی جو میں واپس آؤں گا اس کا جو حال ہوا وہ سب جانتے ہیں۔ اسلام کے متعلق مصنف کتاب لکھتا ہے کہ اس مذہب کو معجزات کی ضرورت ہی کیا تھی کیونکہ اسکی تعلیم نیچرل یعنی فطرت انسانی کے مطابق تھی کیونکہ نجات کے لئے اعمال کو ضروری قرار دیا گیا۔ مگر مسیحی مذہب کو اس لئے ضرورت تھی کہ کفارہ اور تثلیث اور الوہیت مسیح کے عقائد فطرت انسانی کے قبول کرنیکے لائق نہ تھے۔ پادریصاحب سوچیں کہ اس کا ماحصل تو یہ ہوا کہ ایک دروغ کو فروغ دینے کیلئے ایک دوسرا دروغ گھڑا گیا۔ یہ دونوں کتابیں پنجاب ریلیجس بک سوسائیٹی نے چھپوائی ہیں۔

تعدد ازواج اور طلاق پر ایک دہریہ کے خیالات:۔ اگناسٹک جرنل جو ولایت کا ایک دہریہ اخبار ہے ان مقولوں کو بیان کرنیکے بعد جو عورتوں کے حقوق کے متعلق حدیثوں یا اقوال صحابہ سے لئے گئے ہیں لکھتا ہے کہ یہ ہیں اسلام کے عالی ہمت مقولے۔ مگر ایک عیسائی ناک چڑھا کر کہتا ہے کہ مسلمان شہوت پرست قوم ہے کیونکہ ان میں تعدد ازواج پایا جاتا ہے۔ اے ظالم عیسائی! تم اس سے کہیں بڑھکر شہوت پرست ہو اور کئی کئی عورتوں سے تعلق رکھتے ہو۔ ہاں یہ فرق ہے کہ ساتھ ظاہرداری اور منافقت رکھتے ہو اور لوگوں سے چھپ کر دوسری عورتوں کے پاس جاتے ہو۔ اسی لنڈن میں ایک لاکھ عورتیں موجود ہیں جو کھلے طور پر زنا کا پیشہ کرتی ہیں۔ اور خفیہ طور پر عشق رکھنے والیوں کی تعداد کی کوئی حد ہی نہیں۔ کیا ان کے پاس صرف بن بیاہے لوگ ہی جاتے ہیں۔ ہرگز نہیں۔ قسطنطنیہ مراکش یا کسی اور مسلمانوں کے شہر میں چلے جاؤ اور جتنا جی چاہے تلاش کرو نہ تمہیں کوئی کسبی نظر آئیگی اور نہ کوئی شراب کا متوالا ہی ملیگا۔ غور کرو کہ اس بارہ میں یسوع مسیح کے مقابل محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کسقدر عظیم الشان انسان ثابت ہوتا ہے۔ فرانس میں جو عیسائی ملک ہے چکلوں کا لائسنس سرکاری طور پر دیا جاتا ہے ...... میرا ایک دوست جو لندن کے فسق و فجور کے نظاروں کو دیکھنے کا عادی تھا کچھ عرصہ ہوا قسطنطنیہ میں گیا مگر یہاں اسکو ایک چکلہ بھی نظر نہ آیا۔ ہاں آخرکار اس نے ایک بدکاری کا گھر دیکھا اور

صرف ایک ہی۔ وہ عورت آگے بڑھی اور اسے خطاب کیا۔ اور وہ انگریزی قوم کی عورت تھی اور عیسائی تھی وہ اکیلی کسبی جو قسطنطینیہ کے بازاروں میں پائی جاتی ہے اللہ اور محمدؐ کے متعلق کچھ نہیں جانتی تھی صرف یہوداہ اور یسوع کے نام سے واقف تھی۔ اور کنواری مریمؑ کے نام سے۔ اگر یہ انسانی ضرورت ہی ہے کہ آدمی تعدد ازواج کرے تو بہت بہتر ہے کہ وہ گھر میں اپنا حرم رکھے بہ نسبت اسکے کہ ایک ملا جلا حرم بازار میں اسکے لئے ہو۔ عیسائی کلیسیا زوج واحد کے قاعدہ کو ضروری ٹھہراتی ہے اور طلاق کی اجازت نہیں دیتی حالانکہ اگر خاوند اور عورت میں موافقت نہیں تو ایسا گھر دنیا میں بدترین دوزخ ہے۔ پراٹسٹنٹ فرقہ جنہوں نے جھوٹ موٹ زوج واحد کے قاعدہ کی پابندی اختیار کی ہوئی ہے طلاق کی عدالتیں بھی رکھتا ہے۔ اور فرانس کے طریق پر وہ انکو جاری رکھتے ہیں۔ اے سر فرانسس جیون کی روح اس بات کی شہادت دے کہ ان عدالتوں میں ان ان واقعات کا اظہار ہوتا ہے جنکو انگلستان کا ذلیل سے ذلیل اور گندہ سے گندہ اخبار بھی شائع کرنے کی جرأت نہیں کر سکتا۔ کیونکہ اگرچہ اندر سے ہم کیسے ہی گندے ہوں مگر ظاہر میں ہم اپنے آپکو پاک دکھانا چاہتے ہیں اور ان حالات کے ماتحت ہماری انسانی نسل کی نشوونما ہو رہی ہے" اور ان حالتوں کے ہوتے ہوئے تعدد ازواج اور طلاق پر اعتراض ہوتے ہیں۔

امریکہ کا جھوٹا مدعیٔ نبوت ڈوئی:۔ ڈوئی نے بڑی محنت سے ایک شہر آباد کیا تھا جسکا نام اس نے صیہون رکھا اسجگہ وہ اپنے تمام مریدوں کو کام کیلئے بلاتا ہے۔ اور انکو بڑے بڑے جھوٹے وعدے دیتا ہے کہ اسجگہ انکی مالی حالت سنور جائیگی اور وہ امیر ہو جائیں گے۔ کچھ عرصے تک تو لوگ اسکے دھوکوں میں آتے رہے مگر اب یہ بات کھل گئی ہے چنانچہ نیوزیلنڈ کے ایک پرچے میں ایک عورت کی چٹھی ذیل کے مضمون کی چھپی ہے "میں شہر صیہون سے بہت مایوس ہو گئی ہوں یہ ایک نہایت مفلس شہر ہے۔ کل چھ کارخانے بھی نہیں اور میں تمکو مشورہ دیتی ہوں کہ اسجگہ ہرگز نہ آؤ۔ جنہوں کو چاہو یہ بات سنادو۔ جس سرعت سے لوگ شہر میں داخل ہوتے ہیں اسی سرعت سے نکلتے بھی جاتے ہیں۔ اور چھوٹی چھوٹی بات پر انکو نکال دیا جاتا ہے صیہون شہر میں بہت سے غمناک دل ہیں بہت سے ایسے لوگ ہیں جنہوں نے یہاں آکر اپنی تمام عمر کی کمائی کو غارت کر دیا ہے ...... اس شہر پر ایک سیاہ گھٹا چھائی ہوئی ہے"۔ ایک اور خط میں جو ایک دوسرے اخبار میں چھپا ہے راقم یوں رقمطراز ہے۔ "میں اس پہلے گروہ میں سے ہوں جنہوں نے گذشتہ اپریل میں صیہون کی خاطر نیوزیلنڈ کو چھوڑا تھا تین ماہ کے بعد جیسا میں نے اسجگہ کو پایا ہے اسی کے مطابق یہ میرا بیان ہے نیوزیلنڈ میں صیہون کے متعلق بڑی بڑی دولتمندی کے وعدے دیئے جاتے ہیں جہاں گویا بہت سے مالدار اور خوشحال لوگ رہتے ہیں۔ مگر میری یہ سچی خواہش ہے کہ نیوزیلنڈ کے لوگ جو صیہون کو ایک خوبصورت شہر سمجھ کر یہاں رہنے کے خواہشمند ہیں یہ جان لیں کہ

* ایک عورت کا نام جو تیرھویں صدی عیسوی میں ہوئی ہے اس پر قتل کا الزام لگا اور اس کے عاشق نے جو فرانس کا ایک رئیس زادہ تھا بغرض اسکی رہائی کے اسکے ساتھ ایسے فعل کا کھلی عدالت میں ارتکاب۔

یہ محض دھوکے کی ٹٹی اور جال ہے ہم اکثر دھوکہ خوردہ لوگ ہیں اور نیوزیلنڈ کو واپس آنا چاہتے ہیں۔ اور بہت سے ہم میں سے جلدی ہی واپس آجائیں گے۔ کام بہت کم ملتا ہے۔ تنخواہیں تھوڑی۔ کھانے اور پینے کی چیزیں بہت گراں۔ مکانوں کا کرایہ بہت زیادہ۔ تعلیم آزادی سے نہیں دی جاتی۔ اس شہر پر اسقدر اداسی چھائی ہوئی ہے کہ اسے جیلخانہ کہنا چاہیئے۔ نیوزیلنڈ سے آنیسے پہلے اڑہائی سال سے ڈوئی کے مریدوں میں میرا نام تھا اور میری حالت اچھی تھی۔ جبتک یہ چٹھی چھپے گی تب تک طوعاً یا کرہاً صیہون سے میرا اخراج ہوچکا ہوگا اور اسکی وجہ میری اس رائے کا اظہار ہوگا۔" حال میں ہی ڈوئی کے مریدوں کی ایک جماعت جو نیوزیلنڈ سے ہجرت کرکے گئی تھی صیہون سے واپس آگئی ہے وہ اور بھی بدتر حالت اس جھوٹے مدعی کی بیان کرتی ہے۔ چنانچہ اخبار سٹار کے ایک نامہ نگار نے انسے خود حالات دریافت کئے تو انہوں نے یہ باتیں بیان کیں۔ "نیوزیلنڈ صیہون کے مقابلہ میں ایک بہشت ہے۔ ..... کہتے ہیں کہ ڈوئی کو شہر صیہوں کے چھوڑنیکا نوٹس مل گیا ہے۔ مگر خواہ یہ بات سچ ہو یا جھوٹ وہ مکسیکو میں جگہ ضرور تلاش کررہا ہے۔ اس غرض کے لئے اسے قریباً چار کروڑ روپیہ چاہیئے۔ قریباً اڑہائی کروڑ نئے شہر کے لئے اور ڈیڑھ کروڑ کے قریب موجودہ تجارتی مشکلات سے نکلنے کے لئے .... گوٹے کا بڑا کارخانہ جسکے متعلق ڈوئی اسقدر لاف زنی کرتا تھا وہ بند ہوچکا ہے اور باقی کارخانوں کی حالت بھی بری ہے ... سوائے ڈوئی اور اس کے چند چیدہ مریدوں کے اور کوئی شخص وہاں جاکر خوشحال نہیں ہوتا۔ اس زمانے میں یہ سب سے بڑی دھوکہ بازی ہے ..... اگر وہ کہانیاں مصیبت اور مایوسی کی بیان کی جائیں جو واقع ہوتی ہیں تو سامعین رو پڑیں۔ وہاں خدا کی پرستش نہیں ہوتی بلکہ زر کی پرستش ہوتی ہے۔ صیہون کی زمین میں بیس لاکھ سے اوپر کے رہن نامے ہیں.... یہ ایک عظیم الشان دھوکہ بازی ہے۔ چار پانچ ہزار آدمی سے زیادہ اس شہر میں نہیں اور ان میں سیکڑوں ایسے ہیں جو اپنی جانیں بیچکر بھی نکلنے کو تیار ہیں مگر افسوس کہ انکے پاس ذرائع نہیں۔" یہ ہوتا ہے جھوٹوں کا انجام کہ خدا تعالیٰ انکی زندگی میں ہی انکو رسوا کرکے ذلیل کردیتا ہے۔ حالانکہ یہ شخص الہام کا دعویٰ بھی نہیں کرتا مگر پھر بھی اللہ تعالیٰ نے اسے ذلیل کرکے دکھادیا کہ جو خدا سے نصرت پاتے ہیں وہ کبھی اسطرح مخذول نہیں ہوتے۔

نوٹ۔ سال آئندہ:۔ اس جلد کے اختتام کے ساتھ غلامی کا مضمون تو ختم ہوگیا۔ مگر ابھی تین اہم مضامین اس سلسلہ کے جو شروع ہوئے تھے باقی ہیں۔ یعنی سود اور تقسیم وراثت اور جمع و ترتیب قرآن کریم۔ سو ان پر انشاء اللہ سال آئندہ میں بحث کی جاوے گی۔

رؤیا و الہامات حضرت مسیح موعودؑ

یکم نومبر ۱۹۰۵ء ۔ دستِ تو دعائے تو ترحم زخدا ✦ ۹۔نومبر ۱۹۰۵ء ۔صبح ۔رؤیا ۔خواب میں گتا دکھائی دیا۔فرمایا۔
اس سے مراد کوئی مفسدہ ہنگامہ ہوتا ہے الہام جو اس کے ساتھ ہوا یہ ہے ۔ انی مع الرسول اقوم ۔
۱۴۔نومبر ۱۹۰۵ء ۔ انك باعيننا سميتك المتوكل ۔ ۱۶ نومبر ۱۹۰۵ء ۔ایک کاغذ دکھایا گیا جس پر
عربی عبارت میں ایمان کے اقسام لکھے ہوئے ہیں۔ وہ عبارت یاد نہیں رہی۔ مگر اس کا مطلب غالباً یہ تھا
کہ ایمان چار قسم ہے ۔ایک روائتی ایمان ۔ دوسرا وہ جو بصیرۃ سے حاصل ہوتا ہے ۔تیسرا حالی ایمان ۔چوتھا
استغراقی جو محویت سے حاصل ہوتا ہے ۔ ۲۰۔نومبر ۱۹۰۵ء ۔ انی معك يا ابن رسول الله ۔(ترجمہ) مَیں
تیرے ساتھ ہوں اے رسول اللہ کے بیٹے ۔ ۲۔سب مسلمانوں کو جو روئے زمین پر ہیں۔ جمع کرو۔ علی دین واحد
چند روز ہوئے ۔مولوی عبدالکریم صاحب مرحوم کو رؤیا میں دیکھا۔ پہلے کچھ باتیں ہوئیں۔ پھر خیال آیا کہ یہ تو
فوت شدہ ہیں۔ آؤ ان سے دعا کرائیں۔ تب مَیں نے انکو کہا کہ آپ میرے واسطے دعا کریں۔ کہ میری اتنی عمر ہو
کہ سلسلہ کی تکمیل کے واسطے کافی وقت مل جائے ۔ اسکے جواب میں اُنہوں نے کہا۔ تحصیلدار۔ مَیں نے کہا۔ یہ آپ
غیر متعلق بات کرتے ہیں۔ جس امر کے واسطے مَیں نے آپکو دعا کے واسطے کہا ہے آپ وہ دعا کریں۔ تب اُنہوں نے
دُعا کے واسطے سینے تک ہاتھ اُٹھائے ۔ مگر اونچے نہ کئے ۔ اور کہا اکیس۔ مَیں نے کہا کھولکر بیان کرو۔ مگر انہوں نے کچھ کھولکر
نہ بیان کیا اور بار بار اکیس اکیس کہتے رہے ۔ اور پھر چلے گئے ۔ فرمایا۔ تحصیلدار کے لفظ سے یہ مراد معلوم ہوتی
ہے کہ تحصیلدار کے دو کام ہوتے ہیں ایک رعایا سے سرکاری لگان وصول کرنا دوسرے رعایا کے باہمی حقوق کا تصفیہ کرنا اور انمیں
باہم عدل قائم کرنا۔ اسیطرح مسیح موعودؑ کا یہ کام ہے کہ خدا کے حق کا مطالبہ کرے ۔ اور توحید کو زمین پر پھیلاوے ۔ دوسرے یہ کہ حَکَم عدل
ہو کر اُمّت محمدیہ کو باہمی عدل پر قائم کرے ۔ ۲۹۔نومبر ۱۹۰۵ء (۱) قلّ ميعاد ربك ۔ ترجمہ۔ تیرے رب کی میعاد
تھوڑی رہ گئی ہے (۲) بہت تھوڑے دن رہ گئے ہیں (۳) اُس دن سب پر اُداسی چھا جائیگی ۔(۴) قرب
اجلك المقدر ۔ ولا نبقي لك من المخزيات ذكراً ۔ ترجمہ۔ قریب ہے تیری اجل مقدر اور تیرے رسوا کرنیوالے
امور میں سے کسی کا ذکر ہم باقی نہ رکھیں گے ۔

چند روز کی رؤیا ہے کہ ایک کوری ٹنڈ میں کچھ پانی مجھے دیا گیا ہے پانی صرف دو تین گھونٹ باقی
اُس میں رہ گیا ہے لیکن بہت مصفّٰی اور مقطّر پانی ہے ۔ اِسکے ساتھ الہام تھا۔ آبِ زندگی یہ خواب
پہلے بھی شائع ہو چکا ہے ۔

۲-دسمبر- رؤیا- دیکھا کہ ایک دیوار پر ایک مرغی ہے وہ کچھ عربی میں بولتی ہے اس میں آخری فقرہ جو یاد رہا یہ تھا- ان کنتم مسلمین- اسکے بعد بیداری ہوئی یہ خیال تھا کہ پہلے لفظ کیا تھے- پھر الہام ہوا- انفقوا فی سبیل اللہ ان کنتم مسلمین (یعنی اللہ کی راہ میں خرچ کرو اگر تم مسلمان ہو)- فرمایا اس میں خطاب جماعت کیطرف تھا{ فرمایا- جماعت کو چاہیئے اس حکم کیطرف توجہ کریں- مرغی اپنے عمل سے دکھاتی ہے کہ کسطرح انفاق فی سبیل اللہ کرنا چاہیئے- کیونکہ وہ انسان کی خاطر اپنی جان قربان کرتی ہے اور ذبح کیجاتی ہے- سو ہماری جماعت کے مومنین اگر ہماری آواز کو نہیں سنتے تو اس مرغی کی آواز کو سنیں مگر سب برابر نہیں کئی مخلص ایسے ہیں کہ اپنی طاقت سے زیادہ خدمتیں لگے ہوئے ہیں خدا انکو جزائے خیر دے} ۶ دسمبر- قرب اجلک المقدر ولا نبقی لک من المخزیات ذکرا قل میعاد ربک ولا نبقی لک من المخزیات شیئا- ۷- دسمبر- قرب اجلک المقدر واخر دعوٰنا ان الحمد للہ رب العٰلمین- ۹- دسمبر- انزل فیھا کل رحمۃ (خیال ہے قبرستان کے متعلق تھا- جو اپنی جماعت کے لئے تجویز کیا گیا ہے)

جس میں اسلام کی حمایت اسقدر زور کے ساتھ کیگئی ہے جیسا آپکے شاندار پرچے میں" پھر "میں آپکو اس قابل قدر پرچے کا ایڈیٹر ہونیکی حیثیت سے مبارکباد دیتا ہوں میں نے ابتک کوئی ایسی کتاب یا پرچہ نہیں پڑھا جسمیں اسلام کی حمایت اس زبردست اور طاقتور ہاتھ سے کیگئی ہو جیسے آپکے اس رسالہ میں کی جاتی ہے-"

مولوی عبد الولی صاحب- لکھنؤ- "درحقیقت یہ رسالہ نہایت اعلیٰ درجہ کا علمی مجلہ ہے اور اردو زبان کی خوش قسمتی ہے کہ ایسے علمی پرچے ہندوستان میں شائع ہوتے ہیں..... جس تحقیقات سے مسئلہ طلاق کے متعلق بحث کیگئی ہے وہ تحقیقات کی آخری حد ہے- کیا اچھا ہوتا اگر اس رسالہ کے مطالعہ کا ہمیشہ موقع ملتا!"

میر ہدایت اللہ اسسٹنٹ سرجن جہلم- "...ن ہوئے مجھے ریویو کی آٹھ نمبر پہنچے اسکا بڑا حصہ میں نے پڑھ لیا ہے- میں آپکو مبارکباد دیتا ہوں اسلام کی اس تائید کیلئے جسکی آپ کوشش کر رہے ہیں..... اس رسالہ کا ایک ورق بھی میں ایسا نہیں الٹاتا جس سے اسلام کا جلال ظاہر نہ ہوتا ہو-"

شیخ فرزند علی از راولپنڈی- "اسی موقعہ پر میں آپ کو اسلام کی ان قیمتی خدمات کیلئے جو آپکا میگزین کر رہا ہے مبارکباد دیتا ہوں میں احمدی نہیں مگر آپ کی تحریروں کا مداح ہوں اور میں اس بات کو محسوس کرتا ہوں کہ یورپ میں جو کچھ اسلام کی ابتک قدر کیگئی ہے آپ کی تحریریں اسکو نمایاں طور پر بڑھا رہی ہیں-"

ایم حبیب احمد بی اے- مالیر کوٹلہ- "رسالہ ریویو اگست کا میرے پاس پہنچا اسمیں غلامی پر آرٹیکل تھا جو مخالفوں کے لئے فی الحقیقت دندان شکن جواب ہے..... ریویو کے متعلق میں کہنا چاہتا تھا مگر اسوقت مجھے فرصت

رجسٹرڈ ایل نمبر ۳۰۳

"شکریہ معاونین"

جن احباب نے اعانت کا روپیہ بھیجکر یا جدید خریدار بہم پہنچا کر رسالہ ہذا کی کثرت اشاعت میں مدد دینے میں حصہ لیا ہو انکے نام بقید زر اعانت یا تعداد خریداران کے درج ذیل کئے جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سب کو اس سعی فی سبیل اللہ کی جزائے خیر دے آمین ثم آمین۔

زر اعانت بھیجنے والے احباب } منشی وزیر خانصاحب پر ہما یکصد روپیہ۔ جماعت سیالکوٹ ؏ ۹۰۔ جماعت جموں ؏ ۵۔ جماعت ڈیرہ غازیخاں ؏ ۱۵۔ حکیم فضل الدین صاحب قادیان ؏ ۱۵۔ جماعت کپورتھلہ ؏ ۳۶۔ جماعت میرٹھ ؏ ۲۵ (اس میں سے ؏ ۲۰ بیوہ رحمٰن بخش صاحب مرحوم نے محض ابتغاء اللہ دیا ہے۔ اپنی جماعت خصوصاً عورتوں کے لئے یہ ایک خاص نمونہ تحریک نیکی کا ہے اللہ تعالیٰ دوسروں کے دلوں میں بھی انکے نقش قدم پر چلنے کی نیک تحریک پیدا کرے آمین) شیخ غلام نبی صاحب راولپنڈی ؏ ۲۳۔ شیخ مظفر الدین صاحب انسپکٹر پولیس پشاور ؏ ۲۲۔ منشی عبد الرحمٰن صاحب شملہ ؏ ۲۰۔ بابو ولدار خاں صاحب پشاور ؏ ۱۵۔ میاں الٰہی بخش صاحب بمبئی ؏ ۱۵۔ چودہری رستم علی صاحب انبالہ ؏ ۱۵۔ ڈاکٹر سید جلال صاحب افریقہ حال سیالکوٹ ؏ ۱۲۔ ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحب لاہور ؏ ۱۰۔ ڈاکٹر میر ہدایت اللہ صاحب جہلم ؏ ۹۔ منشی محمد اصغر صاحب توان شہر ؏ ۸ (یہ دونوں صاحب جماعت احمدیہ میں شامل نہیں اور ان کا نمونہ باقی کے لئے قابل تقلید ہے۔)

مرزا محمد شفیع صاحب ڈیرہ اسمٰعیل خاں ؏ ۷۔ میاں اللہ بخش صاحب سوداگر امرتسر ؏ ۷۔ سید حیات علی شاہ صاحب ؏ ۶۔ بابو محمد الٰہی صاحب کوہاٹ ؏ ۶۔ جماعت جہلم ؏ ۶۔ ملک مولی بخش صاحب گورالی ؏ ۶۔ جماعت گنجاہ ضلع گجرات ؏ ۶۔ میاں کریم بخش صاحب کوئٹہ ؏ ۶۔ حافظ عبد العلی صاحب گودھا ؏ ۵۔ جماعت اوجلہ ؏ ۵۔ میاں عبد اللہ کھرل چک نمبر ۲۷۸ ؏ ۵۔ زین الدین محمد ابراہیم بمبئی ؏ ۵۔ بابو شاہ دین صاحب لارنس پور ؏ ۴۔ چودھری نوابخاں صاحب نمبردار ابہرام ؏ ۴۔ قاضی عبد الرحیم صاحب جموں ؏ ۴۔ منشی اللہ بخش صاحب وانون ؏ ۴۔ ڈاکٹر یعقوبخانصاحب موتہ ؏ ۴۔ بابو خیر الدین صاحب گارڈ کوہاٹ ؏ ۴۔ جماعت مکووال ؏ ۴۔ میاں غلام رسول اوجلہ ؏ ۴۔ بابو گلابخاں صاحب دھرمسالہ ؏ ۴۔ بابو برکت علی صاحب شملہ ؏ ۴۔ منشی غلام محمد پٹواری ربیہ ؏ ۴۔ چودھری سرفراز خان صاحب بدوملی ؏ ۴۔ بابو عبد المجید صاحب گوگری ؏ ۴۔ میاں محمد حسن دفتری قادیان ؏ ۴۔